



قرآن وحدیث کی روشنی میں انبیاء کرام علیہم السلام
اور اُن کی قوموں کے حالات و واقعات پر مدلّل تحریر

انبیاء کرام علیہم السلام اور اُنکی قوموں کے احوال

جلد اوّل













مؤلف:
مولانا عبد المصطفیٰ محمد مجاھد العطاری القادری
شاہ جمال آستانۂ عالیہ جھلار شریف

ناشر
اکبر بُک سیلرز لاہور

قرآن و حدیث کی روشنی میں انبیاء کرام علیہم السلام
اور ان کی قوموں کے حالات و واقعات پر مدلل تحریر

انبیاء کرام علیہم السلام اور اُنکی قوموں کے احوال

جلد اوّل

مؤلف:
مولانا عبد المصطفیٰ محمد مجاہد العطاری القادری
شاہ جمال آستانہ عالیہ جھلاد شریف

ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور Ph: 37352022

نام کتاب	....	انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کے احوال (جلد اوّل)
مصنف	....	مولانا عبد المصطفیٰ محمد مجاہد العطاری القادری
صفحات	....	۹۲۸
تعداد	....	۶۰۰
کمپوزنگ	....	کاشف عباس
تاریخ اشاعت	....	ستمبر ۲۰۱۳ء
ناشر	....	محمد اکبر قادری
قیمت	....	850/ روپے

ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر اردو بازار لاہور

شرفِ انتساب

میں اپنی اس ادنیٰ کاوش کو اپنے نانا جان کی طرف منسوب کرتا ہوں جن کی کڑھن علم دین حاصل کرنے کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی مقدس بارگاہ میں دعا ہے کہ میری میرے نانا جان، نانی جان، دادا جان، دادی جان، والدین کریمین، بھائیوں، بہنوں، تمام خاندان، اساتذہ کرام، پیرومرشد وتمام امت مسلمہ کی مغفرت فرما کر قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت عظمیٰ وقیامت کے دن شفاعت شفیع اعظم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم فرما کر جنت الفردوس میں رسول اعظم، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمین شریفین میں پڑوس عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین و صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

دعا گو

عبدالمصطفیٰ محمد مجاہد العطاری القادری

عفی عنہ

شاہ جمال آستانہ عالیہ چشتیہ جھلار شریف

آغاز کتاب بروز منگل 30 شوال المکرم ۱۴۳۳ھ بمطابق 18 ستمبر 2012ء

حمد باری تعالیٰ

خالق دو جہاں تیری کیا بات ہے
رحمت دو جہاں تیری کیا بات ہے

تو ہی مالک ہے عرش و فرش کا
اے کل سایۂ فگاں تیری کیا بات ہے

تو ہی مالک ہے لوح و قلم کا
اے حساب میزان تیری کیا بات ہے

تو ہی مالک ہے میزان و پل صراط کا
اے غفور بنداں تیری کیا بات ہے

تو ہی مالک ہے جنت و دوزخ کا
اے عطائے جناں تیری کیا بات ہے

تو ہی مالک ہے مجاہد بھکاری کا
اے مغفرت گناہ گاراں تیری کیا بات ہے

نعت شریف

مالک دو جہاں تیری کیا بات ہے
رحمت دو جہاں تیری کیا بات ہے

آپ سے دونوں جہاں میں ہیں رونقیں
اے رونق جہاں تیری کیا بات ہے

آپ سے مومنوں کی محفلوں میں ہیں برکتیں
اے رونق محفلاں تیری کیا بات ہے

آپ سے تو اسلام کی بدلی ہیں کروٹیں
اے ہادی دو جہاں تیری کیا بات ہے

آپ سے تو کافروں کو ملی ہیں پستیں
اے شمشیر حیدراں تیری کیا بات ہے

آپ سے تو مجاہد کو ملی ہیں نعمتیں
اے نعمت وسعتاں تیری کیا بات ہے

فہرست جلد اوّل

انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کے حالات وواقعات

❀

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام

❀

حضرت ادریس علیہ السلام

❀

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام

❀

حضرت ابراھیم علیہ الصلوٰۃ والسلام

❀

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

مقدمہ

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ظاہر فرمانا چاہا تو فرشتوں سے فرمایا: میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔ فرشتوں نے عرض کی کہ یا خالق باری تعالیٰ ایسے کا خلیفہ بنائیں گے جو زمین میں فساد پھیلائے گا اور خون ریزیاں کرے گا۔ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم فرمایا: تمام روئے زمین سے ہر قسم کی سیاہ، سفید، سرخ، کھاری، میٹھی، نرم خشک ایک مٹھی خاک اٹھالاؤ۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے زمین پر تشریف لاکر خاک اٹھانی چاہی، زمین نے سبب پوچھا، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے تمام واقعہ بیان فرمادیا۔ زمین نے عرض کیا کہ میں اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتی ہوں کہ تو مجھ سے خاک اٹھا کر انسان بنائے جس کی وجہ سے میرا کچھ حصہ جہنم میں پہنچے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام خالی مٹی اٹھائے بغیر واپس تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا خالق باری تعالیٰ زمین نے تیری عزت کی پناہ پکڑلی۔ میں تیرے نام اور عزت کے ادب سے اس سے خاک نہ اٹھا سکا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر حضرت اسرافیل و میکائیل علیہما السلام کو باری باری بھیجا مگر وہ بھی اسی طرح واپس گئے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ملک الموت علیہ السلام کو بھیجا انہوں نے زمین کی ایک بھی نہ سنی بلکہ فرمایا میں تو اللہ تعالیٰ کے حکم کا تابعدار ہوں۔ تیری عاجزی اور زاری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت تو نہیں چھوڑ سکتا۔ اسی لئے ان کو جان نکالنے کا کام سپرد کردیا گیا کہ تم نے ہی اس خاک کو زمین سے الگ کیا ہے۔ تم ہی اس کو ملانا۔ اب انہیں حکم باری تعالیٰ عزوجل ہوا کہ اس خاک کو وہاں رکھو جہاں آج خانہ کعبہ ہے۔ فرشتوں کو حکم ہوا کہ اس خاک کو مختلف پانیوں سے گارا بنائیں چنانچہ اس پر چالیس روز بارش ہوئی۔ انتالیس دن تو غم و رنج کا پانی برسا اور ایک دن خوشی کا۔ اسی لئے انسان کو رنج و غم زیادہ رہتے ہیں اور خوشی کم ہوتی ہے۔ پھر اس گارے کو مختلف ہواؤں سے اتنا خشک کیا کہ کنکھنانے لگا۔ پھر فرشتوں کو حکم ہوا کہ اس گارے کو مکے اور طائف کے درمیان وادی نعمان عرفات پہاڑ کے نزدیک رکھیں پھر اللہ تعالیٰ نے خاص اپنے دست قدرت سے اس گارے کو حضرت آدم علیہ السلام کا قالب بنایا اور ان کی صورت تیار فرمائی۔ فرشتوں نے کبھی ایسی صورت نہ دیکھی تھی۔ تعجب سے اس کے آس پاس پھرتے تھے۔ اس کی خوبصورتی سے حیران تھے۔ ابلیس کو بھی اس تمام اعلان کی خبر ہو چکی تھی وہ بھی اس قالب کو دیکھنے آیا اور اس کے گرد پھر کر بولا: اے فرشتو، تم اسی کا تعجب کرتے ہو۔ یہ تو ایک اندر سے خالی جسم ہے

جس میں جگہ جگہ سوراخ ہیں اور اس کی کمزوری کا یہ حال ہے کہ اگر بھوکا ہو تو گر پڑے اور اگر خوب سیر ہو جائے تو چل پھر نہ سکے۔ اس قالب سے خالی کچھ نہ ہو سکے گا۔ پھر بولا: ہاں اس کے سینے کے بائیں طرف ایک بند کوٹھڑی یعنی دل ہے۔ یہ خبر نہیں کہ اس میں کیا ہے۔ شاید کہ یہی لطیفہء ربانی کی جگہ ہو جس کی وجہ سے یہ خلافت کا حق دار ہوا۔ پھر روح کو حکم کہ اس قالب میں اور اس کے گڑھوں میں بھر جائے۔ جب روح قالب کے پاس پہنچی تو جسم کو تنگ وتاریک پایا اندر جانے سے ٹھہر گئی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ تب نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ قالب جگمگا دیا گیا۔ یعنی وہ نور پیشانی آدم علیہ السلام میں امانت رکھا گیا۔ اب روح آہستہ آہستہ داخل ہونے لگی۔ ابھی سر میں تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام کو چھینک آئی اور زبان سے نکلا الحمد للہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یرحمك الله۔ جب روح کمر تک پہنچی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اٹھنا چاہا مگر گر پڑے کیونکہ نیچے کے دھڑ میں روح پہنچی ہی نہیں تھی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: خلق الانسان من عجل۔ فرمایا تمام بدن میں روح پھیل گئی تو حکم ہوا کہ فرشتوں کے پاس جا کر ان کو سلام کرو اور سنو وہ تمہیں کیا جواب دیتے ہیں۔ تب حضرت آدم علیہ السلام ادھر تشریف لے گئے اور فرمایا السلام علیکم، فرشتوں نے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ جواب میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یہی الفاظ تمہارے اور تمہاری اولاد کے لئے مقرر کیے گئے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا باری تعالیٰ میری اولاد کون ہے تب اللہ تعالیٰ نے آپ کی پشت پر دست قدرت پھیر کر اس سے تمام انسانی روحیں نکالی گئیں اور حضرت آدم علیہ السلام کو سب دکھائی گئیں اور انہیں کافر و مومن، منافق، اولیاء قطب وانبیاء علیہم السلام دکھائے گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے نام سکھائے پھر سب اشیاء ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا تم سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ۔ تو فرشتے عرض کرنے لگے۔ تجھے پاکی ہے۔ ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا بے شک تو ہی علم وحکمت والا ہے جب فرشتوں نے اپنی معذوری اور کم علمی کا اقرار کر لیا اور بارگاہ الٰہی میں اپنی عرضو معروض کی معذرت کی تب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ ان کو سب چیزوں کے نام بتا دیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے حکم پاتے ہی آناً فاناً بلا تامل سب کچھ ان کو بتا دیا۔ جب اس واقعہ سے فرشتوں کو اپنی عاجزی اور حضرت آدم علیہ السلام کے کمال علمی کا ثبوت ہو گیا۔ تب اللہ تعالیٰ ان کو متنبہ کرنے کو فرمایا: تم اپنے دل میں کیا سمجھتے تھے اور ظاہر کیا ہوا میں ہی ہر چیز کی حکمت اور مصلحت زمین وآسمان کی پوشیدہ باتیں تمہارے ظاہری اور باطنی حالات جانتا ہوں لہٰذا تمہارا تعجب کرنا کہ خلیفہ کیوں بنایا جا رہا ہے بے جا تھا میں جو کچھ کرتا ہوں اس میں بھی ہزار حکمتیں ہوتی ہیں۔

جب آدم علیہ السلام کا علم تمام پر ظاہر ہو گیا تو تمام فرشتوں جن میں شیطان بھی رہتا تھا حکم ہوا کہ تم سب کے سب حضرت آدم علیہ السلام کو تعظیمی سجدہ کرو وہ سب کے سب سجدہ میں گر گئے لیکن ابلیس چونکہ متکبر تھا اس لئے سجدے سے انکاری ہوا۔ اپنے آپ کو بڑا جان کر دل میں سوچنے لگا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم غلط ہے۔ میں بہت بڑا آدم علیہ السلام بہت چھوٹے، چھوٹا بڑے کے سامنے جھک سکتا ہے نہ کہ بڑا چھوٹے کے سامنے جھکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میری ہزار ہا برس کی عبادت کی کوئی قدر نہ فرمائی اور میرا حق نہ پہچانا۔ جب اس لعین ابلیس نے اس طرح کہا تو کافر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا

رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ جنت میں رہو اور کھاؤ پیو۔ مگر اس درخت (گیہوں، انجیر، یا انگور یا کوئی اور درخت) کے پاس تک نہ جانا اگر اس درخت کے پاس گئے تو خرابی میں پڑ جاؤ گے۔ شیطان لعین نے حضرت آدم علیہ السلام و حضرت حواء رضی اللہ عنہا کو اس بات پر اطمینان دیا کہ یہ درخت تمہارے لئے مفید ہے اور قسمیں کھا کر انہیں اطمینان دلایا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں لہٰذا ان دونوں ہستیوں نے وہ درخت کھالیا اور اللہ تعالیٰ کی ممانعت کے اصل مقصد کو بھول گئے اور حکم ہوا کہ تم سب کے سب زمین پر اتر جاؤ اور وہاں آپس کی عداوت کی تکلیف اٹھاؤ اور مدت تک وہیں رہو اور وہاں ہی کما کر کھاؤ۔ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے باہر زمین پر تشریف لائے تو ایک دم بہت سی آزمائشوں میں گرفتار ہو گئے۔

جنت سے چھوٹنے کا غم اپنی بیوی کی حواء رضی اللہ عنہا کی جدائی اپنی وحشت اور تنہائی پھر اللہ تعالیٰ کا عتاب، اس عتاب کی وجہ سے سخت پریشانی تھی۔ اسی پریشانی میں تین سو سال تک اس قدر روئے کہ اُن کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔

پانچ بزرگ دنیا میں بہت روئے۔

(۱) حضرت آدم علیہ السلام اپنی خطاء پر

(۲) حضرت یعقوب علیہ السلام فراق فرزند میں

(۳) حضرت یحییٰ علیہ السلام خوف الٰہی سے

(۴) حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے ظاہری پردہ فرمانے کے بعد

(۵) حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ واقعہ کربلا کے بعد

مگر ان تمام بزرگوں میں حضرت آدم علیہ السلام کی گریہ وزاری سب سے بڑھ کر ہے کیونکہ تین سو سال تک متواتر روئے ہیں۔

تفسیر عزیزی میں ہے کہ

حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھی ان کی گریہ وزاری پر رونا آ گیا۔ انہوں نے بارگاہِ الٰہی عزوجل میں حضرت آدم علیہ السلام کی سفارش اور شفاعت کی تب رحمت الٰہی عزوجل نے ان کی دستگیری فرمائی اور ان کو رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام یاد دلایا اور اس کے ذریعہ سے توبہ کو قبول فرمایا۔ حضرت آدم علیہ السلام و حضرت حوا رضی اللہ عنہا جب جنت سے چلے تو اب انہیں یہ خبر نہ تھی کہ آیا ہم ہمیشہ کے لئے جا رہے ہیں یا پھر بھی یہاں آنا میسر ہوگا اور اس جگہ رہ کر بھی تعلق رب سے رہے گا یا نہیں۔ ان کے اطمینان کے لئے فرمایا: اب تم سب جنت سے اتر کر زمین پر جاؤ لیکن وہاں تم پر ہماری نظر عنایت رہے گی۔ دیکھو اس بار تم چوک گئے آئندہ ایسا نہ کرنا اسی غلطی سے سبق حاصل کرنا جو ہماری ہدایت کے موافق عمل کرے گا تو اس کو آئندہ نہ خوف ہوگا اور نہ گزری عمر سے غم ہوگا بلکہ دونوں عالم میں شاد و خرم رہیں گے۔ ہم تمہاری طرف اپنی ہدایت یعنی عقل سلیم عجائبات قدرت انبیاء علیہم السلام، کتابیں بھیجیں گے جو تمہاری لئے ہدایت ہوں گے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اپنے بندوں پر

درجہ بدرجہ دنیا میں مبعوث فرمایا اور ان میں بعض انبیاء علیہم السلام کو کتابیں عطا کیں اور بعض انبیاء علیہم السلام کو صحائف عطا کئے تا کہ میرے بندوں کو میری راہ پر چلا کر میرا مطیع و محسن و عبادت گزار بندہ بنائیں۔ میرا اس کتاب کو لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے حالات اور انہیں جو کتابیں اور صحائف عطا کی گئیں ذکر کروں اور ان انبیاء علیہم السلام کی قوموں کے حالات و واقعات و افعال ذکر کروں جو ان میں پائی جاتی تھیں اور وہ احکام ذکر کروں جو ان پر نازل ہوئے تھے۔

میری یہ کتاب

(۱) ان کے نام جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سربسجود رہنے والے ہیں۔

(۲) ان کے نام جو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین پر دیوانہ وار عمل کرنے والے ہیں۔

(۳) ان کے نام جو خوف خداوندی عزوجل میں رونے والے ہیں۔

(۴) ان کے نام جو سابقہ انبیاء علیہم السلام کی قوموں سے درس عبرت حاصل کرنے والے ہیں۔

(۵) ان کے نام جو ہر حال ہر وقت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کو ترجیح دینے والے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کے حالات وواقعات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُتَّقِيْنَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِىْ عِوَجٍ مَوْعِظَةً وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَوَّلِيْنَ الْاٰخِرِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ الْمُصَدِّقِيْنَ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ وَ اُمَّتِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نُوْرَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

درود شریف کی فضیلت

سرکار مدینہ، سلطان باقرینہ، قرار قلب وسینہ، فیض گنجینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے بعد حمد وثناء ودرود شریف پڑھنے والے سے فرمایا۔

''دعا مانگ قبول کی جائے گی سوال کر دیا جائے گا۔'' (سنن نسائی ج1 ص189)

سبحان اللہ عزوجل

درود شریف کی یہ برکت ہے کہ جب گناہ گار بندہ نماز ادا کر کے اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل کرتا ہے پھر رسول اعظم نبی محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں درود شریف کا نذرانہ پیش کرتا ہے تو جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا مانگتا ہے قبول ہونے کی نوید ہے اور جو سوال کرتا ہے پورا ہونے کی نوید ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کو بلند درجے عطا فرمائے اور سب سے زیادہ احسان عظیم یہ ہے کہ ہمیں اس مقدس

ومطہر ومنور رسول اعظم شفیع امم کا امتی بنایا جس کے امتی ہونے کو انبیاء علیہم السلام بھی آرزوئیں کریں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی دعائیں کریں۔ یہی حضرات انبیاء علیہم السلام جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا پھران میں بعض کو کتابیں عطا فرمائیں۔ بعض کو صحائف عطا فرمائے تاکہ میرے بندوں کو سیدھے راستے کی تلقین کریں اور میرا برگزیدہ بندہ بنائیں۔

الحمدللہ عزوجل اسی دردفکر کو لے کر اس کتاب کو تحریر کیا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کیوں تشریف لائے اور ان کے تشریف لانے کا مقصد کیا تھا اور انہوں نے اپنی قوموں وامتوں کو کس چیز کا حکم دیا اور کس چیز سے منع کیا اور جنہوں نے ان مقدس انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کی ان کو اس کا کیا صلہ ملا اور جنہوں نے ان مقدس انبیاء علیہم السلام کی نافرمانیاں کیں ان کو دنیا میں کیا عذاب ملا اور کیوں ملا

اس کتاب میں انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کے حالات واقعات کو ذکر کروں گا تاکہ قارئین پڑھ کر درس عبرت حاصل کریں اور اپنا اصل مقصد تلاش کرنے میں کامیاب ہو کر دنیا وآخرت کو سنوارنے میں کوشاں رہیں۔ سب سے پہلے انبیا کرام علیہم السلام کے فضائل ذکر کرتا ہوں بعد میں احوال ذکر کروں گا۔

نبی کی تعریف

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں

نبی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف کی ہوئی وحی کی تبلیغ کے لئے بھیجا ہو۔

(مسایرۃ مع المسامرہ ص: 207 مطبوعہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ مکران)

بہار شریعت میں رسول اور نبی کی تعریف

نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لئے وحی بھیجی ہو اور رسول بشر ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ملائکہ میں بھی رسول ہیں۔

(بہار شریعت ج:۱ ص:۹ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ لاہور)

علامہ سعود بن عمر تفتازانی کا رسول اور نبی کے بارے میں قول

رسول وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کے لئے بھیجا اور کبھی اس میں کتاب کی شرط بھی لگائی جاتی ہے اس کے برخلاف نبی عام ہے خواہ اس کے پاس کتاب ہو یا نہ ہو۔ (شرح عقائد نسفیہ ص:14)

اس تعریف پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ

رسول تین سو تیرہ ہیں اور کتابیں صحائف ملا کر ایک سو چودہ ہیں اور باقی رسولوں کے پاس کتاب نہیں تھی۔

اس لئے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

تحقیق یہ ہے کہ نبی وہ انسان ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی بغیر کسی بشر کے واسطے کے خبر دے اور ان امور کی خبر دے جن کو محض عقل سے نہیں جانا جاسکتا۔

اور رسول وہ ہے جو ان اوصاف کے علاوہ مرسل الیہم کی اصلاح پر بھی مامور ہو۔

لیکن یہ فرق درست نہیں ہے کیونکہ نبی بھی انسانوں کی اصلاح پر مامور ہوتا ہے۔

اس لئے جواب یہ ہے کہ

رسول کے پاس کتاب ہونا ضروری ہے خواہ کتاب جدید ہو یا کسی سابق رسول کی کتاب ہو۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ

رسول عام ہے وہ فرشتہ بھی ہوتا ہے اور انسان بھی۔ اس کے برخلاف نبی صرف انسان ہی ہوتا ہے۔

تیسرا فرق یہ ہے کہ

رسول کے لئے ضروری ہے کہ اس پر فرشتہ وحی لائے اور نبی کے لئے ضروری نہیں ہے۔ یہ جائز ہے کہ اس کے دل پر وحی کی جائے یا خواب میں اس پر وحی کی جائے۔

رسول اور نبی کا المنجد میں معنیٰ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کی بنا پر غیب کی باتیں بتانے والا، پیشن گوئی کرنے والا، خدا تعالیٰ کے متعلق خبریں دینے والا۔

(المنجد، ص:987)

نبی اور رسول دونوں کا اصطلاحی معنیٰ ہے۔

وہ انسان اور بشر جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی تبلیغ کے لئے مخلوق کی طرف بھیجا ہو اور ان دونوں میں فرق یہ کیا جاتا ہے کہ

نبی وہ انسان ہے جس پر وحی نازل کی گئی ہو عام ازیں کہ اس پر کتاب بھی نازل کی گئی ہو یا نہیں

اور رسول

وہ انسان ہے جس پر وحی بھی نازل کی گئی ہو اور اس پر کتاب بھی نازل کی گئی ہو۔

اس لئے حدیث میں ہے کہ

تین سو تیرہ رسول ہیں اور ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں۔

(حلیۃ الاولیاء، ج:1، ص:167)

مسند احمد کی روایت میں ہے۔

تین سو پندرہ رسول ہیں۔ (مسند احمد: ج:5،ص:266)

المفردات میں نبی کا معنیٰ

نبی کا لفظ نبُو سے بنا ہے۔

اس کا معنیٰ

رفعت اور بلندی ہے۔

اور نبی کو نبی اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا مقام اپنی امت میں سب سے بلند ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا:

وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا (مریم: 57)

اور ہم نے اس کو بلند مقام پر اٹھالیا۔

اور یا یہ لفظ نبا سے بنا ہے۔

اور نبی اس خبر کو کہتے ہیں جس میں دو چیزیں ہوں۔

(ا) اس سے کوئی عظیم فائدہ حاصل ہو۔

(۲) اس سے یقین حاصل ہو۔

اور جب تک کوئی ان دو چیزوں کو متضمن نہ ہو اس کو نبا نہیں کہا جاتا ہے اور جس خبر کو نبا کہا جاتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ جھوٹے نہ ہو جیسے خبر متواتر (وہ خبر جس کے بیان کرنے والے ہر دور میں اتنے زیادہ ہوں کہ عقل کے نزدیک ان سب کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو) اور اللہ تعالیٰ کی خبر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کو نبا کہا جاتا ہے اور چونکہ نبا علم کو متضمن ہے اس لئے اس کا معنیٰ خبر دینا بھی ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ (ھود: 49)

یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جن کی ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔

(المفردات ج:2،ص:622 مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

اور نبا کا لفظ غیب کی خبر دینے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول نقل فرمایا

وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ؕ (آل عمران: 49)

میں تمہیں ان چیزوں کی خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور ان چیزوں کی خبر دیتا ہوں جن کو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ

کرتے ہو۔
اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا:
كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ (طٰہٰ:99)
اور اسی طرح ہم آپ کے سامنے پچھلے گزرے ہوئے واقعات کی خبریں بیان کررہے ہیں۔
اور اس اعتبار سے نبی کا معنیٰ ہے غیب کی خبریں بیان کرنے والا
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ یوں کیا
اے غیب کی خبریں بتانے والے
اور اصطلاح میں نبی اس انسان کو کہتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی ہو اور اس کو تبلیغ احکام کے لئے بھیجا ہو۔

انبیاء کرام ورسل عظام علیہم السلام کی تعداد

امام ابونعیم اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت نقل کی ہے۔
حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نے عرض کیا
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انبیاء کرام علیہم السلام کتنے ہیں؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ایک لاکھ چوبیس ہزار
میں نے عرض کیا
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! رسول کتنے ہیں
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تین سو تیرہ جم غفیر ہیں۔
میں نے کہا:
بہت اچھے ہیں۔
میں نے کہا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پہلا نبی کون ہے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
(حضرت) آدم (علیہ السلام)

میں نے عرض کیا
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا وہ نبی مرسل ہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ہاں! اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی پھر ان کو اپنے سامنے بنایا۔
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:۔
چار نبی علیہم السلام سریانی ہیں۔
(۱) حضرت آدم
(۲) حضرت شیث
(۳) حضرت خنوخ یہ حضرت ادریس ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قلم سے خط کھینچا۔
(۴) اور حضرت نوح علیہم السلام
اور چار نبی عرب ہیں۔
(۱) حضرت ہود
(۲) حضرت صالح
(۳) حضرت شعیب
(۴) اور تمہارے نبی علیہم الصلوٰۃ والسلام
اے ابوذر! (رضی اللہ عنہ)
میں نے عرض کیا
اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل کیں
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
سو صحیفے اور چار کتابیں
حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس صحیفے نازل کیے گئے۔
حضرت خنوخ علیہ السلام پر تیس صحیفے نازل کیے گئے۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے نازل کیے گئے۔
اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات سے پہلے دس صحیفے نازل کیے گئے۔
اور

تورات
زبور
انجیل
اور فرقان کو نازل کیا گیا۔
(حلیۃ الاولیاء ج:1،ص:167 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)
امام احمد نے بھی دو سندوں سے اس حدیث کو حضرت ابو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔
مگر اس میں تین سو پندرہ رسولوں کا ذکر ہے۔
(مسند احمد ج:5،ص:179,266 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)
حافظ الہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امام احمد اور امام طبرانی کے حوالوں سے ذکر کیا ہے کہ رسول تین سو پندرہ ہیں۔
(مجمع الزوائد ج:1،ص:159 مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت 1402)
علامہ علی متقی نے بھی اس حدیث مبارکہ کا حافظ سیوطی کے حوالوں سے ذکر کیا ہے۔
(کنز العمال: ج:16،ص:133 تا 134 مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)
حافظ سیوطی نے الجامع الکبیر میں اس حدیث کو امام ابن حبان، امام اصبہانی اور امام عساکر کے حوالوں سے لکھا ہے اور اس میں تین سو تیرہ رسولوں کا ذکر ہے۔
(جامع الاحادیث الکبیر: ج:17،ص:204,206 مطبوعہ دار الفکر بیروت)
حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے در منثور میں لکھا ہے کہ
حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نے عرض کیا! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انبیاء کرام علیہم السلام کتنے تھے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ایک لاکھ اور چوبیس ہزار نبی تھے۔
میں نے عرض کیا
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان میں کتنے رسول تھے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تین سو تیرہ کا جم غفیر تھا۔
(در منثور ج:2،ص:246 مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت دو جگہ ذکر کی ہے۔
اس میں ذکر ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں اور تین سو پندرہ رسول ہیں۔
(جامع المسانید والسنن رقم 10232 دار الفکر بیروت)
امام ابو یعلیٰ روایت کرتے ہیں
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار نبی مبعوث فرمائے چار ہزار بنو اسرائیل کی طرف اور چار ہزار باقی لوگوں کی طرف۔
(مسند ابو یعلیٰ ج:4،ص:157 مطبوعہ دار المامون تراث بیروت)
علامہ تفتازانی نے لکھا ہے کہ
ایک روایت میں ہے کہ
دو لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام ہیں
(شرح عقائد ص:97 مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)
تمام محدثین کا اعتماد حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی اس روایت پر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ کی صفات لازمہ

نبی کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس قوم کی طرف مبعوث ہو وہ اس میں سب سے اشرف اور مکرم اور وہ آزاد ہو کیونکہ غلامی ایک نقص ہے جو مقام نبوت کے لائق نہیں ہے اور مرد ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ (یوسف: 109)
اور ہم نے آپ سے پہلے مردوں کے سوا کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا۔
اس آیت کی بنا پر جمہور اہل سنت کے نزدیک عورت کا نبی ہونا جائز نہیں ہے۔
امام ابوالحسن اشعری اور علامہ قرطبی مالکی کا اس میں اختلاف ہے۔
یہ حضرات، حضرت مریم، آسیہ، حاجرہ علیہن السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی نبوت کے قائل ہیں۔
نیز نبی کے لئے ضروری ہے کہ وہ قوی ہو، فہیم اور عالم ہو اور اس کے اخلاق عمدہ ہوں تا کہ لوگ سہولت کے ساتھ اس سے استفادہ کر سکیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام بخل، بزدلی لغو اور بے فائدہ کاموں اور تمام رذائل سے مجتنب ہوتے ہیں۔ اسی طرح وہ دنیا کی حرص سے بھی منزہ ہوتے ہیں اور اپنی قوم میں ان کا نسب سب سے عمدہ اور اشرف ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ

عقل، ذکاوت اور شجاعت کے لحاظ سے وہ نوع انسان کے کامل ترین فرد ہوتے ہیں اور وہ ہر ایسی صفت و کیفیت سے منزہ ہوتے ہیں جس سے طبیعت سلیمہ متنفر ہو۔ مثلاً ان کے آباء میں رذالت نہیں ہوتی نہ ان کی ماؤں کی طرف بدکاری کی نسبت ہوتی ہے اور نہ ان پر کوئی ایسی بیماری آتی ہے جس سے لوگ متنفر ہوں مثلاً حرص اور جذام وغیرہ اور نہ وہ عامیانہ کام کرتے ہیں مثلاً بازاروں میں چلتے پھرتے اور کھاتے نہیں اور نہ کوئی ایسا کسب کرتے ہیں جو لوگوں میں معیوب سمجھا جاتا ہو۔ بدن کو گناہوں کی کدورت سے پاک کرنے اور عمدہ اخلاق کے ساتھ متصف ہونے اور سخت عبادت اور ریاضت کرنے سے نبوت و رسالت حاصل نہیں ہوتی۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے نبوت عطا فرماتا ہے لیکن استقرار تام اور تتبع سے اور قرآن وحدیث کے دلائل سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو بھی نبوت عطا فرمائی وہ مذکورہ الصدر صفات کا حامل تھا لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جس شخص میں یہ صفات ہوں وہ نبی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ جس جگہ اپنی نبوت کو رکھے گا۔ پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور آخری نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو سکتا۔

اولوالعزم نبی پانچ ہیں۔

(۱) حضرت نوح

(۲) حضرت ابراہیم

(۳) حضرت موسیٰ

(۴) حضرت علی

(۵) اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم الصلوٰۃ والسلام

کل نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں۔

(لوامع الانوار البہیہ ج:2،ص:256,269 ملخصاً مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حصول نبوت کا معیار

ولید بن مغیرہ نے کہا:

اگر نبوت حق ہوتی تو آپ سے زیادہ میں نبوت کے لائق تھا کیونکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں بھی بڑا ہوں اور میرے پاس مال بھی زیادہ ہے۔

اور ابو جہل نے کہا:

بخدا ہم اس وقت ان سے راضی نہیں ہوں گے اور ان کی پیروی نہیں کریں گے جب تک کہ ہمارے پاس اس طرح وحی نہ

آئے جس طرح ان کے پاس آتی ہے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کس جگہ اپنی رسالت کو رکھے گا۔

ضحاک نے بیان کیا ہے کہ

ہر کافر یہ چاہتا تھا کہ اس کو وحی اور رسالت کے ساتھ خاص کر لیا جائے۔

جیسا کہ اس آیت میں ہے۔

بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةًۙ (مدثر: 52)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ فرماتے ہیں۔

حصول نبوت کے مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ نفس حقیقت کے لحاظ سے تمام انسان حصول نبوت میں مساوی ہیں اور بعض انسانوں کا رسالت کے ساتھ خاص ہونا یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے۔

اور بعض علماء نے یہ کہا کہ

نفوس انسانیہ اپنی ذات کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ بعض روحیں پاکیزہ ہوتی ہیں تعلقات جسمانیہ سے منزہ اور انوار الٰہیہ سے منور ہوتی ہیں اور بعض روحیں خسیس اور مکدر ہوتی ہیں اور جسمانی تعلقات میں جکڑی ہوئی ہوتی ہیں پس اس قسم کی روحیں حصول وحی کی صلاحیت نہیں رکھتیں اور پہلی قسم کی روحیں حصول وحی کی صلاحیت رکھتی ہیں پھر ان میں بھی مراتب اور درجات ہیں۔ اس لئے نبیوں اور رسولوں کے درجات بھی متفاوت ہیں۔ بعض کی عمر اور معجزات زیادہ ہوتے ہیں اور ان کے پیروکار کم ہوتے ہیں اور بعض کی عمر اور معجزات کم ہوتے ہیں اور ان کے پیروکار زیادہ ہوتے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج:5، ص:136 تا 137 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حکماء کے نزدیک استحقاق نبوت کی صفات اور ان کا رد

رسولوں کو بھیجنے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ جو لوگ عبادات میں سخت ریاضت کریں اور خلوت میں مجاہدے کریں اور دنیا سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور جن کے جوہر ذات میں گناہوں کی کدورتوں اور ظلمتوں سے تجرد اور تنزہ ہو اور ان کی فطرت باوقار اور روشن ہو اور وہ غایت درجہ کے ذکی ہوں۔ ان کو اللہ تعالیٰ رسول بنا لیتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے لہٰذا نبوت اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی عطا ہے جو اس کی مشیت کے ساتھ متعلق ہے اور اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کس جگہ رکھے گا۔

(الانعام: 124)

اور یہ بھی اہل حق کا مذہب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قادر مختار ہے وہ جو چاہتا ہے اور جو پسند کرتا ہے وہی کرتا ہے۔ اس کے

برخلاف فلاسفہ نے یہ کہا کہ

نبی وہ شخص ہے جس میں تین خواص مجتمع ہو جائیں۔

(۱) اس کو ماضی، حال اور مستقبل کے تمام مغیبات پر اطلاع ہو۔

(۲) اس کا مجردات عالیہ اور نفوس سماویہ کے ساتھ ارتباط اور تعلق ہو اور اس کے کانوں میں کلام منظم سنائی دے کہ جس کو یاد کیا جائے اور جس کی تلاوت کی جائے اور یہی وحی ہے

(۳) اس پر فرشتہ اور کتاب کا نزول ہو جس میں نظام معاش، نجات، آخرت اور بندوں کی اصلاح اور فلاح کے احکام کا بیان ہو۔

ان کے نزدیک جو شخص اوصاف ثلاثہ کا حامل ہو اس کا نبی ہونا واجب ہے لیکن سورہ انعام: 124 کی روشنی میں ان کا یہ قول باطل ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے اور ان میں سے بعض اوصاف غیر نبی میں بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اولیاء اللہ کو بھی بعض مغیبات کا علم ہوتا ہے اور تمام اوصاف انبیاء کرام علیہم السلام میں نہیں پائے جاتے مثلاً ہر نبی پر کتاب کا نزول نہیں ہوتا۔

(شرح مقاصد: ج:5، ص:25:19 ملخصا مطبوعہ ایران 1409ھ)

اہل حق کے نزدیک ثبوت نبوت کا منشاء

علامہ محمد السفارینی الحنبلی المتوفی 1188ھ لکھتے ہیں:

رسولوں کو بھیجنا، کتابوں کو نازل کرنا اور شریعتوں کو مقرر کرنا اللہ تعالیٰ کا احسان اور فضل ہے۔ یہ اس پر واجب نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک اللہ تعالیٰ نے جس قدر نبی اور رسول بھیجے یہ اللہ تعالیٰ کا لطف اور کرم ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے امر اور نہی اور وعد اور وعید کو بیان کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں کو یہ بتائیں کہ وہ اپنے معاش اور معاد کی کن احکام کے محتاج ہیں۔

بندے تین اصولوں کی معرفت میں رسولوں کے محتاج ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی توحید

اللہ کی صفات

تقدیر

ملائکہ

اور اللہ تعالیٰ کے اولیاء کرام

اور اعداء کے انجام کا بیان

(۲) احکام شرعیہ کی تفصیل کیا چیز حلال ہے اور کیا چیز حرام ہے اور اللہ تعالیٰ کو کیا پسند اور کیا ناپسند ہے؟

(۳) قیامت

جنت

دوزخ

حساب وکتاب

اور ثواب وعذاب

(مرجع السابق)

مشرکین کا نبوت پر تعجب کا ازالہ

مشرکین نے حسب حسب ذیل وجوہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر تعجب کہا اور بشر کیا کرتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا:

مشرکین مکہ کہتے تھے:

اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ وہ ایک بشر کو رسول بنائے۔

(جامع البیان جز:11 ص:197)

قرآن مجید میں ہے

قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل: 94)

کفار نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے بشر کو رسول بنایا؟

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس تعجب کو حسب ذیل آیتوں میں زائل فرمایا

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝ (الانعام: 9)

اور اگر ہم فرشتے کو رسول بناتے تو اسے مرد ہی بناتے اور ان پر وہی شبہ ڈال دیتے جو شبہ وہ اب کر رہے ہیں۔

اور ارشاد فرمایا:

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝

ترجمہ: ''آپ فرمائیے اگر زمین میں (رہنے والے) فرشتے ہوتے جو اس میں اطمینان سے چلنے والے ہوتے تو ہم ضرور ان کے اوپر آسمان سے فرشتہ کو رسول بنا کر نازل کرتے۔''

خلاصہ یہ ہے کہ

جس قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا جائے وہ اسی قوم کی جنس سے ہوتا ہے تاکہ اس رسول کا عمل اس قوم کے لئے نمونہ اور

حجت ہو نیز اگر رسول کسی اور جنس سے ہو تو قوم اس سے استفادہ نہیں کر سکتی۔ جیسا کہ عام انسان نہ فرشتوں کو دیکھ سکتے ہیں نہ کلام کر سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ ان کو مس کر سکتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضہ یہ تھا کہ انسان اور بشر کی طرف انسان اور ظاہری بشر ہی کو رسول بنا کر بھیجا جائے اور اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ سے یہی سنت رہی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ (یوسف: 109)

نیز ان کو اس بات پر بھی تعجب ہوتا تھا کہ ایک غریب اور یتیم شخص کو کیوں رسول بنایا۔ کسی امیر کبیر شخص کو رسول کیوں نہیں بنایا۔

چنانچہ وہ کہتے تھے

لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ○ (زخرف: 31)

مشرکین نے کہا: یہ قرآن ان دوشہروں (مکہ اور طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ فقر نیک صفات کے منافی نہیں ہے اور غنا نیک صفات کا موجب نہیں ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فقر کے باوجود اپنی نیکی، خیر، تقویٰ، امانت، دیانت، صلہ رحم اور ایثار وغیرہ کے ساتھ معروف اور مشہور تھے اور آپ کا یتیم ہونا کسی نقصان کا موجب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یتیم اس لئے رکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر والدین کی پرورش کا احساس نہ ہو کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دنیا پر فضل اور احسان کرنے کے لئے بھیجا تھا کسی کا احسان اٹھانے کے لئے نہیں بھیجا تھا اور مالدار اور غنی ہونا کسی خوبی اور نیکی کا مستلزم نہیں ہے۔ مکہ میں کتنے مال دار اور غنی تھے لیکن ان کی اور پرہیز گاری کی شہرت نہیں تھی اور نہ مال اور دولت اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى (سبا: 37)

اور نہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایسی چیزیں ہیں جو تم کو ہمارے قریب کر دیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کو کس خصوصیت کی وجہ سے نبی بنایا گیا

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ○ (ابراھیم: 11)

ان سے ان کے رسولوں نے کہا: ہم تمہاری طرح بشر ہی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرماتا ہے اور ہمارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر تمہارے پاس کوئی دلیل لے کر

آئیں اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی زبان سے کفار کے نبوت میں شبہات کا جواب ذکر فرمایا ہے۔

ان کا پہلا شبہ یہ تھا کہ

تم تو ہماری طرح بشر ہو پھر تم کو نبی کیونکر بنا دیا گیا۔

انبیاء کرام علیہم السلام نے اس کا جواب یہ دیا کہ

انسانیت اور بشریت میں مساوی اور مماثل ہونا اس بات کے منافی نہیں ہے کہ بعض انسانوں کو منصب نبوت کے ساتھ خاص کر لیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اپنا فضل اور احسان فرماتا ہے اور اس کو منصب نبوت عطا فرماتا ہے اور اس تقریر سے نبوت میں ان کا پہلا شبہ ساقط ہو جاتا ہے۔

اہل سنت و جماعت کے علماء ظاہر نے یہ کہا ہے:

نبوت کا حصول اللہ عزوجل کی عطا ہے وہ جس کو چاہتا ہے یہ مرتبہ عطا فرماتا ہے اور یہ عطا اس پر موقوف نہیں ہے کہ کوئی انسان صفاء باطن، پاکیزگی اور تقرب الی اللہ میں دوسرے انسانوں سے ممتاز اور انہوں نے سورہ ابراہیم کی اس آیت سے استدلال کیا ہے جس میں انبیاء کرام علیہم السلام نے ارشاد فرمایا:

ہم تمہاری طرح بشر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے میں سے جس پر چاہے احسان فرماتا ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ نبوت کی عطا اللہ تعالیٰ کا محض فضل اور اس کا احسان ہے۔

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ نے لکھا ہے کہ

جب تک انسان کی روح اور بدن میں علوی اور قدسی نہ ہوں اس میں نبوت کا حصول ممتنع ہے۔

امام غزالی نے لکھا ہے کہ

جس طرح عام انسان حیوانات سے عقل کی وجہ سے ممتاز ہوتا ہے۔ اسی طرح نبی عام انسانوں سے ایک خاص وصف کی وجہ سے ممتاز ہوتا ہے اس میں ایک زائد قوت ادراک ہوتی ہے جس وجہ سے وہ امور غیبیہ کا ادراک فرماتا ہے۔ فرشتوں کو دیکھتا ہے اور ان کا کلام سنتا ہے اسی طرح جنات کو دیکھتا ہے اور ان کا کلام سنتا ہے اور نبیوں اور رسولوں کو عام انسانوں کی بہ نسبت ایک زائد قوت ادراک حاصل ہوتی ہے اور اسی قوت کی وجہ سے وہ عام انسانوں سے ممتاز ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے جس بندہ کو نبی بناتا ہے اس کو وہ قوت عطا فرماتا ہے۔

امام رازی، امام غزالی اور دیگر علماء نے اس آیت کا یہ جواب دیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے تواضع اور انکسار کی وجہ سے اس آیت میں اپنے روحانی اور جسمانی فضائل بیان نہیں فرمائے اور صرف یہ کہنے پر اکتفا کی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرماتا ہے کیونکہ یہ بات معروف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مرتبہ نبوت کے ساتھ اس لئے مختص کیا

ہے کہ وہ ان فضائل کے ساتھ متصف تھے جس کی وجہ سے وہ ان خصوصیات کے مستحق ہوئے۔

جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ہے۔

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسٰلَتَہٗ (الانعام: 124)

اللہ اپنی رسالت کے رکھنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے۔

کافروں کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ ان کے آباؤ اجداد اور بہت لوگ بت پرستی کرتے تھے اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اتنے کثیر لوگ اب تک غلط کہتے آرہے ہوں اور صرف یہ ایک شخص جو نبوت کا مدعی ہے وہ صحیح اور درست بات کہہ رہا ہو۔

اس کا جواب سابق تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ غلط اور صحیح کا ادراک بھی اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے وہ جس کو چاہتا ہے یہ فہم اور ادراک عطا فرماتا ہے اس لئے یہ مستبعد نہیں ہے کہ شروع سے لے کر اب تک تمام کافر جو کہتے رہے تھے وہ غلط ہو اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو فرمایا ہے وہ صحیح ہے۔

کافروں کا تیسرا شبہ یہ تھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی نبوت پر جو دلائل اور معجزات پیش کئے ہیں ہم ان سے مطمئن نہیں ہیں۔ ہمیں مطمئن کرنے کے لئے وہ معجزات پیش کریں جن کا ہم مطالبہ کر رہے ہیں۔

اس کے جواب میں انبیاء کرام علیہم السلام نے فرمایا:

اور ہمارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر تمہارے پاس کوئی دلیل لے آئیں۔

اس جواب کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کو معجزہ اس لئے عطا فرماتا ہے کہ دلیل سے اس کی نبوت ثابت ہو جائے سو اس نے ہر نبی کو ایسے دلائل اور معجزات دے کر بھیجا۔

جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر نبی کو اس قدر معجزات عطا کر دیئے گئے ہیں جن کی وجہ سے ایک بشر ان پر ایمان لے آئے اور مجھے وحی (قرآن مجید) عطا کی گئی جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرمائی۔ پس مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے متبعین تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ ہوں گے۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: 4981)

سو جتنے معجزات کی ضرورت تھی وہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو عطا فرما دیئے۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں

امام حلیمی نے کتاب المنہاج میں لکھا ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کا دوسرے انسانوں سے جسمانی اور روحانی قوتوں میں مختلف ہونا ضروری ہے۔
پھر امام رازی اس کی تفصیل میں علامہ حلیمی سے نقل کرتے ہیں کہ
قوت جسمانیہ کی دو قسمیں ہیں۔
(۱) مدرکہ
(۲) محرکہ
اور مدرکہ کی دو قسمیں ہیں۔
(۱) حواس ظاہرہ
(۲) حواس باطنہ
اور حواس ظاہرہ پانچ ہیں۔
(1) قوت باصرہ
(2) قوت سامعہ
(3) قوت شامہ
(4) قوت ذائقہ
(5) قوت لامسہ

قوت باصرہ:

قوت باصرہ کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کی دلیل یہ ہے کہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میرے لئے تمام روئے زمین سمیٹ دی گئی اور میں نے اس کے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔
(صحیح مسلم: ج:2، ص:390)
نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اپنی صفیں قائم کرو اور مل کر کھڑے رہو کیونکہ میں تم کو پس پشت بھی دیکھتا ہوں۔
(صحیح بخاری: رقم الحدیث:718)
اس قوت کی نظیر یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ارشاد فرمایا:
وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الانعام: 75)

اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی نشانیاں دکھاتے ہیں۔
اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بصر کو قوی کر دیا حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اعلیٰ سے لے کر اسفل تک نشانیاں دیکھ لیں۔
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میرے لئے تمام آسمان اور تمام زمین منکشف ہو گئے۔
(مسند احمد: ج:4 ص:66)
اور ایک روایت میں ہے
میں نے تمام آسمانوں اور زمین کو جان لیا۔
(مسند احمد: ج:1 ص:368)

قوت سامعہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سماعت تمام انسانوں سے زیادہ تھی۔
کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
آسمان چرچراتا ہے اور اس کا چرچرانا بجا ہے۔ آسمان میں ایک قدم کی جگہ بھی نہیں ہے مگر اس میں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدہ ریز ہے۔
(سنن ترمذی، رقم الحدیث: 2312)
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کے چرچرانے کی آواز سنی
نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ایک پتھر جہنم میں گرایا جا رہا ہے جو ابھی تک جہنم کی تہہ تک نہیں پہنچا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز سنی۔ اس قوت کی نظیر حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی عطا کی گئی کیونکہ انہوں نے چیونٹیوں کی آواز سنی۔
قرآن مجید میں ہے:
قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ (النمل: 18)
ایک چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ۔
اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو چیونٹی کا کلام سنایا اور اس کے معنی پر مطلع کیا اور یہ قوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی

حاصل تھی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھیڑیے اور اونٹ سے کلام فرمایا کرتے۔
(المستدرک للحاکم: ج:2،ص:99تا100)

قوت شامہ

نبی کی قوت شامہ کی خصوصیت پر حضرت یعقوب علیہ السلام کا واقعہ دلیل ہے کیونکہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ حکم دیا کہ میری قمیص لے جاؤ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈال دو اور قافلہ وہ قمیص لے کر روانہ ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ (یوسف: 94)

مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو کئی دن کی مسافت کے فاصلہ سے سونگھ لی۔

قوت ذائقہ

نبی کے چکھنے کی قوت کی خصوصیت کی دلیل یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت کا ایک ٹکڑا چکھا تو

ارشاد فرمایا:

اس میں زہر ملا ہوا ہے۔

(سنن الدارمی رقم الحدیث:68)

قوت لامسہ

نبی کی قوت لامسہ کی خصوصیت کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو وہ آگ ان پر ٹھنڈک اور سلامتی والی ہوگئی۔ اور حواس باطنہ میں قوت حافظہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓی (اعلیٰ: 6)

ہم عنقریب آپ کو بڑھائیں گے پس آپ نہیں بھولیں گے۔

اور قوت ذکاوت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے علم کے ایک ہزار باب سکھائے اور میں نے ہر باب سے ہزار باب مستنبط کئے اور جب ولی کی ذکاوت کا یہ حال ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذکاوت کا کیا عالم ہوگا اور قوت محرکہ کی خصوصیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج پر جانا دلیل ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ چوتھے آسمان پر جانا اور حضرت ادریس علیہ السلام اور حضرت

الیاس علیہ السلام کا آسمان پر جانا اس کی دلیل ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی روحانی اور عقلی قوتیں بھی انتہائی کامل ہوتی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ نفس قدسیہ نبویہ اپنی ماہیت میں باقی نفوس سے مختلف ہوتا ہے اور نفس نبویہ کے لوازم سے یہ ہے کہ اس کی ذکاوت، ذہانت اور حیرت انتہائی کامل ہو اور وہ جسمانیات اور شہوانیات سے منزہ ہو اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح غایت صفا اور شرف میں ہوگی تو اس کا بدن بھی انتہائی صاف اور پاکیزہ ہوگا اور اس کی قوت مدرکہ اور قوت محرکہ بھی انتہائی کامل ہوگی کیونکہ یہ قوتیں ان انوار کے قائم مقام ہیں جو انوار جوہر روح سے صادر ہوتے ہیں اور نبی کے بدن سے واصل ہوتے ہیں اور جب فاعل (روح) اور قابل (بدن) انتہائی کامل ہوں گے تو ان کے آثار بھی انتہائی کامل، مشرف اور صاف ہوں گے۔

(تفسیر کبیر ج:3، ص:199 تا 200 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

کیا نبوت کسبی ہے؟

نبوت کسبی نہیں کہ آدمی عبادت و ریاضت کے ذریعہ سے حاصل کر سکے۔

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1367ھ لکھتے ہیں:

نبوت کسبی نہیں کہ آدمی عبادت و ریاضت کے ذریعہ حاصل کر سکے بلکہ محض عطائے الٰہی ہے کہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے دیتا ہے۔ ہاں دیتا اسی کو ہے جسے اس منصب عظیم کے قابل بناتا ہے جو قبل حصول نبوت تمام اخلاق رذیلہ سے پاک اور تمام اخلاق فاضلہ سے مزین ہو کر جملہ مدارج ولایت طے کر چکتا ہے اور اپنے نسب و جسم و قول و فعل و حرکات و سکنات میں ہر ایسی بات سے منزہ ہوتا ہے جو باعث نفرت ہو۔ اسے عقل کامل عطا کی جاتی ہے جو اوروں کی عقل سے بدرجہا زائد ہے کسی حکیم اور کسی فلسفی کی عقل اس کی لاکھویں حصہ تک نہیں پہنچ سکتی۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (الانعام: 124)

اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔

قرآن مجید میں ہے:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ○ (الجمعۃ: 4)

یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے اور جو اسے کسبی مانے کہ آدمی اپنے کسب و ریاضت سے منصب نبوت تک پہنچ سکتا ہے کافر ہے۔

(بہار شریعت ج:1، ص:8 مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

علامہ عبد الوہاب بن احمد بن علی الشعرانی الحنفی المتوفی 973ھ لکھتے ہیں:

جن لوگوں کو یہ شبہ ہوا کہ نبوت کسبی ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ اظہار رسالت سے پہلے یا تو مخلوق

سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں یا پھر وہ عبادت کرتے ہیں اور ان میں وحی کو قبول کرنے کی استعداد اور صلاحیت ہوتی ہے تا کہ وہ اس حالت کی طرف لوٹ جائیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مقدر کی ہے۔ سو جو لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ پہلے مخلوق سے کنارہ کش تھے اور عبادت کرتے تھے پھر ان کو نبوت حاصل ہوئی وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کو نبوت ان کے کسب سے حاصل ہوئی لیکن یہ ان کا وہم ہے اور ان کی نظر کی کوتاہی ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربی متوفی 638ھ نے الفتوحات المکیہ کے باب 298 میں فرمایا ہے کہ

جس نے یہ کہا ہے:

نبوت کسب سے حاصل ہوتی ہے اس نے خطا کی نبوت صرف اللہ تعالیٰ کی عطا کے ساتھ مختص ہے۔

(الیواقیت والجواہر ص 352 تا 353 ملخصاً داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا تخلیق کائنات سے پہلے نبی ہونا

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تخلیق کائنات سے بھی پہلے نبی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

مسلمانوں نے کہا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبوت کب واجب ہوئی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس وقت حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3609)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور اس وقت حضرت آدم علیہ السلام اپنی مٹی کے خمیر میں تھے اور میں عنقریب تم کو اپنی ابتدا کے متعلق بتاؤں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور میں اپنی ماں کا وہ خواب ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا ان کے لئے ایک نور نکلا جس سے ان کے لئے شام کے محلات روشن ہو گئے۔

(شرح السنۃ رقم الحدیث: 3626) (معجم الکبیر ج: 18، رقم الحدیث: 252)

علامہ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی الحنفی المتوفی 973ھ لکھتے ہیں:

اگر تم یہ پوچھو کہ آیا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو بھی اس وقت نبوت دی گئی جب حضرت آدم علیہ السلام پانی

اور مٹی کے درمیان تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم تک یہ حدیث نہیں پہنچی کہ کسی اور کو بھی یہ مقام دیا گیا۔ باقی انبیاء کرام علیہم السلام صرف اپنی رسالت کے ایام مخصوصہ میں ہی نبی تھے۔ اگر تم یہ پوچھو کہ آپ نے یہ کیوں نہیں فرمایا: میں اس وقت بھی انسان تھا یا اس وقت بھی موجود تھا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ

آپ نے خصوصیت کے ساتھ نبوت کا ذکر یہ بتانے کے لئے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے پہلے نبوت دی کیونکہ نبوت اسی وقت ملتی ہے جو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وقت مقرر ہوتا ہے۔

نیز علامہ شعرانی نے لکھا ہے کہ

شیخ محی الدین ابن عربی نے الفتوحات المکیہ میں لکھا ہے کہ

تمام انبیاء کرام و مرسلین علیہم السلام کے مدد طلب کرنے کی جگہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی قطب الاقطاب ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تمام اولین اور آخرین لوگوں کی مدد کرنے والے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہر نبی اور ولی کی مدد کرنے والے ہیں۔ خواہ ان کا ظہور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیب میں تھے۔ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم شہادت میں ظاہر ہو گئے اور یا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم برزخ میں منتقل ہو چکے ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے انوار متقدمین اور متاخرین کے عالم سے کبھی منقطع نہیں ہوئے۔

اگر تم یہ کہو کہ ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا۔

اور ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا تو ان میں کس طرح تطبیق ہو گی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ

ان دونوں حدیثوں کا معنی واحد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کو پیدا کیا اور اس حقیقت کو کبھی عقل سے تعبیر فرمایا اور کبھی نور سے۔

(الیواقیت والجواہر ص:339 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

بلکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وجود کا فیضان کرنے کے لئے تمام موجودات کے لئے وسیلہ ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام

کے واسطہ سے تمام مخلوق پر جو فیضان ہوا ہے اس کے لئے بھی آپ وسیلہ ہیں کیونکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار کی شعاعیں ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار کے عکوس ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی النور الحق اور النبی المطلق ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام مٹی اور پانی کے درمیان تھے اور جب انبیاء کرام علیہم السلام ارحام اور اصلاب کے حجاب میں تھے۔ اس وقت بھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض لے رہے تھے اور اس وقت بھی جب وہ اس عالم میں ظاہر ہوئے اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجاب میں تھے۔ جیسے جب رات کو ستارے ظاہر ہوتے ہیں اور سورج ظاہر نہیں ہوتا لیکن وہ ستارے اسی کے فیض سے روشن ہوتے ہیں اور جب سورج ظاہر ہوتا ہے تو ستارے چھپ جاتے ہیں اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں جلوہ گر ہوئے تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام چھپ گئے اور ان کی شریعتیں منسوخ ہو گئیں اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت باقی رہی۔

(روح المعانی: ج:15،ص:183 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

انبیاء کرام علیہم السلام حیات ہیں

فتاویٰ رضویہ میں ہے۔

یقین جانو کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سچی حقیقی دنیاوی جسمانی حیات سے ویسے ہی زندہ ہیں جیسے وفات شریف سے پہلے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ سلم کی اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی موت صرف وعدۂ خدا عزوجل کی تصدیق کو ایک آن کے لئے تھی۔ ان کا انتقال صرف نظر عوام سے چھپ جانا ہے۔

امام محمد بن الحاج مکی مدخل اور امام احمد قسطلانی مواہب لدنیہ میں اور آئمہ دین رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین فرماتے ہیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات و وفات میں اس بات میں کچھ فرق نہیں کہ وہ اپنی امت کو دیکھ رہے ہیں اور ان کی حالتوں اور ان کی نیتوں، ان کے ارادوں، ان کے دلوں کے خیالوں کو پہچانتے ہیں اور یہ سب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر روشن ہے جس میں اصلاً پوشیدگی نہیں۔

(المدخل لابن الحاج: فصل فی زیارۃ القبور دار الکتاب العربی بیروت 252/1)

(فتاویٰ رضویہ: ج:10،ص:764 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

سنن ابوداؤد میں ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو مجھ پر سلام عرض کرتا ہے میں اسے جواب دیتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد! کتاب المناسک: باب زیارۃ القبور: آفتاب عالم پریس لاہور: 279/1)

شعب الایمان میں ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو مجھ پر میری قبر کے پاس سلام عرض کرے اللہ تعالیٰ اس پر ایک فرشتہ مقرر فرمائے کہ اس کا سلام مجھے پہنچائے اور اس کی دنیا و آخرت کے کاموں کی کفایت فرمائے اور روز قیامت میں اس کا شفیع یا گواہ ہوں۔

(شعب الایمان: باب فی المناسک: حدیث 4156 دار الکتب العلمیۃ بیروت 479/3)

کنز العمال میں ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے دنیا میرے سامنے اٹھائی کہ وہ اور جو کچھ قیامت تک اس میں ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسا اپنی ہتھیلی کو۔

(کنز العمال، بحوالہ نعیم بن حماد فی الفتن، حدیث: 31810 موسسۃ الرسالۃ بیروت 378/11)

جذب القلوب میں ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرا علم میری وفات کے بعد ایسا ہی ہے جیسا میری زندگی میں

(جذب القلوب: باب چہاردہم در زیارت النبی صلی اللہ علیہ وسلم نولکشور لکھنؤ ص: 199)

کنز العمال میں ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میری حیات و ممات دونوں تمہارے لئے بہتر ہیں، تمہارے اعمال میرے حضور پیش کئے جاتے ہیں۔ میں نیکیوں پر شکر کرتا ہوں اور برائیوں پر تمہارے لئے استغفار فرماتا ہوں۔

(کنز العمال، بحوالہ ابن سعد عن بکر بن عبد اللہ المزنی: حدیث: 31903 موسسۃ الرسالۃ بیروت 407/11)

سنن ابن ماجہ میں ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر پیغمبروں کا جسم کھانا حرام کیا ہے تو اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہوتا ہے روزی دیا جاتا ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

(سنن ابن ماجہ: ابواب الجنائز: ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص: 119)

انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام مقدسہ کو زمین کا کھانا حرام کر دیا گیا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام حیات حقیقی دنیاوی روحانی جسمانی سے زندہ ہیں۔ اپنے مزارات طیبہ مقدسہ میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ روزی دیئے جاتے ہیں جہاں چاہیں تشریف لے جاتے ہیں۔ زمین و آسمان کی سلطنت میں تصرف فرماتے ہیں۔

حضور انور نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنے مزارات میں زندہ ہیں اور نماز ادا فرماتے ہیں۔

(شرح الصدور: باب احوال للموتی فی قبورہم: خلافت اکیڈمی مینگورہ سوات ص 78)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے اجسام مبارکہ کا زمین پر کھانا حرام فرمادیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نبی زندہ ہیں اور رزق دیئے جاتے ہیں۔

(سنن ابن ماجہ: آخر کتاب الجنائز: ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص:119)

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے لئے مزارات سے باہر جانے اور آسمانوں اور زمین میں تصرف کی اجازت ہوتی ہے۔

(الحاوی للفتاوی: رسالہ تنویر الحلک: دار الفکر بیروت 263/2)

انبیائے کرام علیہم السلام احتلام سے پاک ہوتے ہیں

اور فتاویٰ رضویہ میں ہے:

بالجملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام علیہم السلام احتلام سے پاک ومنزہ ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَ کَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلًا ۝ (65/17)

بے شک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ قابو نہیں اور تیرا رب کافی ہے کام بنانے کو۔

بطریق مجاہد رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روای کہ

ارشاد فرمایا:

کبھی کسی نبی کو احتلام نہ ہوا، احتلام تو نہیں مگر شیطان کی طرف سے

(معجم الکبیر: حدیث: 11564 مکتبۃ الفیصلۃ بیروت 225/11)

کعب بن احبار رحمۃ اللہ علیہ سے جو مروی ہوا کہ یاجوج ماجوج نطفہ احتلام حضرت آدم علیہ السلام سے بنے ہیں۔ اول کعب ہی سے اس کا ثبوت صحت کو نہ پہنچا اس کا ناقل ثعلبی حاطب لیل ہے۔ کمافی عمدۃ القاری، نووی نے حسب عادت ان کا اتباع کیا پھر کعب صاحب اسرائیلیات ہیں جن کی روایات کہ مقررات دین کے خلاف ہو مقبول نہیں۔ ہاں امام نووی و حافظ عسقلانی نے شروح صحیح مسلم و بخاری میں اس کی تاویل نقل کی کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر فیضان زیادت فضلہ بسبب امتلائے

ادعیہ منع نہیں اور اسے مقرر رکھا۔

اقول

مگر لفظ شنیع ومکروہ ہے اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حصر کے خلاف کہ احتلام نہیں مگر شیطان کی طرف سے ولہذا عامہ علمائے کرام نے اسے مقبول نہ رکھا۔

فتح الباری بدء الخلق میں ہے۔

وہ سخت واجب الانکار بات ہے اس کی اصل نہیں مگر بعض اہل کتاب سے۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری: باب بدء الخلق، مصطفی البابی مصر: 195/7)

امام علامہ بدرالدین محمود عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں۔

یعنی اسے ثعلبی نے کعب احبار سے حکایت کیا نیز نووی نے شرح مسلم وغیرہ میں، مگر علماء نے اسے ضعیف بتایا اور امام ابن کثیر نے کہا: وہ تضعیف ہی کے لائق ہے کہ بے دلیل محض ہے بلکہ اس ارشاد علماء کے مخالف ہے کہ آج بنص قطعی قرآن مجید تمام آدمی ذریت نوح علیہ السلام سے ہیں۔ امام عینی نے فرمایا میں کہتا ہوں نیز حدیث وارد ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر احتلام محال ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب بدء الخلق: ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ بیروت: 232/15)

اللہ تعالیٰ کا مبارک فرمان ہے۔

ہم نے نوح ہی کی اولاد باقی رکھی۔ (القرآن: 77/37)

فتح الباری کتاب الفتن میں ہے۔

یاجوج ماجوج کا ذریت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی سے ہونا معتمد ہے ورنہ طوفان کے وقت وہ کہاں رہے۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب الفتن باب یاجوج ماجوج مصطفی البابی مصر: 221/16)

امام نووی نے فتاویٰ میں جماہیر علماء کی طرف منسوب کیا کہ یہ نطفہ حضرت آدم علیہ السلام کا تھا نہ کہ حضرت حوا علیہا السلام کا تو میں کہتا ہوں اس سے احتلام کہاں ثابت ہوتا ہے:

اولاً کبھی کبھی نطفہ حالت حیض میں شرم گاہ سے باہر پیٹ وغیرہ پر استعمال سے حاصل ہو جاتا ہے

ثانیاً: ہر نطفہ کو رحم قبول نہیں کرتا۔

ثالثاً: رحم ہر نطفہ کے تمام کو قبول نہیں کرتا بلکہ جزء کو قبول کر کے بقیہ کو پھینک دیتا ہے اور یہ تین جواب حدیث طوفان سے ہیں اور یہ اس کا جواب بھی ہے جو حافظ ابن کثیر نے نقل کیا کیونکہ کلام ان میں ہے جو وہاں موجود تھے کیونکہ بقاء وجود کی فرع ہے۔ علاوہ ازیں گفتگو ان میں ہے جو یقینی طور پر حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہوں اور یہ کامل طور پر ان کی اولاد نہیں اگرچہ ایک لحاظ سے اولاد ہیں کیونکہ ان کے نطفہ سے ہیں اور وہ اسی لئے کہ والد کے لئے بیوی کا ہونا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہاں ہے اس کے لئے اولاد حالانکہ اس کے لئے بیوی ہی نہیں۔

بالجملہ انبیاء کرام علیہم السلام پر احتلام منع ہے۔

(فتاویٰ رضویہ: ج:15، ص:158 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

حیات انبیاء کرام علیہم السلام کے منکر کا حکم

حیات انبیاء کرام علیہم السلام کا منکر گمراہ بد دین ہے۔

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی فرماتے ہیں۔

حیات انبیاء کرام علیہم السلام کا منکر گمراہ بد دین ہے اور خلت سرے سے طریان موت پر بھی دلیل نہیں نہ کہ معاذ اللہ استمرار موت یہ لفظ صرف انقضائے عہد پر دال ہے جسے بلاشبہ یہ کہنا کہ سلطان محمد خان خامس سے پہلے اتنے سلاطین ہو گزرے اس سے یہ نہ سمجھا جائے گا کہ سلطان حمید خان زندہ ہی نہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام سب بحیات حقیقی دنیاوی جسمانی زندہ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

(مسند ابو یعلیٰ حدیث:3412 موسسۃ علوم القرآن بیروت:379/3)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام کو کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہوتا ہے اس کو رزق دیا جاتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ: ابواب الجنائز: باب ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ علیہ وسلم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص:119)

(فتاویٰ رضویہ ج:29 ص:110 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

انبیاء کرام علیہم السلام کو معصوم نہ ماننا کلمہ کفر ہے

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سوال کہ ایک شخص کہتا ہے جملہ انبیاء کرام وملائکہ عظام علیہم السلام معصوم ہیں دوسرا شخص کہتا ہے کہ سوائے پنجتن پاک کے کوئی معصوم نہیں کے جواب میں فرمایا پہلا شخص کا قول حق و عقیدہ اہل سنت اور دوسرے کا قول صریح گمراہی و رفض وکلمہ کفر ہے۔

(فتاویٰ رضویہ: ج:29، ص:333 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ رضویہ میں فرمایا،

انبیاء کرام علیہم کی سب دعائیں مستجاب ہیں۔ مومنین سے حضرات عزت کا وعدہ ہے مجھ سے دعا کرو میں قبول فرماؤں گا اور اس کے وعدہ خلاف نہیں ہو سکتے پھر انبیاء کرام علیہم السلام تو انبیاء کرام علیہم السلام بعض وقت وہ اس اظہار کے لئے کہ یہ امیر خلاف مقدر ہے اسے صورت دعا میں ظاہر کرتے ہیں وہ اعلیٰ درجہ پر قبول ہوتی ہیں مگر مطلوب ظاہری واقعے نہیں ہوتا نظر ظاہر اسے عدم قبول سے تعبیر کرتی ہے۔

(فتاوی رضویہ: ج:29، ص:334 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اللہ تعالیٰ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے اسماء لکھنے اور پڑھنے کے آداب

علامہ سید احمد طحطاوی لکھتے ہیں:

فصول میں مذکور ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی نام سنے اس پر اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنا واجب ہے مثلاً ''عز وجل، جل مجدہ، یا تبارک وتعالیٰ'' کہے اور بعض کتابوں میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا نام لکھے تو اس کے ساتھ کوئی تعظیمی کلمہ مثلاً عز وجل لکھے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی حفاظت کرے اور بار بار پڑھنے سے نہ اکتائے۔ اگر اصل کتاب میں صلوٰۃ وسلام نہ ہو تو خود زبان سے پڑھے۔ اسی طرح صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ناموں کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' اور علماء کے اسماء کے ساتھ رحمۃ اللہ لکھے اور پڑھے اور صرف صلوٰۃ وسلام پر اختصار کرنا مکروہ ہے۔

ملا مسکین نے لکھا ہے۔

یہ مکروہ نہیں ہے لیکن ان کی مراد یہ ہے کہ مکروہ تحریمی نہیں ہے مکروہ تنزیہی بہرحال ہے۔ اسی طرح لکھتے وقت رمز اور اشارہ سے صلوٰۃ وسلام اور رضی اللہ عنہ لکھنا (مثلاً ص یا صلعم یا رض لکھنا) مکروہ ہے مکمل ''علیہ الصلوٰۃ والسلام'' اور ''رضی اللہ عنہ'' لکھے۔

تاتارخانیہ کے بعض مقامات پر لکھا ہے کہ

جس نے علیہ السلام کو ہمزہ اور میم کے ساتھ لکھا وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ یہ تخفیف ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی تخفیف کفر ہے تاہم یہ کفر اس وقت ہوگا جب کوئی شخص تخفیف کے قصد سے ایسا کرے گا۔ بہرحال اس سے احتیاط لازم ہے۔

(حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار: ج:1، ص:6 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

تمام انبیاء کرام علیہم السلام پیدائشی مومن ہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اسلم۔

اسلام لاؤ

امام رازی نے کہا:

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ کس وقت فرمایا۔

ایک قول یہ ہے:

یہ نبوت سے پہلے فرمایا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ستارے چانداور سورج کے ڈوبنے سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر استدلال کر رہے تھے اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اسلام لاؤ

اور انہوں نے کہا:

میں تمام جہانوں کے رب عزوجل پر اسلام لایا

امام رازی نے کہا:

اکثر علماء کی یہی رائے ہے۔

بعض علماء نے کہا:

یہ حکم نبوت کے بعد تھا اور اس کا معنی ہے۔ اسلام پر مستقیم رہو اور توحید پر قائم رہو۔

(تفسیر کبیر: ج:1، ص:487 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابوالحیان اندلسی نے بھی یہی لکھا ہے۔

(البحر المحیط، ج:1، ص:631 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور علامہ آلوسی نے بھی یہ دونوں ذکر کئے ہیں۔

(روح المعانی ج:1، ص:388 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بہر حال یہ حکم نبوت سے پہلے ہو یا بعد انبیاء علیہم السلام پیدائشی مومن ہوتے ہیں اور نبوت سے پہلے کفر سے معصوم ہوتے ہیں۔ اس لئے اس کا معنی ہے اعضاء سے اعضاء یا اسلام پر ثابت قدم رہو یا اپنے آپ کو ہمیں سونپ دو۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ ایمان لے آؤ جس سے یہ وہم ہو کہ آپ علیہ السلام پہلے مومن نہیں تھے۔ (معاذ اللہ)

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے

انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات بھی قبر میں جسمانی ہے اور یہ سب سے اعلیٰ اور قوی حیات ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام دنیاوی احکام میں بھی زندہ ہوتے ہیں۔ ان کی وفات کے بعد ان کی میراث تقسیم نہیں کی جاتی اور وفات کے بعد ان کی ازواج مطہرات سے کسی شخص کے لئے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات مبارکہ پر قرآن مجید کی آیت صراحتاً دلالت کرتی ہے۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ

الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ○(سبا: 14)

تو جب ہم نے سلیمان پر موت کا حکم نافذ کر دیا تو جنات کو ان کی موت پر سوائے زمین کی دیمک کے کسی نے مطلع نہیں کیا جو سلیمان کے عصا کو کھاتی رہی۔ پھر جب سلیمان فرمین پر آ رہے تھے تو جنوں پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کے عذاب میں نہ پڑے رہتے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام جنوں سے مسجد بیت المقدس کی تعمیر کی تجدید کرا رہے تھے جب اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو موت کے وقت مطلع کر دیا تو آپ علیہ السلام نے جنوں کو نقشہ بنا کر دیا اور خود ایک شیشہ کے مکان میں دروازہ بند کر کے عصا سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے عبادت الٰہی عزوجل میں مشغول ہو گئے۔ اسی حالت میں فرشتے نے روح قبض کر لی اور آپ علیہ السلام کا جسم مبارک اس عصا کے سہارے کھڑا رہا اور کسی کو آپ علیہ السلام کی وفات کا احساس نہ ہو سکا۔ وفات کے مدت دراز تک جن یہ دستور تعمیر کرتے رہے۔ جب تعمیر پوری ہو چکی تو وہ عصا دیمک کے گھن لگنے کی وجہ سے گر پڑا۔ تب سب کو آپ علیہ السلام کی وفات کا حال معلوم ہوا اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ جنوں کو علم غیب نہیں ہوتا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر موت طاری ہونے کے بعد ان کا جسم صحیح سلامت رہتا ہے، پھولنے، پھٹنے، گلنے سڑنے سے محفوظ رہتا ہے لیکن ان کی جسمانی حیات کی کیفیت ہمارے دائرہ احساس اور شعور سے خارج ہے۔ عصا میں جب گھن لگ گیا اور وہ زمین پر گر گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسم اطہر بھی زمین پر تشریف لے آیا تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات جسمانی ہوتی ہے لیکن اس پر دنیاوی حیات کے آثار مرتب نہیں ہوتے ورنہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسم مبارک اپنے قیام میں عصا کا محتاج نہ ہوتا اور عصا گرنے کے باوجود آپ علیہ السلام کا جسم مبارک قائم رہتا۔ انبیاء کرام علیہم السلام زائرین کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور جو ان سے دعا کی درخواست کرتے ہیں ان کی شفاعت کرتے ہیں۔ اپنی قبور میں نماز پڑھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے مشاہدہ اور مطالعہ میں مستغرق رہتے ہیں اور احوال برزخ پر بھی نظر رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے کائنات میں تصرف بھی کرتے ہیں لیکن یہ تمام اور متشابہات میں سے ہیں۔ یہ امور ایسے نہیں ہیں جیسے دنیا میں کسی انسان سے صادر ہوتے ہیں ان کی کیفیت ہم ایسے عام لوگوں کے دائرہ ادراک اور شعور سے خارج ہے۔ کئی احادیث مبارکہ میں بھی انبیاء کرام علیہم السلام کی جسمانی حیات اور ان کے جسمانی تصرفات پر دلیل ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وادی ارزق سے بلند آواز سے تلبیہ پڑھتے ہوئے اترنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی ارزق میں گزرے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کون سی وادی ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا

یہ وادی ارزق ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

گویا کہ میں (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں وہ بآواز بلند تلبیہ پڑھتے ہوئے اس وادی سے اتر رہے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم وادی ہرشی سے گزرے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کون سی وادی ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا

یہ وادی ہرشی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

گویا کہ میں (حضرت) یونس بن متی علیہ السلام کی طرف دیکھ رہا ہوں وہ ایک سرخ رنگ کی فربہ اونٹنی پر سوار ہیں جس کی مہار کھجور کے چھال کی ہے۔ انہوں نے ایک اونی جبہ پہنا ہوا ہے اور وہ "اللھم لبیک" کہتے ہوئے اس وادی سے گزر رہے ہیں۔

(صحیح مسلم: ج:1، ص:94 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

علامہ نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ انبیاء کرام علیہم السلام حج اور تلبیہ کرتے ہیں۔

حالانکہ وہ وفات پا چکے ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام بہ منزلہ شہدا ہیں بلکہ ان سے افضل ہیں اور شہداء اپنے رب عزوجل کے نزدیک زندہ ہیں۔ اس لئے ان کا حج کرنا اور نماز پڑھنا بعید نہیں ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔

(شرح مسلم: ج:1، ص:94 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

شیخ عثمانی لکھتے ہیں:

انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں۔ اس لئے ان کے حج کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی روح کو دیکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ان کی روحوں کو اس طرح متمثل کر دیا گیا جس طرح شب معراج انبیاء کرام علیہم السلام کی روحوں کو متمثل کر دیا گیا تھا اور ان کے اجسام

قبور میں تھے۔

علامہ ابن منیر وغیرہ نے کہا:

اللہ تعالیٰ ہر نبی کی روح کے لئے ایک جسم مثالی بنا دیتا ہے پھر وہ جس طرح خواب دکھائی دیتے ہیں اسی طرح بیداری میں دکھائی دیتے ہیں۔

(فتح الملہم ج:1،ص:330 مطبوعہ مکتبۃ الحجاز کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز ادا فرمانا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا اس وقت وہ اپنی قبر میں نماز ادا فرما رہے تھے۔

(صحیح مسلم:ج:2،ص:268 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت کروانا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نے اپنے آپ کو انبیاء کرام علیہم السلام کی ایک جماعت میں پایا میں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نماز پڑھ رہے ہیں اور ان کے بال قبیلہ شنوءہ کے لوگوں کی طرح گھنگریالے تھے اور اس وقت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ عروہ بن مسعود ثقفی ان سے بہت مشابہ ہیں اور اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور تمہارے نبی ان کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ ہیں پھر نماز کا وقت آیا اور میں نے ان سب انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت کی۔

(صحیح مسلم ج:1،ص:96 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے کیسے دیکھا تھا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو بیت المقدس میں نماز پڑھائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آسمانوں میں بھی اپنے اپنے مراتب میں دیکھا اور ان کو سلام کیا اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش آمدید کہا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں بیت المقدس جاتے ہوئے آسمانوں پر چڑھنے

سے پہلے دیکھا ہو۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آسمان پر پہنچ گئے ہوں

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کرام علیہم السلام کو پہلے نماز پڑھائی ہو اور پھر ان کو آسمانوں پر دیکھا ہو

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ

سدرۃ المنتہیٰ سے واپسی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کرام علیہم السلام کو نماز پڑھائی ہو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا ہو۔

(شرح مسلم: ج:1، ص:96 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

خود اشرف علی تھانوی لکھتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام جمیع انبیاء کرام علیہم السلام میں اس کے قبل بیت المقدس میں بھی مل چکے ہیں اور اسی طرح وہ اپنی قبر میں بھی موجود ہیں اور اسی طرح بقیہ سموات میں جو انبیاء کرام علیہم السلام کو دیکھا سب جگہ یہی سوال ہوتا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ قبر میں تو اصلی جسد سے تشریف رکھتے ہیں اور دوسرے مقامات پر ان کی روح کا تمثل ہوا ہے یعنی غیر عنصری جسد سے جس کو صوفیہ جسم مثالی کہتے ہیں۔ روح کا تعلق ہوگیا اور اس جسد میں تعدد بھی اور ایک وقت میں روح کا سب کے ساتھ تعلق بھی ممکن ہے لیکن ان کے اختیار سے نہیں بلکہ محض بقدرت ومشیت حق۔

(نشر الطیب، ص 64 تا 65 مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی)

اللہ تعالیٰ کی قدرت تو محل کلام نہیں ہے لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اس قسم کے اختیار عطا فرماتا ہے۔

امام ابوداؤد روایت فرماتے ہیں۔

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تمہارے دنوں میں جمعہ کا دن سب سے افضل ہے۔ اس دن مجھ پر بہ کثرت درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارا درود کس طرح پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم بوسیدہ ہو چکا ہوگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے زمین پر الانبیاء کرام علیہم السلام کے جسم کھانے کو حرام کر دیا ہے۔

(سنن ابی داؤد ج:1، ص:214 مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس وقت بھی کوئی شخص مجھ پر سلام پیش کرتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ نے مجھ پر روح لوٹائی ہوئی ہوتی ہے حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد: ج:1، ص:279 مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)

انبیاء کرام علیہم السلام کا بعد وفات دکھائی دینے کی حالت

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

صوفیا کی پہلی منزل مکاشفات اور مشاہدات سے شروع ہوتی ہے حتیٰ وہ بیداری میں فرشتوں کا اور ارواح انبیاء کرام علیہم السلام کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ان کی آواز سنتے ہیں اور ان سے فوائد حاصل کرتے ہیں۔

(المنقذ من الضلال ص:50 مطبوعہ ہیئت الاوقاف لاہور)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

آیا ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اور روح کے ساتھ ہوتی ہے یا جسم مثالی کے ساتھ؟

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ

ارباب احوال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اور ارواح کو نہیں دیکھتے بلکہ مثال کو دیکھتے ہیں۔

(علامہ سیوطی فرماتے ہیں)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کی جسم اور روح کے ساتھ زیارت ممتنع نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں اور آپ سب کی روحیں آپ کے اجسام میں لوٹا دی گئی ہیں اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنی قبور سے باہر آنے کا اور تمام کائنات میں تصرف کرنے کا اذن دیا گیا ہے اور امام بیہقی نے حیات انبیاء کرام میں ایک رسالہ لکھا ہے اور دلائل النبوۃ میں لکھا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام شہدا کی طرح اپنے رب عزوجل کے پاک زندہ ہیں۔

(الحاوی للفتاوی ج:2، ص:263 مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

علامہ آلوسی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

یا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح دکھائی دیتی ہے بایں طور کہ وہ مختلف صورتوں میں دکھائی دیتی ہے اور اس کا تعلق جسد

انور کے ساتھ باقی رہتا جیسا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوتے تھے اور سدرۃ المنتہیٰ سے جدا نہیں ہوتے تھے اور یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مثالی دکھائی دیتا ہے جس کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح متعلق ہوتی ہے اور یہ ہوسکتا ہے کہ بے شمار اجسام مشاہیر ہوں اور ان سب کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح واحد متعلق ہو جیسا کہ ایک جسم کے متعدد اعضاء کے ساتھ روح واحد متعلق ہوتی ہے۔

(روح المعانی ج:22،ص:37 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شیخ انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

میرے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ممکن ہے کیونکہ منقول ہے کہ علامہ سیوطی نے بائیس مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق چند احادیث مبارکہ کے متعلق سوال کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح فرمانے کے بعد ان احادیث مبارکہ کو صحیح لکھا۔

علامہ شعرانی نے لکھا ہے کہ

انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیداری میں زیارت کی اور آٹھ ساتھیوں کے ساتھ آپ سے بخاری پڑھی جن میں سے ایک حنفی تھا۔ (فیض الباری ج:1،ص:204 مطبع حجاز مصر)

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبور مبارکہ میں اپنے جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں اور اپنی عبادت اور اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے مشاہدہ میں مشغول ہیں ان پر اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ نیک اعمال دیکھ کر وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور برے اعمال دیکھ کر امت کے لئے استغفار کرتے ہیں اور اہل اللہ اور خاص خاص بندگان خدا ان کی زیارت سے مستفید بھی ہوتے ہیں۔ ان کا کلام سنتے ہیں اور وہ اپنی قبور سے باہر بھی آتے ہیں اور زمین اور آسمان میں جہاں چاہیں تشریف لے جاتے ہیں۔ ایک وقت میں کئی جگہوں پر بھی تشریف لے جاتے ہیں۔ اس وقت ان کی روح کئی صورتوں میں متمثل ہوتی ہے یا ایک وقت میں کئی جگہ ان کے اجسام مشابہ نظر آتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حاضر و ناظر کہا جاتا ہے۔ اس کا یہی مفہوم ہے۔ حاضر و ناظر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم معروف اور جسد عنصری کے ساتھ ایک وقت میں کئی جگہ موجود ہوتے ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث علماء کرام

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔

(سنن ابوداؤد، کتاب العلم: باب فضل العلم، آفتاب عالم پریس لاہور ج:2،ص:157)

اللہ تعالیٰ پر نبی کا بھیجنا واجب نہیں

اللہ تعالیٰ پر نبی کا بھیجنا واجب نہیں۔ اس نے اپنے فضل و کرم سے لوگوں کی ہدایت کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام بھیجے۔

(شرح مقاصد: المقصد السادس، المبحث الاول فی تعریف النبی والرسول ج:3، ص:268)

وحی نبوت انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے

وحی نبوت انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے خاص ہے جو اس کو کسی غیر نبی کے لئے مانے وہ کافر ہے۔ نبی کو خواب میں جو چیز بتائی جائے وہ بھی وحی ہے۔ اس کے جھوٹے ہونے کا احتمال نہیں۔

(معتقد المنتقد: ص:105) (شفا شریف: فصل فی بیان ما ہو من المقالات کفر ج:2، ص:285) (تفسیر طبری، ج:7، ص:148)

نبی سے نبوت کا زوال جاننے والا کافر

جو شخص نبی سے نبوت کا زوال جائز جانے کافر ہے۔

(معتقد المنتقد: مسئلہ من جواز زوال النبوۃ من نبی..... ص:109)

انبیاء کرام علیہم السلام کفر و شرک و دیگر کبائر سے معصوم

انبیاء کرام علیہم السلام کفر و شرک اور ہر ایسے امر سے جو خلق کے لئے باعث نفرت ہو جیسے کذب و خیانت و جہل وغیرہا صفات ذمیمہ سے، نیز ایسے افعال جو وجاہت اور مروت کے خلاف ہیں، قبل نبوت اور بعد نبوت بالا جماع معصوم ہیں اور سے بھی مطلقاً معصوم ہیں اور حق یہ ہے کہ تعمد صغائر سے بھی قبل نبوت اور بعد نبوت معصوم ہیں۔

(روح البیان: پ:23، ج:8، ص:45 تحت الآیۃ :44)

نبی معصوم ہوتا ہے

نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے اور یہ عصمت نبی اور ملک کا خاصہ ہے کہ نبی اور فرشتہ کے سوا کوئی معصوم نہیں۔

(منح الروض الازھر: ص:56) (معتقد المنتقد: ص:110)

انبیاء کرام علیہم السلام کی تعظیم فرض عین ہے

نبی کی تعظیم فرض عین بلکہ اصل تمام فرائض ہے کسی نبی کی ادنیٰ توہین یا تکذیب کفر ہے۔

(جواہر البحار: ج:3، ص:260) (تفسیر روح البیان پ:10، سورۂ توبہ، ج:3، ص:394)

انبیاء کرام علیہم السلام کا تمام ملائکہ و مخلوق سے افضل ہونا

انبیاء کرام علیہم السلام تمام مخلوق یہاں تک کہ رسل ملائکہ سے افضل ہیں۔ ولی کتنا ہی بڑے مرتبہ والا ہو کسی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا جو کسی غیر نبی کو کسی نبی سے افضل یا برابر بتائے۔ کافر ہے۔

(تفسیر خازن: ج:2، ص:23 تحت الآیۃ وکلا فضلنا علی العلمین) (منح الروض الازھر: ص:121)

نبی کے دعویٰ نبوت میں سچے ہونے کی دلیل

نبی کے دعویٰ نبوت میں سچے ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ

نبی اپنے صدق کا علانیہ دعویٰ فرما کر محالات عادیہ کے ظاہر کرنے کا ذمہ لیتا ہے اور منکروں کو اس کے مثل کی طرف بلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے دعویٰ کے مطابق امر محال عادی ظاہر فرما دیتا ہے اور منکرین سب عاجز رہتے ہیں اسی کو معجزہ کہتے ہیں۔

(شرح عقائد النسفیہ: مبحث النبوات ص:135)

قرآن مجید واحادیث مبارکہ میں انبیاء کرام علیہم السلام کی لغزشوں کے سوا لغزشیں ذکر کرنا سخت حرام ہے

انبیاء کرام علیہم السلام سے جو لغزشیں واقع ہوئیں ان کا ذکر تلاوت قرآن و روایت حدیث کے سوا حرام اور سخت حرام ہے۔ اوروں کو ان سرکاروں میں لب کشائی کی کیا مجال مولیٰ عزوجل ان کا مالک ہے جس محل پر جس طرح چاہے تعبیر فرمائے۔ وہ اس کے پیارے بندے ہیں۔ اپنے رب عزوجل کے لئے جس قدر چاہیں تواضع فرمائیں۔ دوسرا ان کلمات کو سند نہیں بنا سکتا اور خود ان کا اطلاق کرے تو مردود بارگاہ ہو۔ پھر ان کے یہ افعال جن کو ذلت ولغزش سے تعبیر کیا جائے ہزار ہا حکم ومصالح پر مبنی، ہزار ہا فوائد و برکات کی مثمر ہوتی ہیں۔ ایک لغزش انبیاء حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھئے۔ اگر وہ نہ ہوتی جنت سے نہ اترتے۔ دنیا آباد نہ ہوتی۔ نہ کتابیں اترتیں نہ رسول آتے، نہ جہاد ہوتے، لاکھوں کروڑوں نیکیوں کے اجر کے دروازے بند رہتے۔ ان سب کا فتح باب ایک لغزش آدم علیہ السلام کا نتیجہ بارکہ وثمرہ طیبہ ہے۔ بالجملہ انبیاء کرام علیہم السلام کی لغزش من وتو کس شمار میں ہیں۔ صدیقین کی سنات سے افضل واعلیٰ ہے۔

حَسَنَاتِ الْاَبْرَارِ سَیِّاٰتِ الْمُقَرَّبِیْنَ

ترجمہ: ''نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے لئے خطاؤں کا درجہ رکھتی ہیں۔''

(کشف للعجلونی ج:1، ص:318)

انبیاء کرام علیہم السلام کا دعویٰ الوہیت کرنا عقلاً ممتنع ہے

قرآن مجید میں ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ○ (آل عمران: 79)

کسی بشر کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس کو کتاب، حکم اور نبوت عطا کرے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کے بجائے مرے بندے بن جاؤ لیکن (وہ یہی کہے گا کہ) تم اللہ والے بن جاؤ کیونکہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور تم پڑھتے پڑھاتے ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ

ابورافع قرظی نے کہا: جب نجران کے احبار یہود اور علماء نصاریٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کہا:

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اس طرح عبادت کریں جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کی عبادت کی تھی؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہم غیر اللہ کی عبادت کرنے سے پناہ چاہتے ہیں اور غیر اللہ کی عبادت کا حکم دینے سے اللہ عزوجل کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لئے بھیجا ہے نہ اس کا مجھے حکم دیا ہے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

"کسی بشر کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ عزوجل اس کو کتاب، حکم اور نبوت عطا کرے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ عزوجل کے بجائے میرے بندے بن جاؤ"

ابن جریج بیان فرماتے ہیں کہ

اہل کتاب کا ایک گروہ اپنی کتاب کی تحریف کرنے کے سلسلہ میں لوگوں کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(جامع البیان: ج:3، ص:232 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

ہم نے اس آیت کا یہ معنی کیا ہے کہ نبی کے لئے الوہیت کا دعویٰ کرنا عقلاً ممکن نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے اس دعویٰ کی تکذیب کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بجائے مجھے معبود بنالو اور اگر اس آیت کا یہ معنی کیا جائے کہ نبی کے لئے الوہیت کا دعویٰ کرنا جائز نہیں ہے یعنی حرام ہے تو اس سے عیسائیوں کی تکذیب نہیں ہوگی مثلاً ایک شخص کسی کے لئے متعلق یہ دعویٰ کرے کہ فلاں شخص شراب پیتا ہے اور آپ یہ کہیں کہ شراب پینا تو حرام ہے اس سے اس کے دعویٰ کی تکذیب نہیں ہوگی۔ اس کے دعویٰ کی تکذیب اس وقت ہوگی جب آپ یہ ثابت کریں کہ شراب پینا اس کے لئے عقلاً ممکن ہی نہیں ہے۔

اس آیت کی نظیر درج ذیل آیات مبارکہ ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ (مریم: 35)

اللہ کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔

سورۃ نمل میں ہے۔

مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا (نمل: 60)

تمہارے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ تم (ازخود) باغوں کے درخت اگاتے۔
سورہ آل عمران میں ہے۔
وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (آل عمران: 145)
اللہ کے اذن کے بغیر کسی نفس کے لئے مرنا ممکن نہیں ہے۔
اس نہج پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے!
کسی بشر کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ عزوجل اس کو کتاب حکم اور نبوت عطا کرے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ عزوجل کے بجائے میرے بندے بن جاؤ۔ اس امتناع عقلی پر حسب ذیل دلائل ہیں۔

(1) رسول یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ کے احکام حاصل کر کے ان کی تبلیغ کرتا ہے اور اپنے صدق پر معجزہ کو پیش کرتا ہے اگر وہ خود الوہیت کا دعویٰ کرے تو اس کے صدق پر معجزہ کی دلالت باطل ہو جائے گی اور لازم آئے گا کہ وہ صادق ہو اور صادق نہ ہو اور یہ محال ہے۔ معجزہ کے اظہار کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ صادق ہو اور الوہیت کے دعویٰ کا تقاضہ ہے کہ وہ صادق نہ ہو اور یہ اجتماع نقیضین ہے۔

(2) اگر رسول الوہیت کا دعویٰ کر کے اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھے تو اللہ تعالیٰ اس کی شہ رگ کو کاٹ دے گا اور ماضی کے واقعات شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنے رسولوں کو غلبہ عطا فرمایا۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ○ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ○ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ○ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ○ (الحاقۃ 44 تا 47)
اگر وہ (رسول) ہم پر کسی قسم کا افتراء باندھتا تو ہم ضرور اس کو پوری قوت سے پکڑ لیتے۔ پھر ہم ضرور اس کی شہ رگ کاٹ دیتے پھر تم میں سے کوئی بھی اس کو بچانے والا نہ ہوتا۔
اسی آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر رسول الوہیت کا دعویٰ کرتا تو وہ مغلوب ہو جاتا اور دوسری آیت میں فرمایا
كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ (المجادلہ: 21)
اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور بہ ضرور غالب ہو کر رہیں گے۔
سو اگر رسول الوہیت کا دعویٰ کر کے اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھے تو لازم آئے گا کہ وہ مغلوب ہو اور مغلوب نہ ہو اور یہ اجتماع نقیضین ہونے کی وجہ سے محال عقلی ہے۔

(3) امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:
انبیاء کرام علیہم السلام ایسی صفات کے ساتھ موصوف ہوتے ہیں کہ ان صفات کے ساتھ الوہیت کا دعویٰ کرنا ممکن نہیں

ہے۔اللہ تعالیٰ ان کو کتاب اور وحی عطا فرماتا ہے اور کتاب اور وحی صرف نفوس طاہرہ اور ارواح طیبہ کو ہی دی جاسکتی ہے۔
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ(الانعام: 124)
اللہ اپنی رسالت رکھنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے۔
سورہ حج میں ہے۔
اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ط(الحج: 75)
اللہ چن لیتا ہے رسولوں کو فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے۔
اور نفس طاہرہ سے اس قسم کا دعویٰ ممتنع ہے۔
دوسری وجہ یہ ہے کہ
انسان کی دو قوتیں ہیں۔نظری اور عملی اور جب تک قوت نظریہ علوم اور معارف حقیقیہ کے ساتھ کامل نہ ہو اس وقت تک عملیہ اخلاق ذمیمہ سے طاہر نہیں ہوتی اور نہ اس میں وحی اور نبوت کے قبول کرنے کی استعداد اور صلاحیت ہوگی اور قوت نظریہ اور قوت عملیہ کا کمال الوہیت کا دعویٰ کرنے سے مانع ہے۔
(4) اللہ تعالیٰ اس وقت اپنے کسی بندہ کو نبوت اور رسالت سے مشرف فرماتا ہے جب اسے یہ علم ہو کہ وہ بندہ اسی قسم کا دعویٰ نہیں کرے گا۔
(تفسیر کبیر:ج:2،ص:480مطبوعہ دارالفکر بیروت)

انبیاء کرام علیہم السلام ہم سے کیسے غائب ہیں؟

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر قرطبی متوفی 656ھ نے فرمایا ہے کہ
جب پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو اس سے انبیاء کرام علیہم السلام صرف بے ہوش ہوں گے اور عام انسان سب مر جائیں گے۔سو عام لوگوں کے حق میں صعقہ کا معنی موت ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں صعقہ کا معنی بے ہوشی ہے کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں ان کے حق میں موت کا معنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ شہداء کرام اپنے قتل ہونے اور موت کے بعد اپنے رب عزوجل کے پاس زندہ ہوتے ہیں۔ان کو رزق دیا جاتا ہے اور وہ خوش اور مسرور ہوتے ہیں اور یہ دنیا میں زندہ لوگوں کی صفات ہیں اور جب شہداء کا یہ مقام ہے تو انبیاء کرام علیہم السلام اپنی وفات کے بعد اس حال کے زیادہ لائق اور حقدار ہیں۔
ان کے علاوہ صحیح حدیث مبارکہ میں ہے:
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام علیہم کے اجسام کو کھانا حرام کر دیا ہے۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 1047)

نیز شب معراج تمام انبیاء کرام علیہم السلام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد اقصیٰ میں جمع ہوئے۔ خصوصاً موسیٰ علیہ السلام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔

(صحیح مسلم: فضائل انبیاء علیہم السلام: 156، حدیث: 2374)

اسی طرح کی احادیث مبارکہ بہت زیادہ ہیں جن کے مجموعہ سے اس بات کا یقینی علم حاصل ہو جاتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی موت کا معنی یہ ہے کہ وہ ہم سے غائب ہو گئے۔ بایں طور کہ ہم ان کا ادراک نہیں کر سکتے۔ ہر چند کہ وہ موجود اور زندہ ہیں اور ان کا حال فرشتوں کی طرح کہ وہ بھی موجود اور زندہ ہیں اور ہماری نوع میں سے کوئی شخص ان کو نہیں دیکھتا سوائے اولیاء اللہ کے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کرامت کے ساتھ خاص کر لیا ہے اور جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں تو وہ آسمان اور زمین کے درمیان ہیں اور جب صور میں پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمینوں میں ہر شخص پر صعقہ طاری ہو گا ماسوا ان کے جن کو اللہ تعالیٰ چاہے، غیر انبیاء کے صعقہ کا معنی ہے وہ مر جائیں گے اور انبیاء کرام علیہم السلام صرف بے ہوش ہوں گے اور جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو جو مر گئے تھے وہ زندہ ہو جائیں گے اور جو بے ہوش ہوئے تھے وہ ہوش میں آ جائیں گے۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں وہ پہلا شخص ہوں گا جو ہوش میں آئے گا اور یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حقیقتاً سب سے پہلے ہوش میں آئیں گے اور تمام لوگوں سے پہلے اپنی قبر مبارک سے باہر آئیں گے۔ خواہ وہ انبیاء علیہم السلام ہوں یا ان کے غیر ماسوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کیونکہ ان کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تردد تھا۔ آیا وہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے ہوش میں آ گئے تھے۔ یا وہ پہلے صعقہ سے بے ہوش ہی نہیں ہوئے اور اس کے قائم مقام طور کی بے ہوشی تھی۔ بہر حال جو بھی مشکل ہو اس حدیث کی رو سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک ایسی فضیلت حاصل ہو گی جو ان کے غیر میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں۔

(المفہم ج:6، ص:234، 231 مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

علامہ قرطبی کی اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت جزی حاصل تھی کہ وہ یا تو پہلے صعقہ سے بے ہوش نہیں ہوئے یا بے ہوش تو ہوئے تھے لیکن آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے ہوش میں آ گئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ بدر الدین عینی نے بھی یہ لکھا ہے کہ ہر صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے فضیلت ثابت ہے۔

(فتح الباری ج:6، ص:445 طبع لاہور)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی 1052ھ لکھتے ہیں:

نیز یہ فضیلت جزی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ثابت ہے اور یہ فضیلت کلی کے منافی نہیں ہے۔

(اشعۃ اللمعات ج:4،ص:451 مطبوعہ تیج کمار لکھنو)

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی 1014ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس فضیلت کے ساتھ خاص ہونا اس بات کو واجب نہیں کرتا کہ وہ اس ذات سے بڑھ جائیں جو ان پر فضائل کثیرہ اور متعدد وجوہ سے مقدم ہیں۔

(مرقات: ج:11،ص:17 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام ابو البشر اور اول انسان ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی یہ فضیلت جزی ہے لیکن فضیلت کلی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی حاصل ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ فضیلت ہے کہ وہ اپنی نانی کی دعا کی وجہ سے اپنی ولادت کے وقت میں شیطان سے محفوظ رہے اور انہوں نے پنگھوڑے میں کلام کیا اور بچپن ہی میں اپنی نبوت کا اعلان کیا لیکن فضیلت کلی کے حامل صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی 676ھ نے ایک اور جواب دیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا تھا کہ میں (از خود) نہیں جانتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہی نہیں ہوئے یا مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم نہیں دیا گیا تھا کہ حقیقتاً سب سے پہلے آپ ہوش میں آکر قبر سے نکلیں گے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی علی الاطلاق سب سے پہلے اٹھیں گے اور جو گروہ سب سے پہلے قبروں سے اٹھے گا اس میں علی الاطلاق سب سے پہلے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اٹھیں گے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اسی گروہ سے ہوں گے۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی: ج:10،ص:6233 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

قاضی عیاض اور علامہ نووی کے اس جواب کے اعتبار سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت جزی بھی نہیں رہی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم علی الاطلاق سب سے پہلے قبر سے اٹھیں گے۔ اس کی تائید اس حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں اور میں وہ ہوں جو سب سے پہلے قبر سے اٹھے گا اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں۔ جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2278,5830)

انبیاء کرام علیہم السلام کا ذریعہ معاش

تفسیر عزیزی میں ہے کہ

سب سے اول کپڑا بننے کا کام حضرت آدم علیہ السلام نے کیا اور بعد میں کھیتی باڑی کے کام میں مشغول رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا ذریعہ معاش لکڑی کا تھا (بڑھئی) اور حضرت ادریس علیہ السلام درزی گری، حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام تجارت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کچھ مدت بکریاں چرائیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اتنے بڑے بادشاہ ہو کر درختوں کے پتوں سے پنکھے اور زنبیلیں وغیرہ بنا کر گزر کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کوئی پیشہ اختیار نہ فرمایا بلکہ ہمیشہ سیر فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس نے مجھے ناشتہ دیا ہے وہی شام کا کھانا بھی دے گا۔

اسی تفسیر عزیزی میں ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام نے ہمیشہ بارش کا پانی پیا کنویں کا پانی کبھی نہ پیا سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے ہی چاندی سے روپیہ اور سونے سے اشرفیاں بنائیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل: ص 304 نعیمی کتب خانہ لاہور)

کس نبی کے دور میں حج کا اضافہ ہوا

حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ اقدس میں حج طواف اور وقوف عرفات کا نام تھا پھر زمانہ ابراہیمی علیہ السلام ہے اس میں رمی، قربانی صفا مروہ سعی کا اضافہ ہوا۔ ہمارے نبی مکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں طواف قدوم وداع اور طواف قدوم میں رمل یعنی اکڑ کر چلنے کا اضافہ ہوا۔ ارکان میں زیادتی ہوتی رہی ہے۔ مشرکین نے اس میں بت پرستی ننگے طواف کرنا زمانہ حج میں دروازوں کی راہ مکان میں نہ جانے کیا اضافہ کیا جسے اسلام نے مٹا دیا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 2، ص: 302 کتب خانہ نعیمی لاہور)

انبیاء کرام علیہم السلام کا مردے زندہ فرمانا

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کے پیچھے دو یہودی آپس میں کچھ باتیں کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز کے بعد ان سے پوچھا کہ تم کیا گفتگو کر رہے ہو۔

انہوں نے کہا:

ہم حضرت حزقیل علیہ السلام اور ان کے مردے زندہ کرنے کے معجزے کا تذکرہ کر رہے ہیں کہ رب عزوجل نے ان کی دعا سے مردے زندہ فرما دیئے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ہم نے نہ قرآن مجید میں نہ تو حضرت حزقیل علیہ السلام کا ذکر پایا نہ ان کے مردہ زندہ کرنے کا، صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہی مردے زندہ کئے ہیں۔

وہ بولے

کیا قرآن پاک میں یہ آیت نہیں کہ

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ (النساء: 164)

کہ ہم نے بہت سے پیغمبروں کے قصے بیان نہ فرمائے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا

ہاں

انہوں نے عرض کیا کہ

یہ پیغمبر بھی انہی میں سے ہیں۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے تب یہ آیت کریمہ اتری جس میں یہ پورا واقعہ بیان کیا گیا۔

خیال رہے کہ

چند پیغمبروں کے ذریعہ مردے زندہ ہوئے ہیں۔

ایک تو یہ ہی پیغمبر حضرت حزقیل علیہ السلام کہ ان کے ذریعہ ہزارہا مردے زندہ ہوئے ہیں۔

دوسرے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جن کے ذریعہ چار جانور ذبح اور قیمہ کر دینے کے بعد زندہ ہوئے۔

تیسرے حضرت عزیر علیہ السلام جن کے ذریعہ مردہ گدھا زندہ کیا گیا۔

چوتھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنہوں نے کئی بار مردے زندہ فرما دیئے ہیں۔

چار رسولوں کا مردے زندہ فرمانا قرآن مجید میں صراحتاً موجود ہے۔

پانچویں ہمارے آقا دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ اپنے والدین کریمین حضرت عبداللہ حضرت آمنہ ورضی اللہ عنہا اور بہت سے مردوں کو زندہ فرمایا جن کا ذکر احادیث مبارکہ اور کتب تواریخ اور شامی شریف اور مدارج النبوۃ وغیرہ میں ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ دوم: ص: 529 نعیمی کتب خانہ لاہور)

انبیاء کرام علیہم السلام مالک ومختار ہیں

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ ایک اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں۔

آیات قرآنیہ، انبیائے کرام علیہم السلام کے اختیارات خداداد، ان کی سیف زبانی وملکیت کا اعلان فرما رہی ہے۔

رب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّآ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ (کوثر: 1)

ہم نے آپ کو کوثر بخشا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

کوثر کے معنی ہیں خیر کثیر۔ جس میں حوض کوثر بھی داخل ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا:

فَسَخَّرۡنَا لَهُ الرِّيۡحَ تَجۡرِىۡ بِاَمۡرِهٖ (ص: 36)

ہم نے ہوا کو ان کے تابع فرمان کر دیا جو ان کے حکم سے چلتی تھی۔

اور فرمایا

وَالشَّيٰطِيۡنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ٥ وَّاٰخَرِيۡنَ مُقَرَّنِيۡنَ فِى الۡاَصۡفَادِ ٥(ص 37 تا 38)

یعنی ہم نے تمام جنات کو ان کے قبضہ میں دے دیا، جو بڑے مستری غوطہ خور تھے اور آپ نے قید کر دیئے تھے۔

اور ارشاد فرمایا:

اَغۡنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ مِنۡ فَضۡلِهٖ ۚ(توبہ: 74)

اللہ اور رسول نے اپنے فضل سے ان کو غنی کر دیا۔

اور ارشاد فرمایا:

مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوۡلُهٗ ۙ (توبہ: 59)

اور ارشاد فرمایا:

وَ كَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ عَظِيۡمًا ٥ (نساء: 113)

اور ارشاد فرمایا:

وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰى ٥(الضحیٰ: 5)

ان آیات کریمہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے غنی فرما دیئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہونے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار عطاؤں کا ذکر ہے۔ ان کی سیف زبانی بھی قرآن مجید میں جگہ جگہ بیان فرمائی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا:

قُضِىَ الۡاَمۡرُ الَّذِىۡ فِيۡهِ تَسۡتَفۡتِيٰنِ ٥(یوسف: 41)

اے خواب بیان کرنے والے قیدیو! جو میرے منہ سے نکل گیا وہ ہو کر رہے گا (یعنی ایک پھانسی، ایک بحالی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا: آپ علیہ السلام نے سامری سے ناراض ہو کر فرمایا:

فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ (طہ: 97)

جاؤ تو زندگی بھر لوگوں سے کہتا پھرے گا مجھے مت چھونا

یعنی تیرا جسم وباء بنا دیا گیا کہ جو تجھے ہاتھ لگائے وہ بھی بیمار تو بھی۔ بہر حال ان حضرات کے خداداد اختیارات وسخی زبانی پر بے شمار آیات قرآنیہ شاہد ہیں۔

(تفسیر نعیمی، پارہ:4، ص:192 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر تمام ذو الکفل علیہم السلام تک انبیاء کرام علیہم السلام کی ترتیب

(1) حضرت ابراہیم علیہ السلام

(2) حضرت اسحاق علیہ السلام

(3) حضرت یعقوب علیہ السلام

(4) حضرت یوسف علیہ السلام

(5) حضرت شعیب ابن نویب علیہ السلام

(6) حضرت ہود ابن عبد اللہ علیہ السلام

(7) حضرت صالح ابن آصف علیہ السلام

(8) حضرت موسیٰ علیہ السلام

(9) حضرت ہارون علیہ السلام

(10) حضرت ایوب علیہ اسلام

(11) حضرت خضر علیہ السلام

(12) حضرت داؤد علیہ السلام

(13) حضرت یونس ابن متی علیہ السلام

(14) حضرت الیاس علیہ السلام

(15) حضرت ذو الکفل علیہ السلام

(تفسیر نعیمی: پارہ:6، ص:5:9 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عرب کے انبیاء کرام علیہم السلام کی تعداد

عرب میں کل پانچ نبی تشریف لائے۔

(1) حضرت ہود علیہ السلام
(2) حضرت صالح علیہ السلام
(3) حضرت اسماعیل علیہ السلام
(4) حضرت شعیب علیہ السلام
(5) ہمارے آقا دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

(تفسیر نعیمی: پارہ:6، ص:94 نعیمی کتب خانہ لاہور)

انبیاء کرام علیہ السلام بشارت پہلے اور احکام بعد میں سناتے ہیں

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بشارت پہلے کرتے ہیں۔ احکام بعد میں دیتے ہیں کیونکہ انسان کا دل اعمال کا کارخانہ ہے جہاں اعمال بنتے ہیں اور انسان کا دماغ اعمال کی دکان ہے جہاں سے اعمال ملتے ہیں اور اعضاء ظاہری ہر وہ جگہ ہے جہاں اعمال استعمال ہوتے ہیں۔ اگر دل میں دنیا سے رغبت، دنیاداروں سے خوف ہو تو یہ دل کفر و معاصی کا کارخانہ بن جاتا ہے اور اگر دل میں خوف خدا عزوجل عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہو تو یہ دل ایمان، تقویٰ، نیک اعمال کا کارخانہ بن جاتا ہے۔ جیسے نور آنے پر تاریکی غائب ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی خوف خدا عزوجل آنے پر دل سے خوف دنیا، محبت دنیا جاتی رہتی ہے جس دل میں رب عزوجل سے خوف و امید ہو تو بندہ وہ کام کر لیتا ہے جو فرشتوں سے نہ ہو سکیں اور جب اس دل میں محبت دنیا بھر جاتی ہے تو وہ کام کرتا ہے کہ شیطان بھی گھبرا جائے اس لئے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام آخرت کی بشارت و نذرات پہلے کرتے ہیں تاکہ دل سے دنیا کی محبت نکل کر آخرت کی محبت پیدا ہو جائے اور دل نیک اعمال کا کارخانہ بن جائے جب دل میرے اعمال بنیں گے ہی نہیں تو اعضاء کو برے اعمال ملیں گے کہاں سے؟

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا
جو چاہو کرو جنت تمہاری ہوگی۔

کیونکہ اس لئے کہ ان کے کارخانہ دل میں برائیوں کے بننے کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ چیز بنتی ہے کارخانہ میں، ملتی ہے دوکان سے استعمال ہوتی ہے گھروں میں۔ جب کارخانہ چیز بنانا ہی چھوڑ دے تو گھروں میں استعمال کہاں سے ہو۔ جب دل میں برے اعمال بنیں ہی نہیں تو دماغ میں اور اعضاء میں کہاں سے آئیں۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بشارت و نذرات کے ذریعہ امت کے دلوں کو برے اعمال بنانے کے قابل نہیں رکھتے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:6، ص:105 نعیمی کتب خانہ لاہور)

زمانہ اور نبی اور زمانہ نبوت میں فرق

زمانہ نبی اور زمانہ نبوت میں کچھ فرق ہے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

زمانہ نبی اور ہے اور زمانہ نبوت کچھ اور

آج حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ حیات ظاہری نہیں۔ اسی لئے لوگ اب صحابی نہیں بنتے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا زمانہ ہے۔ اسی لئے تمام شرعی احکام جاری ہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 6، ص: 104 نعیمی کتب خانہ لاہور)

سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانے کا معنی

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ جن انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعت منسوخ ہو چکی ہے ان پر کس طرح ایمان لایا جائے۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے:

جب ان کی شریعت منسوخ ہو گئی تو ان کی نبوت بھی منسوخ ہو گئی اور ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ وہ انبیاء و رسل تھے اور اس پر ایمان نہیں لاتے کہ وہ اب انبیاء و رسل ہیں۔

اور بعض علماء نے یہ کہا ہے:

ان کی شریعت کا منسوخ ہونا ان کی نبوت کے منسوخ ہونے کو مستلزم نہیں ہے اور ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ وہ اب بھی انبیاء و رسل ہیں۔

(تفسیر کبیر: ج: 2، ص: 488 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس مسئلہ میں تحقیق دوسرا قول ہے کہ

ہمارا ایمان ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام سابقین اب بھی نبی اور رسول ہیں اور ان پر نازل کی ہوگی کتابوں پر بھی ہم ایمان لاتے ہیں کہ وہ آسمانی کتابیں ہیں۔ ہر چند کہ اب وہ کتابیں بعینہ باقی نہیں ہیں اور اہل کتاب نے ان میں لفظی اور معنوی تحریف کر دی ہے۔

یہ آیت سورہ بقرہ میں بھی ہے وہاں پر ارشاد ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ (البقرہ: 285)

رسول اس پر ایمان جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا۔

اور آل عمران میں ارشاد فرمایا گیا:

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا (آل عمران: 84)

آپ فرمایئے ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا۔

آگے ارشاد فرمایا گیا

وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ (آل عمران: 84)

اور اس پر جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور (دیگر) نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا۔ ان آیات کریمہ سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لایا جائے گا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت عام انسانوں اور مومنوں کیلئے رحمت ہے

انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت عام انسانوں اور مومنوں کے لئے رحمت ہے۔ اس پر قرآن مجید کی آیات شاہد ہیں۔
قرآن مجید میں ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (آل عمران: 164)

بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا جب ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کے باطن کو صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ بے شک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو مسلمانوں پر احسان قرار دیا ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مومنوں پر احسان ہے اسی طرح عموماً انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت بھی عام انسانوں اور مومنوں پر احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عموماً انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے متعلق اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ (النساء: 165)

بشارت دینے والے اور ڈرانے والے رسول (بھیجے) تا کہ رسولوں (کے آنے) کے بعد لوگوں کے لئے اللہ کے خلاف کسی عذر کی گنجائش نہ رہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت سے لوگوں کو متعدد طریقوں سے رشد و ہدایت حاصل ہوتی ہے جن کی مثالیں حسب ذیل ہیں۔

(1) انسانوں کی عقل اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت کے لئے ناقص اور نارسا ہے اور شیطان قدم قدم پر لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے خلاف شکوک وشبہات ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نبی انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کراتا ہے اور شکوک وشبہات کا ازالہ کرتا ہے۔

(2) ہر چند کہ بعض انسان اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں لیکن وہ از خود یہ نہیں جان سکتے کہ اللہ تعالیٰ کن کاموں سے راضی ہوتا ہے اور کن کاموں سے ناراض ہوتا ہے۔ نبی ان کو عبادات اور معاملات کے لئے ایسے طریقے بتاتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور ان کاموں سے منع فرماتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

(3) جس طرح آنکھ میں اللہ تعالیٰ نے چیزوں کو دیکھنے کا نور رکھا ہے لیکن جب تک آفتاب یا چراغ کا نور اس نور کے معاون نہ ہو تو اشیاء کو دیکھنے کے لئے یہ نور نا کافی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عصل میں اپنی معرفت کا نور رکھا ہے لیکن جب تک نور نبوت اس کے معاون نہ ہو نور نا کام اور نا تمام ہے۔

(4) سخت مشکلات، مصائب اور بیماریوں میں نبی پابندی سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرتا ہے تا کہ سخت مشکلات اور مصائب کسی شخص کے لئے عبادت نہ کرنے کا عذر نہ بن سکیں۔

(5) انسان اس وقت بے جھجک گناہ کرتا ہے جب وہ حرص، شہوت یا غضب سے بے قابو ہو جائے۔ نبی اپنی تعلیم سے دلوں میں ایسا خوف پیدا کرتا ہے کہ انسان ایسی حالت میں سنبھل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اور معصیت سے باز آ جاتا ہے۔

(6) انسان اپنی فطرت میں سست اور غافل ہے۔ اسے عبادات اور معاملات کے طریقے معلوم بھی ہو جائیں پھر بھی وہ سستی اور غفلت کی وجہ سے بے عمل اور بد عملی کا شکار ہو جاتا ہے نبی آ کر انہیں نیکی کی طرف رغبت دلاتا ہے اور برائی پر اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ڈراتا ہے اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام مومنوں پر وجوہ احسان ہیں۔

(7) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں نشو ونما پائی اور چالیس سال تک اہل مکہ کو دیکھتے رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ سچ بولا: اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پارسائی اور امانت و دیانت کا سکہ لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حرص وطمع جھوٹ، بے حیائی اور برائی کے کاموں سے ہمیشہ دور رہے۔ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق وامین کے نام سے پہچانتے تھے۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس سال بعد اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کیا تو یہ یقین کیا جا سکتا تھا کہ جس شخص نے آج تک بندوں کے متعلق کوئی جھوٹ نہیں بولا: وہ یکا یک خدا عزوجل پر کیسے جھوٹ باندھے گا۔

(7) اہل مکہ کو علم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی استاد کے آگے کبھی زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا، کسی کا درس نہ سنا نہ کسی کتاب کو پڑھا نہ کسی سے علم کا تکرار کیا۔ پھر چالیس سال اسی طرح گزارنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم یکا یک غار حرا سے نکلے اور ایسا فصیح وبلیغ کلام پڑھا جس کی نظیر لانے سے آج تک تمام دنیا عاجز ہے۔ پھر اس کلام میں گزشتہ اقوام کی تاریخ اور ان کے واقعات تھے جن کو پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے سنا نہ تھا اور جن کی اہل کتاب نے تصدیق کر دی اور اس کلام میں مستقبل کے متعلق پیش گوئیاں تھیں جو اپنے اپنے وقت میں حرف بہ حرف پوری ہوئیں تو عقل سلیم کے لئے اس کو

باور کرنے میں کوئی تامل نہ رہا کہ یہ کسی انسان کا نہیں اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کلام کو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے برگزیدہ نبی اور رسول ہیں۔

۸) مخالفین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعویٰ نبوت سے دستبردار ہونے کے لئے بڑی بھاری مالی پیش کشیں کیں۔عرب کی حسین عورتوں کو نکاح کے لئے پیش کیا۔لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم توحید کا پیغام سنانے سے دستبردار نہیں ہوئے۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیتیں پہنچائی گئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب کرام علیہم الرضوان کو تنگ کیا گیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سماجی بائیکاٹ کر دیا گیا (7 ھ نبوت میں) مخالفین نے مل کر یہ معاہدہ کیا کہ کوئی شخص خاندان بنو ہاشم سے نہ تعلق رکھے گا۔نہ ان سے خرید وفروخت کرے گا نہ ان کے پاس کھانے پینے کی چیز جانے دے گا۔حتیٰ کہ وہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کے لئے ہمارے حوالے نہ کر دیں۔اس کے نتیجہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین سال تک شعب ابو طالب میں محصور رہے۔جب ان مصائب اور مشقتوں کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کرنے سے دستکش نہیں ہوئے تو سب نے مل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کا منصوبہ بنایا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کر کے اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کچھ چھوڑا لیکن پیغام حق سنانا نہیں چھوڑا۔جو شخص اپنے موقف میں صادق نہ ہو وہ کبھی اپنے موقف کی طرف اتنے مصائب اور اذیتیں برداشت نہیں کر سکتا۔سو جس شخص کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سیرت ہو اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت میں کبھی تامل نہیں ہو سکتا۔

۹) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کتاب پیش کی، اس میں اللہ تعالیٰ کے وجود اس کے خالق کائنات ہونے اور وحدہ لا شریک ہونے کا بیان ہے اور شرک سے تنزیہ ہے۔اس میں نیک عمل کرنے اور برے عمل نہ کرنے کی تلقین اور ترغیب ہے اور ان کے منکروں پر عذاب نازل ہونے کا بیان ہے۔غرض اس کتاب میں نیکی اور سچائی کے سوا کچھ نہیں تو جس شخص نے یہ کتاب پیش کی اور اس کے منزل من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا وہ خود نیک اور سچا کیوں نہیں ہوگا۔

10) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شمار معجزات پیش کئے۔چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھایا، سورج کو پلٹایا، درخت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ پر چل کر آتے اور پھر واپس اپنی جگہ چلے جاتے، درختوں پتھروں اور مختلف جانوروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھا۔کھانے پینے کی چیزوں کی کم مقدار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے بہت زیادہ ہو جاتی تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علوم ومعارف کے دریا بہا دیئے، غیب کی خبریں بیان فرمائیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدائی کا دعویٰ کر دیتے اور یہ دنیا جو چند کمالات کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا مان چکی ہے جس نے فرعون کو بغیر کسی کمال کے خدا مان لیا تھا جو لوگ بلا وجہ اور بے سبب عناصر اور پتھروں کی پرستش کرتے رہے ان سے کچھ بعید نہیں تھا بلکہ زیادہ توقع تھی کہ وہ ان کمالات کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدائی کے

دعویٰ پر یقیناً ایمان لے آتے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تمہاری طرح بشر ہوں جس طرح تم خدا نہیں ہو میں بھی خدا نہیں ہوں۔ مجھ پر صرف اللہ تعالیٰ کی وحی آتی ہے یہ کلام جس کی فصاحت و بلاغت، غیب کی خبروں اور عالم گیر ہدایتوں کے اعتبار سے میں نے اس کی نظیر لانے کا چیلنج کیا ہے۔ یہ میری قابلیت اور کاوش کا نتیجہ نہیں ہے۔ لفظ بہ لفظ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور یہ جو بہ کثرت معجزات میں نے دکھائے ہیں۔ یہ میری قدرت کا ثمرہ نہیں ہیں یہ ایسی خدائے وحدہ لاشریک کی قدرت سے ظہور میں آئے ہیں۔ میں جو اوّلین و آخرین کی خبریں اور غیب کی باتیں بتاتا ہوں یہ میرا ذاتی علم نہیں ہے۔ یہ سب کچھ میں اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم اور اس کی وحی سے بتاتا ہوں۔ میرا علم اور میری قدرت، میرا کوئی وصف اور کوئی کمال بھی ذاتی نہیں ہے۔ میں خود اور میرے تمام اوصاف سب اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا: فلاں علاقہ کے لوگ اپنے بادشاہ کو سجدہ کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر مخلوق کے لئے سجدہ روا ہوتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ ہماری تعظیم صرف سلام کرنے میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ عبادت کرتے تھے اور راتوں کو اتنا طویل قیام فرماتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک ورم ہو جاتے دن میں سو مرتبہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنے عظیم کمالات پیش کئے اور برملا یہ اعلان کیا یہ میرا ذاتی کمال نہیں ہے۔ جھوٹا انسان تو بڑا بننے کے لئے دوسروں کے ایسے کمالات بھی اپنی طرف منسوب کر لیتا ہے جن کے اصل ماخذ کا بہ آسانی پتا چل جاتا ہے۔ اگر بالفرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما دیتے کہ یہ سب میرے ذاتی کمالات ہیں تو کسی انسان کے پاس ان کمالات کے اصل ماخذ تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور راست بازی پر اس سے بڑھ کر کھلی ہوئی دلیل اور کیا ہوگی۔ صرف یہی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کمالات میں سے کسی کمال کا اعزاز نہیں لیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اس سے اجتناب کیا کہ ان کمالات کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کا اعلان قطعی کر دیا پھر بھی راتوں کو اس قدر طویل قیام فرماتے کہ پاؤں مبارک میں ورم آ جاتے اور استفسار پر بھی فرماتے کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں! غرض ان تمام کمالات کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عجز و انکسار اور اظہار عبدیت کو اپنا شعار بنایا۔ ایک مرتبہ مال غنیمت میں سے بہت سے غلام، باندیاں اور بہت ساز و سامان ملا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بہت سے مسلمانوں کو دیا اگر کسی کو نہیں دیا تو اپنی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو نہ دیا۔ ارشاد فرمایا تم عشاء کی نماز کے بعد 33 مرتبہ سبحان اللہ 33 مرتبہ الحمد اور 34 مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لینا۔ یہ تمہیں ایک باندی کی ضرورت سے کفایت کرے گا۔ جو شخص جھوٹا ہو وہ اپنے کمالات سے اپنی ذات کے لئے نفع حاصل

کرتا ہے یا اپنی اولاد کے لئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کمالات سے اپنے لئے کوئی بڑائی نہ چاہی اور نہ نفع اور نہ آرام چاہا۔ نہ اپنی اولاد کے لئے کوئی منفعت طلب کی بلکہ جو نفع ملا وہ عام مسلمانوں کو پہنچایا اور جو بڑائی اور کبریائی تھی اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی، لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلایا اور خود بھی دن رات اس کی عبادت میں لگے رہے تو ہم ان کو سچا کیوں نہ مانیں۔ ان کی تصدیق کیوں نہ کریں اور ان پر ایمان کیوں نہ لائیں۔

(11) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اہل عرب کا دین بدترین دین تھا۔ وہ بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ ان کے اخلاق بھی بہت خراب تھے۔ وہ قتل و غارت گری، لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کرتے تھے۔ مردار کھاتے تھے، رشتوں کو توڑتے تھے، شراب پیتے تھے اور جوا کھیلتے تھے۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں مبعوث کیا تو وہ ذلت کی پسماندگی سے نکل کر عزت کی بلندیوں پر فائز ہو گئے۔ حتیٰ کہ وہ علم و ہنر، زہد و تقویٰ اور فہم و فراست اور شجاعت و بہادری کے لحاظ سے دنیا کی سب سے افضل اور برتر قوم شمار کئے جانے لگے اور چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے شہر میں پیدا ہوئے اور وہیں پروان چڑھے تو دوسروں کی بہ نسبت ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کا زیادہ موقع ملا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان فرمایا جب ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا۔

(12) ہر قوم، اپنے بطل جلیل اور رجل عظیم پر فخر کرتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یہود و نصاریٰ اور عرب سب فخر کرتے تھے۔ سو ان پر فخر کرنا سب میں مشترک تھا اور یہود صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فخر کرتے تھے اور نصاریٰ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر فخر کرتے تھے۔ عرب والوں کے لئے کوئی ایسی شخصیت نہ تھی جس پر وہ انفرادی طور پر فخر کرتے اللہ تعالیٰ نے ان میں سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا اور اب بجا طور پر یہ فخر کرتے ہیں کہ انبیاء و رسل علیہم السلام کے سردار دو عالم کے مختار صلی اللہ علیہ وسلم ان کے شہر میں پیدا ہوئے اور یہیں اعلان نبوت فرمایا۔

(13) اللہ تعالیٰ نے نوع انسان اور بشر سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے اگر اللہ تعالیٰ نور، نار ملائکہ یا جنات میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کر دیتا تو انسانوں کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کرنا ممکن نہ ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مسلمانوں کے لئے نمونہ اور حجت نہ ہوتی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ عظیم رسول فرشتوں میں سے بھیجا نہ جنات میں سے نہ ملائکہ میں سے اور نہ نار میں سے بلکہ یہ عظیم رسول انسانوں میں سے مبعوث فرمایا اور مومنوں کی جنس میں اس عظیم رسول کو مبعوث فرمایا تا کہ مومن اس سے استفادہ کر سکیں۔ اس کی بات سن سکیں۔ اس کے عمل کو دیکھ سکیں اور بے شک یہ اللہ تعالیٰ کا مومنوں پر بہت بڑا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنو آدم کو جو تکریم دی اس کو احسن تقویم میں پیدا کیا۔ اپنے دست قدرت سے اس کی تخلیق کی اور اسے اپنی صورت پر بنایا۔ یہ ساری عزتیں اور کرامتیں انسان اور بشر کو اس لئے دی گئی تھی کہ اس عظیم رسول کو نوع انسان اور بشر سے مبعوث فرمانا تھا۔ اگر ان

کو مبعوث کرنا نہ ہوتا تو بشریت کا یہ فروغ ہوتا نہ انسانیت کا یہ عروج ہوتا۔

(14) اس آیت میں مومنین سے مراد وہ مومن ہیں جو اس وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے۔

اور فرمایا ہے۔

جب ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا۔

اس سے مراد ان امور میں مماثلت ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب اور اکتساب کا سبب ہوں اور اس سے مراد نسب، لغت اور وطن ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نسب اور ان کی قوم سے مبعوث ہوئے تو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانوس ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مائل ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب سے توحش اور اجنبیت کا شکار نہیں ہوئے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی لغت اور ان کی زبان میں کلام کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھنا ان کے لئے آسان ہوا۔ نیز ہم زبان ہونا بھی قرب کا ذریعہ ہوتا ہے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے وطن میں رہنے والے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے نشو ونما پائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی ان کے سامنے تھی۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی، اپنے موقف پر استقامت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات دیکھے تو ان کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا بہت آسان ہو گیا۔

(15) علامہ آلوسی حنفی متوفی 1252ھ نے لکھا ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نسب میں مبعوث کئے گئے یا ان کی جنس سے قوم عرب سے مبعوث کئے گئے یا بنو آدم سے مبعوث کئے گئے۔ فرشتوں اور جنات میں سے مبعوث نہیں کئے گئے اور یہ مومنوں پر اس وجہ سے احسان ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور جنس سے مبعوث کئے جاتے تو ایک جنس دوسری مختلف جنس سے متوحش اور متنفر ہوتی ہے اور اس سے مانوس نہیں ہوتی اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مومنوں کی جنس سے مبعوث فرمایا تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانوس ہوئے اور ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وحشت نہیں ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض حاصل کرنا ان کے لئے آسان ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وہ سمجھتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر مطلع تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کا ذریعہ بنا۔ اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو مومنین کے لئے احسان فرمایا ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے استفادہ صرف مومنین ہی کرتے ہیں جس طرح قرآن مجید کو فرمایا یہ متقین کے لئے ہدایت ہے جبکہ دوسری آیت میں فرمایا ہے یہ تمام لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔ (البقرہ:185)

کیونکہ قرآن مجید کی ہدایت سے صرف متقین ہی استفادہ کرتے ہیں۔

(روح المعانی: ج:4، ص:112 تا 113)

علامہ ابوالحسن علی بن احمد کا قول

علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی 468ھ لکھتے ہیں:

"من انفسھم" کا معنی ہے۔

ان کے نسب سے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

ان کے نسب سے مراد یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ولد اسماعیل سے تھے اور یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے۔

کیونکہ انہوں نے فرمایا:

یہ آیت خاص عربوں کے لئے ہے۔

اور دوسرے مفسرین نے کہا:

اس آیت سے مراد کل مومن ہیں اور "من انفسھم" کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ایک فرد ہیں۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہچانتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کو بھی پہچانتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ فرشتے تھے اور نہ بنو آدم کے علاوہ کسی اور جنس کے فرد تھے۔ یہ قول زجاج کا مختار ہے۔ اگر مومنوں پر وجہ احسان یہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرب تھے تو عجمیوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی وجہ سے کوئی احسان نہیں ہوگا لیکن عجمیوں پر بھی اس وجہ سے احسان ہے کہ جب ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر دی گئی اور ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی میں سے ایک فرد ہیں اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت کو جان لیا تو ان کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ماننا آسان ہو گیا۔

(الوسیط ج:1،ص:516 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابو اللیث سمرقندی کا قول

من انفسہم کا معنی ہے ان کی اصل اور عرب میں ان کے نسب سے

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ

ان کی جنس سے یعنی بنو آدم سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں میں سے نہیں بنایا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین فضیلتیں تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب عربوں میں سے قریش میں سے تھا۔

اور قریش میں سے بنو ہاشم میں سے تھا اور اس پر اتفاق تھا کہ عرب افضل ہیں اور عربوں میں قریش اور قریش میں سے بنو

ہاشم۔

دوسری فضیلت یہ تھی کہ

اعلان نبوت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں یہ بطور امین معروف تھے۔

اور تیری فضیلت یہ تھی کہ

سب کو معلوم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امی ہیں اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معجز کلام پیش کیا۔

(تفسیر سمرقندی ج:1،ص:313 مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی کا قول

ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

''من انفسھم'' کا معنی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مثل بشر ہیں۔ایک قرات شاذہ خا کی زبر کے ساتھ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے زیادہ نفیس ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنوہاشم میں سے ہیں اور بنوہاشم قریش میں افضل ہیں اور عرب عجم کے افضل ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا

یہ آیت عرب کے لئے ہے۔

اور دیگر مفسرین نے کہا:

اس سے مراد کل مومنین ہیں

اور مِنْ اَنْفُسِھِمْ کا معنی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ایک فرد ہیں اور ان کی مثل بشر ہیں اور صرف وحی سے ان میں ممتاز ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ج:4،ص:264 مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

علامہ ابوالفرج عبدالرحمان بن علی جوزی کا قول

علامہ ابوالفرج عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں دو قول ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور جمہور سے منقول ہے کہ

یہ آیت عربوں کے ساتھ خاص ہے اور اس کا معنی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب ان میں معروف ہے اور یہی وجہ احسان ہے۔

اور دوسروں کا قول ہے۔

یہ آیت سب مومنوں کے لئے ہے اور اس آیت کا معنی ہے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرشتے ہیں اور نہ بنو آدم کے علاوہ کسی اور جنس کے فرد ہیں اور یہی وجہ احسان ہے۔

(زاد المسیر ج:1،ص:494 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی کا قول

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی 685ھ لکھتے ہیں:

''مِنْ اَنْفُسِهِمْ'' کا معنی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نسب سے اور ان کی جنس سے ان کی مثل عربی ہیں تاکہ وہ آسانی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھ لیں اور صدق اور امانت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حال سے واقف ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فخر کریں ایک قرأت فا کی زبر کے ساتھ ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے سب سے زیادہ شرف والے ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ سب سے اشرف اور افضل تھا۔

(انوار التنزیل ص95 مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع مصر)

علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی کا قول

علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف غرناطی اندلسی متوفی 754ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنو آدم کی جنس سے ہیں۔

اور یہ اس وجہ سے احسان ہے کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانوس ہو کر اکتساب فیض کر لیں اور دو مختلف جنسوں میں جو وحشت اور نفرت ہوتی ہے وہ نہ ہو۔

اور ایک قول یہ ہے:

اس آیت کے مخاطب عرب ہیں اور وجہ احسان یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان مثل عرب ہیں۔ ان کی زبان بولتے ہیں اس وجہ سے ان کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ آسان ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ان میں معروف ہے اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو جاننے کا ذریعہ ہے۔

(البحر المحیط: ج:3،ص:416 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابو العباس یوسف الحلبی کا قول

علامہ ابو العباس بن یوسف السمین الحلبی الشافعی التوفی 756ھ لکھتے ہیں:

مِنْ اَنْفُسِهِمْ کا معنی ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی جنس سے ہیں۔ حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ضحاک کی یہی قرأت ہے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
یہ ناء کی زبر کے ساتھ ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ نفیس اور مکرم ہیں۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میں نسب، حسب اور سسرال کے لحاظ سے تم سب سے زیادہ نفیس ہوں۔
(الدر المنثور ج:2،ص:251 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ جلال الدین شافعی کا قول

علامہ جلال الدین شافعی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:
آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مثل عربی ہیں تا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھ سکیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے مشرف ہوں نہ فرشتے ہیں نہ عجمی۔
(جلالین مع الجمل ج:1،ص:332 قدیمی کتب خانہ کراچی)

علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی کا قول

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نسب سے یا ان کی جنس سے ان کی مثل عربی ہیں تا کہ وہ آسانی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھ سکیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت پر مطلع ہوں اور اس پر فخر کریں اور اس میں ان کے لئے عظیم شرف ہے۔ ایک قرأت پر نا کی زبر کے ساتھ ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ سب سے افضل قبیلہ تھا۔
(تفسیر ابوالسعود علی ہامش الکبیر ج:2،ص:457 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

انبیاء کرام علیہم السلام کے جمع ہونے کے تین مواقع

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے جمع ہونے کے تین مواقع ہیں۔
(1) میثاق کے دن اللہ تعالیٰ نے سارے رسولوں کو جمع فرما کر ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنے کا عہد و پیمان لیا۔
جس کا ذکر اسی آیت کریمہ میں ہے۔
وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ (آل عمران: 81)
(2) دوسرا اجتماع معراج کی رات بیت المقدس میں ہوا کہ سارے انبیاء کرام علیہم السلام نے جمع ہو کر حضور انور صلی اللہ

علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی جس کا ذکر احادیث مبارکہ میں ہے۔

(3) تیسرا اجتماع وہ ہے جو قیامت کے دن ہوگا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 7،ص: 149 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قیامت کے دن حضور انور ﷺ کے علاوہ انبیاء کرام علیہم السلام کونسی شفاعت نہیں فرمائیں گے

تفسیر صادی شریف نے فرمایا:

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا یہ فرمانا

لست هناكم اذهبوا الى غيرى

گھبراہٹ کی بنا پر نہ ہوگا بلکہ مقصد یہ ہوگا کہ شفاعت کبریٰ کرنا ہمارا کام نہیں یہ کام کسی اور کا ہے۔ ہمارا کام شفاعت صغریٰ کا ہے تم شفیع اکبر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ شفاعت نہیں دی لہٰذا اس وقت ہم صرف اپنی نفس کے مالک ہیں۔

(تفسیر نعیمی پارہ: 7،ص: 151 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قیامت کے دن لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کو ایک ہزار سال شفاعت کے لئے ڈھونڈیں گے

تلاش شفیع کے وقت حضرات انبیاء کرام علیہم السلام یک جا نہ ہوں گے۔ متفرق مقام پر ہوں گے۔ اس لئے ایک ہزار سال تک لوگ انہیں ڈھونڈتے پھریں گے۔ ایک ہزار سال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ لگے گا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں طلب شفاعت کرتے ہوئے اپنی درخواست پیش کریں گے مگر عدالتی کارروائی شہادت کے وقت یہ حضرات مع اپنی امتوں کے یکجا یعنی بارگاہ رب العالمین میں جمع ہوں گے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 7،ص: 148 نعیمی کتب خانہ لاہور)

انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات تین قسم کے ہوتے ہیں

انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات تین قسم کے ہوتے ہیں۔

(1) معجزات لازمہ

جیسے

حسن یوسف علیہ السلام یا لحن داؤدی علیہ السلام کہ یہ معجزے ہر دم ان بزرگوں کے لئے لازم تھے۔

(2) معجزات اختیاریہ

جیسے

عصا موسوی علیہ السلام اور ید بیضاء کہ جب چاہا لاٹھی کو سانپ بنا دیا ہاتھ کو چمکا لیا۔

(3) معجزات غیر اختیاریہ

جیسے

آیات قرآنیہ کا نزول

(تفسیر نعیمی: پارہ:7،ص:161 نعیمی کتب خانہ لاہور)

انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں قانون سے وراء ہوتی ہیں

ہم لوگوں کو اللہ تعالیٰ شرعی احکام قانون کے مطابق دیتا ہے۔

نماز

روزہ وغیرہ

تو ہماری دعاؤں کے لئے بھی قید ہے کہ قانون کے مطابق دعا مانگو خلاف قانون چیز کی دعا نہ کرو مگر انبیاء کرام علیہم السلام خصوصاً حضرت خلیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے قانون سے وراء احکام دیئے۔ بیٹا ذبح کرو خود نمرودی آگ میں جاؤ وغیرہ جن پر آپ علیہ السلام نے بے تامل عمل کیا تو وہ حضرات بھی قانون سے وراء دعائیں مانگ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پوری فرماتا ہے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام نے ایک بار دعا کی کہ مجھے دکھا تو مردے کیسے زندے کرے گا وہ دکھا دیا گیا۔ ایک بار دعا کی کہ مولیٰ عزوجل مجھے اپنا سارا ملک دکھا تو وہ دکھا دیا گیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ مجھے اپنا دیدار دے اس سے بھی منع نہیں کیا گیا، غرض کہ قانون سے وراء احکام پر عمل کرتے ہیں تو قانون سے وراء دعائیں منظور کرا لیتے ہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:7،ص:556 نعیمی کتب خانہ لاہور)

انبیاء کرام علیہم السلام کو مصیبتیں کیوں آتی ہیں

قانون قدرت ہے کہ اچھوں کے دشمن ضرور ہوتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو عروج دینا چاہتا ہے تو اس کے مخالف پیدا فرما دیتا ہے۔

تندیٔ باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب　　　یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

جب تک مد مقابل سامنے نہ ہو تب تک قوت وطاقت کا پتہ نہیں چلتا، نیز انبیاء کرام علیہم السلام لوگوں کے لئے نمونہ ہوتے ہیں لوگ ان کے صبر کو دیکھ کر صبر کرنا سیکھیں گے اگر ان پر مصیبتیں نہ آتیں اور وہ صبر کا موقع نہ پاتے تو دوسرے مصیبت کو پہاڑ سمجھتے اور صبر نہ کر سکتے نیز اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ درجات شاکرین کے ہیں کچھ صابرین کے بلکہ صابرین کے درجے زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان حضرات کو یہ دونوں درجے عطا ہوں لہٰذا انہیں صبر کا موقع پھر اس کی توفیق بھی آجاتی ہے۔ بہر حال انبیاء کرام علیہم السلام کی تکالیف ان کے صبر میں بہت حکمتیں ہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:7،ص:332 نعیمی کتب خانہ لاہور)

انبیاء کرام علیہم السلام کا علم غیب

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو علم غیب عطا فرمایا جس پر قرآن مجید و احادیث مبارکہ شاہد ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِي مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○ (آل عمران: 179)

اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ تم (عام مسلمانوں) کو علم غیب پر مطلع کرے لیکن اللہ (غیب پر مطلع کرنے کیلئے) جن کو چاہتا ہے چن لیتا ہے اور وہ اللہ کے (سب) رسول ہیں، سو تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھو اور اگر تم ایمان اور تقویٰ پر (برقرار) رہے تو تمہارے لئے بہت بڑا اجر ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ تم عام مسلمانوں کو لوگوں کے دلوں کے احوال پر مطلع فرمادے اور تم لوگوں کو دیکھ کر یہ جان لو کہ فلاں شخص مخلص مومن ہے اور فلاں منافق ہے اور فلاں کافر ہے البتہ اللہ تعالیٰ مصائب آلام اور آزمائشوں کے ذریعہ مومنوں اور منافقوں کو متمیز کر دیتا ہے۔ جیسا کہ جنگ احد میں منافق مسلمانوں سے الگ ہو گئے۔ اسی طرح اسلام کی راہ میں جب بھی جہاد کا موقع آیا منافق پیچھے ہٹ گئے اور مسلمان آگے بڑھے، ماسوا رسولوں کے جن کو اللہ تعالیٰ غیب پر مطلع کرنے کے لئے چن لیتا ہے اور ان لوگوں کے دلوں کے احوال پر مطلع فرماتا ہے اور وہ نور نبوت سے جان لیتے ہیں کہ کس کے دل میں ایمان ہے اور کس کے دل میں نفاق ہے۔ اس آیت میں یہ صراحت سے بیان فرمایا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام غیب پر مطلع ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ غیب پر مطلع ہونا غیب کے علم کو مستلزم ہے۔ پس یہ آیت مبارکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے علم غیب کے ثبوت میں قطعی الدلالۃ ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی کا قول

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ تم سب کو غیب کا عالم نہیں بنائے گا جیسے رسول کا علم ہے حتیٰ کہ تم رسول سے مستغنی ہو جاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے رسالت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور باقی لوگوں کو ان رسولوں کی اطاعت کا مکلف کرتا ہے نیز اس سے پہلے امام رازی نے لکھا ہے کہ غیب پر مطلع ہونا انبیاء کرام علیہم السلام کے خواص میں سے ہے۔

(تفسیر کبیر: ج:3، ص:106 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی کا قول

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ غیب پر مطلع کرنے کے لئے اپنے رسولوں کو چن لیتا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن: ج:4، ص:289 مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی کا قول

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف غرناطی اندلسی متوفی 754ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ علم غیب سے جس پر چاہے اپنے رسولوں کو مطلع فرماتا ہے۔ پس رسول کا غیب پر مطلع ہونا اللہ تعالیٰ کی اس کی طرف وحی کے ذریعہ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ غیب سے یہ خبر دیتا ہے کہ فلاں شخص میں اخلاص ہے اور فلاں میں نفاق ہے اور یہ ان کو وحی کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے خود بخود بغیر واسطہ وحی کے معلوم نہیں ہوتا۔

(البحر المحیط: ج:3، ص:449 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی کا قول

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

واحدی نے سدی سے نقل کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھ پر میری امت اپنی صورتوں میں پیش کی گئی جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کی گئی تھی اور مجھے یہ علم دیا گیا کہ کون مجھ پر ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا۔ منافقوں کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے مذاق اڑایا اور کہا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا زعم یہ ہے کہ انہیں ان پر ایمان لانے والوں پر اور کفر کرنے والوں کا علم ہے اور ہم ان کے ساتھ ہیں اور ان کو ہمارا علم نہیں ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ نفوس قدسیہ میں سے بعض اہل کشف کو بھی غیب پر مطلع فرماتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

بطور وراثت ہے یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کے واسطے سے اور انبیاء کرام علیہم السلام کو بلاواسطہ غیب پر مطلع فرماتا ہے۔

(روح المعانی ج:4، ص:138 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب پر دلائل

یہاں صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کو چند دلائل کے ساتھ عرض کرتا ہوں۔ زیادہ وضاحت کے لئے فقیر کی کتاب "قرآن وحدیث کیا کہتے ہیں فی شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم" میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیامت تک امور بیان فرمانا

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں ایک تقریر فرمائی اور اس میں قیامت تک ہونے والے تمام امور بیان فرما دیئے جس

شخص نے اسے جان لیا اس نے جان لیا اور جس نے نہ جانا اس نے نہ جانا۔

(صحیح بخاری: ج:1، ص:977 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

جنت اور دوزخ جانے تک احوال بیان فرمانا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان ایک مجلس میں کھڑے ہوئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء خلق سے خبریں بیان کرنا شروع کیں حتیٰ کہ جنتیوں کے اپنے ٹھکانوں تک جانے اور جہنمیوں کے اپنے ٹھکانوں تک جانے کی خبریں بیان کیں جس شخص نے ان کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے ان کو بھلا دیا اس نے ان کو بھلا دیا۔

(صحیح بخاری: ج:1، ص:453 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

میں نے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کو میرے لئے لپیٹ دیا اور میں نے اس کے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔

(صحیح مسلم: ج:4، ص:2216 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

جو چاہو مجھ سے سوال کرو

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے چند چیزوں کے متعلق سوال کیا گیا جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند کیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سوالات کیے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہوئے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے ارشاد فرمایا

جو چاہو مجھ سے سوال کرو۔

ایک شخص نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا باپ کون ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تمہارا باپ حذافہ ہے۔

دوسرے شخص نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا باپ کون ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تمہارا باپ شیبہ کا آزاد کردہ غلام سالم ہے۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے میں غضب کے آثار دیکھے۔

تو عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اللہ عزوجل سے توبہ کرتے ہیں۔

(صحیح بخاری: ج:1، ص:20 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ہر چیز مجھ پر منکشف ہوگئی

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے لئے آنے میں دیر کی حتیٰ کہ عنقریب ہم سورج کو دیکھ لیتے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی سے آئے اور نماز کی اقامت کہی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر نماز پڑھائی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر کر ہم سے بہ آواز بلند فرمایا جس طرح اپنی صفوں میں بیٹھے ہو بیٹھے رہو۔ پھر ہماری طرف مڑے۔

اور ارشاد فرمایا

میں اب تم سے بیان کروں گا کہ مجھے صبح کی نماز کے لئے آنے میں کیوں دیر ہوگئی۔ میں رات کو اٹھا اور وضو کر کے میں نے اتنی نماز پڑھی جتنی میرے لئے مقدر کی گئی تھی پھر مجھے نماز میں اونگھ آگئی پھر مجھے گہری نیند آگئی۔ اچانک میں نے اچھی صورت میں اپنے رب اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

میں نے کہا:

اے میرے رب عزوجل میں حاضر ہوں۔

فرمایا

ملاء اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟

میں نے کہا:

میں نہیں جانتا!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا اور اس کے پوروں کی ٹھنڈک میں نے اپنے

میں محسوس کی پھر ہر چیز مجھ پر منکشف ہوگئی اور میں نے اس کو جان لیا۔

(الجامع الصحیح، ج:5،ص:369رقم الحدیث:3235مطبوعہ بیروت)

ایک اور احادیث مبارکہ میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نے اپنے رب عزوجل کو حسین صورت میں دیکھا۔

میرے رب عزوجل نے فرمایا

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں نے کہا: حاضر ہوں یارب عزوجل

فرمایا

ملاءاعلیٰ کس چیز میں بحث کررہے ہیں؟

میں نے کہا:

اے رب عزوجل! میں نہیں جانتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی پھر میں نے جان لیا جو کچھ مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔

(الجامع الصحیح ج:5،ص:367رقم الحدیث:3234مطبوعہ بیروت)

رسول کے بغیر محض عقل سے ایمان لانے کے وجوب میں مذاہب

علامہ عبدالحق خیرآبادی متوفی 1318ھ لکھتے ہیں:

بعض احناف نے یہ کہا ہے:

بعض احکام ادراک کرنے میں عقل مستقل ہے۔اس لئے انہوں نے کہا: ایمان واجب ہے اور کفر حرام ہے۔اسی طرح ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہ ہو مثلاً کذب وجہل وغیرہ یہ بھی حرام ہے۔حتیٰ کہ عقل مند بچہ جو ایمان اور کفر میں تمیز کرسکتا ہو اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس مسئلہ میں ان کے اور معتزلہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور وہ (احناف) اس کے قائل ہیں کہ بعض اشیاء کا حکم عقل سے معلوم ہوجاتا ہے اور شرع پر موقوف نہیں ہوتا۔

اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ

جو شخص اپنے خالق سے جاہل ہو اس کا عذر مقبول نہیں ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی ذات پر دلائل کا مشاہدہ کررکھا ہے اور حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات پر ایمان لانا تمام عقلاء کے نزدیک صفت کمال ہے اور اللہ تعالیٰ کا کفر کرنا سب کے نزدیک صفت نقصان ہے۔نیز ایمان کا معنی ہے نعمت کا شکر ادا کرنا اور یہ صفت کمال ہے اور کفر کرنا نعمت کا کفر

ہے اور یہ صفت نقصان ہے پس عقل کے نزدیک ایمان حسن ہے اور کفر قبیح ہے لہٰذا اگر انسان اس کام کو ترک کر دے جو عقل کے نزدیک حسن ہے تو وہ عذاب کا مستحق ہوگا خواہ اس وقت اللہ تعالیٰ کا حکم نہ پہنچے اور وہ معذور نہیں ہوگا البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کو عذاب نہیں دیا جائے گا کیونکہ اس کے پاس بالفعل اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں پہنچا اور عقل پر اعتماد کلی نہیں ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مذہب پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ

اگر رسول کے بھیجنے اور اس کی دعوت کے بغیر ایمان لانا واجب ہو تو اس سے لازم آئے گا کہ اگر کوئی شخص عقل کے حکم پر اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات پر ایمان لائے بغیر مر جائے تو لازم آئے گا کہ رسولوں کے بھیجے بغیر بھی اس کو عذاب دیا جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ (الاسراء:15)

ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ رسول نہ بھیج دیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

جب کسی انسان پر غور و فکر کی مدت گزر جائے تو پھر اس کے لئے کوئی عذر باقی نہیں رہتا کیونکہ غور و فکر کی مدت عقل کو متنبہ کرنے کے لئے رسولوں کی بعثت کے قائم مقام ہے اور یہ مدت مختلف ہوتی ہے کیونکہ لوگوں کی عقلیں مختلف ہوتی ہیں۔

امام فخر الاسلام نے اصول بزدوی میں یہ کہا ہے:

ہم جو کہتے ہیں کہ انسان عقل سے مکلف ہوتا ہے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ اس کی تجربہ سے مدد فرماتا ہے اور اس کا انجام کا ادراک کرنے کی مہلت مل جاتی ہے تو پھر وہ معذور نہیں رہے گا۔ خواہ اس کو رسول کی دعوت نہ پہنچی ہو جیسا کہ امام ابو حنیفہ نے کہا ہے: کم عقل شخص جب پچیس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اس سے اس کے مال کو روکا نہیں جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے باب میں عمر کی کوئی حد نہیں مقرر کی گئی بہر حال جب انسان پر غور و فکر کی مدت گزر جائے جس مدت میں اس کا دل متنبہ ہو سکے تو یہ مدت اس کے حق میں رسول کی دعوت کے قائم مقام ہے۔ ہم نے بیان مذاہب کی جو تقریر کی ہے اس پر یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ جو انسان دور دراز کے پہاڑوں میں بالغ ہو اور اس تک رسول کی دعوت نہ پہنچی ہو اور نہ اس نے ضروریات دین کا عقیدہ رکھا ہو اور نہ احکام شرعیہ پر عمل کیا ہو تو معتزلہ اور احناف کی ایک جماعت کے نزدیک اس کو آخرت میں عذاب ہوگا کیونکہ اس کی عقل جن احکام کا ادراک کرنے میں مستقل تھی اس نے اس کے تقاضے پر عمل نہیں کیا۔ صحیح یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ معتزلہ اور بعض احناف کے نزدیک اس کو مطلقاً کفر کے اختیار کرنے پر عذاب ہوگا۔ خواہ وہ بلوغت کی ابتداء میں کفر کو اختیار کرے خواہ وہ غور و فکر کی مدت گزرنے کے بعد ایمان نہ لایا ہو۔

(شرح مسلم الثبوت، ص:60 تا 62 مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

انبیاء کرام علیہم السلام کا اللہ تعالیٰ کے اذن سے تصرف کرنا

قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (الانعام: 17)

اور اگر اللہ تمہیں کوئی ضرر پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس ضرر کو دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ تمہیں کوئی نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مصیبت اور ضرر کو دور نہیں کر سکتا حالانکہ انسان کبھی خود اپنی کوشش سے مصیبت کو دور کر لیتا ہے۔ کبھی اس کے دوست اور رشتہ دار اس مصیبت کو دور کر دیتے ہیں۔ انسان بیمار پڑ جاتا ہے تو ڈاکٹر کے ذریعہ اس کی بیماری اور تکلیف کو دور کر دیتا ہے۔ قیامت کے دن انبیاء کرام علیہم السلام عموماً اور ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً گناہ گاروں کی شفاعت فرما کر ان سے عذاب کی مصیبت کو دور کریں گے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گناہ گاروں کی قبر پر شاخ کے دو ٹکڑے نصب کر کے ان سے برزخ کا عذاب دور کر دیا۔

(صحیح بخاری:216)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دکھتی ہوئی آنکھ میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی میں اور حضرت زید بن معاذ رضی اللہ عنہ کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ میں لعاب دہن لگایا اور ان سے دنیا کی تکلیف کو دور کر دیا اور وہ شفایاب ہو گئے۔

(شفاء:ج:1،ص:213)

امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ

ابو رافع یہودی کو قتل کرنے کے لئے حضرت عبداللہ بن عتیک گئے اور اس مہم میں ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ اس طرح درست ہو گئی کہ کبھی ٹوٹی ہی نہ تھی۔

(صحیح البخاری:ج:5،رقم الحدیث:4039)

ایسے بکثرت واقعات ہیں، اسی طرح اولیاء اللہ کی کرامتوں سے بھی لوگوں کی بیماریاں اور ان کے مصائب دور ہو جاتے ہیں اور یہ تمام امور اس آیت کے خلاف ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ اپنی ذاتی قدرت سے اپنے بندوں کے مصائب اور تکلیفوں کو دور کرتا ہے۔ اس کے برخلاف لوگ جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور ان کی مشکلات میں کام آتے ہیں اور ان کے مصائب کو دور کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی دی ہوئی طاقت سے کرتے ہیں اور دواؤں میں شفا کی تاثیر اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے وہ محض بے سبب ہیں شفاء دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ چاہے تو بغیر دوا کے شفا دے دے اور اگر وہ نہ چاہے تو کسی دوا سے شفا نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح انبیاء کرام علیہم

السلام اور اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت اور اس کے اذن سے تصرف کرتے ہیں۔ بیماروں کو شفا دیتے ہیں اور گناہ گاروں کی شفاعت کرتے ہیں اور تنگ دستوں کو غنی کرتے ہیں اور ان افعال کی ان کی طرف نسبت کرنا جائز ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ (التوبہ: 74)

اور ان کو صرف یہ برا لگا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

دیکھئے حقیقت میں غنی کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ سو معلوم ہوا ایسا کہنا جائز ہے البتہ یہ اعتقاد ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتی قدرت سے غنی کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اس کے اذن سے غنی کیا۔

اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ (الاحزاب: 37)

اور جب آپ اس شخص سے کہتے تھے جس پر اللہ نے انعام فرمایا اور آپ نے (بھی) انعام فرمایا۔

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ منعم حقیقی ہے اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اس کے اذن سے انعام فرمایا مگر اللہ تعالیٰ نے انعام کرنے کی نسبت دونوں کی طرف کی ہے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام نے کہا:

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا ۝ (مریم: 19)

(جبرائیل علیہ السلام نے) کہا میں تو صرف آپ کے رب کا فرستادہ ہوں، تا کہ میں آپ کو پاک بیٹا دوں۔

حقیقت میں بیٹا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے بیٹا دینے کی نسبت حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اس کا سبب اور ذریعہ بنایا تھا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی دعاؤں سے بھی بیٹا ہو جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا ہوں۔

(مسند احمد: ج: 4، ص: 127 تا 128)

اور قرآن مجید میں مذکور ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا سے پیدا ہوئے۔ انہی طرح اللہ تعالیٰ اولیاء کرام کی دعا منظور فرمالے تو ان کی دعا سے بھی اولاد ہو سکتی ہے لیکن صحیح طریقہ یہ ہے کہ اولیاء کرام سے دعا کی درخواست کی جائے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے دعا کریں کہ ہمارا فلاں مطلوب پورا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اولیاء کرام کی عزت، وجاہت اور مقبولیت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم اور فضل سے ان کی دعا قبول فرمالیتا ہے اور رد نہیں فرماتا۔ اس نے فرمایا ہے کہ میں اپنے مقرب بندہ کو جب اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے سوال کو رد نہیں کرتا۔

(صحیح البخاری: ج: 7، رقم الحدیث: 243)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت میں یوں روایت کیا ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ وصول کرنے کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ ابن جمیل حضرت خالد بن ولید اور حضرت ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما نے صدقہ دینے سے منع کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ابن جمیل کو صرف یہ بات ناگوار ہوئی ہے کہ وہ فقیر تھا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو غنی کر دیا اور رہا خالد تو تم اس پر ظلم کرتے ہو۔ اس نے اپنی زرہ محفوظ رکھی ہے اور اس کو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے وقف کیا ہوا ہے اور رہے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم (محترم) ہیں جتنا صدقہ ان پر واجب ہے ان سے اتنا وصول کیا جائے۔

ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ حقیقتاً بلا واسطہ اور بالذات مصائب کو دور کرنے والا اور نعمتیں عطا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اس کے اذن سے مقربان انبیاء کرام علیہم السلام اولیاء کرام خصوصاً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی عذاب اور مصائب کو دور کرتے ہیں۔ اور دنیا و آخرت میں غنی اور شادکام کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان بزرگوں کا صدقہ ہے کہ اے گناہوں کے باوجود بھی ہم پر پچھلی قوموں جیسا عذاب نہیں آیا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے سلسلے مبارک

انبیاء کرام علیہم السلام کے سلسلوں پر قرآن مجید کی نص موجود ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝

(انعام: 84 تا 86)

''اور ہم نے انہیں اسحاق و یعقوب عطا کئے ان سب کو ہم نے راہ دکھائی اور ان سے پہلے نوح کو راہ دکھائی اور اس کی اولاد سے داؤد اور سلیمان اور ایوب و یوسف اور موسیٰ و ہارون کو اور ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں نیک کاروں کو اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو یہ سب ہمارے قرب کے لائق ہیں اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط کو اور ہم نے ہر ایک کو اس وقت میں سب پر فضیلت دی۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی عمر کے لحاظ سے بھی اب اولاد کی امید نہ تھی۔ آپ علیہ السلام نے اس بچے کی دعا بھی نہ کی

تھی کہ رب تعالیٰ عزوجل کی یہ عطا ہوئی لہٰذا اسے ہبہ فرمایا گیا۔ چنانچہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش اس وقت ہوئی جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت بوڑھے تھے۔ اولاد سے مایوس ہو چکے تھے ایک سو بیس سال کی عمر شریف تھی اور آپ علیہ السلام کی بیوی صاحبہ بوڑھی ہونے کے علاوہ بانجھ بھی تھیں دوطرفہ اولاد سے مایوسی تھی۔ اس کے باوجود آپ علیہ السلام پیدا ہوئے اس لئے وہب نے ارشاد فرمایا:

وھبنا فرما کر یہ بتایا گیا کہ یہ اولاد ہمارا عطیہ تھی۔ لہٰذا نہایت طیبہ وطاہرہ تھی۔ غرض کہ بجائے ولد کے وھبنا فرمانا نہایت موزوں ہے۔ یہ حضرات مقدس تحفہ ربانی عزوجل ہیں۔ رب جلیل عزوجل تحفہ دینے والے حضرات ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام تحفہ لینے والے تو سمجھ لو کہ خود تحفہ کیسا شاندار ہوگا۔ تحفہ کی شان ہبہ کی عظمت واہب اور موھوب لہ یعنی دینے والے لینے والے کی شان سے معلوم کرلو لہٰذا وھبنا ان حضرات مقدس کی نعت ہے اور لہ بھی اسحاق عبرانی زبان کا نام ہے جس کے معنی ہیں عربی میں ضحاک

یعنی

ہنس مکھ، شاداں خوش وخرم

بعض انبیاء کرام علیہم السلام پر خوف الٰہی عزوجل کا قبضہ تھا۔ ان کی آنکھیں نم رہتی تھیں۔ جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور بعض پر امید کا غلبہ تھا۔ ان کا چہرہ ہشاش بشاش رہتا تھا۔

جیسے

حضرت اسحاق اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام دوسری قسم میں سے تھے۔ آپ علیہ السلام کی عمر ایک سو اسی سال ہوئی۔

یعقوب بنا ہے عقب سے بمعنی

پیچھے آنے والا یا بہت سی اولاد پیچھے چھوڑنے والا

چونکہ آپ علیہ السلام اپنے بھائی عیص کے ساتھ پیدا ہوئے۔ پہلے عیص بعد میں آپ علیہ السلام نیز آپ علیہ السلام کی ذریت بے شمار ہوئی لہٰذا آپ علیہ السلام کا لقب یعقوب ہوا آپ علیہ السلام کا نام اسرائیل ہے لقب یعقوب چونکہ بہت بڑھاپے کی اولاد نہایت کمزور ہوتی ہے اس کی نسل عموماً نہیں چلتی اس لئے وہبنا کے ماتحت حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر فرمایا:

حضرت اسحاق علیہ السلام باوجود کہ بڑھاپے کی اولاد تھے مگر ہم نے انہیں بہت قوی کا صاحب اولاد بنایا۔

نیز

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف میں اتنی برکت دی کہ آپ علیہ السلام نے اپنے پوتے یعقوب علیہ السلام کو بھی دیکھ لیا لہٰذا وہبنا کے ماتحت حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام شریف نہایت موزوں ہے۔

خیال رہے کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام کی عمر شریف ایک سو سینتالیس سال ہوئی۔

کلا ہدینا۔ ہدینا کی ہدایت سے مراد نبوت کی ہدایت ہے ایک مقصود کے بہت راستے ہوتے ہیں خدا رسی کے بھی بہت راستے ہیں۔ ایمان، عرفان، ایقان، نبوت، رسالت عام مومنوں کو ایمان کی ہدایت عطا ہوئی، اولیاء اللہ کو عرفان کی کسی ایقان کی مگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو نبوت کی ہدایت دی۔ لفظ ہدایت ایک ہے مگر اس کے مصداق مختلف یہاں یہ ہی آخری ہدایت مراد ہے۔ پھر اس ہدایت کو رب عزوجل نے اپنی طرف نسبت فرما کر یہ بتایا کہ ان کی یہ ہدایت کسبی یا کسی کی وہب سے نہیں بلکہ محض ہماری طرف سے لدنی طور پر ہے جو کسی طرح ان سے الگ نہیں ہو سکتی جیسے سورج کا نور اور ہدینا ماضی فرما کر یہ بتایا کہ ان کو دنیا میں آ کر ہدایت نہیں ملی بلکہ وہ دنیا میں آنے سے پہلے ہی ہدایت یافتہ تھے۔ دوسرے لوگ دنیا میں ہدایت لینے آئے مگر وہ حضرات مقدس لے کر آئے اور دوسروں کو دینے آئے۔

حق یہ ہے کہ

کلاً سے مراد حضرت اسحاق و یعقوب علیہما السلام ہیں۔ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام داخل نہیں کیونکہ آپ علیہ السلام کی ہدایت نبوت کا ذکر تو پہلے ہو چکا۔ یعنی ہم نے ان دونوں کو نبی بنایا اور انہیں ہدایت یافتہ دوسروں کا ہادی بنایا۔

وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ

یہ عبارت معطوف ہے کلا ہدینا پر

اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد بھی انبیاء علیہم السلام ہوئی اور آپ علیہ السلام کے باپ دادا نوح علیہ السلام وغیرہم بھی انبیاء علیہم السلام تھے

نوحا مفعول بہ ہے ہدینا کی

حضرت نوح علیہ السلام کا نام مبارک عبد الغفار ابن لمک ابن متوشلخ ابن ادریس علیہ السلام ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی ولادت حضرت آدم علیہ السلام سے گیارہ سو برس بعد ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ساڑھے نو برس تبلیغ کی۔ طوفان کے بعد آپ علیہ السلام ساٹھ سال زندہ رہے۔ آپ علیہ السلام کے اور حضرت ابراہیم کے درمیان تقریباً ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اکیس سو برس بعد پیدا ہوئے۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمٰنَ

اس میں ذریتہ کی ضمیر کدھر لوٹتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف۔ فقیر کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف ہے کیونکہ بہت دور سے آپ علیہ السلام کا ذکر چلا آ رہا تھا۔

خیال رہے کہ

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں۔ آپ علیہ السلام کی نسل نہیں تغلیباً آپ علیہ السلام کو اولاد ابراہیمی میں شمار کرلیا گیا۔ جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے دادوں میں شمار کرلیا گیا۔ یہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے پڑپوتے ہیں۔ سواء حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہ حضرات ابراہیم علیہ السلام کے نواسے ہیں۔ ذریۃ پوتے نواسے سب کو کہا جاتا ہے۔

بعض نے فرمایا:

حضرت یونس علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم کی اولاد سے نہیں مگر حق یہ ہے کہ آپ علیہ السلام ان کی اولاد سے ہی ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے۔

داؤد ابن ایشا ابن عویر ابن عابر ابن سلمون ابن نخشون ابن عمی ابن بارب ابن رام ابن حضر موت ابن فارض ابن یہودا ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم علیہم السلام۔

آپ علیہ السلام کی عمر سو برس ہوئی۔ چالیس سال کی بادشاہت کی آپ علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ آپ علیہ السلام بہت خوبصورت اور بڑے خوش آواز تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام آپ علیہ السلام کے بیٹے تھے۔

وَ اَیُّوْبَ وَ یُوْسُفَ

یہ عبارت معطوف ہے داؤد پر

حضرت ایوب علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے۔

ایوب ابن موص ابن روم ابن عیص ابن اسحاق ابن ابراہیم علیہم السلام

آپ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت لوط علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

آپ علیہ السلام کی عمر 93 سال ہے۔

آپ علیہ السلام کے نسب نامہ کے متعلق اور بہت سے اقوال ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر شریف ایک سو بیس سال ہوئی۔

وَ مُوْسٰی وَ ھٰرُوْنَ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نسب نامہ

موسیٰ ابن عمران ابن یصہر ابن ماہس ابن لاوی ابن یعقوب علیہ السلام ہے۔ آپ علیہ السلام کی عمر شریف ایک سو بیس سال ہوئی چونکہ آپ علیہ السلام کی کشتی دریا سے نکالی گئی تھی اس لئے آپ علیہ السلام کا نام مبارک موسیٰ علیہ السلام رکھا گیا۔

مو کے معنی ہیں

پانی

ساگوان کی لکڑی
سی کے معنی ہیں

حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اخیافی یا حقیقی بھائی ہیں۔ آپ علیہ السلام سے ایک سال بڑے ہیں۔

وَ كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ

یہ جملہ مستقل ہے۔

کذالک میں اشارہ ان حضرات مقدسہ کی ہدایت کی طرف ہے یا ان حضرات کے جناب ابراہیم علیہ السلام کے اولاد ہونے کی طرف۔

یعنی

ہم نیک کاروں کو ایسے ہی دنیاوی ثواب اجر عطا فرماتے ہیں کہ ان کی اولاد کو بھی نیک کر دیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑی قربانیاں دیں تو انہیں ابوالانبیاء یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کا جدامجد بنادیا۔

محسن کے چار معنی ہیں۔

تین عالمانہ اور ایک عاشقانہ

لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا احسان ہے اور سلوک کرنے والا محسن حضرات انبیاء کرام علیہم السلام مخلوق پر ان کے ماں باپ سے زیادہ محسن ہیں کہ ماں باپ سے بدن ملتا ہے ان سے ایمان نیک کام کرنا برائیوں سے دور رہنا احسان ہے۔ اور ایسا کرنے والا محسن حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اس میں اول درجہ پر ہوتے ہیں۔ عبادات میں اخلاص حضور قلبی احسان ہے اور ایسا کرنے والا محسن رب عزوجل کو ایسے پوجو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو یا کم از کم یہ سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

عثمان کہتے ہیں کہ

احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ساتھ غفلت نخوت دل میں نہ جانے دینا احسان ہے اور ایسا آدمی محسن ہے جسے پانی میں سے ہوا چھان کر سانس لیتی ہے پانی اور مٹی کو اندر نہیں جانے دیتی زندہ رہتی ہے خشکی کے جانوروں کے پاس یہ چھلنی نہیں پانی بھی ان کے پیٹ میں چلا جاتا ہے وہ مرجاتے ہیں یہ ہی حال دنیا کی نعمتوں کا ہے۔

وَزَكَرِيَّا وَ يَحۡيٰى وَ عِيۡسٰى وَ اِلۡيَاسَ

حضرت زکریا علیہ السلام والد ہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے۔

آپ علیہ السلام کا نام شریف

زکریا ابن ازن ابن برکیا ہے۔

آپ حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ آپ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے فرزند حضرت یحیٰ علیہ السلام دونوں شہید کیے گئے۔ حضرت یحیٰ علیہ السلام ایک دن پہلے اور حضرت زکریا علیہ السلام ایک دن بعد آپ علیہ السلام نے ہی حضرت مریم علیہا السلام کی پرورش کی۔ حضرت یحیٰ علیہ السلام آپ علیہ السلام کے فرزند ہیں۔ جب آپ علیہ السلام کی ولادت کی خبر حضرت زکریا علیہ السلام کو دی گئی اس وقت حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کے فرزند ہیں۔ حق یہ ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔ آپ علیہ السلام الیاس ابن سنان ابن فخاص ابن عزار ابن ہارون ابن عمران ہیں۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام

بعض مفسرین کرام نے فرمایا:

الیاس حضرت ادریس علیہ السلام کا نام ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ قرآن مجید نے آپ علیہ السلام کو حضرت ابراہیم وحضرت نوح علیہما السلام کی ذریت میں شمار فرمایا ہے اور حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے باپ داداؤں میں ہیں۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَ يُوْنُسَ وَلُوْطًا

حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ علیہ السلام ہی کی اولاد میں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ علیہ السلام ہی سے ملک عرب آباد ہوا۔

حضرت یسع علیہ السلام کا زمانہ اور پیدائش معلوم نہ ہوسکی۔ صرف اتنا معلوم ہوسکا کہ آپ علیہ السلام یسع ابن افطوب ابن عجوز ہیں۔

حق یہ ہے کہ

یسع عجمی نام ہے۔

بعض لوگوں نے کہا:

یوشع سے یسع بنا ہے

بعض لوگوں نے کہا:

یسع فعل مضارع سے بنا مگر قوی بات پہلی ہی ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام ان انبیاء کرام علیہم السلام سے ہیں جن کا نسب اور زمانہ پورے حالات زندگی معلوم نہ ہوسکے صرف اتنا معلوم ہے کہ آپ علیہ السلام یونس ابن متی ہیں۔

متی والد کا نام ہے یا والدہ کا، مچھلی کے پیٹ میں آپ علیہ السلام ہی رہے۔

بعض نے فرمایا

حضرت شعیب علیہ السلام کے ہم زمانہ ہیں موصل کے علاقے نینوا بستی کے نبی تھے۔ اولاد یعقوب علیہ السلام سے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں۔

آپ علیہ السلام لوط ابن ہاران ابن آذر ہیں۔ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔ حضرت ابراہیم و حضرت سارہ علیہما السلام کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کر گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے آپ علیہ السلام مقام سدوم کے نبی بنائے گئے۔ آپ علیہ السلام کی قوم سے لواطت جیسی بے حیائی کی ابتداء ہوئی اگر چہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں مگر آپ علیہ السلام کو اس سلسلہ میں بیان کر دیا گیا کہ بھتیجا گویا بیٹا ہوتا ہے اور چچا گویا والد یا تغلیباً آپ علیہ السلام کا نام اسی سلسلہ میں ذکر کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں ان انبیاء کرام علیہم السلام کو چار سلسلوں میں بیان فرمایا۔

پہلے سلسلے میں ان انبیاء کرام علیہم السلام کو ذکر فرمایا۔

(1) حضرت ابراہیم

(2) حضرت نوح

(3) حضرت اسحاق

(4) اور حضرت یعقوب علیہم السلام

اس لئے یہ حضرات اصول انبیاء کرام علیہم السلام ہیں کہ سارے انبیاء کرام علیہم السلام کے نسب ان سے چلتے ہیں۔

دوسرے سلسلہ میں۔

ان انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر فرمایا جنہیں نبوت کے ساتھ اور شاندار نعمتوں سے نوازا گیا۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام و حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبوت کے ساتھ سلطنت دی۔ حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کو انقلاب کی نعمت بخشی کہ ان کے ہاتھوں فرعون و قارون ہلاک کئے گئے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو کامل درجہ کا صبر اور حضرت یوسف علیہ السلام کو اولاً صبر پھر سلطنت عطا فرمائی۔ اس لئے ان بزرگوں کے متعلق ارشاد ہوا کہ ہم محسنین کو ایسے ہی اجر دیتے ہیں۔

تیسرے سلسلہ میں

ان انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر فرمایا گیا جنہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت کے ساتھ زہد، قناعت ترک دنیا کی نعمت بخشی اس سلسلہ میں حضرت زکریا و حضرت یحیٰ و حضرت عیسیٰ و حضرت الیاس علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر فرمایا۔ اس لئے ان کو صالحین فرمایا۔

چوتھے سلسلہ میں

ان انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر فرمایا جن کا دنیا میں نہ کوئی متبع رہا نہ ان کی شریعت باقی رہی۔ اسی سلسلہ میں حضرت اسماعیل، حضرت یسع، حضرت یونس و حضرت لوط علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر فرمایا۔

ان آیات کریمہ میں اٹھارہ پیغمبروں کا ذکر ہے جن میں نہ تو ترتیب زمانی ہے نہ رتبہ کی بلکہ ترتیب کی وجہ کچھ اور ہے۔

ارشاد ہوا کہ

ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں بڑی بڑی نعمتوں سے نوازا۔ ان نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ ہے کہ ان کی ذریت ان کی اولاد میں بہت سے پیغمبر بھیجے۔ چنانچہ انہیں بڑھاپے میں حضرت اسحاق علیہ السلام جیسا نورانی فرزند بخشا بلکہ پوتا حضرت یعقوب علیہ السلام بھی انہیں دکھایا۔ ان تمام حضرات کو ہم نے نبوت تقویٰ وغیرہ کی ہدایات بخشیں بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آباؤ اجداد میں حضرت نوح علیہ السلام کو تو نبوت پہلے ہی دے چکے تھے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دوطرفہ خاندانی اشرف ہیں۔ باپ دادا کے نبی اولاد نبی آپ علیہ السلام کی اولاد میں

حضرت داؤد علیہ السلام

حضرت سلیمان علیہ السلام

حضرت ایوب علیہ السلام

حضرت یوسف علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت ہارون علیہ السلام

جیسے نامور پیغمبر پیدا کئے ہم نیک کاروں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔

نیز آپ علیہ السلام کی اولاد میں

حضرت زکریا علیہ السلام

حضرت یحیٰی علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت الیاس علیہ السلام

جیسے رسول پیدا فرمائے جو تمام کے تمام کامل درجہ کے نیک صلاحیتوں والے تھے۔

نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں

حضرت اسماعیل علیہ السلام

حضرت یسع علیہ السلام

حضرت یونس علیہ السلام

اور حضرت لوط علیہ السلام

جیسے چمکتے چاند تارے پیدا فرمائے ان میں سے سب کو اس زمانہ میں تمام جہانوں سے افضل کیا کہ وہ حضرات انس و جن فرشتوں سب سے فاضل تھے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:7،ص:92تا97 نعیمی کتب خانہ لاہور)

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وراثت

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جب اس دنیا سے ظاہری پردہ فرماتے ہیں تو مال نہیں چھوڑتے بلکہ علم وراثت چھوڑ جاتے ہیں اور یہی علم علماء کرام کے ذریعے ہم تک پہنچتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَ كَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّاo یَّرِثُنِیْ وَ یَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّاo (مریم: 5تا6)

اور مجھے اپنے بعد اپنے قرابت داروں سے خطرہ ہے اور میری اہلیہ بانجھ ہے سو تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما۔ جو میرا اور آل یعقوب کا وارث ہو اور اے میرے رب اس کو پسندیدہ بنادے۔

زجاج نے کہا:

حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رشتہ دار نہیں تھے ان کو خطرہ تھا کہ ان کی وفات کے بعد دین ضائع ہو جائے گا اس لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ایسا وارث طلب کیا جو ان کے بعد دین کی حفاظت کرے اور دین کی اشاعت کرے اور یہی قول صحیح ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے مال کے وارث ہونے کی دعا نہیں کی تھی کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے مال کا وارث نہیں بنایا جاتا بلکہ ان کے علم اور نبوت کا وارث بنایا جاتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے علم میراث ہونے پر کئی احادیث مبارکہ ہیں لیکن یہاں پر اختصار کے ساتھ چند احادیث مبارکہ نقل کرتا ہوں۔

ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا ہم نے جو چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6727)

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام علم کا وارث بناتے ہیں

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص علم کی طلب میں کسی راستہ پر جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے اور طالب علم کی رضا کے لئے فرشتے اپنے پَر رکھتے ہیں اور عالم کے لئے وہ سب استغفار کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اور مچھلیاں جو پانی کے اندر ہیں اور عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جس طرح چودھویں رات کے چاند کی فضیلت ستاروں پر ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام دینار اور درہم کے وارث نہیں بناتے وہ علم کا وارث بناتے ہیں سو جس نے علم کو حاصل کیا اس نے بہت بڑے حصے کو حاصل کیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: 3641)

ہم گروہ انبیاء کرام علیہم السلام کا وارث نہیں بنایا جاتا

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے

حدیث مبارکہ میں ہے

ہم گروہ انبیاء کرام علیہم السلام کا وارث نہیں بنایا جاتا ہم نے جو ترکہ چھوڑا وہ صدقہ ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج:2، ص:74 دار الفکر بیروت)

علم انبیاء کرام علیہم السلام کی میراث

ائمہ شیعہ میں سے شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی 239ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

عبداللہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

امام رضا علیہ السلام نے ان کو لکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں امین تھے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو ہم اہل بیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہوئے۔ ہمیں علم دیا گیا اور ہم کو جب علم دیا گیا تھا اور جس علم کو ہمارے پاس امانت رکھا گیا تھا ہم نے وہ علم پہنچا دیا سو ہم اولوالعزم رسولوں کے وارث ہیں۔

ابو جعفر علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہیں اور وہ وصیوں کے علم کے وارث ہیں اور تمام پہلوؤں کے علم کے وارث ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سابقین انبیاء کرام و مرسلین کرام علیہم السلام کے علم کے وارث ہیں۔

مفضل بن عمر بیان کرتے ہیں کہ

ابو عبداللہ علیہ السلام نے فرمایا:

سلیمان داؤد علیہما السلام کے وارث تھے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سلیمان علیہ السلام کے وارث تھے اور ہم محمد صلی اللہ علیہ

وسلم کے وارث ہیں۔

(الاصول من الکافی: ج:1،ص:223 تا 225 مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران)

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو میراث جاری کی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مقدس زندگی میں حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو میراث جاری نہیں کی اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی باغ دیا تھا بعض جاہل لوگ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو باغ فدک دیا تھا جبکہ یہ کسی روایت سے ثابت ہی نہیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری پردہ فرمانے کے بعد حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہا سے اپنا حصہ مانگا

اور فرمایا

مجھے اپنے والد کی وراثت سے حصہ میں باغ فدک دو اور وراثت اسی مال میں جاری ہوتی ہے جس کی زندگی میں کسی کو ہبہ نہ کیا گیا ہو لہٰذا اس دعویٰ میں یہ دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو اپنی زندگی میں فدک نہیں دیا تھا کیونکہ اگر زندگی میں فدک ہبہ کر دیا تھا تو بعد از وصال اس کی وراثت سے مطالبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی لیکن اس کے برخلاف علماء شیعہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں فدک ہبہ کر دیا تھا۔ اور جو چیز کسی کو زندگی میں دے دی گئی ہو اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی کیونکہ وراثت اسی مال میں جاری ہوتی ہے جس کو زندگی میں ہبہ نہ کیا ہو فلہٰذا اگر مطالبہ میراث کا دعویٰ صحیح ہے تو ہبہ کا دعویٰ صحیح نہیں ہے اور اگر ہبہ کا دعویٰ صحیح تو پھر مطالبہ میراث کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ یہ دونوں دعوے ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ یہ ایک صاف اور سیدھی بات ہے جس کو ہر صاحب عقل خوب سمجھ سکتا ہے۔

علماء شیعہ کہتے ہیں کہ

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے باغ فدک کا مطالبہ کیا تھا۔

وہ دلائل یہ دیتے ہیں

شیخ ابومنصور طبرسی لکھتے ہیں

عبداللہ بن الحسن اپنی سند کے ساتھ اپنے آباء علیہم السلام سے روایت کرتے ہیں کہ

جب ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کو فدک نہ دینے پر اتفاق کر لیا اور حضرت فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کو یہ خبر پہنچی......

اس روایت میں ذکر ہے کہ

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا دوپٹہ لے کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئیں درآں حالیکہ حضرت ابوبکر رضی

اللہ عنہ کے پاس مہاجرین اور انصار بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی اور ایک بہت طویل اور فصیح وبلیغ خطبہ دیا جس میں اپنے فضائل اور مناقب بیان کئے۔

اور اخیر میں فرمایا

اے مسلمانو! کیا میں اپنی میراث پر مغلوب کی جاؤں گی۔

اے ابوقحافہ (رضی اللہ عنہ) کے بیٹے!

کیا کتاب اللہ میں یہ لکھا ہے کہ

تم تو اپنے باپ کے وارث ہوں گے اور میں اپنے باپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وارث نہیں ہوں گی؟ یہ تو تم نے اپنے خدا عزوجل پر جھوٹا باندھا ہے۔

کیا تم نے عمداً کتاب اللہ کو چھوڑ دیا اور اس کو پس پشت پھینک دیا؟

کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

سلیمان داؤد کے وارث ہیں

اور اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن زکریا کا یہ قول نقل کیا ہے۔

اے اللہ! مجھے ایسا ولی عطا فرما جو میرا اور آل یعقوب کا وارث ہو۔

اور فرمایا

اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے متعلق وصیت کرتا ہے کہ

مرد کو دو لڑکیوں کا حصہ ملے گا

اور فرمایا

اگر کسی شخص نے مال چھوڑا تو اس پر لازم ہے کہ وہ والدین اور رشتہ داروں کے حق میں دستور کے مطابق وصیت کرے یہ متقین پر فرض ہے۔

اور

تم نے یہ گمان کیا ہے کہ میرا اپنے والد کی میراث میں سے کوئی حصہ نہیں ہے اور ہمارے درمیان کوئی رشتہ داری نہیں ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں میراث کا کوئی خاص حکم بتایا ہے جس کی بناء پر تم یہ کہتے ہو میرا اور میرے والد کا ایک دین نہیں ہے جن کے دین مختلف ہوں وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے؟

کیا تم میرے والد اور میرے شوہر کی بہ نسبت قرآن کے خاص اور عام کو زیادہ جانتے ہو۔ سو آج تم فدک کو بغیر کسی معارض اور

منازع کے لئے لوکل حشر کے دن تم سے ملاقات ہوگی۔ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا اللہ ہے اور حق کو طلب کرنے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تم سے قیامت کا وعدہ ہے اور اس دن اہل باطل نقصان اٹھائیں گے اور ہر چیز کی ایک قرارگاہ ہے اور تم عنقریب جان لوگے کہ دائمی اور ذلت والا عذاب کون اٹھائے گا۔

(الاحتجاج ص: 131 تا 139 مطبوعہ دار النعمان ایران)

ملا باقر مجلسی نے بھی اس طویل خطبہ کو بعینہٖ ذکر کیا ہے اور اس کا آخری حصہ یہ ہے۔

جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ ان کی اس تقریر کو سن کر منافقوں پر کوئی اثر نہیں ہوا اور ان کی طرف سے کوئی آواز نہیں آئی تو انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے متوجہ ہو کر

کہا

آج تم بغیر کسی معارض اور فریق کے فدک لے لو کل روز محشر تم سے ملاقات ہوگی۔

(حق الیقین: ص: 200 مطبوعہ شیابان ناصر خسرو ایران)

اس کے علاوہ ملا باقر مجلسی نے جلاء العیون میں بھی ذکر کیا ہے کہ

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث سے اپنا حصہ مانگا تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ حصہ نہیں دیا اور یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ہم گروہ انبیاء کا وارث نہیں بنایا جاتا۔

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں

ان سب نے مل کر باتفاق ایک حدیث وضع کی کہ حضرت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے کہ

ہم گروہ انبیاء کا وارث نہیں بنایا جاتا۔

(جلاء العیون ج: 2، ص: 235 مطبوعہ انصاف پریس لاہور)

اور شیخ احمد بن ابی یعقوب اصفہانی لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئیں اور اپنے والد کی میراث سے اپنا حصہ مانگا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے۔

ہم گروہ انبیاء (علیہم السلام) کا وارث نہیں بنایا جاتا۔ ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

کیا یہ کتاب اللہ میں ہے کہ تمہارا باپ تو مورث ہوگا اور میرا باپ مورث نہیں ہوگا۔

اور کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا:
مرد اپنی اولاد کی رعایت کرتا ہے۔
(تاریخ یعقوبی ج:2، ص:1 مطبوعہ مرکز انتشارات علمی و فرہنگی ایران)
متاخرین علماء شیعہ میں سے شیخ خمینی لکھتے ہیں:
(حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے قرآن مجید کی جن صریح آیات کی مخالفت کی ہے وہ معتبر تواریخ اور اہل سنت کی کتب احادیث سے ثابت ہے اور یہ احادیث درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی۔
معتبر تواریخ اور سنیوں کی صحیح کتب حدیث میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت فاطمہ دختر پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) (حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے پاس آئیں اور اپنے والد کی میراث کا مطالبہ کیا۔
(حضرت) ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا:
پیغمبر نے کہا ہے:
ہم کسی کو وارث نہیں بناتے ہم نے جو کچھ بھی ترک کیا وہ صدقہ ہے۔
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پیغمبر اسلام کی طرف جو اس حدیث کی نسبت کی ہے یہ قرآن مجید کی آیات کے صریح خلاف ہے۔
کیونکہ قرآن مجید میں ہے:
پیغمبر کے وارث ہوتے ہیں اور ہم ان آیات سے بعض کا ذکر کرتے ہیں۔
اس کے بعد شیخ خمینی نے وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ (نمل: 16) اور فَهَبْ لِي مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ (مریم:5)
کا ذکر کیا ہے۔
اس کے بعد لکھتے ہیں
اب یا تو تم یہ کہو کہ ہم خدا کی تکذیب کرتے ہیں۔ یعنی خدا کہتا ہے پیغمبر کے وارث ہوتے ہیں۔
اور ہم کہتے ہیں
(نہیں ہوتے) یا یہ کہو کہ
پیغمبر خدا نے خدا کی کہی ہوئی بات کے خلاف کہا اور یا یہ کہو یہ حدیث پیغمبر خدا کی کہی ہوئی نہیں ہے بلکہ اولاد پیغمبر کا حق غصب کرنے کے لئے اس حدیث کو وضع کیا گیا ہے۔

علماء اہل سنت کا جواب

علماء اہل سنت قرآن مجید کی ان آیات کا یہ جواب دیتے ہیں کہ

ان آیات کریمہ میں مال کی وراثت مراد نہیں ہے بلکہ وراثت علمی مراد ہے اور
سورہ نمل کی آیت کا یہ مطلب ہے کہ
حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے علم کے وارث ہوئے۔
اور سورہ مریم کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ
حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ
اے اللہ عزوجل! مجھے ایسا ولی عطا فرما جو میرے اور آل یعقوب کے علوم کا وارث ہو لہٰذا نہ یہ لازم آیا کہ اہل سنت نے اللہ تعالیٰ کی تکذیب کی نہ یہ لازم آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلاف قرآن کوئی بات کہی اور نہ حدیث کا موضوع ہونا لازم آیا۔

بعض علماء شیعہ نے قرآن مجید کی ان آیات میں وراثت کو وراثت علمی پر محمول کرنے کو باطل قرار دیا ہے اور اس حدیث کے موضوع ہونے پر مزید دلائل قائم کئے ہیں۔
ان کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

علماء شیعہ کا حدیث کو موضوع کہنا

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:
(حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے جو یہ دعویٰ کیا تھا کہ
پیغمبروں کی میراث نہیں ہوتی۔ یہ محض جھوٹ اور افتراء ہے اور اس پر متعدد دلائل ہیں۔
پہلی دلیل
یہ حدیث قرآن مجید کی ان آیات کے خلاف ہے جن میں یہ ذکر ہے کہ
انبیاء کرام علیہم السلام میراث لیتے تھے۔
حضرت یحییٰ علیہ السلام سے میراث لی۔
اگر یہ کہا جائے کہ
اس جگہ علم اور پیغمبری کی وراثت مراد ہے تو اس کے متعدد جوابات ہیں۔
پہلا جواب
لغت اور عرف میں جب میراث کا لفظ مطلقاً بولا جاتا ہے تو اس سے مال کی وراثت مراد ہوتی ہے۔
خصوصاً
اس آیت میں مال کی وراثت پر قرائن ہیں۔

کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے۔

وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا

اے میرے رب اس لڑکے کو پسندیدہ بنا

اس آیت میں یہ دعا کی ہے کہ

اس لڑکے کو اچھے اور صالح کردار بنا اور یہ بات معلوم ہے کہ

پیغمبر ایسے ہی ہوتے ہیں (اس لئے اگر وراثت سے وراثت نبوت مراد ہوتو) یہ شرط بے فائدہ ہوگی۔

نیز

حضرت زکریا علیہ السلام کو اپنے رشتہ داروں کے بارے میں مال کے خدشہ کی وجہ تو تھی کیونکہ ہوسکتا ہے کہ مال کی وجہ سے وہ فسق اور فساد میں مبتلا ہو جائیں۔ اس وجہ سے یہ حدیث اس آیت کے بھی خلاف ہے۔ جس یوں ہے کہ

حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے۔

اسی طرح یہ حدیث ان آیات کے بھی خلاف ہے جن میں میراث کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔

اور یہ کیسے ہوسکتا ہے۔

نبوت رشتہ داروں کو وراثت سے محروم کرنے کا سبب ہو۔

دوسرا جواب

(حضرت) ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث پر شہادت اس لئے مردود ہے کہ یہ حدیث مبارکہ ان کے حق میں حصول نفع کا سبب ہے اور وہ کئی وجہ سے اسی حدیث کے سلسلہ میں متہم ہے۔

اس کی وجوہات

(1) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ

اس مال میں جس طرح چاہیں تصرف کریں جس کو چاہیں اس میں سے مال دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں۔

جیسا کہ جامع الاصول میں ابوالطفیل سے روایت ہے کہ

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئیں اور اپنے والد کی میراث طلب کی

اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے یہ کہا کہ

میں نے پیغمبر سے یہ سنا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کو یہ طعمہ (خوراک یا غذا) دی ہے اور یہ ان کے بعد اس کے تصرف ہوگی جو ان کے بعد خلیفہ ہوگا۔

(2) قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بلکہ اس پر یقین ہے کہ

وہ اہل بیت کو کمزور کرنا چاہتے تھے کیونکہ مسلمانوں کا اہل بیت کی طرف میلان تھا اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) یہ چاہتے تھے کہ اہل بیت کمزور ہو جائیں تا کہ ان کے ساتھ خلافت مناقشہ نہ کر سکیں اور یہی وجہ تہمت کے لئے کافی ہے اور باقی جن دوسرے لوگوں نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی تصدیق کی ہے وہ سب اس صدقہ میں شریک تھے اور اہل بیت کی عداوت میں مصروف تھے اور ان لوگوں پر یہ تہمت بالکل ظاہر ہے۔

دوسری دلیل

اس حدیث کے باطل اور موضوع ہونے پر دوسری دلیل یہ ہے کہ

اخبار متواتر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس حدیث کو باطل اور موضوع گردانتے تھے۔

کیونکہ صحیح مسلم میں مالک بن اوس سے یہ روایت ہے کہ

(حضرت) عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم سے یہ کہا کہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ

ہم کسی کو وارث نہیں بناتے۔ ہم نے جو کچھ بھی چھوڑا وہ صدقہ ہے پس تم دونوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جھوٹا مکار خائن اور گناہ گار گمان کیا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) سچے، نیک اور حق کی پیروی کرنے والے تھے۔ پھر ابوبکر (رضی اللہ عنہ) فوت ہو گئے اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوا پھر تم دونوں نے مجھے جھوٹا مکار خائن اور گناہ گار گمان کیا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں سچا نیک اور حق کی پیروی کرنے والا ہوں۔

صحیح بخاری میں بھی اس حدیث کی مثل مروی ہے اور ابن ابی الحدید نے بھی اس مضمون کو کئی اسانید سے روایت کیا ہے۔

اور احادیث متواترہ میں ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حق الگ نہیں ہوتا اور آیت تطہیر، اخبار ثقلین اور حدیث سفینہ بھی اس پر دلالت کرتی ہیں۔ اسی طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بھی اس حدیث کا انکار اس حدیث کے موضوع ہونے پر حجت قاطعہ ہے۔

تیسری دلیل

اگر یہ حدیث حق ہوتی تو چاہئے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس حدیث کی تعلیم کرتے تا کہ وہ ناحق دعویٰ نہ کرتیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی اس حدیث کی تعلیم کرتے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی اور معدن علم تھے اور کوئی صاحب عقل اس کو جائز نہیں کہے گا کہ سیدہ نساء عالمین نے اس حدیث کو اپنے والد سے سنا ہو اور اس کے باوجود مہاجرین اور انصار کے مجمع میں اس قدر شدت سے میراث کا مطالبہ کیا ہو اور مسلمانوں کے امیر پر ظلم اور بے انصافی کی تہمت لگائیں اور اگر لوگوں کو اس کے خلاف قتال پر آمادہ کریں اور اس وجہ سے مسلمانوں کی ایک عظیم جماعت نے ابوبکر کو ظالم اور غاصب گردانا ہو اور قیامت کے دن تک ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اور اس کے مددگاروں پر لعنت کریں اور اگر حضرت علی رضی اللہ

یہ جانتے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حق پر نہیں ہیں اور حق پر ابوبکر (رضی اللہ عنہ) تو وہ کس طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو میراث کے مسئلہ میں ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے پاس جانے کی اجازت دیتے کیا کوئی مسلمان یہ تصور کر سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امور دین اور تبلیغ احکام میں اس طرح کا سہو اور تسامح کر سکتے تھے کہ اپنے اہل بیت اور خصوصاً اپنے جزو بدن کو اس قدر ضروری حکم نہ بتلاتے پس معلوم ہوا کہ یہ حدیث مبارکہ محض افتراء اور جھوٹ ہے۔

چوتھی دلیل

اس حدیث مبارکہ کے جھوٹ ہونے پر دلیل یہ ہے کہ جو چیز عرف اور عادت کے خلاف ہو اس کے روایت کرنے والے متعدد افراد ہوتے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت خاتم (النبیین صلی اللہ علیہ وسلم) تک یہ سنت جاری ہے کہ اولاد کو ماں باپ کی وراثت ملتی ہے۔

نیز

یہ بھی معلوم ہے کہ انبیاء (علیہم السلام) کے احوال اور ان کی سیرتوں کو اور ان کے خصائص کو منضبط کرنے میں بہت اہتمام کیا جاتا ہے سو اگر عام عرف اور عادت کے خلاف اگر انبیاء (کرام علیہم السلام) کے خصائص میں یہ ہوتا کہ وہ کسی کو وارث نہیں بناتے تو تمام تواریخ، اور سیرت کی کتابوں میں یہ امر مذکور ہوتا اور جب صرف ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اور دو تین منافقوں کے علاوہ اور کوئی شخص اس خلاف عادت حکم پر مطلع نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث محض افتراء اور جھوٹ ہے۔ اور جیسا کہ صحاح سے ظاہر ہوتا ہے اور ابن ابی الحدید نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ سوائے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے اور کسی نے اس حدیث کا ذکر نہیں کیا اور عمر (رضی اللہ عنہ) نے ...... طلحہ، زبیر، عبداللہ بن عوف اور سعد بن ابی وقاص سے اس حدیث پر شہادت طلب کی اور ان سب نے بالاتفاق اس حدیث پر شہادت دی۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ

انہوں نے ڈر اور خوف کی وجہ سے اس حدیث پر شہادت دی تھی۔

(حق الیقین ص 207 تا 209 مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران)

علماء شیعہ کا رد اور وراثت کے لفظ سے علم اور نبوت مراد ہے

قرآن مجید میں ہے

حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی:

فَهَبْ لِي مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَرِثُنِي وَ يَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ

علماء شیعہ کہتے ہیں اس آیت میں یہ ثبوت ہے کہ

علماء اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ
اس آیت میں مال کی وراثت مراد نہیں ہے بلکہ علم کی وراثت مراد ہے۔
اور ملا باقر مجلسی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ
لغت اور عرف میں جب مطلقاً وراثت کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مال کی وراثت مراد ہوتی ہے لہٰذا قرآن مجید کی اس آیت کو بھی مال کی وراثت پر محمول کیا جائے گا اور اس کو علم کی وراثت پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔
ملا باقر مجلسی کا یہ کہنا لغت اور اسلوب قرآن سے بے خبری اور لاعلمی کی وجہ سے ہے۔لغت میں ورث کا معنی انتقال اور بقاء ہے۔

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:
کسی کی کمائی کا بغیر عقد کے تمہاری طرف منتقل ہونا وراثت ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تم اپنے مشاعر پر ثابت قدم رہو کیونکہ تم اپنے باپ کی وراثت یعنی اس کی اصل اور بقیہ پر ہو۔
(المفردات ص:518 مطبوعہ رضویہ ایران)
علامہ زبیدی لکھتے ہیں:
وارث کا معنی ہے۔
''باقی''
قرآن مجید میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی دعا ہے۔
''مجھے ایسا ولی دے جو میرا وارث ہو اور آل یعقوب کا وارث ہو۔''
یعنی اس کو میرے بعد باقی رکھ۔
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔
اے اللہ عزوجل! میرے کان اور آنکھ سے مجھے فائدہ پہنچا اور اس کو میرا وارث کر یعنی ان کو میرے ساتھ تاحیات باقی رکھ۔

(تاج العروس: ج:1 ص:652 مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر)
اب ہم قرآن مجید کی ایسی آیت پیش کرتے ہیں جن میں وراثت کا معنی
''مال کی وراثت''
کسی حال میں نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَ اِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ○ (حجر: 23)

زندگی اور موت ہم ہی دیتے ہیں اور ہم ہی باقی رہنے والے ہیں۔

اور جگہ ارشاد فرمایا

وَ كُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ○ (قصص: 58)

اور انجام کار ہم ہی باقی رہنے والے ہیں۔

مذکورہ الصدر آیات کریمہ سے یہ واضح ہوگیا کہ قرآن مجید میں وراثت کا لفظ صرف وراثت بالمال میں ہی استعمال نہیں ہوا بلکہ قرآن مجید کی متعدد آیات کریمہ میں وراثت کا لفظ بقاء کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اس لئے

- وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ

اور

يَرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ

میں علم اور نبوت کی وراثت مراد لینا اسلوب قرآن کے عین مطابق ہے اور یہ دعویٰ غلط ہے کہ عرف اور لغت میں وراثت کا استعمال صرف وراثت بالمال میں ہوتا ہے۔

ملا مجلسی کے اعتراض کا جواب

ملا باقر مجلسی نے جس آیت میں وراثت سے وراثت نبوت مراد لینے پر بحث کی ہے۔

وہ یہ ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام دعا کرتے ہیں۔

فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ○ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ○ (مریم 5 تا 6)

تو مجھے ایک وارث عطا کر جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوب کی میراث بھی پائے اور اے میرے رب عزوجل! اس کو ایک پسندیدہ شخص بنا۔

ملا باقر مجلسی یہ کہتے ہیں کہ

اگر حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا یہ مطلب تھا کہ مجھے ایسا فرزند عطا کر جو نبی ہو تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ

وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا

اس کو ایک پسندیدہ شخص بنا۔

کیونکہ ہر نبی اللہ کا پسندیدہ ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں وراثت نبوت مراد نہیں ہے بلکہ وراثت مال مراد ہے اور جو شخص مال کا

وارث ہوگا تو ہو سکتا ہے کہ وہ مال کی وجہ سے کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے۔اس لئے دعا کی اس کو ایک پسندیدہ شخص بنا!

اس کا جواب یہ ہے کہ

ملا باقر مجلسی کا یہ کہنا غلط ہے کہ

جب حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے فرزند کے لئے نبوت کی دعا کی تو پھر ان کے پسندیدہ ہونے کی دعا کی کیا ضرورت تھی کیونکہ نبی تو ہوتا ہی پسندیدہ ہے۔اس لئے کہ نبوت کے ذکر کے بعد ان اوصاف کا ذکر تاکید اور توضیح کے لئے کیا جاتا ہے اور اس کی قرآن مجید میں بکثرت مثالی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

وَ بَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ(الصفت: 112)

''اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق کی بشارت دی ایک نبی تھے صالحین میں سے۔''

کیا اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ نبی تو ہوتا ہی صالح ہے پھر نبی کے بعد صالحین میں سے کہنے کی کیا ضرورت تھی۔

فرشتوں نے حضرت زکریا علیہ السلام کو ندا کی۔

اَنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكَ بِیَحْیٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَیِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ٥

(آل عمران:39)

اللہ آپ کو یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے جو کلمہ اللہ کے مصدق ہوں گے۔سردار ہوں گے عورتوں سے بچنے والے ہوں گے۔نبی ہوں گے صالحین میں سے۔

جب اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ

حضرت یحییٰ علیہ السلام نبی ہوں گے تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ وہ صالحین میں سے ہوں گے؟ نبی تو ہوتا ہی صالح ہے۔قرآن مجید میں اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں۔صرف دو آیتوں پر اکتفا کیا ہے۔

لہٰذا ملا باقر مجلسی کا اعتراض غلط اور بے جا ہے اور وراثت سے مراد نبوت اور علم مراد لینا درست ہے۔

آئمہ اہل بیت کی روایات سے انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت علمی کا ثبوت

انبیاء کرام علیہم السلام کسی کو مال کا وارث نہیں بناتے۔پس حضرت داؤد علیہ السلام کے علم کا وارث حضرت سلیمان علیہ السلام تھے۔

اور

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کرام علیہم السلام سابقین کے علم کے وارث ہیں۔

اور

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اولیاء کاملین وعلماء صالحین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کے وارث ہیں۔علماء اہل سنت یہ بات کہیں تو علماء شیعہ اس کو جھوٹ کہتے ہیں۔لیکن کریں کیا کہ شیعہ حضرات کے ایک بہت بڑے محدث شیخ کافی کلینی نے یہ ثابت کرنے کے لیئے کہ ائمہ اہل بیت انبیاء کرام علیہم السلام سابقین کے علوم کے وارث ہوتے ہیں۔

اس قسم کی بکثرت روایات ذکر کی ہیں۔

شیخ کلینی باب کا عنوان یہ قائم کیا ہے۔

ان الائمة ورثوا علم النبی و جمیع الانبیاء الله

نبی علیہ السلام اور جمیع انبیاء علیہم السلام کے علوم کے وارث ہیں۔

شیخ کلینی روایت کرتے ہیں۔

عبداللہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ

امام رضا علیہ السلام نے ان کو لکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخلوق میں امین تھے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو ہم اہل بیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم وارث ہوئے۔ہمیں علم دیا گیا اور ہم کو جو علم دیا گیا تھا اور جس علم کو ہمارے پاس امانت رکھا گیا تھا ہم نے وہ علم پہنچا دیا سو ہم اولوالعزم رسولوں کے وارث ہیں۔

(اصول من الکافی: ج:1،ص:223 تا 224 مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران)

اس روایت میں یہ تصریح ہے کہ اہل بیت اولوالعزم رسولوں کے علوم کے وارث ہیں۔

دوسری روایت ملاحظہ ہو۔

ابو جعفر علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

بے شک علی بن ابی طالب اللہ تعالیٰ کی عطا ہیں اور وصیوں کے علم کے وارث ہیں اور تمام پہلوں کے علم کے وارث ہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سابقین انبیاء ومرسلین (علیہم السلام) کے وارث تھے۔

(اصول من الکافی ج:1،ص:224 مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران)

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تمام سابقین کے علم کے وارث ہیں۔

تیسری روایت سنیے۔

مفضل بن عمر بیان کرتے ہیں کہ

ابو عبداللہ علیہ السلام نے فرمایا:

سلیمان (علیہ السلام) داؤد (علیہ السلام) کے وارث تھے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سلیمان (علیہ السلام) کے وارث

تھے اور ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وارث ہیں۔
(اصول من الکافی: ج:1،ص:225 مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران)
ملاحظہ ہو کہ
حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے صاف بیان کر دیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے علم کے وارث تھے۔ یہ لفظ واثت کو وراثت علم میں استعمال کرنے کی نص صریح ہے۔ اور وورث سلیمان داؤد کی تفسیر ہے اور اسی حقیقت کو بیان کرنے کے ہم در پے ہیں۔
ضریح کناسی بیان کرتے ہیں کہ
میں ابو عبد اللہ علیہ السلام کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور ان کے پاس ابو بصیر بھی تھے۔
ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا:
حضرت داؤد علیہ السلام علوم انبیاء علیہم السلام کے وارث تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث تھے اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وارث تھے۔
(اصول من الکافی: ج:1،ص:225 مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران)
پانچویں روایت سنیے
ابراہیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ
میں نے ابوالحسن سے پوچھا
میں آپ پر قربان ہوں! یہ بتایئے کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں۔
فرمایا
ہاں۔
پس ہم وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا اور ہم کو اس کتاب کا وارث بنا دیا جس میں ہر چیز کا بیان ہے۔
(اصول من الکافی: ج:1،ص:226 مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران)
اس روایت میں یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام علیہ السلام کے مال کے وارث نہیں تھے بلکہ ان کے علم کے وارث تھے اور اس سے زیادہ واضح یہ ہے کہ
ابوالحسن نے فرمایا:
ہم اہل بیت قرآن مجید کے وارث ہیں اور یہ علم کی وراثت ہے۔ ان تمام روایات سے واضح ہو گیا کہ وراثت کا لفظ وراثت علمی میں استعمال ہوتا ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت، وراثت علمی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو وراثت نہ دے کر احکام میراث کی مخالفت نہیں کی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جو یہ روایت بیان کی ہے کہ ہم گروہ انبیاء کرام علیہم السلام کسی کو وارث نہیں بناتے اور اس روایت کی بناء پر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ سے وراثت نہیں دی۔ اس پر ملا باقر مجلسی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ روایت قرآن مجید کی ان آیات کریمہ کے خلاف ہے جن میں وراثت کے عام احکام بیان کئے گئے ہیں۔ سو اس وجہ سے یہ روایت مردود ہے۔

نیز

یہ خبر واحد اور ظنی ہے اور خبر واحد قرآن مجید کے احکام کے عموم کی ناسخ نہیں ہو سکتی۔ پہلی بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے یہ حدیث خبر واحد اور ظنی نہیں تھی۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست یہ حدیث سنی تھی اور ان کے لئے یہ حدیث اس طرح قطعی تھی جس طرح احکام میراث کی آیات قطعی ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کی وجہ سے احکام میراث کی مخالفت نہیں کی بلکہ اس حدیث کی وجہ سے احکام میراث کے عموم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کا مخصوص اور مستثنیٰ ہونا بیان کیا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ

احکام میراث میں صرف اس حدیث کی وجہ سے تخصیص نہیں ہوئی بلکہ ان آیات کریمہ کے عموم سے اور بھی کئی چیزیں مستثنیٰ ہو چکی ہیں۔

دیکھئے کہ

کافر کی اولاد، باپ کی وارث نہیں ہوتی۔

غلام، باپ کا وارث نہیں ہوتا۔

قاتل، باپ کا وارث نہیں ہوتا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ

اگر بفرض محال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے احکام میراث کی مخالفت کی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ترکہ نہیں دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اس کو کیوں برقرار رکھا اور اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس مال کا وارث کیوں نہ بنایا؟

پھر ملا باقر مجلسی نے اعتراض کیا ہے کہ
نبوت اپنی اولاد کو میراث سے محروم کرنے کا سبب کیسے ہوسکتی ہے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ
علامہ بدرالدین حنفی لکھتے ہیں:
انبیاء کرام علیہم السلام کی میراث نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ کوئی شخص ان کے متعلق یہ بدگمانی نہ کرے کہ انہوں نے اپنے رشتہ داروں کے لئے مال جمع کیا ہے اور نبوت کا دعویٰ اور اشاعت دین کی تمام سعی حصول مال کے لئے تھی۔
ایک قول یہ ہے:
کہیں ان کے اقرباء ان کی موت کی تمنا نہ کرنے لگیں اور ہلاکت میں مبتلا ہو جائیں۔
اور ایک قول یہ ہے:
انبیاء کرام علیہم السلام اپنی تمام کرامت کے لئے بمنزلہ باپ ہوتے ہیں اور ان کی تمام امت ان کے لئے بمنزلہ اولاد ہوتی ہے۔ اس لئے ان کا تمام مال ان کی تمام اولاد کے لئے صدقہ کر دیا جاتا ہے۔
اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے۔
(عمدۃ القاری: ج:15، ص:20 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر)

کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وراثت ذاتی مفاد کیلئے نہیں دی تھی

زیر بحث حدیث کو موضوع قرار دینے کے لئے ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس حدیث کی روایت میں دو وجہوں سے متہم ہیں۔
اوّل یہ کہ
وہ اسی مال میں اپنی مرضی سے تصرف کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے یہ حدیث گھڑ لی۔
دوسری وجہ یہ ہے کہ
وہ اہل بیت کو کمزور کرنا چاہتے تھے تاکہ وہ ان سے خلافت میں مناقشہ نہ کرسکیں۔
یہ دونوں وجہیں باطل ہیں۔
اوّل کا بطلان اس وجہ سے ہے کہ
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر تہمت تب لگتی جب اس مال میں سے وہ کوئی ذاتی فائدہ حاصل کرتے یا اپنی ذات اپنے اقارب پر اس مال کو خرچ کرتے۔ حالانکہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس مال سے کوئی ذاتی مفاد نہیں اٹھایا۔ نہ بیت المال سے کوئی نفع حاصل کیا جو معمولی وظیفہ لیا تھا۔ موت سے پہلے اس کو بھی بیت المال کو واپس کر دیا اور فدک کے اموال میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی مرضی سے کوئی تصرف نہیں کیا بلکہ وہی تصرف کیا جو تصرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔

نیز

یہ حدیث مبارکہ صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی نہیں ہے بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت متعدد صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مروی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت مالک بن اوس بن حدثان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ (حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن، حضرت زبیر اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم سے)

کہا

ٹھہرو! میں تم کو اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر سوال کرتا ہوں جس کے اذن سے آسمان اور زمین قائم ہیں۔ کیا تم کو علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا، ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے۔

انہوں نے کہا:

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔

(صحیح البخاری: ج:2، ص:575، 609 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

دوسری روایت سنیے۔

حضرت مالک بن اوس بن حدثان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ اس وقت ان کا دربان یرفاء آیا۔

اور کہا

حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمان، حضرت زبیر اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم آنے کی اجازت مانگ رہے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کا کیا حکم ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

ہاں اور اجازت دے دی وہ لوگ آئے اور سلام کیا اور بیٹھ گئے، تھوڑی دیر بعد یرفاء پھر آیا

اور کہنے لگا۔

حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہا کے متعلق کیا حکم ہے۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا
ہاں! اور ان کو اجازت دے دی پھر وہ دونوں آ کر سلام کر کے بیٹھ گئے۔
حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:
اے امیر المومنین! میرے اور اس شخص (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے درمیان فیصلہ کیجئے۔
حضرت عثمان اور ان کے اصحاب علیہم الرضوان نے بھی کہا۔
اے امیر المومنین ان کے درمیان فیصلہ کیجئے اور ایک دوسرے سے راحت دلائیے۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا
ٹھہرو! میں تم کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم پر آسمان اور زمین قائم ہیں کیا یہ تمہیں علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے۔
اس جماعت نے کہا:
ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔
پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی و حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے۔
اور فرمایا
میں تم کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں! کیا تم کو علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔
حضرت علی و حضرت عباس رضی اللہ عنہا نے کہا:
بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔
(صحیح بخاری: ج:2، ص:802 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)
تیسری روایت سنیں۔
حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے۔
(مجمع الزوائد: ج:4، ص:224 مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت)
چوتھی روایت سنئے
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فوت ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے یہ ارادہ کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس کسی کو بھیج کر میراث کا سوال کریں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا۔

ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے۔

(صحیح بخاری: ج:2، ص:996 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

پانچویں روایت سنیے۔

فضیل بن مرزوق کہتے ہیں کہ

زید بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم نے کہا:

اگر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جگہ ہوتا تو فدک کے بارے میں میں بھی وہی وہی فیصلہ کرتا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔

ملاحظہ فرمائیں کہ

یہ اہل بیت کی شہادت ہے اور خود ہی فرما رہے ہیں کہ میں بھی وراثت تقسیم نہ کرتا جبکہ جیسا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا میں بھی ویسا کرتا۔ معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے صرف یہ روایت جس میں میراث تقسیم نہ کرنے کا ذکر ہے۔ خود ہی نہیں گھڑی بلکہ متعدد بلکہ اس سے بدرجہ اولیٰ اہل بیت نے بھی روایت کیا ہے جو کہ صحیح اور مستند ہے۔ لہٰذا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ذاتی مفاد کی وجہ سے میراث کو تقسیم نہیں کیا تھا بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہی تھا۔

دوسری وجہ کا بطلان اس وجہ سے ہے کہ

اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا منشاء اپنی خلافت کو مستحکم کرنا ہوتا تو ان کو چاہئے تھا کہ فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کر دیتے تا کہ ان کو اہل بیت کی ہمدردیاں اور تعاون حاصل ہوتا اور ان کے خلاف کوئی محاذ نہ بنتا نہ ان کا کوئی فریق ہوتا اور عام لوگ بھی خوش ہوتے اس کے برخلاف جب کہ عام لوگوں کا میلان اہل بیت کی طرف تھا اور پھر انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حق ان کو نہیں دیا تو اہل بیت بھی ناراض ہو کر ایک فریق بن گئے اور لوگوں کی ایک جماعت بھی ان سے کٹ گئی۔ لہٰذا ملا باقر مجلسی کا یہ کہنا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اہل بیت کو فدک اس لئے نہیں دیا تا کہ وہ خلافت میں مناقشہ نہ کر سکیں، بالکل الٹ اور برعکس ہے کیونکہ خلافت میں مناقشہ سے بچنے کے لئے تو انہیں چاہئے تھا کہ سیاسی رشوت کے طور پر ان کو فدک دے کر اپنے ساتھ ملا لیتے اور فدک کا نہ دینا تو خلافت میں مناقشہ اور نیتی پر مبنی تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نہ دینا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر عمل کرنے کی وجہ سے تھا اور خلافت کو کمزور یا مستحکم کرنا کسی فریق کا بھی

صحیح نظر نہیں تھا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نہ تو اپنے ذاتی مفاد کے لئے وراثت نہیں دی اور نہ اہل بیت کو محروم کرنے کی نیت سے بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے وراثت نہیں دی۔

علماء شیعہ کی اسانید سے وراثت مالی نہ ہونے کا ثبوت

علماء شیعہ کی اسانید سے وراثت مالی نہ ہونے کا واضح ثبوت ملتا ہے اور وراثت علم کا استحقاق ثابت کرتے ہیں۔

شیخ کافی کلینی روایت کرتے ہیں

ابوالبختری بیان کرتے ہیں کہ

حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام نے فرمایا:

علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہوتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کسی کو درہم اور دینار کا وارث نہیں کرتے۔ انبیاء کرام علیہم السلام صرف اپنی احادیث کا وارث کرتے ہیں۔

(سنن کبریٰ: ج:6، ص:302 مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

اس حدیث مبارکہ میں خود ہی کہتے ہیں کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ صرف ان کے علم میں وراثت جاری ہوتی ہے۔

دوسری روایت ملاحظہ ہو۔

قداح بیان کرتے ہیں کہ

ابوعبداللہ علیہ السلام نے کہا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص علم کی طلب میں کسی راستہ پر جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے راستہ پر لے جاتا ہے اور علماء انبیاء (علیہم السلام) کے وارث ہیں اور انبیاء (علیہم السلام) کسی شخص کو درہم اور دینار کا وارث نہیں بناتے البتہ وہ علم کا وارث بناتے ہیں پس جس نے علم حاصل کیا اس نے ان کی میراث سے بڑا حصہ حاصل کیا۔

(اصول من الکافی: ج:1، ص:34 مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران)

لہٰذا ان علماء شیعہ کے حوالہ جات اور اسانید سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کسی کو مال کا وارث نہیں کرتے بلکہ اگر وارث کرتے ہیں تو صرف علم کا وارث کرتے ہیں تو اس سے یہ بات بھی روز روشن کی طرح واضح ہوئی کہ حضرت ابوبکر صد

رضی اللہ عنہ نے حدیث مبارکہ پر عمل کر کے وراثت جاری نہیں کی تھی جو کہ آپ نے پیچھے ملاحظہ فرمایا۔

بالجملہ!

انبیاء کرام علیہم السلام کی مالی وراثت کوئی نہیں ہوتی بلکہ اگر وراثت ہے تو صرف علم وراثت ہے۔

اسی لئے فرمایا گیا

علماء کرام انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں۔ اس سے صرف یہی مراد ہے کہ علماء کرام ان مقدس انبیاء کرام علیہم السلام کے علم کو تبلیغ کے ذریعے آگے منتقل کرتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ

مجھ بدکار سے اس تحقیق میں کوئی غلطی ہوئی ہو تو وسیلہ رسول اعظم نبی محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاف فرما کر جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمین شریفین پڑوس عطا فرمائے اور اپنا قرب خاص عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین و صلی اللہ علیہ وسلم۔

کیا انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے ڈرتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے ڈرنا انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے لیکن یہ یادر ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کامل یقین ہوتا ہے کہ ہمیں نصرت وفتح عطا کی جائے گی۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ۝ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ۝

(طہ:45تا46)

ان دونوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمیں خطرہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا سرکشی کرے گا۔ فرمایا تم دونوں مت ڈرو۔ بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں میں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔

طہ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی: اے رب عزوجل میرا سینہ کھول دے اور میرا کام مجھ پر آسان کردے پھر ان کو یہ خوف کیوں ہوا کہ فرعون ان پر زیادتی یا سرکشی کرے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

شرح صدر اور سینہ کھولنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو منضبط کرنے پر ان کے سینہ کو قوی کردے اور کام آسان ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ احکام شرعیہ کی اس طرح تبلیغ کریں کہ اس میں سہو اور نسیان نہ آسکے اور تبلیغ کرنے میں کوئی خوف اور خطرہ نہ ہو۔ یہ الگ چیز ہے۔

قرآن مجید میں ان یفرط کا لفظ ہے۔

جس کا ترجمہ ہم نے زیادتی کرنا کیا ہے۔

فرط کا ایک معنی سبقت ہے جو پانی پلانے والا حوض پر پہلے پہنچ جائے اس کو فار کہتے ہیں اور جو گھوڑا دوسرے گھوڑوں پر سبقت کرے اس کو فرط کہتے ہیں۔

اس صورت میں معنی یہ ہے کہ

ہم کو خطرہ ہے کہ وہ ہم کو سزا دینے میں سبقت کر لے گا۔
دوسرا معنی یہ ہے کہ
یہ افرط غیرہ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے۔
کسی کو کسی کام پر ابھارنا۔
اس صورت میں معنی یہ ہے کہ
کوئی ابھارنے والا فرعون کو ہمیں سزا دینے پر ابھارے گا اور وہ ابھارنے والا شیطان ہو گا یا اس کا خدائی کا دعویٰ ہو گا یا سلطنت کی خواہش ہو گی یا اس کی قوم کے متکبرین ہوں گے۔
اور یہ فرط افراط سے ماخوذ ہے۔
جس کا معنی ہے
وہ ہم پر زیادتی کرے گا اور وہ ہم پر سرکشی کرے گا۔
اس کا معنی یہ ہے کہ
وہ ہم کو قتل کر ڈالے گا۔
(تفسیر کبیر: ج:8،ص:54 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت ہارون علیہ السلام کے خوف کو زائل کرنے کے لئے فرمایا۔ بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں۔ میں سن رہا ہوں اور میں دیکھ رہا ہوں تمہارے دلوں میں جو یہ خوف ہے کہ وہ تمہارے ساتھ زیادتی یا سرکشی کرے گا سو تم اس سے مت ڈرو میں تمہاری حفاظت کروں گا تم اس سے جو بات کرو گے میں اس کو سن رہا ہوں گا۔ میں اس کو تمہارا کلام سننے کے لئے مسخر کر دوں گا اور میں اس کی حرکتوں کو دیکھ رہا ہوں۔ وہ تمہیں ضرر پہنچانے پر قادر نہیں ہو سکے گا۔ میں تمہاری مدد کے لئے فرعون پر گرفت کرنے کے لئے تمہارے ساتھ ہوں۔

اس آیت کریمہ میں یہ ذکر ہے کہ فرعون کے دربار میں تبلیغ کرنے کے لئے جانے سے پہلے حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کے دل میں خوف ہوا کہ وہ ان کے ساتھ کوئی زیادتی کرے گا یا ان کو قتل کر دے گا۔
اس آیت میں ان جاہل صوفیاء کا رد ہے جو کہتے ہیں
اللہ والوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوتا۔
ان کا یہ قول باطل ہے کہ
انبیاء کرام علیہم السلام کو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہوتی ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی نصرت پر سب سے زیادہ اعتماد ہے اس کے باوجود ان کو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے ڈر اور خوف ہوتا ہے۔

کسی شخص نے حسن بصری سے یہ کہا کہ

عامر بن عبداللہ شام کی طرف جا رہے تھے وہ پانی پینے کے لئے ایک جگہ جانا چاہتے تھے تو ان کے اور پانی کے درمیان ایک شیر حائل ہو گیا۔ عامر پانی کی طرف گئے اور پانی پی کر حاجت پوری کی۔

ان سے یہ کہا گیا:

آپ نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیا تھا۔

عامر نے کہا:

اگر میرے پیٹ میں نیزے گھونپ دیئے جائیں تو وہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور سے ڈروں۔

حسن بصری نے اس شخص کو جواب دیا کہ

جو شخص عامر بن عبداللہ سے بہت افضل تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے غیر سے ڈرتے تھے اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

قرآن مجید میں ان کے متعلق ہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو تادیباً گھونسا مارا اور وہ ہلاک ہو گیا۔

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ز قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ○ (القصص:21)

سو موسیٰ اس شہر سے ڈرتے ہوئے نکلے وہ انتظار کر رہے تھے (کہ اب کیا ہوگا) انہوں نے دعا کی تھی اے میرے رب مجھے ظالم قوم سے نجات دے دے۔

اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں سے مقابلہ ہوا اور انہوں نے لاٹھیاں اور رسیاں پھینکیں تو اچانک حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خیال آیا کہ ان کے جادو سے ان کی رسیاں اور لاٹھیاں دوڑ رہی ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى○قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى○(طٰہ 67 تا 68)

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ

میں کہتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کی حفاظت کے لئے مدینہ کے گرد جو خندق کھودی تھی وہ بھی اسی قبیل سے تھی حالانکہ اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد کرنے میں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تھا اس مقام تک کوئی نہیں پہنچ سکتا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے متعلق سب کو علم ہے کہ انہوں نے کفار مکہ کے خوف سے اپنے گھروں کو چھوڑا۔ پہلی بار انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور دوسری بار مدینہ کی طرف ہجرت کی تاکہ مشرکین مکہ سے اپنی جانوں کو بچائیں اور دین اسلام کی وجہ سے کفار ان کو جس قسم کے فتنوں اور عذاب میں مبتلا کرتے تھے اس سے اپنے آپ کو محفوظ

رکھیں۔

اس سلسلہ میں روایت ہے کہ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہجرت کی خبر ملی تو اس وقت ہم یمن میں تھے سو ہم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کی نیت سے نکل پڑے۔ میں اور میرے دو بھائی ابو بردہ اور ابرھم تھے اور میں ان سے چھوٹا تھا۔ ہمارے ساتھ اور بھی مسلمان تھے جو پچاس سے زائد تھے ہم کشتی میں سوار ہوئے لیکن ہماری کشتی ہمیں نجاشی کے ملک حبشہ میں لے گئی۔ وہاں ہماری ملاقات حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوئی ہم بھی وہیں ٹھہر گئے حتیٰ کہ ہم سب اکٹھے وہاں سے مدینہ پہنچے۔ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر فتح کر چکے تھے۔ کچھ مسلمان ہم سے یعنی کشتی کے ذریعے آنے والوں سے کہنے لگے کہ

ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی ہے۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا جو ہمارے ساتھ ہی مدینہ آئی تھیں وہ حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ وہ بھی نجاشی کے ملک میں ہجرت کرنے والوں کے ساتھ ہجرت کر کے چلی گئی تھیں۔ اسی اثناء میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر آ گئے۔ حضرت اسماء بنت عمیس وہیں تھیں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھا تو

پوچھا

یہ کون ہیں۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ

یہ اسماء بنت عمیس ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

یہ وہی ہیں جو حبشہ سے آئی ہیں اور سمندری سفر کر کے آئی ہیں۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا:

جی ہاں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

ہم ہجرت میں تم سے سابق ہیں اور ہم تمہاری بہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ حق دار ہیں۔

یہ سن کر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا غصہ میں آ گئیں۔

انہوں نے کہا:

ہرگز نہیں۔
تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ہو تم میں سے جو بھوکا ہوتا تھا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھلاتے تھے۔
اور
جو دین سے ناواقف ہوتا تھا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت کرتے تھے۔
اور
ہم بہت دور دراز علاقے میں دشمنوں کے ساتھ رہتے تھے اور ہماری یہ ہجرت اللہ تعالیٰ کے راستے میں اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں تھی۔
اور اللہ تعالیٰ کی قسم
میں اس وقت تک کچھ نہ کھاؤں گی نہ کچھ پیوں گی حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کروں جو کچھ تم نے کہا ہے اور ہم لوگوں کو اذیت دی جاتی تھی اور ہم کو ڈرایا جاتا تھا اور میں ابھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کروں گی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کروں گی۔
اور اللہ تعالیٰ کی قسم
میں جھوٹ بولوں گی نہ کج روی اختیار کروں گی اور نہ اس بات میں کچھ اضافہ کروں گی۔
سو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔
حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! عمر (رضی اللہ عنہ) نے اس طرح کہا ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار فرمایا۔
پھر تم نے اس سے کیا کہا؟
تو میں نے کہا:
میں نے اس اس طرح کہا
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ان کا مجھ پر تم سے زیادہ حق نہیں ہے ان کے لئے اور ان کے اصحاب کے لئے ایک ہجرت ہے اور تمہارے لئے تم جو کشتی کے ذریعہ آنے والے ہو دو ہجرتیں ہیں۔ اس واقعہ کے بعد میں نے دیکھا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اور کشتی والے فوج در فوج میرے پاس آنے لگے اور وہ مجھ سے اس حدیث مبارکہ کے متعلق سوال کرتے تھے اور ان کے نزدیک دنیا کی چیزوں میں سے کوئی چیز

اتنی عظیم اور خوشی کا باعث نہیں تھی جتنی خوشی کا باعث ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تھا۔
(صحیح بخاری: رقم الحدیث: 4230)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے خوف کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام نے اپنے گھروں سے ہجرت کی۔ بعض نے ایک بار اور بعض نے دو بار ہجرت کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف اور تحسین فرمائی۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا پیشوں کو اپنانا

انبیاء کرام علیہم السلام بھی مختلف پیشے کرتے تھے۔ کوئی نبی علیہ السلام تجارت کرتا تھا تو کوئی نبی علیہ السلام زرہ بناتا تھا اور کوئی کپڑے بناتا تھا۔ غرض کسی نہ کسی نبی علیہ السلام نے کوئی نہ کوئی پیشہ ضرور کیا ہے۔ خود ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت فرمائی اور وہی تجارت ہماری ماں امہات المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا سبب بنی اور اسی ام المومنین سے آج اہل بیت آباد و شاد ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۝ (الانبیاء: 80)

اور ہم نے داؤد کو تمہارے لئے خاص لباس (زرہ) بنانا سکھایا تا کہ وہ تم کو جنگوں میں محفوظ رکھے پس کیا تم شکر ادا کرو گے؟

حضرت قتادہ نے کہا:

سب سے پہلے جس نے زرہ کی صنعت ایجاد کی وہ حضرت داؤد علیہ السلام ہیں۔ اس سے پہلے فولاد پتروں کو لوگ بطور ڈھال استعمال کرتے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے لوہے کے حلقے بنائے اور ان کو جوڑ کر قمیص تیار کر لی۔

حسن نے ذکر کیا ہے کہ

حکیم لقمان حضرت داؤد علیہ السلام سے ملنے گئے۔ اس وقت وہ زرہ بنا رہے تھے۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ پوچھیں آپ علیہ السلام کیا بنا رہے ہیں لیکن وہ خاموش رہے۔ حتیٰ کہ حضرت داؤد علیہ السلام قمیص بنا کر فارغ ہو گئے۔

تب انہوں نے کہا:

خاموش رہنا بھی حکمت ہے اور کم لوگ اس حکمت کو اختیار کرتے ہیں۔

مفسرین نے کہا ہے:

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو نرم کر دیا تھا اور وہ اس کو آگ سے پگھلائے بغیر دھاگے کی طرح اس

سے زرہ بنالیتے تھے۔

(تفسیر کبیرج:8،ص:168)

یہ آیت حصول معاش کے لئے صنعت کاری گری اور پیشے کی اصل ہے۔ بعض جاہل غنی اور متکبر لوگ بعض پیشوں کو حقیر، خسیس اور گھٹیا کام سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اسباب، صنعتوں اور پیشوں کو اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کا سکھایا ہوا طریقہ ہے سو جو شخص پیشوں پر طعن کرتا ہے وہ درحقیقت کتاب اور سنت پر طعن کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ

حضرت داؤد علیہ السلام لوہے سے ذرہ بناتے تھے اور اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔

علامہ قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کاشت کاری کرتے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام بڑھئی تھے لکڑی سے چیزیں بناتے تھے۔

حضرت لقمان علیہ السلام درزی تھے کپڑے سیتے تھے۔

حضرت طالوت علیہ السلام رنگ ریز تھے کپڑے رنگتے تھے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز:1،ص:227)

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ کوئی پیشہ نہیں اپنایا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرائی ہیں، بکریوں کا دودھ دوہا ہے، پھٹے ہوئے کپڑے سی لئے ہیں۔ کپڑے دھوئے ہیں، جوتیوں کی مرمت کی ہے، زمین کھودی ہے۔ اسی لئے کسی کام اور پیشہ کو برا اور حقیر نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے ان کاموں کو کیا ہے جن کو آج کل گھٹیا سمجھا جاتا ہے۔ رزق حلال حاصل کرنے کے لئے جو بھی جائز کام اور حلال پیشہ اپنایا جائے وہ قابل تعریف اور لائق تحسین ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رزق حلال حاصل کرنے کا حکم

افسوس آج کل جو شخص پھیری لگا کر کندھے پر گٹھڑی رکھ کر کپڑا بیچتا ہے اس کو گھٹیا خیال کرتے ہیں مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہی کام کرتے تھے۔

امام احمد بن عمر الخصاف المتوفی 261ھ بہت بڑے فقیہ اور عابد و زاہد تھے۔ ان کی فقہ میں بہت تصانیف ہیں۔ عربی میں خصاف موچی کو کہتے ہیں یہ جوتیوں کی مرمت کرتے تھے۔

علامہ احمد بن محمد بن احمد القدوری المتوفی 428ھ بہت بڑے فقیہ تھے۔ ان کی کتاب مختصر القدوری بہت عظیم کتاب ہے اور درس نظامی میں شامل ہے۔ القدوری عربی میں مٹی کی ہنڈیاں بیچنے والے کو کہتے ہیں۔

علامہ محمود بن احمد الحصیری متوفی 546ھ ایک فقیہ ہیں۔عربی میں الحصیری اس شخص کو کہتے ہیں جو چٹائی بناتا ہو۔
امام ابوبکر بن علی الحدادی التوفی 800ھ بہت بڑے عالم تھے۔انہوں نے مختصر القدوری کی شرح لکھی ہے،عربی میں حداد لوہار کو کہتے ہیں۔اس لئے ان کو حدادی کہتے ہیں۔آج کل کندھے پر گٹھڑی رکھ کر بیچنے والے، جوتیوں کی مرمت کرنے والے،مٹی کے برتن بنانے والے، چٹائی بنانے والے اور لوہار کو حقیر اور کمتر آدمی سمجھا جاتا ہے اور پوش علاقوں میں رہنے والے ایسے لوگوں کو رشتہ دینے پر تیار نہیں ہوتے لیکن مسلمانوں کے زرین دور میں یہ لوگ مسلمانوں کے امام تھے۔اس زمانہ میں کسی بھی پیشہ کو صرف حصولِ رزق کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا اور کسی پیشہ کو خسیس اور باعث غار نہیں سمجھا جاتا تھا۔اب عزت اور ذلت کا معیار اور اس کے پیمانے بدل گئے ہیں۔اب سودی کاروبار کرنے والے،اسمگلنگ کرنے والے،نقلی دوائیں بنا کر بیچنے والے اور ناجائز اور حرام ذرائع سے مال بنا کر کوٹھیوں میں رہنے والے، بینک بیلنس والے عزت دار ہیں اور رزق حلال کے حصول کے لئے پھیری لگانے والا،لوہے کا کام کرنے والا، چٹائی بنانے والا مٹی کے برتن بنانے والا اور جوتی کی مرمت کرنے والا حقیر اور ذلیل ہے جو لوگ اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک عزت والے ہیں وہ اسی دور کے لوگوں کے نزدیک ذلت والے ہیں۔

حضرت مقدام رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو شخص اپنے ہاتھ سے کمائی کر کے کھاتا ہو اس سے بہتر طعام کوئی نہیں کھاتا اور اگر عزوجل کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کمائی کر کے کھاتے تھے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث:2072)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
"تم میں سے کوئی شخص لکڑیاں کاٹ کر اپنی پشت پر لاد کر لائے وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے کوئی اس کو دے اور کوئی اس کو منع کر دے"۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث:2074)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رزق حلال کو طلب کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔
(المعجم الاوسط: رقم الحدیث:6805)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ اس مومن سے محبت کرتا ہے جو کوئی پیشہ کرتا ہو۔
(معجم الکبیر: رقم الحدیث:1320)
حضرت سعید بن عمیر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا پیشہ سب سے زیادہ پاکیزہ ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
کسی شخص کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور ہر جائز بیع
ایک روایت میں ہے کہ
کسب حلال
(شعب الایمان: رقم الحدیث:1225)
سکن نے کہا:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
حلال کو طلب کرنا ایسا ہے جیسے بہادر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور ہتھیار مارتے ہیں اور جس نے رزق حلال کی طلب میں تھکے ہوئے رات گزاری۔ اس نے اس حال میں رات گزاری کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی تھا۔
کسی نے پوچھا:
بہادروں کے مارنے سے کیا مراد ہے؟
فرمایا
رزق حلال کو طلب کرنا اور اپنے اہل وعیال کی پرورش کرنا
(شعب الایمان رقم الحدیث:1232)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا
جو شخص شام تک اپنے ہاتھوں سے کام کرتے تھک گیا اس کی مغفرت کردی جائے گی۔
(معجم الاوسط: رقم الحدیث:6238)
عطا بن السائب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے کندھے پر کپڑوں کی گٹھڑی رکھ کر کپڑے بیچنے کے لئے بازار نکل گئے۔ ان کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی۔
توانہوں نے پوچھا:

اے خلیفہ رسول! آپ (رضی اللہ عنہ) کہاں جارہے ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

بازار

ان دونوں نے کہا:

یہ آپ رضی اللہ عنہ کیا کررہے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے خلیفہ بن چکے ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا

پھر میں اپنے اہل وعیال کو کہاں سے کھلاؤں گا۔

ان دونوں نے کہا:

چلئے آپ رضی اللہ عنہ کے لئے وظیفہ مقرر کردیتے ہیں۔

پھرانہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے لئے ہرروز آدھی بکری اور سر اور پیٹ ڈھانپنے کا لباس مقرر کیا۔

(طبقات الکبریٰ:ج:3،ص:184 دار صادر بیروت)

صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ عرفہ بن نہیک تمیمی کھڑے ہوئے۔

اور عرض کی

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اور میرے اہل بیت کو شکار کرنے سے رزق ملتا ہے اور اس میں ہمارے لئے رزق کا حصہ اور برکت ہے لیکن اس کی مشغولیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا ذکر اور نماز کی جماعت رہ جاتی ہے اور ہمیں اس شکار کی احتیاج ہے۔ آیا یہ ہمارے لئے حلال ہے یا حرام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کردیا ہے۔ اور یہ بہت خوب عمل اور اللہ تعالیٰ بہت عذر قبول کرنے والا ہے اور مجھ سے پہلے اللہ عزوجل کے رسول تھے جو سب شکار کرتے تھے اور شکار طلب کرتے تھے اور جب تم رزق کی طلب کی وجہ سے باجماعت نماز نہ پڑھ سکو (تو اس کی تلافی کے لئے) باجماعت نماز پڑھنے والوں سے تمہاری محبت اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں سے تمہاری محبت کافی ہے۔ تم اپنے لئے اور اپنے بال بچوں کے لئے رزق حلال کو طلب کرو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد ہے اور یادرکھو کہ نیک تجارت میں اللہ تعالیٰ کی مدد ہوتی ہے۔

(معجم الکبیر:رقم الحدیث:7342)

اس حدیث مبارکہ میں نماز کو ترک کرنے کا کہا گیا ہے۔

اس میں جس قدر مقدار میں رزق کا حصول ناگزیر ہو اس کے لئے جماعت کو ترک کرنا جائز ہے اور اگر مال کی کثرت کے لئے اور دنیا جمع کرنے کی وجہ سے نمازوں کی جماعت کو ترک کرتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت سے نماز پڑھنے کی بہت تاکید فرمائی ہے حتیٰ کہ میدان جہاد میں بھی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا لازم ہے۔

حضرت کعب بن عجزہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص گزرا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام علیہم الرضوان نے اس کی قوت اور اطمینان کو دیکھ کر کہا!

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کاش یہ شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہوتا۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر یہ شخص اپنے چھوٹے بچوں کے لئے کسب معاش کر رہا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے اور اگر یہ اپنے بوڑھے ماں باپ کے لئے کسب معاش کر رہا ہے تو بھی یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے اور اگر یہ اپنے آپ کو سوال کرنے سے روکنے کے لئے کسب معاش کر رہا ہے تو بھی یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے اور اگر یہ دکھاوے اور فخر کے لئے نکلا ہے تو پھر یہ شیطان کے راستے میں ہے۔

(معجم الکبیر: ج:19، ص:129 رقم الحدیث:282)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بعض گناہ ایسے ہیں جن کا کفارہ نماز، روزے، حج اور عمرہ سے نہیں ہوتا۔

مسلمانوں نے پوچھا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پھر ان گناہوں کا کفارہ کس چیز سے ہوتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

طلب معاش کی فکر اور پریشانی سے۔

(معجم الاوسط: رقم الحدیث:102)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

زمین کے گوشے گوشے سے رزق کو طلب کرو

امام بیہقی نے کہا:

اس سے مراد زمین میں کھیتی باڑی کرنا ہے۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 1233)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ اس مومن سے محبت کرتا ہے جو کوئی جائز پیشہ کرتا ہو۔

(معجم الکبیر: رقم الحدیث: 1320)

نافع بیان کرتے ہیں کہ

میں شام کی طرف اور مصر کی طرف سامان تجارت لے کر جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس میں بہت اچھا اور بہت زیادہ رزق عطا فرمایا تھا پھر ایک بار عراق کی طرف سامان تجارت لے گیا تو اصل میں پونجی بھی کھو بیٹھا۔

پھر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا۔

تو انہوں نے فرمایا:

اے میرے بیٹے! اپنی تجارت کو لازم رکھو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تمہارے لئے رزق کا کوئی دروازہ کھول دیا جائے تو اسی پر لازم رہو۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 1243)

میں نے ان احادیث مبارکہ کو اس لئے جمع کیا ہے کہ رزق حلال حاصل کرنا انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت اور ہمیں بھی اس کی ترغیب حاصل ہو۔

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا معجزات سے متصف ہونا

تمام انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے معجزات عطا فرمائے تھے اور انبیاء کرام علیہم السلام ان معجزات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا یقین دلاتے تھے۔ قرآن مجید میں انبیاء کرام علیہم السلام کو معجزات عطا فرمانے پر صراحتاً آیت کریمہ موجود ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ (الاعراف: 101)

بے شک ان بستیوں والوں کے پاس ان کے رسول واضح معجزات لے کر آئے ہیں پس وہ ان پر ایمان لانے کے لئے بالکل تیار نہ ہوئے کیونکہ اس سے پہلے وہ ان کی تکذیب کر چکے تھے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کو واضح معجزات عطا فرمائے تھے۔ اگرچہ ذکر صرف حضرت صالح علیہ السلام کے اسی معجزہ کا کیا ہے کہ انہوں نے ایک پتھر کی چٹان سے اونٹنی نکالی اور اس آیت سے اشارۃً یہ معلوم

ہوا اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو معجزہ دے کر بھیجا کیونکہ اگر نبی کے پاس معجزہ نہ ہوتو وہ کسی بنیاد پر اپنی رسالت کو ثابت کرے گا اور اگر نبی کے پاس معجزہ نہ ہوتو نبی صادق اور نبی کاذب میں امتیاز کا کوئی ذریعہ نہیں رہے گا۔

علاوہ ازیں اس حدیث میں اس پر بھی دلیل ہے کہ ہر نبی کو معجزہ عطا فرمایا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر نبی کو اس قدر معجزات دیئے گئے ہیں جن کی وجہ سے ایک بشر ان پر ایمان لے آئے اور مجھے وحی عطا کی گئی جو اللہ عزوجل نے مجھ پر نازل فرمائی۔ پس مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے متبعین تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ ہوں گے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 4981)

اس حدیث کا یہ معنی ہے کہ

ہر نبی کو اتنے معجزات دیئے گئے جن کی وجہ سے کوئی بشر ایمان لا سکے اور مجھے قرآن مجید دیا گیا ہے جس کی مثل کسی کو نہیں دیا گیا۔

اس لئے ارشاد فرمایا

میرے متبعین سب سے زیادہ ہوں گے۔

اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ

مجھے معجزہ دیا گیا ہے اس پر جادو یا شعبدہ وغیرہ کا گمان نہیں کیا جا سکتا جبکہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات کے متعلق ہی گمان کیا جا سکتا ہے۔

اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ

انبیاء سابقین علیہم السلام کے معجزات ان کے زمانوں کے ساتھ گزر گئے اور ان کے زمانوں میں بھی ان معجزات کا مشاہدہ صرف ان لوگوں نے کیا تھا جو اس موقع پر موجود تھے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ قرآن مجید ہے جو قیامت تک باقی رہے گا اور اس میں جو فصاحت اور بلاغت ہے اور غیب کی خبریں ہیں اس کی نظیر لانے سے بلکہ اس کی ایک سورت کی بھی نظیر لانے سے تمام جن اور انس اجتماعی اور انفرادی طور پر ناکام اور عاجز رہے اور علم کی روز افزوں ترقی اور مخالفین کی کثرت کے باوجود اب تک عاجز ہیں۔ قرآن مجید کی پیش گوئیوں کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا اور قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ اس میں کمی اور زیادتی نہیں ہو سکتی اور کوئی شخص اس میں کمی اور زیادتی ثابت نہیں کر سکتا اور کوئی شخص اس میں کمی اور بیشی ثابت نہیں کر سکا۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر قیامت تک ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی نبی کی نبوت پر کوئی دلیل یا معجزہ قائم نہیں ہے۔

معجزہ کی تعریفات

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی حنفی متوفی 816ھ لکھتے ہیں

وہ کام جو اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ کے خلاف ہو اور خیر اور سعادت کی دعوت دیتا ہو اور اس کام کو پیش کرنے والا نبوت کا مدعی ہو اور اس خلاف عادت کام سے اس کے اس دعویٰ کے صدق کے اظہار کا قصد کیا گیا ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے اس خلاف عادت کام کو معجزہ کہتے ہیں۔ (کتاب التعریفات:ص:153 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ کمال الدین حنفی کا معجزہ کی تعریف پر قول

علامہ کمال الدین عبدالواحد بن ہمام حنفی متوفی 861ھ لکھتے ہیں

معجزہ اس خلاف عادت کام کو کہتے ہیں جو دعویٰ نبوت سے مقرون ہو اور اس سے نبوت کے مدعی کا صدق ظاہر ہو۔

(المسامرہ:ص:213 مطبوعہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ بلوچستان)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی کا معجزہ کی تعریف پر قول

علامہ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی شافعی متوفی 450ھ لکھتے ہیں:

معجزہ اس فعل کو کہتے ہیں جو عام بشر کی عادت اور اس کی طاقت کے خلاف ہو اور وہ فعل حقیقتاً صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت سے صادر ہوا ہو اور بہ ظاہر وہ مدعی نبوت سے صادر ہوا ہو۔

(اعلام النبوۃ:ص:42 مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت)

علامہ سعد الدین تفتازانی کا معجزہ کی تعریف پر قول

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی 793ھ لکھتے ہیں:

معجزہ وہ کام ہے جو خلاف عادت ہو اور اس کے ساتھ اس کے معارضہ کا چیلنج مقرون ہو اور اس کا معارضہ نہ کیا جا سکے۔

ایک قول یہ ہے:

معجزہ وہ امر ہے جس سے نبوت و رسالت کے مدعی کے صدق کا اظہار کا قصد کیا گیا ہو۔

اور بعض نے اس میں یہ قید بھی لگائی ہے کہ

وہ امر اس کے دعویٰ کے موافق ہو۔

اور بعض نے یہ قید بھی لگائی ہے کہ

وہ امر زمانہ تکلیف کے مقارن ہو کیونکہ ایام تکلیف کے ختم ہونے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ کے خلاف امور ظاہر ہوں گے لیکن ان سے تصدیق کا قصد نہیں کیا جائے گا۔

معجزہ کی شرائط

علامہ احمد بن محمد القسطلانی متوفی 923ھ لکھتے ہیں:

معجزہ وہ کام ہے جو خلاف عادت ہو اور معارضہ کے چیلنج کے ساتھ مقرون ہو اور انبیاء کرام علیہم السلام کے صدق پر دلالت کرتا ہو۔ اس کو معجزہ اس لئے کہتے ہیں کہ بشر اس کی مثال لانے سے عاجز ہے۔ اس کی حسب ذیل شرائط ہیں۔

(1) معجزہ وہ کام ہونا چاہئے جو خلاف عادت ہو۔

جیسے

چاند کا دو ٹکڑے ہونا

انگلیوں سے پانی کا پھوٹ پڑنا

لاٹھی کا عصا بن جانا

پتھر سے اونٹنی کا نکالنا

اس قید سے وہ کام خارج ہو گئے جو عادت کے مطابق ہوں۔

(2) اس فعل کے معارضہ اور مقابلہ کو طلب کیا جائے

اور بعض نے کہا:

اس فعل کے ساتھ رسالت کا دعویٰ مقرون ہو

(3) مدعی رسالت نے جس فعل کو صادر کیا ہے کوئی شخص اس فعل کی مثل نہ لا سکے۔

اور بعض نے کہا:

معارضہ سے مامون ہونے کے ساتھ دعویٰ رسالت ہو۔

اس قید سے وہ امور خلاف عادت نکل گئے جو دعویٰ نبوت سے پہلے صادر ہوں۔

جیسے

اعلان نبوت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بادل کا سایہ کرنا

اور شق صدر وغیرہ ہونا

ان کو ارھاص کہتے ہیں۔

اسی طرح اس قید سے اولیاء اللہ کی کرامات بھی خارج ہو گئیں کیونکہ ان کے ساتھ دعویٰ نبوت مقرون نہیں ہوتا۔

قاضی ابو بکر نے کہا ہے:

معجزہ کی تعریف میں جو تحدی کی شرط لگائی گئی ہے یعنی اس فعل کے معارضہ اور مقابلہ کو طلب کیا جائے اس کی دلیل کتاب

میں ہے نہ سنت میں نہ اس پر اجماع ہے اور بے شمار معجزات ایسے ہیں جن کی صدور میں معارضہ اور مقابلہ کو طلب نہیں کیا جاتا۔

مثلاً

(1) کنکریوں کا کلمہ پڑھنا

(2) انگلیوں سے پانی کا پھوٹ پڑنا

(3) ایک صاع (چار کلو گرام) طعام سے دو سو آدمیوں کو پیٹ بھر کر کھلا دینا

(4) آنکھ میں لعاب دہن ڈالنا

(5) بکری کے گوشت کا کلام کرنا

(6) اونٹ کا شکایت کرنا

اور بڑے بڑے معجزات

اور تحقیق یہ ہے کہ

سوائے قرآن مجید کے اور کسی معجزہ میں تحدی نہیں کی گئی۔

(4) چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ فعل مدعی نبوت کے دعویٰ کے موافق ہو۔ اگر وہ خلاف عادت فعل مدعی نبوت کے خلاف ہو تو وہ معجزہ نہیں ہوگا بلکہ وہ اہانت ہوگی۔

واضح رہے کہ قرآن وحدیث میں معجزہ کا لفظ استعمال نہیں بلکہ معجزہ کے لئے آیات بینہ اور برہان کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

(1) اِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ (الانعام: 124)

(2) لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ (الاعراف: 101)

(3) فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ (القصص: 32)

(المواہب اللدنیہ ج:2، ص:191 تا 194 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

کیا معجزات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اختیار میں ہیں

معجزات انبیاء کرام علیہم السلام کے اختیار میں ہونے پر محدثین، فقہاء اور متکلمین کے کثیر دلائل ہیں لیکن اختصار کے ساتھ چند حوالہ جات پیش کئے جاتے ہیں۔

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی کا قول

ایک قوم نے معجزہ میں یہ شرط لگائی ہے کہ وہ نبی کی قدرت میں نہ ہو کیونکہ اگر معجزہ نبی کا مقدور ہوگا۔

جیسے

اس کا ہوا کی طرف چڑھنا اور پانی پر چلنا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تصدیق کے قائم مقام نہیں ہوگا اور یہ اعتراض کچھ

وزن نہیں رکھتا کیونکہ جب نبی اس فعل پر قادر ہوگا اور دوسرا شخص اس پر قادر نہیں ہوگا تو وہ فعل معجزہ ہوگا۔

علامہ آمدی نے کہا:

آیا معجزہ نبی کی قدرت میں ہے یا نہیں؟

اس میں اختلاف ہے۔

بعض آئمہ نے یہ کہا

ہوا کی طرف چڑھنے اور پانی پر چلنے میں محض چڑھنا یا چلنا معجزہ نہیں ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقدور ہے اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس پر قدرت پیدا کردے۔اس مثال میں جو چیز معجزہ ہے وہ اس مثال میں نفس قدرت ہے اور یہ قدرت نبی کا مقدور نہیں ہے۔(کیونکہ یہ قدرت اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہوتی ہے)

اور بعض آئمہ نے کہا:

اس مثال میں ہوا کی طرف چڑھنا یا پانی پر چلنا ہی معجزہ ہے کیونکہ یہ فعل مخالف عادت ہے اور یہ فعل اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

(شرح المواقف ج:8،ص:223 تا 224 مطبوعہ ایران)

علامہ عبدالرحمٰن بن محمد الانباری کا قول

علامہ عبدالرحمٰن بن محمد الانباری المتوفی 577ھ لکھتے ہیں

معجزہ میں شرط یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہو کیونکہ معجزہ اس حیثیت سے دلالت کرتا ہے وہ مدعی نبوت کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے تصدیق ہے۔اگر معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل نہ ہو تو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے مدعی نبوت کی تصدیق کی ہے۔

(کتاب الداعی الی الاسلام ص 281:مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ)

علامہ عبدالحلیم سیالکوٹی کا قول

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی متوفی 1067ھ اس قول کے زیادہ صحیح ہونے کی وجہ بیان کرتے ہیں۔

کیونکہ مقصود یہ ہے کہ

دوسرے اس فعل سے عاجز ہوں اور اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ہو جائے گی اور یہی مقصود ہے۔

نیز لکھتے ہیں:

جو اس کے قائل ہیں کہ معجزہ نبی کی قدرت میں نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ نفس قدرت معجز ہے اور یہ نبی کا مقدور نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

ہم نفس قدرت کو معجزہ نہیں کہتے بلکہ اس خاص فعل کو معجزہ کہتے ہیں اور اس خاص فعل پر نبی قادر ہے اور اس کا غیر قادر نہیں

ہے اور معجزہ سے یہی مقصود ہے۔

(حاشیہ سیالکوٹی علی شرح المواقف: ج:8،ص:224 مطبوعہ ایران)

امام محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 505ھ لکھتے ہیں:

نبی کو فی نفسہ ایک ایسی صفت حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کے خلاف عادت افعال (معجزات) پورے ہوتے ہیں جس طرح ہماری ایک صفت ہے جس کی وجہ سے ہماری حرکات قدرت اور اختیار سے ہوتی ہے اگرچہ قدرت اور مقدور دونوں اللہ تعالی کا فعل ہیں۔

(احیاء العلوم: ج:5،ص:53 مطبوعہ دار الخیر بیروت)

علامہ محمد بن احمد سفارینی کا قول

علامہ محمد بن احمد سفارینی حنبلی متوفی 1188ھ لکھتے ہیں:

شیخ ابن تیمیہ نے کہا:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو معجزات، قدرت، فعل اور تاثیر سے متعلق ہیں۔

ان کے حسب ذیل انواع ہیں۔

(1)

بعض معجزات عالم علوی میں ہیں۔

جیسے

(1) چاند کا دو ٹکڑے ہونا

(2) آسمان کا آگ کے گولوں سے محفوظ رہنا۔

(3) اور آسمان کی طرف معراج

(2) بعض فضا میں ہیں

جیسے

استسقاء اور استصحاء (بارش کا طلب کرنا اور بادلوں کا چھٹنا) میں بادلوں کا آنے اور جانے میں آپ کی اطاعت کرنا

(3) انسانوں، جنات اور حیوانوں میں آپ کا تصرف کرنا

(4) درختوں، لکڑیوں اور پتھروں میں آپ کا تصرف کرنا

(5) آسمان کے فرشتوں میں آپ کی تائید کرنا

(6) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا قبول ہونا

(7) ماضی اور مستقبل کے غیوب کی خبر دینا

(8) کھانے پینے کی چیزوں اور پھلوں کا زیادہ ہو جانا۔ ان کے علاوہ اور کئی انواع کے معجزات ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کے دلائل اور علامات ہیں۔

(لوامع الانوار الالہیہ: ج:2، ص:293 تا 294 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

علامہ سعد الدین تفتازانی کا قول

علامہ سعد الدین تفتازانی متوفی 793ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

ہم بیان کر چکے ہیں کہ ہر چیز کو جود میں لانے والا صرف اللہ وحدہ لاشریک ہے۔

خصوصاً مردوں کو زندہ کرنے،

لاٹھی کو سانپ بنانے

چاند کو شق کرنے

اور پتھر کے سلام کرنے میں

علاوہ ازیں حکیم قادر مختار نے انبیاء کرام علیہم السلام کو معجزات صادر کرنے کے لئے جو قدرت اور اختیار عطا کیا ہے وہ مطلوب کی افادیت میں کافی ہے۔

اسی وجہ سے

معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ

معجزہ یا اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے یا اس کے حکم سے واقع ہوتا ہے یا اس کے قدرت اور اختیار دینے کی وجہ سے واقع ہوتا ہے۔

(شرح المقاصد: ج:5، ص:17 مطبوعہ ایران)

حافظ ابن حجر عسقلانی کا قول

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی 852ھ نے بھی امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے استدلال کیا ہے۔

(فتح الباری: ج:12، ص:367 مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

معجزات پر انبیاء کرام علیہم السلام کے اختیار میں احادیث مبارکہ سے دلائل

معجزات پر انبیاء کرام علیہم السلام کے کئی اقوال، افعال ہیں مگر اختصار کے ساتھ چند حوالہ جات عرض کرتا ہوں۔

انسانوں پر تصرف کے متعلق یہ حدیث ہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ تبوک کے لئے جا رہے تھے تو اثناء سفر میں ہم نے ایک سفید پوش کو ریگستان میں آتے ہوئے دیکھا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ابو خیثمہ ہو جا تو وہ ابو خیثمہ ہو گیا۔
(صحیح مسلم: توبہ: 53(2769))
علامہ نووی لکھتے ہیں کہ
قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:
کن یہاں تحقیق اور وجود کے لئے ہے یعنی اے شخص تجھے چاہئے کہ تو حقیقتاً ابو خیثمہ ہو جا۔
علامہ نووی فرماتے ہیں کہ
قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا ہے وہ صحیح ہے۔
(صحیح مسلم شرح النووی ج:1، ص:6910 مطبوعہ مکتبہ الباز مکہ مکرمہ)
درختوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف کے متعلق یہ احادیث مبارکہ ہیں۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا
اور کہنے لگا
کس طرح پہچانوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اگر میں کھجور کے خوشہ کو درخت سے بلاؤں تو تم گواہی دو گے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلایا تو کھجوروں کا وہ خوشہ درخت سے اترا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر گر گیا۔
پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
لوٹ جاؤ تو وہ لوٹ گیا پھر وہ اعرابی مسلمان ہو گیا۔
(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 3648)
ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:
حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
مسجد کی چھت کھجور کے شہتیروں پر بنائی گئی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ایک شہتیر سے ٹیک لگا کر خطبہ

دیتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر بنایا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بیٹھ گئے تو ہم نے اس شہتیر کے رونے کی آواز سنی جس طرح اونٹنی اپنے بچے کے فراق میں روتی ہے۔حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ہاتھ رکھا تو وہ پرسکون ہو گیا۔

(صحیح البخاری:رقم الحدیث:3585)

جنات اور شیاطین پر تصرف کے متعلق یہ حدیث مبارکہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

گزشتہ رات ایک بہت زبردست جن نے مجھ پر حملہ کرنا چاہا تا کہ میری نماز خراب کرے۔اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قدرت دی اور میں نے اس کو دھمکایا۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون کے ساتھ باندھ دوں حتیٰ کہ تم سب اس کو دیکھو پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان (علیہ السلام) کی یہ دعا یاد آئی۔

اے اللہ عزوجل مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کو سزاوار نہ ہو۔(ص:35) پھر اللہ عزوجل نے اس کو ناکام لوٹا دیا۔

(صحیح البخاری:رقم الحدیث:461)

انبیاء کرام علیہم السلام کے اختیار میں معجزات ہونے پر ایک اشکال کا جواب

معجزات پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت نہ ہونے پر بعض علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتٰبٌ ○ (الرعد: 38)

کسی رسول کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ کوئی نشانی لے آئے مگر اللہ عزوجل کے اذن سے ہر وعدہ کے لئے ایک نوشتہ تقدیر ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اس آیت کریمہ میں نشانی (آیت) سے مراد کفار کے فرمائشی معجزات ہیں اور اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ تم جن معجزات کی فرمائش کرتے ہو وہ میں اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر پیش نہیں کرسکتا۔اس آیت میں یہ نہیں فرمایا: کوئی نبی اللہ کی دی ہوئی طاقت اور قدرت سے بھی کوئی معجزہ پیش نہیں کرسکتا اور اللہ تعالیٰ جب معجزات پر قدرت عطا فرماتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا اذن ہی ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں تصریح ہے کہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اذن سے مادرزاد اندھوں اور برص کے مریضوں کو تندرست کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے اذن

سے مردوں کو زندہ کرتے تھے۔

علامہ نووی شافعی متوفی 676ھ اور علامہ محمود بن احمد عینی حنفی متوفی (855ھ) نے حدیث جریج کی شرح میں لکھا ہے کہ بعض اوقات اولیاء اللہ کی کرامات ان کی طلب اوران کے اختیار سے واقع ہوتی ہے اور یہی صحیح مذہب ہے۔

(شرح صحیح مسلم: ج:2،ص:314 مطبوعہ کراچی)

یہ تو انبیاء کرام علیہم السلام کے غلاموں کا عالم ہے تو پھر خود انبیاء کرام علیہم السلام کا کیا عالم ہوگا اوران کے معجزات کس قدر اختیار میں ہیں۔سب پر عیاں ہے۔

معجزات کے صدور میں علماء دیو بند کا موقف

علماء دیو بند کے نزدیک صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہے ظاہراً اور حقیقتاً نبی کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔خلق کے لحاظ سے نہ کسب کے لحاظ سے اور نبی سے معجزہ کا صدور ایسے ہے جیسے کاتب کے علم سے لکھنے کا صدور ہو۔

جیسے قلم بے اختیار ہوتا ہے ایسے ہی نبی بے اختیار ہوتا ہے۔

شیخ رشید احمد گنگوہی کا موقف

شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی 1323ھ لکھتے ہیں:

بعض افعال خاصہ الہیہ بعض اوقات فرشتوں اور نبیوں میں ظاہر ہوتے ہیں اوران افعال کے وقوع میں ان کی کوئی قوت، اختیار، قدرت اور اقتدار نہیں ہوتا لہٰذا ان افعال کو کھانے اور پہننے کی طرح افعال اختیاریہ اور اعمال مقدور میں سے شمار نہیں کرنا چاہئے اوران کی مثال کاتب اور قلم کی سی ہے جس طرح لکھنے میں قلم کی کوئی قدرت اور اختیار نہیں ہے اسی طرح ان افعال کے صدور میں نبیوں کا بھی کوئی اختیار نہیں ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ کامل: ص:173 ملخصا مطبوعہ کراچی)

مولانا حیدر علی ٹونکی نے اپنی بعض تصنیفات میں لکھا ہے۔

اور وہ جو عوام کا گمان ہے کہ کرامت اولیاء کا خود اپنا فعل ہوتا ہے یہ باطل ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جس کو وہ ولی کے ہاتھ پر اس کی تکریم اور تعظیم کے لئے ظاہر فرماتا ہے اور ولی کا اور نہ ہی نبی کا اس کے صدور میں اختیار ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ و تقدس کے افعال میں کسی کا اختیار نہیں ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ کامل: ص:175، مطبوعہ کراچی)

بلکہ یہ اس پر مبنی ہے کہ معجزہ نبی کا فعل نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کا فعل ہے جس کو اس نے نبی کے ہاتھ پر ظاہر فرمایا ہے اس کے برخلاف دوسرے افعال میں ان افعال کا خلق خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور معجزہ میں بندہ کا کسب بھی نہیں ہوتا۔

پس اس آیت کا معنی یہ ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الانفال: 17)

آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی جبکہ آپ نے صورتاً خاک کی مٹھی پھینکی تھی لیکن وہ خاک کی مٹھی حقیقتاً اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی۔

اور یہ معنی بھی مراد نہیں ہے کہ

آپ نے خاک کی مٹھی خلقاً نہیں پھینکی جبکہ آپ نے خاک کی مٹھی کسباً پھینکی تھی اس لئے کہ یہ بھی تمام افعال میں جاری ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ کامل: ص:176 مطبوعہ کراچی)

سو افعال اختیاریہ میں عادتاً تصرف ہوتا ہے ظاہراً اور فعل حق تعالیٰ کا مخفی ہے اور معجزات و تصرفات میں ظاہر بھی عجز ہے مثل قلم کے۔

(فتاویٰ رشیدیہ کامل: ص:177 مطبوعہ کراچی)

معجزات کے صدور میں علماء اہل سنت کا موقف

اس مسئلہ میں ہمارا موقف یہ ہے کہ

معجزات اور کرامات ہوں یا عام افعال، تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ عام افعال عادیہ میں جس طرح عام مسلمانوں کا کسب اور اختیار ہوتا ہے اور ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح معجزات اور کرامات میں کسب اور اختیار انبیاء کرام علیہم السلام و اولیاء کرام کا ہوتا ہے اور ان افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ جیسا کہ ہم نے امام غزالی اور حافظ ابن حجر عسقلانی سے صراحتاً نقل کیا ہے اور شیخ ابن تیمیہ، علامہ نووی، علامہ عینی علامہ تفتازانی اور علامہ میر سید شریف جرجانی ایسے محدثین، فقہاء کرام اور متکلمین کا بھی یہی نظریہ ہے۔ البتہ بعض معجزات اور کرامات جو ان کے حاملین سے متصف اور مباشر نہیں ہوتے ان کے صدور میں انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام کا مطلقاً دخل نہیں ہوتا۔ خلقاً نہ کسباً

جیسے قرآن مجید کا نزول،

مردوں کو زندہ کرنا

چاند کا شق ہونا وغیرہ

شیخ رشید احمد گنگوہی نے اپنے موقف کے ثبوت میں لکھا ہے کہ

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ

کا معنی یہ نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلقاً خاک کی مٹھی نہیں پھینکی جبکہ آپ نے کسباً خاک کی مٹھی پھینکی تھی لیکن اہل سنت کے معتمد اور مستند مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ آپ نے خاک کی مٹھی خلقاً نہیں پھینکی جبکہ آپ

خاک کی مٹھی کسباً پھینکی تھی۔ ان عبارات کو نقل کرنے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ اس آیت کا شان نزول اور پس منظر بیان کر دیں۔

امام حسین بن محمد فرا البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

مفسرین نے بیان کیا ہے کہ

جب جنگ بدر کے دن مسلمانوں اور کافروں کے لشکر بالمقابل ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خاک آلود کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر کفار کے چہروں پر ماری۔

اور فرمایا

ان کے چہرے قبیح ہو جائیں تو ہر کافر کی آنکھوں یا منہ نتھنوں میں اس میں سے کچھ نہ کچھ گر گیا اور اس کے بعد کافروں کو سکت ہوگئی۔

(معالم التنزیل: ج:2، ص:200 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

واضح رہے کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ

خاک کی مٹھی کفار کے چہروں پر مارنے کا واقعہ جنگ بدر میں پیش آیا تھا لیکن یہ احادیث میں ہے کہ یہ واقعہ غزوہ حنین میں پیش آیا تھا۔

(صحیح مسلم: مغازی: 4539:81)

بہر حال خاک کی مٹھی ایک ہزار کافروں کے منہ پر ماری جائے اور وہ خاک ہر کافر کی آنکھوں اور منہ میں چلی جائے۔ یہ فعل خرق عادت اور معجزہ ہے تو اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (الانفال: 17)

اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں ماری جب آپ نے ماری تھی لیکن اللہ نے وہ مٹھی ماری تھی۔

شیخ رشید احمد گنگوہی نے لکھا ہے

اس میں خلق اور کسب دونوں کی نفی ہے اور یہ معنی نہیں ہے کہ خاک کی مٹھی آپ نے خلقاً نہیں ماری۔ جب آپ نے وہ مٹھی کسباً ماری تھی تا کہ معجزہ میں نبی کا کسب ثابت ہو لیکن اس کے برخلاف اہل سنت کے مستند اور معتمد مفسرین نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے کہ خاک کی مٹھی آپ نے خلقاً نہیں ماری جبکہ آپ نے وہ مٹھی کسباً ماری تھی اور معجزہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کسب اور اختیار ثابت کیا ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاک کی مٹھی مارنے کو ثابت بھی کیا ہے اور آپ سے اس کی نفی بھی کی

ہے۔اس لئے اس معنی پر حمل کرنا واجب ہے جبکہ آپ نے خاک کی مٹھی خلقاً نہیں ماری اور کسباً ماری تھی۔

(تفسیر کبیر: ج:5،ص:466 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ نے بھی امام رازی کی اس عبارت کو نقل کر کے اس سے بندوں کے کسب کرنے پر استدلال کیا ہے۔

(روح المعانی ج:9،ص:185)

اس کے بعد مزید لکھتے ہیں:

میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو خاک کی مٹھی کو پھینکنا ثابت کیا گیا ہے اس سے مراد وہی مخصوص پھینکنا ہو جس نے عقلوں کو حیران کر دیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کا اثبات حقیقتاً ہو کہ آپ نے یہ فعل اس قدرت سے کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی تھی اور وہ قدرت اللہ تعالیٰ کے اذن سے موثر تھی لیکن چونکہ عام انسانوں کی قدرت سے اس قسم کا اثر واقع نہیں ہوسکتا۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس فعل کی آپ سے نفی کی اور اس کو اپنے لئے ثابت فرمایا۔

(روح المعانی: ج:9،ص:186 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی 710ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ بیان ہے کہ بندہ کا فعل بندہ کی طرف کسباً منسوب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف خلقاً منسوب ہوتا ہے۔

(مدارک علی ہامش الخازن ج:2،ص:185 مطبوعہ پشاور)

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی 1069ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے خلقاً وہ مٹھی نہیں پھینکی جب آپ نے کسباً وہ مٹھی پھینکی تھی۔

(عنایۃ القاضی علی البیضاوی ج:4،ص:261 مطبوعہ دار صادر بیروت)

علامہ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل متوفی 1204ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فعل کی نفی باعتبار ایجاد کے حقیقتاً ہے اور آپ کے لئے فعل کا اثبات باعتبار کسب ہے۔

(الفتوحات الالٰہیہ ج:2،ص:235 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

ان کثیر حوالہ جات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ

انبیاء کرام علیہم السلام سے بہ اعتبار کسب کے معجزات صادر ہوتے ہیں اور ان کو خلق اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اس کے اذن سے ان معجزات کو صادر کرتے ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دینا

انبیاء کرام علیہم السلام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دینے پر یہ حدیث مبارکہ دلالت کرتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک دن ایک یہودی اپنا کچھ سامان بیچ رہا تھا اس کو اس سامان کے عوض جو قیمت دی گئی اس کو اس نے ناپسند کیا۔

اور کہا

نہیں! اسی ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی۔ ایک انصاری نے یہ سنا تو اس کے منہ پر ایک طمانچہ مارا۔

اور کہا

تو یہ کہتا ہے کہ اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی حالانکہ ہمارے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں وہ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا۔

اور عرض کیا

یا ابا القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرے لئے ذمہ اور عہد ہے (یعنی میں ذمی ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ میری حفاظت ہے) اور فلاں شخص نے میرے منہ پر طمانچہ مارا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے پوچھا

تم نے اس کے منہ پر طمانچہ کیوں مارا ہے؟

اس نے عرض کی

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس نے کہا تھا اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی ہے! حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود ہیں۔

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہوئے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس سے غضب ظاہر ہو رہا تھا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان فضیلت مت دو۔

ایک روایت میں ہے۔

مجھے انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان فضیلت مت دو۔ (صحیح بخاری: رقم الحدیث: 4638)

کیونکہ صور میں پھونکا جائے گا تو آسمان اور زمین میں سب بے ہوش ہو جائیں گے سوا ان کے جن کو اللہ تعالیٰ چاہے گا پھر دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو سب سے پہلے مجھے اٹھایا جائے گا تو اس وقت موسیٰ علیہ السلام عرش کو پکڑے ہوئے ہوں گے۔ میں (از خود) نہیں جانتا کہ طور کے دن کی بے ہوشی میں ان کا شمار کر لیا گیا یا ان کو مجھ سے پہلے اٹھایا گیا تھا اور میں یہ نہیں کہتا کہ کوئی شخص یونس بن متی علیہ السلام سے افضل ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3414)

اعتراض

اسی حدیث مبارکہ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بالاتفاق تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور مرسلین سے افضل ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیسے فرمایا

مجھے انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان فضیلت مت دو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا یہ معنی ہے کہ نفس نبوت میں کسی نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت مت دو کیونکہ نفس نبوت میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرہ: 285)

ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی ایک کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے۔

اور اس ارشاد کا یہ معنی نہیں ہے کہ مراتب اور درجات کے لحاظ سے کسی رسول کو دوسرے پر فضیلت مت دو کیونکہ قرآن مجید سے یہ ثابت ہے کہ بعض رسولوں سے افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ (البقرہ: 253)

یہ سب رسول، ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور ان میں سے کسی کو درجات پر بلندی عطا فرمائی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس پر مطلع نہیں فرمایا تھا کہ اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کرام و مرسلین عظام علیہم السلام پر فضیلت دے دی اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس افضلیت پر مطلع فرما دیا تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام و مرسلین عظام علیہم السلام سے افضل ہیں۔

جیسا کہ حسب ذیل احادیث مبارکہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں سب سے پہلے جنت کی شفاعت کرنے والا ہوں، جتنی زیادہ میری تصدیق کی گئی ہے اتنی کسی نبی کی تصدیق نہیں کی گئی اور بعض نبی ایسے تھے کہ ان کی امت میں سے صرف ایک شخص نے ان کی تصدیق کی تھی۔

(صحیح مسلم: الایمان: حدیث: 332)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قیامت کے دن میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور کوئی فخر نہیں اور میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور کوئی فخر نہیں اور اس دن ہر نبی میرے جھنڈے کے نیچے ہوگا خواہ وہ آدم ہوں یا ان کے علاوہ اور سب سے پہلے جس سے زمین پھٹے گی وہ میں ہوں اور کوئی فخر نہیں۔

(سنن الترمذی: تفسیر سورہ بنی اسرائیل: رقم الحدیث: 3148)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام علیہم الرضوان بیٹھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجرے سے نکلے اور ان کی باتیں سننے لگے۔

بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا

دوسرے نے کہا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا

ایک اور نے کہا:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلمہ اور اس کی روح ہیں

کسی نے کہا:

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے منتخب کر لیا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے

اور ارشاد فرمایا

میں نے تمہاری باتیں سن لیں۔

تم نے کہا:

ابراہیم (علیہ السلام) خلیل ہیں وہ ایسے ہی ہیں۔

تم نے کہا:

موسیٰ (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کے کلیم ہیں، وہ ایسے ہی ہیں۔

تم نے کہا:

عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کا کلمہ اور روح ہیں، وہ ایسے ہی ہیں۔

تم نے کہا:

آدم (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کے صفی ہیں، وہ ایسے ہی ہیں۔

سنو!

میں اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوں اور فخر نہیں اور میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں گا اور فخر نہیں اور میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا تو اللہ تعالیٰ اس کو میرے لئے کھول دے گا اور میرے ساتھ فقراء مومنین داخل ہوں گے اور فخر نہیں اور میں اوّلین اور آخرین میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے عزت والا ہوں اور کوئی فخر نہیں۔

(مشکوٰۃ: رقم الحدیث: 5763)

تیسرا جواب یہ ہے کہ

ہر چند کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیاء ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تواضعاً اور ادباً انبیاء کرام علیہم السلام پر خود کو فضیلت دینے سے منع فرمایا لیکن اس جواب پر اشکال یہ ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو ملائمت سے منع فرماتے۔

جبکہ اس حدیث مبارکہ میں ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سخت غضبناک ہوئے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے آثار غضب ظاہر ہوئے اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ فضیلت دینا صرف نامناسب نہیں بلکہ حرام تھا۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ

مجھے دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام پر اس طرح فضیلت مت دو جو دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام میں نقص کے موجب یا موہم ہو۔

پانچواں جواب یہ ہے کہ

مجھے دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام پر اس طریقہ سے فضیلت مت دو جو کسی لڑائی جھگڑے کا موجب ہو جیسا کہ اس واقعہ میں ہے۔

چھٹا جواب یہ ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان تفصیل کے مسئلہ میں زیادہ بحث تمحیص اور غور وفکر نہ کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ دوران بحث تمہارے منہ سے ایسا لفظ نکل جائے جو نا مناسب ہو اور اس سے دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے احترام میں کمی آئے۔

ساتواں جواب یہ ہے کہ

اپنی آراء اور اپنی اھواء سے کسی نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت مت دو

ہاں قرآن اور حدیث کے دلائل سے فضیلت بیان کرو۔

آٹھواں جواب یہ ہے کہ

ایک نبی کو دوسرے نبی پر فضائل کی تمام انواع واقسام سے فضیلت مت دو حتیٰ کہ مفضول کے لئے کوئی فضیلت باقی نہ رہے۔

نواں جواب یہ ہے کہ

کسی اہل کتاب مثلاً یہودی یا نصرانی کے سامنے تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر میری فضیلت مت بیان کرو۔ ہوسکتا ہے کہ تعصب میں آ کر میرے متعلق کوئی تحقیر کا کلمہ کہے۔

دسواں جواب یہ ہے کہ

میری دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت بیان کرنے میں اتنا مبالغہ نہ کرو کہ مجھے خدائی صفات سے متصف کر دو جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں مبالغہ کیا اور انہیں خدا عزوجل اور خدا عزوجل کا بیٹا کہا۔

گیارہواں جواب یہ ہے کہ

دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام پر میری فضیلت بیان کرنے میں اتنا مبالغہ نہ کرو کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے بڑھا دو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرے متعلق اس طرح غلو نہ کرو جیسے نصاریٰ نے ابن مریم کے متعلق غلو کیا۔ میں تو صرف اس کا بندہ ہوں پس تم کہو وہ اللہ کے بندہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3445)

اس غلو کی بعض یہ مثالیں ہیں۔

اذاں کیا جہاں دیکھو ایمان والو پس ذکر حق ذکر ہے مصطفیٰ کا

کہ پہلے زباں حمد سے پاک ہولے تو پھر نام لے وہ حبیب خدا کا

یعنی ناپاک زبان سے اللہ تعالیٰ کا نام لینا جائز ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینا جائز نہیں جب کہ جنبی کے لئے قرآن کی تلاوت کرنا ممنوع ہے اور حدیث کا پڑھنا ممنوع ہے ہر چند کہ خلاف ادب ہے اسی طرح بے وضو قرآن مجید کو چھونا

جائز نہیں ہے اور حدیث مبارکہ کو چھونا جائز ہے اگر چہ خلاف ادب ہے۔
اسی طرح غلو پر مشتمل ایک شعر یہ ہے۔

خدا جس کو پکڑے چھڑائے محمد (ﷺ) محمد (ﷺ) کا پکڑا چھڑا کوئی نہیں سکتا

اللہ تعالیٰ کفار اور منافقین کی گرفت فرمائے گا تو کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو چھڑائیں گے اور جن مسلمان گناہ گاروں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چھڑائیں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے اس کی بارگاہ میں شفاعت کر کے چھڑائیں گے اور دوسرے مصرع پر یہ اعتراض ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرداران قریش کے ایمان طمع میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم سے بے توجہی فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی طرف توجہ کرنے کا حکم دیا اور یہ آیات کریمہ نازل فرمائیں۔
قرآن مجید میں ہے:

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝ وَهُوَ يَخْشٰى ۝ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝ (سورہ عبس: 1 تا 10)

انہوں نے تیوری پر بل ڈالے اور منہ پھیرا اس پر کہ ان کے پاس نابینا حاضر ہوا۔ آپ کو کیا معلوم شاید کہ وہ پاکیزگی حاصل کرلے یا وہ نصیحت قبول کرلے تو اس کو نصیحت نفع دے اور جو بے پرواہی کرتے ہیں تو آپ ان کے درپے ہوتے ہیں اور اگر وہ پاکیزگی حاصل نہ کریں تو آپ کو کوئی ضرر نہیں ہوگا اور جو شخص دوڑتا ہوا آپ کے پاس آیا درآنحالیکہ وہ اپنے رب سے ڈرتا ہے تو آپ نے اس سے بے پرواہی کی۔

اسی طرح تین صحابہ کرام حضرت کعب بن مالک ہلال بن امیہ اور مرارہ بن الربیع علیہم الرضوان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرفت فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو چھڑالیا۔
اس کی تفصیل یہ ہے کہ
حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
غزوہ تبوک کی مہم بہت سخت اور دشوار تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو عام تیاری کا حکم دیا۔ مسلمان اپنی استطاعت کے مطابق تیاری کرنے میں مشغول تھے۔ مگر میں بے فکر تھا کہ جب چاہوں گا تیار ہو کر چلا جاؤں گا۔ ایک چھوڑ، دو سواریاں میرے پاس موجود تھیں میں اسی غفلت میں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس ہزار مجاہدین اسلام کو کوچ کا حکم دے دیا۔
میں نے سوچا کہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہو گئے ہیں تو کیا ہوا میں اگلی منزل پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملوں گا۔ اسی سوچ وبچار اور آج کل میں وقت نکل گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد میں سخت پریشان تھا۔ سارے مدینہ میں

منافقوں یا معذور مسلمانوں کے سوا کوئی نظر نہ آتا تھا۔
میں نے سوچا کہ
میں تبوک میں نہ جانے کے متعلق کوئی عذر بیان کر کے جان بچالوں گا لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یت سے تشریف لے آئے ہیں تو سارے جھوٹے عذر کافور ہو گئے۔
اور میں نے سوچا کہ
سچ کے سوا کوئی چیز اس بارگاہ میں نجات دینے والی نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں رونق افروز تھے۔ صحابہ
ام علیہم الرضوان جمع تھے۔ منافقین نے جھوٹے عذر پیش کر کے ظاہری گرفت سے چھوٹ رہے تھے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ
وسلم کے سامنے حاضر ہوا۔ میرے سلام کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غضب آمیز تبسم کے ساتھ جواب دیا اور میری غیر حاضری
وجہ دریافت فرمائی۔
میں نے عرض کیا
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اگر کسی دنیادار کے سامنے پیش ہوتا تو جھوٹے عذر بیان کر کے اپنی چرب زبانی سے
بچ جاتا مگر یہاں تو اس ذات کے سامنے معاملہ درپیش ہے کہ اگر میں نے جھوٹ بول کر وقتی طور پر اپنے آپ کو بچا بھی لیا
اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقت حال سے مطلع فرمادے گا۔ اس کے برعکس سچ بولنے سے مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی
کی برداشت کرنی پڑے گی مگر اس کا انجام بہتر ہوگا۔
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!
امر واقعہ یہ ہے کہ میرے پاس غزوہ تبوک نہ جانے کا کوئی عذر نہیں ہے جس وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تبوک
کیا۔ اس وقت سے زیادہ وسعت اور فراخی مجھے کبھی حاصل نہیں تھی۔ میں مجرم ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو چاہیں میرے
فیصلہ فرمائیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اس شخص نے سچ کہا ہے اچھا جاؤ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا انتظار کرو بعد میں معلوم ہوا کہ دو اور شخص (ہلال بن امیہ اور مرارہ بن
بھی میری طرح تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تینوں کے متعلق حکم دے دیا کہ کوئی ہم سے بات نہ کرے سب علیحدہ
کوئی مسلمان ہم سے بات نہیں کرتا تھا نہ سلام کا جواب دیتا تھا وہ دونوں تو خانہ نشین ہو گئے اور گھر میں روتے رہتے تھے
سخت اور قوی تھا مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہوتا تھا۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتا تھا اور دیکھتا تھا کہ آپ صلی
لب مبارک (یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی تبسم پر بدکار، گناہ گار کے بے شمار درود و سلام ہوں) حرکت کرتے
جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف سے منہ پھیر لیتے تھے۔ مخصوص رشتہ

دار اور اعزہ بھی مجھ سے بے گانہ ہوگئے تھے ایک روز مجھے شاہ غسان کا ایک خط ملا کہ تم ہمارے ملک میں آجاؤ وہاں تمہاری آؤ بھگت ہوگی۔

میں نے سوچا کہ

یہ بھی ایک ابتلاء ہے اور وہ خط میں نے جلا دیا چالیس دن بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک حکم پہنچا کہ میں اپنی بیوی سے بھی الگ ہو جاؤں چنانچہ میں نے اپنی بیوی کو میکے بھیج دیا۔ مجھے سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ اگر میں اسی حال میں مر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا جنازہ بھی نہیں پڑھیں گے اور اگر بالفرض اس اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو مسلمان میرا مستقل بائیکاٹ رکھیں گے اور میری میت کے بھی کوئی قریب نہیں آئے گا۔ غرض پچاس دن اسی کیفیت میں گزر گئے۔ زمین اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہوگئی اور مجھے زندگی موت سے زیادہ سخت معلوم ہوتی تھی کہ اچانک جبل سلع (پہاڑ کا نام) سے آواز آئی۔

اے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ!

مبارک ہو! میں یہ سنتے ہی سجدہ میں گر گیا۔

معلوم ہوا کہ رات کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی کہ ہماری توبہ قبول ہوگئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر کے بعد صحابہ کرام علیہم الرضوان کو مطلع فرما کر فرمایا اور مجھے خوش خبری سنانے کے لئے ایک سوار میری طرف دوڑا مگر دوسرے شخص نے پہاڑ پر زور سے ندا کی اور سوار سے پہلے اس کی آواز مجھ تک پہنچ گئی میں نے اپنے کپڑے اتار کر آواز لگانے والے کو دیئے۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مسلمان مجھے جوق در جوق مبارک دے رہے تھے۔ مہاجرین میں سب سے پہلے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر مصافحہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے تیری توبہ قبول فرمائی۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: 2757)

حضرت کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع کی توبہ قبول کرنے اور ان کی نجات کے متعلق جو اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا۔ اس کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں۔

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۠

(التوبہ: 118)

اور تین مسلمانوں کی توبہ قبول فرمائی جن کا حکم موخر رکھا گیا تھا حتیٰ کہ جب زمین وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہوگئیں اور انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ اللہ عزوجل کے سوا ان کی کوئی جائے پناہ نہیں ہے پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تا کہ وہ ہمیشہ توبہ کرتے رہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ کرنے والا بہت مہربان ہے۔

ان مذکور الصدور احادیث مبارکہ میں تصریح ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین صحابہ کرام علیہم الرضوان پر گرفت فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر مسلمانوں نے پچاس دنوں تک ان سے مقاطعہ جاری رکھا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرما کر ان کی خلاصی کرادی اس لئے یہ مصرع صحیح ہے کہ

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پکڑا چھڑا کوئی نہیں سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں غلو کی ایک اور مثال یہ ہے۔

معنی جرقم کنی تحقیق اگر ۔۔۔ بنگری بادیدۂ صدیق اگر

قوت قلب و جگر گردد نبی ۔۔۔ از خدا محبوب تر گردد نبی

اگر میرے نظریہ کو جانو اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نظر سے دیکھو تو نبی، اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبوب ہیں۔

یہ اشعار قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کے صراحتاً خلاف ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ (البقرہ: 165)

اور ایمان والے سب سے زیادہ محبت، اللہ سے کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کائنات میں سب سے افضل ہیں اور ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ تمام مخلوق سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہونی چاہئے لیکن ان تمام تر عظمتوں کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندہ اور اس کی مخلوق ہیں اور خالق اور مخلوق کے درمیان اس طرح تقابل کرنا کہ مخلوق خالق سے زیادہ افضل یا زیادہ محبوب یا زیادہ بااختیار ہے۔ صحیح انداز فکر نہیں ہے۔

عمر بن قتادہ بیان کرتے ہیں کہ

حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ جنگ بدر کے دن زخمی ہوگئی اور ان کی آنکھ کا ڈھیلا بہہ کر ان کے رخسار پر آ گیا۔ مسلمانوں نے اس کو کاٹ کر نکالنے کا ارادہ کیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نہیں! پھر حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو بلایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہتھیلی سے وہ ڈھیلا۔ پھر پتا نہیں چلتا تھا کہ کون سی

آنکھ زخمی ہوئی تھی۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی: ج:3،ص:99تا100)

حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کمان ہدیہ کی گئی۔ جنگ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کمان مجھے دے دی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوا اس کمان سے تیر مار رہا تھا کہ وہ کمان ٹوٹ گئی اور میں مستقل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا رہا جو تیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی طرف آتا میں اس تیر کے سامنے اپنا چہرہ کر دیتا۔ (کمان ٹوٹنے کی وجہ سے) کوئی تیر نہیں مار رہا تھا حتیٰ کہ ایک تیر میری آنکھ میں لگا جس سے میری آنکھ کا ڈھیلا نکل کر میرے چہرے پر آ گیا۔ میں نے وہ ڈھیلا نکال کر اپنے ہاتھ میں رکھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاتھ میں نکلی ہوئی آنکھ کا ڈھیلا دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی!

اے اللہ عزوجل! قتادہ (رضی اللہ عنہ) نے میرے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چہرے کو اپنے چہرے سے بچایا ہے تو اس کی آنکھ کو دونوں میں زیادہ حسین اور زیادہ تیز بنا دے سو ان کی دو آنکھ دونوں آنکھوں میں سے زیادہ حسین اور زیادہ تیز نظر والی تھی۔

(معجم الکبیر: ج:19،ص:8رقم الحدیث:12)

غیر محتاط واعظین اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

خدا عزوجل کی دی ہوئی آنکھ میں اتنی روشنی نہیں تھی جتنی مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی آنکھ میں روشنی تھی۔ اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا میں تقابل کا یہ انداز بہت خطرناک ہے۔ یہ دونوں آنکھیں اللہ تعالیٰ کی ہی دی ہوئی تھیں مگر ان میں فرق یہ ہے کہ ایک آنکھ ماں باپ کے جسمانی توسل سے ملی تھی اور دوسری آنکھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ملی تھی اس لئے اس آنکھ کا حسن اور اس کی نظر دوسری آنکھ سے زیادہ تھی۔ بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت بیان کرنے میں غلو اور مبالغہ نہیں کرنا چاہئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات نہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے برابر بیان کی جائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ بڑھایا جائے۔

اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان فضیلت مت دو۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:4638)

نیز

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بعض انبیاء کرام علیہم السلام کو بعض پر فضیلت مت دو۔

(مسند احمد: ج:3، ص:41)

اور ارشاد فرمایا

مجھے انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت مت دو اور نہ یونس بن متی پر علیہ السلام۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:171)

اور ان سب احادیث مبارکہ کا ایک محمل یہ ہے کہ،

مجھے خدا عزوجل کے برابر نہ کر دیا مجھے خدا عزوجل سے نہ بڑھاؤ اور اس محمل کی تائید اس حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرے متعلق اس طرح غلو نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کے متعلق غلو کیا تھا پس تم کہو وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:3445)

انبیاء کرام علیہم السلام کا امر اور نہی سے مکلف ہونا

قرآن مجید میں ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَ اِلَيْهِ مَاٰبِ۝ (الرعد:36)

آپ فرمایئے کہ مجھے صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں میں اس کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے لوٹنا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ

قرآن مجید میں جو احکام دیئے گئے ہیں اور جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے۔ ان تمام اوامر نواہی کو بجالانا اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور عبادت انتہائی تعظیم کا نام ہے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ

بندہ صرف اللہ تعالیٰ کی انتہائی تعظیم کرنے کا مکلف ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اسی وقت شرح صدر سے ہوسکتی ہے جب انسان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو اور معرفت اس وقت ہوسکتی ہے جب بندہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کو دلائل کے ساتھ جانے۔

اس سے معلوم ہوا کہ

بندہ اس کا مکلف ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم دلائل سے حاصل کرے۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ

بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا مکلف ہے۔ اس آیت میں چونکہ خصوصیت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا ہے کہ آپ فرمائیے مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے اوامر اور نواہی کے مکلف ہیں۔

اور بعض سفہاء نے یہ لکھا ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام وملائکہ کسی گناہ پر قادر نہیں۔ اس لئے یہ حضرات بابرکات نہی میں مکلف نہیں اور کسی نہی کے خطاب میں داخل نہیں ہاں البتہ امر میں مکلف ہیں۔ یعنی ان پاک ومنزہ ہستیوں سے یہ تو کہا جاتا ہے کہ یہ کرو، یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ مت کرو۔

(العطایا الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ: ص: 363)

اس سفیہ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو نہی کا مکلف اس لئے نہیں مانا کہ تکلیف میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے اگر یہ مان لیا جائے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو گناہوں سے منع کیا گیا ہے اور ان سے کہا گیا ہے کہ گناہ مت کرو تو ان کے لئے گناہ کرنا ممکن ہوگا اور اس کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام کا گناہ کرنا ممکن ہی نہیں ورنہ وہ معصوم نہیں رہیں گے۔

اسی لئے اس نے کہا:

انبیاء کرام علیہم السلام نہی کے مکلف نہیں۔ امر کے مکلف ہیں مگر اس سفیہ نے اس پر غور نہیں کیا کہ جب اس کے انبیاء کرام علیہم السلام کو امر کا مکلف مان لیا تو اس سے لازم آیا کہ انہیں اس امر پر مکلف کرنے کا اختیار ہے۔ امر پر عمل کریں یا نہ کریں اور امر پر عمل نہ کرنا گناہ ہے اور امر پر عمل نہ کرنے کی قدرت گناہ پر قدرت ہے تو اس کے زعم کے مطابق انبیاء کرام علیہم السلام کو امر کا مکلف ماننے سے بھی معصوم نہیں رہے اور یہ خرابی اس لئے لازم آئی کہ اس نے یہ سمجھا کہ عصمت کا معنی ہے گناہ پر قدرت نہ ہو حالانکہ عصمت کا معنی یہ ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی 791ھ لکھتے ہیں:

عصمت کی حقیقت یہ ہے۔

اللہ تعالیٰ بندہ کی گناہ پر قدرت اور اس کے اختیار کے باوجود اس میں گناہ پیدا نہ کرے اور متکلمین اس کے قول کا بھی یہی معنی ہے۔ عصمت اللہ تعالیٰ کا لطف ہے جو بندہ کو نیک کام پر ابھارتا ہے اور برے کام سے روکتا ہے باوجود اختیار کی بقاء کے تا کہ مکلف ہونے کا معنی پایا جائے۔

اس لئے شیخ ابو ماتریدی نے کہا:

عصمت مکلف ہونے کو زائل نہیں کرتی اور اسی تحقیق سے ان لوگوں کے قول کا فساد ظاہر ہو گیا جنہوں نے کہا: عصمت شخص کے نفس میں یا اس کے بدن میں ایسی خاصیت ہے جس کے سبب سے اس سے گناہ کا صدور محال ہو جاتا ہے اور یہ قول کیوں نہ فاسد ہو گا کیونکہ اگر بندہ سے گناہ کا صدور ممتنع ہو تو اس کو گناہ کے ترک کا مکلف کرنا صحیح نہ ہو گا اور نہ اس کے گناہ کے ترک پر ثواب ہو گا۔

(شرح عقائد نسفی: ص:113 مطبوعہ کراچی)

انبیاء کرام علیہم السلام کے ذنوب کی توجیہ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر قیام فرماتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک سوج جاتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے اور پچھلے ذنب کی مغفرت فرمادی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:4836)

احمد عبدالرحمان البنا اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء نے کہا ہے:

قرآن مجید اور حدیث میں جو بعض انبیاء کرام علیہم السلام کے بعض ذنوب کا ذکر ہوا ہے۔

جیسے

وَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی○ (طٰہٰ:121)

اور آدم نے (بہ ظاہر) اپنے رب کی نافرمانی کی تو وہ (جنت کی رہائش سے) بے راہ ہو گئے۔

اور اس قسم کی دوسری آیات ہیں سو ہمارے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم قرآن وسنت کے علاوہ ان کی طرف ذنوب کی نسبت کریں اور ہم پر لازم ہے کہ ہم ان آیات کی تاویل ترک اولیٰ سے کریں اور ان کے ان افعال کو ذنوب سے اس لئے تعبیر فرمایا ہے کہ ان کے بلند مرتبہ کے اعتبار سے ترک اولیٰ بھی ذنب کے حکم میں ہے۔

جیسا کہ بعض علماء نے کہا ہے:

ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ ہیں۔ اس وجہ سے جب بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کرنے کی کوشش کیوں کرتے ہیں حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے اور

پچھلے ذنوب کی مغفرت کر دی گئی ہے۔

جیسا کہ سورۃ الفتح میں ہے۔

نیز اس آیت بعد کے ذنوب کی بھی مغفرت کا ذکر ہے حالانکہ بعد کے افعال کا تو ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صدور بھی نہیں ہوا تھا اور جو کام ابھی ہوا ہی نہ ہوا اس کو ذنب نہیں کہا جاتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ

اس آیت سے مقصود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخرت کے شدت خوف سے مامون رکھا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جائے۔

کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے سب سے زیادہ اللہ عزوجل کا علم ہے اور میں تم سب سے زیادہ اللہ عزوجل سے ڈرتا ہوں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:20)

سو اس آیت سے مراد یہ ہے کہ

بہ فرض محال اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی گناہ واقع بھی ہوتا تو وہ بخشا ہوا ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذنب کو فرض کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ واقع بھی ہوا ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا:

شکر کا معنی ہے محسن کے احسان کو جاننا اور اس کو بیان کرنا اور نیک کام کو شکر اس لئے کیا جاتا ہے کہ وہ نیک کام احسان کرنے والے کی حمد و ثناء کو متضمن ہوتا ہے اور بندہ کے شکر کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کرے اس کی حمد و ثناء کرے اور اس کی عبادت دائماً کرے اور اللہ عزوجل کے شکر کا معنی یہ ہے کہ وہ بندوں کو ان کی عبادت کی جزا دے اور ان کو دگنا چوگنا اجر عطا فرمائے اور اللہ عزوجل کے اسماء مبارکہ میں سے جو شکور اور شاکر ہے۔

اس کا یہی معنی ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کو جو بہت شدید خوف ہوتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ

ان کو اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا علم ہوتا ہے اور ان کا یہ ایمان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے استحقاق کے بغیر ان کو یہ نعمتیں عطا کی ہیں اس لئے وہ اس کی عبادت کرنے میں بہت زیادہ کوشش کرتے ہیں تا کہ اپنی اپنی استطاعت کے مطابق اس کا شکر ادا کر سکیں ورنہ اس کا کما حقہ شکر کوئی ادا نہیں کر سکتا۔

(بلوغ الامانی (شرح مسند احمد بن حنبل) جز:4،ص:238 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

جب ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ذنب کی نسبت ہوتو بعض علماء کرام نے ذنب کا ترجمہ گناہ کر دیا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے والد گرامی اور مولانا شاہ نقی علی خان متوفی 1297ھ سورۃ الفتح 2-1 کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تا معاف کرے اللہ تیرے اگلے اور پچھلے گناہ اور پورا کرے تجھ پر اپنا احسان اور چلادے تجھ کو سیدھی راہ اور مدد کرے تجھ کو خدا از بردست مدد:

(انوار جمال مصطفیٰ ص:71 مطبوعہ شبیر برادرز لاہور)

اور زیر حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر عبادت کی کہ پائے مبارک سوج گئے۔

لوگوں نے کہا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکلیف اس قدر کیوں اٹھاتے ہیں کہ خدا عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگلی پچھلی خطا معاف کی۔

فرمایا

اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا

(سرور القلوب بذکر المحبوب:ص:238 مطبوعہ شبیر برادرز اردو بازار لاہور)

اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

اور خود قرآن عظیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

مغفرت مانگ اپنے گناہوں کی اور سب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لئے۔

(ذیل المدعا لاحسن الوعاء (فضائل دعا) ص:26 مطبوعہ ضیاء الدین پبلی کیشنز کراچی)

نیز اعلیٰ حضرت معالم التنزیل کے حواشی میں تحریر فرماتے ہیں۔

ذنوب انبیاء کرام علیہم السلام سے مراد صورت گناہ ہے ورنہ حقیقتاً گناہ سے انبیاء کرام علیہم السلام دور اور منزہ و مبراء ہیں۔

(تعلیقات رضا ص:25 مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی)

مولانا غلام رسول رضوی متوفی 422ھ ایک حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ کہیں گے میں اس پوزیشن میں نہیں کہ تمہاری شفاعت کروں تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے ہیں۔

(تفہیم البخاری:ج:1،ص:48 الجدہ پرنٹرز)

ہمارے نزدیک ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت سے پہلے اور اعلان نبوت کے بعد ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے عمداً اور سہواً حقیقتاً اور صورۃً معصوم ہیں۔ قرآن مجید میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال پر جو ذنب کا اطلاق کیا گیا ہے وہ بہ ظاہر خلاف اولیٰ کے معنی میں ہے اور حقیقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر کام اولیٰ ہے۔ بعض اکابرین نے ذنب کا ترجمہ گناہ کر دیا ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ ان بزرگوں کا تسامح ہے کیونکہ جب اردو خواں لوگ ذنب کا ترجمہ گناہ پڑھیں گے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال پر گناہ اطلاق دیکھیں گے تو ان کے ذہن مشوش ہوں گے۔ وہ ذنب کی تاویلات کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ وہ یہ نہیں سمجھیں گے کہ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال پر ذنب کا اطلاق مجازاً کیا گیا ہے۔

اور ہوسکتا ہے کہ

وہ یہ سمجھ لیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی گناہ صادر ہو جاتا ہے اور جب عام لوگوں کے ذہنوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی گناہ ثابت ہو جائیں تو انہیں نیکی پر کس طرح آمادہ کیا جاسکے گا۔ اس طرح جب مستشرقین اور غیر مسلم معترضین کے ہاتھوں میں تراجم پہنچیں گے تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو (العیاذ باللہ) گناہ گار ثابت کرنے کے لئے ان تراجم کو پیش کریں گے۔

بعض لوگوں نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ

قرآن مجید میں ہے:

يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (الفتح: 10)

ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

کیا اس ترجمہ سے عام لوگوں کے ذہن مشوش نہیں ہوں گے اور ان کے ذہنوں میں اللہ تعالیٰ کے جسم ہونے کا وہم پیدا نہیں ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معصوم ہونے پر تو امت مسلمہ کا اتفاق ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے قرآن مجید میں ید (ہاتھ) (وجہ) چہرہ اور (اعین) آنکھیں کے جو الفاظ ہیں ان سے کیا مراد ہے۔

اس میں متقدمین اور مؤخرین کا اختلاف ہے۔

متقدمین کے نزدیک

اللہ تعالیٰ کے ہاتھ، چہرہ اور آنکھیں ہیں لیکن وہ جسمانیت سے پاک ہے اور مخلوق میں اس کی کوئی مثل نہیں ہے اس کی یہ صفات اس کی شان کے لائق ہیں۔

امام اعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی کوئی ضد (ممانع اور مخالف) نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی ند (مشابہ) ہے اور نہ اس کی کوئی مثل ہے اور اس کا ہاتھ ہے اور اس کا چہرہ ہے اور اس کا نفس ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو چہرہ ہاتھ اور نفس کا ذکر کیا ہے وہ اس کی بلا کیف صفات ہیں اور یہ نہ کہا جائے کہ ہاتھ سے مراد اس کی قدرت یا نعمت ہے کیونکہ اس قول میں اس کی صفات کو باطل کرنا ہے اور یہ قدریہ اور معتزلہ کا قول ہے لیکن اس کا ہاتھ اس کی صفت بلا کیف ہے اور اس کا غضب اور اس کی رضا اس کی صفات میں ہے وہ صفات بلا کیف ہیں۔

(الفقہ الاکبر مع شرح لعلی القاری ص 36 تا 37 مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابی واولادہ مصر)

اور متاخرین نے ان صفات کی تاویلات کی ہیں۔

مخالفین اسلام نے قرآن اور حدیث کی ان نصوص سے استدلال کیا ہے جن سے اللہ تعالیٰ کے لئے جہت اور جسمیت ثابت ہوتی ہے اور اس کی صورت اور اس کے اعضاء ثابت ہوتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ کی تنزیہات پر دلائل قائم ہیں اس لئے ان نصوص کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض کرنا واجب ہے جیسا کہ سلف و صالحین کا طریقہ ہے کہ وہ زیادہ سلامتی والے طریقہ کو پسند کرتے ہیں یا ان نصوص کی تاویلات صحیحہ کی جائیں۔ جیسا کہ متاخرین علماء کا مختار ہے تاکہ جاہلوں کے اعتراضات کو دور کیا جاسکے اور کمزور مسلمانوں کو اسلام پر برقرار رکھا جاسکے۔

(شرح العقائد النسفی۔ص:34 ملخصا مطبوعہ کراچی)

ان تاویلات کی مثال حسب ذیل ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (البقرہ: 115)

تم جہاں کہیں بھی (قبلہ کی طرف) منہ کرو تو وہیں اللہ کا چہرہ ہے۔

یعنی وہیں اللہ عزوجل تمہاری طرف متوجہ ہے یا وہیں اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

اسی طرح حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت محمد ابن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے لڑے تو وہ چہرے پر مارنے سے اجتناب کرے کیونکہ اللہ عزوجل نے آدم (علیہ السلام) کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔

(صحیح مسلم: البر والصلۃ 115، رقم الحدیث: 2612، رقم المسلسل: 6532)

علامہ شمس الدین خیالی متوفی 870ھ نے لکھا ہے۔
اس حدیث مبارکہ میں صورت سے مراد اس کی صفت ہے یعنی علم اور قدرت میں سے کسی صفت پر حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ اسی طرح قرآن مجید میں ید اللہ (فتح:10) ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔

(حاشیہ الخیالی علی شرح العقائد: ص:74 مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ)

خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قرآن مجید میں جو ذنب کا لفظ ہے اس کا ترجمہ گناہ کرنے میں اور ید اللہ کا ترجمہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ کرنے میں بہت فرق ہے کیونکہ تمام اہل اسلام کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں اور جب ذنب کا ترجمہ گناہ کیا جائے گا تو عام مسلمانوں کے ذہن مشوش ہوں گے۔ اس کے برخلاف جب ید اللہ کا ترجمہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ کیا جائے گا تو اس سے کسی مسلمان کو تشویش نہیں ہوگی کیونکہ تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور خود قرآن مجید میں مذکور ہے کہ اللہ عزوجل کی مثل کوئی چیز نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا معنی یہ ہے کہ اس کے شایان شان ہاتھ ہے جس کی مخلوق میں کوئی مثل نہیں ہے اور یہ معنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و دیگر متقدمین کے نزدیک ہے اور متاخرین کے نزدیک اس کا معنی اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمانے کی ترتیب

انبیاء کرام علیہم السلام کو جس ترتیب سے مبعوث کیا گیا وہ اس طرح ہے۔

(1) سب سے پہلے جس نبی کو مبعوث کیا گیا وہ حضرت ادریس علیہ السلام تھے
(2) پھر حضرت نوح علیہ السلام
(3) پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام
(4) پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام
(5) پھر حضرت اسحاق علیہ السلام
(6) پھر حضرت یعقوب علیہ السلام
(7) پھر حضرت یوسف علیہ السلام
(8) پھر حضرت لوط علیہ السلام
(9) پھر حضرت ہود علیہ السلام
(10) پھر حضرت صالح علیہ السلام
(11) پھر حضرت شعیب علیہ السلام
(12) پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام

(13) حضرت ہارون علیہ السلام

(14) پھر حضرت الیسع علیہ السلام

(15) پھر حضرت یونس علیہ السلام

(16) پھر حضرت ایوب علیہ السلام

(17) پھر حضرت داؤد علیہ السلام

(18) پھر حضرت سلیمان علیہ السلام

(19) پھر حضرت زکریا علیہ السلام

(20) پھر حضرت یحیٰی علیہ السلام

(21) پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام

(22) پھر حضرت سیدنا محمد بن عبداللہ عبدالمطلب بن ہاشم علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

(تاریخ دمشق الکبیر: ج:24، ص:165 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

انبیاء کرام علیہم السلام کا جانوروں درختوں اور پرندوں کی باتیں سمجھنا اور ان سے بات کرنا

انبیاء کرام علیہم السلام جانوروں اور پرندوں کی باتیں سمجھتے اور ان سے کلام بھی فرماتے ہیں۔

شیخ ابو محمد روزبہان بن ابی النصر البقلی الشیرازی المتوفی 606ھ لکھتے ہیں:

پرندوں اور وحشی جانوروں کی آوازیں اور کائنات کی حرکتیں یہ سب اللہ تعالیٰ کے انبیاء کرام علیہم السلام اور مرسلین اور عارفین اور صدیقین اور محبین کے لئے خطابات ہیں جن کو وہ اپنے مقامات اور احوال کے اعتبار سے سمجھتے ہیں۔ پس انبیاء کرام علیہم السلام اور مرسلین محض پرندوں کی بولیوں سے ان کے معانی اور مطلب کو سمجھ لیتے ہیں اور اس چیز کا ولی کے لئے واقع ہونا بھی ممکن ہے لیکن اکثر اولیاء پرندوں کی آوازوں سے ان چیزوں کو سمجھ لیتے ہیں جو ان کے احوال کے مطابق ہوتی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں الہام کرتا ہے نہ یہ کہ وہ ان کی لغات کو بعینہ جانتے ہیں۔

ابو عثمان المغربی نے کہا:

جو شخص تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتا ہے وہ اس سے ہر چیز سمجھتا ہے اور ہر چیز سے اس کو سمجھتا ہے سو اس کو پرندوں کی آوازوں سے اور دروازوں کی چرچراہٹ سے بھی اللہ تعالیٰ کا علم حاصل ہوتا ہے۔

جیسا کہ

عام لوگوں کو طبل کی آوازوں سے قافلہ کی روانگی کا علم ہو جاتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ اہل حضور اور خواص کو پرندوں اور وحشی جانوروں کی آوازوں سے معانی اور مطالب پر مطلع فرماتا ہے۔

مقاتل نے کہا:
حضرت سلیمان علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے ان کے پاس ایک پرندہ بولتا ہوا گزرا۔
انہوں نے مجلس سے کہا
کیا تم جانتے ہو کہ یہ پرندہ جو ابھی گزرا تھا اس نے کیا کہا ہے۔
لوگوں نے کہا:
آپ علیہ السلام ہی بہتر جانتے ہیں۔
حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا:
اس پرندہ نے کہا ہے! اے بنی اسرائیل کے بادشاہ!
آپ علیہ السلام پر سلام ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو عزت عطا فرمائی ہے اور آپ علیہ السلام کو اپنے دشمنوں پر غلبہ عطا فرمایا ہے۔ میں بچوں کے پاس جا رہا ہوں پھر دوبارہ آپ علیہ السلام کے پاس سے گزروں گا۔
آپ علیہ السلام نے فرمایا:
دوبارہ گزرے گا تم اس کا انتظار کرو، کافی دیر انتظار کے بعد وہ پھر دوبارہ گزرا۔ اس نے آپ علیہ السلام کو سلام کیا اور بتایا کہ وہ اپنے بچوں کو کھلا پلا کر آیا ہے۔ اس قسم کی امثال حضرت سلیمان علیہ السلام سے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت معروف ہیں۔
(عرائس البیان ج:2، ص:111 تا 112 مطبوعہ المطبع العالی المنشی نوالکشور)
حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت قبیلہ بنی سلیم کا ایک اعرابی آیا۔ اس نے ایک گوہ کا شکار کر کے اپنی آستین میں رکھی ہوئی تھی وہ اس کو اپنے گھر پکانے کے لئے لے کر جا رہا تھا تا کہ اس کو کھائے۔ اس نے جو مسلمانوں کی جماعت کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔
تو پوچھا
یہ کون ہے؟
اس کو بتایا گیا کہ
یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔
وہ لوگوں کو چیرتا ہوا مجلس میں آیا
اور کہنے لگا:

لات وعزیٰ کی قسم! میرے نزدیک آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے زیادہ مبغوض اور کوئی نہیں ہے۔ (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ جان وایمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کوئی حسین وجمیل نہیں اور نہ ہمیشہ قیامت تک آئے گا) اور اگر میری قوم مجھے جلد باز نہ کہتی تو میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر کے ہر سرخ وسفید کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اجازت عطا فرمایئے میں اس کو قتل کر دوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے عمر (رضی اللہ عنہ) کیا تم جانتے ہو کہ بردبار شخص نبی ہوتا ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا!

تمہیں اس بات کی طرف کس نے برانگیختہ کیا۔

اس نے کہا:

لات وعزیٰ کی قسم! میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اس وقت ایمان نہیں لاؤں گا جب تک کہ یہ گوہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان نہ لے آئے اور آستین سے وہ گوہ نکال کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پھینک دی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ سے پوچھا

تم کس کی عبادت کرتی ہو؟

اس نے کہا:

جس کا آسمان میں عرش ہے اور زمین میں اس کی سلطنت ہے، سمندر میں اس کا راستہ ہے اور جنت میں اس کی رحمت ہے اور دوزخ میں اس کی سزا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گوہ سے پوچھا:

اے گوہ! میں کون ہوں؟

اس نے کہا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم رب العالمین عزوجل کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔

جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی وہ ناکام ہو

یہ اعرابی نے کہا:

جس وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تھا تو میرے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی مبغوض نہیں اور اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی محبوب نہیں ہے اور آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے نزدیک میرے والد سے میر آنکھوں سے اور میری جان سے بڑھ کر محبوب ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ عزوجل سے بڑھ کر کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ اور بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے رسول ہیں۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی: ج:6،ص:36 تا37 ملخصا)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے پاس سے گزرے اس کی چوٹی پر بیٹھا ہوا ایک بلبل چہچہا رہا تھا اور اپنی دم ہلا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ارشاد فرمایا

کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔

انہوں نے کہا:

اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جاننے والے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ کہہ رہا ہے میں نے آدھے پھل کھالئے اور دنیا میں زیادتی ہے۔

ایک فاختہ بولنے لگی

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کہہ رہی ہے کہ کاش یہ مخلوق پیدا نہ کی جاتی

اور مور بولا:

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کہہ رہا ہے کہ تم جیسا کرو گے ویسا بھرو گے

اور ہدہد بولا:

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کہہ رہا ہے! اے گناہ گار! اللہ عزوجل سے استغفار کرو

اور طیطوی بولا:

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ کہہ رہا ہے کہ ہر زندہ مرنے والا ہے اور ہر نئی چیز پرانی ہونے والی ہے۔
اور خطاف بولا:
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ کہہ رہا ہے کہ نیکیاں بھیجو آخرت میں ان کو پاؤ گے
اور رخمۃ بولا:
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ کہہ رہا ہے کہ
سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی ملأ سمائه وارضه
اور قمری بولی
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ کہہ رہی ہے کہ
سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی
اور چیل بولی
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ کہہ رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔
اور القطاۃ بولا:
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ کہہ رہا ہے کہ جو خاموش رہا وہ سلامت رہا
اور طوطا بولا:
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ کہہ رہا ہے کہ دنیا اور دنیا کی فکر کرنے والے کے لئے ہلاکت ہو
اور مرغ بولا:
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ کہہ رہا ہے: اے غافلو! اللہ عزوجل کا ذکر کرو

اورسفید گدھا بولا:
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ کہہ رہا ہے: اے آدم! تو جب تک چاہتا ہے زندہ رہ بالآخر تجھے موت آئے گی
اورعقاب بولا:
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ کہہ رہا ہے کہ لوگوں سے دور رہنے میں انس ہے۔
اورمینڈک بولا:
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ کہہ رہا ہے کہ سبحان ربی القدوس
اورچنڈول بولا:
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ کہہ رہا ہے: اے اللہ عزوجل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بغض رکھنے والے پر لعنت فرما۔
اورزرزور بولا:
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ کہہ رہا ہے: اے اللہ عزوجل! میں تجھ سے ہر نئے دن کا رزق طلب کرتا ہوں
اورتیتر بولا:
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ کہہ رہا ہے کہ
اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى
(روح المعانی: ج:19، ص:256 تا 257 مطبوعہ دارالفکر بیروت)
حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام سے گئے تو ہم نے ایک پرندہ دیکھا
جس کے ساتھ اس کے دو بچے تھے۔ ہم نے اس کے بچوں کو پکڑ لیا وہ پرندہ آ کر تڑپنے لگا۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اس پرندہ کو اس کے بچے کی وجہ سے کسی نے پریشان کیا ہے۔ ان کے بچے اس کو واپس کرو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم

دیکھا کہ ہم نے چیونٹیوں کی ایک بستی کو جلا دیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

ان کو کس نے جلایا ہے۔

ہم نے کہا:

ہم نے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

آگ کے رب کے سوا کسی کے لئے آگ سے عذاب دینا جائز نہیں ہے۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 6268)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے مل جل کر رہتے تھے حتیٰ کہ میرے چھوٹے بھائی سے فرماتے تھے۔

اے ابوعمیر اس نغیر (بلبل) نے کیا کیا۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 333)

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سفید میرا دوست ہے اور اللہ عزوجل کے دشمنوں کا دشمن اپنے مالک کے گھر کی سات گھروں تک حفاظت کرتا ہے۔

(الجامع الصغیر: رقم الحدیث: 4293)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ سفید مرغ جس کی کلغی شاخ در شاخ ہو میرا دوست ہے اور میرے دوست کا دوست ہے۔ جبرائیل علیہ السلام اس گھر کی اور اس کے پڑوس کے سولہ گھروں کی حفاظت کرتا ہے۔

چار دائیں

چار بائیں

چار آگے

اور چار پیچھے

(الجامع الصغیر: رقم الحدیث: 4294)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

مرغ نماز کی اذان دیتا ہے جس نے سفید مرغ رکھا اس کی تین چیزوں سے حفاظت کی جائے گی۔

ہر شیطان سے

جادوگر سے

اور کاہن سے

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 5177)

یہ احادیث مبارکہ پرندوں کے متعلق تھیں کہ پرندے بھی انبیاء کرام علیہم السلام سے بات کرتے تھے۔

اب جانوروں کے متعلق ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہرنی کے پاس سے گزرے جو ایک خیمہ میں بندھی ہوئی تھی۔

اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کھول دیجئے تا کہ میں اپنے بچوں کو دودھ پلا آؤں۔ میں پھر واپس آ جاؤں گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کو ایک قوم نے شکار کیا ہے اور اس نے اس کو باندھا ہوا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہرنی سے حلف لیا اور اس کو کھول دیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو باندھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد خیمے والے آ گئے

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کو مجھے ہبہ کر دو۔

انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کھول دیا۔

ایک اور روایت حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے ہے۔

اس کے آخر میں ہے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کہا:

پس میں نے دیکھا وہ جنگل میں اونچی آواز سے کہتی ہوئی جا رہی تھی۔

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

(دلائل النبوۃ للبیہقی: ج:6، ص:34 تا 35)

حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک اونٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن کی طرف بڑھ کر بڑبڑا رہا تھا۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اس اونٹ کے مالک کو بلاؤ۔ جب وہ آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ کہہ رہا ہے کہ میں ان کے ہاں پیدا ہوا انہوں نے مجھ سے خوب کام لیا۔ اب میں جب بوڑھا ہو گیا ہوں تو یہ مجھے ذبح کرنا چاہتا ہے۔
اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اس دنیا میں ہر چیز کو علم ہے کہ میں اللہ عزوجل کا رسول ہوں سوا فاسق جن اور ان سکے۔
(المعجم الکبیر: ج:22، ص:261 تا 262)
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انصار اور مہاجرین کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک اونٹ نے آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا۔
(دلائل النبوۃ لابی نعیم: ج:2، ص:381) (رقم الحدیث:278)
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے ایک باغ میں داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور انصار علیہم الرضوان تھے۔ باغ میں ایک بکری تھی اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا۔
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس بکری کی بہ نسبت ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنے کے زیادہ مستحق ہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میری امت میں سے کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کو سجدہ کرے اور اگر کسی کے لئے سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔
(دلائل النبوۃ لابی نعیم: ج:2، ص:379 رقم الحدیث:276)

جنوں سے کلام

یعلی بن مرہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں تین چیزیں دیکھی ہیں جن کو مجھ سے پہلے کسی نے نہیں دیکھا۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کے راستے میں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت اور اس کے بیٹے کے پاس سے گزرے اس کے بیٹے پر جنون کی کیفیت تھی۔ میں نے اس سے زیادہ جنون کی

میں نہیں دیکھا۔

اس عورت نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے بیٹے کی حالت دیکھ رہے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

اگر تم چاہو تو میں اس کے لئے دعا کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے دعا کی پھر وہاں سے تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک اونٹ گزرا وہ اپنی گردن دراز کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑبڑارہا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

اس اونٹ کے مالک کو لاؤ وہ آیا تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

یہ اونٹ کہہ رہا ہے میں ان کے گھر میں پیدا ہوا اور یہ مجھ سے کام لیتے ہیں حتیٰ کہ اب جب میں بوڑھا ہو گیا ہوں تو یہ مجھے ذبح کرنے کا ارادہ کررہے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے چلے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو الگ الگ درخت دیکھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا

ان درختوں سے جا کر کہو کہ آپس میں مل جائیں وہ درخت مل گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضاحاجت کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

ان درختوں سے کہو پھر الگ الگ ہو جائیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔ جب واپس اس کے بچے کے پاس سے لوٹے تو وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اور اس کی ماں نے چھ مینڈھے مہیا کئے تھے جس سے دو مینڈھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ کئے۔

اور کہنے لگی کہ

اس کے بچہ کو پھر جنون نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

کافر جنات اور انسانوں کے سوا ہر چیز کو علم ہے کہ میں اللہ عزوجل کا رسول ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم)

(المعجم الکبیر: ج:22،ص: 261 تا 262 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن ایک درخت یا کھجور کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے۔

انصار کی کسی عورت یا مرد نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے منبر نہ بنا دیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اگر تم چاہو۔
انہوں نے منبر بنا دیا۔ جب جمعہ کا دن آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر کی طرف گئے تو وہ کھجور کا تنا بچے کی طرح زور زور سے رونے لگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر سے اتر کر اس کو اپنے ساتھ لپٹایا تو وہ سسکیاں لینے لگا پھر پرسکون ہو گیا۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3584)
امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اور روایت میں ہے۔
وہ کھجور کا تنا اس طرح چلا رہا تھا جیسے دس ماہ کی حاملہ اونٹنی اپنے بچے کے فراق میں چلاتی ہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا ہاتھ رکھا تو وہ پرسکون ہو گیا۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3585)
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھ گئے تو وہ کھجور کا تنا بیل کی طرح آواز نکال کر چلا رہا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق کے غم کی وجہ سے اس کی آواز میں سرزنش تھی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور اس کو لپٹایا وہ پرسکون ہو گیا۔
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اگر میں اس کو نہ لپٹاتا تو وہ قیامت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غم میں روتا رہتا پھر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے زمین میں دفن کر دیا گیا۔
امام بزار نے اپنی سند کے ساتھ حسن سے روایت کیا ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے ساتھ چمٹایا تو وہ پرسکون ہو گیا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اگر میں اس کو نہ چمٹاتا تو یہ قیامت تک روتا رہتا۔
امام بغوی نے اس حدیث کو حسن سے روایت کر کے کہا
حسن جب اس حدیث کو بیان کرتے تو روتے
اور کہتے
اے اللہ عزوجل کے بندو! درخت کا تنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق میں روتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا مقام ہے تو تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا شوق رکھنے کے زیادہ حق دار ہو۔
(البدایہ والنہایہ ج:4، ص:518 تا 519 دار الفکر بیروت طبع جدید)

امام ابونعیم اصفہانی متوفی 430ھ نے متعدد اسانید کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو روایت کیا۔
جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ اگر میں اس کو اپنے ساتھ نہ لپٹاتا تو یہ قیامت تک روتا اور چلاتا رہتا۔
(دلائل النبوۃ لابی نعیم: رقم الحدیث 305)

نیز حافظ ابونعیم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخت کے ستون سے ارشاد فرمایا
تو پرسکون ہو جا۔
پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ارشاد فرمایا
یہ میری محبت میں رو رہا ہے۔
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا
تو پرسکون ہو جا اگر تو چاہے تو میں تجھ کو جنت میں اگا دوں گا تیرا پھل نیک لوگ کھائیں گے اور اگر تو چاہے تو میں تجھے دنیا میں پہلے کی طرح تروتازہ درخت اگا دوں گا تو اس درخت نے آخرت کو دنیا پر اختیار کر لیا۔
(دلائل النبوۃ لابی نعیم: رقم الحدیث: 306)

آخر میں چند احادیث مبارکہ عرض کرتا ہوں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کلام پر دال ہیں۔
حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ہم ایک سفر میں تھے۔ درختوں کے پاس سے گزر رہا۔ ایک شخص ان میں گیا اور سرخ پرندہ کے انڈے نکال لایا۔ وہ سرخ پرندے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اوپر اپنے بازو پھیلانے لگے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ان کے انڈے کس نے جمع کیے ہیں۔
ایک شخص نے کہا:
میں نے ان کے انڈے لئے ہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پرندوں پر رحمت فرماتے ہوئے فرمایا۔
ان کے انڈے واپس کرو۔
(دلائل النبوۃ للبیہقی ج:6،ص:32)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ہمارا ایک درخت کے پاس سے گزر ہوا۔ اس میں سرخ پرندہ کے دو چوزے تھے ہم نے وہ اٹھا لئے۔

وہ سرخ پرندہ آ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنے لگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان کو واپس رکھ دو۔ سو ہم نے ان کو واپس رکھ دیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:5268)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہدہد سے کلام فرمانا

امام ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت سلیمان حج کرنے کے بعد حرم شریف سے واپس آئے تو زوال کے وقت یمن کے مقام صنعاء میں پہنچے۔ یہ جگہ حرم سے ایک ماہ کی مسافت پر تھی ان کو وہ جگہ اچھی لگی۔ انہوں نے کھانے اور نماز پڑھنے کے لئے وہاں اترنے کا قصد کیا جب وہ تخت سے اس جگہ پر اتر گئے

تو ہدہد نے دل میں کہا

حضرت سلیمان علیہ السلام تو اس جگہ کی سیر میں مشغول ہیں میں اڑ کر فضا میں گھومتا ہوں۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا تو اس کو بلقیس کا باغ نظر آیا وہ اس کے سبزہ اور پھلوں کی طرف مائل ہوا وہ اس باغ میں اتر گیا۔ وہاں بھی اس نے ایک ہدہد کو دیکھا۔

''حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہدہد کا نام یعفور تھا۔''

''اور یمن کے ہدہد کا نام یعفیر تھا''

پس یمن کے یعفیر نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے یعفور سے کہا۔

تم کہاں سے آئے ہو اور کہاں کا ارادہ ہے۔

اس نے کہا:

میں اپنے بادشاہ سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے ساتھ یمن میں آیا ہوں۔

اس نے پوچھا:

سلیمان (علیہ السلام) کون ہیں۔

اس نے کہا:

وہ جن وانس اور شیاطین اور پرندوں اور وحشی جانوروں اور ہواؤں کے بادشاہ ہیں۔

پھر اس سے پوچھا کہ

تم کہاں کے رہنے والے ہو

اس نے کہا:

میں اس ملک کا رہنے والا ہوں۔
یعفور نے پوچھا:
اس ملک کا بادشاہ کون ہے؟
اس نے کہا:
ایک عورت ہے جس کا نام بلقیس ہے اور بے شک تمہارا مالک بہت بڑا بادشاہ ہے لیکن بلقیس کا ملک بھی اس سے کم نہیں ہے اور وہ پورے ملک یمن کی ملکہ ہے اور اس کے ماتحت بارہ ہزار سردار ہیں اور ہر سردار کے تحت ایک لاکھ جنگ جو ہیں۔
کیا تم میرے ساتھ چلو گے تاکہ میں تمہیں اس کا ملک دکھاؤں۔
یعفور نے کہا:
مجھے خدشہ ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جب پانی کی ضرورت ہوگی تو وہ مجھے تلاش کریں گے کیونکہ میں ان کو پانی کی طرف رہنمائی کرتا ہوں۔
یمانی ہدہد نے کہا:
جب تم اپنے بادشاہ کے پاس اس ملک کی خبر لے کر جاؤ گے تو وہ خوش ہوگا۔
پھر یعفور اس کے ساتھ چلا گیا اور بلقیس اور اس کے ملک کو دیکھا پھر ہدہد عصر کے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچا ادھر حضرت سلیمان علیہ السلام نماز کے وقت تخت سے اترے اس جگہ پانی نہیں تھا۔
آپ علیہ السلام نے انسان، جنات وشیاطین سے پانی کے متعلق سوال کیا تو ان کو معلوم نہیں تھا۔
پھر آپ علیہ السلام نے پرندوں کی تفتیش کی تو ہدہد کو غیر حاضر پایا۔
آپ علیہ السلام نے پرندوں کے تلاش کرنے والے کو بلایا وہ گدھ تھا اس سے ہدہد کے متعلق سوال کیا۔
اس نے کہا:
اللہ عزوجل آپ علیہ السلام کے ملک کو سلامت رکھے مجھے معلوم نہیں وہ کہاں ہے۔
حضرت سلیمان علیہ السلام غضبناک ہوئے اور ارشاد فرمایا
میں اس کو ضرور سزا دوں گا یا اس کو ذبح کر دوں گا۔
پھر پرندوں کے سردار عقاب کو بلایا
اور اس سے فرمایا
ابھی ہدہد کو لاکر حاضر کرو۔
عقاب ہوا میں بلند ہوا اور دائیں بائیں نظر ڈالی تو ہدہد یمن کی طرف سے آ رہا تھا۔ عقاب اس پر حملہ کرنے کے لئے

ہدہد نے اس کو قسم دی کہ اس ذات کی قسم جس نے تجھ کو مجھ پر یہ قدرت دی ہے۔

''مجھ پر حملہ نہ کر۔''

عقاب نے اس کو چھوڑ دیا

اور کہا

تجھ پر افسوس ہے تجھ پر تیری ماں روئے۔ اللہ عزوجل کے نبی نے یہ قسم کھائی ہے کہ وہ تجھے کو ضرور سزا دیں گے یا ذبح کر دیں گے۔

ہدہد نے پوچھا:

آیا اللہ عزوجل کے نبی نے قسم کے ساتھ کوئی استثناء بھی کیا ہے یا نہیں۔

تو اس کو بتایا کہ

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ

ورنہ وہ اس کی (یعنی غیر حاضری کی) صاف صاف وجہ بیان کرے۔

ہدہد نے کہا:

اب میری نجات ہو جائے گی۔

پھر عقاب اور ہدہد حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔

عقاب نے کہا:

میں نے ہدہد کو حاضر کر دیا ہے۔

ہدہد نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور اپنی دم اوپر جھکا دیئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے پوچھا:

تم کہاں تھے۔ میں تم کو سزا دوں گا۔

ہدہد نے کہا:

اے اللہ عزوجل کے نبی علیہ السلام! آپ علیہ السلام وہ وقت یاد کیجئے جب آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

حضرت سلیمان یہ سن کر کانپنے لگے اور اس کو معاف کر دیا۔

پھر اس سے تاخیر کا سبب پوچھا

تو اس نے کہا:

میں نے اس جگہ کا احاطہ کرلیا ہے جس کا آپ علیہ السلام نے احاطہ نہیں کیا۔ میں آپ علیہ السلام کے پاس (ملک) سب کی ایک یقینی خبر لایا ہوں۔

میں نے دیکھا کہ

ان پر ایک عورت حکومت کررہی ہے اور اس کو ہر چیز سے دیا گیا ہے اور اس کا بہت بڑا تخت ہے۔

(معالم التنزیل ج:3،ص:498 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشری متوفی 538ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ہدہد کو اس کلام کا الہام کیا تھا جو اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے روبرو کیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو

نبوت

علوم وافرہ

اور بہ کثرت معلومات کے احاطہ کی فضیلت دی گئی ہے اس کے باوجود ان کی آزمائش کے لئے ان کو اس کا علم نہیں دیا گیا اور ایک ادنیٰ اور کمزور ترین مخلوق نے ان چیزوں کے علم کا احاطہ کرلیا جن کا حضرت سلیمان علیہ السلام کے علم نے احاطہ نہیں کیا تھا اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت سلیمان علیہ السلام پر انعام تھا تا کہ وہ باوجود اپنے عظیم علوم کے منکسر اور متواضع رہیں اور ان کے دل میں اپنے علوم کی برتری اور تفاخر کا معمولی سا شائبہ بھی پیدا نہ ہو اور کسی چیز کے علم کے احاطہ کا معنی یہ ہے کہ اس کی تمام معلوم ہوں اور اس کا کوئی گوشہ مخفی نہ رہے۔

مفسرین نے کہا ہے:

اس آیت میں (نمل 20 تا 33) رافضیوں کے اس قول کا بطلان ہے کہ امام سے کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی اور اس کے زمانہ میں اس سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں ہوتا۔

(الکشاف: ج:3،ص:364 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ زمخشری کا رد اور اس کی صحیح توجیہ

ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے اپنے علم کا اظہار کیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے علم کی نفی کی یہ بظاہر ہدہد کی اللہ عزوجل کے نبی علیہ السلام کے سامنے جسارت اور بے ادبی ہے۔

علامہ زمخشری اور ان کے متبعین نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ ہدہد کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اس قول کا الہام اس لئے کیا تا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے عظیم علوم پر فخر نہ کریں لیکن دیگر مفسرین نے اس توجیہ سے اختلاف کیا ہے۔

علامہ ابوالسعو د محمد بن محمد مصطفیٰ العمادی الحنفی متوفی 982ھ لکھتے ہیں۔

ہدہد نے جو کہا تھا کہ میں نے اس چیز کا احاطہ کرلیا ہے جس کا آپ علیہ السلام نے احاطہ نہیں کیا اور احاطہ کا معنی ہے کسی چیز کی جمیع جہالت سے معرفت ہو اس سے ہدہد کی یہ مراد نہیں تھی کہ اس نے حقائق علوم اور دقائق معارف کا احاطہ کرلیا ہے جو علماء اور حکماء کا خاصہ ہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے اس کا یہ کہنا دائرہ ادب سے تعدلی اور اپنی حد سے تجاوز ہو اور اس کا یہ کلام بے باکی اور گستاخی پر محمول کیا جائے اور اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے جو نفی کی تھی اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی بے ادبی اور توہین قرار دے دیا جائے اور پھر اس کی یہ توجیہ کی جائے کہ ہدہد نے جو کچھ کہا وہ اللہ تعالیٰ کے الہام سے کہا تھا تاکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو

نبوت

حکمت

علوم کثیرہ

اور معلومات وافرہ

کے احاطہ کی جو فضیلت دی گئی ہے اس کی وجہ سے ان کو تفاخر نہ ہو اور ان کو اس پر تنبیہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ادنیٰ اور ضعیف ترین مخلوق نے بھی اس چیز کے علم کا احاطہ کرلیا جس کا حضرت سلیمان علیہ السلام کے علم نے احاطہ نہیں کیا تاکہ حضرت سلیمان علیہ السلام متواضع اور منکسر رہیں بلکہ ہدہد کا اپنے اس قول سے یہ ارادہ تھا کہ ہدہد نے جس ملک سبا کو دیکھا ہے اس کو دیکھنا ان امور سے نہیں ہے جس کا احاطہ کرنا کوئی فضیلت ہو اور نہ اس سے غافل ہونا کوئی نقص ہے کیونکہ ملک سبا کا احاطہ کرنا تو صرف اس کے دیکھنے اور مشاہدہ کرنے پر موقوف ہے اور اس کے ادراک میں عقل والے اور بے عقل سب برابر ہیں اور ہدہد کو یہ معلوم تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملک سبا کا مشاہدہ نہیں کیا اور نہ انہوں نے کسی اور سے اس کی خبر سنی ہے۔ اس لئے ہدہد نے اس طریقہ سے یہ بات کہی تاکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک سبا کو دیکھنے کا شوق اور وہ اس کے غائب رہنے کا عذر اس لئے قبول کرلیں کہ وہ ان کو ایک نئی چیز دکھانے اور اس کی طرف راغب کرنے کے لئے غیر حاضر رہا تھا۔

(تفسیر ابوالسعود ج:5،ص:78 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ اسماعیل حقی متوفی 1137ھ لکھتے ہیں:

ملک سبا کو نہ دیکھنا حضرت سلیمان علیہ السلام کی شان میں کسی کمی کا موجب نہیں ہے کیونکہ جو علم نبوت میں نافع اور مفید ہو وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شان کے لائق نہیں ہے۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ دعا کی ہے۔

اعوذبك من علم لا ينفع (صحيح مسلم: رقم الحديث: 2722)

جو علم غیر نافع ہو میں اس سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

بعض علماء نے یہ کہا کہ

حضرت سلیمان علیہ السلام صنعا میں پہنچ چکے تھے اور وہاں سے ملک سبا صرف تین دن کی مسافت یا تین فرسخ کے فاصلہ تھا اس کے باوجود کسی مصلحت اور حکمت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ملک سب آپ علیہ السلام سے مخفی رکھا۔

جیسے

حضرت یعقوب علیہ السلام سے حضرت یوسف علیہ السلام کی جگہ مخفی رکھی تھی۔

(روح البیان: ج:6،ص:434 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ آلوسی حنفی متوفی 1270ھ نے اسی دلیل سے علامہ زمخشری کا رد کیا جو علامہ ابن سعود نے بیان کی ہے کہ ملک سبا کو دیکھنے میں کوئی فضیلت نہیں تھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام تواضع اور انکسار پر راغب کرنے کے لئے ہدہد کا قول کیسے ہوسکتا ہے جبکہ اس سے متصل پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس دعا کا ذکر فرمایا ہے۔

اے میرے رب عزوجل! تو نے مجھے اور میرے والد کو جو نعمتیں عطا کی ہیں مجھے ان کا شکر ادا کرتے رہنے پر قائم رکھ اور تو مجھے ان نیک اعمال پر قائم رکھ جس سے تو راضی ہے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لے۔(النمل:19)

(روح المعانی ج:19،ص:278 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

انبیاء کرام علیہم السلام کو علم غیب حاصل ہوتا ہے جن کی کثرت کے ساتھ دلیلیں ملتی ہیں۔

چنانچہ

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ نے لکھا ہے۔

یعنی مجھے اس چیز کا علم ہو گیا جس کا آپ کو علم نہیں ہے۔ اس آیت میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو غیب کا علم ہوتا ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن ج:13،ص:168 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ

اس آیت میں ان لوگوں کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو کل غیوب کا علم ہوتا ہے اور ان سے کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی سالبہ جزئیہ موجبہ کلیہ کی نقیض ہوتی ہے اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو بعض غیوب کا علم نہیں تھا تو معلوم ہوا ان کو کل غیوب کا علم نہیں تھا کیونکہ علامہ قرطبی اس کے قائل ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ جتنا چاہتا ہے غیب کا علم عطا فرماتا ہے۔

الجن: 26 تا 27 کی تفسیر میں علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

اولیٰ یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ اپنے غیب کو صرف اس پر ظاہر فرماتا ہے جس کو وہ نبوت کے لئے چن لیتا ہے پھر وہ اس کو جس قدر چاہتا ہے غیب پر مطلع فرماتا ہے تاکہ یہ علم غیب اس کی نبوت پر دلالت کرے۔

علماء کرام رحمہم اللہ نے کہا:

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے عالم الغیب ہونے سے اپنی مدح فرمائی اور علم غیب کو اپنے ساتھ خاص کرلیا تو اس میں یہ دلیل تھی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو غیب کا علم نہیں ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے ان کا استثناء کرلیا جن کو اس نے اپنی رسالت کے لئے چن لیا اور بذریعہ وحی ان کو غیب عطا فرمایا اور اس علم غیب کو ان کے لئے معجزہ اور ان کی نبوت کے صدق کی دلیل بنایا۔

(الجامع الاحکام القرآن جز:19، ص:26 تا 27 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس سے ثابت ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملک سبا کو نہ جاننا کسی حکمت کے تحت پوشیدہ تھا۔

بہرحال ہمارا مقصود یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام پرندوں سے بھی کلام فرماتے ہیں۔

پتھروں کا سلام کرنا

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ خوائی مکہ مکرمہ میں نکلا تو کوئی درخت اور پتھر ایسا نہ تھا جو یہ نہ کہتا ہو۔

السلام علیک یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

ترجمہ: اے اللہ عزوجل کے رسول آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر سلام ہو۔

(مشکوۃ المصابیح: ص:540)

جس راستے سے گزر میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوا
اس راستے سے بھی درودوں کی آوازیں آئیں۔
(صلی اللہ علیہ وسلم)۔

ان تمام حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام جانوروں پرندوں اور درختوں سے بھی کلام فرماتے تھے تو یہ کہنا کیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسی قوت گویائی وسمائی عطا فرمائی کہ انبیاء کرام علیہم السلام انسانوں سے کیا بے جان چیزوں کو دیکھ کر ان سے کلام فرماتے اور ان کی فریاد رسی سنتے تھے۔

اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین بجاہ النبی الامین وصلی اللہ علیہ وسلم)

انبیاء کرام علیہم السلام نے جنت اور صالح ہونے کی دعا کیوں کی؟

علامہ زمخشری متوفی 538ھ نے کہا:
حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا میں جو یہ کہا کہ
اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کرلے۔
اس کا معنی ہے۔
مجھے اہل جنت سے کردے۔
(الکشاف ج:3،ص:362 دار احیاء التراث العربی)
اور علامہ اسماعیل حقی متوفی 1137ھ نے کہا:
یہاں مفعول مقدر ہے
یعنی
اپنی رحمت سے مجھے جنت میں داخل کردے۔
اور ان دونوں توجیہات کی وجہ یہ ہے کہ
حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب میں یہ کہا کہ مجھے اعمال صالحہ کی توفیق دے تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ مجھے اپنے صالح بندوں میں داخل کرلے کیونکہ جو اعمال صالح کرے گا وہ صالح بندہ ہی ہوگا۔
اس کا علامہ زمخشری نے یہ جواب دیا کہ
اس کا معنی یہ ہے کہ
مجھے اہل جنت سے کردیتا کہ اس آیت میں تکرار لازم نہ آئے اور جب اعمال صالحہ کی طلب کے بعد جنت کی طلب کی
گویا اعمال صالحہ پر دوام کو طلب کیا کیونکہ صرف اعمال صالحہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اعمال صالحہ دائمی بھی ہوں۔
نیز
اعمال صالحہ کے بعد جنت کی دعا کرکے یہ بتایا کہ کسی شخص کا اعمال صالحہ سے متصف ہونا اس کے جنتی ہونے کو مستلزم

ہے اور نہ جنتی ہونے کے لئے کافی ہے کیونکہ جنت تو صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ملتی ہے۔
حدیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا۔
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اور نہ مجھے سوا اس کے کہ اللہ عزوجل مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2816)
اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو دعا میں کہا
اپنی رحمت سے مجھے داخل کر دے اس میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔
قرآن مجید کی بعض آیتوں میں ہے۔
أُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ○ (الاعراف: 43)(الزخرف: 72)
تمہیں اپنے عملوں کی وجہ سے جنتوں کا وارث بنایا گیا ہے۔
اس کی وجہ یہ ہے کہ
جنت میں دخول کا ظاہری سبب نیک اعمال ہیں اور حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہو تو انسان اعمال نہیں کر سکتا۔ اُن آیات کریمہ میں دخول جنت کا ظاہری سبب کا ذکر فرمایا ہے۔
اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس دعا میں اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارکہ میں دخول جنت حقیقی سبب کا ذکر فرمایا ہے۔
حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو دخول جنت کی دعا کی ہے اس میں اپنے جد کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر کیا۔
کیونکہ آپ علیہ السلام نے بھی دخول جنت کی دعا کی تھی۔
قرآن مجید میں ہے:
وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ○ (الشعراء: 85)

اور مجھے نعمت والی جنتوں کے وارثوں میں سے بنا دے۔

نیز

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو دعا کی

مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرمادے۔

یعنی

جب ان نیک بندوں کا ذکر کیا جائے تو میرا بھی ذکر کیا جائے گویا مجھے ایسے اعمال صالحہ عطا فرما کر ان اعمال صالحہ کی بناپر بعد کے لوگ میرا شمار صالحین میں کریں کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر عمل صالح کرنے والے کا شمار صالحین میں کیا جائے۔ ہزاروں لوگ نیک عمل کرتے ہیں لیکن ان کا شمار صالحین میں نہیں کیا جاتا۔

مقصد یہ تھا کہ

بعد میں بھی آپ علیہ السلام کی ثناء جمیل اور تحسین ہوتی رہے اور اس دعا میں بھی آپ علیہ السلام نے اپنے جد کریم کی اتباع کی ہے۔

کیونکہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں کہا تھا۔

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ (الشعراء: 84)

''اور میرا ذکر خیر بعد کے لوگوں میں بھی باقی رکھ۔''

ایک اعتراض یہ ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کے درجات اولیاء اور صالحین کے درجات سے بلند ہوتے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام صالحین کے زمرہ اور ان کی جماعت میں دخول کی دعا کرتے تھے۔

دیکھو

حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا کی

تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (یوسف: 101)

مجھے اسلام پر وفات دینا اور صالحین کے ساتھ ملا دینا۔

اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی یہ دعا کی تھی

وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ (النمل: 19)

اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے صالح بندوں میں داخل فرمالے۔

علامہ القولی متوفی 727ھ نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ

صالح کامل وہ شخص ہے جو نہ معصیت کرے اور نہ معصیت کا ہم کرے (ہم سے مراد ہے عزم سے کم درجہ کا ارادہ جس میں غالب جانب فعل کرنے کی ہو اور مغلوب جانب فعل نہ کرنے کی ہو) اور یہ بہت بلند درجہ ہے۔

(تفسیر کبیر: ج:8،ص:549 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس جواب پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام نے جو صلاح کامل کے بلند درجہ کی دعا کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یہ درجہ حاصل نہیں تھا کیونکہ اس دعا سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کو یہ درجہ حاصل نہ ہو۔

جیسے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں دعا کی

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ (الفاتحہ: 5)

ہم کو سیدھا راستہ چلا۔

حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے راستے پر ہی چل رہے تھے تو اس دعا سے مقصود صراط مستقیم دوام اور اثبات کو طلب کرنا ہے یا اس میں مزید ترقی کو طلب کرنا ہے۔

اسی طرح

جب انبیاء کرام علیہم السلام صلاح کامل کو طلب کرتے ہیں تو ان کا مقصود صلاح کامل کے درجہ میں دوام اور ثبات کو طلب کرنا ہوتا ہے اور اس میں مزید ترقی کو طلب کرنا ہوتا ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ جو اولیاء اور صالحین ہوتے ہیں وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے صلاح کامل کے درجہ پر فائز نہیں ہوتے بلکہ اس سے کم درجہ پر ہوتے ہیں۔

یعنی

وہ بالعموم معصیت تو نہیں کرتے لیکن معصیت کے ''ہم'' سے محفوظ اور مامون نہیں ہوتے۔ سو انبیاء کرام علیہم السلام نے صلاح کامل کے درجہ کی دعا کی ہے اور یہ دیگر اولیاء اور صالحین کی صالحیت سے بلند درجہ ہے جس کو علامہ اقلمولی وغیرہ نے صلاح کامل سے تعبیر فرمایا ہے۔

اور علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی حنفی متوفی 1069ھ نے اس اعتراض کے جواب میں کہا ہے:

ہر چند کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا درجہ اولیاء اور صالحین سے بلند ہوتا ہے لیکن انبیاء کرام علیہم السلام نے جو یہ دعا کی کہ ہم کو صالحین کی جماعت میں داخل کردے تو یہ ان کی تواضع اور ان کا انکسار ہے۔

(عنایۃ القاضی: ج:7،ص:235 مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

اور علامہ آلوسی متوفی 1270ھ نے یہ کہا کہ
حضرت سلیمان علیہ السلام نے پہلے جو دعا میں کہا کہ
تو نے مجھے اور میرے والد کو جو نعمتیں عطا کی ہیں مجھے ان کا شکر ادا کرتے رہنے پر قائم رکھ اور مجھے ان نیک اعمال پر قائم رکھ جن سے تو راضی ہے۔
دعا کے اس حصہ میں یہ طلب کیا کہ
مجھے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کی توفیق دے کیونکہ صالحیت دونوں حقوق کی ادائیگی سے حاصل ہوتی ہے سو یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے۔
(روح المعانی ج:11 ص:271 موضحاً مطبوعہ دار الفکر بیروت)
حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو کہا
مجھے ان (نعمتوں) کا شکر ادا کرتے رہنے پر قائم رکھ اس سے ان کی مراد دل اور زبان سے شکر ادا کرنا ہے۔
اور انہوں نے جو فرمایا
اور مجھے ان نیک اعمال پر قائم رکھ۔
اس سے مراد جسم کے باقی اعضاء ظاہرہ سے شکر ادا کرنا ہے تاکہ شکر کامل ہو جائے۔
کیونکہ شکر کا معنی ہے۔
دل، زبان اور اعضاء ظاہرہ سے نعمت دینے والے کی تعظیم کرنا۔
بعض علماء نے کہا:
حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی دعا میں پہلے ایک خاص چیز کا سوال کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہیں۔ پھر عام چیز کا سوال کیا کہ وہ نیک عمل کریں پھر اعمال صالحہ کے ساتھ یہ قید بھی لگائی کہ وہ ایسے اعمال صالح ہوں جن سے تو راضی ہو۔
اور رضا سے مراد یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ ان اعمال صالحہ کو قبول فرمائے کیونکہ اعمال صالحہ کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو قبول بھی فرمائے۔
قرآن مجید میں ہے:
وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ
(المائدہ:27)
اور ان کو آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ حق کے ساتھ سنائیں جب ان دونوں نے قربانی کی تو ان میں سے ایک کی قربانی

قبول کی گئی اور دوسرے کی قربانی قبول نہیں کی گئی۔
ہابیل اور قابیل دونوں نے قربانی کی تھی۔ ہابیل کی قربانی قبول فرمائی گئی اور قابیل کی قربانی قبول نہیں کی گئی حالانکہ دونوں کے عمل صالح تھے۔

یہی وجہ ہے کہ
• انبیاء کرام علیہم السلام نیک عمل کرنے کے بعد اس کے قبول ہونے کی دعا کرتے تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۝
(البقرہ:127)

اور جب ابراہیم اور اسماعیل کعبہ کی بنیادیں اٹھارہے تھے اور دیواریں بلند کر رہے تھے۔ اے ہمارے رب تو ہم سے قبول فرما۔ بے شک تو ہی بہت سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔

نیز

حضرت سلیمان علیہ السلام نے شکر کی ادائیگی اور صالحیت پر قائم رہنے کی دعا کی اور آخر میں اپنے آباء کرام کے طریقہ کے مطابق جنت میں دخول کی دعا کی اور یہ دعائیں ان کے معصوم ہونے کے منافی نہیں ہیں بلکہ اس پر تنبیہ کرنے کے لئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی جلالت ذات سے ڈرتے رہنا چاہئے اور امت کے لئے یہ ہدایت ہے کہ وہ احسن طریقہ سے شریعت کی اتباع کرتی رہے اور طریقت کے پسندیدہ حال پر قائم رہے تاکہ حقیقت کے بلند مقام پر فائز ہو۔ حرام اور مکروہ کاموں سے حتی الوسع مجتنب رہے اور فرائض، واجبات اور سنن اور مستحبات پر ہمیشہ عامل رہے۔ یہ شریعت کی پابندی ہے۔ مشائخ کے بتائے ہوئے معمولات یا پھر نفلی عبادات کو انجام دیتا رہے۔ یہ طریقت پر عمل کرنا ہے اور اپنے دل میں معصیت کے زنگ کو لگنے نہ دے اور ہر قسم کے برے افکار سے اپنے دل و دماغ کو صاف اور پاک رکھے حتیٰ کہ اس کا آئینہ دل صیقل ہو جائے اور الوہی تجلیات کے عکس اور منطبع ہونے کے قابل ہو جائے یہ حقیقت ہے اور جو شخص شریعت پر عمل نہیں کرتا اور اپنے باطن کو پاک اور صاف نہیں کرتا وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ ہم اللہ عزوجل سے یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے پسندیدہ اعمال اور مرغوب احوال کی توفیق دے اور ہم کو زہد اور تقویٰ اور دیگر مستحسن امور سے مزین کر دے۔ بے شک وہی ہماری دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

میثاق میں انبیاء کرام علیہم السلام سے کون سا عہد لیا گیا

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا

مِنۡهُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًاۙ (الاحزاب: 7)

اور یاد کیجئے جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے اور ہم نے ان سے بہت پکا عہد لیا۔

تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے جو عہد لیا گیا اس کی حسب ذیل تفسیریں ہے۔

(1) تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے اللہ تعالیٰ نے یہ عہد لیا تھا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کی جو ذمہ داری سونپی ہے وہ اس کو پورا کریں اور بعض نبی دوسرے نبی انبیاء کرام علیہم السلام کو بشارت دیں اور بعض بعض کی تصدیق کریں۔

نیز فرمایا

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نواح اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ بن مریم سے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے ذکر میں ان پانچ انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر بھی آ گیا تھا لیکن ان کی خصوصیت اوران کے شرف کی وجہ سے ان کا علیحدہ ذکر کیا۔

اورایک قول یہ ہے:

ان کی خصوصیت اس وجہ سے ہے کہ یہ صاحب شریعت اور صاحب کتاب ہیں۔

اورایک قول یہ ہے:

یہ اولوالعزم رسولوں میں سے ہیں۔

(2) انبیاء کرام علیہم السلام سے جو عہد لیا گیا تھا اس کی تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان نصرت اور حمایت اور وراثت کی ممانعت کے حکم پر عمل کرانے کا عہد تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے لیا گیا اور بالخصوص ان پانچ اولوالعزم رسولوں سے بھی یہ عہد لیا گیا۔

(3) اس عہد کی تفسیر یہ بھی کی گئی:

انبیاء کرام علیہم السلام سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ ہر چند کہ ان کی شریعتیں مختلف ہوں گی لیکن وہ دین میں ایک دوسرے سے اختلاف نہ کریں۔

اور دین سے مراد

وہ اصول ہیں جو تمام انبیاء کرام علیہم السلام میں مشترک ہیں۔

مثلاً

انبیاء کرام علیہ السلام کی رسالت

فرشتوں پر ایمان لانا

کتابوں پر ایمان لانا

تقدیر پر ایمان لانا
قیامت پر ایمان لانا
مرنے کے بعد اٹھنے پر ایمان لانا
جزا پر ایمان لانا
سزا پر ایمان لانا
اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا واجب ہونا
اللہ تعالیٰ کی عبادت کا واجب ہونا
اور اس کی معصیت کا حرام ہونا

اور شریعت سے مراد وہ مخصوص اور جزوی طریقے ہیں جو نبی علیہ السلام نے اپنے اپنے زمانہ کے تقاضوں کے لحاظ سے مقرر کیے ہیں۔

جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (الشوری: 13)

اللہ نے تمہارے لئے اسی دین کو مقرر کیا ہے جس کی نوح کو وصیت کی تھی اور جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور جس کی ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو وصیت کی تھی کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں اختلاف نہ کرنا۔

حضرت مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا

واو صيناك يا محمد و اياه دينا واحداً

ترجمہ: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کو اور نوح کو ایک ہی دین کی وصیت کی ہے۔

(صحیح البخاری کتاب الایمان باب: 1)

سو انبیاء کرام علیہم السلام سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ ہر چند کہ ان کی شرائع مختلف ہوں گی لیکن ان سب کا دین واحد ہوگا وہ دین میں اختلاف نہ کریں۔

(4) اس عہد کی چوتھی تفسیر یہ ہے کہ

تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد مبارک کا اعلان کریں اور ان کی بشارت دیں اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے زمانہ میں مبعوث ہوں تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت اور حمایت کریں اور سب انبیاء کرام علیہم السلام دنیا والوں کو بتائیں کہ ان کے بعد ایک عظیم الشان نبی آنے

والا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عہد لیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتائیں کہ
میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔
جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔
قرآن مجید میں ہے:
وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ○ فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ○
(آل عمران:81تا82)
اور (اے محبوب) یاد کیجئے جب اللہ نے تمام نبیوں سے پختہ عہد لیا کہ میں تم کو جو کتاب اور حکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ عظیم رسول آجائیں جو اس چیز کی تصدیق کرنے والے ہوں جو تمہارے پاس ہے تو تم ان پر ضرور ضرور ایمان لانا اور ضرور بہ ضرور ان کی مدد کرنا۔ فرمایا، کیا تم نے اقرار کر لیا اور میرے اس بھاری عہد کو قبول کر لیا۔ انہوں نے کہا: ہم نے اقرار کر لیا۔ فرمایا پس گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔ پھر اس کے بعد جو عہد سے پھرا سو وہی لوگ نافرمان ہیں۔
امام محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔
حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر بعد تک جس نبی کو بھیجا اس سے یہ عہد لیا گیا کہ اگر اس کی حیات میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں تو وہ ضرور بہ ضرور ان پر ایمان لائے گا اور ضرور بہ ضرور ان کی نصرت کرے گا اور پھر وہ اللہ کے حکم سے اپنی قوم سے یہ عہد لیا تھا۔
(جامع البیان: جز:3،ص:450 دارالفکر بیروت)
حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
بے شک (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) اگر تمہارے سامنے زندہ ہوتے تو میری اتباع کرنے کے سوا ان کے لئے کوئی چارہ کار نہ تھا۔
(مسند احمد: ج:3،ص:338)
حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔
(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2219)
ان آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ سے واضح ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد میثاق لیا گیا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا اللہ تعالیٰ سے ڈرنا

انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور نہ ان پر کوئی خوف وغم ہوتا ہے بلکہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل میں معروف رہتے ہیں۔
انبیاء کرام علیہم السلام کا اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے متعلق یہ آیت کریمہ ہے۔
قرآن مجید سورہ احزاب میں ہے۔
الَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ وَیَخْشَوْنَہٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ ط وَکَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیْبًا٥
(احزاب: 39)
جولوگ اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا اور کسی سے نہیں ڈرتے اور اللہ حساب لینے کے لئے کافی ہے۔
انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے عتاب سے ڈرتے ہیں یعنی ان سے کوئی ایسا کام نہ ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کی منشاء کے خلاف ہو اور وہ اس پر عتاب فرمائے یعنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمائے۔
اور فرمایا
جولوگ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔
حالانکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی غیر سے ڈرتے رہے ہیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اژدھا بن گئی اور وہ اس سے خوف زدہ ہوئے۔
تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا
خُذْھَا وَلَا تَخَفْ (طہ: 20)
"آپ اس اژدھا کو پکڑ لیجئے اور اس سے مت ڈریئے۔"
اور اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:
وَاَخَافُ اَنْ یَّاْکُلَہُ الذِّئْبُ (یوسف: 13)
اور مجھے خوف ہے کہ اس کو بھیڑیا کھا لے گا۔
اس کا جواب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ

ان کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کے حکم کے بغیر انہیں کوئی چیز ضرر اور نقصان نہیں پہنچا سکتی کیونکہ ان کو علم ہوتا ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے ہوتی ہے اور جن بعض واقعات میں ان کو غیر اللہ سے ڈر ہوا ان کو وہ ڈر بشری تقاضوں سے عارض ہوا۔

جیسے

ان کا سونا

کھانا

پینا

اور ازواج کے ساتھ مشغول ہونا

بشری تقاضوں سے تھا ورنہ ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب اور اس کی معرفت کا تقاضہ تو یہ تھا کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے مشاہدہ میں منہمک اور مستغرق رہتے اور اس کی یاد اور اس کے ذکر کے سوا اور کسی چیز کی طرف متوجہ نہ ہوتے۔

یہی وجہ ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دنیا میں صرف تین چیزوں کی محبت میرے دل میں ڈالی گئی ہے۔

(1) خوشبو

(2) عورت

(3) اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے۔

(سنن نسائی: رقم الحدیث: 3949)

اس کا معنی یہ ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو از خود عورت سے محبت نہیں تھی اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کو پورا فرمانے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں عورت کی محبت ڈال دی۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نکاح میری سنت ہے۔

اس لئے فقہاء نے کہا:

نفلی عبادات میں مشغول ہونے سے نکاح کرنا افضل ہے۔

نیز

بغیر عوائق اور موانع کے عبادت کرنے سے افضل یہ ہے کہ انسان کو عبادت سے روکنے کے عوارض اور موانع ہوں اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور جب انسان کے اوپر اہل وعیال کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں اور اس کے دل میں ان کی محبت ہوتی ہے تو پھر اس کے روبرو فرائض وواجبات کو ادا کرنا زیادہ لائق تعریف ہے۔ بہ نسبت مجرد انسان کے۔

اسی لئے فقہاء نے یہ کہا ہے:

نفلی عبادات میں مشغول ہونے کی بہ نسبت انسان کا نکاح کرنا افضل ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا جسمانی عیوب سے بری ہونا

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو ایذا رساں کلام کیا تھا اس کی مفسرین نے دو تقریریں کی ہیں۔

ایک یہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بنی اسرائیل برہنہ نہایا کرتے تھے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تنہائی میں غسل کرتے تھے۔

تو بنی اسرائیل آپس میں کہنے لگے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام جو ہمارے ساتھ مل کر غسل نہیں کرتے اس کی ضرور یہی وجہ ہے کہ ان کے خصیے غیر معمولی بڑے ہیں (یعنی ان میں جسمانی عیب ہے اس کو چھپانے کے لئے یہ تنہا غسل کرتے ہیں) ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام غسل کرنے کے لئے گئے اور اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے اور پتھر آپ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے یہ کہتے ہوئے دوڑے۔

اے پتھر! میرے کپڑے دو۔

حتیٰ کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ لیا۔

اور انہوں نے کہا:

اللہ کی قسم! حضرت موسیٰ علیہ السلام میں تو کوئی جسمانی عیب نہیں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پتھر سے اپنے کپڑے لے لئے اور اس پتھر پر لاٹھی سے ضرب لگائی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر کہا اس پتھر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ضرب سے متعدد نشانات پڑ گئے تھے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 278)

پتھر کے کپڑے لے کر بھاگنے والی حدیث میں یہ دلیل ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو صوری اور معنوی اور جسمانی اور روحانی طور پر کامل پیدا کیا اور ان کو جسمانی عیوب اور نقائص سے منزہ رکھا ہے۔

نیز اس حدیث مبارکہ سے یہ معلوم ہوا کہ

بنو اسرائیل نے جس عیب کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف نسبت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس عیب کی نسبت کو دور کر دیا

اور یہ کہ

اللہ تعالیٰ کو یہ گوارہ نہیں ہے کہ اس کے نبی کی طرف کسی جسمانی عیب اور موجب نفرت مرض کو منسوب کیا جائے اور اس میں ان لوگوں کا بھی رد ہے جو حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیڑے پڑنے کی اسرائیلی اور جھوٹی روایات کو بیان کرتے ہیں۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ

شرم گاہ کو چھپانے کا وجوب ہماری امت کی خصوصیت ہے کیونکہ بنی اسرائیل اکٹھے بے لباس ہو کر نہاتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو منع نہیں فرماتے تھے۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ

پتھروں میں بھی شعور ہوتا ہے کیونکہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

اے پتھر! میرے کپڑے دے۔

اور نبی کا کلام لغو نہیں ہو سکتا۔ پتھر کا کپڑے لے کر بھاگنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان سے کلام فرمانا اور اس کو لاٹھی مارنا اور اس میں لاٹھی کے نشانات پڑ جانا یہ سب امور خلاف عادت ہیں اور ان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کثیر معجزات ہیں۔

(2) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بنی اسرائیل نے دوسری اذیت رساں بات جو کہی تھی اس کی تفصیل یہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اِس آیت (الاحزاب:69) کی تفسیر میں فرمایا۔

حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہ السلام ایک پہاڑ پر چڑھے۔ حضرت ہارون علیہ السلام وہیں وفات پا گئے۔

تو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔

آپ علیہ السلام نے ان کو قتل کیا ہے اور وہ آپ (علیہ السلام) کی نسبت ہم سے زیادہ محبت کرنے والے تھے اور آپ علیہ السلام کی بہ نسبت زیادہ نرم مزاج تھے اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان باتوں سے اذیت پہنچائی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا۔

تو وہ حضرت ہارون علیہ السلام کا جسم اٹھا کر لائے اور ان کی موت کی خبر دی۔ تب بنی اسرائیل نے سمجھ لیا کہ ہارون علیہ السلام طبعی موت سے فوت ہوئے ہیں اور اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تہمت سے بری کر دیا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا ظاہری پردہ فرمانے کے بعد اپنی قبور سے باہر تشریف لانا

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام جب نماز پڑھتے تو اپنے سامنے ایک درخت اگا ہوا دیکھتے۔

آپ علیہ السلام اس سے پوچھتے؟

تیرا کیا نام ہے۔

وہ اپنا نام بتاتا۔

پھر آپ علیہ السلام اس سے پوچھتے

تم کس مقصد کے لئے ہو۔ اگر تم اگانے کے لئے ہو تو میں تمہیں اگاؤں اور اگر تم دوا کے لئے ہو تو میں لکھ لوں۔

ایک درخت نے آپ علیہ السلام کے سوال پر کہا

میں اس گھر کو ویران اور کھنڈر بنانے کے لئے ہوں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی کہ

اے اللہ عزوجل! جنات کو میری موت سے ناواقف رکھ حتیٰ کہ انسانوں کو معلوم ہو جائے کہ جنات کو غیب کا علم نہیں ہوتا۔ پھر آپ علیہ السلام عصا کے سہارے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اور اسی حال میں آپ علیہ السلام پر موت آ گئی اور ایک سال تک اسی حال میں بے جان عصا کے سہارے کھڑے رہے اور جنات آپ علیہ السلام کو زندہ سمجھ کر اسی طرح کام میں مشغول رہے۔ ادھر دیمک اس عصا کو کھاتا رہا اور انسانوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ جنات کو غیب کا علم نہیں ہوتا کیونکہ اگر ان کو غیب کا علم ہوتا تو وہ ایک سال تک کام کی مشقت میں مبتلا نہ رہتے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: 21976)

حضرت سلیمان علیہ السلام عصا کے سہارے کھڑے ہوئے تھے اور اسی حال میں ان کی روح قبض کر لی گئی اور ایک سال تک جن اور انسان یہی گمان کرتے رہے کہ آپ علیہ السلام زندہ ہیں۔ آپ علیہ السلام کے جسم میں کوئی تغیر نہیں ہوا اور نہ چہرے

کی آب وتاب اور رعب وجلال میں کوئی فرق آیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات جسمانی ہوتی ہے اور موت سے ان کا جسم بوسیدہ نہیں ہوتا اور ان کی حیات اور موت میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

باقی رہا یہ کہ

وہ عصا کے سہارے کھڑے تھے اور جب دیمک نے ان کے عصا کو کھالیا تو وہ زمین پر آرہے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ

اللہ تعالیٰ نے ان کی تجہیز وتکفین کرائی تھی اور ان کی تدفین کرائی تھی اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ امور کیسے واقع ہوتے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور سے نکل کر زمین وآسمان کی طرف آتے جاتے ہیں اور تصرف کرتے ہیں۔

اس پر چند احادیث مبارکہ واضح ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی ارزق سے گزرے

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کون سی وادی ہے۔

لوگوں نے کہا:

یہ وادی ارزق ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

گویا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو ثنیہ (گھاٹی) سے اترتے ہوئے دیکھ رہا ہوں اور وہ بلند آواز سے تلبیہ (اللھم لبیک......) پڑھ رہے تھے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھاٹی ہرشی پر تشریف لائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

یہ کون سی گھاٹی ہے۔

لوگوں نے کہا:

یہ ہرشی گھاٹی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
گویا کہ میں یونس بن متی علیہ السلام کی طرف دیکھ رہا ہوں وہ ایک طاقت ور سرخ اونٹنی پر سوار ہیں جس کی نکیل کھجور کی چھال کی ہے۔انہوں نے ایک اونی جبہ پہنا ہوا ہے اور وہ اللھم لبیک کہہ رہے ہیں۔
(صحیح المسلم: رقم الحدیث:166)
حضرت عبداللہ بن عمر خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میں نے کعبہ کے پاس گندمی رنگ کا ایک شخص دیکھا جس کے بال سیدھے تھے اور ان سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے اس نے دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔
میں نے پوچھا:
یہ کون ہے؟
لوگوں نے کہا:
یہ حضرت عیسیٰ بن مریم یا مسیح بن مریم علیہ السلام ہیں۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث:171)

کفار کا انبیاء کرام علیہم السلام کو بدشگون اور منحوس کہنا اور اس پر عذاب نازل ہونا

کفار انبیاء کرام علیہم السلام کو بدشگون اور منحوس سمجھتے تھے۔اس پر آیت کریمہ واضح دلیل ہے۔
قرآن مجید میں ہے:
قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ○(یٰسین:18)
انہوں نے کہا: ہم تم کو بدفال سمجھتے ہیں اور اگر تم باز نہ آئے تو ہم تم کو سنگسار کر دیں گے اور ہماری طرف سے تم کو ضرور دردناک عذاب پہنچے گا۔
بستی والوں نے رسولوں کے وعظ اور تقدیر کے جواب میں کہا
ہم تو تم کو بدفال سمجھتے ہیں۔
ان کا مطلب یہ تھا کہ
تم ہمارے نزدیک ایک منحوس اور بے برکت ہو۔ہمیں تمہارے چہروں سے سعادت اور نیک بختی کے آثار نظر نہیں آئے۔
حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا
ان کے قول کا یہ معنی تھا کہ

اگر ہم پر کوئی مصیبت آئی تو وہ تمہاری وجہ سے آئے گی۔

حضرت مجاہد نے کہا:

ان کے قول کا یہ مطلب تھا کہ

جب بھی تم جیسا کوئی شخص بستی میں گیا تو اس کی وجہ سے اس بستی والوں پر عذاب آیا اور اگر تم باز نہ آئے تو ہم تم کو سزا دیں گے۔

رسولوں نے بستی والوں کے اس جواب کے بعد ان سے فرمایا۔

تم جس چیز کو ہماری نحوست کہہ رہے ہو اس کو عنقریب تم پر لوٹا دیا جائے گا۔ جس طرح اس بستی والوں کو منحوس اور بے برکت کہا تھا کفار اسی طرح انبیاء کرام رسل علیہم السلام کے متعلق تبصرے کیا کرتے تھے چنانچہ فرعون کی قوم نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق اسی طرح تبصرہ کیا تھا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ۗ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (الاعراف:131)

اور جب ان پر کوئی خوش حالی آتی تو کہتے یہ ہماری وجہ سے ہے اور جب ان پر کوئی مصیبت آتی تو اس کو موسیٰ اور ان کے اصحاب کی نحوست کہتے، سنو اللہ کے نزدیک صرف ان کی نحوست ہے لیکن ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۗ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ○ (النمل:47)

انہوں نے کہا: ہم تم کو اور تمہارے اصحاب کو بدفال قرار دیتے ہیں۔ صالح نے کہا: تمہاری بدحالی اللہ کے نزدیک ہے بلکہ فتنہ میں مبتلا ہو۔

اسی طرح

منافقین نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی کہا تھا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۗ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ○ (النساء: 78)

آپ کی طرف سے ہے۔ آپ فرمائیے کہ سب چیزیں اللہ کی طرف سے ہیں۔ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے یہ کسی بات کو سمجھنے کے قریب بھی نہیں آتے۔

انبیاء کرام علیہم نے فرمایا

بلکہ تم لوگ تو حد سے گزرنے والے ہو یعنی ہم نے تم کو نصیحت کی اور تم کو یہ حکم دیا کہ تم اللہ تعالیٰ کو واحد مانو اور اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت کرو تو تم نے ایسے سخت جواب دیئے اور ہم کو ڈرایا اور دھمکایا اور ہمارے متعلق یہ کہا کہ تم بدفال اور منحوس بلکہ تم حد سے بڑھنے والے ہو۔

قرآن مجید میں انبیاء کرام علیہم السلام کا جواب کفار کو یوں دیا گیا۔

قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ؕ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝ (یٰسین: 19)

رسولوں نے کہا: تمہاری بدفالی تمہارے ساتھ ہے۔ کیا تم نصیحت کرنے کو برا سمجھتے ہو بلکہ تم حد سے گزرنے والے ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر انبیاء کرام علیہم السلام کے مقدس دور میں ہر انبیاء کرام کو کفار ایسا ہی کہتے چلے آئے تھے۔ آخر کار ان لوگوں کو ہلاک کر دیا گیا۔

جیسا کہ

فرعون جابر تھا خدائی کا دعویٰ کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت ہارون علیہ السلام کو جھٹلایا اور ان کو اذیتیں پہنچائیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو سمندر میں تباہ و برباد کر کے سمندر کو قیامت تک کی عبرت کے لئے حکم دیا کہ ان کی لاش کو باہر پھینک دو تو اس جابر اور منکر خدا عزوجل کی ہلاکت یوں ہوئی اور ہمیشہ کے لئے عبرت ہی عبرت بن گئی۔

وحی عام ہے نبوت خاص

خیال رہے کہ وحی عام ہے نبوت خاص ہے۔ غیر تبلیغی غیر تشریعی وحی غیر نبی پر بھی آجاتی ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام سے شکل انسانی میں آکر کلام کیا۔ انہیں رب تعالیٰ کا پیغام پہنچایا کفار مکہ یا تو نبوت کا مطالبہ کرتے تھے یا صرف وحی کا مگر وحی ایمان لانے کی کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام پر یہ وحی لائیں گے کہ تم لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ مگر ان کے دونوں مطالبے ٹھکرا دیئے کہ وہ نہ تو خود نبوت کے لائق تھے نہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کوئی نبی ہو سکتا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ خاتم کے زمانہ میں دوسرا نبی کیسے ہو سکتا ہے۔ وحی ایمان اس لئے نہیں آسکتی کہ نبی پر ایمانی بالغیب چاہئے اگر ان پر وحی آجاتی کہ یہ نبی ہیں ان پر ایمان لاؤ تو ایمان بالغیب نہ رہتا۔ نیز ان کی زبان پر اعتبار کرنا ایمان کی اصل ہے نہ کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی زبان پر اعتبار کرنا۔ اگر حضرت جبرائیل علیہ السلام کے کہنے سے ایمان اختیار کیا جائے تو وہ ایمان نہیں۔ نبی کے ایمان اور امتی کے ایمان میں بڑا فرق ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 8، ص: 86 نعیمی کتب خانہ لاہور)

کوئی شخص انبیاء کرام علیہم السلام کے برابر نہیں ہوسکتا اگر خود کو مانے تو کافر ہے

کبھی غیر نبی، نبی کے افضل بلکہ نبی کے برابر نہیں ہوسکتا۔ جو کہے کہ فلاں بزرگ فلاں نبی سے افضل ہے یا اس کے برابر ہے وہ شیطان ہی کی طرح کافر ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:8،ص:356 نعیمی کتب خانہ لاہور)

انبیاء کرام علیہم السلام کا انکار اللہ تعالیٰ کا انکار ہے

دنیا میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے وعدے اللہ تعالیٰ ہی کے وعدے ہیں ان کا ماننا اللہ تعالیٰ کو ماننا ہے۔ ان کا انکار اللہ تعالیٰ کا انکار ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:8،ص:496 نعیمی کتب خانہ لاہور)

انبیاء کرام علیہم السلام کا دور کی چیز کو دیکھ لینا

انبیاء کرام علیہم السلام کی صفات میں یہ بھی شامل ہے کہ یہ مقدس حضرات دور کی چیز کو دیکھ لیتے ہیں اور اس کا مشاہدہ کر لیتے اور خبر دے دیتے ہیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں ارشاد فرمایا:

میں یہاں سے اپنا حوض کوثر دیکھ رہا ہوں جو کہے کہ دور کی بات سننا اور خبر دینا اللہ تعالیٰ کی ہی صفت ہے۔ بندوں میں صفات ماننا شرک ہے وہ جھوٹا ہے ان آیات واحادیث مبارکہ کا منکر ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:8،ص:496 نعیمی کتب خانہ لاہور)

انبیاء کرام علیہم السلام کی کسی چیز کا مذاق اڑانا کفر ہے

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے کسی وصف یا ان کی کسی چیز کا مذاق اڑانا کفر ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ (الاعراف: 75)

کیا تم جانتے ہو کہ صالح اپنے رب کی طرف سے رسول ہیں۔

کفار نے یہ سوال حضرت صالح علیہ السلام کا مذاق اڑانے کے لئے کیا تھا جسے اللہ تعالیٰ نے کفریات میں شمار فرمایا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:8،ص:621 نعیمی کتب خانہ لاہور)

مردوں سے خطاب کرنا سنت انبیاء کرام علیہم السلام ہے

مردوں سے خطاب کرنا سنت انبیاء کرام علیہم السلام ہے۔

دیکھو

حضرت صالح علیہ السلام نے مردہ کفار سے خطاب کیا۔ انہیں یا کہہ کر پکارا

قرآن مجید میں ہے:

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي (اعراف: 79)

تو صالح نے ان سے منہ پھیرا اور کہا اے میری قوم بے شک تمہیں اپنے رب کی رسالت پہنچادی۔

یہ کلام حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے اس وقت فرمایا جب ان پر عذاب نازل ہو گیا اور وہ اوندھے گر پڑے ۔تب آپ علیہ السلام نے ان سے کلام فرمایا۔ جب مردہ کفار کو پکارنا ان سے کلام کرنا درست بلکہ سنت انبیاء کرام علیہم السلام سے ثابت ہوا تو وفات یافتہ اولیاء کرام، شہداء کرام، انبیاء کرام علیہم السلام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا ان سے عرض معروض کرنا، ان سے اپنے دکھ درد کہنا ان سے شفاعت وغیرہ مانگنا بالکل جائز ہے کہ وہ حضرات تو زندہ ہیں لہٰذا یہ کہنا بالکل درست ہے

اسئلك الشفاعة يا رسول الله

اے اللہ عزوجل کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ سے شفاعت کی بھیک مانگتا ہوں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:8،ص:632 نعیمی کتب خانہ لاہور)

کو نام یا بشر یا بھائی وغیرہ کہنا حرام ہے

نبی جنس بشر میں آتے ہیں اور انسان ہی ہوتے ہیں، جن یا بشر یا فرشتہ نہیں ہوتے ۔ یہ دنیاوی احکام ہیں، ورنہ بشریت کی ابتداء آدم علیہ السلام سے ہوئی کیونکہ وہ بھی ابوالبشر ہیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نبی ہیں جبکہ آدم علیہ السلام آب و گل میں ہیں۔

خود ارشاد فرماتے ہیں۔

كنت نبيا و ادم بين الماء والطين

اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں بشر نہیں سب کچھ صحیح لیکن ان کو بشر یا انسان کہہ کر پکارنا یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا کہ اے ابراہیم (علیہ السلام) کے باپ یا اے بھائی باوا وغیرہ برابری کے الفاظ سے یاد کرنا حرام اور اگر اہانت کی نیت سے پکارا ہو تو کافر ہے۔

عالمگیری وغیرہ کتب فقہ میں ہے کہ

جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہذا الرجل یہ مرد کی اہانت سے کہے تو کافر ہے بلکہ یا رسول اللہ یا حبیب اللہ یا شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم عظمت کے کلمات سے یاد کرنا لازم ہے۔ شعراء جو اشعار میں یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھ دیتے ہیں وہ تنگی موقع ہے پڑھنے والے کو لازم ہے کہ صلی اللہ علیہ سلم کہہ لے۔

اسی طرح جو کہتے ہیں کہ

واہ کیا جودو کرم ہے شہ بطحیٰ تیرا

یہ تیرا انتہائی ناز کا کلمہ ہے۔ جیسے اے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے تیرے قربان اے ماں تو کہاں ہے۔

اے اللہ (عزوجل) تو ہم پر رحم فرما۔

اس تو اور تیرے کی حیثیت اور ہے۔

(1) قرآن کریم میں ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝ (سورہ نور: 63)

رسول کو پکارنے کو ایسا نہ ٹھہرالو جیسا کہ تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تم کو خبر نہ ہو۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا

وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝

(پارہ:26 آیت نمبر:2)

اور ان کے خصوصیات چلا کر نہ کہو جیسے ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تم کو خبر نہ ہو۔ ضبطی اعمال کفر کی وجہ سے ہوتی ہے۔

مدارج جلد اول وصل از جملہ رعایت حقوق اولیت میں ہے۔

نبی علیہ السلام کو ان کا نام پاک لے کر نہ بلاؤ جیسے بعض بعض کو بلاتے ہیں۔

بلکہ یوں کہو

یارسول اللہ! یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تو قیر وعزت کے ساتھ

تفسیر روح البیان زیر آیت لاتجعلوا ہے۔

معنی یہ ہیں کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا یا نام لینا ایسا نہ بناؤ جیسا کہ بعض بعض کو نام سے پکارتے ہیں۔

جیسے

یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور یا ابن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وغیرہ

لیکن ان کے عظمت والے القاب سے پکارو۔

جیسے

یا نبی اللہ، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جیسا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ، یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ

(تفسیر روح البیان: ج:6،ص:240 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

ان آیات قرآنیہ اور اقوال مفسرین سے معلوم ہوا کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب ہر حال میں ملحوظ رکھا جائے۔ نداء میں کلام میں ہر ادا میں دنیاوی عظمت والوں کو بھی ان کا نام لے کر نہیں پکارا جاتا۔

ماں کو والدہ صاحبہ

باپ کو والد ماجد

بھائی کو بھائی صاحب

(ان) جیسے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔

اگر کوئی

اپنی ماں کو باپ کی بیوی

یا

باپ کو ماں کا شوہر کہے

یا

اس کا نام لے کر پکارے

یا

اس کو بھیا وغیرہ کہے تو اگر چہ بات تو سچی ہے مگر بے ادب و گستاخ کہا جائے گا کہ برابری کے کلمات سے کیوں یاد کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو خلیفۃ اللہ الاعظم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نام سے پکارنا یا بھائی وغیرہ کہنا یقیناً حرام ہے گھر میں بہن بیوی ماں، بیٹی، سب ہی عورتیں ہیں مگر ان کے نام و کام و احکام جداگانہ جو ماں کو بیوی

یا

بیوی کو ماں

کہہ کر پکارے وہ بے ایمان ہی ہے اور جوان سب کو ایک نگاہ سے دیکھے وہ مردود ہے۔ ایسے ہی جو نبی علیہ السلام کو امتی یا

امتی کو نبی (علیہ السلام) کی طرح سمجھے وہ ملعون ہے۔
دیوبندیوں نے نبی کو امتی کا درجہ دیا ان کو پیشوا۔
مولوی اسماعیل نے سید احمد بریلوی کو نبی کے برابر کرسی دی۔
دیکھو
صراط المستقیم کا خاتمہ، معاذ اللہ
(3) رب تعالیٰ جس کو خاص درجہ عطا فرمائے اس کو عام القاب سے پکارنا اس کے ان مراتب عالیہ کا انکار کرنا ہے اگر دنیاوی سلطنت کی طرف سے کسی کو نواب یا خان بہادر کا خطاب ملے تو اس کو آدمی کا بچہ یا بھائی وغیرہ کہنا اور ان القاب کو یاد نہ کرنا جرم ہے کہ
اس کا مطلب تو یہ ہے کہ
تم حکومت کے عطا کیے ہوئے ان خطابات سے ناراض ہو تو جس ذات عالی کو رب عزوجل کی طرف سے نبی ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب ملے اس کو ان القاب کے علاوہ بھائی وغیرہ کہنا جرم ہے۔
(4) خود پروردگار عالم عزوجل نے قرآن مجید میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
یا
اخا مومنین
کہہ کر نہ پکارا بلکہ
يَاَيُّهَا النَّبِيُّ
يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ
يَاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ
يَاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ
وغیرہ وغیرہ پیارے القاب سے پکارا حالانکہ وہ رب عزوجل ہے تو ہم غلاموں کو کیا حق ہے کہ ان کو بشر یا بھائی کہہ کر پکاریں۔
قرآن مجید نے کفار مکہ کا یہ طریقہ بتایا ہے کہ
وہ انبیاء کرام علیہم السلام کو بشر کہتے تھے۔
قَالُوْا مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (پارہ: 22، سورہ: 32، آیت: 15)
کافر بولے نہیں ہو تم مگر ہم جیسے بشر

اور جگہ فرمایا گیا۔

وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ (پارہ: 18، سورہ: 36، آیت: 15)

اگر تم نے اپنے جیسے بشر کی پیروی کی تو تم نقصان والے ہو۔

اس قسم کی بہت سی آیات کریمہ ہیں۔

اسی طرح مساوات بتانا یا انبیاء کرام علیہم السلام کی شان گھٹانا طریقہ ابلیس ہے کہ

اس نے کہا:

خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ

ترجمہ: خدایا تو نے مجھے آگ سے اور ان کو مٹی سے پیدا فرمایا۔

مطلب یہ ہے کہ ان سے افضل ہوں۔ اسی طرح اب یہ کہنا کہ ہم میں اور پیغمبروں میں کیا فرق ہے۔ ہم بھی بشر وہ بھی بشر بلکہ ہم زندہ وہ مردہ یہ سب ابلیسی کلام ہے۔

(سعید الحق فی تخریج جاء الحق: ص: 394 مکتبہ غوثیہ کراچی)

تفسیر طبری میں ہے۔

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں پکارو

"یا رسول اللہ"

نرمی اور عاجزی کے ساتھ

"یا محمد"

نہ کہا کرو۔

(تفسیر طبری: ج: 19 ص: 229، موقع مجمع الملک المصحف الشریف، شاملہ مکہ)

تفسیر سمرقندی میں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نام

"محمد"

سے نہ پکارو جس طرح تم ایک دوسرے کو نام سے پکارتے ہو لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کرو اور

یا نبی اللہ

یا رسول اللہ

یا ابا القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) کہو۔

(تفسیر سمرقندی: ج:3، ص:232 مکتبہ شاملہ)

تفسیر اللباب لابن عادل میں ہے۔

حضرت سعید بن جبیر اور کثیر جماعت نے فرمایا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے پکارتے ہوئے۔

"یا محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ کہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت سے پکارتے ہوئے۔

یا ابا القاسم

نہ کہو بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو توقیر کے ساتھ پکارتے ہوئے۔

یا رسول اللہ

یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہو۔

(تفسیر اللباب لابن، عادل: ج:12، ص:153 مکتبہ شاملہ)

ابوبکر احمد الرازی نے احکام القرآن میں لکھا ہے۔

حضرت مجاہد اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عاجزی اور تعظیم کے ساتھ

یا نبی اللہ

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

کہہ کر پکارا کرو اور

یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ کہو جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

(احکام القرآن: بصاص: ج:3، ص:490 قدیمی کتب خانہ کراچی)

شیخ ابو محمد تریدی متوفی 333ھ فرماتے ہیں۔

جب تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارو تو تمہارا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا ایسا نہ ہو جس طرح تم ایک دوسرے کو نام کے ساتھ پکارتے ہو ہاں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے نام سے پکارو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح خاص ہو کہ تم یہ بھی جانتے ہو کہ یہ نام تمہارے درمیان خاص ہے اور تمہاری مثل بھی نہیں۔

جیسے

یا رسول اللہ

یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

(تاویلات اہل سنت: ج:3، ص:486 مکتبہ حقانیہ پشاور)

تفسیر بغوی میں علامہ حسین بن مسعود فراء بغوی 516ھ فرماتے ہیں۔

حضرت مجاہد اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے پکارتے ہوئے

یا محمد

یا عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ کہو جس طرح تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرو اور عاجزی اور نرمی سے۔

یا نبی اللہ

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہو۔

(تفسیر بغوی: ج:3، ص:359 تالیفات اشرفیہ ملتان)

جار اللہ زمخشری نے تفسیر کشاف لکھا ہے کہ

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لینے اور پکارنے کو اسی طرح نہ بنالو جس طرح تم ایک دوسرے کو اپنے والدین کے رکھے ہوئے ناموں سے پکارتے ہو اور

یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

کہہ کر نہ پکارو لیکن تعظیم و توقیر، آہستہ آواز اور عاجزی کے ساتھ

یا نبی اللہ

اور

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کر پکارو۔

(کشاف: ج:3، ص:260 دار الکتب العربی بیروت)

امام عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی متوفی 710ھ فرماتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا اس طرح نہ بنالو جس طرح تم ایک دوسرے کو اپنے والدین کے رکھے ہوئے نام سے بلاتے ہو۔

اور

"یا محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ کہو لیکن تعظیم وتوقیر اور نرم آواز کے ساتھ

"یا نبی اللہ"

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہو۔

(تفسیر مدارک التنزیل: ج:3، ص:522 مکتبہ رحمانیہ لاہور)

تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ فرماتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح نہ پکارو جس طرح تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو اور

"یا محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ کہو بلکہ

"یا رسول اللہ"

"یا نبی اللہ" (صلی اللہ علیہ وسلم) کہو

(تفسیر کبیر: ج:2، ص:425 مکتبہ علوم اسلامیہ لاہور)

ابو عبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی متوفی 671ھ فرماتے ہیں۔

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو) نرمی اور آہستگی کے ساتھ

"یا رسولِ اللہ" (صلی اللہ علیہ وسلم)

کہہ کر پکارو اور ترش روئی کے ساتھ

"یا محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ کہا کرو،

(قرطبی، ج:12، ص:294 مکتبہ حقانیہ پشاور)

قاضی عیاض مالکی متوفی 544ھ شرح شفا میں فرماتے ہیں۔

ابو محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام میں سبقت نہ کرو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم برے خطاب سے نہ پکارو۔

اور جس طرح تم ایک دوسرے کو نام سے پکارتے ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پکارو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کرو۔
اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان عظیم الفاظ سے پکارو جن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا واجب ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو
"یا رسول اللہ"
"یا نبی اللہ " (صلی اللہ علیہ وسلم)
کہہ کر پکارو اور یہ اسی آیت کی طرح ہے۔
کہا اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا
"لَاتَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا"
ترجمہ: رسول کو پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔
(الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ج:2 ص:40 وحید کتب خانہ پشاور)
علامہ جلال الدین محلی متوفی 863ھ فرماتے ہیں۔
تمہارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا اور ان کا نام لینا ایسا نہ ہو جس طرح تم ایک دوسرے کو نام سے پکارتے ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم
"یا محمد"
کہتے رہو بلکہ عاجزی اور نرمی اور نرم لہجے میں
"یا نبی اللہ"
"یا رسول اللہ" (صلی اللہ علیہ وسلم) کہو
(جلال الدین مع حاشیۃ الجمل ج:5 ص:323 قدیمی کتب خانہ کراچی)
علامہ علاؤالدین علی بن محمد الخازن متوفی 741ھ فرماتے ہیں۔
اس کا معنی یہ ہے کہ
نبی کو آپ کے نام سے پکارو جس طرح تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو اور
"یا محمد"
"یا عبداللہ" (صلی اللہ علیہ وسلم)
نہ کہو لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر اور عظمت بیان کرتے ہوئے نرمی اور عاجزی کے ساتھ
"یا نبی اللہ"

''یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہو''

(تفسیر خازن:ج:3،ص:365 مکتبہ حقانیہ پشاور)

ملا علی قاری متوفی 1014ھ شرح شفا میں فرماتے ہیں:

اور جس طرح تم ایک دوسرے کو اپنے والدین کے رکھے ہوئے ناموں سے پکارتے ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے نہ پکارو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری و باطنی تعظیم و توقیر کرو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان عظیم الفاظ سے پکارو جن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا جانا محبوب ہے یعنی جن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا جانا اچھا لگتا ہے (یعنی) نبوت و رسالت کے اوصاف کے ساتھ۔

جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

''یا رسول اللہ''

''یا نبی اللہ''

''یا حبیب اللہ''

''یا خلیل اللہ'' (صلی اللہ علیہ وسلم)

کہہ کر پکارا کرو اور یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور بعد از وصال بھی ہے۔

(شرح الشفاء ج:3،ص:386 ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتانی)

علامہ شیخ سلمان جمل متوفی 1204ھ فرماتے ہیں۔

تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتے ہوئے۔

''یا محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم)

اور کنیت کے ساتھ سے پکارتے ہوئے۔

''یا ابا القاسم''

نہ کہو بلکہ تعظیم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

''یا رسول اللہ''

''یا نبی اللہ'' (صلی اللہ علیہ وسلم)

کہتے ہوئے ندا کرو اور مخاطب کرو۔

(حاشیہ الجمل علی الجلالین ج 5،ص:323 قدیمی کتب خانہ کراچی)

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ فرماتے ہیں۔

ابن ابی حاتم نے مجاہد سے اس آیت کے بارے میں روایت کی کہ

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نرمی اور عاجزی کے ساتھ

"یا رسول اللہ" صلی اللہ علیہ وسلم

کہہ کر پکارو اور ترش روئی کے ساتھ

"یا محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ کہا کرو۔

(الدر المنثور: ج:6، ص:211 مکتبہ حقانیہ لاہور)

علامہ شیخ اسماعیل حقی متوفی 1137ھ تفسیر روح البیان میں فرماتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ

تمہارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا اور ان کا نام لینا ایسا نہ ہو جس طرح تم ایک دوسرے کو نام سے پکارتے ہو۔

جیسے

"یا محمد"

"یا ابن عبداللہ" صلی اللہ علیہ وسلم

اور بلند آواز سے دور سے آواز یا باہر ہی سے آواز بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عظیم لقب سے جیسے

"یا نبی اللہ"

"یا رسول اللہ"

جس طرح خود اللہ تعالیٰ نے

یٰاَیُّھَا النبی

یٰاَیُّھَا الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایا

(تفسیر روح البیان: ج:9، ص:181 مکتبہ شاملہ مکہ)

احمد بن صاوی متوفی 1241ھ فرماتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دوسرے کی طرح نہ پکارو یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نام اقدس سے پکارتے ہوئے

"یا محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ کہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت سے پکارتے ہوئے

"یا ابا القاسم"

مت کہو بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہونا ہو یا پکارنا ہو تو تعظیم و توقیر سے پکارو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

"یا رسول اللہ"

"یا نبی اللہ"

یا امام المرسلین

یا رسول رب العالمین

یا خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم)

وغیرہ پکارو اس آیت سے یہ بھی فائدہ حاصل ہوا کہ وہ الفاظ جن میں تعظیم نہ ہو ان کے ساتھ نبی کو پکارنا جائز نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کو ہلکا جانا وہ کافر ہے اور دنیا و آخرت میں ملعون ہوگا۔

(تفسیر صاوی: ج:4، ص:1421 مکتبہ حقانیہ پشاور)

علامہ فضل رسول بدایونی متوفی 1289ھ فرماتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ظاہر و باطن ہر حالت میں واجب ہے۔

اللہ عزوجل نے فرمایا

رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو ان کی آواز سے اپنی آواز کو بلند کر ہوئے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نام سے پکارتے ہوئے لہٰذا

"یا محمد"

"یا محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ کہو کہ بلکہ یا نبی اللہ و یا رسول اللہ کہو جس طرح خود اللہ تعالیٰ نے خطاب فرمایا ہے۔

(المعتقد والمنتقد: ص:139 تا 140 برکاتی پبلشرز کراچی)

اعتراض

قرآن کریم میں ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (پارہ: 24، سورہ: 41، آیت نمبر: 6)

اے محبوب فرمادو کہ میں تم جیسا بشر ہوں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہماری طرح بشر ہیں اگر نہیں تو آیت معاذ اللہ جھوٹی ہو جائے گی

جواب

اس آیت کریمہ میں چند طرح غور کرنا لازم ہے۔

ایک یہ کہ
فرمایا گیا ہے "قل"
اے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرمادو
تو یہ کلمہ فرمانے کی صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بطور انکسار و تواضع فرمائیں یہ نہیں

قُوْلُوْا اِنَّمَا هُوَ بَشَرٌ مِّثْلنا
ترجمہ: اے لوگو تم کہا کرو کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہم جیسے بشر ہیں۔
بلکہ قل میں اس جانب اس اشارہ ہے کہ بشر وغیرہ کلمات تم کہہ دو ہم تو نہ کہیں گے۔
ہم تو فرمائیں گے۔
شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا
(پارہ:22،سورہ:33،آیت:45،46)
ہم تو فرمائیں گے۔
يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ
يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ
وغیرہ ہم تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بڑھائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انکساراً یہ فرما سکتے ہیں۔
نیز
اس آیت کریمہ میں کفار سے خطاب ہے چونکہ ہر چیز اپنی غیر جنس سے نفرت کرتی ہے۔ لہٰذا فرمایا گیا: اے کفار تم مجھ سے
لو نہیں میں تمہاری جنس میں سے ہوں یعنی بشر ہوں۔ شکاری جانوروں کی سی آوازیں نکال کر شکار کرتا ہے۔ اس سے کفار کو
طرف مائل کرنا مقصود ہے اگر دیوبندی بھی کفار میں سے ہیں تو ان سے یہ بھی خطاب ہو سکتا ہے۔
ہم مسلمانوں سے فرمایا گیا ہے۔
اَيُّكُمْ مِّثْلِىْ
طوطے کے سامنے آئینہ رکھ کر پیچھے کھڑے ہو کر بولتے ہیں تا کہ طوطا اپنا عکس آئینہ میں دیکھ کر سمجھے کہ یہ میرے جنس کی آواز

انبیائے کرام علیہم السلام رب عزوجل کا آئینہ ہیں۔ آواز و زبان ان کی ہوتی ہے اور کلام اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے۔ یہ عکس کا لحاظ
ہے اسی طرح کہ مثلکم پر آیت ختم نہ ہوئی بلکہ آگے آرہا ہے۔

یُوْحٰی اِلَیَّ یُوْحٰی اِلَیَّ

کی قید ایسی ہے جیسے ہم کہیں کہ زید دیگر حیوانات کی طرح حیوان ہے۔ مگر ناطق ہے تو ناطق کی قید نے زید اور دیگر حیوانات میں ذاتی فرق پیدا کر دیا کہ اس قید سے زید تو اشرف المخلوقات انسان ہوا اور دوسرے حیوانات اور شے اسی طرح وحی کی صفت نے نبی اور امتی میں بہت بڑا فرق بتا دیا حیوان اور انسان میں صرف ایک درجہ کا فرق ہے مگر بشریت اور شان مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں 27 درجے کا فرق ہے۔ اولاً بشر پھر شہر پھر متقی پھر ولی پھر ابدال پھر اوتار پھر قطب پھر غوث الاعظم پھر تابعی پھر صحابی پھر مہاجر پھر صدیق پھر نبی پھر رحمۃ للعٰلمین وغیرہ یہ 27 مراتب کا اجمالی ذکر ہے۔ تو عام بشر اور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں شرکت کیسی۔ یہ شرکت تو ایسی بھی نہیں جیسی کہ جنس عالی یا کسی عرض عام کے افراد کو انسان سے ہے یہ تو ایسا ہوا کہ کوئی کہے اللہ تعالیٰ ہماری موجودیت اور رب عزوجل کی موجودیت میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ ایسے ہی ہماری بشریت اور محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت میں کوئی نسبت نہیں۔

مولانا مثنوی میں فرماتے ہیں:

اے ہزاراں جبرائیل اندر بشر　　　　بھر حق سوئے غریباں یک نظر

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت ہزار ہا جبرائیل حیثیت سے اعلیٰ ہے۔

تیسرے اس طرح کہ

قرآن مجید میں ہے:

مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ (پارہ: 18، سورہ: 24، آیت نمبر 35)

رب عزوجل کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق کہ اس میں ایک چراغ ہے۔ اس آیت میں بھی کلمہ مثل ہے تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ نور خدا عزوجل چراغ کی طرح روشنی ہے۔

اسی طرح

وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْہِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ

(پارہ:7، سورہ:6، آیت:38)

نہیں ہے کوئی جانور زمین میں نہ کوئی پرندہ جو اپنے بازوؤں سے اڑتا ہو مگر وہ تمہاری طرح امتیں ہیں۔

یہاں بھی کلمہ امثال موجود ہے تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ ہر انسان گدھے الو جیسا ہر گز نہیں۔

نیز

انما کا حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی

یعنی

میں نہ خدا ہوں نہ خدا کا بیٹا بلکہ تمہاری طرح خالص بندہ ہوں

جیسے

ہارون ماروت کا کہنا

اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ (پارہ: 7، سورہ: 6، آیت : 38)

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایمان عبادات معاملات غرضیکہ کسی شے میں ہم جیسے نہیں ہر بات میں فرق عظیم ہے۔

ملاحظہ ہو

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ ہے۔

انا رسول الله

ترجمہ: میں اللہ عزوجل کا رسول ہوں۔

اگر ہم یہ کہیں تو کافر ہو جائیں۔

(2) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان دیکھی ہوئی چیزون پر کہ رب عزوجل کو جنت ودوزخ کو ملاحظہ فرمالیا۔ ہمارا ایمان سنا ہوا ہے۔

(3) ہمارے لئے ارکان اسلام پانچ ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چار

یعنی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

(5) ہم ہر پانچ نمازیں فرض ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر چھ

یعنی

تہجد بھی فرض ہے

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ

(6) ہم کو چار بیویوں کی اجازت ہے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کوئی پابندی نہیں جس قدر چاہیں کر سکتے ہیں۔

(7) ہماری بیویاں مرنے کے بعد دوسرے سے نکاح کر سکتی ہیں مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پاک سب مسلمانوں کی مائیں ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ (پارہ: 21، سورہ: 33، آیت: 6)

اور آپ کی ازواج مومنوں کی مائیں ہیں۔
کسی کے نکاح میں نہیں آسکتیں۔
قرآن مجید میں ہے:
وَلَا تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا (پارہ: 22، سورہ: 33، آیت نمبر: 53)
آپ کے بعد آپ کی ازواج ہمیشہ نکاح نہیں کرسکتیں۔
ہمارے بعد ہماری میراث تقسیم ہو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم نہیں ہوتی وہ صدقہ ہے۔
(8) ہمارا پیشاب ناپاک ہے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات شریفہ امت کے لئے پاک ہیں اور دوزخ کی آگ سے چھٹکارا ہیں جو کہ آگے احادیث مبارکہ میں ذکر کرتا ہوں۔
یہ شرعی احکام میں فرق بتائیں گے ورنہ لاکھوں امور میں فرق عظیم ہے۔ ہم کو اس ذات کریمہ سے کوئی نسبت ہی نہیں یوں سمجھو کہ بے مثل خالق کے بے مثل بندے ہیں۔

بے مثلی حق کے مظہر ہو پھر مثل تمہارا کیونکر
نہیں کوئی تمہارا ہم رتبہ نہ کوئی تمہارا ہم پایا

اس قدر فرق عظیم کے ہوتے ہوئے مثلیت کے کیا معنی ہیں۔
پانچویں اس طرح کہ
اس آیت کریمہ میں ہے
بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ
یہ نہیں ہے کہ انسان مِثْلُكُمْ بَشَرٌ کے معنی ہیں ذو بشرہ یعنی ظاہری چہرہ مہر والا مبشرہ کہتے ہیں ظاہر کھال کو تو معنی یہ ہوئے کہ
میں ظاہر رنگ وروپ میں تم جیسا معلوم ہوتا ہوں کہ اعضائے بدن و یکھنے میں یکساں معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے۔
يُوْحٰۤى اِلَيَّ
ترجمہ: ہم صاحب وحی ہیں۔
یہ گفتگو بھی فقط ظاہری طور پر ہے۔ ورنہ ہمارے ظاہری اعضاء کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء مبارکہ سے کوئی نسبت نہیں۔
قدرت الٰہی عزوجل تو دیکھو کہ
منہ کا لعاب شریف کھاری کنویں میں پڑے پانی کو میٹھا کردے۔

حدیبیہ کے خشک کنوئیں میں پڑ جائے تو پانی پیدا کر دے۔
حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہانڈی میں پڑ کر شوربا اور بوٹیاں بڑھا دے۔
آٹے میں پڑے تو آٹے میں برکت دے۔
حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں پہنچ کر سانپ کے زہر کو دفع کر دے۔
عبداللہ بن عتیک کے ٹوٹے ہوئے پاؤں میں پہنچ کر ہڈی جوڑ دے۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دکھتی ہوئی آنکھ سے لگے تو کحل الجواہر کا کام دے۔
آج ہزاروں روپیہ کی دوا بھی اثر نہیں رکھتی۔اگر سر پاک سے قدم پاک تک ہر عضو شریف کی برکات ہی برکات ہیں۔
ہمارے ہر عضو کا سایہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عضو کا سایہ نہیں پسینہ پاک میں مشک وعنبر سے بہتر خوشبو ہے۔صلی اللہ علیہ وسلم۔

چھٹے یہ کہ

روزہ وصال کے بارے میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اَیُّکُمْ مِثْلِی"

ترجمہ

تم میں میری مثل کون ہے؟

بیٹھ کر نفل پڑھنے کے بارے میں ارشاد فرمایا

لکنی لست کاحد منکم

ترجمہ: لیکن میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے بہت موقعوں پر ارشاد فرمایا

اَیُّنَا مِثْلُهٗ

ہم میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کون ہے؟

احادیث مبارکہ تو فرما رہی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہم جیسے نہیں اور اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم جیسے ہی ہیں۔ میں مطابقت کرنا ضروری ہے۔

وہ اس طرح ہو سکتی ہے کہ آیت میں تاویل کی جائے۔

ساتویں اس طرح کہ

تفسیر روح البیان سورہ مریم میں کھیعص کے ماتحت ہے کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تین صورتیں ہیں۔

(1) صورت بشری

(2) صورت حقی

(3) صورت ملکی

بشریت کا ذکر

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ (پارہ: 24، سورہ: 41، آیت: 8)

حقی کا ذکر ہوا

من رانی فقد رالحق

جس نے مجھے دیکھا حق کو دیکھا۔

صورت ملکی کا ذکر ہوا۔

لی مع اللہ وخت لا یسعنی فیہ ملك مقرب ولا بنی مرسل

بعض اوقات اللہ عزوجل سے وہ قرب ہوتا ہے کہ نہ اس میں مقرب فرشتہ کی گنجائش ہے نہ مرسل کی۔

معراج میں سدرہ پہنچ کر طاقت جبرائیل ختم ہوگئی مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشری طاقت کی ابھی ابتداء تھی اس آیت میں محض ایک صورت کا ذکر ہے۔

آٹھویں اس طرح کہ

بشر مثلکم میں یہ تو فرمایا: ہم تم جیسے بشر ہیں یہ نہ فرمایا: کس وصف میں تم جیسے ہیں یعنی جس طرح تم محض بندے ہو نہ خدا کے بیٹے نہ خدا کی صفات سے موصوف اسی طرح میں عبداللہ ہوں نہ اللہ ہوں نہ ابن عبداللہ ہوں۔

عیسائیوں نے چند معجزات دیکھ کر عیسیٰ علیہ السلام کو ابن عبداللہ کہہ دیا۔ تم ہمارے صدہا معجزات دیکھ کر نہ کہہ دینا بلکہ کہنا عبداللہ ورسولہ

تفسیر کبیر شروع پارہ 12 زیر آیت

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا (پارہ: 18، سورہ: 11، آیت: 27)

قصہ نوح میں ہے کہ نبی بشر اس لئے ہوتے ہیں کہ اگر فرشتہ ہوتے لوگ ان کے معجزات کو ان کی ملکی طاقت پر محمول کر لیتے۔ آپ جب بشر ہو کر یہ معجزات دکھاتے ہیں تو ان کا کمال معلوم ہوتا ہے غرضیکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بشریت ان کا کمال ہے لہٰذا آیت کا مقصود یہ ہوا کہ ہم تم جیسے بشر ہو کر ایسے کمالات دکھاتے ہیں تم تو دکھا دو۔

نویں اس طرح کہ

بہت سے الفاظ وہ ہیں جو پیغمبر اپنے لئے استعمال فرما سکتے ہیں اور وہ ان کا کمال ہے دوسرا کوئی ان کی شان میں یہ کہے تو گستاخی ہے۔

دیکھو

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا (پارہ: 8، سورہ: 7، آیت: 23)

حضرت یونس علیہ السلام نے اپنے رب جلیل سے عرض کی۔

اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (پارہ: 17، سورہ: 21، آیت: 87)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا

فَعَلْتُهَا اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ (پارہ: 19، سورہ: 26، آیت: 20)

کوئی دوسرا اگر ان حضرات کو ظالم یا خیال کہے تو ایمان سے خارج ہوگا اسی طرح بشر کا لفظ بھی ہے۔

اب احادیث مبارکہ سے دلائل کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بشریت اور ہماری بشریت میں کوئی مناسب نہیں۔ ہمیں انبیاء کرام علیہم السلام کی ضرورت ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کو ہماری ضرورت نہیں ہے۔ ہم انبیاء کرام علیہم السلام کو چھوڑ جاتے ہیں مگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امت کو نہیں چھوڑتے یہ کیسی امت کے ساتھ محبت ہے ایمان ہی تازہ ہوجاتا ہے۔

بہرحال ہم میں اور انبیاء کرام علیہم السلام میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔

دلائل ملاحظہ ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وصلی روزے نہ رکھو

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آپ وصلی روزے رکھتے ہیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے کسی ایک کی مثل بھی نہیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں کھلایا جاتا ہوں اور پلایا جاتا ہوں

یا ارشاد فرمایا

بے شک میں رات گزارتا ہوں کھلایا جاتا ہوں اور پلایا جاتا ہوں۔

(صحیح البخاری: کتاب الصیام: باب الوصال......ج:2،ص:693رقم الحدیث:1860)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔

(صحیح البخاری: کتاب الصیام: باب الوصال......ج:2،ص:693رقم الحدیث:1862)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے میری مثل کون ہے۔

(صحیح البخاری: کتاب الصیام: باب التنکیل......ج:2،ص:694،رقم الحدیث:1864)

ملاحظہ فرمایئے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خود فرما رہے ہیں کہ میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔

تو پھر ایک ادنیٰ شخص کیسے کہہ سکتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرح بشر ہیں اور خود صحابہ کرام علیہم الرضوان نے بھی اس بات کا اعتراف کیا کہ ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نہیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ جب صحابہ کرام علیہم الرضوان جیسی مقدس ہستیاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نہیں تو ہم گندے منہ والے گندی زبان والے گندی فضلات والے کیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ہمارے اور انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان کوئی مناسبت نہیں۔

مزید ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

میں نے یہ حدیث مبارکہ سنی تھی کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بیٹھ کر نماز پڑھنے کا آدھا اجر ہوتا ہے۔ ایک دن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا میں نے اپنا ہاتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس پر رکھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے عبداللہ بن عمر! کیا بات ہے۔

میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا ہے کہ بیٹھ کرنماز پڑھنے کا آدھا اجر ہوتا ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بیٹھ کرنماز پڑھ رہے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

ہاں لیکن میں تم سے کسی ایک کی مثل بھی نہیں ہوں۔

(صحیح مسلم: باب جواز النافلۃ قائما وقاعداً......ج:1،ص:507،رقم الحدیث:735)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اعمال کا ارشادفرماتے ہیں

جولوگ طاقت رکھتے ہیں

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نہیں ہیں۔

(صحیح البخاری: کتاب بدء الوحی: باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا أعلمکم باللہ ج:1،ص:16،رقم الحدیث:20)

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرح بشر نہیں ہیں اور نہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور ہمارے درمیان کوئی مناسبت ہے۔

اب یہ ملاحظہ فرمائیں کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کے فضلات شریفہ پاک ہیں اوران سے خوشبو نکلتی تھی لیکن ہمارے فضلات گندے ناپاک ہیں اگر ہمارے فضلات بدن پر لگیں تو جسم ناپاک ہوجاتا ہے مگر انبیاء کرام علیہم السلام کے فضلات اگرکوئی پی لے تو اسے شفا حاصل ہو جاتی ہے اور دوزخ سے رہائی حاصل ہوجاتی ہے۔

احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر کی ایک جانب مٹی کا ایک برتن رکھا ہوا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اٹھ کر اس میں پیشاب کرتے تھے۔ایک رات میں اٹھی مجھے پیاس لگ رہی تھی میں نے اس برتن سے پی لیا اور مجھے پتا نہیں چلا (کہ یہ پیشاب ہے)

جب صبح ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

اے ام ایمن، اس مٹی کے برتن کو اٹھاؤ اس میں جو کچھ ہے اس کو پھینک دو۔

میں نے کہا:

اللہ عزوجل کی قسم! اس میں جو کچھ ہے اس کو میں نے پی لیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

داڑھیں مبارک ظاہر ہوگئیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سنو! اس کے بعد کبھی تمہارے پیٹ میں درد نہیں ہوگا۔

(مستدرک للحاکم: ج:4، ص:70، رقم الحدیث:6912 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

امام ابن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

دو عورتوں نے لکڑی کے پیالہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب پیا ایک کی کنیت ام ایمن تھی اور دوسری کی کنیت ام یوسف تھی۔ جب ام یوسف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب پی لیا

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم صحت مند رہوگی سووہ تاحیات بیمار نہ ہوئیں۔

(تلخیص الحبیر ج:1، ص:32، رقم الحدیث:19 مطبوعہ المدینہ المنورہ)

ایک روایت میں ہے۔

حکیمہ بنت امیمہ بنت رفیقہ اپنی ماں رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک لکڑی کا پیالہ تھا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کرتے تھے اور اس کو اپنے تخت کے نیچے رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں پیشاب کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو دیکھا کہ اس پیالہ میں کوئی چیز نہیں تھی۔ ایک خاتون کا نام برکہ تھا جو حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کرتی تھی اور ان کے ساتھ سرزمین حبشہ سے آئی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا

وہ پیشاب کہاں ہے جو اس پیالہ میں تھا۔

انہوں نے کہا:

میں نے اس کو پی لیا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم پر دوزخ کی آگ منع کردی گئی ہے۔

(طبرانی کبیر: ج:4، ص:205 تا 206 رقم الحدیث:527 مطبوعہ مکتبہ العلوم والحکم الموصل)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لئے تشریف لے گئے پھر میں گئی تو میں نے وہاں جاکر کوئی چیز نہیں دیکھی البتہ مجھے وہاں مشک کی خوشبو آرہی تھی۔

میں نے عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے وہاں کوئی چیز نہیں دیکھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

بے شک زمین کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم انبیاء کرام علیہم السلام کی جماعت سے جو نکلے اس کو ڈھانپ لے۔

(مستدرک للحاکم: ج:4، ص:81، رقم الحدیث:6950 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ)

ایک اور روایت میں ہے۔

بُرید بن عمر بن سفینہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فصد لگائی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ خون لے جاؤ اور اس کو چوپایوں پرندوں اور لوگوں سے چھپا کر دفن کرو میں نے اس کو چھپ کر پی لیا پھر میں نے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے۔

(طبرانی کبیر: ج:7، ص:81 رقم الحدیث:6434 مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے درآں حالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فصد لگوا رہے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ خون لے جاؤ اور اس کو ایسی جگہ ڈال دو جہاں اس کو کوئی نہ دیکھے۔ جب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اوجھل ہوا تو میں نے اس خون کو چاٹ لیا۔ جب میں واپس آیا تو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے عبداللہ (رضی اللہ عنہ) تم نے کیا کیا۔

انہوں نے کہا:

میں نے اس کو ایسی جگہ رکھا کہ میرا گمان ہے اس کو کوئی نہیں دیکھے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

شاید تم نے اس کو پی لیا ہے۔

انہوں نے کہا:

ہاں!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم سے خون پینے کے لئے کس نے کہا تھا تم پر افسوس لوگوں کی طرف سے اور لوگوں کو افسوس ہو تمہاری طرف سے۔

(مجمع الزوائد: ج:8،ص:270 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور زخمی ہو گیا تو ان کے والد حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا خون مبارک چوس کر نگل لیا۔

ان سے کہا گیا:

تم خون پی رہے ہو۔

انہوں نے کہا:

ہاں! میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کا خون پی رہا ہوں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کے خون کے ساتھ میرا خون مل گیا ہے۔ اب اس کو آگ نہیں چھوئے گی۔

(مجمع الزوائد: ج:8،ص:270 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

محدث کبیر امام بدر الدین عینی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فضلات طاہر ہیں۔

(عمدۃ القاری: شرح صحیح البخاری: ج:3،ص:118 مطبوعہ دار الکتاب العلمیہ بیروت)

امام ابن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں سے منی کھرچ دیتی تھیں۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منی طاہر تھی اور اس پر دوسروں کی منی کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

اور حق یہ ہے کہ

احکام تکلیفیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم باقی مکلفین کی طرح ہے ماسوا ان امور کے جن کی خصوصیت کسی دلیل سے ثابت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کی طہارت پر بکثرت دلائل قائم ہیں اور آئمہ نے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں شمار کیا ہے اور بہت سی کتب میں جو اس کے خلاف دیکھا ہے اس کی طرف بالکل التفات نہ کیا جائے کیونکہ تمام

کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات طاہر ہیں۔

(فتح الباری: ج:1،ص:272 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے فضلات شریفہ پاک ہیں اور ان سے بیماری دور ہوتی ہے اور دوزخ سے بھی نجات کا سبب ہے لہٰذا جب انبیاء کرام علیہم السلام کے فضلات پاک ہیں اور ہمارے ناپاک ہیں تو ان میں مناسبت کیسے ہو سکتی ہے اور ہم کب ان کے برابر ہو سکتے ہیں۔تو یہ کہنا بجا ہوگا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اگر بشری صورت میں تشریف نہ لاتے تو پھر احکامات الٰہیہ ہم تک کیسے پہنچ پاتے لہٰذا انبیاء کرام علیہم السلام کو بشر کہنا حرام اور اہانت کی نیت سے ہو تو کفر ہے۔

اعتراض

بعض کہتے ہیں کہ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہنا حرام تو چاہئے کہ انسان یا عبد کہنا بھی حرام ہو ان سب کے معنی قریب قریب ہیں پھر تم کلمہ میں عبدہ ورسولہ کیوں کہتے ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

لفظ بشر کفار بہ نیست اہانت کہتے تھے اور نبی کو رب عزوجل نے انسان یا عبد بطور تعظیم فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (پارہ: 27، سورہ: 55، آیت: 4,3)

اور قرآن مجید میں ہے:

اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا (پارہ: 15، سورہ: 17، آیت: 1)

لہٰذا یہ الفاظ تعظیماً کہنا جائز ہیں اور بشر کہنا حرام ہے۔

جیسے

راعنا اور انظرنا ہم معنی ہیں مگر راعنا کہنا حرام کہ طریقہ کفار ہے۔

اعتراض

شمائل ترمذی میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ

فرماتی ہیں

كان بشر من البشر

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بشروں میں سے ایک بشر تھے۔اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیق اللہ عنہا کو اپنی زوجیت سے مشرف فرمانا چاہا تو صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھائی ہوں۔کیا میری دختر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حلال ہے۔

دیکھو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بشر کہا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

بشر یا بھائی کہہ کر پکارنا یا محاورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہنا حرام ہے۔ عقیدہ کے بیان یا دریافت مسائل کے اور احکام ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ عام گفتگو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی یا بشر کہتے تھے۔ یہاں ضرورتاً اس کلمہ کو استعمال فرمایا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تو یہ فرما رہی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پاک نہایت بے تکلفی اور سادگی سے عام مسلمانوں کی طرح گزری کہ اپنا ہر کام اپنے ہاتھ ہی سے انجام دیتے تھے۔ اسی طرح حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسئلہ دریافت کیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خطاب اخوت سے نوازا ہے کیا اس پر حقیقی بھائی کے احکام جاری ہوں گے یا نہیں اور میری اولاد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو حلال ہوگی یا نہیں ہم بھی عقیدے کے ذکر میں کہتے ہیں کہ نبی بشر ہوتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک ضرورت پر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو فرمادیا۔

هٰذَا اُخْتِیْ

ترجمہ: یہ میری بہن ہے۔

حالانکہ آپ رضی اللہ عنہا آپ علیہ السلام کی بیوی تھیں۔ اس سے لازم نہیں آتا کہ حضرت رضی اللہ عنہا اب آپ علیہ السلام کو بھائی کہہ کر پکارتیں۔

ہم ان حضرات کا عام محاورہ دکھاتے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رشتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زوج مقدس اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بھائی کی اولاد ہیں مگر یہ حضرات بھی حدیث روایت کرتے ہیں تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ نہیں فرماتیں کہ میرے زوج مقدس نے فرمایا حضرت عباس یا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما سید نہیں فرماتے ہیں کہ ہمارے بھتیجے یا بھائی نے یہ فرمایا۔ سب کے سب یہ ہی فرماتے ہیں۔

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ"

تو جو حضرات رشتہ کے لحاظ سے بھائی ہیں وہ بھی بھائی ہیں تو ہم کمینوں، بدکار، خطاکار، گناہ گار غلاموں کا کیا حق ہے کہ ہم بھائی کہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً

(پارہ:28،سورہ:58،آیت)

یعنی اے ایمان والو! جب تم رسول سے کوئی بات آہستہ عرض کرنا چاہو تو اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقہ دے لو۔
سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس پر بھی عمل کیا کہ ایک دینار خیرات کر کے دس مسائل دریافت کئے۔ پھر یہ حکم اگرچہ منسوخ ہو گیا مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کا پتا لگ گیا کہ نماز میں رب سے ہم کلام ہو تو صرف وضو کرو لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض معروض کرنا چاہو تو پہلے صدقہ کرو پھر دیکھو جب یہ بات صاف واضح ہے تو بھائی کہنا کہاں سے جائز ہوا یا کہاں سے بھائی کہہ کر پکارنا درست ہوا۔
لہٰذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہنا حرام ہے اور اہانت کی نیت سے کہا تو کافر ہو جائے گا۔

اعتراض

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق فرمایا

وَاَکْرِمُوْا اَخَاکُمْ

ترجمہ: تم اپنے بھائی کا اکرام کرو (ہمارا)
جس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بھائی ہیں مگر بڑے بھائی ہیں نہ چھوٹے بھائی ہیں۔
قرآن مجید میں ہے:

وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ط وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًا وَاِلٰی عَادٍ اَخَا ھُمْ ھُوْدًا

(پارہ 8، سورہ 7)

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو مدین ثمود اور عاد کا بھائی فرمایا۔
معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام امتیوں کے بھائی ہیں۔
اس کا جواب یہ ہے کہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کریم کریمانہ سے بطور تواضع وانکسار فرمایا۔
اخاکم اس فرمانے سے ہم کو بھائی کہنے کی اجازت کیسے ملی۔ ایک بادشاہ اپنی رعایا سے کہتا ہے کہ میں آپ لوگوں کا خادم ہوں تو رعایا کو حق نہیں کہ بادشاہ کو خادم کہہ کر پکارے۔
اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
حضرت شعیب وصالح وہود علیہم السلام مدین اور ثمود اور عاد قوموں میں سے تھے۔ کسی اور قوم کے نہ تھے یہ بتانے کے لئے فرمایا یہ کہاں فرمایا: ان کی قوم والوں کو بھائی کہنے کی اجازت دی گئی ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کو برابری کے القاب سے پکارنا حرام اور لفظ بھائی برابری کا لفظ ہے۔ باپ گوارہ نہیں کرتا کہ اس کا بیٹا اس کو بھائی کہے۔ معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو بھائی کہنا حرام ہے۔

اعتراض

قرآن میں ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (پارہ: 26، سورہ: 49، آیت: 10)

مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔

لہٰذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی مومن ہیں اور مسلمانوں کے بھائی ہوئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں نہ بھائی کہا جائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

پھر تو خدا عزوجل کو بھی بھائی کہو کیونکہ وہ بھی مومن ہے۔

قرآن میں ہے۔

اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ (پارہ: 28، سورہ: 59، آیت: 23)

اور ہر مومن آپس میں بھائی ہے لہٰذا خدا عزوجل بھی مسلمانوں کا بھائی معاذ اللہ، نیز بھائی کی بیوی بھابی ہوتی ہے اور اس سے نکاح حلال اور انبیاء کرام علیہم السلام کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ ان سے نکاح کرنا حرام ہے۔ لہٰذا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے لئے مثل والد ہوئے والد کی بیوی ماں ہے نہ کہ بھائی کی جناب عالی ہم تو مومن ہیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عین ایمان ہیں۔

قصیدہ بردہ شریف میں ہے۔

فالصدف فی الغار ولصدیق لم یریا

ترجمہ: یعنی غار ثور میں صدیق بھی تھا صدیق بھی تھے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مومنین میں صرف لفظ مومن کا اشتراک ہے۔

جیسے

اللہ تعالیٰ اور عام مومنین میں نہ کہ حقیقت میں ہم اور طرح کے مومن ہیں لہٰذا انبیاء کرام علیہم السلام کو بھائی کہنا حرام اور اگر اہانت کی نیت ہو تو کفر ہے۔

(واللہ ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم)

کیا انبیاء کرام علیہم السلام سے کوئی خطا ہوئی؟

انبیاء کرام علیہم السلام سے کبھی کوئی خطا نہیں ہوئی اور اگر کوئی ہوئی تو اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم سے بہ طریق نسیان یا بہ طریق اجتہادی خطاء کوئی ظاہری خطا صادر کرا دیتا ہے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اشک ندامت بہائیں توبہ واستغفار کریں اور تواضع وانکسار کے کلمات کہیں اور امت کو توبہ واستغفار کی تعلیم دیں اور امت بھی توبہ واستغفار کرتی رہے۔

جیسے

حضرت آدم علیہم السلام نے بھولے سے شجر ممنوعہ سے کھالیا۔

تو کہا

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ○ (الاعراف: 23)

• اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

اور

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو تادیباً گھونسا مارا اور وہ مر گیا۔

تو کہا

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ فَغَفَرَلَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ○ (القصص: 16)

اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی سو تو مجھے معاف فرما دے تو اللہ نے انہیں معاف فرما دیا بے شک وہی بہت معاف فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

اور

حضرت یونس علیہ السلام اپنے اجتہاد سے بغیر اذن مخصوص کے اپنی قوم کے پاس سے چلے گئے۔

تو کہا

فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝
فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الانبیاء: 87 تا 88)
انہوں نے گمان کیا کہ ہم ان پر ہرگز تنگی نہیں کریں گے پھر انہوں نے تاریکیوں میں پکارا کہ (اے عزوجل) تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ تو پاک ہے بے شک میں زیادتی کرنے والوں میں سے تھا سو ہم نے ان کی فریاد سن لی اور انہیں غم سے نجات دے دی اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیں گے۔

اور

انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنے زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت پر اپنی تحسین اور خودستائی نہیں فرمائی اور نہ کبھی اللہ عزوجل کے سامنے اپنے علم کا اظہار کیا۔

بلکہ یہی کہا

لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ (المائدہ: 109)
ہمیں کسی چیز کا علم نہیں، بے شک تو ہی تمام غیوب کا جاننے والا ہے۔

اور

اس کے برخلاف فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے علم کا اظہار کیا

اور اللہ تعالیٰ سے کہا

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ (البقرہ: 30)
کیا تو زمین میں اس کو پیدا کرے گا جو زمین میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔

نیز

فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے تقویٰ اور طہارت کا ذکر کیا اور خودستائی کی

اور کہا

وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ (البقرہ: 30)
اور ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔

اور

انبیاء کرام علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے علم کا نہ اظہار کیا نہ اپنی عبادت اور ریاضت کا ذکر کیا۔

اس لئے کہا جاتا ہے کہ

ان کا نسیان اور اجتہاد سے ظاہری خطائیں کرنا اس لئے تھا کہ وہ استغفار کریں تواضع اور انکسار کریں اور اللہ تعالیٰ

ب اور اس کی محبت حاصل کریں اور اپنی امتوں کو توبہ اور استغفار کی تعلیم دیں اور ان کی امتوں کو استغفار کرنے میں اسوہ اور
ونہ فراہم ہو اور ان کی اقتداء کا شرف حاصل ہو اور یہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ادب و عجز کے باب میں انبیاء کرام علیہم
لام کا مقام فرشتوں سے افضل و اونچا ہے۔

یاء کرام علیہم السلام کا کام صرف تبلیغ کرنا ہے

انبیاء کرام علیہم السلام کا کام صرف تبلیغ کرنا ہے اور ہدایت اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ درحقیقت انبیاء کرام علیہم السلام صرف اللہ
لی کا راستہ دکھاتے ہیں اور نیکی کی دعوت دیتے ہیں ہدایت کو پیدا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اسی طرح شیطان صرف برے کام کا
وسہ ڈالتا ہے اور برے کاموں کی دعوت دیتا ہے اور گمراہی کو پیدا فرماتا ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں صرف (نیکی کی) دعوت دینے اور تبلیغ کرنے کے لئے مبعوث ہوا ہوں اور کسی بھی ہدایت کو پیدا کرنا میری طرف
ض نہیں ہے اور شیطان کو صرف (برائی کو) مزین کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور کسی بھی گمراہی کو پیدا کرنا اس کی طرف
ض نہیں ہے۔

(جامع الصغیر: رقم الحدیث: 3153) کنز العمال: رقم الحدیث: 546

یاء کرام علیہم السلام کے حواس اور عقل کا ڈھلتی ہوئی عمر میں زیادہ موثر اور فعال ہونا

یہ عام لوگوں کا حال ہے کہ چالیس سال کے بعد ان کا دور انحطاط شروع ہو جاتا ہے ان کی سماعت اور بصارت معمول پر
ں رہتی اور ان کے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں اور ان کا بدن لاغر ہو جاتا ہے ان کا حافظہ خراب ہو جاتا ہے اور ان کی عقل کام
ں کرتی وہ بچوں کی سی باتیں کرنے لگتے ہیں اور ان کی ذہانت اور فطانت ختم ہو جاتی ہے اور جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی
م ہوتا ہے۔

جیسے

علماء و صلحاء اور اولیاء اللہ وہ ساٹھ سال کے بعد بھی مضبوط اور توانا ہوتے ہیں۔ ان کے حواس قائم رہتے ہیں اور ان کا بدن
ٹ اور فعال ہوتا ہے ان کے اعصاب قوی اور ان کی عقل وقار روشن اور نکات آفریں ہوتی ہے۔ یہ تو علماء اور اولیاء اللہ کا
ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے امتی ہیں جب امتی کا یہ عالم ہے تو پھر ان کے انبیاء کرام علیہم السلام کے عقل و حواس و عمر
ری کی وجہ سے کیا عالم ہوگا۔

بیاء کرام کی عمر میں زیادتی تو اس سے کہیں زیادہ ان کی قوتوں میں اضافہ کا موجب ہے۔

ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی اور اخیر عمر میں ان کی قوت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے ملک الموت کو ایک تھپڑ مارا تو ان کی آنکھ نکل گئی۔

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی متوفی 774ھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر کے متعلق لکھتے ہیں:

ایک کتاب وغیرہم نے ذکر کیا ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔

(البدایہ والنہایہ ج:1 ص:420 دارالفکر بیروت)

تورات میں مذکور ہے۔

پس خداوند اقدس کے بندہ موسیٰ نے خداوند کے کہے کے موافق وہیں موآب کے ملک میں وفات پائی اور اس نے اسے موآب کی ایک وادی میں بہت فغور کے مقابل دفن کیا پر آج تک کسی آدمی کو اس کی قبر معلوم نہیں اور موسیٰ اپنی وفات کے وقت ایک سو بیس برس کا تھا اور نہ تو اس کی آنکھ دھندلانے پائی اور نہ اس کی طبعی قوت کم ہوئی۔

(کتاب مقدس ص:202 استثناء باب:34، آیت 7-5 بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور 1992)

اور ملک الموت کو تھپڑ مارنے اور نکالنے نکل جانے کا واقعہ اس حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ملک الموت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا گیا جب وہ ان کے پاس پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو تھپڑ مارا اور ان کی آنکھ نکال دی۔ ملک الموت اپنے رب عزوجل کے پاس واپس گئے

اور کہا

تو نے مجھے ایسے بندے کی طرف بھیجا ہے جو مرنے کا ارادہ ہی نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھ لوٹا دی

اور فرمایا

ان کے پاس جا کر کہو کہ اپنے ہاتھ بیل کی پشت پر رکھ دیں اور جتنے بال ان کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے اتنے سال ان کی عمر بڑھا دی جائے گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا:

اے میرے رب عزوجل! پھر کیا ہے

فرمایا

پھر موت ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

پھر ابھی سہی۔

اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ وہ ان کو ارض مقدس (بیت المقدس کی سرزمین) کے اتنے قریب کر دے جتنا پتھر پھینکے جانے کا فاصلہ ہوتا ہے۔

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر میں اس جگہ ہوتا تو میں تم کو سرخ ریت کے ٹیلے کے نیچے راستہ کی ایک جانب ان کی قبر دکھاتا۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث الحدیث:2372 دار احیاء التراث العربی بیروت)

شیخ انور شاہ کشمیری متوفی 1352ھ نے کہا ہے:

ان کی صرف آنکھ نکلی کیونکہ وہ ملک الموت تھے ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غضب کے تھپڑ سے ساتوں آسمان ریزہ ریزہ ہو جاتے۔

(فیض الباری: ج:2، ص:476 مصر)

اللہ اکبر!

یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت کا عالم تھا پھر سوچئے کہ بازوئے حبیب اللہ عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم کی قوت کا کیا عالم ہوگا۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حواس اور عقل کا ڈھلتی ہوئی عمر میں زیادہ موثر اور فعال ہونا

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ قوی تھے۔ شوال پانچ ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اٹھاون سال تھی۔ اس وقت غزوہ خندق واقع صحابہ کرام علیہم الرضوان خندق کھود رہے تھے کھدائی کے وقت ایک چٹان نکل آئی۔ وہ کسی سے نہیں ٹوٹ رہی تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ضرب سے وہ چٹان ریزہ ریزہ ہو گئی۔

تفصیل اس حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں غزوۂ خندق کھودنے کا حکم دیا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے کہا:

خندق کی جگہ میں ایک چٹان نکل آئی جو کدال اور پھاوڑوں سے نہیں ٹوٹ رہی تھی۔ مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔

عوف رضی اللہ عنہ نے کہا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فالتو کپڑے رکھ کر چٹان کی طرف اتر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

کدال پکڑی اور بسم اللہ پڑھ کر ضرب لگائی تو اس سے تین پتھر ٹوٹ کر گر گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی چابیاں دے دی گئیں۔

اور اللہ عزوجل کی قسم!

بے شک میں اس جگہ سے اس کے شہروں کو اور اس کے سفید محلات کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بسم ا
پڑھ کر دوسری ضرب لگائی تو پھر اس چٹان سے تین پتھر ٹوٹ کر گر گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ اکبر! مجھے ملک فارس کی چابیاں دے دی گئیں۔

اور اللہ عزوجل کی قسم!

بے شک میں اس جگہ سے اس کے شہروں کو اور اس کے سفید محلات کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بسم ا
پڑھ کر ایک اور ضرب لگائی اور وہ چٹان مکمل طور پر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے یمن کی چابیاں دے دی گئیں۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں اس جگہ سے صنعاء کے دروازے دیکھ رہا ہوں۔

(مسند احمد: ج:4، ص:303 طبع قدیم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین کوئی چیز نہیں دیکھی گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے میں آفتا
تیرتا تھا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سرعت کے ساتھ کسی کو چلتے ہوئے نہیں دیکھا۔ گویا کہ زمین آپ
اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لپٹتی جاتی تھی۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلتے ہوئے تھک جاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ
پرواہ نہیں ہوتی تھی۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث: 3648 بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سات ہجری میں اسلام لائے تھے گویا کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آپ صلی اللہ علیہ
کی عمر شریف ساٹھ سال تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دن اور رات کی ایک ساعت میں تمام ازواج مطہرات کو عمل زوجیت سے مشرف کرآتے تھے اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں گیارہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تھیں۔

حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ

میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عمل کی طاقت رکھتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا:

ہم یہ کہتے تھے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیس (جنتی) مردوں کی طاقت دی گئی تھی۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 268 بیروت)

حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کشتی لڑی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پچھاڑ دیا۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 1784 بیروت)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی التوفی 852ھ لکھتے ہیں:

ابن خربوزہ وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ

رکانہ کسی سفر سے آئے تو انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کی خبر دی گئی۔ پھر مکہ کی بعض پہاڑوں میں ان کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی۔

انہوں نے کہا:

اے بھتیجے! مجھے تمہارے دعویٔ نبوت کی خبر پہنچی اگر تم نے مجھے پچھاڑ دیا تو میں جان لوں گا کہ تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔ پھر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کشتی لڑی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پچھاڑ دیا۔ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے تھے۔

ایک قول یہ ہے:

وہ کشتی میں پچھڑنے کے بعد اسلام لے آئے تھے۔

(الاصابہ ج:2،ص:413 رقم الحدیث:2695 دار الکتب العلمیہ بیروت)

انبیاء کرام علیہم السلام کا ایک وقت میں کئی جگہ موجود ہونا

ہمارا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام ایک وقت میں کئی جگہ موجود ہوتے ہیں اور اپنے فیوض و برکات سے نوازتے

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی 1052ھ لکھتے ہیں:

بعض محققین ابدال کی وجہ تسمیہ میں بیان کرتے ہیں کہ انہیں جب کسی جگہ جانا مقصود ہوتا ہے تو وہ پہلی جگہ اپنے بدلے میں اپنی امثال چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور سادات صوفیہ کے نزدیک عالم اجسام اور ارواح کے درمیان ایک عالم مثال بھی ثابت ہے جو عالم اجسام سے لطیف اور عالم ارواح سے کثیف ہوتا ہے اور روحوں کا مختلف صورتوں میں مشتمل ہونا اسی عالم مثال پر مبنی ہے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کا حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں اور حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بشر سوی کی صورت میں متمثل ہونا اسی عالم مثال کے قبیل سے ہے اور اسی وجہ سے یہ جائز ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چھٹے آسمان پر بھی موجود ہوں اور اسی وقت اپنی قبر میں بھی جسم مثالی کے ساتھ موجود ہوں اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دونوں جگہ دیکھا ہو۔

(جذب القلوب ص:153 مکتبہ نعیمیہ لاہور)

اور حاجی امداداللہ مہاجر مکی متوفی 1317ھ لکھتے ہیں:

اور حاجی امداداللہ مہاجر مکی متوفی 1317ھ لکھتے ہیں:

رہا یہ شبہ کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا یا کئی جگہ کیسے ایک وقت میں تشریف فرما ہوئے۔ یہ ضعیف شبہ ہے۔ آپ کے علم و روحانیت کی نسبت جو دلائل نقلیہ و کشفیہ سے ثابت ہے اس کے آگے یہ ایک ادنیٰ سی بات ہے۔ علاوہ اس کے اللہ تعالیٰ کی قدرت تو محل کلام نہیں۔

(فیصلہ ہفت مسئلہ ص:7 مدنی کتب لاہور)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی 1369ھ لکھتے ہیں:

انسانی روحیں جب پاکیزہ ہوں تو وہ ابدان سے الگ ہو جاتی ہیں اور اپنے بدن کی صورتوں میں یا کسی اور صورت میں متمثل ہو کر چلی جاتی ہیں۔

جیسے

حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں یا کسی اعرابی کی صورت میں متمثل ہو کر جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے چلے جاتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کا اپنے ابدان اصلیہ سے تعلق برقرار رہتا ہے۔ جیسا کہ احادیث مبارکہ میں وارد ہے اور جس طرح بعض اولیاء سے منقول ہے کہ وہ ایک وقت میں متعدد جگہوں پر دکھائی دیتے ہیں اور ان سے افعال صادر ہوتے ہیں۔ اس کا انکار ہٹ دھرمی ہے جو صرف کسی جاہل اور معاند ہی سے متصور ہو سکتا ہے اور علامہ ابن قیم نے دعویٰ کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک وقت میں متعدد جگہ زیارت کی جاتی ہے حالانکہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر انور میں نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں۔

اس پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔

اور حدیث مبارکہ میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کثیب احمر کے پاس ان کی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور ان کو آسمان میں بھی دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان فرض نمازوں کے معاملہ میں مکالمہ ہوا۔ شب معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کی ایک جماعت کو بھی آسمانوں پر دیکھا حالانکہ ان کی قبریں زمین پر ہیں اور کسی نے یہ قول نہیں کیا کہ وہ اپنی قبروں سے آسمانوں کی طرف منتقل ہو گئے تھے۔

(فتح الملہم ج:1، ص:306 مطبع الحجاز کراچی)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس امت کے ایک سے زیادہ کاملین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیداری میں فیض حاصل کیا ہے۔

شیخ سراج الدین بن الملقن نے طبقات الاولیاء میں لکھا ہے کہ

شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز نے بیان کیا ہے کہ

میں نے ظہر سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے میرے بیٹے! تم خطاب کیوں نہیں کرتے۔

میں نے کہا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں عجمی شخص ہوں فصحاء بغداد کے سامنے کیسے کلام کروں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اپنا منہ کھولو، میں نے اپنا منہ کھولا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سات مرتبہ لعاب دہن ڈالا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لوگوں سے کلام کرو اور حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اپنے رب عزوجل کے دین کی دعوت دو پھر میں ظہر کی نماز پڑھ کر لوگوں کے سامنے بیٹھ گیا۔ میرے پاس بہت مخلوق آئی اور مجھ پر کلام ملتبس ہو گیا۔ پھر میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زیارت کی جو میرے سامنے مجلس کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا

اے میرے بیٹے کلام کیوں نہیں کرتے۔
میں نے کہا:
اے میرے والد گرامی مجھ پر کلام ملتبس ہو گیا۔
آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا
اپنا منہ کھولو۔
میں نے اپنا منہ کھولا تو آپ رضی اللہ عنہ نے میرے منہ میں چھ مرتبہ لعاب دہن ڈالا۔
میں نے کہا:
آپ رضی اللہ عنہ نے سات بار مکمل کیوں نہیں کیا۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کی وجہ سے، پھر وہ مجھ سے غائب ہو گئے۔

نیز
شیخ سراج الدین نے لکھا ہے کہ
شیخ خلیفہ بن موسیٰ النہرملکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نینداور بیداری میں بکثرت زیارت کرتے تھے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نینداور بیداری میں اکثر افعال حاصل کئے اور ایک بار انہوں نے ایک رات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سترہ بار زیارت کی۔
ان باریوں میں سے ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اے خلیفہ! میری زیارت کے لئے بے قرار نہ ہوا کرو کیونکہ بہت سے اولیاء اللہ میری زیارت کی حسرت میں فوت ہو گئے۔

اور شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ نے لطائف المنن میں لکھا ہے کہ
ایک شخص نے شیخ ابوالعباسی مرسی سے کہا
اپنے اس ہاتھ سے میرے ساتھ مصافحہ کیجئے۔
انہوں نے کہا:
میں نے اس ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور سے مصافحہ نہیں کیا۔
اور شیخ مرسی نے کہا:
اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پلک جھپکنے کی مقدار بھی میری نظروں سے اوجھل ہوں تو میں اپنے آپ کو مسلمان شمار نہ

کرتا۔

اس قول کی مثل اور بہت سے اولیاء اللہ سے منقول ہے۔

بکثرت متقدمین اور متاخرین سے منقول ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند میں زیارت کی اور اس کے بعد بیداری میں زیارت کی اور انہوں نے اس حدیث کی تصدیق کی اور جن چیزوں کے متعلق وہ متشوش تھے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چیزوں کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہ مسئلہ اس طرح بیان فرمایا جس سے ان کی تشویش اور پریشانی دور ہو گئی۔

علامہ سیوطی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت کے سلسلہ میں تمام احادیث مبارکہ، آثار اور نقول ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم وارواح کے ساتھ زندہ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اطراف ارض میں جب چاہیں جہاں چاہیں تصرف کرتے ہیں اور تشریف لے جاتے ہیں اور عالم ملکوت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اسی ہیئت کے ساتھ ہیں جس ہیئت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم وصال سے پہلے تھے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم آنکھوں سے اس طرح غائب ہیں جس طرح فرشتے غائب ہیں حالانکہ وہ اپنے اجسام کے ساتھ زندہ ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کے اعزاز واکرام کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو حجابات ہیں ان کو اٹھا دیتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ہیئت پر دیکھتا ہے۔ اس سے کوئی چیز مانع نہیں ہے اور جسم مثالی کی تخصیص کا کوئی باعث نہیں ہے۔

اور علامہ سیوطی کا تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق یہی موقف ہے۔

انہوں نے کہا:

انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں اور وفات کے بعد ان کی روحیں لوٹا دی گئیں اور ان کو قبروں سے نکلنے اور تمام علوی اور سفلی ملکوت میں تصرف کرنے کی اجازت دی گئی۔ اپنے اس موقف پر علامہ سیوطی نے کثیر احادیث مبارکہ دلائل کے طور پر دی ہیں۔

(1) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہر نبی فوت ہونے کے بعد صرف چالیس دن اپنی قبر میں رہتا ہے۔

(2) سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ

کوئی نبی فوت ہونے کے بعد چالیس دن سے زیادہ قبر میں نہیں رہتا۔

(3) امام الحرمین نے نہایہ میں اور علامہ رافعی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں اپنے رب عزوجل کے نزدیک اس سے زیادہ مکرم ہوں کہ وہ مجھے تین دن کے بعد بھی قبر میں رکھے۔

امام الحرمین نے کہا:
یہ بھی مروی ہے کہ دو دن سے زیادہ قبر میں رکھے۔
علامہ سیوطی کا موقف یہ ہے کہ
انبیاء کرام علیہم السلام قبروں میں نہیں ہوتے عالم ملکوت میں ہوتے ہیں۔
جن احادیث مبارکہ سے علامہ سیوطی نے استدلال کیا ہے علامہ ابن جوزی نے ان کو موضوع قرار دیا ہے۔
نیز
احادیث صحیحہ صریح سے یہ ثابت ہے کہ
انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں ہوتے ہیں۔
صحیح یہ ہے کہ
انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور جب چاہیں جہاں چاہیں روئے زمین میں تشریف لے جاتے ہیں اور تصرف کرتے ہیں۔
علامہ آلوسی لکھتے ہیں:
میرا ظن غالب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بصر سے اس طرح نہیں ہوتی جس طرح ہم دوسری متعارف چیزوں کو دیکھتے ہیں۔ یہ ایک حالت برزخی اور امر وجدانی ہے اس کو مکمل طور پر وہی جان سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت سے بہرہ مند کیا ہے اور چونکہ یہ روایت رؤیت بصری کے بہت زیادہ مشابہ ہوتی ہے اس لئے دیکھنے والا یہ گمان کرتا ہے کہ اس نے اپنی آنکھوں سے اس طرح دیکھا ہے جیسے وہ متعارف چیزوں کو دیکھتا ہے حالانکہ ایسا نہیں یہ رؤیت قلبی ہے جو رؤیت بصری سے بہت زیادہ مشابہ ہے۔ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتا ہے یا تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو دیکھتا ہے جو صورت مرئیہ میں (یعنی انسانی پیکر میں) ظاہر ہوتی ہے اور اس طرح روح کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کے ساتھ قائم رہتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور میں موجود ہے۔
جیسا کہ
حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں یا کسی اور صورت میں آتے تھے اس کے باوجود سدرۃ المنتہیٰ پر موجود ہوتے تھے یا زیارت کرنے والا شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مثالی کو دیکھتا ہے جس کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس متعلق ہوتی ہے اور جسم مثالی کی تعداد سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔
یہ ہوسکتا ہے کہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے اجسام مشابہ ہوں (اور بیک وقت بہت سے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

ریں) اوران اجسام مثالیہ میں سے ہر ہر جسم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کریم متعلق ہو۔

اس کی نظیر یہ ہے۔

جیسے انسان کی ایک روح اس کے بدن کے ہر ہر عضو کے ساتھ متعلق ہوتی ہے۔ ہماری اس تقریر سے شیخ ابوالعباس طنجی کے اس قول کی توجیہ ہو جاتی ہے کہ آسمان، زمین، عرش اور کرسی سب جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نظر آرہے تھے اور یہ اشکال بھی حل ہو جاتا ہے کہ متعدد دیکھنے والوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک معین وقت میں مختلف مقامات پر دیکھا۔

اور قبر میں انبیاء کرام علیہم السلام کو جو حیات حاصل ہوتی ہے ہر چند کہ اس حیات پر وہ امور مرتب ہوتے ہیں جو دنیا میں مرتب ہوتے تھے

مثلاً ۔

وہ نماز پڑھتے ہیں۔

اذان واقامت پڑھتے ہیں۔

جو سلام سنتے ہیں اس کا جواب دیتے ہیں۔

اوراس کی مثل دوسرے امور ہیں لیکن اس حیات میں وہ تمام امور مرتب نہیں ہوتے جو دنیا کی معروف حیات میں مرتب ہوتے ہیں اوراس حیات کو ہر شخص محسوس کرسکتا ہے نہ اس کا ادراک کرسکتا ہے اوراگر بالفرض تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی قبریں منکشف ہو جائیں تو عام لوگ قبروں میں انبیاء کرام علیہم السلام کو اسی طرح دیکھیں گے جس طرح باقی ان اجسام کو دیکھتے ہیں جن کو زمین نہیں کھاتی ورنہ احادث میں تعارض لازم آئے گا کیونکہ احادیث مبارکہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

اور مسند ابویعلیٰ میں حدیث مرفوع ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کو مصر میں منتقل کیا۔

(روح المعانی ج:22،ص:51 تا 55 ملخصاً دارالفکر بیروت)

شیخ انور شاہ کشمیری متوفی 1352ھ لکھتے ہیں:

اور میرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیداری میں زیارت کرنا ممکن ہے جس شخص کو اللہ تعالیٰ یہ نعمت عطا کرے۔

کیونکہ منقول ہے کہ

علامہ سیوطی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیس مرتبہ بیداری میں زیارت کی۔

(علامہ عبدالوہاب شعرانی نے خود علامہ سیوطی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ میں نے پچھتر بیداری میں زیارت کی اور بالمشافہ

ملاقات کی ہے)

(میزان الشریعۃ الکبریٰ ج:1، ص:44)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض احادیث مبارکہ کے متعلق سوال کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصحیح کے بعد ان کو صحیح قرار دیا۔ امام شعرانی نے بھی یہی لکھا ہے کہ انہوں نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیداری میں زیارت کی ہے اور آٹھ رفقاء کے ساتھ آپ سے صحیح بخاری پڑھی پھر امام شعرانی نے ان میں سے ہر ایک کا نام بھی لیا۔ ان میں سے ایک حنفی تھا۔

اخیر میں شیخ کشمیری نے کہا:

بیداری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت متحقق ہے اور اس کا انکار کرنا جہالت ہے۔

(فیض الباری، ج:1، ص:204 مطبع حجازی مصر)

عصمت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

عصمت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بحث سے پہلے عصمت کی تعریف کرنا ضروری ہے۔

عصمت کی تعریف

عصمت کی تعریف میں متعدد علماء کرام کے اقوال ہیں۔ جن میں چند علماء کرام کی بیان کردہ تعریفات عرض کرتا ہوں۔

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی 816ھ لکھتے ہیں:

گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے اجتناب کے ملکہ (مہارت) کو عصمت کہتے ہیں۔

(کتاب التعریفات ص107 دار الفکر بیروت)

قاضی عبد النبی بن عبد الرسل الاحمد نگری کا عصمت پر قول

عصمت کی تعریف یہ ہے۔

گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے اجتناب کا ملکہ

اور اس کی دوسری تعریف یہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ میں ایک ایسی قوت جو بندہ میں گناہوں پر قدرت اور اختیار کے باوجود اسے گناہوں اور مکروہات کے فعل سے روکتی ہے۔

گناہوں کے اجتناب سے ملکہ کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ

یہ بندہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسی صفت ہے جو اس کو خیر اور نیکی پر ابھارتی ہے اور اس کو شر اور برائی سے روکتی ہے۔ اس کے باوجود کہ بندہ میں گناہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار باقی رہتا ہے تاکہ اس میں امتحان اور ابتلاء کا معنی متحقق ہو۔

اسی وجہ سے شیخ ابو منصور ماتریدی علیہ الرحمہ نے فرمایا

عصمت آزمائش اور مکلف ہونے کی صفت کو زائل نہیں کرتی۔

اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ

شیعہ اور معتزلہ کی عصمت کی بیان کردہ تعریف فاسد اور باطل ہے۔

انہوں نے یہ تعریف کی ہے

کسی شخص کے نفس ناطقہ میں ایسی خاصیت یا اس کے بدن میں ایسی صفت ہو جس کی وجہ سے اس سے گناہوں کا صدور محال ہو اس کو عصمت کہتے ہیں۔ یہ تعریف اس لئے باطل ہے کہ اگر بندہ سے گناہوں کا صدور محال ہو تو اس کو گناہوں کے ترک کرنے کا مکلف کرنا صحیح نہیں ہوگا اور نہ اس کو گناہوں کے ترک کرنے پر ثواب عطا کرنا صحیح ہوگا۔

علامہ تفتازانی نے شرح العقائد ص 109 پر اس طرح لکھا ہے اور جنہوں نے عصمت کی یہ تعریف کی ہے کہ

اللہ تعالیٰ کا بندہ میں گناہ کا پیدا نہ کرنا اس کے باوجود کہ بندہ میں گناہ پر قدرت اور اختیار باقی ہو اس تعریف کا مآل بھی وہی ہے کیونکہ عصمت کی حقیقت صرف گناہوں سے بچنے کا ملکہ ہے۔

انبیاء معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء محفوظ ہوتے ہیں اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ انبیاء و اولیاء دونوں میں گناہوں پر قدرت و اختیار رہتا ہے لیکن انبیاء گناہ کا ارادہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان میں گناہ پیدا نہیں کرتا اور اولیاء اگر گناہ کا ارادہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ان میں گناہ پیدا کر دیتا لیکن وہ گناہ کا ارادہ کرتے ہی نہیں۔

(دستور العلماء: ج:2، ص:233 تا 234 دار الکتب العلمیہ بیروت)

میں کہتا ہوں کہ علامہ عبد النبی نے معصوم اور محفوظ میں جو فرق بیان کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اولاً اس لئے کہ گناہ کبیرہ کا ارادہ کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام اس سے بھی معصوم ہیں لہٰذا وہ گناہ کا ارادہ ہی نہیں کرتے۔

عصمت کا لغوی معنی

علامہ منظور افریقی لکھتے ہیں:

کلام عرب میں عصمت کا معنی ہے۔

روکنا

محفوظ رکھنا

اور جب اللہ تعالیٰ کی عصمت کا بندہ سے تعلق ہو تو اس کا معنی ہے بندہ کو ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچانا۔

(لسان العرب ج:12، ص:403 مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ ایران)

علامہ ابن اثیر جذری کا عصمت پر قول

عصمت کا معنی ہے۔

روک لینا

محفوظ رکھنا

عاصم کا معنی ہے

محفوظ رکھنے والا

حمایت کرنے والا

اعتصام کا معنی ہے

کسی شیء کو مضبوطی سے پکڑنا

باز رکھنا

(نہایہ: ج:3، ص:249 مطبوعہ مؤسستہ مطبوعاتی ایران)

علامہ راغب اصفہانی کا عصمت پر قول

عصمت انبیاء کا معنی یہ ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کی ذوات کی خصوصیات کی حفاظت کرنے پھر ان کے جسمانی اور روحانی فضائل کی حفاظت کرنا پھر ان کی مدد کرنا اور ان کو ثابت قدم رکھنا پھر ان پر سکینہ نازل کر کے ان کے دلوں کو محفوظ رکھنا اور ان کو توفیق دینا۔

(المفردات: ص:337 مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران)

علامہ زبیدی کا عصمت پر قول

زجاج نے کہا:

عصمت کا معنی ہے

رسی

ہر وہ چیز جو کسی چیز کو روک لے وہ اس کے لئے عصمت ہے

علامہ مناوی نے کہا:

گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے رکنے کے ملکہ کو عصمت کہتے ہیں۔

علامہ تفتازانی کا عصمت پر قول

عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ بندہ میں اس کی قدرت اور اختیار کے باوجود گناہ نہ پیدا کرے۔

اسی کے قریب یہ تعریف ہے۔

عصمت اللہ تعالیٰ کا لطف ہے جو بندہ کو اچھے کاموں پر ابھارتا ہے اور برے کاموں سے روکتا ہے۔ باوجود اس کے کہ بندہ کو گناہ پر اختیار ہوتا ہے تاکہ بندہ کا مکلّف ہونا صحیح رہے۔

اس لئے شیخ ابو ماتریدی نے فرمایا

عصمت مکلّف ہونے کو زائل نہیں کرتی۔ ان تعریفوں سے ان لوگوں کے قول کا فساد ظاہر ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ عصمت نفس انسان یا اس کے بدن میں ایسی خاصیت ہے جس کی وجہ سے گناہ کا صدور محال ہو جاتا ہے کیونکہ اگر کسی انسان سے گناہ کا صدور محال ہو تو اس کو مکلّف کرنا صحیح ہوگا۔ نہ اس کو اجر و ثواب دینا صحیح ہوگا۔

(شرح عقائد نسفی ص:109 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

علامہ شمس الدین خیالی کا عصمت پر قول

علامہ شمس الدین خیالی لکھتے ہیں:

گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے بچنے کے ملکہ کو عصمت کہتے ہیں۔

(حاشیہ الخیالی ص:146 مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ)

علامہ عصام الدین کا عصمت پر قول

علامہ عصام الدین نے عصمت کی تعریف ملکہ اجتناب معاصی کے ساتھ کرنے سے اختلاف کیا ہے

اور یہ توقف ہے

لکھتے ہیں

بلکہ اہل سنت کے نزدیک عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے میں گناہ پیدا نہ کرے۔

علامہ تفتازانی نے شرح المقاصد میں لکھا ہے کہ

جب عصمت کی تعریف ملکہ اجتناب معاصی کے ساتھ کی جائے گی تو یہ لازم نہیں آئے گا کہ غیر معصوم گناہ گار ہو چہ جائیکہ ظالم ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ علامہ خیالی نے عصمت کی تعریف ملکہ اجتناب معاصی کے ساتھ اسی وجہ سے کی ہو تا کہ یہ جواب دیا جا سکے۔

(حاشیہ العصام علی شرح العقائد ص:328 مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی کا عصمت پر قول

متکلمین کے نزدیک عصمت کی تعریف یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نبی میں کوئی گناہ پیدا نہیں فرماتا

اور حکماء کے نزدیک عصمت کی تعریف یہ ہے کہ

وہ ایک ملکہ ہے جو گناہوں سے روکتا ہے یہ ملکہ نیکیوں اور برائیوں کے علم سے حاصل ہوتا ہے یہی علم برائیوں سے باز رکھتا ہے اور نیکیوں پر ابھارتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام میں وحی الٰہی سے یہ علم اور مؤکد ہو جاتا ہے۔

(نسیم الریاض ج:4،ص:36 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

ملا علی قاری کا عصمت پر قول

شیخ ابو منصور ماتریدی نے کہا:

عصمت سے مکلف ہونا زائل نہیں ہوتا۔ یہ بات نہیں ہے کہ عصمت سے کس کے نفس شخص یا اس کے ہاتھوں یا اس کی زبان پر کوئی خاصیت پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اس سے گناہوں کا صدور ممتنع ہو جاتا ہے کیونکہ اگر کسی شخص سے گناہوں کا صدور ممتنع ہو تو اس کو گناہوں کے ترک کرنے کے ساتھ مکلف کرنا صحیح نہیں ہوگا جس طرح اندھے کو دیکھنے سے منع نہیں کیا جاتا اور کپکپانے والے کو سکون سے نہیں منع کیا جاتا کیونکہ یہ تحصیل حاصل ہے۔

(شرح فقہ اکبر:ص:147 مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر)

علامہ میر سید شریف جرجانی کا عصمت پر قول

علامہ میر سید شریف جرجانی لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک عصمت کی تعریف یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام میں گناہ نہ پیدا فرمائے۔

اور حکماء کے نزدیک عصمت ایک ملکہ ہے جو گناہوں سے روکتا ہے۔

(شرح مواقف ص:698 مطبوعہ مطبع منشی نوالکشور)

قاضی عیاض مالکی کا عصمت پر قول

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

جمہور اس نظریہ کے قائل ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنے کسب اور اختیار سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف حسین نجار (معتزلی) نے یہ کہا ہے:

انبیاء کرام علیہم السلام کو گناہوں پر بالکل قدرت نہیں ہوتی۔

(شفاء: ج:2،ص:125 مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان)

علامہ ابن ابی شریف کا عصمت پر قول

علامہ ابن ربی شریف لکھتے ہیں

صاحب ہدایہ نے یہ کہا ہے:

امام ابومنصور ماتریدی کے قول کا مطلب یہ ہے کہ عصمت عبادت پر مجبور کرتی ہے نہ معصیت سے عاجز کرتی ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک لطف ہے جو بندہ کو قدرت اور اختیار کے باوجود نیکی پر برانگیختہ کرتا ہے اور برائی سے روکتا ہے تاکہ بندہ کا مکلف ہونا صحیح رہے۔

(مسامرہ، ص:205، مطبوعہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ بلوچستان)

علامہ قاسم بن قطلو بغا حنفی کا عصمت پر قول

علامہ قاسم بن قطلو بغا حنفی لکھتے ہیں:

عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ بندے میں گناہ کی قدرت اور اختیار کے باوجود گناہ کو پیدا نہ کرے۔

(شرح المسائرہ، ص:290 مطبوعہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ بلوچستان)

علامہ شرتوتی کا عصمت پر قول

علامہ شرتوتی لکھتے ہیں:

گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے بچنے کا ملکہ عصمت ہے۔

(کتاب التعریفات، ص:65 مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر)

عصمت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر دلائل

انبیاء کرام علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہیں۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ اسی پر ہے جو کہ گزشتہ صفحات میں عرض کر دیا ہے۔

لیکن یہاں پر چند دلائل ملاحظہ ہوں۔

(1) اگر انبیاء کرام علیہم السلام سے گناہ صادر ہو جائے تو ان کی اتباع حرام ہوگی حالانکہ ان کی اتباع کرنا واجب ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ (آل عمران: 31)

آپ فرما دیجئے! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تمہیں محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

(2) جس سے گناہ صادر ہوں اس کی شہادت کو بلا تحقیق قبول کرنا جائز نہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا (الحجرات: 6)

اے ایمان والو! اگر فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔

اوراس پر امت کا اجماع ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شہادت کو بلا تحقیق قبول کرنا واجب ہے۔
(3) فاسق نبوت کا اہل نہیں ہے۔
قرآن مجید میں ہے:
قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ۝ (البقرہ: 124)
اللہ نے فرمایا ظالموں کو میرا عہد نہیں پہنچتا۔
اور کبھی بھی کوئی نبی فاسق نہیں ہوا۔
(4) اگر نبی سے گناہ صادر ہو جائے تو ان کو (العیاذ باللہ) ملامت کرنا جائز ہوگا اور اس سے نبی کو ایذا پہنچے گی اور انبیاء کرام علیہم السلام کو ایذا پہنچانا حرام ہے۔
قرآن مجید میں ہے:
اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (الاحزاب: 57)
بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔
(5) انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے بندے مخلص بندے ہیں۔
قرآن مجید میں ہے:
وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ۝ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ
(ص: 45، 46)
اور ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو یاد کیجئے جو قوت اور نگاہ بصیرت والے ہیں۔
ہم نے ان کو مخلص کر دیا۔
اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مخلص کو شیطان گمراہ نہیں کر سکتا۔
قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ۝ (ص 82 تا 83)
ابلیس نے کہا: تیری عزت کی قسم۔ میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا۔ سوا تیرے مخلص بندوں کے۔
(6) گناہ گار لائق مذمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی عزت افزائی کی ہے۔
وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ۝ (ص: 47)
اور بے شک وہ ہماری بارگاہ میں ضرور پسندیدہ بندوں میں سے ہیں۔
(7) انبیاء کرام علیہم السلام لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اگر وہ خود گناہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوگا۔
قرآن مجید میں ہے:

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ٥(الصف: 3)

اللہ کے نزدیک یہ بات سخت ناراضگی کی موجب ہے کہ تم وہ بات کہو جو خود نہیں کرتے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام سے اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لئے راضی ہے۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا٥ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ(جن: 26، 27)

وہ عالم الغیب ہے تو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا بجز ان کے جن سے وہ راضی ہے اور اس کے رسول ہیں۔

اس آیت میں واضح فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ سب رسولوں سے راضی ہے اور نیکی کا حکم دے کہ خود عمل نہ کرنے والے سے وہ راضی نہیں ہے۔

(8) اگر معاذ اللہ انبیاء کرام علیہم السلام سے گناہوں کا صدور ہوتا تو وہ مستحق عذاب ہوتے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا٥(جن: 23)

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو لاریب اس کے لئے جہنم کی آگ ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام جہنم سے محفوظ اور مامون ہیں اور ان کا مقام جنت خلد ہے۔

(9) انبیاء کرام علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں اور فرشتوں سے گناہ صادر نہیں ہوتے تو انبیاء کرام علیہم السلام سے بطریق اولیٰ گناہ صادر نہیں ہوں گے۔ فرشتوں سے افضلیت کی دلیل یہ ہے کہ فرشتے عالمین میں داخل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو تمام عالمین پر فضیلت دی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ٥(آل عمران: 33)

بے شک اللہ نے آدم نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے۔

اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ارشاد فرمایا

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

ترجمہ: اور ہم نے تمہیں نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت۔

معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہیں۔

امام رازی لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام سے زمانہ نبوت میں یقینی طور پر کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا کبیرہ نہ صغیرہ۔

(تفسیر کبیر، ج:1، ص:302 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

میر سید شریف جرجانی لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام اپنے زمانہ میں مطلقاً گناہ کبیرہ سے اور عمداً صغیرہ سے معصوم ہوتے ہیں۔

(شرح مواقف ص:689 مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ)

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا فرمایا اور جب پیدا فرما دیا تو جنت جیسی عظیم برکت والی جگہ میں رکھا جہاں پر حضرت آدم علیہ السلام مقیم رہے۔

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر خیر کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ لفظ ''آدم'' کی تحقیق کی جائے۔

آدم کی لفظی تحقیق

لفظ آدم کی لفظی تحقیق کے بارے کئی اقوال ہیں۔ چند ملاحظہ فرمائیں۔

محی الدین درویش لکھتے ہیں:

آدم اسم علم ہے اور عجمی ہے

جیسا کہ

آزر

عابر

اور عاذر ہے۔

اور یہ علیت اور عجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ

یہ ادمۃ سے مشتق ہے۔

یا

ادیم الارض سے مشتق ہے ان کا قول صحیح نہیں ہے کیونکہ اشتقاق عربی زبان کا خاصہ ہے اور عجمی لفظ کا مادہ اشتقاق عربی الفاظ کیسے ہو سکتے ہیں۔

(اعراب القرآن وبیانہ: ج:1، ص: 80 مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لفظ آدم پر قول

حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

امام فریابی، امام ابن سعد، امام ابن جریر، امام ابن ابی حاتم، امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو آدم اس لئے کہا گیا ہے ان کو ادیم الارض سے بنایا گیا ہے (یعنی زمین کی سطح سے) سرخ، سفید اور سیاہ مٹی سے اسی طرح لوگوں کے رنگ مختلف ہیں۔

سرخ

سیاہ

سفید

پاک اور نجس

(الدر المنثور: ج:1، ص:49 مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

امام عبد بن حمید کا لفظ آدم پر قول

امام عبد بن حمید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو ادیم ارض سے پیدا کیا گیا۔

سرخ

سفید

اور سیاہ مٹی سے

(الدر المنثور ج:1، ص:49 مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے خلیفہ بنانے کا مشورہ

اللہ تعالیٰ نے جب اس عالم میں اپنا خلیفہ بنانا چاہا تو فرشتوں سے خلیفہ بنانے کے بارے میں مشورہ کیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (البقرہ: 30)

اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔

خلیفہ کا معنی

خلیفہ کا لغوی معنی ہے

جانشین

نائب

قائم مقام

علامہ راغب اصفہانی اس کا عرفی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

خلافت کا معنی ہے۔

دوسرے شخص کی نیابت کرنا

یا

اس وجہ سے کہ اصل شخص کہیں چلا گیا تو یہ غیر موجودگی میں اس کا نائب ہے اور یا اس وجہ سے کہ اصل شخص فوت ہو گیا ہے اور اب یہ اس کے قائم مقام ہے اور یا اس وجہ سے اصل شخص اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے سے عاجز ہے تو یہ اس کی ذمہ داریوں کو پورا کر رہا ہے اور یا اس وجہ سے کہ جس کو خلیفہ بنایا گیا ہے اس کو ان لوگوں پر عزت، فضیلت اور شرف عطا کرتا ہے جن پر اس کو خلیفہ بنایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو انبیاء کرام علیہم السلام کو اور اپنے نیک بندوں کو زمین پر خلیفہ بنایا ہے اس کی یہی چوتھی وجہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ غائب ہونے سے، فوت ہونے سے اور عاجز ہونے سے پاک ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے جن کو لوگوں کا خلیفہ بنایا ہے وہ ان کو دوسرے لوگوں پر عزت اور شرف عطا فرمانے کے لئے ہے۔

قرآن مجید میں ہے: هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ ؕ (فاطر: 39)

وہی ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا

اور قرآن مجید میں ہے:

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ (ص: 26)

اے داؤد! بے شک ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنا دیا ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں۔

خلیفہ کا معنی ہے۔

جو زمین میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کرتا ہے اگر اس سے متصل پہلی آیتوں کا معنی یہ ہوتا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اوریاہ کی بیوی پر قبضہ کرنے کے لئے اس کو مروا دیا تو اس کے متصل بعد حضرت داؤد علیہ السلام کو خلیفہ بنانے کا کیوں ذکر فرمایا جاتا کہ خلیفہ اسی شخص کو کہتے ہیں جو زمین سے فتنہ فساد اور خون ریزی کو دور کرے نہ کہ اس شخص کو خلیفہ بنایا جاتا ہے جو اپنی نفسانی خواہش پوری کرنے کے لئے کسی کو ناحق قتل کرائے۔

(تفسیر کبیر: ج:9، ص:386 دار الفکر بیروت)

خلیفہ کی تعریف

خلیفہ نائب یا قائم مقام کو کہتے ہیں۔
جب اصل شخص خود کار حکومت انجام نہ دے سکے تو اس کا خلیفہ مقرر کیا جاتا ہے۔
مثلاً
اصل شخص کہیں چلا جائے تو عارضی طور پر اس کی جگہ کام کرنے کے لئے خلیفہ مقرر کرتے ہیں۔
یا
اصل شخص فوت ہو جائے تو اس کی جگہ خلیفہ مقرر کیا جاتا ہے۔
اللہ تعالیٰ کہیں جانے اور فوت ہونے سے پاک ہے تو پھر اس کو خلیفہ کی کیا ضرورت تھی۔
اس کا جواب یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ کو خلیفہ کی ضرورت نہ تھی بلکہ بندوں کو ضرورت تھی کیونکہ انسان اپنی مادی کثافت اور عدم قرب کے حجابات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے براہ راست فیض حاصل نہیں کر سکتا تھا اور اس سے احکام وصول نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے اور انسانوں کے درمیان ایک خلیفہ بنایا اور اس کا نام نبی اور رسول رکھا اور انبیاء کرام علیہم السلام کو ایسی صلاحیتیں اور استعداد عطا فرمائی کہ وہ فرشتے کے واسطے یا بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے احکام حاصل کر سکیں۔ عام انبیاء کرام و مرسلین علیہم السلام کی طرف فرشتے بھیجے جاتے ہیں اور مقربین سے اللہ تعالیٰ خود بھی کلام فرماتا ہے۔
جیسے
حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے میقات میں کلام فرمایا اور ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شب معراج کلام فرمایا۔
خلیفہ کا ایک معنی یہ ہے کہ
جو اللہ تعالیٰ کا نائب ہو اور اس کا خلیفہ ہو اور اللہ تعالیٰ سے احکام حاصل کر کے بندوں تک پہنچائے۔ یہ معنی نبی اور رسول کے مترادف ہے۔
خلیفہ کا دوسرا معنی یہ ہے کہ
جو نبی اور رسول کے نائب اور اس کا خلیفہ ہو اور نبی کی بیان کی ہوئی شریعت جو لوگوں پر نافذ کرے اور منہاج نبوت حکومت چلائے۔
قرآن مجید میں ہے:
وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ

مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ (النور: 55)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے ان سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمالیا ہے کہ وہ ان کو ضرور بہ ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جس سے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا۔

اس آیت میں خلیفہ کا یہی دوسرا معنی ہے۔

آیت مبارکہ میں خلیفہ کا مصداق

اس آیت میں خلیفہ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں یا حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد مراد ہیں کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیفہ تھے اور ان کے بعد آنے والی ان کی اولاد لغوی معنی کے اعتبار سے ان کی خلیفہ تھی یعنی بعد میں آنے والے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نائب کے لئے چار الفاظ استعمال فرماتے ہیں اس آیت میں خلیفہ فرمایا اور اس کے بعد اسی آیت میں اس کو آدم فرمایا۔

فرمایا

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرہ: 30)

اور اللہ نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھا دیئے۔

اس کو بشر سے تعبیر فرمایا

اِنِّيْ خَالِقٌ ۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ○ (ص: 71)

میں مٹی سے بشر بنانے والا ہوں۔

اس کو انسان بھی فرمایا

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ (الحجر: 26)

اور بے شک ہم نے انسان کو بجنے والی سیاہ مٹی سے پیدا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کے نائب ہونے کے اعتبار سے آپ علیہ السلام کو خلیفہ بنایا۔

گندمی رنگ کی وجہ سے آدم فرمایا۔ جسم کی ظاہری وضع، چہرے مہرے اور کھال کی ساخت کے اعتبار سے بشر فرمایا اور حقیقت اور ماہیت کے اعتبار سے انسان فرمایا۔

اس آیت میں خلیفہ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں کیونکہ یہاں سارے واقعات انہی کے بیان ہو رہے ہیں۔
(تفسیر نعیمی، پارہ اوّل: ص: 264 نعیمی کتب خانہ لاہور)

پہلے خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام ہوئے اور آخری خلیفہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے کیونکہ وہ امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ

وسلم کے خاتم الاولیاء یعنی آخری ولی ہیں۔

(تفسیر نعیمی، پارہ اول،ص:264،نعیمی کتب خانہ لاہور)

انبیاء کرام علیہم السلام کا خلیفہ ہونا

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام چند وجہوں سے خلیفہ ہوئے۔

(1) یہ کہ یہ آسمان اور زمینی چیز کے مجموعہ ہیں کہ ان کا جسم فرشی اور روح عرشی ہے۔

(2) یہ کہ یہ حق تعالیٰ کی ساری صفات کے مظہر ہیں۔

(3) یہ کہ ان کو رب عزوجل نے اپنا علم عطا فرمایا جس سے انہوں نے قوانین اور قاعدے بناڈالے۔

(4) یہ کہ ان کو اپنا کلام دیا کہ رب عزوجل کے کلام کو اپنی زبان سے مخلوق تک پہنچایا۔

(5) یہ کہ ان کو ایسی قدرت کاملہ عطا فرمائی جو رب عزوجل کی قدرت کا نمونہ ہے۔اگر چہ بظاہر فرشتے بہت قوی ہیں لیکن نبی کی قدرت وقوت ان سے کہیں بڑھ کر ہے۔حضرت ملک الموت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک تھپڑ کی تاب نہ لاسکے۔جیسا کہ احادیث مبارکہ میں آیا۔(اور میں نے گزشتہ صفحات میں ذکر بھی کردیا)

(6) یہ کہ دنیا کی ہر چیز کو ان کے قبضے میں دیا گیا کہ حیوانات جمادات بلکہ آسمان وزمین پر ان کی حکومت قائم ہوئی۔

خیال رہے کہ

سلطان کی نیابت وخلافت دو جزوں پر موقوف ہے۔سلطان کا سا علم اور سلطان کی سی قدرت اسے عطا ہو۔ورنہ وہ سلطان کا کام نہیں سنبھال سکتا۔

اس لئے

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت ثابت کرنے کے لئے انہیں علم اسماء دیا۔اس علم کی عطا ظاہر فرمائی اور مسجود ملائکہ بنایا اس میں قدرت خلیفہ ظاہر کی۔بڑی قدرت والے فرشتوں کے مسجود ہیں۔

(7) یہ کہ جسمانیات کے علاوہ روحانیات میں بھی ان کا بہت دور دورہ ہے کہ جنات فرشتے ان کے قبضہ میں۔

خیال تو کرو کہ

عرب شریف کا ایک ناقہ نشین شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم آن کی آن میں زمین وآسمان کو طے فرماتا ہوا وہاں تشریف فرما ہو کر آگیا۔جہاں فرشتے کا خیال بھی نہیں پہنچ سکتا۔یہ تو قوت انبیاء کرام علیہم السلام کا کچھ ذکر ہوا شاید اس کا کفار انکار کر جائیں لیکن اب سائنس کے کرشمے اور مسمریزم کی طاقتیں تو سب پر ظاہر ہوگئیں کہ جس نے انسان کی طاقت وقوت کو بالکل ظاہر کردیا۔

بھلا خیال کرو کہ

انسان نے زمین پر بیٹھے بیٹھے آسمانوں کی پیائش کرڈالی چاند تاروں کی حرکتیں معلوم کر کے ان کی تقسیم کرڈالی جس سے منٹ اور سیکنڈ بنا لیئے۔ آوازوں کی فوٹوگرافی میں قید کرلیا۔ ٹیلی فون اور تار برقی کے ذریعہ تین سیکنڈ میں آواز کو ساری زمین میں گھما دیا۔ غرضیکہ اس نے وہ کام کر کے دکھائے جن کی مثال نہیں۔

معلوم ہوا کہ

یہی حق تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہے اور یہی خلافت کے لائق

بعض نے فرمایا:

یہاں خلیفہ سے مراد جنات اور فرشتوں کا خلیفہ ہے کیونکہ یہ انسان ان دونوں کے بعد زمین میں آباد ہوئے۔ اس معنی سے ہمارے انسان خلیفہ ہیں۔

قرآن کریم میں ہے۔

يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ (النمل: 62)

شیخ ابن عربی فتوحات مکیہ میں دسویں باب میں فرماتے ہیں کہ

آدم علیہ السلام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے خلیفہ اور نائب ہوئے۔

امام بوصیری قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں۔

فانه شمس فضل هم كواكبها يظهرن انوارها للناس فی الظلم

ترجمہ: یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم بزرگی کے سورج ہیں اور سارے پیغمبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تارے ہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول، ص: 264 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حقیقت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خلیفہ اعظم

عام اجسام اور ظاہر میں حضرت آدم علیہ السلام ہی پہلے انسان اور اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں لیکن درحقیقت میں اول خلق اور اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اعظم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

جیسا کہ کثیر احادیث مبارکہ میں اس کی تصریح ملتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبوت کب ثابت ہوئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس وقت آدم (علیہ السلام) روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(جامع ترمذی:ص:519 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی کب بنے تھے؟

لوگوں نے کہا:

چپ کر چپ کر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کو چھوڑ دو۔ جس وقت آدم (علیہ السلام) روح اور جسم کے درمیان تھے میں اس وقت نبی تھا۔

(الطبقات الکبریٰ ج:1 ص:148 مطبوعہ دار اصادر بیروت)

حضرت میسرۃ الفجر سے روایت ہے کہ

میں نے عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی کب تھے۔

ارشاد فرمایا

جس وقت آدم (علیہ السلام) روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(الوفاء، ج:1 ص:23 مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

امام رازی لکھتے ہیں کہ

فرشتوں کو جو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور تھا۔

(تفسیر کبیر ج:2، ص:302 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی حقیقت میں خلیفہ اعظم ہیں اور زمینوں اور آسمانوں کی بلندیوں میں وہی خلیفہ اور پہلے امام اگر وہ نہ ہوتے تو نہ آدم پیدا کئے جاتے اور نہ کوئی اور چیز پیدا کی جاتی۔

(روح المعانی ج:1 ص:218 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

سادات صوفیہ کا مسلک ہے کہ فرشتوں میں سے عالمین کو سجدہ کرنے کا حکم نہ تھا اور ان آیات میں جن فرشتوں

تعالیٰ نے خطاب فرمایا اور جن کو سجدہ کا حکم دیا اور جنہوں نے سجدہ کیا وہ سب عالمین کے ماسوا تھے کیونکہ جو فرشتے عالمین ہیں وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ذات میں مستغرق رہتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کسی چیز کا شعور نہیں ہوتا اور اس آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ○(ص: 75)

تو نے تکبر کیا ہے یا تو عالین میں سے تھا۔

اور عالین میں سے ہی ایک فرشتہ ہے جس کا نام روح، قلم اعلیٰ اور عقل اوّل رکھا گیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا آئینہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کا ظہور صرف اس فرشتے میں ہوتا ہے اور باقی تمام مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی صرف صفات کا ظہور ہوتا ہے روہ فرشتہ دنیاوی اور اخروی عالم کا قطب ہے اور جنت اور دوزخ والوں کا قطب ہے اور کثیب اور اعراف والوں کا قطب ہے تمام مخلوقات کا مدار اس فرشتہ پر ہے۔ اسی فرشتہ کو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور ان کے مرتبہ کا علم تھا کیونکہ اسی نے لوح عالم کان ویکون کو لکھا تھا اور قلم نے جو کچھ لکھا اس کا لوح کو علم ہے اور اس فرشتہ کا اپنے تمام کمالات کے ساتھ حقیقت محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہور ہوا۔

جیسا کہ اس آیت مبارکہ میں ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ط (الشوریٰ: 52)

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے امر سے روح کی وحی ہے۔

اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخلوق میں افضل علی الاطلاق ہیں بلکہ وہی ساتوں آسمانوں میں حقیقت میں خلیفہ ہیں۔

(روح المعانی: ج:1، ص:220 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اسی سبب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

آدم ہوں یا ان کے ماسوا حشر کے دن ہر نبی میرے جھنڈے کے نیچے ہوگا۔

(جامع ترمذی: ص:520 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

کیا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے مشورہ لیا تھا یا خبر دی تھی

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے جو فرمایا تھا۔

''میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔''

یہ فرشتوں سے مشورہ نہیں تھا۔ کیونکہ مشورہ کا معنی ہے۔

''کسی شخص کا دوسرے شخص کی طرف رجوع کر کے ایک رائے کو حاصل کرنا۔

(المفردات ص: 270 مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران)

اور اللہ تعالیٰ اپنے کام میں کسی کی رائے حاصل کرنے سے پاک اور بری ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنی تخلیق کی پیشگی خبر دی تھی تاکہ فرشتے اس خبر پر اپنی رائے کا اظہار کریں اور اللہ تعالیٰ ان کی رائے کے متعلق اپنا حکم اور اپنی نعمتوں کو بیان فرمائے۔

فرشتوں کا اللہ تعالیٰ کو خلیفہ بنانے پر تعجب سے اظہار

جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ فرمایا: میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے کہا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ

(البقرہ:30)

فرشتوں نے کہا: کیا آپ ایسے شخص کو خلیفہ بنائیں گے جو زمین میں فساد اور خون ریزی کرے گا حالانکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔

فرشتوں کے سوال کا محمل

اگر حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق فرشتوں نے یہ کہا تھا کہ وہ فساد اور خون ریزی کریں گے تو اس کی تاویل یہ ہے کہ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی اولاد کی اصل اور منشاء ہیں اور اولاد آدم میں سے بعض لوگ فتنہ، فساد اور خون ریزی کریں گے۔ اس لئے فرشتوں نے ان کی طرف ان کاموں کا اسناد کر دیا اور اگر فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے متعلق یہ کہا تھا تو پھر کسی تاویل کی ضرورت نہیں کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے بعض فساق نے بہر حال یہ کام کئے۔

فرشتوں کا یہ قول

اللہ تعالیٰ کی اس خبر یا اطلاع پر اعتراض یا انکار اور بنو آدم کی غیبت نہیں ہے کیونکہ فرشتے معصوم ہیں بلکہ یہ اس پر تعجب کا اظہار ہے کہ زمین کی آباد کاری اور اصلاح کے لئے فسادیوں اور خون ریزیوں کو خلیفہ بنایا جائے یا فرشتوں جیسے اطاعت گزاروں کو چھوڑ کر نافرمانوں کو خلیفہ بنایا جائے گا۔

یا

فرشتے اس سوال کے ذریعے اس حکمت کو جاننا چاہتے جس کی بناء پر ان مفسدوں کے فساد سے صرف نظر کر کے ان کو خلیفہ بنایا جائے گا۔

جیسے

استاد کی تقریر پر متعلم کو کوئی شبہ پیدا ہو تو وہ اس شبہ کے ازالہ کے لئے استاذ سے سوال کرتا ہے۔

اس لئے

فرشتوں کا یہ سوال اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر نہ انکار ہے نہ بنو آدم کی غیبت اور عیب جوئی ہے۔

فرشتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ (الانبیاء: 26، 27)

بلکہ وہ عزت والے بندے ہیں کسی بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

باقی رہا یہ سوال کہ

فرشتوں کو کیسے علم ہوا کہ بعض بنو آدم فساد اور خون ریزی کریں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے مطلع فرمایا تھا۔ انہوں نے لوح محفوظ میں صرف اتنا مطالعہ کر لیا تھا کہ بنو آدم فساد کریں گے اور بنو آدم کے شرف اور فضیلت کے مطالعہ سے ان کو روک دیا گیا تھا کیونکہ وہ اس کا بھی مطالعہ کر لیتے تو پھر ان کو کوئی شبہ نہ رہتا۔

یا

ان کے عقول میں یہ مرتکز تھا کہ معصوم ہونا صرف ان کا خاصہ ہے۔ اس لئے انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ ان کے سوا باقی مخلوق گناہ کرلے گی

یا

اس لئے کہ اس سے پہلے زمین پر جن فساد کر چکے تھے تو انہوں نے انسانوں کو بھی جنوں پر قیاس کیا اور فرشتوں نے جو یہ کہا

تو ایسوں کو خلیفہ بنائے گا جو زمین میں خون ریزی اور فساد پھیلائیں گے۔

تو یہ وہ عرض ہے کہ

جو فرشتوں نے خلیفہ کی خبر سن کر بارگاہِ الٰہی عزوجل میں پیش کی یا تو یہ کلام سارے فرشتوں کا ہے یا زمین والوں کا

بعض علماء فرماتے ہیں کہ

صرف ہارون ماروں کا ہے۔

علماء کرام فرماتے ہیں کہ

جن فرشتوں نے یہ عرض کر کے خون ریزی اور فساد کو انسان کی طرف نسبت دی ان کو اللہ تعالیٰ نے اسی لئے مقرر کیا ہے کہ جنگ میں شرکت کر کے مسلمانوں کی امداد کیا کریں۔

اور فرشتوں نے سمجھا کہ انسان کی خلافت سے زمین میں دو زبردست خرابیاں پیدا ہوں گی۔

(1) فساد

(2) خون ریزی

یا تو اس لئے سمجھا کہ وہ لوح محفوظ میں دیکھ چکے تھے رب عزوجل نے انہیں علم غیب بخشا کہ سعادت وشقاوت سے خبردار تھے۔

(تفسیر نعیمی، پارہ اول، ص:265 نعیمی کتب خانہ لاہور)

کیا فرشتوں نے تسبیح اور حمد تفاخر کے طور پر کہا

فرشتوں نے جو یہ کہا کہ

ہم تیری تسبیح ، حمد اور تقدیس کرتے ہیں اس سے خود ستائی ، خود نمائی ، عجب اور تفاخر مقصود نہیں تھا بلکہ وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ جس کو خلیفہ بنایا گیا ہے اس میں تین قوتیں ہیں۔

(1) قوت شہوانیہ

(2) قوت غضبیہ

(3) اور قوت عقلیہ

پہلی دو قوتوں کے لحاظ سے وہ فتنہ وفساد کرے گا اور ان دو قوتوں کے اعتبار سے تو اس کو پیدا ہی نہیں کرنا چاہئے چہ جائیکہ اس کو خلیفہ بنایا جائے اور رہی قوت عقلیہ تو وہ فرشتوں کو بھی حاصل ہے اور ان کو اس لئے ترجیح ہے کہ ان میں شہوت اور غضب نہیں ہے جو فتنہ وفساد کی موجب ہو تو پھر راجح کو چھوڑ کر مرجوع کو خلیفہ بنانے کی کیا حکمت ہے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

فرشتوں کا یہ قول

ہم تیری تسبیح اور تیری حمد بولا کریں۔

یعنی ہم سب فرشتوں کا یہی کام ہے کہ ہمیشہ تیری پاکی بولا کریں اور تیری تعریف کیا کریں یا تیرا شکر بجالایا کریں۔

نقدس تقدیس سے بنا ہے جس کے معنی ہیں۔

کسی کی صفات کمالیہ بیان کرنا تسبیح میں عیبوں کی نفی اور تقدیس میں صفات کا اثبات ہے تو ان کا مطلب یہ ہوا کہ مولیٰ عزوجل ہم فرشتوں میں گناہ کرنے کا مادہ ہی نہیں کیونکہ ہم میں نہ غصہ ہے نہ غضب ہے نہ شہوت نہ غرور نہ حسد وغیرہ

ہمارے کام صرف تین ہیں

تیری پاکی بولنا

تیرا شکر کرنا

اور

تیری عظمت بیان کرنا

لہٰذا اگر ہم کو ہی اس خلافت سے سرفراز فرمایا جائے تو تیرا عین کرم ہے کیونکہ ہماری وجہ سے تیری زمین گندی نہ ہوگی۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص:265 نعیمی کتب خانہ لاہور)

میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے

جب فرشتوں نے کہا:

تو ان کو خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد اور خون ریزی کرے گا حالانکہ ہم آپ کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

-قَالَ اِنِّیٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (بقرہ: 30)

فرمایا میں ان چیزوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے۔

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرشتوں کو اجمالی جواب ارشاد فرمایا۔

یعنی اے فرشتو ہمیں تمہاری عبادت اور انسان کی نافرمانی کا پورا پورا علم ہے مگر پھر بھی اس کو خلیفہ بنانے جو راز ہیں وہ تم نہیں جانتے تم میں اور اس میں چند فرق ہیں۔ اسی وجہ سے وہ خلافت کا زیادہ حق دار ہے۔

(1) ایک یہ کہ تم کامل عابد اور وہ کامل عالم ہوگا اور عابد کے لئے مسجد کا محراب اور عالم کے لئے خلافت کا تخت و تاج ہے۔

(2) دوسرے یہ کہ تمہارا تعلق فقط عالم ارواح سے ہے۔ اس کا تعلق اجسام و ارواح دونوں سے ہوگا کیونکہ اسے جسم اور روح دونوں ملیں گے۔

(3) تیسرے یہ کہ تمہاری عبادت جبری ہے وہ تمہاری غذا ہے ان کی عبادت اختیاری ہوگی۔

(4) چوتھے یہ کہ تمہیں عبادت سے کوئی چیز روکنے والی نہیں۔ اس کے لئے ہزاروں چیزیں درپیش ہوں گی پھر وہ ان سب کو لات مار کر ہماری اطاعت کرے گا۔ اس لئے اس کا ایک سچا سجدہ تمہاری عبادتوں سے افضل ہوگا۔

(5) یہ کہ تم میں کوئی گناہ گار نہیں اس لئے تم سے ہماری شان ستاری غفاری ظاہر نہیں ہو سکتی ان میں گناہ گار بھی ہوں گے جن کے گناہوں کو میں چھپاؤں گا اور جب وہ روتے ہوئے توبہ کریں گے تو میں مغفرت کروں گا۔ بے شک ان میں شہوت اور غضب ہوگا مگر جب وہ میرے صرف ہوگا تو اس سے بڑے بڑے عمدہ نتیجے نکلیں گے۔ اس کے دل میں میرے عشق اور محبت کا جوش ان کے خیال میں میرا جذبہ ہوگا اور جب وہ اپنا غصہ میری رضا کے لئے استعمال کرے گا تو میدان جہاد میں جانباز غازی بن جائے گا اور شہید یا فتح مند ہو کر مٹے گا اور چونکہ ان میں برائیاں اور قباحتیں ہوں گی اس لئے ان میں رسول کتابیں اور احکام

بھیجے جائیں گے اور ان سے وعدے وعید کئے جائیں گے۔

اے ملائکہ اور فرشتو!

جس طرح ان میں فاسق و فاجر بدکار ہوں گے۔ ایسے ہی ان میں متقی عابد و زاہد و پرہیزگار بھی ہوں گے۔ سب سے بڑ کر یہ کہ ان میں احمد مختار ہوں گے اور ان کے اصحاب کبار (علیہم الرضوان) اور اہل بیت اطہار ہوں گے۔

(6) یہ کہ تم صرف رکوع و سجود کی عبادت کر سکتے ہو۔ انسان ہزار ہا ایسی عبادت کرے گا جو تم نہیں کر سکتے۔

وہ بھوکا رہ کر روزہ دار

مسافر بن کر حاجی

میری راہ میں سڑ کر غازی

میرا قرآن پڑھ کر قاری

دشمنوں میں فیصلہ کر کے قاضی

چہرہ پاک مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھ کر صحابی بنے گا

غرضیکہ ہر عضو سے صد عبادتیں انجام دے گا۔

(7) ساتویں یہ کہ

اے فرشتو! اس انسان کے طفیل تم کو ہزار ہا عبادتیں نصیب ہو جائیں گی۔ جواب تم نہیں کر سکتے پھر تم میں کوئی حامل وحی بن کر فرشتوں کا سردار بنے گا کوئی بدر کے میدان میں صحابہ کرام (علیہم الرضوان) کے ساتھ شرکت کر کے ہم سے تمغہ پائے گا کوئی کاتب اعمال بنے گا۔

(8) آٹھویں یہ کہ اسے درد دل اور عشق ملے گا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل، ص:366 نعیمی کتب خانہ لاہور)

کیا فرشتوں نے اللہ تعالیٰ پر اعتراض کیا تھا

فرشتوں نے اللہ تعالیٰ پر اعتراض نہیں کیا تھا بلکہ خلیفہ بنانے کی حکمت دریافت کرنا تھی۔ اور یہ حکمت بالکل جائز تھی ا فرشتے پھر کب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعتراض کر سکتے تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی ہر وقت لطاعت و عبادت میسر ہے اور وہ اس قد مقدس اور نورانی ہیں کہ کبھی گناہ نہیں کیا تو پھر وہ اللہ تعالیٰ پر کیسے اعتراض کر سکتے تھے اور یہ تو وہ مقدس فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ ا اس کے رسولوں کے درمیان واسطہ ہیں۔ وہ ہمیشہ عبادت گزار اور مساجد ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ان کو بہت قرب حاصل ہے۔ معصوم ہیں کہ کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کر سکتے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے حد سے زیادہ ڈرنے والے ہیں اور جو ڈرتا ہو پھر وہ اسی مقدس بارگاہ پر اعتراض کر سکتا ہے۔ یہ دریافت کرنا مقصود تھا کہ ان کو بنانے میں اے خالق باری تعالیٰ تیری کیا حکمت

ہے۔تو معلوم ہوا کہ انہوں نے معصیت نہیں کی تھی۔ میں یہاں پر فرشتوں کے فضائل بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

فرشتے حاملین عرش

علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر زمخشری الخوارزمی متوفی 538ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ

حاملین کے پیر سب سے نچلی زمین میں ہیں اوران کے سر عرش سے اوپر نکلے ہوئے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے ڈر سے نظریں اوپر نہیں اٹھارہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

تم اپنے رب عزوجل کی عظمت میں تفکر نہ کرو لیکن اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ملائکہ میں تفکر کرو۔ کیونکہ میں سے ایک مخلوق ہے جن کو اسرافیل کہا جاتا ہے۔عرش کے کونوں میں سے ایک کونہ اس کی گدی پر ہے اور اس کے دونوں قدم سب سے نچلی زمین میں ہیں اور اس کا سر سات آسمانوں سے باہر نکلا ہوا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے بہت حقیر اور چھوٹا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ چڑیا کے برابر ہو جاتا ہے۔

اور حدیث مبارکہ میں ہے:

اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ حاملین عرش کو سلام کیا کریں

اور ایک قول یہ ہے:

عرش کے گرد ستر ہزار فرشتوں کی صفیں ہیں انہوں نے اپنے کندھوں پر اپنے ہاتھ رکھے ہوئے ہیں اوران میں سے ہر ایک ایسی تسبیح کر رہا ہے جو دوسرا نہیں کر رہا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز:15،ص:263)

قرآن مجید میں ہے:

وَالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ؕ وَ يَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۝ (الحاقہ: 17)

آسمانوں کے کنارے پر فرشتے ہوں گے اور آپ کے رب کے عرش کو اس دن آٹھ فرشتے اٹھاتے ہوں گے۔

اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

میں بطحاء میں تھا وہاں ایک جماعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے۔ ناگاہ ایک بادل گزرا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

تم اس کو کیا کہتے ہو۔

مسلمانوں نے کہا:

سحاب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اور مزن بھی کہتے ہو

انہوں نے کہا:

ہاں مزن بھی کہتے ہیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اور عنان بھی کہتے ہو

انہوں نے کہا:

ہاں! ہم عنان بھی کہتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم جانتے ہو کہ آسمان اور زمین میں کتنا فاصلہ ہے

انہوں نے کہا:

ہم نہیں جانتے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان کے درمیان اکہتر، بہتر یا تہتر سال کا فاصلہ ہے۔ پھر اس آسمان کے اوپر جو دوسرا آسمان ہے ان کے درمیان بھی اتنا فاصلہ ہے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات آسمان گنوائے۔ پھر ساتویں آسمان کے اوپر ایک سمندر ہے۔ اس کی اوپری اور اس کی گہرائی کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے پھر اس کے اوپر آٹھ فرشتے پہاڑی بکروں کی صورت میں ہیں (حاملین عرش) جن کے کھروں سے ان کے گھٹنوں تک کا فاصلہ بھی اتنا ہی ہے اور ان کی پیٹھوں کے اوپر عرش ہے اس کی اوپر کی سطح اور نچلی کے درمیان بھی اتنا فاصلہ ہے جتنا ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک فاصلہ ہے پھر عرش کے اوپر اللہ تعالیٰ ہے۔

(سنن ابی داؤد: رقم الحدیث: 4723 بیروت)

ملاحظہ فرمائیں!

جو فرشتے اللہ تعالیٰ کی اس قدر اطاعت اور عبادت میں مصروف ہیں تو پھر وہ اپنے مالک و خالق پر کیسے اعتراض کر تے۔

پھر ملاحظہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ جو فرشتوں کو حکم دیتا ہے تو فرشتے وہی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے۔

قرآن مجید میں ہے:

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ السجدة (النحل: 50)

فرشتے اپنے رب سے ڈرتے ہیں جوان کے اوپر ہے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

اور ایک مقام پر یوں ارشاد ہے۔

عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ (التحریم: 6)

دوزخ کے اوپر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں اللہ انہیں جو حکم دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کام کرتے ہیں جن کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہرگز نہیں کرتے تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ پر اعتراض کے طور پر سوال کریں کہ تو ایسوں کو خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد اور خون ریزیاں کرے گا۔لہذا معلوم ہوا کہ فرشتوں نے اعتراض کے طور پر نہیں کہا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ سے حکمت دریافت کرنا مقصود تھی۔

فرشتوں کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مومنوں کی مغفرت کی دعا کرنا

فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مومنوں کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں اگر وہ اعتراض کرتے ہوتے تو پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اسی انسان کے لئے مغفرت کی دعا کیوں کرتے۔

دیکھو

قرآن مجید میں ہے:

وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَ قِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ (المومن: 7)

اور مومنوں کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں۔اے ہمارے رب! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کو محیط ہے سو تو ان لوگوں کی مغفرت فرما جنہوں نے توبہ کی ہے اور تیرے راستہ کی اتباع کی ہے اور تو ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

مطرف بن عبداللہ نے کہا:

اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے مومنوں کے سب سے بڑے خیر خواہ ملائکہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے مومنوں کا سب سے بڑا بدخواہ شیطان ہے

اور یحییٰ بن معاذ رازی نے اپنے اصحاب سے اس آیت کی تفسیر میں کہا۔

کیا لوگوں نے اس آیت کا معنی یہ سمجھ لیا ہے۔ اس آیت سے زیادہ امید افزاء اور کوئی آیت نہیں ہے۔ بے شک اگر ایک فرشتہ بھی تمام مومنوں کی مغفرت کی دعا کر دے تو اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی مغفرت کس قدر عام ہوگی جب تمام فرشتے اور حاملین عرش مل کر مومنین کے لئے استغفار کریں گے۔

خلف بن ہشام نے کہا:

میں نے یہ آیت سلیم بن عیسیٰ کے سامنے پڑھی۔

"وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا"

تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

انہوں نے کہا:

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر کریم ہے۔ مومنین اپنے بستروں پر سوئے ہوئے ہوتے ہیں اور فرشتے ان کے لئے مغفرت طلب کر رہے ہوتے ہیں۔

(الجامع الاحکام القرآن جز:15، ص:264 دار الفکر بیروت)

میں کہتا ہوں کہ

فرشتوں کی دعا کی دو وجہوں سے قبولیت زیادہ متوقع ہے۔

ایک وجہ یہ ہے کہ

جو بندہ اللہ تعالیٰ کی ہر بات مانے اللہ تعالیٰ بھی اس کی بات کو مانتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے۔

اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ (البقرہ: 186)

جب دعا کرنے والا مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو وہ بھی تو میری بات مانا کریں۔

فرشتے اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر عمل کرتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ بھی ان کی دعا ضرور قبول فرمائے گا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ

فرشتے ہمارے پس پشت ہمارے لئے دعا کرتے ہیں اور جو غائب کے لئے دعا کی جائے۔ اس کی قبولیت زیادہ متوقع ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کسی کی دعا اس قدر جلد قبول نہیں ہوتی جتنی ایک غائب کی دعا دوسرے غائب کے لئے قبول ہوتی ہے۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 1980، بیروت)

ملاحظہ فرمائیں کہ

جو فرشتے اسی خلیفہ بننے والے کے لئے دعائیں مغفرت کرتے رہتے ہیں تو پھر وہ اللہ تعالیٰ پر بطور اعتراض کیسے کہیں گے کہ تو ایسوں کو خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد اور خون ریزیاں کرے گا۔ معلوم ہوا کہ فرشتوں نے اعتراض کے طور پر نہیں کہا تھا بلکہ خلیفہ بنانے کی حکمت دریافت کرنا تھی۔

فرشتے کن لوگوں کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں

کوئی شخص اس آیت

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ

اگر اعتراض کرے کہ فرشتے زمین والوں کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں تو زمین میں فاسق کفار بھی ہیں تو کیا فرشتے ان کی بھی مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

زمین میں تو مومنین اور کافرین سب داخل ہیں لیکن فرشتے صرف مومنین کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (المومن: 7)

اور فرشتے مومنین کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں۔

اس لئے اس آیت میں زمین والوں سے مراد مومنین ہیں اور مطلق مقید پر محمول ہے۔

یا اس سے مراد یہ ہے کہ

فرشتے مومنین کے لئے تو مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور کافروں کے لئے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ مغفرت کے اہل ہو جائیں اور ایمان لے آئیں اور کافروں اور فاسقوں سے عذاب مؤخر ہو جائے اور اللہ تعالیٰ ان کو توبہ کی توفیق عطا کر دے اور یوں وہ تمام زمین والوں کے لئے مغفرت کی دعا طلب کرتے ہیں۔ مومنین کے لئے طلب مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ فاسقوں کے لئے توبہ کی توفیق کی دعا کرتے ہیں اور کافروں کے لئے حصول ایمان کی دعا کرتے ہیں اور ہر ایک کے لئے حسب حال کی دعا کرتے ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ

قرآن مجید میں فرشتے کفار پر لعنت کرتے ہیں اور ان کے لئے حصول ایمان کی دعا تو لعنت کے منافی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ (البقرہ: 161)

اور کافروں پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

لعنت ان کافروں پر ہے جو کفر پر مر گئے یہ پوری آیت اس طرح قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝
(البقرہ: 161)

بے شک حق لوگوں نے کفر کیا اور وہ کفر پر ہی مر گئے ان ہی پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی۔

خلاصہ یہ ہے کہ مردہ کافروں پر فرشتے لعنت کرتے ہیں اور زندہ کافروں کے لئے حصول ایمان کی اور طلب توبہ کی دعا کرتے ہیں اور مومنین کے لئے مغفرت کی دعا طلب کرتے ہیں اور اس اعتبار سے اس آیت میں فرمایا:

فرشتے زمین والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں۔

فرشتوں کا صفیں باندھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا

فرشتے صفیں باندھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عجز وانکساری کرتے ہیں اگر فرشتے اللہ تعالیٰ کے سامنے اعتراض کرتے تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ پھر وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کریں کیونکہ جو اعتراض کرتا ہے وہ خود کو اعلیٰ منصب پر سمجھ کر دوسرے کو اپنی اطاعت کروانے کے لئے کہتا ہے جبکہ فرشتے تو خود اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور خود ہی عاجز ہیں اور خود ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔

دیکھئے

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ ۝ وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ ۝ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ ۝ (الصفت: 164 تا 166)

(فرشتوں نے کہا:) اور ہم میں سے ہر ایک کا مقام مقرر ہے اور بے شک ہم صف بستہ ہیں اور بلاشبہ ہم ضرور تسبیح کرنے والے ہیں۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ فرشتے صفیں باندھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور پھر چند لمحے کے لئے عبادت نہیں کرتے بلکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء وعبادت میں مصروف رہتے ہیں۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک میں ان چیزوں کو دیکھتا ہوں جن کو تم نہیں دیکھتے اور ان چیزوں کو سنتا ہوں جن کو تم نہیں سنتے۔ آسمان چر چرایا ہے اور اس پر حق ہے کہ وہ چر چرائے آسمان میں ہر چار انگشت کی جگہ پر ایک فرشتہ اپنی پیشانی اللہ تعالیٰ کے حضور سجدے میں جھکائے ہوئے ہیں۔

اللہ عزوجل کی قسم!

اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو اور تم زیادہ روؤ اور تم بستروں پر عورتوں کے ساتھ لذت حاصل نہ کرو اور تم جنگلوں میں اللہ تعالیٰ کی فریاد کرتے ہوئے نکل جاؤ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا:

کاش میں ایک درخت ہوتا جس کو کاٹ دیا جاتا۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2312 دار الفکر بیروت)

اور فرشتوں کے صف بستہ ہو کر عبادت کرنے میں یہ حدیث مبارکہ ہے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے۔

اور ارشاد فرمایا

کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں سرکش گھوڑوں کی دموں کی طرح ہاتھ اٹھائے ہوئے دیکھتا ہوں نماز سکون سے پڑھا کرو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مختلف حلقوں میں بیٹھے ہوئے دیکھا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا وجہ ہے کہ میں تم کو متفرق طور پر بیٹھے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ارشاد فرمایا

تم اس طرح صفیں کیوں نہیں باندھتے جس طرح فرشتے صفیں باندھتے ہیں۔

ہم نے عرض کیا

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فرشتے اپنے رب عزوجل کے سامنے کس طرح صف باندھتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ پہلی صف باندھتے ہیں اس کے بعد اس سے متصل دوسری صف باندھتے ہیں۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 430، دار الفکر بیروت)

ملاحظہ فرمائیں

جب فرشتوں کا یہ عالم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صفیں باندھ کر عبادت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرتے ہیں تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جس کی عبادت کی جائے پھر اسی پر اعتراض کیا جائے لہٰذا ان کا یہ کہنا کہ تو ایسوں کو خلیفہ بنائے گا زمین میں فساد اور خون زیریاں کرتے ہیں۔حکمت دریافت کرنا مقصود تھا لہٰذا اس پر کوئی اعتراض وارد نہ ہوا۔

فرشتوں کا زمین پر نازل ہونا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کا مومنوں سے مصافحہ کرنا

فرشتے لیلۃ القدر میں زمین پر نازل ہوتے ہیں اور مومنین سے ملاقات ومصافحہ کرتے ہیں اگر فرشتے بطور اللہ تعالیٰ سے اعتراض کرتے تو پھر زمین پر نازل ہوکر مصافحہ وملاقات کیوں کرتے۔

قرآن مجید میں ہے:

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ (القدر: 9)

اس رات میں فرشتے اور جبرائیل اپنے رب عزوجل کے حکم سے ہر کام کے لئے نازل ہوتے ہیں۔

امام عبدالرحمان بن محمد بن ادرس ابن ابی حاتم رازی متوفی 327ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

کعب بیان کرتے ہیں کہ

سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان کے اس کنارے پر ہے جو جنت کے قریب ہے پس اس کے نیچے دینا ہے اور ان کے اوپر جنت ہے اور جنت کرسی کے نیچے ہے۔اس میں فرشتے ہیں جن کی تعداد کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور سدرہ کی ہر شاخ پر فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت کررہے ہیں اور جبرائیل علیہ السلام کا مقام اس کے وسط میں ہے۔اللہ تعالیٰ ہر لیلۃ القدر میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ندا کرتا ہے کہ وہ سدرۃ المنتہیٰ کے فرشتوں کے ساتھ زمین پر نازل ہوں اور ان میں سے ہر ایک فرشتے کو مومنین کے لئے شفقت اور رحمت دی جاتی ہے۔پھر وہ غروب آفتاب کے وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ زمین پر نازل ہوتے ہیں پھر زمین کے ہر حصے پر فرشتے سجدہ اور قیام میں مومنین اور مومنات کے لئے دعا کرتے ہیں۔سوا ان مقامات کے جہاں یہودیوں اور عیسائیوں کا معبد ہو یا آتش کدہ ہو یا بت خانہ ہو یا کچرا کنڈی ہو یا جس گھر میں کوئی نشہ کرنے والا ہو جس گھر میں گھنٹی ہو یا بیت الخلاء ہو۔ان جگہوں کے علاوہ ہر جگہ فرشتے تمام رات مومنوں کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں اور حضرت جبرائیل علیہ السلام ہر مومن سے مصافحہ کرتے ہیں۔

اور اس کی علامت یہ ہے کہ

اس وقت ہر مومن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور اس کا دل بہت نرم ہوجاتا ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکلتے ہیں۔

اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ

اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام اس سے مصافحہ کر رہے ہیں۔
(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:10،ص:3453، رقم الحدیث:19428، مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)
امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ فرماتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔
''اس رات میں فرشتے نازل ہوتے ہیں۔''
اس آیت کے ظاہر کا تقاضہ یہ ہے کہ
تمام فرشتے نازل ہوتے ہیں۔
بعض مفسرین نے کہا:
وہ آسمان دنیا پر نازل ہوتے ہیں۔
لیکن اکثر مفسرین کا مختار یہ ہے کہ
وہ زمین پر زمین نازل ہوتے ہیں کیونکہ بہت احادیث مبارکہ میں یہ وارد ہے کہ تمام ایام میں فرشتے مجالس ذکر میں حاضر ہوتے ہیں۔ پس جب عام ایام میں فرشتے زمین پر نازل ہوتے ہیں تو اس عظیم الشان رات میں تو فرشتے بہ طریق اولیٰ زمین پر نازل ہوں گے۔
پھر اس میں اختلاف ہے کہ
فرشتے کس کے لئے زمین پر نازل ہوتے ہیں۔
اس میں حسب ذیل اقوال ہیں۔
(1) بعض نے کہا:
فرشتے اس لئے نازل ہوتے ہیں کہ بشر کی عبادت اور اطاعت میں اس کی کوشش کو دیکھیں۔
(2) فرشتوں نے کہا تھا
وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ (مریم: 64)
''ہم صرف آپ کے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں۔''
اس سے معلوم ہوا کہ اس رات اللہ تعالیٰ ان کو زمین پر نازل ہونے کا حکم دیتا ہے۔
(3) اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ
آخرت میں اہل جنت کے پاس فرشتے نازل ہوں گے۔
يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ (الرعد: 23 تا 24)

فرشتے ان کے پاس ہر دروازے سے آئیں گے اور کہیں گے تم پر سلام ہو۔

اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر میں فرشتوں کو نازل ہونے کا حکم دے کر یہ ظاہر فرمادیا کہ آخرت کی عزت افزائی تو الگ رہی اگر تم دنیا میں بھی میری عبادت میں مشغول رہو گے تو یہاں بھی اس رات میں فرشتے تمہاری زیارت کے لئے آئیں گے۔

روایت ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا

فرشتے اس رات کو زمین پر اس لئے نازل ہوتے ہیں کہ ہم پر سلام پڑھیں اور ہماری شفاعت کریں سو جس کو ان کا سلام پہنچے گا اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(تفسیر کبیر ج:11 ،ص:233 دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

القطب الربانی الشیخ عبد القادر الجیلانی "غنیۃ الطالبین" میں فرماتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا:

اللہ تعالیٰ لیلۃ القدر میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیتا ہے کہ وہ سدرۃ المنتہیٰ سے ستر ہزار فرشتے لے کر زمین پر جائیں۔ ان کے ساتھ نور کے جھنڈے ہوتے ہیں۔ جب وہ زمین پر اترتے ہیں تو جبرائیل علیہ السلام اور باقی فرشتے چار جگہوں پر اپنے جھنڈے گاڑ دیتے ہیں۔

کعبہ معظمہ پر

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر

بیت المقدس پر

اور طور سینا کی مسجد پر

پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام کہتے ہیں کہ

زمین پر پھیل جاؤ، پھر فرشتے تمام زمین پر پھیل جاتے ہیں اور جس مکان یا خیمے یا پتھر یا کسی کشتی میں غرض جہاں بھی کوئی مسلمان مرد یا عورت ہو وہاں فرشتے پہنچ جاتے ہیں۔

ہاں!

جس گھر میں کتا یا خنزیر یا شراب ہو یا تصویروں کے مجسمے ہوں یا کوئی شخص زنا کاری سے جنبی ہو وہاں نہیں جاتے۔ وہاں جا کر فرشتے تسبیح و تقدیس کرتے ہیں، کلمہ پڑھتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے استغفار کرتے ہیں اور جب فجر ہو جاتی ہے تو آسمانوں پر چلے جاتے ہیں اور جب پہلے آسمان کے فرشتوں سے ان کی ملاقات ہوتی ہے۔

تو وہ پوچھتے ہیں۔

تم کہاں سے آئے ہو

فرشتے کہتے ہیں کہ

ہم دنیا میں تھے کیونکہ آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی لیلۃ القدر تھی۔

آسمان دنیا کے فرشتے کہتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے بارے میں آج کیا کہا؟

فرشتے کہتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے ان میں سے نیک لوگوں کو بخش دیا اور بدکاروں کی شفاعت قبول کر لی۔ پھر آسمان دنیا کے فرشتے تسبیح و [تقدیس] کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو امت محمدیہ کی مغفرت فرمائی ہے اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

اس کے بعد فرشتے دوسرے آسمان پر جاتے ہیں اور وہاں اسی طرح گفتگو ہوتی ہے۔

علی ہذا القیاس

سدرۃ المنتہیٰ

جنت الماویٰ

جنت نعیم

جنت عدن

اور جنت الفردوس

سے ہوتے ہوئے وہ فرشتے عرش الٰہی پر پہنچیں گے وہاں عرش الٰہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی مغفرت پر شکریہ ادا [کر]ے گا۔

اور کہے گا

اے اللہ عزوجل! مجھے خبر پہنچی ہے کہ گزشتہ رات تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے صالحین کو بخش دیا اور گناہ گاروں میں نیکو کاروں کی شفاعت قبول کر لی۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

اے عرش! تم نے سچ کہا! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے میرے پاس بڑی عزت اور کرامت ہے اور ایسی نعمتیں ہیں [جو کس]ی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی کے دل میں ان نعمتوں کا کبھی خیال آیا۔

(روح المعانی: ج: 30: ص: 349 تا 350 دار الفکر بیروت)

فرشتوں کے زمین پر نزول کے بارے میں مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ
وہ زمین پر انسانوں کی عبادات کو دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔
امام رازی لکھتے ہیں کہ
اللہ تعالیٰ اس سورت میں فرماتا ہے۔
تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ
ترجمہ: فرشتے! جبرائیل اللہ تعالیٰ کے اذن سے زمین پر نازل ہوتے ہیں۔
اس سے معلوم ہوا کہ
بشمول حضرت جبرائیل تمام فرشتے اللہ تعالیٰ سے زمین پر آنے کی پہلے اجازت طلب کرتے ہیں۔ پھر اس کے بعد زمین اترتے ہیں اور یہ چیز انتہائی محبت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ پہلے وہ ہماری طرف راغب اور مائل تھے اور ملاقات کی تمنا کرتے تھے لیکن اجازت کے منتظر تھے اور جب اللہ تعالیٰ سے اجازت مل گئی تو قطار در قطار صف باندھے زمین پر اتر آئے۔
اگر یہ کہا جائے کہ
ہمارے اس قدر گناہوں کے باوجود فرشتے ہم سے ملاقات کی تمنا کیوں کرتے ہیں
تو اس کا جواب یہ ہے کہ
فرشتوں کو ہمارے گناہوں کا پتا نہیں چلتا کیونکہ جب وہ لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے ہیں تو مسلمانوں کی عبادات کو تفصیل کے ساتھ پڑھتے ہیں اور جب گناہوں پر پہنچتے ہیں تو لوح محفوظ پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے اور اس وقت فرشتوں کی زبان سے اختیار یہ کلمات نکلتے ہیں۔
سبحان ہے وہ ذات جس نے نیکیوں کو ظاہر کیا اور گناہوں کو چھپالیا۔
(تفسیر کبیر ج:11 ص:234 تا 235 دار احیاء التراث العربی بیروت)
اگر یہ کہا جائے کہ فرشتے خود عبادات سے مالا مال ہیں تسبیح و تقدیس اور تہلیل کے تو نگر ہیں، قیام رکوع اور سجود کون عبادت ہے جو ان کی جھولی میں نہیں ہے پھر انسانوں کی وہ کون سی عبادت ہے جسے دیکھنے کے شوق میں وہ انسانوں سے ملاقات کی تمنا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے زمین پر اترنے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔
اس کا جواب یہ ہے کہ
کوئی شخص خود بھوکا رہ کر اپنا کھانا کسی اور ضرورت مند کو کھلا دے یہ وہ نادر عبادت ہے جو فرشتوں میں نہیں ہوتی۔ گناہ پر ندامت اور توبہ کے آنسو بہانا اور گڑگڑا نا اللہ تعالیٰ سے معافی چاہنا اپنی طبعی نیند کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے رات کے پہر اٹھنا اور خوف خدا سے ہچکیاں لے کر رونا یہ وہ عبادت ہے جس کا فرشتوں کے ہاں کوئی تصور نہیں ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔
گناہ گاروں کی سسکیوں اور ہچکیوں کی آواز اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تہلیل کی آوازوں سے زیادہ پسند ہے۔
اس لئے
فرشتے یادِ خداعزوجل میں آنسو بہانے والی آنکھوں کے دیکھنے اور خوف خداعزوجل سے نکلنے والی آہوں کے سننے کے لئے زمین پر اترتے ہیں۔
امام رازی لکھتے ہیں:
اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ آخرت میں فرشتے مسلمانوں کی زیارت کریں گے اور آکر سلام عرض کریں گے۔
اَلْمَلَائِکَۃُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْہِمْ مِّنْ کُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ
ترجمہ: فرشتے (جنت کے) ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے اور آکر سلام کریں گے۔
اور لیلۃ القدر میں یہ ظاہر فرمایا:
اگر تم میری عبادت میں مشغول ہو جاؤ تو آخرت تو الگ رہی دنیا میں بھی فرشتے تمہاری زیارت کو آئیں گے اور آکر دنیا میں بھی تم کو سلام کریں گے۔
امام رازی نے دوسری وجہ یہ لکھی ہے کہ
انسان کی عادت ہے کہ وہ علماء اور صالحین کے سامنے زیادہ اچھی اور زیادہ خشوع وخضوع سے عبادت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رات فرشتوں کو بھیجتا ہے کہ اے انسانو! تم عبادت گزاروں کی مجلس میں زیادہ عبادت کرتے ہو۔
آؤ!
اب ملائکہ کی مجلس میں خضوع وخشوع سے عبادت کرو۔
(تفسیر کبیر: ج:11، ص:235 دار احیاء التراث العربی بیروت)
ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ
انسان کی پیدائش کے وقت فرشتوں نے کہا تھا کہ
ایسوں کو پیدا فرمائے گا کہ جو زمین میں فساد اور خون ریزیاں کرے گا؟
تو اس رات اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے ان کی امیدوں سے بڑھ کر اجر وثواب کا وعدہ کیا۔ اس رات کے عبادت گزار انسان کو زبان رسالت سے مغفرت کی نوید سنائی، فرشتوں کی امداد ان کی زیارت اور سلام کرنے کی بشارت دی تا کہ جب فرشتے زمین پر آسمان سے اتریں تو ان سے کہا جا سکے۔
یہی وہ ابن آدم ہے جس کی خون ریزیوں کی تم نے خبر دی تھی یہی وہ شرر خاکی ہے جس کے فسق وفجور کا تم نے ذکر کیا تھا۔

اس کی طبیعت اور خلقت میں ہم نے نیند رکھی ہے لیکن یہ اپنے طبعی اور خلقی تقاضوں کو چھوڑ کر ہماری رضا جوئی کے لئے یہ را
سجدوں اور قیام میں گزار رہا ہے۔ تم نے فسق و فجور اور خون ریزی دیکھی تھی ہماری خاطر راتوں کو جاگ کر سجدہ کرنے والی جبین
نہیں دیکھی تھیں۔ ہماری یاد کے سبب آنکھوں میں مچلنے والے آنسو نہیں دیکھے تھے۔

ملاحظہ فرمائیے کہ

اگر فرشتے اعتراض کرتے تو زمین پر نازل ہو کر ان کی عبادتیں کیونکر دیکھتے اور کیوں ملاقات کا شوق رکھتے اور مصا
کرتے۔

لہٰذا فرشتوں نے ان کو خلیفہ بنانے کی حکمت پوچھی تھی نہ کہ اعتراض کیا تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش

حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

امام فریابی، امام ابن سعد، امام ابن جریر، امام ابن ابی حاتم، امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما
روایت کیا ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو آدم اس لئے کہا گیا ہے کہ ان کو ادیم ارض (زمین کی سطح) سے بنایا گیا ہے۔

سرخ

سیاہ

اور سفید مٹی سے

اسی طرح لوگوں کے رنگ مختلف ہیں

سرخ

سیاہ

اور سیاہ

پاک و نجس

(الدر المنثور: ج: 1، ص: 49 مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

امام عبد بن حمید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ادیم ارض (زمین کی سطح) سے پیدا کیا

سرخ

سفید

اور سیاہ مٹی سے

(الدر المنثور ج:1،ص:49 مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا

امام ابن سعد، امام ابو یعلیٰ، امام ابن مردویہ اور امام بیہقی علیہم الرحمہ نے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا پھر اس کو کیچڑ (گیلی مٹی) کر دیا پھر اس کو چھوڑ دیا حتیٰ کہ سیاہ گارہ ہوگئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے آدم علیہ السلام کا پتلا بنایا اور ان کی صورت بنائی پھر اس کو چھوڑ دیا حتیٰ کہ وہ خشک ہو کر بجنے والی مٹی والی کی طرح ہوگیا۔

ابلیس اس پتلے کے پاس سے گزر کر کہتا تھا کہ

یہ کسی عظیم امر کے لئے بنایا گیا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس پتلے میں اپنی پسندیدہ روح پھونک دی اس روح کا اثر سب سے پہلے ان کی آنکھوں اور نتھنوں میں ظاہر ہوا۔ ان کو چھینک آئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو الحمد للہ کہنے کا القاء کیا۔ انہوں نے الحمد للہ کہا۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا

يَرْحَمُكَ اللهُ

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اے آدم (علیہ السلام) اس جماعت کے پاس جاؤ اور ان سے بات کرو۔ دیکھو یہ کیا کہتے ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام (فرشتوں) کے پاس گئے۔

اور کہا

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ

انہوں نے کہا:

وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ

پھر حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پاس گئے

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

انہوں نے کیا کہا حالانکہ اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

اے رب عزوجل! میں نے ان کو سلام کیا

انہوں نے کہا:

وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اے آدم (علیہ السلام)! یہ تمہارا اور تمہاری اولاد کے سلام کرنے کا طریقہ ہے۔

(الدرالمنثور ج:1، ص:48 مطبوعہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کا قد ساٹھ ذراع بنایا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کا طول ساٹھ ذراع (تیس انگریزی گز) تھا۔

اور ارشاد فرمایا

جاؤ فرشتوں کی اس جماعت کو سلام کرو اور سنو وہ کیا جواب دیتے ہیں۔

اور یہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہوگا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے جا کر کہا

السلام علیکم!

فرشتوں نے کہا:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ، انہوں نے رحمۃ اللہ کا لفظ زیادہ کہا۔ سو جو شخص بھی آدم (علیہ السلام) کی صورت پر جنت میں داخل ہوگا۔ اس کا طول ساٹھ ذراع ہوگا پھر یہ طول بتدریج کم ہوتا رہا حتیٰ کہ اب اتنا طول رہ گیا۔

(الدرالمنثور ج:1، ص:48 مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

زمین کا مٹی لیتے وقت اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا

امام ابو القاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اپنی پسندیدہ چیزیں پیدا فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق عرش پر مستوی ہوا

اور فرشتوں سے ارشاد فرمایا

میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو زمین پر مٹی لینے کے لئے بھیجا
زمین نے کہا:
میں اس بات سے تم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتی ہوں کہ مجھ سے کوئی چیز کم کی جائے یا میری کوئی چیز خراب کی جائے۔
حضرت جبرائیل علیہ السلام لوٹ آئے اور مٹی نہیں لی
اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا
یا اللہ عزوجل! اس نے مجھ سے تیری پناہ طلب کی اور میں نے اس کو پناہ دے دی۔
پھر حضرت میکائیل علیہ السلام کو بھیجا
اس نے پھر اسی طرح کہا وہ بھی لوٹ آئے۔
پھر حضرت عزرائیل علیہ السلام کو بھیجا
اس نے ان سے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی
انہوں نے کہا:
میں اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرائے بغیر لوٹ جاؤں۔ انہوں نے زمین کے ہر خطہ سے مٹی لے کر جمع کی اور اس کو خلط ملط کر دیا۔ اسی میں سرخ مٹی بھی تھی اور سفید بھی۔
یہی وجہ ہے کہ
بنو آدم مختلف رنگ کے ہیں وہ اس مٹی کو لے کر اوپر چڑھے اور اس کو گیلا کر دیا پھر اس گندھی ہوئی مٹی کو پڑا رہنے دیا حتیٰ کہ وہ سڑ گئی۔
جیسا کہ اس آیت میں ہے۔
وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ (الحجر: 26)
اور بے شک ہم نے انسان کو بجتی ہوئی خشک مٹی سے بنایا جو پہلے سیاہ بدبودار گارا تھی۔
اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے بنایا بلکہ ابلیس خود کو ان سے بڑا نہ سمجھے اور وہ جمعہ کے دن چالیس سال کے برابر عرصہ تک بشر کی صورت میں پتلا بنے ہوئے پڑے رہے۔ فرشتے ان کو دیکھ کر خوف زدہ ہوتے تھے اور ابلیس سب سے زیادہ خوف زدہ ہوتا تھا۔ اس پتلے کو مارنے سے ایسی آواز آتی تھی جیسے مٹکے کو مارنے سے آواز آتی ہے۔
اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ○ (الرحمن: 14)
اس نے انسان کو ٹھیکری کی طرح بجتی ہوئی سوکھی مٹی سے بنایا۔

ابلیس کہتا تھا اس کو کس لیے بنایا گیا ہے۔
اس نے فرشتوں سے کہا مت ڈرو۔
یہ اندر سے کھوکھلا ہے اگر مجھ کو اس پر مسلط کر دیا گیا تو میں اس کو ہلاک کر دوں گا۔ جب اس میں روح پھونکنے کا وقت آتا۔
تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ○ (الحجر: 29)

سو جب میں اس کو درست کر لوں اور اس میں اپنی طرف سے (پسندیدہ) روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لئے سجدہ میں گر جانا۔
جب اس پتلے میں روح پھونکی اور وہ ان کے سر میں داخل ہوئی تو ان کو چھینک آئی۔
فرشتوں نے ان سے کہا:
کہو
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ
تو انہوں نے کہا:
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

اور جب روح ان کی آنکھوں میں داخل ہوئی تو انہوں نے جنت کے پھلوں کی طرف دیکھا اور جب روح ان کے پیٹ میں پہنچی تو ان کو طعام کی خواہش ہوئی اور انہوں نے پیروں تک روح کے پہنچنے سے پہلے ہی جنت کے پھلوں کی طرف چھلانگ لگانی چاہی۔
جیسا کہ ارشاد ہے۔

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (الانبیاء: 37)

انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے۔
پھر ابلیس کے سوا تمام فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔
جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے۔

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ○ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ○ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ط اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ○ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ط خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ○ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ○ (ص: 73 تا 77)

پس تمام فرشتوں نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے، اس نے گھمنڈ کیا اور کافروں سے ہو گیا۔ فرمایا اے ابلیس! تجھے

اس کو سجدہ کرنے میں کس چیز نے روکا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تو نے اب گھمنڈ کیا یا تو پہلے ہی سے گھمنڈ کرنے والوں میں سے تھا۔

اس نے کہا:

میں اسی کے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اس کو مٹی سے بنایا فرمایا تو اس (جنت) سے نکل جا بے شک تو مردود ہو گیا۔

(مختصر تاریخ دمشق ج:4 ص:215 تا 217 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

روح پھونکنے سے پہلے کھوکھلے ٹھیکرے کی طرح

قرآن مجید میں ہے:

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ۝ (الرحمن: 14)

اس نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح بجتی ہوئی سوکھی مٹی سے بنایا۔

امام ابوالحسن مقاتل بن سلیمان البلخی المتوفی 150ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں الانسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

صَلْصَال کا معنی ہے۔

وہ ریت جس کے ساتھ مٹی ملی ہوئی ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

صَلْصَال کا معنی ہے۔

عمدہ قسم کی گیلی مٹی جب اس کا پانی سوکھ جائے اور وہ پھٹنے لگے اور جب اس کو ہلایا جائے تو وہ بجنے لگے۔

اَلْفَخَّارُ کا معنی ہے۔

ٹھیکرا پکائے جانے سے پہلے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ حضرت آدم علیہ السلام روح پھونکے جانے سے پہلے کھوکھلے ٹھیکرے کی طرح تھے۔

(تفسیر مقاتل بن سلیمان: ج:3، ص:304 دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام لفظ کن سے پیدا ہوئے

قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ مَثَلَ عِيسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۝

(آل عمران:59)

بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے۔اس کو مٹی سے بنایا پھر اس سے فرمایا ہو جا تو وہ ہو گیا۔
اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے کن کا لفظ ارشاد فرمایا اور جب حضرت آدم علیہ السلام کو لفظ کن فرمایا تو وہ ہو گئے یعنی (پیدا ہو گئے)

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی 458 اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔
حسن بیان کرتے ہیں کہ
نجران کے دو راہب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے (یعنی سید اور عاقب در منثور: ج:2،ص:37) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اسلام پیش کیا۔
ان میں سے ایک نے کہا:
ہم اس سے پہلے اسلام قبول کر چکے ہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تم جھوٹ بولتے ہو۔اسلام قبول کرنے سے تمہیں تین چیزیں مانع ہیں۔
(1) تم صلیب کی عبادت کرتے ہو
(2) تم خنزیر کھاتے ہو
(3) اور تم یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔
ان دونوں نے کہا:
پھر عیسیٰ کا باپ کون ہے؟
تو یہ آیت نازل ہوئی۔
بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے۔
(الوسیط ج:1،ص:443 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)
اس آیت میں قیاس سے استدلال کرنے کا جواز ہے۔
عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا اس لئے کہتے تھے: وہ عام عادل اور معمول کے خلاف باپ کے بغیر ہوئے۔
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا
(حضرت) آدم (علیہ السلام) کی پیدائش اس سے بھی غیر معمولی طریقہ سے ہوئی ہے۔کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف باپ کے بغیر پیدا ہوئے اور حضرت آدم علیہ السلام باپ اور ماں دونوں کے بغیر پیدا ہوئے۔

اور دونوں میں وجہ مشترک یہ ہے کہ

دونوں اللہ کے کلمہ ''کن'' سے پیدا ہوئے اور جب حضرت آدم علیہ السلام بھی کلمہ ''کن'' سے پیدا ہونے کے باوجود ابن اللہ نہیں ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے ابن اللہ کیسے ہو سکتے ہیں۔

بعض علماء کا روم کے عیسائیوں سے مباحثہ ہوا۔

ان سے پوچھا

تم عیسیٰ کی عبادت کیوں کرتے ہو

انہوں نے کہا:

کیونکہ ان کا باپ نہیں تھا۔

علماء نے کہا:

پھر حضرت آدم علیہ السلام عبادت کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ ان کے باپ اور ماں دونوں نہیں ہیں۔

انہوں نے کہا:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردے زندہ کرتے تھے۔

علماء نے کہا:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چار مردے زندہ کئے ہیں اور حضرت حزقیل علیہ السلام نے آٹھ ہزار مردے زندہ کئے تھے۔

انہوں نے کہا:

وہ مادرزاد اندھوں اور برص کے مریضوں کو شفا دیتے تھے۔

علماء نے کہا:

پھر جرجیس عبادت کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ وہ آگ میں جل جانے کے باوجود صحیح وسالم نکل آئے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی نکلی ہوئی آنکھ دوبارہ لگا دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ایک نابینا بینا ہو گیا۔

(البحر المحیط ج:3،ص:185 تا 186 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنانے کی حکمت

قرآن مجید میں ہے:

خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران: 59)

حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنانے کی ایک حکمت یہ ہے کہ

ان کی اصل فطرت میں تواضع اور انکسار ہو کیونکہ عناصر اربعہ میں سے مٹی سب سے نیچے ہوئی ہے۔
دوسری حکمت یہ ہے کہ
مٹی دوسری چیزوں کو چھپالیتی ہے۔اس سے انسان کی اصل فطرت میں ستر (لوگوں کے عیوب پر پردہ رکھنے) کی صفت آئے گی۔
تیسری حکمت یہ ہے کہ
حضرت آدم علیہ السلام کو زمین کا خلیفہ بنانا تھا اس لئے ان کو مٹی کا بنایا گیا تا کہ ان کی مٹی کے ساتھ قوی مناسبت ہو۔
چوتھی حکمت یہ ہے کہ
انسان کو مٹی سے بنایا تا کہ وہ اس مٹی سے شہوت حرص اور غضب کی آگ کو بجھا سکے۔
پانچویں حکمت یہ ہے کہ
اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہے کیونکہ عناصر اربعہ میں سب سے روشن آگ ہے۔اللہ تعالیٰ نے آگ سے شیاطین کو پیدا کیا اور انہیں گمراہی کے اندھیروں میں مبتلا کر دیا اور سب سے لطیف ہوا ہے۔(ایک قول کے مطابق) فرشتوں کو ہوا سے پیدا کیا اور ان کو انتہائی شدت اور قوت عطا فرمائی اور پانی جو بہت رقیق ہے اس سے آسمانوں کو پیدا کیا اور ان کو فضا میں معلق کر دیا اور مٹی جو عناصر اربعہ میں سب سے کثیف، تاریک اور نچلے درجہ میں تھی۔اس سے انسان کو پیدا کیا اور اس کو اپنی معرفت ہدایت نورانیت اور محبت عطا فرمائی اور اس کو سب پر فائق اور سر بلند کر دیا اور تمام مخلوقات میں انسان کو سرخرو اور بلند کیا۔
قرآن مجید میں ہے:
وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا۠ (بنواسرائیل:70)
اور بے شک ہم نے بنو آدم کو بزرگی عطا فرمائی اور ہم نے ان کو خشکی اور سمندر میں سوار کیا اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور ہم نے ان کو اپنی مخلوق میں بہت سی چیزوں پر واضح فضیلت دی۔
معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنانے میں ہزارہا حکمتیں تھیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کو کن فرمانے کی وضاحت

قرآن مجید میں ہے:
ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (آل عمران: 59)
پھر اس سے فرمایا ہو جا سو وہ ہو گیا۔
اس آیت پر یہ سوال ہوتا ہے کہ

اس آیت میں مذکور ہے۔

اس کو مٹی سے بنایا پھر اس سے فرمایا "کن" (ہو جا) فیکون (سو وہ ہو گیا) اس سے معلوم ہوا کہ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی گئی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے "کن" فرمایا، حالانکہ تخلیق "کن" سے ہی ہوتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

"خَلَقَهٗ مِنْ تُرَاب" کا معنی ہے

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ کیا

پھر فرمایا

"کُنْ" تو وہ ہو گئے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے مٹی سے ایک پتلا بنایا پھر "کن" فرما کر اس میں جان ڈال دی

تیسرا جواب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے پہلے فرمایا

خَلَقَهٗ مِنْ تُرَاب

آدم کو مٹی سے بنایا

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر اور وضاحت کی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے کیسے بنایا

تو فرمایا

ہم نے اس سے "کن" کہا تو وہ ہو گئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ

لفظ "ثم" تاخیر واقع کے لئے نہیں ہے بلکہ تاخیر بیان کے لئے ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ

فیکون مضارع کا صیغہ ہے۔

اس کا معنی ہے۔

ہوتا ہے یا ہوتا ہو گا

بظاہر فکان فرمانا چاہئے تھا

جس کا معنی ہے

ہو گیا
اس کا جواب یہ ہے کہ
کہ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔
اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا رب عزوجل جس چیز کے لئے ''کن'' فرماتا ہے وہ لامحالہ ہو جاتی ہے۔
تیسرا سوال یہ ہے کہ
اس آیت میں مذکور ہے
پھر اس نے فرمایا ''کن'' تو وہ ہو گئے۔ کن فرمانے سے پہلے تو حضرت آدم علیہ السلام وجود میں آئے ہی نہ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے کسے فرمایا: اس سے کہا ''کن''
اس کا جواب یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں جو حضرت آدم علیہ السلام کا وجود علمی تھا اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تم اب علم تفصیلی اور وجود خارجی میں بھی آ جاؤ۔

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق فرشتوں کا مباحثہ

قرآن مجید میں ہے:
مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ○(ص: 69)
جب ملائکہ مقربین بحث کر رہے تھے تو مجھے کوئی علم نہ تھا۔
اس آیت مبارکہ میں
"الملا لا علی"
کا لفظ ہے۔
الملاء کا معنی ہے۔
وہ جماعت جو کسی ایک نظریہ اور ایک رائے پر متفق ہو جائے اور وہ جماعت دیکھنے والوں کے نزدیک عظیم ہو جب وہ اس جماعت کو دیکھیں تو سیر ہو کر اور نظر بھر کر دیکھیں۔
(المفردات: ج:2، ص:612)
یہ ملائکہ مقربین کس چیز میں اور کسی سے بحث کر رہے تھے اس کی دو تفسیریں ہیں۔
ایک تفسیر یہ ہے کہ
وہ اللہ تعالیٰ سے بحث کر رہے تھے کہ آدم کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور اس کو پیدا کرنے کا کیا فائدہ ہے۔ تیری تسبیح

پیدا کرنے کے لئے ہم کافی ہیں اور رہا یہ آدم (علیہ السلام) تو اس کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زمین میں فتنہ وفساد کریں گے اور آپس میں ایک دوسرے کا خون بہائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا

میں ان چیزوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے جواب کی تقریر اس طرح کی ہے کہ عقلی اعتبار سے مخلوق کی چار اقسام ہیں۔

(1) وہ مخلوق جس کو عقل اور حکمت حاصل ہو اور اس کا نفس شہوانی نہ ہو اور نہ اس میں قوت غضبیہ ہو یہ فرشتے ہیں۔

(2) وہ مخلوق میں شہوت اور غضب کی قوت ہو اور اس میں عقل اور حکمت نہ ہو۔

یہ بہائم اور حیوانات ہیں۔

(3) وہ مخلوق جس میں نہ عقل ہو اور حکمت بھی ہو اور نہ شہوت اور غضب ہو یہ جمادات ہیں۔

(4) وہ مخلوق جس میں عقل اور حکمت بھی ہو اور شہوت اور غضب بھی ہو اور یہ انسان اور بشر ہیں۔

انسان کی تقلید سے مقصود ایک دوسرے کی اندھی تقلید نہیں ہے نہ تکبر اور سرکشی ہے کیونکہ یہ حیوانات اور درندوں کی صفات ہیں بلکہ اس کی تخلیق سے مقصود علم اور حکمت کے تقاضوں کا ظہور ہے اور انسان کی سرشت میں اگرچہ شہوت رکھی گئی ہے جس کے نتیجہ میں فساد کا ظہور ہوتا ہے اور اس کی سرشت میں غضب کو بھی رکھا ہے جس کی وجہ سے وہ خون ریزی کرتا ہے لیکن اس کی فطرت میں عقل بھی رکھی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کی محبت اور اس کی اطاعت اور عبادت کرنے کی محرک ہے۔

گویا اللہ تعالیٰ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ

اے فرشتو! تم نے انسان کی شہوت اور غضب کے تقاضوں کو دیکھا اور میں نے انسان میں جو عقل اور حکمت رکھی ہے تم نے اس کے تقاضوں کو نہیں دیکھا۔ میری اطاعت اور عبادت اور تسبیح وتقدیس تم بھی کرتے ہو لیکن تمہارے خمیر میں اس سے کوئی مانع اور مزاحم نہیں ہے سو تمہاری اطاعت اور عبادت سے اس کی عبادت اور اطاعت زیادہ قابل قدر ہے جس کے خمیر میں اطاعت اور عبادت سے مانع اور مزاحم بھی ہے۔

حسب ذیل مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ

الملاء الاعلیٰ سے مراد وہ فرشتے ہیں جو تخلیق آدم علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ سے بحث کر رہے تھے۔

امام ابوجعفر بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت (ص: 69) کی تفسیر میں فرمایا

الملاء الاعلیٰ سے مراد وہ فرشتے ہیں جن سے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے متعلق اللہ تعالیٰ نے مشورہ لیا تو انہوں نے اس میں بحث کی۔

ان کی رائے یہ تھی کہ
آدم (علیہ السلام) کو پیدا نہ کیا جائے۔
سدی اور قتادہ سے بھی اسی طرح روایت ہے۔
(جامع البیان جز:23،ص:219 رقم الحدیث 23099 دار الفکر بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا دونوں ہاتھوں سے بنانے کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا
قَالَ یٰۤاِبۡلِیۡسُ مَا مَنَعَکَ اَنۡ تَسۡجُدَ لِمَا خَلَقۡتُ بِیَدَیَّ ؕ (ص: 75)
اس کا جواب یہ ہے کہ
''خَلَقَهٗ مِنۡ تُرَاب'' کا معنی ہے۔
اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ کیا
پھر فرمایا
''کن'' تو وہ ہو گئے۔
دوسرا جواب یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے مٹی سے ایک پتلا بنایا پھر ''کن'' فرما کر اس میں جان ڈال دی۔
تیسرا جواب یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے پہلے فرمایا
خَلَقَهٗ مِنۡ تُرَاب
آدم کو مٹی سے بنایا
پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر اور وضاحت کی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے سے کیسے بنایا
تو فرمایا
ہم نے اس سے ''کن'' کہا تو ہو گئے۔
خلاصہ یہ ہے کہ
لفظ ''ثم'' تاخیر واقع کے لئے نہیں ہے بلکہ تاخیر بیان کے لئے ہے۔
دوسرا سوال یہ ہے کہ
فیکون مضارع کا صیغہ ہے۔

اس کا معنی ہے۔
ہوتا ہے یا ہوتا ہوگا۔
بظاہر فکان فرمانا چاہئے تھا
جس کا معنی ہے
ہوگیا
اس کا جواب یہ ہے۔
فرمایا! اے ابلیس! تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا تھا۔
فرمایا اے ابلیس! تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا۔
اس سے حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت اور کرامت ظاہر ہوتی ہے۔
اللہ تعالیٰ ہر چیز کو لفظ کن سے پیدا فرماتا ہے لیکن حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت اور کرامت کو ظاہر کرنے کے لئے فرمایا
کہ میں نے ان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ ان کی پیدائش کے لئے ماں باپ کو واسطہ نہیں بنایا نہ کسی ایک نطفہ کا ان کی تخلیق میں دخل
ہے۔
ان کو اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔

فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کے پتلے کو دیکھ کر خوفزدہ ہونا

امام ابو القاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں۔
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
اپنی پسندیدہ چیزیں پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق عرش پر مستوی ہوا۔
اور فرشتوں سے فرمایا
میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو مٹی لینے کے لئے زمین پر بھیجا
زمین نے کہا:
میں اس بات سے تم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتی ہوں کہ مجھ سے کوئی چیز کم کی جائے یا میری کوئی چیز خراب کی جائے۔
حضرت جبرائیل علیہ السلام لوٹ آئے اور مٹی نہیں لی
اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا
یارب عزوجل! اس نے مجھ سے تیری پناہ طلب کی اور میں نے اس کو پناہ دے دی۔
پھر حضرت میکائیل علیہ السلام کو بھیجا، اس نے پھر اسی طرح کہا وہ بھی لوٹ آئے۔ پھر حضرت عزرائیل علیہ السلام کو بھیجا۔

اس نے ان سے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی
انہوں نے کہا:
میں اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرائے بغیر لوٹ جاؤں۔ انہوں نے ز
کے ہر خطہ سے مٹی لے کر جمع کی اور اس کو خلط ملط کر دیا۔ اس میں سرخ بھی تھی اور سفید بھی۔
یہی وجہ ہے کہ
بنو آدم مختلف رنگ کے ہیں وہ اسی مٹی کو لے کر اوپر چڑھے اور اس کو گیلا کر دیا پھر اس گندمی مٹی کو پڑا رہنے دیا حتیٰ کہ وہ سڑ گئی
جیسا کہ اس آیت مبارکہ میں فرمایا گیا۔
وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ (الحجر: 26)
اور بے شک ہم نے انسان کو بجتی ہوئی خشک مٹی سے بنایا جو پہلے سیاہ بدبودار گارا تھی۔
اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے بنایا تا کہ ابلیس خود کو ان سے بڑا نہ سمجھے اور وہ جمعہ کے دن چالیس
سال کے برابر عرصہ تک بشر کی صورت میں پتلا بنے ہوئے پڑے رہے۔ فرشتے ان کو دیکھ کر خوف زدہ ہوتے تھے اور ابلیس سب
سے زیادہ خوف زدہ ہوتا تھا۔ اس پتلے کو مارنے سے ایسی آواز آتی تھی جیسے مٹکے کو مارنے سے آواز آتی ہے۔
اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ○ (الرحمن: 14)
اس نے انسان کو ٹھیکری کی طرح بجتی ہوئی سوکھی مٹی سے بنایا۔
ابلیس کہتا تھا کہ
اس کو کس لئے بنایا گیا ہے۔
اس نے فرشتوں سے کہا
اس سے مت ڈرو! یہ اندر سے کھوکھلا ہے اگر مجھ کو اس پر مسلط کر دیا گیا تو میں اس کو ہلاک کر دوں گا۔
(مختصر تاریخ دمشق ج:4، ص:215 تا 217 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی صورت بنائی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا پھر اس کو کیچڑ (گیلی مٹی) کر دیا پھر اس کو چھوڑ دیا حتیٰ کہ وہ
کر بجنے والی مٹی کی طرح ہو گیا۔ ابلیس اس پتلے کے پاس سے گزر کر کہتا تھا کہ یہ کیسی امر عظیم کے لئے بنایا گیا ہے۔ پھر

اس پتلے میں اپنی پسندیدہ روح پھونک دی۔ اس روح کا اثر سب سے پہلے ان کی آنکھوں اور نتھنوں میں ظاہر ہوا۔ ان کو
چھینک آئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنے کا القاء کیا۔

انہوں نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہا

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا

یَرْحَمُكَ اللّٰهُ

پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اے آدم (علیہ السلام)! اس جماعت کے پاس جاؤ اور ان سے بات کرو دیکھو یہ کیا کہتے ہیں؟

حضرت آدم علیہ السلام ان کے پاس گئے اور کہا

السلام علیکم

انہوں نے کہا:

وعلیکم السلام و رحمة الله

پھر حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پاس گئے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

انہوں نے کیا کہا حالانکہ اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

اے رب عزوجل! میں نے ان کو سلام کیا

انہوں نے کہا:

وعلیکم السلام و رحمة الله

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اے آدم (علیہ السلام)! یہ تمہارا اور تمہاری اولاد کے سلام کرنے کا طریقہ ہے۔

(الدر المنثور ج:1 ص:48 مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

جنت میں داخل ہوتے وقت کیا عمر ہوگی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کا طول ساٹھ ذراع تھا۔

اور ارشاد فرمایا

جاؤ فرشتوں کی اس جماعت کو سلام کرو اور سنو وہ کیا جواب دیتے ہیں اور یہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہوگا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے جا کر کہا

السلام علیکم

فرشتوں نے کہا:

وعلیکم السلام و رحمة الله

انہوں نے رحمۃ اللہ کا لفظ زیادہ کہا۔ سو جو شخص بھی آدم علیہ السلام کی صورت پر جنت میں داخل ہوگا اس کا طول ساٹھ ذراع ہوگا پھر یہ طول بتدریج کم ہوتا رہا حتی کہ اب اتنا طول رہ گیا۔

(الدر المنثور ج:1 ص:48 مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

حضرت آدم علیہ السلام کی خاک کو خانہ کعبہ کی جگہ رکھا گیا

تفسیر عزیزی وغیرہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ اس طرح نقل فرمایا: حق تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ تمام روئے زمین سے ہر قسم کی سیاہ سفید سرخ، کھاری، میٹھی، نرم خشک ایک مٹھی خاک اٹھالاؤ۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے زمین پر تشریف لا کر خاک اٹھانی چاہی۔

زمین نے پوچھا:

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے سارا واقعہ بیان کیا۔

زمین نے عرض کیا کہ

میں اس سے خدا عزوجل کی پناہ پکڑتی ہوں کہ تو مجھ سے خاک اٹھا کر انسان بنائے جس کی وجہ سے میرا کچھ حصہ جہنم میں پہنچے حضرت جبرائیل علیہ السلام خالی واپس آگئے۔

اور عرض کیا کہ

خدایا عزوجل زمین نے تیری عزت کی پناہ پکڑی میں تیرے نام اور عزت کے ادب سے اس سے خاک نہ اٹھا سکا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر حضرت اسرافیل علیہ السلام و میکائیل علیہ السلام کو باری باری بھیجا مگر وہ بھی اس طرح واپس آگئے۔

آخر میں حضرت ملک الموت بھیجے گئے۔ انہوں نے زمین کی ایک نہ سنی۔

بلکہ فرمایا:

میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا تابعدار ہوں، تیری عاجزی اور زاری کی وجہ سے رب عزوجل کی اطاعت نہیں چھوڑ سکتا۔ اس ان کو جان نکالنے کا کام سپرد کر دیا گیا کہ تم نے ہی اس خاک کو زمین سے الگ کیا ہے تم ہی اس کو ملانا۔ اب انہیں حکم ہوا کہ

کو وہاں رکھ جہاں آج خانہ کعبہ ہے۔

فرشتوں کو حکم ہوا کہ

اس خاک کا مختلف پانیوں سے گارا بنائیں۔ چنانچہ اس پر چالیس روز بارش ہوئی۔ انتالیس دن تو غم و رنج کا پانی برسا اور دن خوشی کا اسی لئے انسان کو رنج و غم زیادہ رہتے ہیں اور خوشی کم ہوتی ہے پھر اس گارے کو مختلف ہواؤں سے اتنا خشک کیا کہ بجانے لگا۔

جیسے قرآن مجید میں ہے:

صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ؁(الرحمن: 14)

پھر فرشتوں کو حکم ہوا کہ

اس گارے کو مکہ اور طائف کے درمیان وادئ نعمان میں عرفات پہاڑ کے نزدیک رکھیں پھر حق تعالیٰ نے خاص اپنے قدرت سے اس گارے کو حضرت آدم علیہ السلام کا قالب بنایا اور ان کی صورت تیار کی۔ فرشتوں نے کبھی ایسی صورت نہیں دیکھی تھی۔ تعجب سے اس کے آس پاس پھرتے تھے۔ اس کی خوبصورتی سے حیران تھے۔ ابلیس کو بھی اس سارے اعلان وغیرہ کی خبر پہنچی تھی وہ بھی اس قالب کو دیکھنے آیا۔

اور اس کے گرد پھر کر بولا:

اے فرشتو! تم اسی کا تعجب کرتے ہو یہ تو اندر سے ایک خالی جسم ہے جس میں جگہ سوراخ ہیں اور اس کی کمزوری کا یہ حال ہے اگر بھوکا ہو تو گر پڑے اور اگر خوب سیر ہو جائے تو چل پھر نہ سکے۔ اس قالب خالی سے کچھ نہ ہو سکے گا۔

پھر بولا:

ہاں! اس کے سینے کی بائیں طرف ایک بند کوٹھڑی ہے (دل) یہ خبر نہیں کہ اس میں کیا ہے شاید کہ یہی لطیفہ ربانی کی جگہ ہو اس وجہ سے یہ خلافت کا حق دار ہوا۔

پھر روح کو حکم ہوا کہ

اس قالب میں اور اس کے گڑھوں میں بھر جائے۔ جب روح قالب کے پاس پہنچی تو جسم کو تنگ و تاریک پایا اندر جانے سے ڈر گئی۔

بعض روایات میں آتا ہے۔

جب نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ قالب جگمگا دیا گیا یعنی وہ نور پیشانی آدم علیہ السلام میں امانت رکھا گیا۔ اب روح آہستہ داخل ہونے لگی ابھی سر میں تھی کہ آدم علیہ السلام کو چھینک آئی اور زبان سے نکلا ''الحمد للہ''

حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یرحمك الله

یہی اب بھی سنت ہے۔ جب روح کمر تک پہنچی، حضرت آدم علیہ السلام نے اٹھنا چاہا مگر گر پڑے کیونکہ نیچے کے دھڑ میں روح پہنچی ہی نہیں تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَجَلٍ (الانبیاء: 37)

فرمایا تمام بدن میں روح پھیل گئی

تو حکم ہوا کہ

فرشتوں کے پاس جا کر ان کو سلام کرو اور سنو وہ تمہیں کیا جواب دیتے ہیں۔

تب حضرت آدم علیہ السلام ادھر تشریف لے گئے۔

اور فرمایا

السلام علیکم

انہوں نے جواب دیا

وعلیکم السلام و رحمة الله

ارشاد ہوا کہ

یہی لفظ تمہارے اور تمہاری اولاد کے لئے مقرر کئے گئے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا۔

مولیٰ عزوجل! میری اولاد کون۔

تب ان کی پشت پر دست قدرت پھیر کر اس سے ساری انسانی روحیں نکالی گئیں اور حضرت آدم علیہ السلام کو سب دکھائی گئیں اور انہیں کافر مومن، منافقین و اولیاء قطب، انبیاء کرام علیہم السلام دکھائے گئے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل: ص: 267 نعیمی کتب خانہ لاہور)

انسان جلد باز پیدا کیا گیا

قرآن مجید میں ہے:

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَجَلٍ (الانبیاء: 37)

انسانی جلد باز پیدا کیا گیا ہے۔

ایک قول کے مطابق اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

امام محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ جب حضرت آدم علیہ السلام میں روح پھونکی تو جب وہ روح ان کے سر میں پہنچی تو ان کو چھینک آئی۔

فرشتوں نے کہا:

آپ کہیے

الحمد لله

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

الحمد لله

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

رحمك ربك

ترجمہ: آپ کا رب آپ پر رحم کرے۔

پھر جب روح آپ علیہ السلام کی آنکھوں میں پہنچی اور آپ علیہ السلام نے جنت کے پھلوں کی طرف دیکھا تو آپ علیہ السلام کے پیٹ میں طعام کی خواہش ہوئی تو اس سے پہلے کہ روح آپ علیہ السلام کی ٹانگوں میں پہنچتی آپ علیہ السلام جنت کے پھلوں کی طرف لپکے تو یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے کہ انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے۔

مجاہد نے اس کی تفسیر میں یہ کہا ہے:

حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے پیدا کرنے کے بعد دن کے آخری حصہ میں پیدا کیا گیا جب روح ان کی آنکھوں، زبان اور سر تک پہنچی اور ابھی سر کے نچلے حصہ میں نہیں پہنچی تھی

تو انہوں نے کہا:

اے میرے رب عزوجل! میری خلقت کو غروب شمس سے پہلے پیدا کر دے۔

امام ابن جریر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

یعنی انسان کی فطرت اور خلقت میں عجلت رکھی گئی ہے۔

(جامع البیان: جز: 17، ص: 35 تا 37 ملخصا مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام جمعہ کے دن پیدا ہوئے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوا جمعہ کا دن ہے اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن آپ علیہ السلام

کو زمین پر اتارا گیا اور اسی دن آپ علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی اور اسی دن آپ علیہ السلام کی روح قبض کی گئی اور اسی دن قیامت ہوگی۔

(سنن النسائی: کتاب الجمعہ باب ذکر الساعۃ......ص:113 ج:3،ص:1430)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار ہے اور باقی دنوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں عظمت والا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی عظمت عید الاضحیٰ اور عید الفطر سے بھی بڑھ کر ہے۔اس دن پانچ خصلتیں پائی جاتی ہیں۔

(1) اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا

(2) اور اسی دن انہیں وفات دی

(3) اور اسی دن میں ایک ساعت ایسی ہوتی ہے جس میں بندہ اللہ تعالیٰ سے جو بھی سوال کرے وہ اسے عطا فرماتا ہے جب تک کہ وہ کسی حرام چیز کا سوال نہیں کرتا۔

(4) اور اسی دن قیامت برپا ہوگی۔

(5) کوئی مقرب فرشتہ

آسمان

زمین

ہوا

پہاڑ

اور سمندر ایسا نہیں جو جمعہ کے دن سے نہ ڈرتا ہو۔

(ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیہا: باب فی فضل الجمعۃ ص:344، ج:1، رقم:1084)

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد پیدا فرمانا

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی 279ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو قیامت تک ان کی اولاد کی پیدا ہونے

روحیں ان کی پشت سے جھڑ گئیں۔ اور ان میں سے ہر انسان کی دونوں آنکھوں کے سامنے نور کی شعاعیں تھیں۔ پھر ان لوگوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا

اے میرے رب عزوجل! یہ کون لوگ ہیں۔

ارشاد فرمایا

یہ تمہاری اولاد ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا وہ شخص اور اس کی نور کی شعاعیں انہیں بہت اچھی لگیں۔

پوچھا

اے میرے رب عزوجل! یہ کون شخص ہے!

ارشاد فرمایا

یہ تمہاری اولاد کے آخری لوگوں میں سے ایک شخص ہے اس کا نام داؤد ہے۔

کہا

اے میرے رب عزوجل! تو نے ان کی کتنی عمر مقرر کی ہے۔

ارشاد فرمایا

ساٹھ سال

کہا

اے میرے رب عزوجل! میری عمر میں سے اس کی عمر کے چالیس سال زیادہ کر دے جب حضرت آدم علیہ السلام کی عمر پوری ہوگئی تو ان کے پاس ملک الموت آئے۔

کہا

کیا میری عمر میں سے ابھی چالیس سال باقی نہیں ہیں،

انہوں نے کہا:

کیا یہ چالیس سال آپ نے اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو نہیں دیئے تھے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کر دیا سو ان کی اولاد نے بھی انکار کر دیا اور حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے سو ان کی اولاد بھول گئی اور حضرت آدم علیہ السلام نے اجتہادی خطا کی سو ان کی اولاد نے بھی خطا کی۔

(سنن ترمذی: ج:5، ص، رقم الحدیث: 3087 بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام کا انبیاء کرام علیہم السلام کو دیکھنا

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ نہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ○ (الاعراف: 172)

اور جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کی جانوں پر انہیں گواہ بنادیا۔(فرمایا) کیا میں تمہارا رب نہیں سب نے کہا: کیوں نہیں! ہم نے گواہی دی تا کہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہو کہ ہم اس سے بے ضمیر تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

میں تم پر سات آسمانوں کو گواہ کرتا ہوں اور تم پر تمہارے باپ آدم کو گواہ کرتا ہوں تا کہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم کو اس کا علم نہ تھا۔ جان لو کہ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ لہٰذا تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ میں عنقریب تمہارے پاس رسول بھیجوں گا جو تم کو میرا عہد اور میثاق یاد دلائیں گے اور تم پر اپنی کتابوں کو نازل کروں گا۔

انہوں نے کہا:

ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب عزوجل اور ہمارا معبود ہے اور تیرے سوا ہمارا کوئی رب عزوجل نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان میں غنی اور فقیر کو اور خوبصورت اور بدصورت لوگوں کو دیکھا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

اے میرے رب عزوجل! اگر تو اپنے تمام بندوں کو ایک جیسا کر دیتا۔

ارشاد فرمایا

مجھے یہ پسند ہے کہ میرا شکر ادا کیا جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان میں انبیاء کرام علیہم السلام کو دیکھا ان کے چہرے چراغ کی طرح منور تھے۔ ان کو رسالت اور نبوت کے میثاق کے ساتھ خاص کیا گیا تھا۔

اس کے متعلق یہ حدیث ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰى وَعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ ۪ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ○ (الاحزاب: 7)

اور جب ہم نے (تبلیغ رسالت پر) نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا۔

(تاریخ دمشق: ج:4، ص:219 تا 220 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اولادِ آدم چیونٹی اور کوئلہ کی مثل

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کے دائیں کندھے پر مارا اور سفید رنگ کی ان کی اولاد نکالی وہ چیونٹی کی مثل تھے اور بائیں کندھے پر مارا اور اس سے ان کی سیاہ رنگ کی اولاد نکالی۔ وہ کوئلوں کی طرح تھے پھر دائیں جانب والوں کے لئے فرمایا یہ جنت کی طرف ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے اور بائیں جانب والوں کے لئے یہ فرمایا یہ دوزخ کی طرف ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔

ابراہیم مزنی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا

کیا فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا

انہوں نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو کعبہ کی طرف کر دیا تھا اور فرشتوں کو ان کی طرف سجدہ عبادت کرنے کا حکم دیا جس طرح اس نے اپنے بندوں کو کعبہ کی طرف سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

قتادہ نے کہا:

حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رہنے اور کھانے پینے کا حکم دیا اور ایک درخت سے منع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو آزمائش میں مبتلا کیا جس طرح اس سے پہلے فرشتوں کو مبتلا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر مخلوق کو اطاعت میں مبتلا کیا ہے جس طرح اس سے پہلے زمین اور آسمان کو اطاعت میں مبتلا کیا تھا۔

ان سے فرمایا

تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو جاؤ

انہوں نے کہا:

ہم خوشی سے حاضر ہوتے ہیں سو حضرت آدم علیہ السلام کو آزمائش میں مبتلا کیا اور ان کو جنت میں رکھا۔

ارشاد فرمایا

کہ جہاں سے چاہو فراخی سے کھاؤ اور ایک درخت کے کھانے سے منع فرما دیا یہ آزمائش قائم رہی حتیٰ کہ انہوں نے اس ممنوع کا ارتکاب کر لیا اس وقت ان کی شرم گاہ کھل گئی اور ان کو جنت سے اتار دیا گیا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

اے میرے رب عزوجل! اگر میں توبہ کر لوں اور اصلاح کر لوں تو کیا جنت کی طرف لوٹا دیا جاؤں گا۔

اور تب انہوں نے کہا:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (الاعراف:23)

اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں ہو جائیں گے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی اور اللہ عزوجل کے دشمن ابلیس نے اپنے گناہ کا اعتراف کیا اور نہ توبہ کی لیکن اس نے قیامت تک کی مہلت مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی دعا قبول فرمالی۔ حضرت آدم علیہ السلام کو معاف کر دیا اور شیطان کو قیامت تک کی مہلت دے دی۔

(تاریخ دمشق ج:4،ص:220 تا 221 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اولاد آدم کی پیدائش مٹی سے

قرآن مجید میں ہے:

هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ (النجم: 32)

اور وہ تمہیں خوب جاننے والا ہے جب اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا تھا۔

امام ابوعبداللہ ترمذی نے کہا:

جب زمین سے مٹی نکالی گئی تو ہم سب کو اس مٹی سے پیدا کیا گیا پھر اس مٹی کو ہمارے آباء کی پشتوں میں رکھ دیا گیا۔ بعض مٹی سفید اور روشن تھی اور بعض کوئلہ کی طرح سیاہ تھی سو ہم کو ان ہی رنگوں پر پیدا کیا گیا۔

امام اوزاعی بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس رات تمام اولین اور آخرین میرے حجرے کے سامنے پیش کیے گئے۔

کسی نے پوچھا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! گزری ہوئی مخلوق بھی

ارشاد فرمایا

ہاں! مجھ پر حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے ماسوا سب پیش کیے گئے۔

مسلمانوں نے پوچھا:

اور وہ بھی جو اپنے آباء کی پشتوں میں اور اپنی ماؤں کے ارحام میں ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ مٹی میں متمثل کر کے پیش کیے گئے اور میں نے ان سب کو اس طرح پہچان لیا جس طرح حضرت آدم علیہ السلام نے تمام

کو پہچان لیا تھا۔

(الجامع الاحکام القرآن ج:17،ص:101دارالفکر بیروت)

حافظ ابونعیم نے اپنی کتاب میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

جو فرشتہ رحم پر مقرر کیا گیا ہے وہ نطفہ کو اپنی ہتھیلی پر رکھ کر یہ کہتا ہے۔

اے رب عزوجل! اس کی تخلیق کی جائے گی یا نہیں کی جائے گی۔ اگر اللہ تعالیٰ فرمائے کہ اس کی تخلیق کی جائے گی۔

تو پھر کہتا ہے

اے رب عزوجل! اس کا رزق کتنا ہے؟

اس کا نشان کیسا ہے؟

اور اس کی موت کب آئے گی؟

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تم لوح محفوظ میں دیکھو۔

وہ لوح محفوظ میں دیکھتا ہے تو اس میں اس کا رزق

اس کی موت

اور اس کا عمل

لکھا ہوا ہوتا ہے جس جگہ اس کو دفن کیا جائے گا وہ وہاں سے مٹی لیتا ہے اور اس کو اس کے نطفہ میں ملا کر گوندھتا ہے اور یہ

تعالیٰ کے اس قول کے مصداق ہے۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰىO(طه: 55)

ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے اور اس سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج:6،ص:300 مطبوعہ بیروت)

امام عبد بن حمید اور امام ابن المنذر نے عطاء خراسانی سے روایت کیا ہے کہ

جس جگہ انسان کو دفن کیا جائے گا وہاں کی مٹی کو فرشتہ نطفہ پر چھڑکتا ہے

اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ ۔

(الدرالمنثور ج:6،ص:302 مطبوعہ ایران)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ہر مولود کے اوپر اس کی قبر کی مٹی چھڑکی جاتی ہے۔
(حلیۃ الاولیاء، ج:2، ص:280 مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ہر مولود کی ناف میں وہ مٹی ہوتی ہے جس سے وہ پیدا کیا جاتا ہے۔ جب وہ ارذل عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تو اس مٹی کی طرف لوٹایا جاتا ہے جس سے وہ پیدا کیا گیا تھا اور میں اور ابو بکر اور عمر (صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ عنہما) ایک مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں اور اسی مٹی سے میں دفن کئے جائیں گے۔
(کنز العمال: رقم الحدیث: 32673 بیروت)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے اس کے اوپر اس کی قبر کی مٹی چھڑکی جاتی ہے۔
ابو عاصم نے کہا:
تم حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے لئے اس جیسی فضیلت نہیں پا سکو گے۔
کیونکہ ان کو دونوں کی مٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مٹی سے ہے۔
(حلیۃ الاولیاء، ج:2، ص:318، رقم الحدیث: 2389 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا
ہر انسان کو اس مٹی میں دفن کیا جاتا ہے جس سے وہ پیدا کیا گیا ہے۔
(مصنف عبد الرزاق: رقم الحدیث: 6531 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا:
جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے فرشتہ زمین سے مٹی لے کر اس کی ناف کاٹنے کی جگہ پر رکھتا ہے اس مٹی میں اس کی شفاء ہوتی ہے اور اس میں اس کی قبر ہوتی ہے۔
(مصنف عبد الرزاق: رقم الحدیث: 6533 مطبوعہ بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں اور ابوبکر اور عمر (صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ عنہما) ایک مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔

(فردوس الاخبار ج:2،ص:305رقم الحدیث:2775بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے اس کی ناف میں وہ مٹی ہوتی ہے جس سے وہ پیدا کیا جاتا ہے اور جب وہ ارذل عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تو وہ اسی مٹی کی طرف لوٹایا جاتا ہے جس سے وہ پیدا کیا جاتا ہے حتیٰ کہ اس مٹی میں اس کو دفن کیا جاتا ہے اور میں اور ابوبکر اور عمر (صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ عنہما) ایک ہی مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں اور اس مٹی سے ہم اٹھائے جائیں گے۔

(فردوس الاخبار ج:4،ص:235)

خطیب نے کتاب المتفق والمفترق میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر بچہ کی ناف میں اس مٹی کا حصہ ہوتا ہے جس سے وہ بنایا گیا۔ یہاں تک کہ اسی میں دفن کیا جائے گا اور میں اور ابوبکر و عمر (صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ عنہما) ایک مٹی سے بنے اسی میں دفن ہوں گے۔

(فتاویٰ افریقہ:ص:100 مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کراچی)

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب نطفہ کو رحم میں چالیس دن گزر جاتے ہیں پھر چالیس دن وہ جما ہوا خون بن جاتا ہے پھر چالیس دن وہ گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے پھر جب وہ تخلیق کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بھیجتا ہے جس کی انگلیوں میں مٹی ہوتی ہے وہ اس کو گوشت کے لوتھڑے میں ملا کر گوندھتا ہے اور پھر اس کی تصویر بناتا ہے۔

پھر پوچھتا ہے

یہ مرد ہے یا عورت؟

نیک یا بد ہے؟

اس کا رزق کتنا ہے؟

اس کی عمر کتنی ہے؟

اس کے مصائب کیا کیا ہیں؟

پھر اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے لکھنے کا حکم دیتا ہے اور فرشتہ لکھ دیتا ہے اور جب وہ شخص مر جاتا ہے تو اس کو اس جگہ دفن کر دیا

جاتا ہے جہاں سے اس کی مٹی لی گئی تھی۔

(الدر المنثور ج:3،ص:144 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اولادآدم کے مختلف رنگ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اپنی پسندیدہ چیزیں پیدا فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق عرش پر مستوی ہو۔

اور فرشتوں سے ارشاد فرمایا

میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو مٹی لینے کے لئے زمین پر بھیجا۔

زمین نے کہا:

میں اس بات سے تم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتی ہوں کہ مجھ سے کوئی چیز کم کی جائے یا میری کوئی چیز خراب کی جائے۔حضرت جبرائیل علیہ السلام لوٹ آئے اور مٹی نہیں لی۔

اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا

یارب عزوجل! اس نے مجھ سے تیری پناہ طلب کی اور میں نے اس کو پناہ دے دی۔

پھر حضرت میکائیل علیہ السلام کو بھیجا۔

اس نے پھر اسی طرح کہا وہ بھی لوٹ آئے۔

پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا

اس نے ان سے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی

انہوں نے کہا:

میں اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں اللہ عزوجل کے حکم پر عمل کرائے بغیر لوٹ جاؤں۔انہوں نے زمین کے ہر خطہ سے مٹی لے کر جمع کی اور اس کو خلط ملط کر دیا۔اس میں سرخ مٹی بھی تھی اور سفید بھی۔

یہی وجہ ہے کہ

بنو آدم مختلف رنگ کے ہیں۔وہ اس مٹی کو لے کر اوپر چڑھے اور اس کو گیلا کر دیا پھر اس کو گندھی ہوئی مٹی کو پڑا رہنے دیا حتیٰ کہ وہ سڑ گئی۔

(مختصر تاریخ دمشق ج:4،ص:215 تا 217 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام کو اولاد مشاہدہ کرانا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو قیامت تک ان کی اولاد کی پیدا ہونے والی روحیں اُن کی پشت سے جھڑ گئیں اور ان میں سے ہر انسان کی دونوں آنکھوں کے سامنے نُور کی شعاعیں تھیں۔ پھر ان لوگوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا۔
حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا:..
اے میرے رب عزوجل! یہ کون لوگ ہیں۔
ارشاد فرمایا
یہ تمہاری اولاد سے ہیں
حضرت آدم علیہ السلام نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا وہ شخص اور اس کی نور کی شعاعیں انہیں بہت اچھی لگیں۔
پوچھا
اے میرے رب عزوجل! یہ کون شخص ہے؟
ارشاد فرمایا
یہ تمہاری اولاد کے آخری لوگوں میں سے ایک شخص ہے اس کا نام داؤد (علیہ السلام) ہے۔
کہا
اے میرے رب عزوجل! تو نے ان کی کتنی عمر مقرر کی ہے۔
ارشاد فرمایا
ساٹھ سال
کہا
اے میرے رب عزوجل! میری عمر میں سے اس کی عمر کے چالیس سال زیادہ کرے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کی عمر پوری ہو گئی تو ان کے پاس ملک الموت آئے
کہا
کیا میری عمر میں سے ابھی چالیس سال باقی نہیں ہیں
انہوں نے کہا:
چالیس سال آپ نے اپنے بیٹے داؤد (علیہ السلام) کو نہیں دیئے تھے۔
حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کر دیا۔ سو ان کی اولاد نے بھی انکار کر دیا اور حضرت آدم علیہ السلام بھی بھول گئے سو ان کی

اولاد بھی بھول گئی اور حضرت آدم علیہ السلام نے (اجتہادی) خطا کی سوان کی اولاد نے بھی خطا کی۔

(سنن ترمذی ج:5، رقم الحدیث:3087 بیروت)

بنی آدم کو خوشی کم اور غم زیادہ کیوں ہیں

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ تمام روئے زمین سے ہر قسم کی سیاہ سفید، سرخ، کھاری، میٹھی، نرم ایک مٹھی خاک اٹھالاؤ۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے زمین پر تشریف لا کر خاک اٹھانی چاہی زمین نے سبب پوچھا۔ حضرت جبرائیل السلام نے سارا واقعہ بیان کیا۔

زمین نے عرض کیا کہ

میں اس سے خدا عزوجل کی پناہ پکڑتی ہوں کہ تو مجھ سے خاک اٹھا کر انسان بنائے جس کی وجہ سے میرا کچھ حصہ جہنم پہنچے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام خالی واپس آگئے

اور عرض کیا کہ

خدایا عزوجل! زمین نے تیری عزت کی پناہ پکڑی میں تیرے نام اور عزت کے ادب سے اس سے خاک نہ اٹھاسکا تعالیٰ نے پھر حضرت اسرافیل و میکائیل علیہما السلام کو باری باری بھیجا مگر وہ بھی اس طرح واپس آگئے۔ آخر میں حضرت الموت بھیجے گئے۔ انہوں نے زمین کی ایک بھی نہ سنی۔

بلکہ فرمایا:

میں تو اللہ تعالیٰ کے حکم کا تابعدار ہوں تیری عاجزی اور زاری کی وجہ سے رب عزوجل کی اطاعت نہیں چھوڑ سکتا۔ اس ان کو جان نکالنے کا کام سپرد کیا گیا کہ تم نے ہی اس خاک کو زمین سے الگ کیا ہے تم ہی اس کو ملانا۔ اب انہیں حکم ہوا خاک کو وہاں رکھو جہاں آج خانہ کعبہ ہے۔

فرشتوں کو حکم ہوا کہ

اس خاک کا مختلف پانیوں سے گارا بنائیں چنانچہ اس پر چالیس روز بارش ہوئی۔ انتالیس دن تو غم و رنج کا پانی ایک دن خوشی کا اسی لئے انسان کو رنج و غم زیادہ رہتے ہیں اور خوشی کم ہوتی ہے۔

(تفسیر نعیمی، پارہ اوّل: ص: 267 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت عزرائیل علیہ السلام کے ذمے جان نکالنے کا حکم کیوں

(زمین سے مٹی اٹھانے کے لئے) آخر میں حضرت ملک الموت بھیجے گئے انہوں نے زمین کی ایک نہ سنی۔

بلکہ فرمایا:

میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا تابعدار ہوں، تیری عاجزی اور زاری کی وجہ سے رب عزوجل کی اطاعت نہیں چھوڑ سکتا۔ اسی لئے جان نکالنے کا کام سپرد کردیا گیا کہ تم نے ہی اس خاک کو زمین سے الگ کیا ہے تم ہی اس کو ملانا۔
(تفسیر نعیمی: پارہ اول، ص: 267 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بنو آدم (علیہ السلام) سے میثاق

قرآن مجید میں بنو آدم (علیہ السلام) سے میثاق لینے پر واضح آیت کریمہ موجود ہے۔
چنانچہ قرآن مجید میں ہے:
وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ ۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝ (الاعراف: 172)
اور (یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا اور ان کو خود ان کے نفسوں پر گواہ کرتے ہوئے فرمایا! کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا: کیوں نہیں، ہم (اس پر) گواہی دیتے ہیں تا کہ قیامت کے دن تم یہ (نہ) کہہ دو کہ ہم اس سے بے خبر تھے۔
☆ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
سورہ اعراف کی اس آیت کے متعلق میں نے سوال کیا
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا پھر ان کی پشت پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرا پھر اس پشت سے اولاد نکالی۔
پھر ارشاد فرمایا
ان کو میں نے جنت کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ اہل جنت کے عمل کریں گے پھر ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور ان سے ایک اولاد نکالی۔
اور ارشاد فرمایا
میں نے ان کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ اہل دوزخ کے عمل کریں گے۔
ایک شخص نے پوچھا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پھر یہ عمل کس چیز میں ہے؟
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
بے شک جب کسی بندہ کو جنت کے لئے پیدا کرتا ہے تو اس سے اہل جنت کے عمل کراتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ شخص اہل جنت کے عمل پر مرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے اور جب کسی بندہ کو دوزخ کے لئے پیدا کرتا ہے تو اس سے اہل

دوزخ کے عمل کراتا ہے حتیٰ کہ وہ اہل دوزخ کے اعمال پر مرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں داخل کر دیتا ہے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3086 بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان سے میثاق لیا، ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو ان کی اولاد کو چیونٹیوں کی مانند نکالا پھر ان کی مدت حیات ان کا رزق اور ان کے مصائب لکھ دیئے اور ان کو ان کے نفسوں پر گواہ کیا۔

اور ارشاد فرمایا

کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں

انہوں نے کہا:

کیوں نہیں۔

(جامع البیان: ج: 19، ص: 150)

ایک روایت میں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور اس سے اس روح کو نکالا جس کو قیامت تک پیدا کرنے والا ہے۔

(الدر المنثور: ج: 3، ص: 601)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے یوم عرفہ کے دن وادی نعمان میں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے میثاق لیا اور ان کی پشت سے تمام اولاد کو نکالا۔

اور ارشاد فرمایا

کیا میں تمہارا رب عزوجل نہیں۔

(الدر المنثور: ج: 3، ص: 601)

علامہ ابو عبداللہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ نے لکھا ہے کہ
جس جگہ میثاق لیا گیا تھا اس کی تعیین میں اختلاف ہے۔
اس سلسلے میں چار اقوال ہیں۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ
یہ میثاق عرفہ کی ایک جانب وادی نعمان میں لیا گیا تھا۔
اوران سے دوسری روایت میں ہے کہ
سرزمین ہند میں جہاں حضرت آدم علیہ السلام کو اتارا گیا تھا وہیں ان سے میثاق لیا گیا تھا۔
کلبی سے روایت ہے کہ
مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ پر یہ میثاق لیا گیا تھا۔
اور یہ کہ
جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے آسمان دنیا کی طرف اتارا گیا تو وہاں ان سے یہ میثاق لیا گیا تھا۔
(الجامع الاحکام القرآن جز:7،ص:283 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذرہ نے جواب دیا

علامہ آلوسی لکھتے ہیں
بعض اہل اللہ نے یہ کہا ہے:
جب حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کے ذرّوں کو نکالا گیا تو سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذرہ نے جواب دیا اور جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں سے یہ فرمایا
ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ أَتَيْنَا طَآئِعِينَ ○(حم السجدہ: 11)
خوشی یا ناخوشی سے دونوں حاضر ہو جاؤ دونوں نے کہا: ہم خوشی سے حاضر ہوئے۔
اس وقت زمین کے جس ذرّہ نے سب سے پہلے جواب دیا تھا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذرہ تھا اور یہ کعبہ کی مٹی کا ذرہ اور سب سے پہلے زمین کا یہی حصہ بنایا گیا تھا۔ پھر اسی کو پھیلایا گیا۔
جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔
اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربت (مٹی) شریفہ کعبہ معظمہ کی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن بھی مکہ میں ہونا چاہئے تھا۔
کیونکہ روایت میں ہے کہ

جس جگہ مٹی سے انسان بنایا جاتا ہے اسی جگہ اس کا مدفن ہوتا ہے۔

لیکن کہا گیا ہے کہ

جب طوفان آیا تھا تو ایک جگہ کی مٹی دوسری جگہ پہنچ گئی تھی اور مٹی کا وہ مبارک اور پاک ذرہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبداء تھا اس جگہ پہنچ گیا جہاں اب مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن اقدس ہے اور اس کلام سے یہ متفاد ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق اصل ہے اور تمام کائنات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہے۔

ایک قول یہ ہے:

چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذرہ تمام مخلوق کی امر (اصل) ہے اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب امی ہے۔

(روح المعانی: ج:9،ص:111 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

میثاق کس کو یاد ہے؟

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں

ذی النون سے پوچھا گیا کہ

کیا آپ کو میثاق یاد ہے؟

انہوں نے کہا:

گویا کہ اب بھی میرے کانوں میں اس عہد اور میثاق کی آواز آرہی ہے۔

اور بعض عارفین نے یہ کہا کہ

یہ میثاق کل لیا گیا تھا۔

(روح المعانی ج:9،ص:106 مطبوعہ دار احیاء التراث الغربی)

حضرت آدم علیہ السلام جمعہ کے دن عصر کے بعد پیدا ہوئے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا۔

اللہ عزوجل نے زمین کو ہفتہ کے دن پیدا فرمایا

اور اتوار کے دن اس میں پہاڑوں کو پیدا فرمایا

اور پیر کے دن درختوں کو پیدا فرمایا

اور مکروہ چیزوں کو منگل کے دن پیدا فرمایا

اور نور کو بدھ کے دن پیدا فرمایا

اور جمعرات کے دن اس میں چوپایوں کو پھیلا دیا

اور حضرت آدم علیہ السلام کو سب کے بعد جمعہ کے دن عصر کے بعد پیدا فرمایا اور وہ ساعات جمعہ میں آخری ساعت تھی۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2789 مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

اور ایک روایت میں ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

یہود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے کے متعلق سوال کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے اتوار اور سوموار کے دن زمین کو پیدا کیا۔

اور منگل کے دن پہاڑوں کو پیدا کیا اور نفع آور چیزوں کو پیدا کیا جو پہاڑوں میں ہیں۔

اور بدھ کے دن درختوں کو اور پانی کو اور شہروں کو اور آبادیوں کو اور ویرانوں کو پیدا کیا۔

یہ وہ چار دن ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے۔

آپ کہیے! کیا تم واقعی اس ذات کا کفر کر رہے ہو جس نے دونوں میں زمین کو پیدا کیا اور تم نے اس کے شرکاء قرار دے رکھے ہو حالانکہ وہی تمام جہانوں کا رب ہے اور اس نے زمین کے اوپر بھاری پہاڑ نصب کر دیئے اور اس میں برکت رکھی اور زمین میں رہنے والوں کی غذا بھی چار دنوں میں مقرر کی جو طلب کرنے والوں کے لئے مساوی ہے۔

(حم السجدہ 9-10)

اور اس نے جمعرات کے دن آسمان کو پیدا کیا اور جمعہ کے دن

ستاروں

چاند

سورج

اور فرشتوں

کو تین ساعتوں تک پیدا کیا اور ان تین ساعتوں میں سے پہلی ساعت میں لوگوں کی مدت حیات مقرر فرمائی اور دوسری ساعت میں جن چیزوں سے لوگ نفع اٹھاتے ہیں ان پر آفت کو پیدا کیا اور تیسری ساعت میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا ان کو جنت میں رکھا اور ابلیس کو حکم دیا کہ ان کو سجدہ کرے اور آخری ساعت میں اس کو جنت سے نکال دیا۔

یہود نے پوچھا:

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر کیا ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
پھر اللہ عزوجل عرش پر جلوہ فرما ہوا
یہود نے کہا:
اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری بات بتا دیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات صحیح تھی۔
سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوئے۔
اور اس وقت یہ آیت نازل ہوئی

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّ مَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ○ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ (ق : 38 تا 39)

ہم نے آسمانوں کو اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی جو کچھ یہ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کیجئے۔
(جامع البیان رقم الحدیث:23478 بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام کے علم کی وسعت

جب فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنانے کی حکمت پوچھی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کا مقام بتانے کے لئے اس طرح ارشاد فرمایا۔
قرآن مجید میں ہے:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ (البقرہ: 31)

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے پھر سب اشیاء ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا تم سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ۔

اس آیت سے گزشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا کہ آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنانے والے ہیں مگر خلافت پورے علم کے بغیر نہیں ہو سکتی کیونکہ بادشاہ کو اپنی رعایا کے سارے حالات کا جاننا ضروری ہے۔ اس لئے اب ان کو علم عطا فرمانے کا ذکر فرمایا گیا۔ اور ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنانے کی حکمت پوچھی تھی۔ اس کا اجمالی جواب رب تعالیٰ کی طرف سے گیا کہ اس کو ہم جانتے ہیں تم نہیں جانتے، اس سے فرشتے خاموش تو ہو گئے مگر ان کو تسکین نہ ہوئی تھی۔ اب عملی طور پر تفصیلی جواب دیا جا رہا ہے جس سے فرشتوں کو پوری تسکین حاصل ہو۔
علم تعلیم سے بنا ہے۔

جس کے معنی ہیں

آہستہ آہستہ علم دینا اور سکھانا،

چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو حق تعالیٰ کی ذات اور صفات اور سارے ایمانیات کا علم ان کی پیدائش سے پہلے ہی دے دیا گیا تھا۔ اسی لئے انہوں نے چھینک آتے ہی الحمدللہ کہا جس خدا عزوجل کی ذات وصفات کا ذکر ہے۔

اور پھر جیسا کہ روایت میں آتا ہے کہ

(حضرت آدم علیہ السلام نے) پیدا ہوتے ہی ساق عرش پر لکھا ہوا پڑھ لیا کہ

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

جس سے معلوم ہوا کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جانتے ہیں اور ان کی نبوت و رسالت کو بھی جانتے اور پہچانتے ہیں اور لکھے ہوئے حروف پڑھ لیتے ہیں مگر ساری چیزوں کا علم پیدائش کے بعد عطا ہوا۔ اس لئے علم باب تفصیل سے فرمایا گیا۔

خیال رہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو نہ تو کسی مدرسے میں جانا پڑا تھا اور نہ کسی استاد کی شاگردی کرنی پڑی بلکہ بطور الہام خود بخود سب علوم ان کو آ گئے۔

جیسے

بعد مرنے کے ہر شخص کو زبانِ عربی خود بخود آ جاتی ہے کہ قبر کے سوال و جواب اور محشر کا حساب و کتاب اور جنت والوں کی بول چال سب عربی زبان میں ہیں۔

الاسماء:

اسما وسم یا سمو سے بنا ہے۔

جس کے معنی ہیں۔

علامت یا پہچان یا بلندی اور اب نام کو بھی کہتے ہیں۔

تفسیر کبیر وغیرہ نے فرمایا:

یہاں پہلے معنی مراد ہیں کیونکہ آدم علیہ السلام کو فقط چیزوں کے نام ہی بتائے گئے بلکہ ان کی حقیقتیں خاصیتیں اور نفع و نقصان اور ان کا طریقہ استعمال اور ان کے بنانے کے طریقے، غرضیکہ ہر چیز کے سارے حالات بتا دیئے گئے تھے اور ہر حال چیز کی علامت تھی۔ اس لئے وہ سب اسماء میں ہی داخل ہیں کیونکہ فقط نام بتانے سے علم کامل نہیں ہوتا اور اس سے خلافت کا دعویٰ بھی حاصل نہیں۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ

یہاں اسم کے معنی نام ہی ہیں مگر چونکہ ہر چیز کے حالات بھی چیز ہیں اوران کے بھی کچھ نام ہیں۔ان سب کی تعلیم فرمائی گئی تھی۔غرضیکہ یہ تو سب مانتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کا علم ہر چیز کو شامل تھا لیکن اس وسعت علمی کو بعض تو الاسماء سے ثابت کرتے ہیں۔بعض کلہا سے دعویٰ سب کا ایک دلیلیں علیحدہ۔

کلھا

اس میں بہت گنجائش ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نام بھی آدم علیہ السلام کے علم سے باقی نہ بچا۔

جیسے

خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ سے معلوم ہوتا ہے کہ خداعزوجل ہر چیز کا خالق ہے ایسے ہی یہاں کلہا سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام ہر نام والی چیز کے علم ہیں۔

خیال رہے کہ

آدم علیہ السلام کا علم اس قدر وسعت کے باوجود ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دریا کا قطرہ ہے کیونکہ ان کا علم ہر اس چیز کو بھی گھیرے ہوئے ہیں کہ جہاں تک الفاظ و نام بلکہ کسی کا خیال بھی نہیں پہنچتا۔اس لئے حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا گیا۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ

یہاں نہ اسم کی قید ہے نہ الفاظ وحروف کی پابندی۔

اب ہم کلہا کی کسی قدر گنجائش دکھاتے ہیں۔یہ سب جانتے ہیں کہ دنیا میں اول سے آخر تک لاکھوں زبانیں بولی گئیں اور ہر زبان کے حروف نقش اوران کے الفاظ علیحدہ علیحدہ پھر ہر زبان میں کروڑوں لغات جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا میں کروڑوں چیزیں اور ہر چیز کی لاکھوں صفات اور ہر صفت کے لاکھوں نام اور نام کے لکھنے اور بولنے کے لاکھوں طریقے مثلاً الف لکھنے انگریزی میں اور طریقہ ہے اور اردو میں اور عربی میں اور پھر مثلاً پانی کو اردو میں پانی،

فارسی میں آب

عربی میں ماء

ہندی میں جل

انگریزی میں واٹر

اور نہ معلوم کس کس زبان میں کیا کیا کہتے ہوں گے پھر اگر لفظ پانی لکھا جائے تو ہر زبان کی عبارت میں علیحدہ طریقے

مثلاً

انگریزی (Pani)

اور ہندی میں (   )
اور گجراتی میں (۴۱۔۲۶۱)
اردو میں (پانی)
عربی میں (ماء)
وغیرہ وغیرہ طریقوں سے پھر اس پانی کے ہزاروں حالات اور ہزاروں قسمیں ہیں۔
ٹھنڈا
گرم
صاف
میلا
کھاری
میٹھا
بھاری
ہلکا
گاڑھا
پتلا
سفید
کالا
وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب علوم سیدنا آدم علیہ السلام کو دیئے گئے بھلا خیال تو کرو اس علم کی کوئی حد ہے۔
تفسیر روح البیان میں اس جگہ فرمایا گیا کہ
آدم علیہ السلام کو سات لاکھوں زبانوں کا علم تھا اور ایک ہزار پیشوں میں خوب ماہر تھے مگر آپ علیہ السلام نے کھیتی باڑی کا کام کیا۔
لطیفہ!
حضرت آدم علیہ السلام کا کام کھیتی باڑی
حضرت نوح علیہ السلام کا کام بخاری (لکڑی بنانا یعنی بڑھئی کا پیشہ)
حضرت ادریس علیہ السلام کا کام درزی گری

حضرت صالح علیہ السلام کا کام تجارت
حضرت داؤد علیہ السلام کا زرہ سازی (لوہار کا کام)
حضرت سلیمان علیہ السلام کا مبارک کام زنبیل سازی
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مبارک کام زنبیل سازی
حضرت شعیب علیہ السلام کا عمل مبارک بکری چرانا
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک بکری چرانا تھا۔
(روح البیان)

نیز

کلہا سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات وصفات کے سارے نام بھی ان کو تعلیم فرمائے تھے اب تو حضرت آدم علیہ السلام کے علم کی کوئی انتہا نہ رہی۔

روح البیان وغیرہ نے اس جگہ لکھا کہ
حضرت آدم علیہ السلام کو تمام فرشتوں اور اپنی اولاد کے سارے نام
اور حیوانات
جمادات
پرندوں
چرندوں

اور ہر وہ جاندار جو قیامت تک پیدا ہونے والے ہیں۔ تمام شہروں اور گاؤں ہر کھاتی پیتی چیز اور جنت کی ہر نعمت بلکہ یوں کہو کہ ہر چھوٹی چیز کے نام بھی بتا دیئے گئے۔ یہاں تک کہ پیالہ اور ڈھال اور دودھ نکالنے کا برتن بلکہ آہستہ اور زور سے گوز مارنے کے نام بھی بتا دیئے گئے۔

ثُمَّ عَرَضَهُمْ

سے معلوم ہوا کہ فقط غائبانہ نام ہی نہ بتائے گئے تھے بلکہ دیکھنے والی چیزیں دکھائی گئی تھیں یعنی جو چیزیں قیامت تک بھی پیدا ہونے والی تھیں۔

مثلاً
ریلوے

موٹر کار

ٹیلی فون

ریڈیو

ہوائی جہاز

ٹی وی

وغیرہ یہ سب چیزیں ان کو دکھا کر ان کے نام اور بنانے کی ترکیبیں اور ان کے سارے حالات بتا دیئے گئے اور پھر ان سب چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ فرشتوں پر ہی یہ ساری چیزیں پیش کی گئی تھیں کیونکہ اس جگہ ملائکہ میں کوئی قید نہیں ہے۔

نیز

حکمت پوچھنے والے سارے ہی فرشتے تھے اور چونکہ ان چیزوں میں بعض عقل والی اور بعض بے عقل تھیں۔ اس لئے بطریق تغلیب عرضہم فرمایا گیا۔

فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ

یہ امر ملائکہ کی عاجزی کے اظہار کے لئے ہے کیونکہ جب انہیں ناموں کی خبر ہی نہ تھی تو اللہ تعالیٰ سے کیا عرض

خیال رہے کہ

یہاں انبئونی فرمایا گیا یعنی صرف خبر ہی دے دو جو کہ علم سے ادنیٰ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں ان چیزوں کا پورا علم تو کیا ہوتا معمولی خبر بھی نہیں ہے۔

بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ

لفظ اسماء پہلے آ چکا تھا اور اب یہاں دوبارہ اس لئے کہا گیا: وہاں اس سے سب چیزوں کی حقیقت اور اس کے سارے حالات اور نام مراد ہیں اس لئے وہاں علم وکلہا فرمایا گیا تھا لیکن یہاں نام ہی مراد ہیں کہ

اے فرشتو!

تم دوسرے حالات تو کیا بیان کرو گے فقط ان کے نام ہی بتا دو ورنہ یہاں ضمیر ہی کافی تھی یعنی

بِهَا اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ

فرشتوں نے جو کچھ عرض کیا تھا وہ بظاہر بالکل سچ تھا کیونکہ واقعی انسانوں میں فساد بھی ہوگا اور واقعی فرشتے رب عزوجل کی تسبیح و تقدیس بھی کرتے تھے لیکن ان دو باتوں سے جو انہوں نے نتیجہ نکالا تھا جس کو صاف بیان نہ کیا اس میں غلطی تھی۔ اس آیت میں ان کی اس غلط فہمی کو دور کرنا منظور ہے وہ یہ سمجھتے تھے کہ خلافت عابد اور معصوم کا حق ہونا چاہئے نہ کہ اس جماعت کا جس

میں گناہ وجرم بھی ہوتے ہوں۔ یہاں ان کو فرمایا گیا کہ انتظام سلطنت صرف عبادت نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ رعایا کے سارے حالات کی خبر ہونا ضروری ہے۔ تم کو نام بھی نہیں معلوم اور حالات کیا معلوم ہوں گے۔

تفسیر عزیزی میں اس کے دوسرے نہایت نفیس معنی بیان کئے گئے۔

وہ یہ کہ

ملائکہ سمجھتے تھے کہ ہم حق تعالیٰ کی کامل حمد وتسبیح ہیں لہٰذا ہم بھی کامل عابد ہیں۔

اس آیت میں فرمایا گیا کہ

کامل حمد وہ کرسکتا ہے جو حق تعالیٰ کے سارے نام اور صفات سے واقف ہو اور پورا شکر وہی بجالاسکتا ہے جو اس کی ساری نعمتوں کی خبر رکھتا ہو۔

اے فرشتو!

جب تمہیں ساری نعمتوں کا نام تک معلوم نہیں اور رب عزوجل کی صفات اور سارے ناموں کا پورا پتہ نہیں تو تم اس کی پوری حمد اور شکر کیسے کرسکتے ہو۔

اے فرشتو!

پوری حمد بھی وہی کرے گا جس کا علم کامل ہوگا غرضیکہ اس میں فرشتوں کو جھوٹا کہنا منظور نہیں بلکہ ان کی غلط فہمی کو دور کرنا۔

اس آیت مبارکہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

(1) یہ کہ علم خلوتوں اور تنہائیوں کی عبادت اور چلہ کشی سے افضل ہے کیونکہ رب عزوجل نے آدم علیہ السلام کی افضلیت علم ہی سے ظاہر ہوئی۔

(2) انبیاء کرام فرشتوں سے افضل ہیں۔

(3) برا چیزوں کا جاننا برا نہیں کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو ہر بری بھلی چیز کا علم دیا گیا اور اس سے ان کی افضلیت ظاہر فرمائی گئی۔

نیز

سب سے بری چیز کفر ہے لیکن اس کا بچنے کے لئے سیکھنا فرض ہے۔

نیز

حق تعالیٰ کو بھی بری بھلی باتوں کا علم ہے اگر بری بات جاننا برا ہوتا تو حق تعالیٰ اس سے پاک ہوتا اور لہٰذا وہابیوں، بندیوں کا یہ کہنا کہ بری چیز کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف ہے محض غلط ہے۔

(4) اللہ تعالیٰ نبیوں کو علم لدنی بخشتا ہے جیسا کہ علم سے معلوم ہوا کہیں ثابت نہیں کہ کوئی نبی کسی کا شاگرد ہوا سوائے

السلام کے کہ آپ علیہ السلام علم شریعت بلکہ علم اسرار وطریقت حاصل کرنے خضر علیہ السلام کے پاس گئے۔
(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل ص:270 تا274 نعیمی کتب خانہ لاہور)
حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کا علم عطا فرمایا حتیٰ کہ چھوٹی بڑی چیزوں کا علم بھی عطا فرمایا گیا۔
حضرت ابن عباس، عکرمہ، قتادہ اور ابن جبیر رضی اللہ عنہم نے (وعلم ادم الاسماء کلھا) اس آیت کی تفسیر یوں بیان فرمائی ہے۔
اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو چھوٹی بڑی تمام اشیاء کے سب کے نام لکھا دیئے۔
(ضیاء القرآن عربی ص:47، ج:1 ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

حضرت آدم علیہ السلام کو پیالہ اور پیالی کا علم

حضرت آدم علیہ السلام کو ادنیٰ سی ادنیٰ چیز کا علم بھی عطا فرمایا گیا۔
یہاں تک کہ پیالہ اور پیالی کا علم بھی عطا فرمایا گیا۔
تفسیر درمنثور میں ہے۔
یہاں تک کہ آپ علیہ السلام کو پیالہ اور پیالی کا علم سکھایا گیا۔
(درمنثور: ج:111، ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)
اور تفسیر مظہری میں حضرت عباس ومجاہد وقتادہ رضی اللہ عنہم سے کہ
آپ علیہ السلام کو ہر چیز کا علم سکھایا گیا یہاں تک کہ پیالہ اور پیالی کا علم بھی۔
(تفسیر مظہری عربی: ص:59، ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

ہنڈی کا علم

حضرت آدم علیہ السلام کے علم کی وسعت اتنی زیادہ تھی کہ چھوٹی سی چھوٹی چیزوں کو بھی جانتے تھے۔ جیسا کہ ہانڈی کے
ے میں فرمایا گیا۔
تفسیر درمنثور میں ہے۔
آپ علیہ السلام کو پیالہ اور ہانڈی کا علم بھی سکھایا گیا۔
(درمنثور ص:111، ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)
اور تفسیر ابن کثیر میں ہے۔
آپ علیہ السلام کو پیالہ اور ہانڈی کے نام بھی سکھائے گئے۔
(تفسیر ابن کثیر: عربی، ص:205، ج:1، مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)
تفسیر ابن کثیر میں ہے
آپ علیہ السلام کو پیالہ اور ہانڈی کا علم سکھا دیا گیا۔ (تفسیر ابن کثیر ص:205، ج:1، مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

ہر چیز کے اسماء کا نام سکھا دیا گیا

آپ علیہ السلام کو ہر چیز کے اسماء کا نام سکھا دیا گیا۔

تفسیر خازن میں ہے۔

آپ علیہ السلام کو ہر چیز کے اسماء کا نام سکھا دیا گیا۔

(تفسیر خازن عربی ص:44، ج:1، مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

اور تفسیر در منثور میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام نام سکھا دیئے۔

(تفسیر در منثور عربی، ص:111، ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

تفسیر مظہری میں ہے۔

حضرت ابن عباس، حضرت مجاہد و حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا

آپ علیہ السلام کو ہر چیز کو علم سکھا دیا یہاں تک کہ پیالہ اور پیالی کا علم بھی۔

(تفسیر مظہری، عربی، ص:59، ج:1، مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

اور تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

حضرت سعید بن جبیر اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا

آپ علیہ السلام کو ہر چیز کا علم سکھا دیا گیا۔

(تفسیر ابن کثیر عربی: ص:205، ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

اشیاء کی صفات کا علم سکھا دیا

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اشیاء کی صفات کا علم بھی سکھایا۔

چنانچہ تفسیر کبیر میں ہے۔

یعنی آپ علیہ السلام کو اشیاء کی صفات کا علم سکھایا اور ان کی عمدگی اور ان کی خاصیت بھی سکھادی۔

(تفسیر کبیر عربی، ص:397، ج:1، مکتبہ اسلامیہ لاہور)

اسی تفسیر کبیر میں ہے۔

آدم علیہ السلام کو چیزوں کے نام سکھا دیئے۔

(تفسیر کبیر: ص:398، ج:1، مکتبہ اسلامیہ لاہور)

جانوروں کے نام سکھا دیئے

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جانوروں کے نام سکھا دیئے۔

تفسیر درمنثور میں ہے۔

آپ علیہ السلام کو جانوروں کے نام سکھادیئے یہاں تک کہ اونٹ، گائے اور بکری کے نام بھی سکھادیئے گئے۔

(تفسیر درمنثور عربی ص:111 ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

آپ علیہ السلام کو ہر جانور کا نام سکھایا۔

(تفسیر ابن کثیر ص:205، ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

اور اسی تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

یہ وہ اسماء ہیں جو لوگوں میں متعارف ہیں۔

انسان

جانور

آسمان

زمین

سمندر

خشکی

اونٹ

گدھا

اور ان کے علاوہ جو قوموں میں پائی جاتی ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ص:205، ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

تعالیٰ نے جو چیز پیدا کی سکھادی

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں جو چیز پیدا کی حضرت آدم علیہ السلام کو سکھادی۔

تفسیر درمنثور میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو چیز پیدا کی سکھادی۔

(تفسیر درمنثور عربی ص:112، ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

لاد کے نام سکھادیئے

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اولاد کے نام سکھائے یہاں تک کہ وہ کون ہوگا اور کہاں رہے گا سب کچھ سکھا

دیا۔

تفسیر درمنثور میں ہے۔

آپ علیہ السلام کو تمام اولاد کے نام سکھا دیئے۔

(تفسیر درمنثور:ص:112،ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

اور تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

آپ علیہ السلام کو تمام اولاد کے نام سکھا دیئے۔

(تفسیر ابن کثیر ص:205،ج:1،مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

تمام ملائکہ کے نام سکھا دیئے

حضرت آدم علیہ السلام کے علم کی اتنی حد درجہ وسعت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو ملائکہ کے نام بھی سکھا دیئے۔

چنانچہ درمنثور میں ہے۔

آپ علیہ السلام کو ملائکہ کے نام سکھا دیئے گئے۔

(درمنثور عربی ص:112،ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

اور تفسیر مظہری میں ہے۔

حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا

آپ علیہ السلام کو ملائکہ کے نام سکھا دیئے گئے۔

(تفسیر مظہری عربی،ص:59،ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

اور تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا

آپ علیہ السلام کو تمام ملائکہ کے اسماء سکھا دیئے گئے۔

(تفسیر ابن کثیر عربی،ص:205،ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

پیشوں میں سے ایک ہزار پیشے کا علم

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام پیشے سکھا دیئے جو کہ آپ علیہ السلام کی اولاد نے اختیار کرنا تھا۔

چنانچہ تفسیر درمنثور میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو پیشوں میں سے ایک ہزار پیشہ بھی سکھا دیا۔

(تفسیر درمنثور:ص:112،ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

پرندے کا نام سکھا دیا

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے علم کی وسعت اتنی وسیع فرمادی کہ پرندوں کے نام بھی سکھا دیئے۔

چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو ہر جانور اور ہر پرندے، ہر چیز اور ہر اولاد کے نام سکھا دیئے۔

(تفسیر ابن کثیر عربی ص:205، ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

تمام زبانوں کا علم عطا فرمایا

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو تمام زبانوں کا علم عطا فرمایا اور ان کو بولنا بھی سکھا دیا۔

چنانچہ حاشیۃ الجمل علی الجلالین میں ہے۔

آپ علیہ السلام کو تمام زبانیں سکھا دیں لیکن آپ علیہ السلام کی اولاد زبانوں میں مختلف ہوگئی بعض نے عربی یاد رکھی اور بعض بھول گئے اور بعض نے ترکی یاد رکھی اور بعض بھول گئے۔

(حاشیۃ الجمل علی الجلالین عربی ص:59، ج:1 مکتبہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

قیامت تک کے نام سکھا دیئے

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو قیامت تک کے نام سکھائے جو پیدا ہوں گے اور رکھے جائیں گے۔

چنانچہ تفسیر مظہری میں ہے۔

آپ علیہ السلام کو قیامت تک ہونے والے نام سکھا دیئے گئے۔

اور ربیع بن انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا

ملائکہ کے نام سکھا دیئے گئے

اور یہ بھی کہا گیا

آپ علیہ السلام کی اولاد کے نام سکھا دیئے گئے

اور یہ بھی کہا گیا

ہر شئی کی صفت علم سکھا دیا گیا۔

اہل تاویل نے کہا:

آدم علیہ السلام کو تمام زبانیں سکھا دی گئیں پھر آپ علیہ السلام کی ہر اولاد نے اس میں کلام کیا۔

(تفسیر مظہری عربی ص:59، ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

تمام ستاروں کے نام سکھا دیئے

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو ستاروں کے نام بھی سکھا دیئے۔ یہ علم کی وسعت پر دال ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

حمید شامی نے فرمایا

آپ علیہ السلام کو ستارون کے نام سکھا دیئے گئے

اور عبدالرحمٰن بن زیدؒ نے فرمایا

آپ علیہ السلام کی تمام اولاد کے نام سکھا دیئے۔

اور ابن جریر نے فرمایا

ملائکہ کے نام سکھا دیئے گئے اور اولاد کے نام سکھا دیئے گئے۔

(تفسیر ابن کثیر عربی ص:205، ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

دریا اور پہاڑوں کے نام سکھا دیئے

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو دریا اور پہاڑوں کے نام بھی سکھا دیئے کہ یہ دریا ہے اور یہ پہاڑ ہے۔

چنانچہ امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی 211ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ وعلم ادم الاسماء کلھا

کے تحت فرماتے ہیں۔

حضرت آدم کو ہر ایک چیز کے نام بتا دیئے گئے کہ یہ دریا ہے یہ پہاڑ ہے اس طرح تمام چیزوں کے بتائے پھر یہی اس ملائکہ پر پیش کئے گئے۔

اور فرمایا

اَنۡۢبِـُٔوۡنِىۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ

(تفسیر عبدالرزاق ص:43، ج:1 مکتبۃ الرشید ریاض)

تمام جنسوں کے نام بتا دیئے

حضرت آدم علیہ السلام کو تمام جنسوں کے نام بتا دیئے اور ان کو دکھا بھی دیا۔

تفسیر مدارک میں ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام بتانے کے معنی یہ ہین کہ رب تعالیٰ نے ان کو وہ تمام جنسیں دکھا دیں جو پیدا کیا ہے اور ان کو بتا دیا کہ اس کا نام گھوڑا اور اس کا نام اونٹ اور اس کا نام فلاں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

ان کو ہر چیز کے نام سکھا دیئے۔ یہاں تک کہ پیالی اور چلو کے بھی۔

(تفسیر مدارک ص:45،ج:1 مطبوعہ مکتبۃ القرآن والسنۃ پشاور)

تمام ہنر کے قانون ان کے اوزاروں کی تفصیل سکھا دی

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو آئندہ ہونے والے کام اوران کا ہنر اور ہنر کے لئے جو اوزار استعمال ہوتے ہیں بتا کر سکھا دیئے اوران کا استعمال بھی سکھا دیا۔

تفسیر ابی السعود میں ہے۔

کہا گیا ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو گزشتہ اور آئندہ چیزوں کے نام بتائے گئے۔

اور کہا گیا ہے کہ

اپنی ساری مخلوق کے نام بتائے۔ عقلی، حسی، خیالی، وہمی چیزیں بتا دیں۔ ان چیزوں کی ذات، ان کے نام ان کے خاصے ان کی پہچان علم کے قواعد و ہنر ان کے قانون ان کے اوزاروں کی تفصیل اور ان کے استعمال کے طریقے کا علم حضرت آدم علیہ السلام کو الہام فرمایا۔

(تفسیر ابی السعود ص:84،ج:1 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

میدان و سمندر کا علم

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام نام سکھا دیئے اور وہ نام یہی ہیں جو لوگ جانتے ہیں۔

جیسے

انسان

چوپایہ

زمین

میدان

سمندر

پہاڑ

گدھا

اور اس کی مانند دیگر مخلوقات کی۔

(تفسیر طبری:ص:170،ج:1 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تمام چیزوں کے اوصاف اور ان کے حالات سکھا دیئے

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے اوصاف اور ان کے حالات بھی سکھا دیئے۔

تفسیر کبیر میں ہے۔

آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے اوصاف اور ان کے حالات سکھا دیئے۔

اور یہ ہی مشہور ہے کہ

مراد مخلوق میں سے ہر حادث کی جنس کے سارے نام ہیں جو مختلف زبانوں میں ہوں گے جن کو اولاد آدم آج تک بول رہی ہے۔

عربی

فارسی

رومی وغیرہ

(تفسیر کبیر ص:397،ج:1 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تمام اشیاء موجودات کے نام سکھا دیئے

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء موجودات کے نام سکھا دیئے۔

چنانچہ جامع الاحکام القرآن میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء موجودات کے نام سکھا دیئے۔

خواہ بڑی تھیں یا چھوٹی۔

(الجامع الاحکام القرآن ص:282،ج:1 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام کو سات لاکھ زبانیں سکھائی گئیں

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سات لاکھ زبانیں سکھائیں اور آپ علیہ السلام کی اولاد میں یہی زبانیں معروف ہیں۔

تفسیر روح البیان میں ہے۔

اور حضرت آدم علیہ السلام کو چیزوں کے حالات سکھائے اور جو کچھ ان میں دینی و دنیاوی نفع ہیں وہ بتائے۔ ان کو فرشتوں کے نام ان کی اولاد اور حیوانات اور جمادات کے نام بتائے اور ہر چیز کا بنانا بتانا شہروں اور گاؤں کے نام پرندوں اور درختوں کے نام جو ہو چکا یا جو کچھ بھی ہوگا ان کے نام اور جو قیامت تک پیدا فرمائے گا ان کے نام اور کھانے پینے کی چیزوں کے نام جنت کی ہر نعمت غرضیکہ ہر چیز کے نام بتائے۔

حدیث مبارکہ میں ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو سات لاکھ زبانیں سکھائی گئیں۔

(تفسیر روح البیان ص 136، ج:1 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فرشتوں کے نام اور اولاد کے نام سکھادیئے

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کے نام اور آپ علیہ السلام کی اولاد کے نام سکھائے اور ان کی زبانیں بھی سکھادیں۔

تفسیر خازن میں ہے

کہا گیا:

حضرت آدم علیہ السلام کو تمام فرشتوں کے نام سکھادیئے۔

اور کہا گیا ہے کہ

ان کی اولاد کے نام

اور کہا گیا:

ان کو تمام زبانیں سکھادیں۔

(تفسیر خازن ص:42 ج:1 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

اور تفسیر کبیر میں جو یہ فرمایا گیا کہ

آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے اوصاف اور حالات سکھائے اس سے مراد مخلوق میں سے ہر حادث کی جنس کے سارے نام ہیں جو مختلف زبانوں میں ہوں گے۔

اسی کی تائید کرتے ہوئے امام ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں اور یہ معنی جیسا کہ آگے آرہا ہے بیان کیا گیا ہے اور اسی معنیٰ کا کلہا مقتضی ہے کیونکہ یہ اسم احاطہ اور عموم کے لئے موضوع ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قیامت کے دن ایمان والے اکٹھے ہوں گے

عرض کریں گے۔

کاش ہمارے رب عزوجل کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ہماری سفارش کر دے۔
پس وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے
اور عرض کریں گے
آپ علیہ السلام لوگوں کے باپ ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے بنایا اور آپ علیہ السلام اپنے فرشتوں سے سجدہ کروایا اور آپ علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے۔
(الجامع لاحکام القرآن، ص:282، ج:1 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:
اس سے مراد جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب کے نام ہیں۔
(تفسیر روح المعانی ص:224، ج:1 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابی سعود محمد العمادی متوفی 951ھ لکھتے ہیں:
اور یہ قول بھی ہے کہ
جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب کے نام مراد ہیں۔
(تفسیر ابی السعود: ص:84، ج:1 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام حسین بن مسعود بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:
اور یہ قول بھی ہے کہ
جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب کے نام مراد ہیں۔
(تفسیر معالم التنزیل ج:1، ص:61 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

غیر مقلدوں کے امام محمد بن علی شوکانی متوفی 1250ھ لکھتے ہیں:
اللہ تعالیٰ کے فرمان ''کلھا'' کی تاکید کا فائدہ یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام نام سکھا دیئے اور اس سے جو کچھ ہونے والا ہے اور جو کچھ ہو چکا ہے کوئی شے خارج نہیں۔
(تفسیر فتح القدیر ص:64، ج:1 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:
صحیح یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے نام ان کی شکلیں اور ان کے افعال کا علم عطا فرما دیا تھا۔
(تفسیر ابن کثیر: ص:73، ج:1 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ان تمام تفاسیر سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ما کان اور یکون کے تمام علوم عطا فرمائے گئے جس سے معلوم ہوا حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام اور وہ کیا کریں گی کہاں رہیں گی اور وہ آپس میں کیا تعلقات رکھیں گے سب سب معلوم تھے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا علم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ تھا

ب

حضرت آدم علیہ السلام کا علم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے دریا کا ایک قطرہ یا میدان کا ایک ذرّہ ہے۔

جیسا کہ جاء الحق میں ہے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

حق یہ ہے کہ یہ علم (یعنی حضرت آدم علیہ السلام کا علم) میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے دریا کا ایک قطرہ یا میدان کا ذرہ ہیں۔

(جاء الحق ص:86، مکتبہ غوثیہ)

اور تفسیر نعیمی میں ہے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

خیال رہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کا علم اس قدر وسعت کے باوجود ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دریا کا قطرہ ہے کیونکہ ان کا علم اس چیز کو بھی گھیرے ہوئے ہے کہ جہاں تک الفاظ و نام بلکہ کسی کا خیال بھی نہیں پہنچتا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل: ص:271 نعیمی کتب خانہ لاہور)

اور تفسیر روح البیان میں ہے۔

اولیاء اللہ کا علم انبیاء کرام علیہم السلام کے سامنے ایسا ہے جیسے قطرہ سات سمندروں کے سامنے اور انبیاء کرام علیہم السلام کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے سامنے اسی درجہ کا ہے۔

(تفسیر روح البیان ج:2، ص:257 دار احیاء التراث العربی بیروت)

قرآن مجید میں ہے:

اَلرَّحْمٰنُ٭ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ٭ خَلَقَ الْاِنْسَانَ٭ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ٭ (رحمان 1 تا 4)

رحمان نے محبوب کو قرآن سکھایا۔ انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا ما کان و ما یکون اس کو سکھایا۔

روح البیان میں ہے۔

یعنی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے قرآن اور اپنی ربوبیت کے بھید سکھا دیئے۔
جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:
آپ کو سکھا دیں وہ باتیں جو آپ نہ جانتے تھے۔
(تفسیر روح البیان ج:9 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)
اور تفسیر خازن میں ہے۔
کہا گیا ہے کہ
انسان سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ان کو اگلے پچھلے امور کا بیان سکھا دیا گیا کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اگلوں اور پچھلوں کی اور قیامت کے دن کی خبر دے دی گئی۔
(تفسیر خازن ص:208، ج:4 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)
تفسیر مدارک میں ہے۔
انسان سے مراد جنس انسانی ہے یا آدم علیہ السلام یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم۔
(تفسیر مدارک ص:265، ج:2 مطبوعہ مکتبہ القرآن والسنۃ پشاور)
امام حسین بن مسعود بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:
ابن کیسان فرماتے ہیں!
اس آیت کریمہ میں انسان سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور بیان سے مراد جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اولین وآخرین اور یوم حشر کی خبر دیتے ہیں۔
(تفسیر معالم التنزیل ص:267، ج:4، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)
علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن کیسان فرماتے ہیں کہ
یہاں انسان سے مراد تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور بیان سے مراد حلال وحرام اور ہدایت وگمراہی کو جدا کرنے والا بیان ہے۔
اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ
اس سے مراد ہے جو کچھ ہو چکا اور جو آئندہ ہوگا کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اولین وآخرین اور یوم حشر کی خبر دیتے ہیں۔
(الجامع لاحکام القرآن ص152، ج:17 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)
امام ابی الفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

انسان سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔
اور بیان سے مراد ہے کہ
جو کچھ پہلے ہو چکا ہے اور جو آئندہ ہونے والا ہے اور یہ ابن کیسان کا قول ہے۔
(زادالمسیر :ص:106،ج:8 مطبوعہ کتب الاسلامی بیروت)
علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی 1223ھ لکھتے ہیں:
اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ
اس سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے کیونکہ وہی انسان کامل ہیں۔
اور بیان سے مراد ہے۔
ہر اس واقعے کا علم جو ہو چکا ہے اور جو ہوگا اور (قیامت تک) ہونے والا ہے۔
(الصاوی علی الجلالین :ص:153،ج:4 مطبوعہ القاہرہ مصر)

آیت نمبر 2)

قرآن مجید میں ہے:
وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ (پارہ: 10 سورہ :9، آیت : 65)
اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو گے تو کہیں گے ہم تو یوں ہی ہنسی کھیل میں تھے۔
امام مجاہد بن جبر المخزومی التابعی متوفی 109ھ اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
ایک منافق نے کہا:
محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں یہ حدیث سناتے ہیں کہ
فلاں شخص کی اونٹنی فلاں وادی میں فلاں فلاں دن ہے یہ غیب کو کیا جانیں۔
(تفسیر مجاہد تحت سورۃ التوبہ:ص:283،ج:1 مطبوعہ المنشورات العلمیہ بیروت)

آیت نمبر 3)

وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (پارہ: 2، سورہ: 2، آیت: 143)
تفسیر عزیزی میں اسی آیت کے تحت ہے۔
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نور نبوت کی وجہ سے ہر دین دار کے دین کو جانتے ہیں کہ دین کے کس درجہ تک پہنچا ہے اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور کون سا حجاب اس کی ترقی سے مانع ہے پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے گناہوں کو اور تمہارے ایمانی درجات کو اور تمہارے نیک بد اعمال اور تمہارے اخلاص اور نفاق کو پہچانتے ہیں۔لہٰذا ان کی گواہی دینا میں بحکم امت کے حق میں قبول اور واجب العمل ہے۔(تفسیر عزیزی :ص:518،ج:1،مطبوعہ ہند)

تفسیر خازن میں اسی آیت کے تحت ہے۔

پھر قیامت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا جائے گا پس رب تعالیٰ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے حالات پوچھے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی صفائی کی گواہی دیں گے اور ان کی سچائی کی گواہی دیں گے۔

(تفسیر خازن ص:87 ج:1 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

تفسیر مدارک میں ہے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا جائے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے حال پوچھیں جائیں گے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی صفائی بیان کریں گے اور ان کے عادل ہونے کی گواہی دے گا لہٰذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری عدالت کو جانتے ہیں۔

(تفسیر مدارک ص:88، ج:1 مطبوعہ مکتبہ القرآن والسنہ پشاور)

تفسیر روح البیان میں ہے۔

یہ اس بنا پر ہے کہ

کلمہ شہید میں محافظ اور خبردار کے معنی بھی شامل ہیں اور اس معنی کے شامل کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ کسی کو عادل کہنا اور صفائی کی گواہی دینا گواہ کے حالات پر مطلع ہونے سے ہوسکتا ہے۔

اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلمانوں پر گواہی دینے کے معنیٰ یہ ہیں کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہر دین دار کے دینی مرتبہ کو پہچانتے ہیں پس حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے گناہوں ان کے ایمان کی حقیقت کو، ان کے اچھے برے اعمال کو ان کے اخلاص اور نفاق وغیرہ کو نور حق سے پہچانتے ہیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بھی قیامت میں ساری امتوں کے یہ حالات جانے گی۔ مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے۔

(تفسیر روح البیان ص:136 ج:1 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

(آیت نمبر 4)

قرآن مجید میں ہے:

وَجِئۡنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيۡدًا (سورہ نساء: 41)

اور اے محبوب تم کو ان سب پر نگہبان بنا کر ہم لائیں گے۔

تفسیر نیشاپوری میں اس آیت کے تحت ہے۔

اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کے تمام روحوں اور دلوں اور نفسوں کے دیکھنے والی ہے۔

کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ عزوجل نے جو پہلے پیدا فرمایا وہ میرا نور ہے

اور تفسیر روح میں اسی آیت کے تحت ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اعمال صبح وشام پیش کیئے جاتے ہیں لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو ان کی علامات سے جانتے ہیں اور ان کے اعمال کو بھی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر گواہی دیں گے۔

(تفسیر روح البیان: ص:257، ج:2 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

(آیت نمبر 5)

قرآن مجید میں ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ (بقرہ: 255)

وہ کون ہے جو اس کے یہاں شفاعت کرے بغیر اس کے حکم کے جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔

تفسیر نیشاپوری میں اسی آیت کے تحت ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق کے پہلے کے اوّل معاملات بھی جانتے ہیں اور جو مخلوق کے بعد قیامت کے احوال ہیں وہ بھی جانتے ہیں۔

(تفسیر نیشاپوری تحت الآیہ کریمہ)

اور تفسیر روح البیان میں ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق کے پہلے کے حالات جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مخلوقات کو پیدا کرنے کے پہلے کے واقعات اور ان کے پیچھے کے حالات بھی جانتے ہیں۔ قیامت کے احوال کی گھبراہٹ اور رب تعالیٰ کا غضب وغیرہ

(تفسیر روح البیان ج:1، ص:43 مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

اور اسی تفسیر روح البیان میں ہے۔

احتمال یہ بھی ہے کہ

اس ضمیر سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہوں یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے حالات کو مشاہدہ فرمانے والے ہیں اور ان کے سامنے کے حالات جانتے ہیں۔ ان کے اخلاق، ان کے معاملات اور ان کے قصے وغیرہ اور ان کے پیچھے کے حالات وغیرہ اور ان کے پیچھے کے حالات بھی جانتے ہیں۔ آخرت کے احوال جنتی و دوزخی لوگوں کے حالات اور وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معلومات میں سے کچھ بھی نہیں جانتے مگر اسی قدر جتنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں، اولیاء اللہ کا علم علم انبیاء کرام علیہم السلام کے سامنے ایسا ہے جیسے ایک قطرہ سات سمندروں کے سامنے اور انبیاء کرام علیہم السلام کا علم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے سامنے اسی درجہ کا ہے اور ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم رب العلمین کے سامنے اسی درجہ کا۔

پس ہر نبی اور ہر رسول اور ہر ولی اپنی اپنی استعداد اور قابلیت کے موافق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی لیتے ہیں اور کسی کو ممکن نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھ جائے۔

(تفسیر روح البیان ص:257، ج:2 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

(آیت نمبر 6)

قرآن مجید میں ہے:

وَ عَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ط وَ کَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا o (نساء: 113)

اور تم کو سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

تفسیر جلالین میں ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ

احکام اور علم غیب

(تفسیر جلالین ص:97)

تفسیر خازن میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن اتارا اور حکمت اتاری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے بھیدوں پر مطلع فرمایا اور ان کی حقیقتوں پر واقف کیا۔

(تفسیر خازن: ص:403، ج:1 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

امام حسین بن مسعود بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

(اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ سب علم عطا کر دیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے تھے)

یعنی

احکام میں سب اور علم غیب میں سے

(تفسیر معالم التنزیل ص479، ج:1 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

تفسیر طبری میں ہے۔

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ سب باتیں بتادیں جو قرآن کے نزول سے پہلے نہ جانتے تھے۔

(تفسیر طبری ج:5، ص:270 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تفسیر حسینی میں ہے۔

یہ ماکان و ما یکون کا علم ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے شب معراج میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا

چنانچہ معراج شریف کی حدیث مبارکہ میں ہے کہ
ہم عرش کے نیچے تھے ایک قطرہ ہمارے حلق میں ڈالا پس ہم نے سارے گزشتہ اور آئندہ کے واقعات معلوم کر لئے۔
(تفسیر حسینی ج:1، ص:192)
تفسیر مدارک میں ہے۔
یعنی شریعت کے احکام اور دین کی باتیں سکھائیں۔
اور کہا گیا ہے کہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب میں وہ وہ باتیں سکھائیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ جانتے تھے۔
اور کہا گیا:
اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھپی ہوئی چیزیں سکھائیں اور دلوں کے راز پر مطلع فرمادیا اور منافقین کے مکرو فریب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتادیئے۔
دین اور شریعت کے امور سکھائے اور چھپی ہوئی باتیں دلوں کے راز بتائے۔
(تفسیر مدارک ص:282، ج:1 مطبوعہ مکتبۃ القرآن والسنہ پشاور)
امام ابن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:
اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے۔
ہدایت اور نصیحت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حکمت نازل کی ہے۔
حکمت سے مراد یہ ہے کہ
حلال
حرام
امر
نہی
دیگر احکام
وعد
وعید
اور ماضی
اور مستقبل کی خبریں

ان چیزوں کا کتاب میں اجمالاً ذکر کیا گیا ہے اور ان تمام چیزوں کی تفصیل ہم نے وحی خفی کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی ہے اور یہی حکمت کو نازل کرنے کا معنی ہے اور جن تمام چیزوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے جانتے تھے ہم نے سب کا علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمادیا۔

اس کا معنی ہے۔

تمام اولین اور آخرین کی خبریں اور ما کان و ما یکون پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کر دیا۔

(جامع البیان ج:4،ص:373 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن ہے اور حکمت کے متعلق تین قول ہیں۔

(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے:

اس سے مراد وحی کے مطابق فیصلہ کرنا ہے۔

(2) مقاتل نے کہا:

اس سے مراد حلال اور حرام کا علم ہے۔

(3) ابوسلیمان دمشقی نے کہا:

اس سے مراد کتاب کے معانی کا بیان اور دل میں صحیح اور نیک بات کا القاء کرنا ہے۔

اور علمک مالم تکن تعلم میں تین قول ہیں۔

(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل نے کہا:

اس سے شریعت مراد ہے۔

(2) ابوسلیمان نے کہا:

اس سے مراد اولین اور آخرین کی خبریں ہیں۔

(3) اور ماوردی نے کہا:

اس سے مراد کتاب اور حکمت ہے

اور وکان فضل اللہ علیک عظیما کی تفسیر میں بھی تین قول ہیں۔

(1) ایمان عطا کرنے کا احسان

(2) نبوت عطا کرنے کا احسان

یہ دونوں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول ہیں۔

(3) ابو سلیمان دمشقی نے کہا:
اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فضائل اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام خصائص ہیں۔
(زاد المسیر۔ ج:2،ص:197 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)
امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:
اس آیت کے دو محمل ہیں۔
ایک محل یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب اور حکمت کو نازل کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتاب کے اسرار پر مطلع فرما دیا اور ان کے حقائق سے واقف کیا جب کہ اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں سے کسی چیز کا علم نہیں تھا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مستقبل میں بھی علم عطا فرمائے گا اور منافقین میں سے کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گمراہ کرنے اور بہکانے پر قادر نہیں ہو سکے گا۔
اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اولین کی خبروں کا علم عطا فرمایا
اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے مکر اور ان کے حیلوں کی خبر دے گا۔
پھر ارشاد فرمایا
یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔
یہاں غور کرنا چاہئے کہ
اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو جو عطا فرمایا اس کے متعلق ارشاد فرمایا
وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا٥ (الاسراء: 85)
اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کو قلیل فرمایا
قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ (نساء: 77)
اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ دیا اس کے متعلق ارشاد فرمایا
وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا
سو جس کے سامنے ساری دنیا کا علم اور خود ساری دنیا قلیل ہے تو جس کے علم کو وہ عظیم کہہ دے اس کی عظمتوں کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔
(تفسیر کبیر۔ص:112 ج:3 بیروت)

احادیث مبارکہ سے دلائل

حضرت عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہو کر ہمیں خطبہ دیا۔ حتیٰ کہ ظہر کا وقت آ گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور ظہر کی نماز پڑھائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر کا وقت آ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر منبر سے اترے اور نماز پڑھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر منبر کو زینت بخشی اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ما کان وما یکون کی خبر دی سو ہم میں جس کا حافظہ زیادہ تھا اس کا علم زیادہ تھا۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: 2892 بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ عزوجل نے دنیا کو میرے لئے اٹھالیا میں دنیا کی طرف اور جو کچھ قیامت تک دنیا میں ہونے والا ہے اس کی طرف دیکھ رہا ہوں جس طرح میں اپنی ان دو ہتھیلیوں کی طرف دیکھ رہا ہوں۔

(مجمع الزوائد، ج:8، ص:287 بیروت)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھانے کے لئے آنے میں دیر کر دی حتیٰ کہ سورج نکلنے کے قریب آ گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلدی جلدی نماز پڑھائی۔

پھر سلام پھیرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہ آواز بلند فرمایا

تم جس طرح بیٹھے ہو اپنی اپنی صفوں پر بیٹھے رہو۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا۔

میں عنقریب تم سے بیان کروں گا مجھے صبح آنے میں تاخیر کیوں ہو گئی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں رات کو اٹھا اور میں نے وضو کر کے اتنی نماز پڑھی جتنی میرے لئے مقدر کی گئی۔ پھر مجھے نماز میں نیند آ گئی۔ اچانک میں نے اپنے رب عزوجل کو نہایت حسین صورت میں دیکھا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا
اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)!
میں نے کہا:
میرے رب عزوجل لبیک
ارشاد فرمایا
مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کررہے ہیں۔
میں نے کہا:
اے میرے رب عزوجل مجھے (از خود) علم نہیں۔ یہ مکالمہ تین بار ہوا۔
پھر میں نے دیکھا کہ
اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھ دیا اور میں نے اس کی پوروں کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں محسوس
کی پھر ہر چیز مجھ پر منکشف ہوگئی اور میں نے جان لیا۔
(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3246 دار الفکر بیروت)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا:
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
آج رات میرا رب عزوجل میرے پاس بہت حسین صورت میں تشریف لایا یعنی خواب میں
اللہ تعالیٰ نے فرمایا
یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا تم جانتے ہو کہ مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کررہے ہیں۔
میں نے کہا:
نہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھ دیا حتیٰ کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینہ کے درمیان
پائی، سو میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے۔
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا
اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا تم جانتے ہو کہ مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کررہے ہیں۔

میں نے کہا:

ہاں! کفارات میں۔

(سنن الترمذی، رقم الحدیث:3244 دار الفکر بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو موسیٰ بن عقبہ اور عروہ بیان کرتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بنی مصطلق سے لوٹے تو مدینہ شریف کے قریب سخت آندھی آئی قریب تھا کہ سارا لشکر ریت میں دب کر فنا ہو جاتا۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر ارشاد فرمایا۔

یہ آندھی ایک منافق کی موت کے لئے بھیجی گئی ہے چنانچہ جب ہم مدینہ منورہ پہنچے تو منافقین کا ایک سردار مر چکا تھا۔

اس منافق کا نام

''رفاعہ بن زید بن تابوت تھا''

شام کے وقت یہ آندھی تھی تو لوگوں نے اپنی سواریوں کو اکٹھا کیا۔ ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہو چکی تھی جس کی وجہ سے لوگوں میں اس کے تلاش کے لئے بھاگ دوڑ پڑ گئی۔

ایک منافق نے انصار کی مجلس میں کہا

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ہمیں بڑے بڑے واقعات کی خبریں دیتے ہیں اب اللہ عزوجل انہیں ان کی اونٹنی کے بارے میں کیوں نہیں بتاتا۔ پھر منافق اٹھ کھڑا ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو سنے تو اس نے دیکھا کہ اللہ عزوجل نے اس کی یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دی ہے۔

اس وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جبکہ وہ منافق سن رہا تھا کہ ایک منافق شخص نے یہ ہرزہ سرائی کی ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہو گئی ہے اللہ عزوجل انہیں کیوں نہیں بتاتا کہ وہ اونٹنی اس وقت کہاں ہے۔

سن لو!

اللہ عزوجل نے مجھے آگاہ فرما دیا ہے کہ وہ اس وقت کہاں ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کوئی بالذات غیب کی بات نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے

سن لو!

وہ اونٹنی سامنے کی گھاٹی میں ہے اور اس کی مہار ایک درخت میں اٹکی ہوئی ہے۔ یہ سن کر لوگ اس اونٹنی کے پاس گئے

پکڑ کر لے آئے۔ وہ منافق بھاگتا ہوا ان لوگوں کے پاس آیا جن کی موجودگی میں اس نے وہ بات کہی تھی وہ لوگ ابھی اسی بیٹھے تھے اور ان میں سے کوئی بھی اٹھ کر نہ گیا تھا۔

اس نے کہا:

میں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم میں سے کوئی ابھی تک اس مجلس سے اٹھا نہیں۔

وہ کہنے لگا

میری بات انہیں جا کر بتائی ہے۔

انہوں نے کہا:

نہیں! ہم میں سے کوئی ابھی اس مجلس سے نہیں اٹھا۔

وہ کہنے لگا۔

میری بات تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔ بخدا (عزوجل) میں اب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امر نبوت میں شک کرتا تھا۔ میں اب گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ عزوجل کے رسول ہیں۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج:4،ص:60 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرمائے اور خطبہ دیا

عبداللہ بن حذافہ کھڑے ہو کر عرض کیا۔

میرا باپ کون ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تیرا باپ حذافہ ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرمانے لگے مجھ سے پوچھو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوزانو بیٹھ کر عرض کی

ہم اللہ تعالیٰ کے رب عزوجل ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ نے یہ کلمہ تین مرتبہ دہراتے پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت اختیار فرمایا۔

(صحیح البخاری: کتاب العلم، ج:1،ص:20 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان ایک مجلس میں کھڑے ہوئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء خلق سے خبر بیان کرنا شروع کیں حتیٰ کہ جنتیوں کے اپنے ٹھکانوں تک جانے اور جہنیوں کو اپنے ٹھکانے تک جانے کی خبریں بیان کیں جس شخص نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے اس کو بھلا دیا۔

(صحیح بخاری: ج:1،ص:453 قدیمی کتب خانہ کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز عصر پڑھائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطاب فرمایا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک ہونے والی ہر شے کے بارے میں ہمیں خبر دے دی جس نے یاد رکھا سو یاد رکھا جس نے بھلا دیا بھول گیا۔

(سنن الترمذی: ابواب الفتن: ص:42،ج:2 مکتبہ اکرمیہ پشاور)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

انہوں نے کہا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان ایک جگہ کھڑے ہوئے اور قیامت تک جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کرے گی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کی خبر ہمیں دے دی جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا وہ بھول گیا۔

(خصائص الکبریٰ: ج:1،ص:184 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر ادا فرمائی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ بیٹھ گئے حتیٰ کہ چاشت کا وقت آ گیا۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ بیٹھے مسکرائے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر عصر اور مغرب ادا فرمائی کسی کے ساتھ کوئی گفتگو نہ فرمائی۔ پھر عشاء ادا فرمائی پھر اٹھ کر اہل خانہ کے پاس تشریف لے گئے۔

لوگوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا۔

کیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے آج کے عمل کے بارے میں دریافت نہیں کریں گے کہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا عمل نہیں فرمایا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ہاں! دنیا وآخرت میں ہونے والے تمام امور میرے اوپر پیش کئے گئے۔
(مسند احمد: ج:1،ص:4 مطبوعہ دار الفکر بیروت)
ایک اور حدیث میں ہے۔
حضرت اسماء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ایک مرتبہ سورج گرہن کے موقع پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوۃ الکسوف کے بعد ارشاد فرمایا!
ہر وہ شے جو مجھے پہلے نہیں دکھائی گئی تھی میں نے اپنی اس جگہ کھڑے دیکھ لی حتیٰ کہ جنت اور دوزخ بھی۔
(صحیح البخاری: کتاب العلم: ج:1،ص:18 قدیمی کتب خانہ کراچی)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ہم کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال پر چھوڑا کہ کوئی پرندہ اپنے پر بھی نہیں ہلاتا مگر اس کا ہم کو علم بتا دیا۔
(مسند احمد، ج:5،ص:153 رقم الحدیث 1399 مطبوعہ موسسۃ قرطبہ مصر)
شفا شریف میں اسی طرح حدیث ہے۔
حضرت ابوذر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ
انہوں نے کہا:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس حال میں چھوڑا ہے کہ فضائے آسمان میں جو پرندہ پر مارتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ [وسل]م نے از روئے علم ہم سے ذکر کر دیا ہے۔
(شفا شریف حقوق المصطفیٰ ج:1،ص:207 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)
اور مجمع الزوائد میں بھی یہ حدیث اس طرح ہے۔
حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
انہوں نے کہا:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس حال میں چھوڑا ہے کہ فضائے آسمانی میں جو پرندہ پر مارتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم [ا]ز روئے علم ہم سے اس کا ذکر کر دیا ہے۔
(مجمع الزوائد: کتاب علامات النبوۃ: ج:8،ص:264 مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت)
ایک اور حدیث میں ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نہیں چھوڑا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فتنہ چلانے والے کو دنیا کے ختم ہونے تک جن کی تعداد تین سو سے زیادہ پہنچے گی مگر ہم کو اس کا نام اس کے باپ کا نام اس کے قبیلے کا نام بتا دیا۔
(مشکوۃ المصابیح: باب الفتن ص:463 قدیمی کتب خانہ کراچی)
ایک اور حدیث میں ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
حضرت داؤد علیہ السلام پر قرآن (زبور) کو اس قدر ہلکا کر دیا گیا تھا کہ وہ اپنے گھوڑوں کو زین لگانے کا حکم دیتے آپ علیہ السلام ان کی زین سے پہلے زبور پڑھ لیتے تھے۔
(صحیح البخاری: کتاب الانبیاء: ج:1، ص:475 قدیمی کتب خانہ کراچی)
ایک اور حدیث میں ہے کہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی کہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے فرزند پیدا ہوگا جو تمہاری پرورش کرے گا۔
(مشکوۃ المصابیح: باب مناقب اہل بیت: ص:572 قدیمی کتب خانہ کراچی)
شیخ علامہ احمد بن محمد قسطلانی نے لکھا
کچھ شک نہیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی زائد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم دیا اور تمام اگلے پچھلوں کا علم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر القا فرمایا۔
(مواہب اللدنیہ: ج:3، ص:95 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)
ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں پر گزرے جن میں عذاب ہو رہا تھا۔
تو ارشاد فرمایا:
ان دونوں شخصوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور کہیں دشوار بات میں عذاب نہیں ہو رہا ہے۔ ان میں سے ایک تو پیشاب نہ بچتا تھا اور دوسرا چغلی کیا کرتا تھا پھر ایک تر شاخ کو لے کر اس کو آدھا آدھا چیرا پھر ہر قبر میں ایک ایک کو گاڑا
اور ارشاد فرمایا:
جب تک یہ ٹکڑے خشک نہ ہوں گے ان دونوں شخصوں سے عذاب میں کمی کی جائے گی۔
(صحیح البخاری: ج:1، ص:611 قدیمی کتب خانہ کراچی)
ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

بخاری کتاب الاعتصام میں ہے۔
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے پس قیامت کا ذکر فرمایا: اس سے پہلے بڑے بڑے واقعات ہیں۔
پھر ارشاد فرمایا:
جو شخص جو بات پوچھنا چاہے پوچھ لے۔ قسم خدا عزوجل کی! جب تک ہم اس جگہ یعنی منبر پر ہیں تم کوئی بات ہم سے نہ پوچھو گے مگر ہم تم کو اس کی خبر دیں گے۔
ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ
میرا ٹھکانہ کہاں ہے!
ارشاد فرمایا
جہنم میں
عبداللہ بن حذافہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ
میرا باپ کون ہے۔
ارشاد فرمایا
حذافہ
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرماتے رہے کہ پوچھو پوچھو۔
(صحیح البخاری: کتاب الاعتصام ج:2، ص:1083 قدیمی کتب خانہ کراچی)
ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:
حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ہم پر ہماری امت کے اعمال پیش کئے گئے اچھے بھی اور برے بھی ہم نے ان کے اچھے اعمال میں وہ تکلیف دہ چیز بھی پائی جو راستے سے ہٹادی جائے۔
(صحیح مسلم: کتاب المساجد، ج:1، ص:207 قدیمی کتب خانہ کراچی)
ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ فلاں شخص کے گرنے کی جگہ ہے اور اپنے دست مبارک کو ادھر ادھر زمین پر رکھتے تھے۔
راوی نے فرمایا:

کوئی بھی مقتولین میں سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی جگہ سے ذرہ بھی نہ ہٹا۔

(صحیح مسلم: کتاب الجہاد باب غزوہ بدر: ج:2،ص:102 قدیمی کتب خانہ کراچی)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کل یہ فلاں کے گرنے کی جگہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر ہاتھ رکھا اور کل یہ فلاں کے گرنے کی جگہ ہے اور زمین پر ہاتھ رکھا اور کل یہ فلاں کے گرنے کی جگہ ہے اور زمین پر ہاتھ رکھا تھا کوئی شخص اس سے بالکل متجاوز نہیں ہوا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان کو گھسیٹ کر بدر کے کنویں میں ڈال دیا گیا۔

(سنن ابی داؤد: باب فی الاسیر: ج:3،ص:158 رقم الحدیث:2681 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت وابصہ اسدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

انہوں نے کہا:

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس لئے آیا کہ نیکی اور بدی کے بارے میں پوچھوں مگر میرے پوچھنے سے
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے وابصہ (رضی اللہ عنہ)! کیا میں تمہیں بتا دوں جو تم مجھ سے پوچھنا چاہتے ہو؟

میں نے عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بتائیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم مجھ سے نیکی اور بدی کے بارے میں پوچھنے آئے ہو۔

میں نے عرض کیا

قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل صحیح ارشاد فرمایا ہے:

ارشاد فرمایا

نیکی وہ عمل ہے جس سے انشراح صدر تمہیں حاصل ہو۔

اور بدی وہ ہے جس سے تمہارے دل میں انقباض ہو۔ اگر چہ لوگوں نے تم اسے اس کے کرنے کو کہا ہو۔

(دلائل النبوۃ: ص:115 رقم الحدیث:119 مطبوعہ دار طیبہ الریاض)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

امام بیہقی نے ایک انصاری سے روایت کی۔

اس نے کہا:

ایک عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کی دعوت کی جب کھانا رکھا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لقمہ لے منہ میں اسے چبایا۔

تو ارشاد فرمایا

میں اس گوشت کو اس بکری کا پاتا ہوں جسے ناحق پکڑ لیا گیا تھا۔

اس عورت سے پوچھا گیا۔

اس عورت نے کہا:

اس کی ہمسائی نے اس گوشت کو اپنے شوہر کی اجازت لئے بغیر بھیجا تھا۔

(دلائل النبوۃ: ج:6،ص:310 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اسی طرح سنن ابوداؤد میں ہے۔

انصار کے ایک آدمی سے روایت ہے کہ

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر کھودنے والے کو وصیت فرما رہے کہ پیروں کی جانب سے قبر کو کشادہ کرو اور سر کی جانب سے قبر کو کشادہ کرو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو عورت کی طرف سے دعوت دینے والا آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کی دعوت کو قبول کر لیا اور ہم بھی آپ صلی اللہ وسلم کے ساتھ تھے۔ پس کھانا لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ رکھا پھر قوم نے اپنا ہاتھ رکھا سب نے کھایا۔ ہم نے ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے منہ میں ایک لقمہ چبا رہے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے یہ علم ہوا کہ یہ اس بکری کا گوشت ہے جس کو اس کے مالک کی مرضی کے بغیر لیا گیا ہے پھر اس عورت کو بلایا گیا۔

اس نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے کسی کو منڈی کی طرف بھیجا تھا تا کہ میرے لئے بکری خرید لی جائے تو بکری نہیں ملی۔ نے اپنے پڑوسی کو پیغام بھیجا جس نے ایک بکری خریدی تھی کہ وہ بکری مجھے قیمت کے عوض بھیج دے تو وہ پڑوسی نہیں ملا۔ میں اس کی بیوی کو پیغام بھیجا تو اس نے وہ بکری مجھے بھیج دی۔

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کھانا قیدیوں کو بھیج دو۔

(سنن ابی داؤد: باب فی اجتناب الشبہات ج:3،ص:244،رقم الحدیث 3332 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تمہارے پاس اہل جنت کا ایک شخص آ رہا ہے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔

(المستدرک: کتاب معرفۃ الصحابۃ، ج:3،ص:73 رقم الحدیث:4443 دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس وقت تم پر وہ شخص چمکے گا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بعد اس سے بہتر و بزرگ تر کسی کو نہیں بنایا اور اس کی شفاعت انبیاء کرام علیہم السلام کی شفاعت کی مثل ہو گی۔ پس ہم حاضر ہی تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا پھر ان کو بوسہ دیا اور گلے لگایا۔

(تاریخ بغداد ج:3،ص:124 رقم الحدیث:1141 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو ارادہ رکھتا ہو کہ میں زمین پر چلتا پھرتا شہید دیکھوں تو اسے چاہئے کہ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھے۔

(اعلام النبوۃ: باب الثانی عشر فی اندارہ،ص:181 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم ازواج میں سے وہ زوجہ مجھ سے سب سے پہلے ملے گی جو تم سب میں دراز دست ہے تو ہم ناپتی تھیں کہ کس کے ہاتھ طویل ہیں تو وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کے ہاتھ طویل تھے کیونکہ وہ اپنے ہاتھ سے عمل کرتیں اور صدقہ دیا کرتیں

(صحیح مسلم:رقم الحدیث:101 بیروت)

امام محمد بن حبان بن احمد ابو حاتم تمیمی متوفی 354ھ لکھتے ہیں:

وہ (زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات ہونے والی سب سے پہلی بیوی تھی۔

(الثقات:ج:3،ص:144 رقم الحدیث:485 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت عبدالرحمٰن ابزی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ

میں نے مدینہ منورہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے زینب رضی اللہ عنہا زوج النبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا پہلی زوجہ تھیں جنہوں نے وفات پائی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہیں۔

(حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء ج:8،ص:211 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ان احادیث مبارکہ سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم صرف آدم علیہ السلام سے زیادہ نہیں بلکہ جتنے بھی انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے سب سے زیادہ ہے اور کیوں نہ ہو کہ جس کے صدقے بھی تمام کائنات کو نعمت ملی ہے اس مقدس ہستی کا علم کیوں زیادہ نہ ہوگا۔ یہاں پر صرف دلائل کے لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو واضح کیا ہے ورنہ قرآن واحادیث مبارکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم گواہ ہیں اور سمندر کی طرح موجزن ہیں۔

حقیقتاً حضرت آدم علیہ السلام کو اولاد دکھائی گئی

جی ہاں! حضرت آدم علیہ السلام کو اولاد دکھائی گئی اور آپ علیہ السلام نے ان کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ بھی عرض کیا یہ کون لوگ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یہ آپ کی اولاد ہے جس کی تائید اس حدیث مبارکہ میں ملتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو قیامت تک ان کی اولاد کی پیدا ہونے والی روحیں ان کی پشت سے جھڑ گئیں اور ان میں سے ہر انسان کی دونوں آنکھوں کے سامنے نور کی شعاعیں تھیں۔ پھر ان لوگوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا:

اے میرے رب عزوجل! یہ کون لوگ ہیں۔

ارشاد فرمایا

تمہاری اولاد ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا وہ شخص اور اس کی نور کی شعاعیں انہیں بہت اچھی لگیں۔

پوچھا

اے میرے رب عزوجل! یہ کون شخص ہے۔

ارشاد فرمایا

یہ تمہاری اولاد کے آخری لوگوں میں سے ایک شخص ہے اس کا نام داؤد (علیہ السلام) ہے۔

کہا

''اے میرے رب عزوجل! تو نے ان کی عمر کتنی مقرر کی ہے۔

ارشاد فرمایا

ساٹھ سال

کہا

اے میرے رب عزوجل! میری عمر میں سے اس کی عمر چالیس سال زیادہ کر دے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کی عمر پوری ہوگئی تو ان کے پاس ملک الموت آئے۔

کہا

کیا میری عمر میں سے ابھی چالیس سال باقی نہیں ہیں۔

انہوں نے کہا:

کیا یہ چالیس سال آپ (علیہ السلام) نے اپنے بیٹے داؤد (علیہ السلام) کو نہیں دیئے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کر دیا سوان کی اولاد نے بھی انکار کر دیا اور حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے۔ سوان کی اولاد بھی بھول گئی اور حضرت آدم علیہ السلام نے (اجتہادی) خطا کی سوان کی اولاد نے بھی خطا کی۔

(سنن الترمذی: ج:5، رقم الحدیث 3087 بیروت)

ایک اور روایت میں یوں ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کے دائیں کندھے پر مارا اور سفید رنگ کی اولاد نکالی۔ وہ چیونٹیوں کی مثل تھے اور بائیں کندھے پر مارا اور اس سے ان کی سیاہ رنگ کی اولاد نکالی وہ کوئلوں کی طرح تھے۔

پھر دائیں جانب والوں کے لئے ارشاد فرمایا۔

یہ جنت کی طرف ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔
اور بائیں جانب والوں کے لئے ارشاد فرمایا
یہ دوزخ کی طرف ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔
ابراہیم مزنی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا۔
کیا فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا۔
انہوں نے کہا:
ہاں! اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو کعبہ کی طرح کر دیا تھا اور فرشتوں کو ان کی طرف سجدہ عبادت کا حکم دیا جس طرح اس نے اپنے بندوں کو کعبہ کی طرف سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے۔
قتادہ نے کہا:
حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رہنے اور کھانے پینے کا حکم دیا اور ایک درخت سے منع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو آزمائش میں مبتلا کیا جس طرح اس سے پہلے فرشتوں کو مبتلا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر مخلوق کو اطاعت میں مبتلا کیا ہے جس طرح اس سے پہلے زمین اور آسمان کو اطاعت میں مبتلا کیا تھا۔
ان سے ارشاد فرمایا
تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو جاؤ۔
انہوں نے کہا:
ہم خوشی سے حاضر ہوتے ہیں۔
سو آدم علیہ السلام کو آزمائش میں مبتلا کیا اور ان کو جنت میں رکھا۔
ارشاد فرمایا
جہاں سے چاہو فراخی سے کھاؤ اور ایک درخت کے کھانے سے منع فرما دیا۔ یہ آزمائش قائم رہی حتیٰ کہ انہوں نے اس منع کا ارتکاب کریں۔ اس وقت ان کی شرم گاہ کھل گئی اور ان کو جنت سے اتار دیا گیا۔
حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:
اے میرے رب عزوجل! اگر میں توبہ کرلوں اور اصلاح کرلوں تو کیا جنت کی طرف لوٹا دیا جاؤں گا۔
اور جب انہوں نے کہا:
رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (الاعراف: 23)
اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان

اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔انہوں نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ فرمالی اور اللہ عزوجل کے دشمن بلیس نے اپنے گناہ کا اعتراف کیا اور نہ توبہ کی لیکن اس نے قیامت تک کی مہلت مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی دعا قبول کی۔حضرت آدم علیہ السلام کو معاف فرمادیا اور شیطان کو قیامت تک کی مہلت دے دی۔

(تاریخ دمشق ج:4،ص:220 تا 221 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ ابن عساکر رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ○ (الاعراف: 172)

''اور جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کی جانوں پر انہیں گواہ بنادیا (فرمایا) کیا میں تمہارا رب نہیں؟ سب نے کہا: کیوں نہیں! ہم نے گواہی دی تاکہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہو کہ ہم اس سے بے خبر تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تم پر سات آسمانوں کو گواہ کرتا ہوں اور تم پر تمہارے باپ آدم کو گواہ کرتا ہوں تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم کو اس کا علم نہ تھا۔جان لو کہ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے لہٰذا تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ میں عنقریب تمہارے پاس رسول بھیجوں گا جو تم کو میرا عہد اور میثاق یاد دلائیں گے اور تم پر اپنی کتابوں کو نازل کروں گا۔

انہوں نے کہا:

ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب عزوجل اور ہمارا معبود ہے اور تیرے سوا ہمارا کوئی رب عزوجل نہیں ہے۔حضرت آدم علیہ السلام نے ان میں غنی اور فقیر کو اور خوبصورت اور بدصورت لوگوں کو دیکھا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا!

میرے رب عزوجل! اگر تو اپنے بندوں کو ایک جیسا کر دیتا۔

ارشاد فرمایا

مجھے یہ پسند ہے کہ میرا شکر ادا کیا جائے۔حضرت آدم علیہ السلام نے ان میں انبیاء کرام علیہم السلام کو دیکھا ان کے چہرے چراغ کی طرح منور تھے۔ان کو رسالت اور نبوت کے میثاق کے ساتھ خاص کیا گیا تھا۔

اس کے متعلق یہ آیت کریمہ ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ○ (الاحزاب: 7)

اور جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے اور نوح اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ بن مریم سے اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا۔

(تاریخ دمشق ج:4،ص:219 تا 220 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اولاد دکھائی گئی اور آپ علیہ السلام نے اپنی تمام اولاد حتیٰ کہ نبی در نبی کو ملاحظہ فرمایا۔ آپ علیہ السلام کی اولاد میں جس طرح کے پیشہ ہوں گے اور جس طرح اولاد اپنا گزر بسر کرے گی سب کا آپ علیہ السلام پر ظاہر فرما دیا۔ یہ تمام آپ علیہ السلام کی خصوصیات اور فضائل میں سے ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو علم کی وجہ سے فائدہ

سات انبیاء کرام علیہم السلام کو علم کی وجہ سے فائدے حاصل ہوئے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

سات پیغمبروں کو علم کی وجہ سے بڑے بڑے فائدے حاصل ہوئے۔

(1) حضرت آدم علیہ السلام کو ان کے علم نے فرشتوں سے سجدہ کرادیا۔

(2) حضرت خضر علیہ السلام کو علم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات عطا کی۔

(3) حضرت یوسف علیہ السلام کو علم نے قید سے نکال کر تخت وتاج شاہی عطا کیا۔

(4) حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم نے بلقیس جیسی صاحب جمال اور صاحب تخت وتاج والی بیوی عطا کی۔

(5) حضرت داؤد علیہ السلام کو علم نے بادشاہی دی۔

(6) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علم نے ان کی ماں سے تہمت دور کرائی۔

(7) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر خلافت الٰہیہ اور شفاعت کبریٰ کا سہرا باندھا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول، ص: 274 نعیمی کتب خانہ لاہور)

فرشتوں کا اشیاء کے نام نہ بتانا اور عاجز آجانا

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اشیاء کے نام سکھائے اور پھر سب ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا تم سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ تو ملائکہ نے کہا: یا اللہ تیری پاکی بولتے ہیں۔ ہمیں تو کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا وہی جانتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ○ (بقرہ: 32)

بولے پاکی ہے تجھے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا بے شک تو ہی علم وحکمت والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں جو فرشتوں نے اپنی عاجزی ظاہر کی اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ ہم تیری پاکی بولتے ہیں تو نے ہمیں

جو کچھ سکھایا ہے ہم وہی جانتے ہیں۔

(1)قَالُوْا: سے یہ ظاہر ہوتا کہ تمام ملائکہ نے یک زبان ہو کر عرض کیا یا ہر ایک نے براہ راست یا بعض مقربین نے سب کی طرف سے۔

(2)سُبْحٰنَکَ سے معلوم ہوا کہ

فرشتے گزشتہ سے سوال سے معذرت کر رہے ہیں اس لئے انہوں نے بھی کہا یا اس لفظ سے اپنا مقصود عرض کر رہے ہیں کہ خداوند عزوجل ہم تجھ کو ہر عیب سے پاک جانتے ہیں کہ تو نے حضرت آدم علیہ السلام کو بلا وجہ زیادہ علم دے دیا اور ہم کو کم بلکہ ہم سمجھتے ہیں کہ تو نے ہر ایک کو بقدر قابلیت عطا فرمایا۔ بے شک ہم میں اس قدر علم کی استعداد نہیں ہے کمی ہمارے لینے میں ہے کہ تیری عطا میں

لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط سے معلوم ہوا کہ

اس میں فرشتوں نے اپنی عاجزی کا نہایت عمدہ طریقے سے اقرار کیا کہ مولیٰ عزوجل ہم بذات خود تو تمام کمالات سے خالی ہیں اور بھی ایک کمال ہے ہم میں جو کچھ کمال ہے وہ تیرا دیا ہوا ہے چونکہ اس علم کی طرف سے عطا نہیں ہوئی۔ اس لئے ہماری کیا مجال کہ ہم تیرے حضور محض اپنی اٹکل اور قیاس سے کچھ کہہ دیں مولیٰ عزوجل ہم کو اپنی کم علمی کا اقرار ہے۔

علم صد ہا قسم کے ہیں۔

جن میں سے بعض عقلی ہیں اور بعض نقلی ہیں۔

مگر یہ سارے علوم ملتے رب عزوجل کی عطا سے اس لئے لاعلم میں جنس کی علم کی نفی ہے۔

جیسے

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ میں اور لا نبی بعدی میں

اس کا مطلب یہ نہیں کہ

خدایا کوئی چیز سکھا کر امتحان لیا جاتا ہے جب تو نے ہمیں ان کے نام سکھائے ہی نہیں تو ہمارا امتحان کیوں لے رہا ہے۔ اس لئے کہ انک انت العلیم الحکیم تو ہی ہر چیز کا جاننے والا ہے اور کامل حکمت والا ہے تو ہر ایک کی قابلیت اور لیاقت بھی جانتا ہے اور یہ بھی کون کسی نعمت کے لائق ہے جس قدر علم کے لائق ہم تھے وہ ہم کو دیا اور جس کے لائق حضرت آدم علیہ السلام تھے۔ وہ ان کو چیونٹی کو کن (ذرّہ) اور ہاتھی کو من (ایک من وزن) دیتا ہے۔

خلاصہ

جب فرشتوں کو حکم ہوا کہ تم ان چیزوں کے نام بتاؤ تو وہ سمجھ گئے کہ اس سے ہمارا امتحان مقصود نہیں ہے کیونکہ امتحان تو سکھائی ہوئی چیز کا لیا جاتا ہے۔ انہوں نے دغدغہ اور بلا تامل اپنی عاجزی کا اقرار کر لیا مگر اس نفیس طریقے سے کہ سبحان اللہ بظاہر تو

وجل کی حمد کی لیکن اس حمد میں اللہ تعالیٰ کی صفات اور اپنے قصور کا اقرار کرلیا اور یہی توبہ کی حقیقت ہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنی جزی کو خود اپنی طرف نسبت دی نہ کہ رب عزوجل کی طرف یعنی یہ نہ کہا کہ مولیٰ عزوجل تو نے ہمیں بہت کم علم دیا۔ آدم علیہ سلام کو زیادہ

بلکہ یہ عرض کیا کہ

ہم میں اتنے ہی علم کی طاقت تھی جتنا تو نے عطا فرمایا۔ تیرا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

شیطان نے کہا:

بِمَا اَغْوَيْتَنِيْ (حجر: 39)

مولیٰ تو نے مجھے گمراہ کردیا۔

اس لئے تو وہ مردود ہوا اور یہ سب محبوب رہے۔

یہ بھی خیال رہے کہ

شیطان بھی اشیاء کے نام نہ بتا سکا اس لئے سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے اپنا نار سے پیدا ہونا بیان کیا نام بتانے کی جرأت نہ کر سکا اب جو شخص یہ کہے کہ شیطان کا علم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ وہ اس آیت کا منکر ہے۔ اس کا علم تو حضرت آدم علیہ السلام کے کروڑوں حصے بھی نہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل، ص: 278، نعیمی کتب خانہ لاہور)

تفسیر نور العرفان میں یوں بیان فرمایا:

یہ عجز کا کلام سارے فرشتوں کا ہے شیطان کا نہیں وہ تو حاسد بن چکا تھا خاموش رہا۔

خیال رہے کہ

شیطان بھی چیزوں کے نام نہ بتا سکا اس لئے وہ بھی سجدے کے حکم میں داخل تھا۔

معلوم ہوا کہ

شیطان کا علم حضرت آدم علیہ السلام سے بھی کہیں کم تھا جو کہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے اس کا علم زیادہ ہے۔ بے ایمان ہے۔

(تفسیر نور العرفان: ص: 8، نعیمی کتب خانہ گجرات)

حضرت آدم علیہ السلام کا سب چیزوں کے نام بتانا

جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا: تم ان چیزوں کے نام بتاؤ تو وہ عاجز آگئے تب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے آدم (علیہ السلام) آپ ہی ان کو سب چیزوں کے نام بتائیں تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو سب چیزوں کے نام بتائے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ يٰـاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ (بقرہ: 33)

فرمایا اے آدم بتادے انہیں سب اشیاء کے نام جب آدم علیہ السلام نے انہیں سب کے نام بتادیئے فرمایا میں نہ کہتا تھا کہ میں جانتا ہوں آسمانوں اور زمین کی چھپی چیزیں اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔

اس آیت کریمہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے نام بتانے کا ذکر ہوا ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام فرشتوں سے زیادہ ہے۔

قال یاآدم سے معلوم ہوا کہ

اب رب عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اے آدم (علیہ السلام)!

خیال رہے کہ

قرآن کریم میں سارے پیغمبروں کو نام لے کر پکارا مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ ان کے پیارے ص... کے ساتھ

يٰـاَيُّهَا النَّبِيُّ

يٰـاَيُّهَا الرَّسُوْلُ

يٰـاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ

(يٰـاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ) وغیرہ

خیال رہے کہ

پکارنے سے پکارنے سے چند مقصود ہوئے ہیں۔

(1) غافل کو بیدار کرنا

(2) کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنا

(3) محبت کا ظاہر کرنا

جیسے کہ

اے میرے پیارے

(4) غضب اور قہر کا ظاہر فرمانا
جیسے کہ
اے خبیث
انبیاءکرام علیہم السلام کو اکثر محبت کے اظہار کے لئے پکارا جاتا ہے کیونکہ وہ حضرات رب عزوجل سے غافل نہیں ہوتے۔
ہم جو دعا میں رب عزوجل کو پکارتے ہیں اس کو غافل سمجھ کر نہیں پکارتے بلکہ یا تو محبت کی وجہ سے یا اس کا کرم حاصل کرنے کے لئے

ظاہر یہ ہے کہ
حضرت آدم علیہ السلام سے رب عزوجل کا یہ کلام بلاواسطہ ہے بطور الہام یا خواب بھی نہیں بلکہ صراحتاً ہے اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب کلیم اللہ نہیں۔
کلیم اللہ وہ ہے۔
جو زمین پر رہتے ہوئے بلاواسطہ رب عزوجل سے ہم کلام ہو کہ رب عزوجل فرمائے اور وہ سنے وہ عرض کرے اور رب عزوجل سنے یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے یہ کلام جنت میں ہوا اور اگر زمین پر ہے تو یکی دوطرفہ ہم کلام نہیں۔ معراج میں ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کلامی ہوئی مگر زمین پر نہیں عرش سے دو۔
اَنۡۢبِئۡهُمۡ
اس جگہ اپنا فرمایا گیا
جس کے معنی ہیں۔
خبر دے دو
اور حضرت آدم علیہ السلام کے لئے علم ارشاد ہوا تھا۔
جس کے معنی ہیں۔
سکھادیا۔
اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ہر چیز کا پورا پورا علم دیا گیا اور انہوں نے حاصل کرلیا جس سے کہ وہ عالم کل کہلانے مستحق ہوئے مگر حضرت آدم علیہ السلام نے ان چیزوں کی فقط خبر دے دی خواہ فرشتوں کو اس سے علم حاصل ہوا ہو یا نہ ہو۔
بِاَسۡمَآئِهِمۡ
اسماء کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ چاہئے تھا کہ یہاں ضمیر لائی جاتی مگر وہاں چونکہ اسماء سے مراد سارے صفات و حالات تھے ان فقط چیزوں کے نام اس لئے اسماء ہی فرمایا گیا۔

جس سے معلوم ہوا کہ

حضرت آدم علیہ السلام کے برابر کے عالم نہ ہوئے۔

(تفسیر عزیزی: تحت آیۃ کریمہ)

فَلَمَّا اَنْبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ

حضرت آدم علیہ السلام نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔

روح البیان نے اسی جگہ فرمایا:

حضرت آدم علیہ السلام کے لئے منبر بچھایا گیا اور تمام ملائکہ ان کے سامنے بیٹھے۔ آپ علیہ السلام نے اس پر کھڑے ہو کر تمام چیزوں کے نام بیان فرمائے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجلس وعظ تھی نہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کا مدرسہ۔ اس سے ہماری پہلی تقریر کی تائید ہوتی ہے۔

اس آیت سے یہی معلوم ہو رہا ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام نے یہ سارے نام آن کی آن میں بتا دیئے کچھ دیر نہ لگی کیونکہ انبأ افعال سے ہے یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ تھوڑے وقت میں بڑے سے بڑا کام کر لیا جائے ورنہ بے شمار چیزوں کا نام بتانے کے لئے بڑا وقت درکار تھا۔ آج فرشتوں کی عبادت حضرت آدم علیہ السلام کا وعظ سننا تھا سب کی تمام ڈیوٹیاں ختم کر کے یہاں حاضری کا حکم دیا گیا۔ صحبت نبی ساری عبادات سے افضل ہے۔

آج

نمازی

حاجی

غازی

قاری

بن سکتے مگر صحابی کوئی نہیں بن سکتا۔

سبحان اللہ حضرت آدم علیہ السلام نے تو اپنے زمانہ میں فرشتوں کو یہ سب کچھ بتا دیا لیکن ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک مرتبہ منبر پر قیام فرما کر ابتدائے پیدائش سے قیامت تک کے سارے حالات پورے بیان کر دیئے۔

جیسا کہ بخاری شریف میں ہے بلکہ مسند امام احمد میں ہے کہ

قیامت تک اگر کوئی پرندہ پر بھی ہلائے گا۔ اس کی خبر بھی دے دی وہ پہلے کی مجلس تھی اور یہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری مجلس وہاں سننے والے فرشتے تھے اور یہاں صحابہ کرام علیہم الرضوان یہاں بھی اسماء اس لئے فرمایا گیا صرف نام

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ

جب حضرت آدم علیہ السلام کا کمال علمی فرشتوں کو معلوم ہو چکا تب رب عزوجل نے فرمایا: میں نے تم سے نہ کہا تھا یہ
ام انکاری ہے یعنی کہا تھا کہ۔

اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کہ میں آسمان اور زمین کی چھپی ہوئی چیزیں جانتا ہوں بہت پر لطیف بات یہ ہے کہ اس واقعہ سے فرشتوں کو حضرت آدم
السلام کا علم غیب معلوم ہوا تھا۔

مگر رب عزوجل نے فرمایا:

اس سے تم کو میرا علم معلوم ہو گیا جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا کمال رب عزوجل کا کمال آئینہ ہے۔ انہی کی
ت سے رب عزوجل کی عظمت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ شاگرد کی قابلیت سے استاد کا پتہ چلتا ہے۔

دیوبندیوں کے یہاں خدا عزوجل کی تعظیم نبیوں کی توہین سے ہوتی ہے۔

ان کی شیطانی توحید کے معنی ہیں۔

پیغمبروں کو گالی دینا۔

(معاذ اللہ)

لیکن مسلمانوں کے نزدیک نبیوں کی عزت میں رب کی اور اسلام کی عزت ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ

فرشتے بھی بغیر انبیاء کرام علیہم السلام کے وسیلہ سے خدا تعالیٰ عزوجل کی ذات وصفات کو نہیں جان سکتے تو ہم تم کس شمار
ں کیونکہ اس آیت میں رب عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کے علم کو اپنے علم کی دلیل بنایا

اور فرمایا:

اے فرشتو! اب تک تم نے ہم کو دلیل جانا تھا تو آج دلیل سے پہچان لو کہ آدم کے علم کو دیکھ کر ہمارے علم کا پتہ لگا لو کہ اگرچہ
ں پیدائش ان سے بہت پہلے ہے تمام جہان کی تم نے سیر کر ڈالی اور تم عالم بالا کے رہنے والے اور یہ ذات عالم سفلی کی
ت میں سے ایک اور ابھی ابھی پیدا ہوئے انہوں نے کہیں کی بھی پرواہ نہ فرمائی لیکن ان کو زمین و آسمان کے ایسے راز معلوم
کو نہیں معلوم اور جو چیزیں کہ ان سے ہزاروں برس پہلے پیدا ہو چکیں۔ یہ ان تمام کے پورے واقف ہیں۔

اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ

ام مفسرین فرماتے ہیں کہ

اس کے معنی یہ ہیں: اے فرشتو!

میں تمہاری ہر ظاہری بات اور چھپے ہوئے خیال کو جانتا ہوں یعنی بظاہر تم نے یہ کہا تھا کہ

انسان فساد و خون ریزی کرے گا اور ہم تیری تسبیح و تہلیل کرتے ہیں مگر تمہارے دل میں یہ تھا کہ ہم ہی خلافت کے مستحق ہیں۔ بھلا اس سے افضل اور زیادہ علم والی کون سی مخلوق پیدا ہو سکتی ہے اس میں رب عزوجل کی قدرت کا انکار نہیں تھا بلکہ یہ ان کی سمجھ میں نہ آسکتا تھا کہ ہم سے بڑھ کر بھی کوئی پیدا ہوگا کیونکہ ہم نوری ہیں اور نور سب سے اعلیٰ ہم بہت پہلے پیدا ہو چکے ہیں اور ساری دنیا کا تجربہ کر چکے ہیں۔ اب جو کوئی نیا پیدا ہوگا وہ یقیناً ہم سے علم میں کم ہوگا۔

رب عزوجل نے فرمایا:

اے فرشتو! ہم تمہاری کہی ہوئی بات اور چھپا ہوا خیال جانتے ہیں۔

مگر تفسیر کبیر نے اس جگہ نئی بات فرمائی۔

وہ یہ کہ

عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

فرشتوں کی ظاہری بات سے ان کا یہ قول مراد ہے جو انہوں نے بارگاہ الٰہی عزوجل میں پیش کیا اور چھپی ہوئی بات سے ابلیس کا دلی ارادہ مراد ہے کہ اس نے آدم علیہ السلام کی خبر پاتے ہی دل میں سوچ لیا تھا کہ میں ان سے بڑا ہوں اور کبھی بھی ان کی اطاعت نہیں کروں گا چونکہ ابلیس بھی فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا اور انہی میں سے اس کا بھی شمار تھا لہٰذا اس کے خیال کو سب کی طرف نسبت کر دیا گیا قوم میں سے بعض کا کام ؟؟؟ کی طرف نسبت پا جاتا ہے۔

تو مطلب یہ ہوا کہ

فرشتو جو بات تم نے ظاہر طور پر کی وہ بھی ہم جانتے ہیں اور جو کچھ تم میں سے بعض نے ارادہ کر لیا ہے اس کی بھی ہمیں خبر ہے۔

تفسیر عزیزی نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا:

فرشتوں کی بعض صفتیں بالکل ظاہر تھیں

جیسے

رب عزوجل کی عبادت کرنا

اور ان کا گناہوں سے معصوم ہونا وغیرہ وغیرہ

اور بعض صفتیں ایسی چھپی ہوئی تھیں جن کی خود ان کو بھی خبر نہ تھی کہ ہم کو رب عزوجل نے یہ قوتیں بھی عطا فرمائی ہیں۔

جیسے کہ

عورت کے رحم میں بچہ بنانا
مسجدوں کی خدمت کرنا
لوگوں کی جانیں نکالنا
قبر کے سوالات
اللہ والوں سے محبت رکھنا
نمازیوں اور حاجیوں کی مدد کرنا
زندوں کی نذر و نیاز مردوں تک پہنچانا
مسلمانوں کے درود سبز گنبد کے اندر لے جا کر شہنشاہ کونین کی خدمت میں حاضر کرنا
وحی اتارنا

انبیاء کرام علیہم السلام تک کتابوں کا پہنچانا وغیرہ وغیرہ کہ ان کو ان صفتوں کا پتہ نہ تھا۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد پیدا نہ ہوتی تو ہرگز فرشتوں کی یہ صفتیں ظاہر نہ ہوتیں۔

اس لئے رب عزوجل نے فرمایا:

اے فرشتو! ہم ظاہری صفتوں کو بھی جانتے ہیں اور تمہارے باطنی کمالات کو بھی اس لئے ہم نے اس خلیفہ کو پیدا کیا لہٰذا تم پر اس خلیفہ کا بڑا حق اس کی بدولت تم اپنی حقیقت سے آگاہ ہو گئے انہی کے سبب سے تمہارا درجہ بارگاہ الٰہی عزوجل میں بڑھا۔ زمین کی قوت اور اس میں بویا ہوا تخم لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتا۔ بارش ان سب چیزوں کو ظاہر کرتی ہے۔ فرشتوں کے قلوب مختلف استعداد کی زمین تھے ان کی چھپی ہوئی قوتیں تو بویا ہوا تخم تھا۔ خلیفہ اللہ آدم علیہ السلام رحمت الٰہی عزوجل کی بارش تھے جن کی تشریف آوری سے سب کے مختلف کمالات ظاہر ہو گئے۔

جیسے

ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے صدیق و زندیق علیحدہ علیحدہ ہو کر لکھے گئے۔

خلاصہ

جب فرشتوں نے اپنی معذوری اور کم علمی کا اقرار کر لیا اور بارگاہ الٰہی عزوجل میں اپنی عرض معروض کی معذرت کی تب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ علیہ السلام ان کو سب چیزوں کے نام بتا دیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے حکم پاتے ہی آناً فاناً بلا تامل سب کچھ ان کو بتا دیا جب اس واقعہ سے فرشتوں کو اپنی عاجزی اور حضرت آدم علیہ السلام کے کمال علمی کا ثبوت ہو گیا تب رب تعالیٰ نے ان کو متنبہ کرنے کو فرمایا: تم اپنے دل میں کیا سمجھتے تھے اور ظاہر کیا ہوا میں ہی ہر چیز کی حکمت اور مصلحت زمین و آسمان کی پوشیدہ باتیں تمہارے ظاہری اور باطنی حالات جانتا ہوں لہٰذا اسی آیت میں انی اعلم مالا تعلمون کی شرح

ہوگئی۔ یہ تمہارا تعجب کرنا بے جا تھا ہم جو کچھ کرتے ہیں اس میں ہزارہا حکمتیں ہوتی ہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص:279 تا 282 نعیمی کتب خانہ لاہور)

تفسیر نور العرفان میں اسی آیت کے تحت فرمایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو نام سکھائے نہیں بلکہ صرف بتائے جیسے واعظ ایک مجلس میں پچاس مسئلے لوگوں کو سنادے اس سے وہ لوگ عالم نہیں بن جاتے۔ لہٰذا فرشتے حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ناموں کے عالم نہ بن سکے۔ وہاں علم فرمایا تھا یہاں انباء۔

(نور العرفان: ص:8 نعیمی کتب خانہ گجرات)

حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم

جب حضرت آدم علیہ السلام کی علمی فضیلت ظاہر ہوگئی اور فرشتے سب چیزوں کے نام بتانے سے عاجز آگئے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ (بقرہ: 34)

اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا آدم کو سجدہ کرو۔

اس آیت کریمہ میں فرشتوں سے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ سجدہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے تھا۔

وَاِذْ قُلْنَا

ظاہر یہ ہے کہ سجدے کا حکم آدم علیہ السلام کے کمال علمی کے ظاہر کرنے کے بعد ہوا کہ جب فرشتے ان کی قابلیت اور لیاقت دیکھ چکے تب ان سے فرمایا گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔

لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ

یہ حکم آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔

کیونکہ دوسری جگہ قرآن مجید فرما رہا ہے۔

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ. (ص: 72)

لیکن ان دونوں باتوں کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہی سجدے کا حکم دیکر ان کو اس کے لئے تیار کر دیا گیا تھا۔ اب اس کے علم کے ظہور کے بعد سجدہ کرایا گیا یعنی سجدہ کرانا بعد میں۔

مال آتے ہی زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے لیکن سال گزرنے پر ادا کرائی جاتی ہے۔

خیال رہے کہ

قلنا جمع کا صیغہ ہے رب تعالیٰ نے اپنے لئے واحد کا صیغہ بھی فرمایا ہے۔

بیان توحید کے لئے جمع کا بھی اظہار عظمت کے لئے مگر بندہ ہمیشہ رب عزوجل کے لئے واحد کا صیغہ استعمال کرے جمع کبھی نہ بولے کہ اس میں شرک کی بو ہے۔ اس لئے کسی نبی کسی ولی نے کسی دعا یا عرض معروض میں رب عزوجل کے لئے جمع کا کبھی نہ بولا یہ جمع بدعت سیۂ سنت کے خلاف مشرک کی موہم ہے۔ یہ نہ کہو کہ رب عزوجل فرماتے ہیں کہو فرماتا ہے۔

لِلْمَلٰٓئِكَةِ

بعض لوگوں نے یہاں زمین کے فرشتے مراد لئے ہیں۔

یعنی

یہ سجدہ اور تعظیم وغیرہ صرف زمین کے فرشتوں نے ادا کیا لیکن یہی ہے کہ یہاں سارے فرشتے مراد ہیں کیونکہ آدم علیہ السلام کی فضیلت سارے ہی فرشتوں پر ظاہر ہوئی اور سب ہی نے ان کی شاگردی کی تو چاہئے کہ سجدہ اور تعظیم بھی سب ہی کریں۔

نیز

اس جگہ ملائکہ میں کوئی قید نہیں ہے تو بلا وجہ قید لگانا معتبر نہیں ہوگی۔

نیز

آئندہ ارشاد ہو رہا ہے۔

كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ

یعنی سب نے مل کر سجدہ کیا پھر اتنی تاکیدوں کے ہوتے ہوئے خاص کرنے کا اعتبار نہیں۔

اسْجُدُوْا

یہ لفظ سجدہ سے بنا ہے۔

جس کے لغوی معنی ہیں۔

عاجزی اور فرمانبرداری کرنا

قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ (الرحمن: 6)

اور عربی شعراء نے بھی اس معنی میں اس کو استعمال کیا ہے مگر شریعت میں زمین پر پیشانی رکھنے کو سجدہ کہا جاتا ہے۔

بشرطیکہ اس میں سجدہ کی نیت بھی ہو بلکہ سجدہ میں سات عضو زمین پر لگنے چاہئیں۔

پاؤں کے دونوں انگوٹھے

دونوں گھٹنے

دونوں ہتھیلیاں

اور ایک ناک پیشانی

سجدہ دو قسم کا ہے۔

(1) سجدہ تعبدی

(2) سجدہ تعظیمی

(1) سجدہ تعبدی

سجدہ تعبدی یہ ہے کہ کسی کو اپنا خالق مان کر اس کے لئے جھکے۔

(2) سجدہ تعظیمی

سجدہ تعظیمی یا سجدہ تحیت یہ کہ کسی کو فقط بزرگ جان کر اس کے سامنے سر زمین پر رکھے۔

سجدہ تعبدی خدا عزوجل کے سوا کسی دوسرے کو کرنا شرک ہے۔ کسی بھی دین میں جائز نہ ہوا۔ سجدہ تعظیمی پہلی امتوں میں جائز تھا۔

چنانچہ

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان کو سجدہ کیا اس جگہ سجدے میں چار قول ہیں۔

(1)

ایک یہ کہ یہاں فقط تعظیم مراد ہے یعنی لغوی سجدہ لیکن یہ قول نہایت ہی ضعیف ہے بلکہ قرآنی آیتوں کے خلاف اس لئے کہ قرآن کریم نے کہیں تو فرمایا ہے۔

فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ (ص: 72)

اور کہیں فرمایا

خَرُّوْا (یوسف: 100)

دونوں کے معنی ہیں۔

گر جانا فقط، تعظیم میں گرنا نہیں ہوتا۔

(2) دوسرا قول یہ ہے: اس فقط جھکنا مراد ہے۔ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ یہی فرماتے ہیں لیکن یہ قول بھی قا

ں کیونکہ اس میں بھی گرنا نہیں ہوتا اور قرآن کریم سے گرنا ثابت ہے۔

نیز

قرآن کریم کی عبارتوں میں شرعی معنی چھوڑ کر لغوی معنی مراد لینا بڑے فتنے کا دروازہ کھولنا ہے کیونکہ اگر آپ سجدے سے
نایا تعظیم کرنا مراد لیتے ہیں تو بعض لوگ اقیمو الصلوٰۃ میں صلوٰۃ کے لغوی معنی یعنی فقط دعا بھی مراد لے سکیں گے۔

(3) تیسرا قول یہ ہے: یہاں سجدے سے مراد زمین پر پیشانی لگانا ہی ہے اور فرشتوں کو اسی کا حکم ہوا تھا لیکن اس میں پھر دو
ل ہیں۔

بعض فرماتے ہیں کہ

سجدہ عبادت تھا یعنی سجدہ اللہ تعالیٰ کو تھا اور آدم علیہ السلام مثل قبلہ کے

جیسا کہ

ہم کعبہ کے سامنے جھک کر اللہ تعالیٰ کو کرتے ہیں ایسے ہی فرشتوں نے آدم علیہ السلام کے سامنے جھک کر اللہ تعالیٰ کو سجدہ
یا۔ یہی قول شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے لیکن یہ بھی ضعیف ہے۔ تفسیر کبیر نے اس کی بہت تردید فرمائی ہے۔
ں لئے کہ آدم علیہ السلام محض قبلہ ہوتے تو الی آدم فرمایا جاتا نہ کہ لادم جس کے معنی ہوتے کہ آدم کی طرف سجدہ کرو مگر فرمایا گیا
م جس کے معنی ہیں کہ صرف آدم کے لئے سجدہ کرو اور یہاں لام کو الی کے معنی میں لینا بلاوجہ حقیقی معنی کو چھوڑنا ہے۔

نیز

حضرت آدم علیہ السلام فقط قبلہ ہوتے تو اس سے ان کی فضیلت اور عزت ثابت نہ ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبے کی
ف سجدہ کرتے تھے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے افضل تھے۔ (تفسیر کبیر)

نیز

اگر حضرت آدم علیہ السلام فقط ہوتے تو ابلیس انکار نہ کرتا کیونکہ اس نے اب تک بیت المعمور کے سامنے رب عزوجل کے
ے لاکھوں سجدے کئے تھے۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ میرے پہلے سجدے بھی رب عزوجل کے لئے تھے اور یہ بھی۔ پہلے بیت المعمور
سمان والوں کا کعبہ) کی طرف تھے اور اب حضرت آدم علیہ السلام کی طرف اس کے انکار سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ سجدہ آدم
السلام کو ہی تھا۔

(4) چوتھا قول یہ ہے: یہ سجدہ تعظیمی تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کے لئے ہی تھا۔ پہلی شریعتوں میں جائز تھا اور ہمارے
م میں منسوخ (ختم) ہو گیا۔ اب رب عزوجل کے سوا کسی کو کسی قسم کا سجدہ کرنا جائز نہیں۔ یہی قول صحیح ہے اور اسی کی قرآنی
اور احادیث صحیحہ سے تائید ہوتی ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص: 285 تا 287 نعیمی کتب خانہ لاہور)

سجدہ کا معنی

سجدہ کا معنی بیان کرنے میں مختلف علماء کرام کی رائے ہے۔

علامہ مجدالدین کا قول

علامہ مجدالدین فیروز آبادی نے لکھا ہے کہ

سجدہ کا معنی ہے۔

سر نیچے کیا اور جھک گیا۔

(قاموس: ج:1، ص:579 دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ راغب اصفہانی کا قول

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

سجدہ کا لغوی معنی ہے۔

تذلل کے ساتھ جھکنا، سجدہ کو اللہ تعالیٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔

سجدہ کی دو قسمیں ہیں۔

(1) سجدہ اختیاری

(2) سجدہ تسخیر

سجدہ اختیاری باعث ثواب ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاسْجُدُو اللّٰهَ وَاعْبُدُوْا (النجم: 62)

سو اللہ کے لئے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو

اور سجدہ تسخیر، انسان حیوان اور نباتات سب ادا کرتے ہیں۔

(المفردات ص:223 مطبوعہ المکتبۃ الرتضویہ ایران)

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا (الرعد: 15)

اور جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب خوشی یا مجبوری سے اللہ ہی کو سجدہ کر رہے ہیں۔

علامہ ابن اثیر جذری کا قول

علامہ ابن اثیر جذری نے لکھا ہے کہ

سجدہ کا معنی ہے۔

سر جھکانا

اور کسی کے سامنے جھکنا

اور اظہار تذلل کرنا

اور سجدۂ صلاۃ کا معنی ہے۔

پیشانی زمین پر رکھنا اور اس سے بڑھ کر خضوع اور تذلل نہیں ہے۔

(النہایہ ج:2،ص:308)

علامہ بیضاوی کا قول

سجدہ کے شرعی معنی کے متعلق علامہ بیضاوی لکھتے ہیں:

عبادت کے قصد سے پیشانی کو زمین پر رکھنا سجدہ ہے۔

(انوار التنزیل ص:62 مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

علامہ علاؤ الدین حصکفی کا قول

علامہ علاؤ الدین حصکفی نے لکھا ہے کہ

سجدہ پیشانی اور قدموں کے ساتھ ہے اور ایک انگلی کا ٹکانا شرط ہے۔

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ

لغت میں سجدہ کا معنی ہے۔

خضوع یعنی تواضع اور عاجزی کرنا

جھکنا

سر جھکانا

اور مغرب میں لکھا ہے کہ

زمین پر پیشانی رکھنا

اور البحر الرائق میں مذکور ہے کہ

سجدہ کی حقیقت یہ ہے کہ تعظیم کے ساتھ چہرہ کا بعض حصہ زمین پر رکھا جائے۔ اس میں ناک رکھنا داخل ہے اور رخسار اور ٹھوڑی کا رکھنا خارج ہے۔ اگر کوئی شخص سجدہ میں دونوں پیر اٹھالے تو یہ تعظیم کے بجائے لہو و لعب کے زیادہ مشابہ ہے۔

(رد المحتار ج:2،ص:119 بیروت)

علامہ المرغینانی نے لکھا ہے کہ

ناک اور پیشانی پر سجدہ کرلے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت کی ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
بارش ہو رہی تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نماز پڑھائی اور میں نے مٹی اور پانی کے نشان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی اور ناک پر دیکھے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:813 بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جس شخص نے نماز میں اپنی پیشانی اور ناک زمین پر نہیں لگائی اس کی نماز جائز نہیں۔
(المعجم الکبیر: رقم الحدیث:1917 بیروت)

فرشتوں سے کون سا سجدہ کرایا گیا

فرشتوں سے سجدہ تعظیمی کرایا گیا۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
یہ سجدہ تعظیمی تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کے لئے ہی تھا۔ پہلی شریعتوں میں جائز تھا۔ ہمارے اسلام میں منسوخ ہو گیا اب رب عزوجل کے سوا کسی کو کسی قسم کا سجدہ کرنا جائز نہیں۔ یہی قول صحیح ہے اور اس کی قرآنی آیت اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتی ہے۔
(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص:287 نعیمی کتب خانہ لاہور)

تمام فرشتوں کا سجدہ کرنا اور شیطان کا انکار کرنا

جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ فرشتوں کو سجدہ کرو تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا مگر شیطان لعین نے سجدہ کرنے سے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔
قرآن مجید میں ہے:
فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ٥ (34)
تو سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا۔
اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ تمام فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا اور جونہی حکم دیا گیا سب نے بلا تاخیر سجدہ کیا۔

سب سے پہلے کس فرشتے نے سجدہ کیا

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ
سب سے پہلے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے سجدہ میں جھکے

پھر حضرت میکائیل علیہ السلام

پھر حضرت عزرائیل علیہ السلام

پھر سارے فرشتے (سجدہ کے لئے جھکے)

اس لئے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو سب سے بڑا درجہ عطا فرمایا گیا یعنی خدمت انبیاء کرام علیہم السلام۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ

سب سے پہلے حضرت اسرافیل علیہ السلام نے سجدہ کیا۔ اسی لئے ان کی پیشانی پر سارا قرآن لکھ دیا گیا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل: 287 نعیمی کتب خانہ لاہور)

فرشتے کتنا عرصہ سجدہ کرتے رہے

بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ

یہ سجدہ ظہر کے وقت سے عصر تک رہا۔

دوسرا قول یہ ہے:

ملائکہ سو برس سجدہ کرتے رہے۔

اور تیسرا قول یہ ہے:

پانچ سو سال تک سجدہ میں رہے۔

ان باتوں کو اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے کہ

اوّلاً فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا جس کا شیطان نے انکار کیا یہ سجدہ تھوڑی دیر تک رہا۔ پھر انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا کہ شیطان حضرت آدم علیہ السلام کی طرف پیٹھ پھیرے کھڑا ہے تب انہوں نے دوسرا سجدہ اس سجدے کی توفیق کے شکریے میں ادا کیا۔ یہ سجدہ رب عزوجل کے لئے تھا اور سجدہ شکر تھا پھر جب سر اٹھایا تو انہوں نے دیکھا کہ شیطان پہلے بہت خوبصورت تھا لیکن اب اس کی شکل مسخ (تبدیل) ہو کر جسم خنزیر کا سا اور چہرہ بندر کا سا ہو گیا تب انہوں نے ہیبت الٰہی عزوجل سے ایک اور سجدہ کیا یہ تینوں سجدے حضرت آدم علیہ السلام ہی کی طرف تھے مگر تین قسم کے اور ان کی مدتیں علیحدہ علیحدہ (ہیں)

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل، ص: 287 تا 288 نعیمی کتب خانہ لاہور)

سجدہ کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کے لئے سجدہ تھا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ○ (الحجر: 29)

سو جب میں اس کو (انسانی صورت میں) ڈھال لوں اور اس میں اپنی (پسندیدہ) روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لئے سجدہ میں گر جانا۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ سجدہ کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔

روح کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے پتلے میں روح ڈالنے اور سجدہ کرنے کا حکم دیا۔

اس روح کی ایک حقیقت ہے۔

امام خلیل بن احمد فراہیدی کا روح کے بارے قول

امام خلیل بن احمد فراہیدی متوفی 175ھ لکھتے ہیں:

روح اس جان کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے بدن زندہ ہے۔

کہا جاتا ہے۔

اس کی جان نکل گئی یعنی اس کی جان نکل گئی۔

(کتاب العین ج:1، ص:725 مطبوعہ ایران)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی کا روح کے بارے میں قول

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:

روح (راء پر پیش) اور روح (راء پر زبر) دونوں اصل میں ایک ہیں اور روح کو سانس کا اسم بنا دیا گیا ہے کیونکہ روح کا چیز ہے اور اس کو اس جز کا نام بنا دیا گیا ہے جس کی وجہ سے حیات، حرکت نفع کا حصول اور ضرر کو دور کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے روح کی اپنی طرف اضافت کی ہے۔

وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (الحجر: 29)

اور میں نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔

یہ وہ اضافت ہے جو اپنی ملکیت کی طرف کی جاتی ہے اور روح کی اپنی طرف اضافت اس کی تعظیم اور تکریم کی وجہ سے ہے۔

جیسا کہ ان آیتوں میں ہے۔

وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ (الحج: 26)

اور میرے گھر کو پاک رکھنا

یٰعِبَادِیَ (العنکبوت: 56)

اے میرے بندو!

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بیت اور بندوں کے شرف اور ان کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے اپنی طرف اضافت کی ہے میرا گھر ہے اور یہ میرے بندے ہیں۔ معزز فرشتوں اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھی قرآن مجید میں روح فرمایا۔

یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا (النباء: 38)

جس دن جبرائیل اور فرشتے صف بستہ ہو کر کھڑے ہوں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی روح فرمایا ہے کیونکہ وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے اور پرندے بنا کر ان میں پھونک مارتے تو ان میں جان پڑ جاتی تھی۔

ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ (النساء: 171)

عیسیٰ بن مریم صرف اللہ کے رسول ہیں اور اس کا وہ کلمہ جس کو اللہ نے مریم کی طرف القاء کیا اور اس کی طرف سے روح ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو بھی روح فرمایا ہے کیونکہ وہ حیات اخروی کا سبب ہے۔

فرمایا

وَكَذٰلِكَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (الشوریٰ: 52)

اسی طرح ہم نے آپ کی طرف روح کی وحی فرمائی ہے اپنے حکم سے۔

(المفردات ج:1، ص:271 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی کا روح کے بارے میں قول

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی لکھتے ہیں:

روح جسم لطیف ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ عادت جاری کر دی ہے کہ جب وہ بدن میں ہو تو اللہ تعالیٰ بدن میں حیات پیدا کر دے اور ہم نے اپنی کتاب ''التذکرہ'' میں احادیث ذکر کی ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ روح جسم لطیف ہے اور یہ کہ نفس اور روح ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز:10، ص:23 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

مجد الدین المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری کا روح کے بارے میں قول

علامہ مجدالدین المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری متوفی 606ھ لکھتے ہیں: روح کا ذکر حدیث میں بھی اسی طرح بار بار آیا

ہے جس طرح قرآن مجید میں روضہ کا ذکر بار بار آیا ہے اور اس کا متعدد معانی پر اطلاق ہے لیکن اس کا غالب اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جس کی وجہ سے جسم قائم ہوتا ہے اور جس کی وجہ سے جسم کی حیات ہوتی ہے اور روح کا اطلاق قرآن مجید۔
وحی
اور حضرت جبرائیل علیہ السلام پر بھی کیا گیا ہے۔
حدیث مبارکہ میں ہے:
اَلْمَلَائِکَةُ الرُّوْحَانِیُّوْن
اس سے مراد یہ ہے کہ
فرشتے اجسام لطیفہ ہیں ان کا بصر ادراک نہیں کرسکتی۔
(النہایہ: ج:2، ص:247 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی کا روح کے بارے میں قول

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:
روح کی مشہور توصیف وہ ہے جو امام اشعری نے کی ہے کہ
روح سانس ہے جو اندر آ رہا ہے اور باہر جا رہا ہے۔
قاضی ابوبکر نے کہا:
اس میں تردد کہ روح سانس ہے حیات ہے۔
ایک قول یہ ہے:
روح ایسا جسم ہے جو اجسام ظاہرہ اور اعضاء ظاہرہ میں شریک ہے۔
ایک قول یہ ہے:
روح ایک جسم لطیف ہے جس کو سبحانہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور اس نے یہ عادت جاری کردی ہے کہ اس کے بغیر جسم حیات نہیں ہوتی اور جب اللہ تعالیٰ جسم کی موت کا ارادہ فرماتا ہے تو روح کو اس جسم سے معدوم کر دیتا ہے۔
اور بعض علماء نے کہا ہے:
روح خون ہے۔
اور روح کی قول میں ستر قول ذکر کئے گئے ہیں۔
اس میں اختلاف ہے کہ
آیا روح اور نفس ایک چیز ہین یا متغائر ہیں۔

اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ
یہ دونوں متغائر ہیں کیونکہ نفس انسانیہ وہ چیز ہے جس کی طرف ہر انسان متکلم کے صیغہ سے اشارہ کرتا ہے۔
مثلاً
اپنے آپ کو میں کہتا ہے اور اکثر فلاسفہ نے ان دونوں میں فرق نہیں کیا۔
انہوں نے کہا:
نفس وہ لطیف جوہر بخاری (ایٹم، بھاپ) جو قوت حیات، حس اور حرکت ارادہ کا حامل ہے اور اسی کو وہ روح حیوانی کہتے اور یہی نفس ناطقہ اور بدن میں واسطہ ہے۔
امام غزالی نے کہا ہے:
روح وہ جوہر ہے جو حادث ہے، قائم بنفسہ ہے اور وہ کسی جگہ میں نہیں ہے وہ نہ جسم میں داخل ہے نہ جسم سے خارج ہے اور نہ جسم سے متصل ہے اور نہ جسم سے منفصل ہے۔
ایک قول یہ ہے:
روح عرض ہے
اور ایک قول یہ ہے:
روح جسم کا صورت کے موافق ہے۔ اس کی دو آنکھیں ہیں۔
دو کان
دو پیر
دو ہاتھ ہیں۔
اور وہ صورت جسم میں داخل ہے اور اس کا ہر جز وعضو کے مقابل ہے۔
ایک اور قول یہ ہے:
روح ایک جسم لطیف ہے جس کا جسم میں اس طرح حلول ہے جس طرح گلاب کے پانی کا گلاب میں حلول ہوتا ہے اور آگ کا انگارے میں حلول ہوتا ہے اور اہل سنت کے جمہور متکلمین کا اس تعریف پر اعتماد ہے۔
(عمدۃ القاری: ج:2، ص:201 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ)

اور قرآن مجید میں ہے:
ثُمَّ سَوّٰىهُ وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ (سجدہ:9)
پھر اس کو ہموار کیا اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی۔

اس آیت کے دو محمل ہیں۔

ایک یہ کہ

اس آیت میں ضمیریں حضرت آدم علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہیں یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے پتلے کو ہموار اور معتدل کیا اور ان میں اپنی طرف سے روح پھونکی اور اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا ذکر اور تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل بنائے، تم بہت کم شکر کرتے ہو۔

(الجامع لاحکام القرآن ج:14، ص:85)

اور دوسرا محمل یہ ہے کہ

یہ ضمیریں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد اور انسانی کی طرف لوٹ رہی ہیں۔

اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ

پھر اس نطفہ کو معتدل کیا اور ماں کے رحم میں اس کے اعضاء کو مکمل کیا اور اس کی تصویر اس کی صلاحیت کے مطابق جیسی چاہئے تھی ویسی بنائی اور اس میں اپنی روح پھونکی، روح کی اپنی طرف اضافت اس کو مشرف کرنے کے لئے ہے۔

جیسے

بیت اللہ اور ناقۃ اللہ میں ہے اور یہ بتانے کے لئے کہ یہ بہت عظیم مخلوق ہے۔

(روح المعانی ج:21، ص:188)

علامہ سید محمود آلوسی کا روح کے بارے میں قول

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں روح پھونکنے کا ذکر ہے وہ اطلاق مجازی ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ

روح کو بدن کے متعلق کر دیا اور یہ ان کے مذہب کے موافق ہے جو کہتے ہیں کہ روح بدن سے مجرد ہے اور بدن میں داخل نہیں ہے یہ فلاسفہ اور بعض متکلمین کا مذہب ہے۔

امام غزالی کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور ایک قول یہ ہے:

یہ اطلاق حقیقی ہے اور جو فرشتہ رحم کے ساتھ مقرر ہوتا ہے اس کو حکم دیا جاتا ہے کہ چار ماہ بعد جب نطفہ جسمانی صورت میں بنا دیا جائے تو پھر اس میں روح پھونک دی جائے اور اس طرف وہ لوگ گئے ہیں جو کہتے ہیں کہ روح ہوا کی طرح جسم لطیف ہے اور اس کا بدن میں اس طرح حلول ہے جس طرح گلاب کے پانی کا گلاب میں حلول ہوتا ہے اور آگ کا انگارے میں حلول

اور ظاہر احادیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں اور علامہ ابن قیم جوزی نے اس پر سو دلیلیں قائم کی ہیں۔

(روح المعانی: ج:12،ص:188 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ میر محمد سید شریف جرجانی کا روح کے بارے میں قول

علامہ میر سید شریف جرجانی متوفی 816ھ لکھتے ہیں:

روح انسانی ایک ایسی لطیف چیز ہے جس کو علم اور ادراک ہوتا ہے اور وہ روح حیوانی پر سوار ہوتی ہے۔ وہ عالم امر سے نازل ہوئی ہے۔ عقلیں اس کی حقیقت کا ادراک کرنے سے عاجز ہیں اور یہ روح کبھی بدن سے مجرد ہوتی ہے اور کبھی بدن سے متعلق ہوتی ہے اور اس میں تصرف کرتی ہے۔

(التعریفات: ص:82 دار الفکر بیروت)

علامہ محمد طاہر پٹنی کا روح کے بارے میں قول

علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی 986ھ لکھتے ہیں:

جمہور کے نزدیک روح کا معنی معلوم ہے۔

ایک قول یہ ہے:

وہ خون ہے

ایک قول یہ ہے:

وہ جسم لطیف ہے اور ظاہری اعضاء کی طرح اس کے بھی اعضاء ہیں۔

اشعری نے کہا:

وہ سانس ہے جو آ رہا ہے اور جا رہا ہے۔

ایک قول یہ ہے:

وہ حیات ہے۔

(مجمع بحار الانوار ج:2،ص:394 مطبوعہ مکتبہ دار الایمان مدینہ منورہ)

روح کا احادیث مبارکہ سے ثبوت

روح کے بارے میں احادیث مبارکہ میں صراحتاً اقوال ملتے ہیں۔

جب روح قبض کی جاتی ہے تو آنکھ اس کا پیچھا کرتی ہے

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب روح قبض کی جاتی ہے تو آنکھ اس کا پیچھا کرتی ہے۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 920 بیروت)

روح کا دوسری روح سے ملاقات

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ایک روح دوسری روح سے ملاقات کرتی ہے۔
(مسند احمد: ج:5، ص:215)

اللہ تعالیٰ جب چاہے روحوں کو قبض فرماتا ہے

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ جب چاہے تمہاری روحیں قبض فرمالیتا ہے اور جب چاہے واپس فرمادیتا ہے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 595 بیروت)

مومن کی روح پرندہ

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
مومن کی روح پرندہ ہے جو جنت کے درخت میں لٹکا ہوا ہے۔
(مسند احمد: ج:3، ص:457 طبع قدیم)

شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹ میں ہیں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نے آل عمران 169 کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
شہداء کی روحیں پرندوں کے پیٹ میں ہیں اور ان کے لئے عرش میں قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں وہ جہاں سے چاہتے ہیں
میں چرتے ہیں پھر ان قندیلوں میں لوٹ آتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ ان کی طرف متوجہ ہو کر فرماتا ہے۔
تمہیں کسی چیز کی خواہش ہے۔

وہ کہتے ہیں۔
کس چیز کی خواہش کریں ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں وہاں جا کر چر لیتے ہیں۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 1887 بیروت)

شہداء کی روحوں کو زمرد اور یاقوت کی قندیل میں رکھنا

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں مقام الغابہ میں اپنا مال لینے کے لئے گیا مجھے رات ہوگئی تو میں حضرت عبید اللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس پہنچا میں نے قبر سے اتنی حسین آواز سنی کہ اس سے پہلے میں نے اتنی حسین آواز نہیں سنی تھی۔ یہ قرآن پڑھنے کی آواز تھی۔ میں اس آواز سے مانوس ہوگیا اور میں صبح تک قرأت سنتا رہا۔ پھر میں نے شہداء کی روح کو قبض کیا اور ان کو زمرد اور یاقوت کی قندیل میں رکھا اور اس قندیل کو جنت کے وسط میں رکھ دیا۔ جب رات آتی ہے تو ان کی روحیں وہیں لوٹا دی جاتی ہیں جہاں پر وہ تھیں۔
(کنز العمال: رقم الحدیث: 37261 بیروت)

مومن اور کافر کی روحوں کو قبر میں ان کے جسموں میں داخل کرنا

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازہ میں گئے ہم ایک قبر کے پاس بیٹھے اس کی لحد بنائی جا رہی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس طرح بیٹھ گئے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین کھرچ رہے تھے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھا کر ارشاد فرمایا۔
عذاب قبر سے پناہ طلب کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یا تین بار ارشاد فرمایا۔
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب لوگ میت کو دفن کر کے چلے جاتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں کی آہٹ سنتا ہے۔
اس سے کہا جاتا ہے
اے شخص! تیرا رب عزوجل کون ہے۔
تیرا دین کیا ہے۔
اور تیرا نبی کون ہے؟
ہناد نے کہا:

اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو بٹھا دیتے ہیں۔
اور اس سے پوچھتے ہیں
تیرا رب عزوجل کون ہے۔
وہ کہتا ہے۔
میرا رب عزوجل اللہ عزوجل ہے۔
وہ اس سے پوچھتے ہیں۔
تیرا دین کیا ہے۔
وہ کہتا ہے۔
میرا دین اسلام ہے۔
وہ پوچھتے ہیں۔
یہ شخص کون ہے' جو تم میں بھیجا گیا تھا؟
وہ کہتا ہے:
وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔
وہ پوچھتے ہیں:
تمہیں کیسے معلوم ہوا؟
وہ کہتا ہے:
میں نے کتاب اللہ میں پڑھا میں اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی
پھر آسمان سے ایک منادی ندا کرتا ہے کہ
میرے بندہ نے سچ کہا اس کے لئے جنت سے فرش بچھا دو اور اس کو جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لئے جنت کی طرف سے کھڑکی کھول دو پھر اس کے پاس جنت کی ہوا اور خوشبو آتی ہے اور اس کے لئے وہ جگہ منتہائے نظر تک کھول دی جاتی ہے۔
اور ارشاد فرمایا
کافر کے جسم میں اس کی روح لوٹا دی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آ کر اس کو بٹھا دیتے ہیں۔
اور اس سے پوچھتے ہیں۔
تیرا رب عزوجل کون ہے؟
وہ کہتا ہے۔

افسوس! میں نہیں جانتا۔
پھر اس سے پوچھتے ہیں۔
تیرا دین کیا ہے۔
وہ کہتا ہے۔
افسوس! میں نہیں جانتا۔
پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں۔
یہ شخص کون ہے۔ جو میں بھیجے گئے تھے۔
وہ کہتا ہے۔
افسوس! میں نہیں جانتا۔
پھر آسمان سے ایک منادی ندا کرتا ہے۔
اس نے جھوٹ کہا اس کے لئے دوزخ کا فرش بچھا دو اور اس کو دوزخ کا لباس پہنا دو اور اس کے لئے دوزخ کی ایک کھڑکی کھول دو پھر اس کے پاس دوزخ کی گرم ہوا اور اس کی تپش آئے گی اور اس پر قبر تنگ کر دی جائے گی۔ حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ایک طرف سے دوسری نکل جائیں گی۔ پھر اس پر اندھا اور گونگا مسلط کر دیا جائے گا۔ ان کے پاس لوہے کا ایک ایسا گرز ہوگا کہ اگر اس کو پہاڑ پر مارا جائے تو وہ پہاڑ مٹی کا ڈھیر ہو جائے پھر اس کو گرز سے مارے گا اور اس کی چیخ کو جن و انس کے سوا تمام مشرق و مغرب والے سنیں گے۔ وہ مردہ مٹی ہو جائے گا اور اس میں اس کی روح پھر لوٹا دی جائے گی۔
(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 4753 بیروت)

روح کا جسم سے ایسے نکلنا جس طرح مشک سے پانی کے قطرے

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازہ میں گئے، ہم قبر تک پہنچے جب لحد بنائی جا رہی تھی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھ گئے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین کرید رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھا کر دو بار یا تین بار فرمایا۔ عذاب قبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو۔
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
جب بندہ مومن کے دنیا سے منقطع ہونے اور آخرت کی طرف روانہ ہونے کا وقت آتا ہے تو سفید چہرے والے فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں گویا کہ ان کے چہروں میں آفتاب ہو ان کے پاس جنت کا کفن اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے وہ

منتہائے بصر تک اس بندہ مومن کے پاس بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت علیہ السلام آ کر اس کے پاس بیٹھ جاتے ہیں۔
اور کہتے ہیں

اے پاکیزہ روح! اللہ عزوجل کی روح! اللہ عزوجل کی مغفرت اور اس کی رضا کی طرف نکل پھر وہ روح جسم سے اس طرح نکلتی ہے جس طرح مشک سے پانی کے قطرے نکلتے ہیں پھر وہ اس روح کو پکڑ لیتا ہے۔ پھر پکڑنے کے بعد پلک جھپکنے کی مقدار بھی اس کو فرشتے نہیں چھوڑتے حتیٰ کہ اس کو کفن میں رکھ دیتے ہیں اور اس میں خوشبو لگا دیتے ہیں اور اس سے مشک سے زیادہ پاکیزہ خوشبو آتی ہے اور روئے زمین پر ایسی خوشبو نہیں ہوتی پھر فرشتے اس روح کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں پھر وہ جن فرشتوں کے پاس گزرتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں۔

یہ کیسی پاکیزہ خوشبو ہے تو دنیا میں اس روح کا جو سب سے اچھا نام لیا جاتا تھا۔ وہ نام ذکر کر کے فرشتے اس روح کا تعارف کراتے ہیں حتیٰ کہ وہ آسمان دنیا پر پہنچ جاتے ہیں پھر اس آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں اور ہر آسمان کے مقرب فرشتے اس کا استقبال کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ ساتویں آسمان پر پہنچ جاتے ہیں۔

تب اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

میرے اس بندہ کا صحیفہ اعمال علیین میں رکھ دو اور اس روح کو زمین پر لوٹا دو۔ کیونکہ میں نے اس کو زمین (مٹی) سے ہی پیدا کیا ہے اور میں اس کو اسی میں لوٹاؤں گا اور اسی سے اس کو دوبارہ اٹھاؤں گا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

پھر اس کی روح دوبارہ اس کے جسم میں لوٹا دی جائے گی پھر اس کے پاس دو فرشتے آ کر اس کو بٹھائیں گے۔

اس سے کہیں گے۔

تمہارا رب عزوجل کون ہے۔

وہ کہے گا۔

میرا رب اللہ عزوجل ہے۔

پھر فرشتے اس سے کہیں گے۔

تمہارا دین کیا ہے؟

وہ کہے گا

میرا دین اسلام ہے۔

پھر فرشتے اس سے کہیں گے۔

یہ شخص کون ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا۔
وہ کہے گا۔
یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔
فرشتے کہیں گے۔
تمہیں ان کا علم کیسے ہوا؟
وہ کہے گا۔
میں نے اللہ عزوجل کی کتاب پڑھی ہے سو میں ان پر ایمان لایا اور ان کی تصدیق کی۔
پھر آسمان سے ایک منادی ندا کرے گا کہ
میرے بندے نے سچ کہا اس کے لئے جنت سے فرش بچھا دو اور اس کو جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لئے جنت کی ایک کھڑکی کھول دو۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
پھر اس کے پاس جنت کی ہوا اور اس کی خوشبو آئے گی اور اس کے لئے قبر میں منتہاء بصر تک وسعت کر دی جائے گی پھر اس کے پاس ایک حسین شخص خوب صورت کپڑے پہنے ہوئے اور اچھی خوشبو لگائے ہوئے آئے گا۔
اور کہے گا
جس دن سے تم کو ڈرایا جاتا تھا آج تمہیں اس دن کی آسانی مبارک ہو۔
وہ بندہ مومن کہے گا۔
تم کون ہو اور تم کتنے حسین چہرے والے ہو۔
وہ شخص کہے گا۔
میں تمہارا نیک عمل ہوں۔
وہ بندۂ مومن کہے گا۔
اے میرے رب عزوجل! ابھی قیامت قائم کر دے تاکہ میں اپنے اہل اور مال کی طرف لوٹ جاؤں گا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اور جب بندہ کافر پر دنیا سے منقطع ہونے اور آخرت کی طرف جانے کا وقت آتا ہے تو آسمان سے سیاہ فام فرشتے اترتے ہیں ان کے پاس سخت موٹا ٹاٹ ہوتا ہے وہ منتہائے بصر تک بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت آکر اس کے سرہانے بیٹھ جاتے

اوراس بندہ کا کافر سے کہتا ہے۔

اے خبیث روح اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اوراس کے غضب کی طرف نکل پھر وہ روح اس کے جسم میں متفرق جگہ بکھر جاتی ہے۔فرشتے اس کی روح کواس کے جسم سے اس طرح کھینچ کر نکالتے ہیں جس طرح بھیگے ہوئے اون سے سلاخ کو کھینچ کر نکالا جاتا ہے۔ملک الموت اس روح کو پکڑ لیتا ہے اور فرشتے اس کو پکڑتے ہی پلک جھپکنے کی مقدار بھی اس کو نہیں چھوڑتے اور فوراً اس کواس موٹے ٹاٹ میں لپیٹ لیتے ہیں۔وہ روح اس کے جسم سے نکلتی ہے تو وہ روئے زمین کی سب سے زیادہ سخت بدبو ہوتی ہے۔وہ اس روح کو لیکر جن فرشتوں کے پاس سے گزرتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں۔

یہ کیسی خبیث روح ہے

توفرشتے بتاتے ہیں

یہ فلاں بن فلاں کی روح ہے اوراس کا وہ نام لیتے ہیں جو دنیا میں اس کا سب سے برا نام تھا۔حتیٰ کہ اس کو لے کر آسمان دنیا پر پہنچتے ہیں اور آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں تو آسمان کا دروازہ نہیں کھولا جاتا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِىْ سَمِّ الْخِيَاطِ (الاعراف:40)

کافروں کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے نہ گزر جاتے۔

پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔

اس کے صحیفہ اعمال کو زمین کے سب سے نچلے طبقہ میں رکھ دو پھر اس روح کو پھینک دیا جائے گا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِىْ بِهِ الرِّيْحُ فِىْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ۝ (الحج:31)

اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے پس وہ گویا آسمان سے گر پڑا۔اب یا تو اس کو پرندے جھپٹ کر لے جائیں گے یا ہوا اس کو کسی دور دراز جگہ پھینک دے گی۔

پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جائے گی اوراس کے پاس دو فرشتے آئیں گے جو اس کو بٹھا دیں گے۔

پس وہ اس سے کہیں گے

تیرا رب کون ہے؟

وہ کہے گا
افسوس! میں نہیں جانتا
پھر وہ اس کو کہیں گے
تیرا دین کیا ہے؟
وہ کہے گا
افسوس! میں نہیں جانتا
پھر وہ کہیں گے
یہ شخص کون ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا
وہ کہے گا
افسوس! میں نہیں جانتا۔

پھر آسمان سے ایک منادی ندا کرے گا اس نے جھوٹ بولا اس کے لئے دوزخ سے فرش بچھا دو اور اس کے لئے دوزخ کی کھڑکی کھول دو۔ پھر اس کے پاس دوزخ کی تپش اور اس کی گرم ہوا آئے گی اور اس پر قبر تنگ ہو جائے گی حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ادھر سے ادھر ہو جائیں گے۔ پھر اس کے پاس ایک بدصورت شخص آئے گا جس کے کپڑے بھی بہت برے ہوں گے اور وہ سخت بدبودار ہوگا۔

وہ کہے گا
تم کو مبارک ہو! آج وہ برا دن ہے جس سے تم کو ڈرایا جاتا تھا۔
وہ کافر کہے گا
تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ کتنا بدصورت ہے۔
وہ کہے گا،
میں تیرا خبیث عمل ہوں
تو وہ کہے گا
اے میرے رب عزوجل! ابھی قیامت قائم نہ کرنا۔
(مصنف عبدالرزاق: رقم الحدیث: 6737 مکتبہ اسلامی بیروت)

مومن کی روح کا قبض کیا جانا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب مومن پر موت کا وقت آتا ہے تو فرشتے اس کے پاس ریشم کے کپڑے میں مشک اور پھولوں کا گلدستہ لاتے ہیں اور اس کے جسم سے روح اس طرح نکالی جاتی ہے جس طرح گندھے ہوئے آٹے سے بال نکالا جاتا ہے۔
اور اس سے کہا جاتا ہے۔
اے نفس مطمئنہ! اپنے رب عزوجل کی طرف نکلو تم اس سے خوش وہ تم سے خوش پھر اس روح کو اس کپڑے میں لپیٹ کر علیین کی طرف لے جاتے ہیں۔
(حلیۃ الاولیاء، ج:3، ص:104 قدیم رقم الحدیث:3410 جدید)
مومن کی روح نکلتے وقت مشک سے زیادہ خوشبودار
حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہا
مومن کی روح جسم سے نکلتی ہے تو مشک سے زیادہ خوشبودار ہوتی ہے جو فرشتے اس مومن پر وفات طاری کرتے ہیں وہ اس کی روح کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں ان کی آسمان کے فرشتوں سے ملاقات ہوتی ہے۔
وہ پوچھتے ہیں۔
تمہارے ساتھ کون ہے؟
وہ بتاتے ہیں کہ
یہ فلاں بن فلاں ہے اور اس کے نیک اعمال بتاتے ہیں۔
وہ کہتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ تم کو بھی زندہ رکھے اور جو تمہارے ساتھ ہے اس کو بھی زندہ رکھے پھر اس روح کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اس مومن کا چہرہ روشن ہو جاتا پھر وہ اپنے رب عزوجل کے سامنے حاضر ہوتا ہے اور اس کا چہرہ آفتاب سے زیادہ روشن ہوتا ہے اور جب کافر کی روح اس کے جسم سے نکلتی ہے تو وہ مردار سے زیادہ بدبودار ہوتی ہے۔ اس پر موت طاری کرنے والے فرشتے اس کو لیکر اوپر چڑھتے ہیں پھر آسمان کے نزدیک ان کی دوسرے فرشتوں سے ملاقات ہوتی ہے۔
وہ پوچھتے ہیں۔
یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟
وہ بتاتے ہیں کہ
یہ فلاں شخص ہے اور اس کے برے اعمال کا ذکر کرتے ہیں۔

کہتے ہیں۔
اس کو واپس لے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا۔
پھر حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی۔
ولا یدخلون الجنۃ حتی یلج الحمل فی سم الخیاط (الاعراف: 40)
اور کافر جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ناکہ سے نہ گزر جائے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ: رقم الحدیث: 12060 دار الکتب العلمیہ بیروت)
ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
جب مومن کی روح جسم سے نکلتی ہے تو دو فرشتے اس کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں۔ اس کی خوشبو مشک کی طرح ہوتی ہے۔
آسمان والے کہتے ہیں۔
پاکیزہ روح ہے زمین کی طرف سے آئی ہے اللہ تعالیٰ تیری مغفرت کرے اور اس جسم کی مغفرت کرے جس میں تو آباد
فرشتہ اس کو اس کے رب عزوجل کے پاس لے جاتا ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
اس کو اس کی آخری مدت تک لے جاؤ۔
اور جب کافر کی روح اس کے جسم سے نکلتی ہے تو سخت بدبودار ہوتی ہے۔
اور آسمان والے کہتے ہیں۔
خبیث روح ہے جو زمین کی طرف سے آئی ہے۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2872 بیروت)

آدم علیہ السلام کو سجدہ جسم میں روح داخل ہونے سے پہلے تھا یا بعد میں

حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے اس وقت سجدہ کرایا گیا جب جسم بنایا گیا اور اس میں روح پھونک دی گئی۔
قرآن مجید میں ہے:
فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ○ (الحجر: 29)
پھر جب میں اس کو (انسانی صورت میں) ڈھال لوں اور اس میں اپنی (پسندیدہ) روح پھونک دوں تو تم سب اس
کے لیے سجدہ میں گر جانا۔
آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم اس وقت ہوا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام میں

روح پھونک دی۔

اور سورہ ص میں بھی اسی طرح فرمایا گیا۔

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ٥ (ص: 72)

سو جب میں اس کو (انسانی صورت میں) ڈھال لوں اور اس میں اپنی (پسندیدہ) روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لئے سجدہ میں گر جانا۔

اس آیت مبارکہ میں فرمایا گیا کہ

جب میں اس کو ڈھال لوں اور اس میں اپنی (پسندیدہ) روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لئے سجدہ میں گر جانا، تو اس سے معلوم ہوا کہ سجدے میں گر جانے کا حکم اس وقت ہے جب روح کو جسم میں پھونک دیا گیا ہو لہٰذا یہ کہنا بجا ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو اس وقت سجدہ کیا جب آدم علیہ السلام میں روح پھونک دی گئی تھی۔

حضرت آدم علیہ السلام کو تمام ملائکہ کا سجدہ کرنا

حضرت آدم علیہ السلام کو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا

قرآن مجید میں ہے:

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ٥ (ص:73)

تو سب کے سب فرشتوں نے اکٹھے سجدہ کیا۔

اس آیت کریمہ میں پہلے فرمایا

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ

فرشتوں نے سجدہ کیا

الملائکۃ جمع کا صیغہ ہے لیکن اگر چند فرشتے سجدہ کر لیتے اور سب فرشتے سجدہ نہ کرتے پھر بھی جمع کے صیغہ کا اطلاق درست تھا۔ اس لئے اس کے بعد کلھم فرمایا تا کہ ظاہر ہو کہ سب فرشتوں نے سجدہ کیا ہے لیکن اگر سب فرشتوں میں سے پہلے کچھ فرشتے سجدہ کرتے اور بعد میں کچھ اور فرشتے سجدہ کرتے اور متفرق اوقات میں سب فرشتے سجدہ کر کے تب بھی یہ بات صادق آتی کہ سب فرشتوں نے سجدہ کیا ہے۔ اس لئے اس کے بعد اجمعون کا لفظ فرمایا تا کہ معلوم ہو کہ سب فرشتوں نے اکٹھے اور ایک وقت سجدہ کیا ہے۔

فرشتوں کا سجدہ زمین پر سر رکھنا تھا یا صرف جھکنا، سر خم کرنا تھا

اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں کو سجدے کا حکم دیا تو کیا یہ سجدہ زمین پر سر رکھنا تھا یا صرف جھکنا اور سر خم کرنا تھا۔ اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی فتاویٰ رضویہ جلد 22 میں فرماتے ہیں۔

علماء کو اختلاف ہے کہ

یہ سجدہ زمین پر سر رکھنا تھا یا صرف جھکنا، سر خم کرنا۔

ابوالشیخ کتاب العظمۃ میں امام محمد بن عباد بن جعفر مخزومی سے راوی

قال كان سجود الملائكة لادم ايماء

(الدر المنثور بحوالہ ابی الشیخ فی العظمۃ عن محمد بن عباد تحت آیہ 34/2 مکتبہ آیۃ العظمیٰ قم ایران 48/1

"آدم علیہ السلام کو سجدہ کو ملائکہ کا سجدہ اشارہ تھا۔

ابن جریر ابن المنذر روابوالشیخ امام عبدالمالک بن عبدالعزیز بن جریج سے تفسیر قولہ تعالیٰ وخرولہ سجدین (اللہ تعالیٰ کے قول الہ سجدا یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین اور ان کے برادر حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے سجدے میں گر گئے۔

راوی

ہمیں حدیث پہنچی کہ یوسف علیہ السلام کو ان کے ماں باپ بھائیوں کا سجدہ سر سے اشارہ کرنا تھا جیسے اہل عجم کے یہاں یہ ہی تحیت تھی جس طرح اب بھی کچھ لوگ کرتے ہیں کہ سلام میں سر جھکاتے ہیں۔

(الدر المنثور: بحوالہ ابن جریر وابن المنذر روابی الشیخ عن ابن جریج)

(تحت آیہ 34/2 مکتبہ آیۃ العظمیٰ قم ایران 38/4)

امام فخر الدین رازی وغیرہ نے محاورات عرب سے اس معنیٰ سجدہ کا اثبات کیا۔ امام بغوی نے معالم التنزیل اور امام خازن لباب میں اسی کو اختیار فرمایا اور قول اول کو ضعیف کیا سجدہ ملائکہ میں فرماتے ہیں۔

"یعنی وہ زمین پر منہ رکھنا نہ تھا صرف جھکنا تھا جب اسلام آیا اسے بھی سلام مقرر کر کے باطل فرمادیا۔"

(معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ 34/2 مصطفیٰ البابی مصر 48/1)

سجدہ یوسف میں فرماتے ہیں۔

یعنی سجدے سے زمین پر پیشانی رکھنا مراد نہیں وہ تو صرف جھکنا اور تواضع کرنا تھا۔

اور بعض نے کہا:

بطور تحیت و تعظیم پیشانی ہی زمین پر رکھی اور یہ اگلی امتوں میں جائز تھا اس شریعت میں منسوخ ہو گیا۔

(معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت 100/12 مصطفیٰ البابی مصر 317/3)

بعینہ یونہی خازن میں ہے۔ دونوں امام جلال الدین نے تفسیر جلالین میں اسی پر اقتصار فرمایا جلال الدین سیوطی سجدہ آدم علیہ السلام میں فرماتے ہیں۔

اور جب ہم نے فرشتوں سے (بطور حکم) فرمادیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو یعنی سجدہ سے بطور تحیت صرف جھکنا

مراد ہے۔

(تفسیر جلالین تحت آیہ 34/2 اصح المطابع دہلی نصف اول ص:8)

سورہ یوسف میں فرماتے ہیں۔

وہ سب حضرت یوسف (علیہ الصلوۃ والسلام) کے لئے سجدہ میں گر گئے یعنی ان کے سامنے جھک گئے نہ کہ پیشانی رکھی اور یہ کارروائی اس زمانے میں ان کی تحیت تعظیم تھی۔

(تفسیر جلالین تحت آیہ 100/12 اصح المطابع دہلی نصف اول:198)

جلال محلی سورہ کہف میں فرماتے ہیں۔

اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا حضرت آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو یعنی ان کے سامنے جھک جاؤ نہ کہ پیشانی رکھو۔

(تفسیر جلالین تحت آیہ 50/18 اصح المطابع دہلی نصف ثانی:247)

اور یہ دونوں حضرات اصح الاقوال کہتے ہیں۔

خطبہ جلالین میں ہے۔

یہ قرآن کریم کی تفسیر کا تکملہ ہے کہ جس کو جلال الدین محلی نے تالیف کیا اسی کی طرف پر سب سے زیادہ راجح قول کرتے ہوئے۔

(تفسیر جلالین، خطبۃ الکتاب: اصح المطابع دہلی ص:4)

تو ان چاروں اکابر کے نزدیک راجح قول دوم ہے کہ محض جھکنا ہے نہ کہ سجدہ معروفہ بعض گروہ دیگر کے نزدیک قول راجح ہے۔

(وبہ اقول او خروا (اور میں یہی کہتا ہوں) (ترجیح قول اول)

اس لئے کہ قرآن مجید میں الفاظ ''قعوا'' اور ''خروا'' ہیں۔

یعنی اس کے لئے سجدہ میں پڑ جاؤ اور اس کے لئے وہ سجدہ میں گر گئے۔

بہر حال خود اختلاف نافی قطعیت ہے نہ کہ ترجیح بھی مختلف۔

(فتاویٰ رضویہ: ج:22، ص:523 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

شیطان کا سجدہ سے انکار اور کافر ہو جانا

اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا تو تمام ملائکہ نے سجدہ کیا مگر شیطان لعین نے سجدہ کرنے سے انکار کیا اور تو کافروں میں سے ہو گیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ○ (بقرہ: 34)

توسب نے سجدہ کیا سوا ابلیس منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا۔

الا ابلیس

تمام فرشتوں نے سجدہ کر لیا لیکن ابلیس اپنی عبادت اور شیطانی توحید کے نشہ میں مست ہو کر اس سجدہ کا انکاری ہو گیا۔

خیال رہے کہ

مردود ہونے سے پہلے اس کا نام عزازیل تھا مگر پھر اس کا نام ابلیس وشیطان منکر ہو گیا۔

''لفظ ابلیس''

بلس سے بنا ہے جس کے معنی

ناامید یا مکار۔

چونکہ شیطان بھی رحمت الٰہی عزوجل سے ناامید ہو چکا اور اس نے مکروفریب کو اپنا پیشہ بنالیا۔ اسے ابلیس کہا جانے لگا۔

لفظ شیطان

شطن سے بنا ہے شطن کے معنی ہیں

دور ہونا

چونکہ یہ بھی رحمت الٰہی عزوجل سے دور ہے اس لئے اس کو شیطان کہا جاتا ہے۔

اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ

ابی اباء سے بنا ہے جس کے معنی ہیں

دیدہ دانستہ بلاوجہ انکار کر دینا

یعنی شیطان نے بلاعذر جان بوجھ کر سجدے سے انکار کر دیا۔ انکار کیوں کیا تکبر کی وجہ سے۔

استکبر استکبار سے بنا ہے جس کے معنی ہیں۔

اپنے آپ کو بڑا سمجھنا

شیطان نے تین وجوں سے اپنے آپ کو حضرت آدم علیہ السلام سے بڑا سمجھا۔

(1) ایک یہ کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں وہ خاک سے۔ آگ خاک سے افضل ہے اور جو افضل سے پیدا ہوا وہ بھی افضل لہٰذا میں آدم علیہ السلام سے افضل۔

(2) دوسرے یہ کہ میں ہزاروں سال عبادت میں مشغول رہا آدم علیہ السلام نے ابھی کوئی عبادت نہیں کی لہٰذا میں ان سے

(3) تیسرے یہ کہ میں نے دنیا میں بڑے بڑے کام انجام دیئے۔ جیسے زمین کو جنات سے خالی کرانا وغیرہ انہوں اب تک کوئی مشقت نہ اٹھائی لہٰذا میں ان سے افضل حق تعالیٰ میری ناقدری کی اور سالہا سال کا حق خدمت برباد کر دیا۔ لئے سجدے سے انکاری ہو گیا۔ انکار کی وجہ دوسری آیت میں مذکور ہے۔

لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ (حجر: 33)

حضرت آدم علیہ السلام کو حقیر اور اپنے آپ کو عزت والا جاننا معلوم ہوا کہ تمام کفروں کی جڑ توہین نبی ہے جو شیطان سے زد ہوا۔

خیال رہے کہ

کفار کے مقابل تکبر عبادت ہے اور نبی کے مقابل تکبر کفر ہے۔ شیطان کا تکبر آخری قسم کا تھا۔ اس لئے کافر ہوا۔

وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ

مفسرین نے اس کے دو معنی کئے ہیں۔

(1) ایک یہ کہ کان، صار کے معنی میں ہے۔

یعنی شیطان انکار کر کے کافروں میں سے ہو گیا۔ یعنی اب تک مومن آج سے اس انکار سے کافر ہوا۔

(2) دوسرے یہ کہ کان اپنے ہی معنی میں ہے یعنی وہ پہلے ہی سے کافروں میں سے تھا یا تو اسے مایوسی ہوئی سجدے کا ا کر گیا۔ اس لئے کہ وہ اللہ عزوجل کے علم میں پہلے ہی کافر تھا۔ اس کی عبادت وغیرہ اللہ عزوجل کے ہاں قبول نہ تھی۔ کا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کافروں کی اور بھی جماعت موجود تھی جن میں آج شیطان بھی داخل ہو گیا سب سرکش جن کا تو تھے۔

خلاصہ

جب حضرت آدم علیہ السلام کا علم تمام پر ظاہر ہو گیا تو تمام فرشتوں کو جن میں شیطان بھی رہتا تھا۔ حکم ہوا کہ تم سب سب آدم علیہ السلام کو تعظیمی سجدہ کرو وہ سب سجدے میں گر گئے لیکن ابلیس لعین سجدے سے انکاری ہوا۔ اپنے آپ کو بڑا جا دل میں سوچنے لگا کہ حق تعالیٰ کا یہ حکم غلط ہے۔ میں بہت بڑا آدم علیہ السلام بہت چھوٹے، چھوٹا بڑے کے سامنے جھک سکتا نہ کہ بڑا چھوٹے کے سامنے، رب عزوجل نے میری ہزار برس کی کوئی قدر نہ فرمائی اور میرا حق نہ پہچانا۔ اس لئے وہ کافروں ہو گیا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل: ص289 تا290 نعیمی کتب خانہ لاہور)

شیطان کی حقیقت

علامہ زبیدی لکھتے ہیں

ابلاس کا معنی ہے۔
اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا۔
اسی لفظ سے ابلیس ماخوذ ہے کیونکہ یہ لعین اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو گیا تھا۔
اس سے پہلے اس کا نام عزازیل تھا۔
(تاج العروس ج:4،ص:111 مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر)
علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:
شیطان آگ سے پیدا کی ہوئی ایک مخلوق ہے۔
قرآن مجید میں ہے:
خَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (رحمن: 15)
اور جن کو خالص آگ کے شعلہ سے پیدا کیا کیونکہ اس میں قوت غضبیہ اور رحمت مذمومہ بہت زیادہ تھی اسی وجہ سے اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔
ابوعبیدہ نے کہا:
جن، انس اور حیوانات میں سے ہر موذی کو شیطان کہتے ہیں۔
(المفردات،ص:261 مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران)
علامہ زبیدی لکھتے ہیں:
جن انسان کی ضد ہے جن کو اس لئے جن کہتے ہیں کہ وہ چھپا ہوا ہوتا ہے
اور نظر نہیں آتا
زمخشری نے کہا:
ملائکہ اور جن ایک نوع ہیں ان میں سے جو خبیث اور متمرد ہیں ان کو جن کہتے ہیں
اور جو طاہر اور نیک ہیں ان کو ملائکہ کہتے ہیں۔
علامہ راغب اصفہانی نے کہا:
جو روحانی مخلوق انسان کے حواس سے مخفی ہے۔اس کی تین قسمیں ہیں۔
(1) جو خیر ہیں وہ فرشتے ہیں
(2) جو شر ہیں وہ شیطان ہیں
(3) جن میں خیر اور شر دونوں ہیں وہ جن ہیں

بعض علماء نے کہا:
ملائکہ اور جن کی مختلف حقیقتیں ہیں۔
ملائکہ نور سے پیدا کئے گئے ہیں۔
اور جنات نار سے پیدا کئے گئے ہیں۔
ملائکہ معصوم ہیں، ان میں توالد اور تناسل نہیں ہوتا اور نہ ان میں مذکر اور مؤنث ہوتے ہیں اور جنات اس کے برخلاف ہیں۔
ابلیس جنات میں سے تھا جیسا کہ قرآن مجید میں صراحتاً مذکور ہے۔
ایک قول یہ ہے:
ابلیس جنات میں اس طرح ہے جس طرح آدم علیہ السلام انسانوں میں ہیں۔
(تاج العروس ج:9،ص:165 مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر)
علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی ابلس کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
سخت خوف کے بعد جو غم طاری ہو اس کو ابلاس کہتے ہیں۔ اسی سے ابلیس ماخوذ ہے۔ کتنی بار ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی شخص کے خلاف بہت دلائل قائم کر دیئے جاتے ہیں تو اس پر سکوت طاری ہو جاتا ہے اور وہ حیران اور پریشان ہو کر بھول جاتا ہے کہ اس کو کیا کہنا ہے اور کیا نہیں کہنا۔ ایسے موقع پر کہا جاتا ہے۔
ابلس فلان
یعنی جب وہ اپنی حجت منقطع ہونے کے بعد خاموش ہو گیا۔
(المفردات ج:1،ص:76 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

شیطان نے سجدہ کیوں نہیں کیا

شیطان لعین کا یہ زعم تھا کہ آگ مٹی سے افضل ہوتی ہے اور وہ آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔ اس لئے وہ حضرت آدم علیہ السلام سے افضل ہے اور افضل کو یہ حکم دینا صحیح نہیں ہے کہ وہ مفضول کو سجدہ کرے اس لئے اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔
ابلیس کا جو زعم تھا کہ آگ مٹی سے افضل ہے اس کا رد اس طرح ہے کہ مٹی آگ سے افضل ہے۔
(1) مٹی آگ پر غالب ہے کیونکہ آگ پر مٹی ڈالنے سے آگ بجھ جاتی ہے اور آگ مٹی کو ختم نہیں کر سکتی۔
(2) مٹی امین ہے مٹی میں بیج دبا دیا جائے تو وہ اس سے درخت اگا کر بیج کو پھر کئی گنا کر کے لوٹا دیتی ہے اور آگ خائن ہے۔ آگ میں جو کچھ ڈالا آگ اس کو بھسم کر دیتی ہے۔

(3) آگ کی طبیعت میں جوش اور غضب ہے اور مٹی کی طبیعت میں سکون اور ثبات ہے۔

(4) مٹی کی طبیعت میں تخلیق اور تکوین کی صلاحیت ہے۔ مٹی سے انسانوں اور حیوانوں کا رزق حاصل ہوتا ہے اور روئی حاصل ہوتی ہے جس سے انسان کو لباس اور زینت فراہم ہوتی ہے۔ اس میں معدنیات ہیں جن سے مختلف آلات اور مشینیں بنتی ہیں اور آگ سے کسی چیز کا حصول نہیں ہوتا بلکہ وہ حاصل شدہ چیزوں کو فاسد اور فنا کر دیتی ہے۔

(5) مٹی سے انسان اپنی رہائش کے لئے گھر بناتا ہے جو اس کو دھوپ اور بارش سے بچاتا ہے اور آگ سے گھر بنتا ہی نہیں بگڑ جاتا ہے اور جل جاتا ہے۔

(6) آگ خود بخود قائم نہیں ہو سکتی اس کو اپنے قیام کے لئے کسی محل اور جگہ کی ضرورت ہے اور وہ محل اور جگہ زمین اور مٹی ہے۔ سو آگ محتاج ہے اور مٹی محتاج الیہ ہے اور محتاج الیہ محتاج سے افضل ہوتا ہے۔

(7) ہر چند کہ آگ سے بعض فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

مثلاً

اس سے کھانا پکانا، روشنی حاصل کرنا، لیکن اس کو کنٹرول کرنا پڑتا ہے۔ کنٹرول نہ کیا جائے تو وہ کھانا جلا دے اور گھر جل کر راکھ ہو جائے سو اس کی خیر میں بھی شر مضمر ہے اور مٹی سراپا خیر ہے۔ اس میں شر بالکل نہیں ہے۔

(8) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مٹی کے بہت فوائد اور منافع بیان فرمائے۔

زمین کے متعلق فرمایا

ہم نے اس کو فراموش بساط اور قرار بنایا ہے اور زمین کے عجائبات میں انسان کو غور و فکر کی دعوت دی ہے اور آگ کا ذکر زیادہ تر ڈرانے دھمکانے اور عذاب دینے کے لئے فرمایا ہے اور مٹی کو اجر و ثواب کا منبع بنایا ہے اور وہ جنت ہے جس میں باغات ہیں اور محلات ہیں اور یہ مٹی کے مثمرات ہیں اور آگ صرف دوزخ میں ہے اور جنت دوزخ سے افضل ہے تو مٹی آگ سے افضل ہوئی۔

(9) مٹی کے لئے یہ فضیلت کافی ہے کہ اس سے اللہ عزوجل کا گھر بنایا گیا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو بنایا گیا ہے اور آگ کے لئے یہ مذمت بہت ہے کہ اس سے شیطان کو بنایا گیا ہے۔

(10) مٹی سے تواضع ہوتی ہے اور آگ سے سرکشی اور تکبر پیدا ہوتا ہے اور جو تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو سربلند کرتا

حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو اللہ تعالیٰ کے لئے ایک درجہ تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ایک مرتبہ بلند پیدا کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے سامنے درجہ تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ایک درجہ نیچے گرا دیتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کو اسفل السافلین میں کر دیتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: 4176 بیروت)

شیطان لعین نے تکبر کیا اور پھر کافر ہو کر تباہ و برباد ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو ناپسند فرماتا ہے اور احادیث مبارکہ میں تکبر کرنے والوں کی سخت وعیدیں آئی ہیں۔

احادیث مبارکہ میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہ ہو گا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 91، بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ عز و جل فرماتا ہے کہ

کبریا میری چادر ہے اور عظمت میرا تہبند ہے جو ان میں کسی ایک کو مجھ سے چھینے گا میں اس کو جہنم میں ڈال دوں گا۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 4174 بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہمیشہ آدمی اپنے آپ کو بڑا سمجھتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کو متکبرین میں لکھ دیا جاتا ہے اور اس کو متکبرین کا عذاب پہنچتا ہے۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2007 بیروت)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ شخص جنت میں داخل ہو جائے گا جو اس حال میں مرا کہ وہ ان تین چیزوں سے بری تھا۔

(1) تکبر

(2) خیانت

(3) قرض

(سنن الترمذی، رقم الحدیث:1578 بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

کیا میں تم کو اہل جنت کی خبر نہ دوں۔ ہر کمزور شخص جس کو بے حد کمزور سمجھا جاتا ہو اگر وہ اللہ عزوجل پر قسم کھالے تو اللہ عزوجل اس کی قسم ضرور پوری کرے گا اور کیا میں تم کو اہل دوزخ کی خبر نہ دوں، ہر سرکش اکڑ کر چلنے والا متکبر۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث:6657 بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

متکبروں کو قیامت کے دن مردوں کی صورت میں چیونٹی کی جسامت میں جمع کیا جائے گا۔ ان کو ہر طرف سے ذلت ڈھانپ لے گی ان کو دوزخ کے قید خانہ کی طرف ہنکایا جائے گا جس کا نام بولس ہے۔ اس میں آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہوں گے۔ ان کو دوزخیوں کی پیپ پلائی جائے گی۔

(سنن الترمذی، رقم الحدیث:2492)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت نعیم بن ہماز انعطفانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیسا برا بندہ ہے وہ بندہ جو بڑا بنے اور تکبر کرے اور الکبیر المتعال (اللہ تعالیٰ جو حقیقتاً سب سے بڑا ہے) کو بھول جائے اور کیسا برا بندہ ہے وہ بندہ جو دین کے بدلہ میں دنیا لے اور کیسا برا بندہ ہے وہ بندہ جو لہو و لعب میں وقت گزارے اور قبروں کو اور جسم کے بوسیدہ ہونے کو بھول جائے اور کیسا برا بندہ ہے وہ بندہ جو شبہات سے حرام کو حلال کرے اور کیسا برا بندہ ہے جو بندہ جس کو خواہش (نفس) گمراہ کر دے اور کیسا برا بندہ ہے وہ بندہ جو اس چیز میں رغبت کرے جو اس کو ذلیل کر دے۔

(سنن الترمذی، رقم الحدیث:2456 بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

روئے زمین پر کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ جو اس حال میں مرے کہ اس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو مگر اللہ عزوجل اس کو دوزخ میں (داخل) کر دے گا۔ جب حضرت عبداللہ بن قیس انصاری نے یہ روایت سنی تو وہ رونے لگے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

اے عبداللہ بن قیس تم کیوں رو رہے ہو؟

انہوں نے عرض کیا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی وجہ سے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تمہیں مبارک ہو، تم جنت میں ہو گے۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اس میں انہوں نے جہاد کیا اور شہادت پائی۔ آپ نے پھر اس حدیث کو تین بار دہرایا۔

انصار میں سے ایک شخص نے کہا:

یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں جمال سے محبت کرتا ہوں۔ میں تلوار حمائل کرتا ہوں اور میلے کپڑے دھوتا ہوں، اپنی جوتی اور اس کے تسموں کو حسین بناتا ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میری مراد یہ نہیں ہے۔ تکبر حق کا انکار کرتا ہے اور لوگوں کو حقیر جانتا ہے۔

اس نے کہا:

یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! حق کے انکار کرنے اور لوگوں کو حقیر جاننے کا کیا معنی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حق کا انکار یہ ہے کہ تمہارا کسی شخص پر مال ہو وہ اس کا انکار کر دے

اور کہے کہ

اس کے اوپر کوئی حق نہیں ہے پھر کوئی شخص اس کو اللہ عزوجل سے ڈرنے کا حکم دے تو وہ اس کا انکار کر دے اور لوگوں کو حقیر جاننا یہ ہے کہ ایک شخص ناک چڑھا کر آئے اور جب وہ پس ماندہ اور فقراء لوگوں کو دیکھے تو ان کو سلام نہ کرے اور ان کو بے وقعت جان کر ان کے پاس نہ بیٹھے۔ پس وہ شخص ہے جو لوگوں کو حقیر جانتا ہے۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنے اور جوتی کی مرمت کی اور دراز گوش پر سوار ہوا اور نوکر جب بیمار ہوں تو ان

ت کی اور بکری کا دودھ دوھا تو وہ تکبر سے بری ہو گیا۔

(المطالب العالیہ رقم الحدیث:2675)

تکبر کا معنی بیان کرتے ہوئے امام راغب اصفہانی متوفی 502ھ فرماتے ہیں۔

دل میں اپنے آپ کو دوسروں سے اچھا اور بڑا سمجھنے کی وجہ سے انسان کو جو حالت حاصل ہوتی ہے اس کو تکبر کہتے ہیں۔

اور سب سے بڑا تکبر یہ ہے کہ

انسان اللہ عزوجل کے سامنے تکبر کرے اور حق کو ماننے اور قبول کرنے سے انکار کرے اور عبادت کرنے سے عار محسوس کرے اگر انسان بڑائی کو حاصل کرنے کے لئے تگ و دو کرے تو یہ محمود ہے اور اگر انسان اپنی بڑائی ظاہر کرے اور اس میں وہ اوصاف نہ ہوں تو یہ مذموم ہے۔

(المفردات ج:2،ص:545 مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

وہ تکبر کرتے ہیں۔

اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو افضل الخلق سمجھتے ہیں اور ان کو وہ اختیار حاصل ہے جو ان کے غیر کو حاصل نہیں ہے اور کبر صرف اللہ عزوجل کو زیبا ہے کیونکہ وہی ایسی قدرت اور ایسی فضیلت کا مالک ہے جو کسی اور کے لئے ممکن نہیں ہے۔ اس لئے وہی متکبر کی صفت کا مستحق ہے۔

بعض علماء نے یہ کہا کہ

تکبر کی تعریف یہ ہے کہ

انسان دوسروں پر اپنی بڑائی ظاہر کرے اور تمام بندوں کے حق میں تکبر کی صفت مذموم ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق میں تکبر کی صفت محمود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات کا مستحق ہے کہ وہ دوسروں پر اپنی بڑائی ظاہر فرمائے اور اس کے لئے یہ حق ہے اور دوسروں کے لئے باطل ہے۔

(تفسیر کبیر ج:5،ص:366 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تو ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ تکبر ہلاک کر دیتا ہے اور اسے گمراہ کر دیتا ہے اس لئے شیطان لعین نے تکبر کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور اس نے یہ سمجھا کہ میں آدم (علیہ السلام) سے افضل ہوں۔ شیطان کا یہ تکبر تھا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو حقیر جانا اور ان کو سجدہ کرنے سے انکار کیا شیطان نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو برا جانا کیونکہ اس کے خیال میں وہ حضرت آدم علیہ السلام سے افضل تھا اور افضل کو مفضول کی تعظیم کا حکم دینا برا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو برا جاننا کفر ہے اسی لئے اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو برا جانا اور تکبر کر کے کافر ہو گیا۔

اور دوسری وجہ وہی جو بیان کی کہ آگ مٹی سے افضل ہوتی ہے اور وہ آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام

مٹی سے پیدا کیئے گئے ہیں۔اس لئے وہ حضرت آدم علیہ السلام سے افضل ہے اور افضل کو یہ حکم دینا صحیح نہیں کہ وہ مفضول کو سجدہ کرے اس لئے اس شیطان لعین نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

ابلیس کا یہ زعم صحیح نہیں ہے کہ

آگ مٹی سے افضل ہے لیکن اگر بالفرض اس کا یہ زعم صحیح بھی ہو تو کسی مرکب کے تحقق کی چار علتیں ہوتی ہیں۔

(1) علت مادی

(2) علت صوری

(3) علت فاعلی

(4) علت غائی

اور مادہ کے علاوہ بقیہ تین علتوں کی وجہ سے بہر حال حضرت آدم علیہ السلام افضل ہیں۔

علت صوری کے اعتبار سے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

خلق الله آدم على صورته

(صحیح البخاری رقم الحدیث:6267)

آدم (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صورت پر پیدا کیا۔

اور علت فاعلی سے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ

ساری کائنات کو اللہ تعالیٰ نے صرف لفظ ''کن'' سے بنایا اور حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے بنایا۔

ارشاد فرمایا

خَلَقْتُ بِيَدَيَّ (ص: 75)

جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔

اور علت غائی کے اعتبار سے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنی خلافت اور نیابت کے لئے بنایا

اور ارشاد فرمایا

اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (البقرہ: 30)

بے شک میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں۔

ان دلائل سے واضح ہو گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام ہر اعتبار سے شیطان لعین سے افضل تھے اور ان کا انا خیر منہ کہنا بے جا اور جھوٹا تکبر تھا اور جب اس نے تکبر کیا تو ہلاک ہوا۔

شیطان جن تھا یا فرشتہ

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

جمہور کے قول کے مطابق شیطان فرشتوں میں سے تھا۔

حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، ابن جریج، ابن المسیب اور قتادہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کا یہی مختار ہے۔ امام ابوالحسن اشعری کا بھی یہی نظریہ ہے۔ امام ابن جریر طبری نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

ابلیس کا نام عزازیل تھا اور یہ معزز فرشتوں میں تھا اور چار پروں والا تھا۔ اس کے بعد یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کر دیا گیا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

یہ فرشتوں کی عمدہ قسم میں شامل ہوتا تھا۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا:

کچھ ملائکہ نار (آگ) سے پیدا کئے گئے تھے۔ ابلیس بھی انہی میں سے تھا۔ اور باقی ملائکہ کو نور سے پیدا کیا گیا۔

ابن زید، حسن اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ابلیس ابوالجن ہے جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں اور وہ فرشتہ نہیں ہے۔

اور اس کا نام "حارث" ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت بھی اسی طرح ہے۔

شہر بن حوشب اور بعض اصولیین نے یہ کہا کہ

ابلیس ان جنوں میں سے تھا جو زمین پر رہتے تھے فرشتوں نے ان سے قتال کیا اور کم عمری میں اس کو قید کر لیا۔ اس نے فرشتوں کے ساتھ عبادت کی۔ اس وجہ سے اس کو فرشتوں کے ساتھ مخاطب کیا گیا۔

اس قول کو امام ابن جریر نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

اس بناء پر یہ استثناء منقطع ہوگا۔

جن صحابہ کرام علیہم الرضوان کا یہ نظریہ ہے کہ

ابلیس فرشتہ نہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ

ابلیس نے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کی تھی اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی نہیں کرتے۔

قرآن مجید میں ہے:

لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○ (التحریم: 6)

وہ اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

اور اس آیت میں صاف تصریح کی ہے کہ ابلیس جن تھا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ (الکهف: 50)

ابلیس کے سواسب فرشتوں نے سجدہ کیا وہ جنوں میں سے تھا سو اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔

ثعلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

ابلیس فرشتوں کے اس قبیلہ میں سے تھا جس کو جن کہا جاتا ہے ان کو دھوئیں والی آگ سے پیدا کیا گیا تھا اور فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا تھا۔

اس کا نام سریانی زبان میں ''عزازیل'' اور عربی میں ''حارث'' ہے۔ یہ جنت کے خازنوں میں سے تھا اور آسمان دنیا کے فرشتوں کا سردار تھا۔ آسمان اور زمین پر اس کی سلطنت تھی۔ علم اور عبادت میں اس کی کوشش سب فرشتوں سے زیادہ تھی۔ آسمان سے زمین تک کے معاملات کا یہ محافظ اور منتظم تھا۔ ان امور کی وجہ سے یہ اپنا شرف اور مرتبہ سب سے زیادہ سمجھتا تھا۔ اس زعم نے اس کو کفر پر برانگیختہ کیا۔ سو اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اس کو شیطان رجیم اور راندہ درگاہ قرار دیا۔

(الجامع الاحکام القرآن ج:1، ص:294 تا 295 مطبوعہ انتشارات ایران)

جمہور مفسرین یہ کہتے ہیں کہ

ابلیس ملائکہ میں سے تھا۔

ان کی دلیل سورہ بقرہ کی یہ آیت ہے۔

''اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سواسب نے سجدہ کیا۔''

ابلیس کو حکم اس وقت ہوگا جب وہ فرشتہ ہو کیونکہ اس آیت میں سجدہ کا حکم فرشتوں کو دیا گیا ہے۔

اور جو علماء یہ کہتے ہیں کہ

ابلیس فرشتہ نہیں تھا وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ

ابلیس جن تھا لیکن وہ فرشتوں کے درمیان چھپا رہتا تھا۔ اس لئے بطور تغلیب وہ بھی فرشتوں میں داخل تھا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ
جنوں کو بھی سجدہ کرنے کا حکم تھا لیکن فرشتوں کے ذکر کے بعد ان کے ذکر کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ جب ان اکابر کو کسی کی تعظیم کرنے کا حکم دیا جائے تو اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اصاغر کو اس کی تعظیم کا یہ طریق اولیٰ حکم ہے۔ امام ابن جریر طبری، علامہ قرطبی، امام رازی، قاضی بیضاوی، علامہ ابوالحیان اندلسی اور علامہ آلوسی وغیرہ کی تحقیق یہ ہے کہ
''ابلیس ملائکہ'' میں سے تھا۔
اس کے برخلاف علامہ سیوطی، علامہ نسفی، علامہ زمخشری بعض دیگر مفسرین اور متکلمین کی تحقیق یہ ہے کہ
ابلیس جن تھا اور قرآن مجید کی ظاہر آیات اسی کے موافق ہیں۔
علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:
ابلیس جن تھا۔ اس نے اپنے رب عزوجل کے حکم کی نافرمانی کی لیکن چونکہ وہ فرشتوں کی طرح عبادت گزار تھا اور ان میں رہتا تھا اس لئے اس کو بھی تغلیباً فرشتوں میں شامل کر کے سجدہ کا حکم دیا گیا تھا۔
(شرح عقائد ص:99 مطبوعہ محمد سعید تاجران کتب کراچی)
ابلیس کے جن ہونے پر حسب ذیل دلائل قائم کیے گئے ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
كَانَ مِنَ الْجِنِّ (الکهف: 50)
اس آیت کریمہ میں جن ہونے کی تصریح ہے۔
(2) فرشتوں کی نسل نہیں چلتی اور ابلیس کی نسل ہے۔
قرآن مجید میں ہے:
اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ (الکهف: 50)
کیا تم شیطان اور اس کی اولاد کو دوست بناتے ہیں۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف جو یہ منسوب ہے کہ
فرشتوں کی ایک نوع میں توالد ہوتا ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔
(نبراس ص:461)
(3) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا
لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ (التحریم: 6)
فرشتے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے۔
اور ابلیس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمان کی۔

(4) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا۔
(صحیح مسلم: ج:2،ص:413 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)
اور قرآن مجید میں تصریح ہے کہ شیطان کو نار سے پیدا کیا گیا ہے۔
اور جو علماء شیطان کو فرشتہ قرار دیتے ہیں وہ ان تین آیات کریمہ اور اس حدیث میں تاویل کرتے ہیں اور جو ابلیس کو جن قرار دیتے ہیں وہ صرف "فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبْلِيْسَ" (بقرہ:34)
میں تاویل کرتے ہیں یا اس استثناء کو منقطع قرار دیتے ہیں اور زیادہ آیتوں میں تاویل کرنے کی بہ نسبت ایک آیت میں تاویل کرنا اولیٰ ہے۔
ایک اور سوال یہ ہے کہ
امام طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے۔
اس میں ہے۔
حضرت جبرائیل علیہ السلام اور رور ہے تھے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اے جبرائیل (علیہ السلام)! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اتنا بڑا مقام دیا ہے اور پھر بھی تم رو رہے ہو۔
حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:
میں کیوں نہ روؤں میں رونے کا زیادہ حق دار ہوں، ہوسکتا ہے کہ اللہ عزوجل کے علم میں میرا یہ مقام نہ ہو جس پر میں فائز ہوں۔
اور ہوسکتا ہے کہ
مجھے اس طرح آزمائش میں ڈالا گیا ہو جس طرح ابلیس کو آزمائش میں ڈالا گیا تھا۔ بے شک وہ بھی فرشتوں میں سے تھا۔
(جامع الاحادیث الکبیر ج:12،ص:31 مطبوعہ دالفکر بیروت)
اس حدیث مبارکہ میں یہ تصریح کی ہے کہ
ابلیس فرشتوں میں سے تھا۔
اس کا جواب یہ ہے کہ
اس حدیث کا ایک راوی متروک ہے جیسا کہ اس حدیث کے آخر میں لکھا ہے۔
خلاصہ یہ ہے کہ

ابلیس کے جن یا فرشتہ ہونے میں اختلاف ہے لیکن اس کے جن ہونے پر زیادہ دلائل قائم ہیں اور فرشتہ ہونے پر صرف اس آیت میں استثناء متصل سے استدلال کیا گیا ہے اور اس استثناء میں یا تاویل کی جائے گی یا اس کو استثناء منقطع پر محمول کیا جائے گا۔

شیطان جنات سے تھا

ابلیس جنات میں سے تھا جیسا کہ قرآن مجید میں صراحتاً مذکور ہے۔

ایک قول یہ ہے:

ابلیس جنات میں اس طرح ہے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام انسانوں میں ہیں۔

(تاج العروس ج:9،ص:165 مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر)

تفسیر نعیمی میں ہے۔

اس میں محققین کا اختلاف ہے کہ شیطان کی حقیقت کیا ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ

وہ فرشتہ نہ تھا تو سجدے کے حکم میں کیونکر داخل ہوتا رہا۔

قرآن کریم میں اس کو جن فرمانا کہ

كَانَ مِنَ الْجِنِّ

اس کے معنی ہیں چھپا ہوا یا تو وہ انسانوں کی نگاہ سے چھپا رہتا ہے اور فرشتے بھی اس کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اس لئے اسے جن کہا گیا۔

بعض فرماتے ہیں کہ

جن بھی فرشتے ہیں۔ بعض اطاعت کرنے والوں کو ملک کہا گیا،

نافرمانوں کو جن لیکن یہ دونوں قول ضعیف ہیں۔

حق یہی ہے کہ

شیطان جنات میں سے بھی ہے اور جنات کی حقیقت اور ہے اور فرشتوں کی اور اس لئے کہ جنات کی پیدائش نار سے ہے

وہ خود کہتا ہے۔

خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ (اعراف: 21)

اور دوسری جگہ فرمایا گیا ہے۔

اَلْجَانَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (حجر: 27)

نیز فرمایا گیا۔

وَ خَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (الرحمن: 15)

اور فرشتے نوری ہیں جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔

نیز

شیطان کی ذریت اور اولاد ہے فرشتے اس سے پاک ہیں کیونکہ ان میں کوئی نر و مادہ ہے ہی نہیں۔ یہ دونوں باتیں قرآن کریم میں ثابت ہیں۔

نیز

فرشتے معصوم ہیں اور شیطان نابکار بدکاروں کا سردار

قرآن کریم فرشتوں کے بارے میں فرماتا ہے۔

لَا یَعْصُوْنَ اِلَّا مَا اَمَرَهُمْ (التحریم: 6)

نیز

فرشتے اللہ عزوجل کے رسول ہیں اور شیطان اور جنات میں یہ بات نہیں۔ ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جن فرشتوں کی علیحدہ علیحدہ حقیقتیں ہیں اور شیطان جنات میں سے ہیں مگر اپنی عبادت اور تقویٰ کی وجہ سے چونکہ فرشتوں میں ا تھا اس لئے سجدہ کے حکم میں وہ بھی شامل ہو گیا۔

(تفسیر نعیمی پارہ اوّل ص: 289 نعیمی کتب خانہ لاہور)

کیا شیطان نے توبہ کی تھی

تفسیر عزیزی میں اس جگہ ہے کہ

ایک بار شیطان نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑے مقبول ہیں میری شفاعت فرما دیجئے کہ حق تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی۔

حکم الٰہی عزوجل ہوا کہ آپ کی شفاعت قبول اور شیطان کی توبہ قبول ہے مگر شرط وہی پہلی ہے کہ آدم علیہ السلام کی قبر کو سجدہ کرے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شیطان کو خبر دی۔

اس نے جواب دیا کہ

جب میں نے زندہ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ نہ کیا تو مردے کو کیا سجدہ کروں مگر اے موسیٰ (علیہ السلام) تمہاری شفاعت کا مجھ پر احسان ہے اس لئے میں آپ کو ایک فائدے کی بات بتاتا ہوں کہ میں تینوں وقتوں میں آدمی کو بہت خراب کرتا ہوں۔

(1) ایک غصے کی حالت میں کہ اس وقت میں بجائے خون کے اس کے جسم میں دوڑتا ہوں اور جو چاہتا ہوں اس سے کراتا ہوں۔

(2) دوسرا جہاد کی حالت میں کہ نمازی کو گھر بار یاد دلا کر جہاد سے روکتا ہوں۔

(3) تیسرے غیر عورت کے ساتھ خلوت کی حالت میں کہ زنا کرا دیتا ہوں۔

روح البیان میں اسی جگہ فرمایا:

اللہ تعالیٰ شیطان کو ایک لاکھ برس جہنم میں رکھ کر وہاں سے نکالے گا۔

اور فرمائے گا کہ

تو اب بھی (حضرت) آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کر لے۔ وہ انکار کرے گا اور وہ دوزخ میں واپس کر دیا جائے گا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل ص:289 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رہنے کا حکم

جب تمام ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا اور شیطان لعین نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رہنے کا حکم دیا۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَ قُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۝ (بقرہ: 35)

اور ہم نے فرمایا! اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور اس جنت میں سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ اور اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم حد سے بڑھنے والوں میں شمار ہو گے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد جنت میں رکھا گیا۔

جنت کا مقام کہاں ہے

جنت کس جگہ واقع ہے اس میں علماء کی مختلف آراء ہیں۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

جنت کے متعلق فرمایا گیا اس کو قریب کر دیا گیا ہے اور دوزخ کے متعلق فرمایا گیا اس کو ظاہر کر دیا گیا ہے یعنی اس کو دکھایا گیا

اس کا معنی یہ ہے کہ

جنت اہل محشر کے قریب ہوگی اور دوزخ کو دور سے دکھایا جائے گا۔

ابن کمال نے یہ کہا ہے:

جنت کی جگہ ارض محشر سے بہت دور ہے۔اس لئے فرمایا اس کو متقین کے قریب کر دیا گیا اور دوزخ کی جگہ ارض محشر کے قریب ہے۔اس لئے فرمایا اس کو ظاہر کر دیا گیا۔

ایک قول یہ ہے:

یہ مشہور قول پر مبنی ہے کہ جنت آسمان میں ہے اور دوزخ زمین میں ہے اور قیامت کے دن جب زمین کو پھیلایا جائے گا اس کی گولائی کو ختم کر کے اس کو پھیلا دیا جائے گا کیونکہ قرب اور بعد کا معاملہ اسی وقت ظاہر ہو سکتا ہے۔

اور یہ امر واضح رہے کہ

جنت کا آسمان میں ہونا ان امور سے ہے جن پر اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے اور اس میں ان کا کوئی قابل ذکر اختلاف نہیں ہے لیکن دوزخ کے زمین کے نیچے ہونے میں توقف ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے اتمام الدرایہ میں کہا ہے:

ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ جنت آسمان میں ہے اور دوزخ کے متعلق ہم توقف کرتے ہیں۔دوزخ کس جگہ پر ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔اس باب میں مجھے کوئی ایسی حدیث نہیں ملی کہ جس پر مجھے اعتماد ہو۔

اور ایک قول یہ ہے:

دوزخ زمین کے نیچے ہے۔علامہ سیوطی کا کلام ختم ہوا۔

زمین کو پھیلا کر اس کی گولائی کو ختم کر دینا یہ بعض کا قول ہے۔

امام قرطبی نے التذکرہ میں بکثرت احادیث مبارکہ کو نقل کرنے کے بعد یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ ایک اور زمین کو پیدا کرے گا جو چاندی کی ہوگی اور سفید ہوگی جس پر کوئی ناحق خون نہ بہایا گیا ہوگا نہ کوئی ظلم کیا گیا ہوگا اور ارض محشر سے دوزخ کے قریب ہونے اور جنت کے بعید ہونے کے متعلق اولیٰ یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ پل صراط کو عبور کرنے کے بعد جنت تک رسائی ہوگی اور پل صراط دوزخ کی پشت پر رکھا ہوا ہے۔

جیسا کہ احادیث میں تصریح ہے۔

پس پہلے دوزخ تک پہنچنا ہوگا پھر پل صراط کو عبور کرنے کے بعد جنت تک رسائی ہوگی اور یہ دوزخ کے قریب ہونے اور جنت کے بعید ہونے پر واضح دلیل ہے۔پھر اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنت کو اس کی اصل جگہ سے ارض محشر کی طرف منتقل کیا جائے گا کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے اور جنت متقین کے قریب کر دی گئی اور احادیث مبارکہ میں جنت کو منتقل

ہے۔ ہاں احادیث میں دوزخ کو نقل کرنے کا ذکر ہے۔
کیونکہ التذکرہ میں ہے۔
امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ
اس دن دوزخ کو لایا جائے گا اس کے ساتھ ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے اور اس کا معنی یہ ہے کہ دوزخ کو اس کی اصل جگہ سے لایا جائے گا۔
بہرحال اس آیت (الشعراء 90 تا 91) کا تقاضہ یہ ہے کہ
قیامت کے دن جنت کو متقین کے لئے ارض محشر کے قریب لایا جائے گا اور دوزخ کو دکھایا جائے گا۔
علامہ قرطبی نے اس آیت کی یہ توجیہ کی ہے کہ
دوزخ کی پشت پر پل صراط کو بچھا دیا جائے گا سو پہلے دوزخ سے گزر ہو گا اور پھر جنت تک رسائی ہو گی۔
(روح المعانی ج:9،ص:151 تا 152 مطبوعہ دارالفکر بیروت)
میں کہتا ہوں کہ حدیث میں یہ تصریح ہے کہ
جنت آسمانوں کے اوپر اور عرش کے نیچے ہے۔
حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جنت میں سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین میں فاصلہ ہے اور فردوس جنت کا سب سے بلند درجہ ہے اور اس سے جنت کی۔ چار نہریں نکلتی ہیں اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے پس جب اللہ سے سوال کرو تو اس کا سوال کرو۔
(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2531)

جنتوں میں پاکیزہ رہائش گاہیں

جنت وہ مقام ہے جہاں جنتی ہمیشہ جنت میں رہے گا۔
اس کے متعلق کئی احادیث مبارکہ ہیں۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے "مسکن طیبۃ فی جنات عدن" کے متعلق سوال کیا گیا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
موتیوں کا ایک محل ہے۔ اس میں سرخ یاقوت کی ستر حویلیاں ہیں ہر حویلی میں سبز زمرد کے ستر گھر ہیں۔ ہر گھر میں ستر

تخت ہیں۔ ہر تخت پر ہر رنگ کے ستر بستر ہیں۔ ہر بستر پر بڑی آنکھوں والی ایک گوری بیوی ہے۔ ہر گھر میں ستر دستر خوان ہیں ہر دستر خوان پر ستر قسم کے کھانے ہیں۔ ہر گھر میں ستر خدمت گار ہیں اور ہر مومن کو ہر صبح اتنی قوت دی جائے گی کہ وہ ان تمام چیزوں کو صرف کر دے۔

(جامع البیان: ج:10، ص:229)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دو جنتیں چاندی کی ہیں۔ ان کے برتن اور ان میں جو کچھ ہے وہ چاندی کا ہے اور دو جنتیں سونے کی ہیں۔ ان کے برتن ان میں جو کچھ ہے وہ سونے کا ہے۔ لوگوں کے اور ان کے درمیان صرف کبریائی کی چادر ہے جو اللہ عزوجل کے چہرہ پر جنت عدن میں ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:4878)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن قیس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مومن کے لئے جنت میں کھوکھلے موتیوں کا ایک خیمہ ہے جس کا طول ساٹھ میل ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:488)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جنت میں سو درجے ہیں۔ ہر دو درجوں میں زمین و آسمان جتنا فاصلہ ہے اور فردوس ان میں سب سے بلند درجہ ہے۔ اس سے جنت کے چار دریا نکلتے ہیں اور اس کے اوپر عرش ہے۔ پس جب تم اللہ عزوجل سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث:2530)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو پہلا گروہ جنت میں داخل ہوگا اس کی صورت چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوگی پھر جوان کے قریب ہوں

نے کی کنگھی ہوگی اوران کا پسینہ مشک کی طرح ہوگا ان کی انگیٹھیوں میں عود سلگتا ہوگا۔ان کی بیویاں بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی۔ان سب کی تخلیق ایک شخص کی طرح ہوگی وہ سب اپنے باپ (حضرت) آدم علیہ السلام کی صورت پر ہوں گے جن کا قد آسمان میں ساٹھ گز کے برابر ہوگا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:3327)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اہل جنت میں سے ادنیٰ شخص وہ ہوگا جس کے اسی ہزار خادم ہوں گے اور اس کی بہتر (72) بیویاں ہوں گی اور اس کے لئے موتی، زمرد اور یاقوت کا اتنا بڑا گنبد بنایا جائے گا جتنی جابیہ اور صنعاء میں مسافت ہے۔

(سنن الترمذی، رقم الحدیث:2562)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ منبر پر کہا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا، جنت میں سب سے کم درجہ کس شخص کا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وہ ایک شخص ہوگا جو تمام جنتیوں کے جنت میں داخل ہونے کے بعد جنت میں جائے گا۔

اس سے کہا جائے گا۔

جنت میں چلے جاؤ۔

وہ شخص کہے گا۔

اے میرے رب عزوجل! میں جنت میں کہاں جاؤں، جنت کے محلات اور مناصب پر تو لوگوں نے پہلے ہی قبضہ کر لیا ہے۔

اس سے کہا جائے گا۔

کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تم کو جنت میں اتنا علاقہ مل جائے جتنا دنیا میں کسی بادشاہ کے ملک کا علاقہ ہوتا ہے۔

وہ شخص عرض کرے گا۔

اے میرے رب عزوجل! میں راضی ہوں۔

اللہ عزوجل ارشاد فرمائے گا۔

جاؤ! یہ علاقہ لے لو اور اس کا پانچ گنا علاقہ اور لے لو اور اس کے علاوہ وہ چیز بھی لے لو جو تمہارے دل کو پسند آئے اور تمہاری آنکھوں کو اچھی لگے۔

وہ شخص کہے گا۔

اے رب عزوجل! میں راضی ہوں۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا:

اور جن لوگوں کا جنت میں سب سے بڑا درجہ ہوگا وہ کون لوگ ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

یہ وہ گروہ ہے جس کو میں نے پسند کرلیا اور ان کی عزت و کرامت پر میں نے مہر لگادی۔ ان کو وہ نعمتیں ملیں گی جن کو کسی آنکھ نے نہ دیکھا نہ کسی کان سے سنا اور نہ کسی کے ذہن میں اس کا تصور آیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان نعمتوں کی تصدیق قرآن مجید کی اس آیت میں ہے۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ (السجدہ: 17)

کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے لئے کیا کیا نعمتیں چھپائی ہوئی ہیں۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 189)

جنت الفردوس سب سے افضل مقام

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا

فردوس سب سے بلند، متوسط، سب سے اعلیٰ اور افضل جنت ہے۔

حضرت ابوامامہ باہلی نے کہا:

فردوس جنت کی ناف ہے۔

کعب نے کہا:

جنتوں میں جنت الفردوس سے اعلیٰ کوئی جنت نہیں ہے۔

اس میں نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہوں گے۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اور اس نے نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے اللہ عزوجل پر حق ہے کہ اس کو جنت میں داخل کردے۔ خواہ اس نے اللہ عزوجل کی راہ میں ہجرت کی ہو یا اپنے گھر میں بیٹھا رہا جس گھر میں وہ پیدا ہوا ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم لوگوں کو اس کی خبر دیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جنت میں سو درجے ہیں جن کو اللہ عزوجل نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لئے تیار کیا ہے۔ ہر دو درجوں کے درمیان زمین اور آسمان جتنا فاصلہ ہے پس جب تم اللہ عزوجل سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا متوسط اور سب سے بلند درجہ ہے۔ اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کے دریا جاری ہوتے ہیں۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: 7423)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جنت میں سو درجے ہیں۔ ہر دو درجوں کے درمیان آسمان اور زمین جتنا فاصلہ ہے اور فردوس جنت کا سب سے بلند درجہ ہے اور اس کے اوپر عرش ہے۔ پس جب تم اللہ عزوجل سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو۔

(سنن الترمذی، رقم الحدیث: 2531)

جنت کے سو درجے

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جنت میں سو درجے ہیں اور اس کے کسی ایک درجے میں تمام جہان سما سکتے ہیں۔

(سنن الترمذی، رقم الحدیث: 2532)

جنت میں داخل ہونے کی صورت چودھویں رات کے چاند کی طرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو گروہ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا اس کی صورت چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوگی۔ اس میں وہ نہ تھوکیں

گے نہ ان کو رینٹ آئے گی اور نہ ہی وہ پاخانہ کریں گے۔ ان کے برتن سونے کے ہوں گے اور ان کی کنگھیاں سونے اور چاندی کی ہوں گی۔ ان کی انگیٹھیاں اگر کی ہوں گی۔ ان کا پسینہ مشک ہوگا۔ ان میں سے ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی۔ ان کے حسن کے سبب سے ان کی ہڈیوں کا گودا گوشت کے پار سے دکھائی دے گا۔ ان میں کوئی اختلاف نہ ہوگا نہ بغض ہوگا۔ ان سب کے دل ایک طرح ہوں گے۔ وہ صبح اور شام اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں گے۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2537)

جنت میں عمر

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اہل جنت، جنت میں اس حال میں ہوں گے کہ ان کے چہروں اور جسموں پر بال نہیں ہوں گے اور ان کی عمر تیس یا تینتیس سال ہوگی۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2545)

اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی۔ ان میں سے اسی صفیں اسی امت کی ہوں گی اور چالیس صفیں باقی امتوں کی ہوں گی۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2546)

اہل جنت کو اللہ تعالیٰ کا دیدار

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ (یونس: 26)

جن لوگوں نے نیک کام کئے ان کے لئے اچھا اجر ہے اور زیادہ بھی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب اہل جنت، جنت میں داخل ہوں گے تو ایک منادی ندا کرے گا، تمہارے لئے اللہ عزوجل کے پاس ایک وعدہ ہے۔ وہ کہیں گے۔

کیا، اللہ عزوجل نے ہمارا چہرہ سفید نہیں کیا، کیا اس نے ہم کو دوزخ سے نجات نہیں دی اور ہم کو جنت میں داخل نہیں کیا۔

وہ کہیں گے۔

کیوں نہیں! پھر (اللہ عزوجل اور ان کے درمیان سے) حجاب اٹھا دیا جائے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ عزوجل کی قسم! ان کو اس کی طرف دیکھنے کی بہ نسبت زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں دی تھی۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2552)

سب سے زیادہ مکرم شخص جو اللہ تعالیٰ کے چہرہ مقدسہ کا صبح وشام دیدار کرے گا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اہل جنت میں سب سے کم درجہ اس شخص کا ہوگا جو ایک ہزار سال کی مسافت سے اپنی جنتوں، اپنی بیویوں، اپنی نعمتوں، اپنے خادموں اور اپنی باندیوں کو دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہل جنت میں سب سے زیادہ مکرم وہ شخص ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے چہرہ مقدسہ کا صبح وشام دیدار کرے گا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (القیامۃ: 22 تا 23)

اس دن بعض چہرے تر و تازہ ہوں۔ اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2553)

کبھی بھی ابد تک تم سے ناراض نہیں ہوں گا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ اہل جنت سے ارشاد فرمائے گا۔

اے اہل جنت!

وہ کہیں گے۔

اے ہمارے رب عزوجل! ہم حاضر ہیں اور تیری اطاعت پر کمر بستہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔

کیا تم راضی ہو گئے۔

وہ کہیں گے۔

ہم کیوں راضی نہیں ہوں گے تو نے ہمیں وہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں جو تو نے اپنی مخلوق میں سے اور کسی کو عطا نہیں فرمائیں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔

میں اب تم کو اس سے افضل نعمت عطا کروں گا۔

وہ کہیں گے۔

اس سے افضل کون سی نعمت ہے؟

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔

میں تمہارے اوپر اپنی رضا کو حلال کردوں گا اور کبھی بھی ابد تک تم سے ناراض نہیں ہوں گا۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2555)

جنت میں ایک چابک کے برابر جگہ بھی دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے

حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

جنت میں ایک چابک کے برابر جگہ بھی دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3250)

جنت کمان کے ایک سر کے برابر جگہ سے بھی بہتر

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

کمان کے ایک کے ایک سر کے برابر جنتی جگہ ان تمام جگہوں سے بہتر ہے۔

جن پر سورج طلوع ہوتا ہے یا غروب ہوتا ہے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2793)

اللہ تعالیٰ سے تین مرتبہ جنت کا سوال کرنے والا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے تین مرتبہ اللہ عزوجل سے جنت کا سوال کیا تو جنت کہتی ہے۔

اے اللہ عزوجل! اس کو جنت میں داخل کردے اور جس نے تین مرتبہ دوزخ سے پناہ طلب کی تو دوزخ کہتی ہے اے اللہ

عزوجل! اس کو دوزخ سے پناہ میں رکھ۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2572)

جنتیوں کے نہ کپڑے میلے ہوں گے نہ جوانی ختم ہوگی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو شخص جنت میں داخل ہوگا وہ جنت کی نعمتوں میں رہے گا۔ وہ خوف زدہ نہیں ہوگا۔ اس کے کپڑے میلے ہوں گے نہ اس کی جوانی ختم ہوگی۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2836)

اللہ تعالیٰ کے ہاتھ جنت عدن کا پیدا ہونا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے جنت عدن کو پیدا کیا تو اس میں ایسی نعمتیں پیدا کیں جن کو کسی آنکھ نے نہ دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا۔
پھر جنت عدن سے فرمایا
تم بات کرو
تو اس نے کہا:
قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ ...... الایۃ (المعجم الاوسط: رقم الحدیث: 742)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے جنت عدن کو پیدا فرمایا اور اس میں پھل لٹکا دیئے اور اس میں اس کے دریا جاری کر دیئے۔
تو اس کی طرف دیکھ کر ارشاد فرمایا۔
تم کلام کرو۔
تو اس نے کہا:
قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○
پھر کہا
مجھ میں کوئی بخیل نہیں رہے گا۔ (المعجم الکبیر: رقم الحدیث: 12723)

جنتیوں کو موت نہیں آئے گی

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت کے متعلق سوال کیا گیا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو شخص جنت میں داخل ہوگا وہ زندہ رہے گا اور اس کو موت نہیں آئے گی۔ اس کو اس میں نعمتیں ملیں گی اور وہ خوف زدہ نہ ہوگا اور نہ اس کے کپڑے میلے ہوں گے۔ نہ اس کا کبھی شباب ختم ہوگا۔
عرض کیا گیا
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جنت کس چیز سے بنائی گئی ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اس کی ایک اینٹ سونے کی ہے اور ایک اینٹ چاندی کی ہے اور اس کی لپائی کا گارا مشک ہے اور اس کی مٹی زعفران ہے اور اس کی بجری موتی اور یاقوت ہیں۔
(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 5616)

جنت عدن کیا چیز ہے

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا:
جنت عدن کیا چیز ہے۔
انہوں نے کہا:
اے امیر المومنین! وہ جنت میں سونے کے محل ہیں۔ جن میں انبیاء کرام علیہم السلام صدیقین، شہداء اور آئمہ عدل رہیں گے۔
(جامع البیان: رقم الحدیث: 23054)

جنت کو پیدا فرما کر جبرائیل علیہ السلام کو جنت میں بھیجنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب اللہ عزوجل نے جنت اور دوزخ کو پیدا فرمایا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو جنت کی طرف بھیجا
اور ارشاد فرمایا

جنت کو دیکھو اور ان نعمتوں کو دیکھو جو میں نے جنت میں اہل جنت کے لئے تیار کی ہیں۔
حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور جنت کو دیکھا اور ان نعمتوں کو دیکھا جو جنت میں اہل جنت کے لئے تیار کی گئی ہیں۔
وہ اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ کر آئے اور کہا
تیری عزت کی قسم! جو شخص بھی جنت کے متعلق سنے گا وہ اس میں ضرور داخل ہوگا۔
پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ
جنت کی ہر طرف کا ان چیزوں سے احاطہ کر دیا جائے جو نفس کے لئے باعث مشقت اور ناپسندیدہ ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
جاؤ! اب جنت کو دیکھو اور جنت کی ان نعمتوں کو دیکھو جن کو میں نے اہل جنت کے لئے تیار کیا ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام دوبارہ گئے تو جنت کا احاطہ ان چیزوں نے کیا ہوا تھا جو نفس کے لئے باعث مشقت اور ناپسندیدہ ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے پاس گئے۔
اور کہا
تیری عزت کی قسم! اب مجھے خدشہ ہے کہ اس جنت میں کوئی شخص داخل نہیں ہوگا۔
(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2560)

جنت کے بالا خانے

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اہل جنت اپنے اوپر بالا خانوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح مشرق یا مغرب سے آسمان کے اوپر چمکتے ہوئے ستارہ کو دیکھا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل جنت کے درجات اور مراتب میں فرق ہوگا۔
صحابہ کرام علیہم الرضوان نے پوچھا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ (بالا خانے) انبیاء کرام علیہم السلام کی منازل ہیں جن تک ان کے علاوہ اور کوئی نہیں پہنچے گا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
کیوں نہیں! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ ان میں وہ لوگ ہوں گے جو اللہ عزوجل پر ایمان لائے اور انہوں نے رسولوں کی تصدیق کی۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3256)

جنت اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ملے گی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

صحیح عمل کرو اور صحت کے قریب عمل کرو اور لوگوں کو بشارت دو کیونکہ تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل کرے گا۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں۔

ارشاد فرمایا۔

سوا اس کے کہ اللہ عزوجل مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے اور (نیک) عمل کرتے ہو اور یاد رکھو کہ اللہ عزوجل نزدیک زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہے جس میں زیادہ دوام ہو۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6467)

اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحمت سے جنت میں داخل کرے گا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کچھ لوگوں کو ان کے گناہوں کی سزا دینے کے لئے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ ان کے جسموں پر آگ کے نشان ہوں پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحمت سے ان کو جنت میں داخل کر دے گا ان کو جہنم سے نجات یافتہ کہا جائے گا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 7455)

اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل سے سوال کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اور کشادگی کا انتظار کرنا افضل عبادت ہے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3582)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے قبیصہ تم کس کام سے آئے ہو۔

میں نے عرض کیا۔

میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری ہڈی کمزور ہو گئی ہے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسے لئے آیا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کسی ایسے عمل کی تعلیم دیں جس سے اللہ عزوجل مجھے نفع دے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے قبیصہ! تم کسی پتھر، درخت یا مٹی کے ڈھیلے کے پاس سے نہیں گزرو گے مگر وہ تمہارے لئے استغفار کرے

اے قبیصہ! تم صبح کی نماز پڑھنے کے بعد تین دفعہ یہ پڑھو۔

سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ وَ بِحَمْدِهِ

تم نابینا ہونے، جذام اور فالج سے محفوظ رہو گے۔

اے قبیصہ! تم یہ دعا کرو۔

اے اللہ عزوجل! میں تجھ سے ان چیزوں سے سوال کرتا ہوں جو تیرے پاس ہیں تو مجھ پر اپنے فضل سے فیضان فرما اور مجھ پر رحمت بکھیر دے اور مجھ پر اپنی برکتیں نازل فرما۔

(مسند احمد، ج:5، ص:60 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ایک اور روایت میں ہے کہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قرأت سے پہلے جب سکوت کرتے تو اللہ عزوجل سے اس کے فضل سے سوال کرتے

(مسند احمد: ج:2، ص:434 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بچے اللہ عزوجل کے فضل اور اس کی رحمت سے جنت میں داخل کر دیں گے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مسلمان کے بھی تین نابالغ بچے فوت ہو جائیں ... وہ مسلمان کو اللہ عزوجل کے فضل اور اس کی رحمت سے جنت میں

داخل کر دیں گے۔

(صحیح البخاری: ج:2، رقم الحدیث:1248)

میں نے جنت کے فضائل اس لئے بیان کئے تا کہ جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رکھا گیا اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد بھی جنت کی دعائیں کرے اور نیک عمل کر کے جنت جیسی مقدس جگہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو جنت جیسی عظیم نعمت عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین و صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت آدم علیہ السلام کو جنت الخلد میں رکھا گیا یا زمین کے کسی باغ میں

علامہ ابن عطیہ لکھتے ہیں:
جنت اس باغ کو کہتے ہیں جس کے گرد باڑ ہو جس جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کو رکھا گیا تھا۔
اس میں اختلاف ہے کہ
آیا وہ جنت الخلد تھی یا ان کے لئے کوئی باغ تیار کیا گیا تھا۔
جو یہ کہتے ہیں کہ وہ جنت الخلد نہیں تھی۔
ان کی دلیل یہ ہے کہ
جو جنت الخلد میں داخل ہو جائے وہ اس سے نہیں نکلتا اور یہ محال ہے۔
البتہ احادیث میں یہ ہے کہ
جو بطور ثواب کے جنت میں داخل ہوا وہ اس سے نہیں نکلے گا اور جو حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ابتداً جنت میں داخل ہوا کا جنت سے نکلنا محال نہیں ہے اور اس کے متعلق احادیث میں یہ نہیں ہے کہ وہ نہیں نکلے گا۔
(المحرر الوجیز ج:1،ص:182 مطبوعہ مکہ مکرمہ)
علامہ قرطبی لکھتے ہیں:
معتزلہ اور قدریہ کا یہ نظریہ ہے کہ
حضرت آدم علیہ السلام کو جنت الخلد میں رہنے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ ان کو عدن کے ایک باغ میں رہنے کا حکم دیا تھا۔
ان کی دلیل یہ ہے کہ
جنت الخلد میں ابلیس نہیں جا سکتا کیونکہ جنت الخلد کے متعلق
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔
لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۝ (الواقعہ: 25)
اس میں کوئی بے ہودہ بات نہ سنیں گے نہ گناہ کی بات

اور فرمایا

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ۝ (النباء: 35)

وہ اس میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے نہ جھوٹی بات۔

اور فرمایا

لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ۝ (الحجر: 48)

انہیں وہاں نہ کوئی تکلیف پہنچے گی نہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔

وہ کہتے ہیں کہ

ابلیس نے جنت میں جھوٹ بولا اور بے ہودہ بات کی اور آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کو ان کی معصیت کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

جنت کی یہ صفت اس وقت ہوگی جب قیامت کے بعد لوگ بطور جزاء کے جنت میں داخل ہوں گے اور یہ جنت دارالخلد ان لوگوں کے لئے ہوگی جن کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ رکھنا چاہے گا اور جن کے لئے موت مقدر کر دی گئی ہے۔ وہ جنت میں داخل ہونے کے بعد اس سے نکل آئیں گے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج جنت میں گئے اور پھر باہر آئے۔

اور حضرت آدم علیہ السلام کے معروف جنت میں داخل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا۔

آپ وہ آدم (علیہ السلام) جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور آپ علیہ السلام میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی اور اپنے فرشتوں سے سجدہ کرایا اور آپ علیہ السلام کو اپنی جنت میں رکھا۔ پھر آپ علیہ السلام نے اپنی خطا کی وجہ سے لوگوں کو زمین پر اتارا۔

(صحیح مسلم: ج:2، ص:335)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو دارالخلد میں رکھا۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:1، ص:302 مطبوعہ ایران)

میں کہتا ہوں کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو جنت الخلد ہی میں رکھا گیا جس پر نص موجود ہے اور قرآن کی صریح آیت مبارکہ موجود ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ قُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ (بقرہ: 35)

فرمایا اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جنت الخلد میں رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا جلوہ دنیا میں ظاہر فرمانا تھا۔ اس لئے حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں اتارا گیا۔

حضرت حوا علیہا السلام کی پیدائش

جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تمام آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو تمام نے سجدہ کیا مگر شیطان لعین نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت آدم علیہ السلام زمین پر تنہا پھرتے تھے اور ہر جانور کو اپنا غیر جنس دیکھ کر گھبراتے تھے اور تمنا کرتے تھے کہ کاش کوئی میرا ہم جنس ہوتا جس سے مجھے انس حاصل ہوتا دوسرے جمعہ کو حضرت آدم علیہ السلام سو رہے تھے کہ فرشتوں نے ان کی بائیں پسلی چاک کی جس سے انہیں کچھ تکلیف نہ ہوئی اور اس سے آنا فانا ایک نہایت خوبصورت عورت پیدا ہوئی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی چاک کی ہوئی پسلی کو ملا دیا گیا جب آپ علیہ السلام جاگے تو اپنا ہم جنس اپنے پاس بیٹھا ہوا دیکھا۔

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن مسعود اور دیگر کئی صحابہ کرام علیہم الرضوان بیان کرتے ہیں کہ پھر ابلیس کو جنت سے نکال دیا گیا اور اس پر لعنت کی گئی اور حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رکھا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں تھے اور ان کو وحشت ہوتی تھی ان کی بیوی نہیں تھی جس سے ان کو سکون ملے ایک دن وہ سو گئے جب وہ بیدار ہوئے تو ان کے سرہانے ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کی پسلی سے پیدا کیا تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا:

تم کون ہو؟

اس نے کہا:

عورت

پوچھا

تم کو کیوں پیدا کیا گیا ہے؟

کہا

تاکہ تم کو مجھ سے سکون ملے۔

فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام سے پوچھا

اے آدم علیہ السلام! اس کا نام کیا ہے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

حواء علیہا السلام

پوچھا

آپ علیہ السلام نے اس کا نام حواء کیوں رکھا

فرمایا

اس لئے کہ یہ حی (زندہ شخص) سے پیدا کی گئی ہے۔

تب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اے آدم (علیہ السلام) تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جنت میں سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ۔

(جامع البیان ج:1، ص:182 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام کے سکون کے لئے حضرت حواعلیہا السلام کو پیدا فرمانا

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ ابلیس کو جنت سے نکالا گیا اور اس پر لعنت کی گئی اور حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رکھا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں گھبراتے تھے اور ان کی کوئی بیوی نہیں تھی جس سے وہ سکون حاصل کرتے۔ ایک دن وہ سو گئے۔ بیدار ہوئے تو ان کے سرہانے ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی جس کو اللہ عزوجل نے ان کی پسلی سے پیدا کیا تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے ان سے پوچھا

تم کون ہو؟

اس نے کہا:

میں ایک عورت ہوں۔

آپ علیہ السلام نے پوچھا:

تمہیں کیوں پیدا کیا گیا ہے؟

اس نے کہا:

تاکہ آپ علیہ السلام مجھ سے سکون حاصل کریں۔

فرشتوں نے پوچھا:

اے آدم (علیہ السلام)! اس کا نام کیا ہے۔

انہوں نے کہا:
اس کا نام حواء ہے۔
فرشتوں نے پوچھا:
آپ علیہ السلام نے اس کا نام حوا کیوں رکھا۔
انہوں نے کہا:
کیونکہ یہ حی (زندہ) سے پیدا کی گئی ہے۔
اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:
اور ہم نے فرمایا! اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور اس سے فراخی سے کھاؤ جہاں سے چاہو اور تم دونوں اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔
(مختصر تاریخ دمشق: ج:4، ص:223 مطبوعہ دار الفکر بیروت)
تفسیر نعیمی میں یہ واقعہ اس طرح ہے۔
حضرت آدم علیہ السلام تنہا زمین پر پھرتے تھے اور ہر جانور کو اپنا غیر جنس دیکھ کر گھبراتے تھے اور تمنا کرتے تھے کہ کاش کوئی میرا ہم جنس ہوتا جس سے مجھے انس حاصل ہوتا دوسرے جمعہ کو حضرت آدم علیہ السلام سو رہے تھے کہ فرشتوں نے ان کی بائیں پسلی چاک کی جس سے انہیں کچھ تکلیف نہ ہوئی اور اس سے آنا فانا ایک نہایت خوبصورت عورت بنائی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی کی چاک ہوئی پسلی کو ملا دیا گیا۔ جب وہ جاگے تو اپنا ہم جنس اپنے پاس بیٹھا ہوا دیکھا۔
پوچھا
تم کون ہو
ندا آئی
یہ ہماری بندی ہے تمہاری وحشت دور کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔
(تفسیر نعیمی، پارہ اول ص:290 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت حواء علیہا السلام کا مہر

جب حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے پاس حضرت حوا علیہا السلام کو موجود پایا تو اسے ہاتھ لگانا چاہا تو حکم ہوا کہ اس کا مہر ادا کرو۔
عرض کیا
اے خالق باری تعالی اس کا مہر کیا ہے۔

ارشاد فرمایا

دس بار درود شریف (دوسری جگہ سترہ بار درود پڑھنے کا فرمایا تو (نعیمی پارہ 4 ص:508)

میرے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھو چنانچہ فرشتوں کی گواہی سے حضرت آدم علیہ السلام کا نکاح ہو گیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے چاہا کہ ان کو ہاتھ لگائیں۔

حکم ہوا کہ

اے آدم (علیہ السلام) پہلے ان کا مہر ادا کرو پھر ہاتھ لگانا۔

عرض کیا کہ

مولیٰ عزوجل! مہر کیا ہے۔

ارشاد فرمایا

میرے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر دس بار درود شریف پڑھو اور فرشتوں کی گواہی سے ان کا نکاح ہوا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل ص:290 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حواء علیہا السلام نام کیوں رکھا گیا

حضرت حواء علیہا السلام کا نام، حوا اس لئے ہے کہ یہ لفظ حی سے بنا ہے جس کے معنی ہیں زندہ چونکہ یہ زندہ انسان آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئیں یا ہر انسان کی والدہ ہیں اس لئے انہیں کہا گیا۔

یا یہ لفظ حوت سے بنا ہے جس کے معنی ہیں سرخی مائل بہ سیاہی چونکہ ان کے ہونٹ کا رنگ ایسا ہی تھا۔ اس لئے انہیں حوا کہا گیا۔

عربی میں

عورت کو امراءۃ کہتے ہیں کیونکہ وہ امرء (یعنی مرد) سے بنی ہیں۔

اس کو عورت اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے لئے بے پردہ ہونے میں عار یعنی شرم ہوتی تھی۔ اس لئے شرم گاہ کو بھی عورت کہا جاتا ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول ص:290 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت حواء علیہا السلام کا قد اور عمر مبارک

حضرت حواء علیہا السلام کا قد ساٹھ ہاتھ تھا اور عمر مبارک نو سو تانوے سال ہوئی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت حواء علیہا السلام کا قد بھی ساٹھ ہاتھ کا تھا ان کی عمر شریف نو سو ستانوے (997) سال ہوئی۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول،ص:290 نعیمی کتب خانہ لاہور)

ت حوا علیہا السلام کی پیدائش جنت میں ہوئی یا زمین پر

خیال رہے کہ یہ تو سب مانتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام وہاں پیدا ہوئے جہاں آج مکہ معظمہ آباد ہے لیکن حضرت حوا السلام کی پیدائش میں اختلاف ہے کہ کہاں پیدا ہوئیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ

جنت میں ہوئی۔ حضرت آدم علیہ السلام ایک دن سو رہے تھے۔ ان کی پسلی سے ان کو پیدا فرمایا گیا تو آیت کے معنی یہ گے: اے آدم (علیہ السلام) آپ اور آپ کی بیوی جنت میں ٹھہرے رہو۔

لیکن حضرت عمر اور دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان نے روایت فرمائی ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدم اور حضرت حوا علیہا م کو نوری لباس پہنایا ان کے سر پر تاج رکھے، سونے کے تخت پر بٹھایا۔ حضرت حوا علیہا السلام کو مختلف قسم کے زیوروں آراستہ اور پھر ان دونوں کو جنت میں پہنچایا گیا۔

(تفسیر کبیر و روح البیان تحت آیت الکریمہ)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام کی پیدائش بھی زمین میں ہوئی۔

اب آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ

آپ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی بیوی جنت میں جا کر رہو۔

الجنۃ تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ

اس سے وہی جنت مراد ہے جس میں نیکوکار ثواب کے لئے جائیں گے، یعنی بہشت

ہاں بعض بے دینوں نے کہا:

یہ فلسطین یا فارس کرمان میں کوئی باغ تھا جس میں آدم علیہ السلام کو کچھ دن کے لئے رکھا گیا پھر ایک خطا کی وجہ سے ان کی طرف بھیج دیا گیا لیکن یہ بات محض غلط ہے اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا گیا۔

اِهْبِطُوْا مِنْهَا

یعنی جنت سے اتر جاؤ۔

اترنا اونچی جگہ سے ہوتا ہے اگر یہ کوئی زمین کا باغ ہوتا تو فرمایا جاتا کہ

اخرجوا

دوسری جگہ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ (البقرہ: 36)

یعنی تمہارا ٹھکانہ زمین میں ہے۔

اگر وہ باغ بھی زمین میں ہی ہوتا تو یہ کیوں کہا جاتا کہ تم جنت سے اتر کر زمین میں جا کر رہو کیونکہ پھر وہ زمین میں پہلے سے تھے۔

اہبطوا کو اخرجوا کے معنی بلا وجہ حقیقی معنی کو چھوڑنا ہے۔

نیز

روایات میں بھی صراحتاً یہی آیا ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام بہشت میں رہے اپنے وہم کی وجہ سے احادیث کو نہیں چھوڑا جا سکتا ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول ص: 295 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت حوا علیہا السلام کو جنت میں رکھنے کی تین حکمتیں

جب حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا گیا تو جنت میں رکھا تو جنت میں رکھنے کی تین حکمتیں تھیں۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

حضرت حوا علیہا السلام کو جنت میں رکھنے کی تین حکمتیں تھیں۔

(1) ایک یہ کہ ان کے ذریعے حضرت آدم علیہ السلام کو اطمینان رہے۔

(2) دوسرے یہ کہ وہ جنتی مکانوں کی زیب و زینت اور صفائی دیکھ کر دنیاوی گھروں کو سجانا اور صاف رکھنا سیکھ لیں۔

(3) تیسرے یہ کہ جنتی زیور اور پوشاکیں استعمال کر کے دنیا میں بھی عمل کریں۔

گویا بیرونی زندگی تو حضرت آدم علیہ السلام سیکھیں اور خانگی زندگی حضرت حوا علیہا السلام۔ اسی لئے اس وقت آپ علیہ السلام کی زوجہ صرف حضرت حوا علیہا السلام تھیں وہاں کی حوریں نہ تھیں کیونکہ دنیا میں آ کر گھر بار انہی کو سنبھالنا تھا نہ کہ حوروں کو لہٰذا حوروں کو تربیت کی ضرورت ہی نہ تھی۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول ص: 295 نعیمی کتب خانہ لاہور)

کیا حضرت حوا علیہا السلام حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹی تھیں

اولاد وہ کہلاتی ہے جو اپنے نطفے سے پیدا ہو یہاں ایسا نہ ہوا لہٰذا وہ ان کی بیٹی نہ ہوئیں۔ ہمارے جسم سے بہت سی جوئیں بن جاتی ہیں۔ سر میں پیٹ میں بہت سے جانور پیدا ہو جاتے ہیں وہ ہماری اولاد نہیں کہلاتے کیونکہ ہمارے نطفے سے نہیں۔

اسی لئے بعض علماء فرماتے ہیں کہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن مریم کہنا مجاز ہے۔ اس لئے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام حضرت جبرائیل علیہ السلام کی

پیدا ہوئے اور حضرت مریم علیہا السلام کا شکم شریف ان کی امانت کی جگہ تھی۔ وہاں حضرت مریم علیہا السلام کا نطفہ بھی نہ تھا۔ مان لیا جائے کہ حضرت حوا علیہا السلام حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹی ہی تھی تو بھی جس طرح ان کی شریعت میں بہن سے نکاح تھا۔ اس طرح مجبوراً اس بیٹی سے نکاح کرنا جائز قرار دیا گیا کیونکہ دوسری عورت کا ملنا ناممکن تھا۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام طرح حضرت حوا علیہا السلام کو بھی بنادیا جاتا تو یقیناً عورت مرد میں اتنی محبت نہ ہوتی جواب ہے کیونکہ اب تو اس سے محبت ہے عورت مرد کا جزو ہے اور نہ عورت کا مرد کے تابع ہونا معلوم ہوتا ہے نہ عورت مرد کے ہم جنس ہوتی۔ جیسے دوسرے جاندار یں انسان کی غیر جنس تھیں۔ ویسے بھی ہوتیں اس زمانے کے بعض واعظ اور بے دین عالم کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کا ح کسی جناتی سے ہوا اور حضرت حوا علیہا السلام کے اس نکاح سے انکار کرتے ہیں۔ اس اعتراض کی بنا پر مگر یہ نقلاً بھی غلط ہے رعقلاً بھی۔

تو اس لئے رب عزوجل فرماتا ہے۔

وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا (اعراف: 189)

معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی زوجہ انہی کے جسم سے بنیں انسان تھیں۔ غیر انسان نہ تھیں، عقلاً اس لئے کہ انسان نکاح غیر جنس سے نہیں ہوسکتا۔ صرف انسان سے ہوسکتا ہے۔ گائے، بکری، بھینس جن سب ہی انسان کے غیر جنس ہیں۔ کسی ے نکاح جائز نہیں نیز دو جنسوں کے اختلاط سے جو اولاد ہوگی وہ انسان نہ ہوگی بلکہ کوئی اور چیز ہوگی۔ گھوڑے گدھے سے خچر ہے بکرے ہرنی سے ایسا بچہ ہوتا ہے جو نہ بکری ہی ہو نہ ہرن ہوا اگر حضرت آدم علیہ السلام کی بیوی جناتی ہوتی تو ان کی اولاد انسان ہوتی نہ جن کوئی تیسری چیز ہوتی۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول، ص: 298 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت حوا علیہا السلام کو پسلی سے پیدا فرمانے میں فائدے

حضرت حوا علیہا السلام کو پسلی سے پیدا فرمانے میں صدہا فائدے ہیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

اس میں صدہا فائدے ہیں جنہیں رب تعالیٰ جانتا ہے۔

بظاہر فائدے حسب ذیل ہیں۔

(1) رب تعالیٰ کی قدرت کا اظہار کہ زندہ کو زندہ سے پیدا فرما سکتا ہے ورنہ قانون یہ ہے کہ بے جان نطفے یا انڈے سے دار انسان یا جانور بنے اور جاندار انسان یا چڑیا سے بے جان نطفہ یا انڈا بنے۔

یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ ...... الخ (انعام: 95)

وہاں زندہ کو زندہ سے بنا کر دکھادیا۔

(2) اس طرح پیدائش میں مرد، عورت میں الفت و محبت قائم رہی کہ عورت مرد کا جزو ہوئی اور جزء سے محبت ہوتی ہے۔

(3) اس طرح پیدائش سے مرد عورت کی اصل اور اس سے اعلیٰ ہو۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ ۔ (النساء: 34)

اگر حضرت حوا علیہا السلام بھی حضرت آدم علیہ السلام کی طرح مٹی سے بنتیں تو آپ علیہ السلام کے برابر ہوتیں نہ کہ آپ علیہ السلام کے ماتحت۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:4، ص:512 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت حوا علیہا السلام کتنی بار حملہ ہوئیں

حضرت حوا علیہا السلام بیس بار حاملہ ہوئیں۔ ہر حمل سے دو بچے پیدا ہوتے تھے۔ چالیس بچے پیدا ہوئے اور آپ علیہا السلام کی وفات تک ایک لاکھ انسان پیدا ہو کر (اولاد در اولاد) اپنے کاروبار میں مشغول ہو چکے تھے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:4، ص:508 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت حوا علیہا السلام سے ہر حمل میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتی

حضرت حوا علیہا السلام کے بیس حمل سے چالیس بچے پیدا ہوئے۔ ہر حمل میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتے تھے۔ ان میں پہلے سے قابیل اور اس کی بہن اقلیمہ پیدا ہوتے۔ ایک سال کے بعد پھر حمل سے ہابیل اور لیوا پیدا ہوئیں۔ ہابیل کے قتل ہو جانے پر ایک لڑکی زیادہ بچی رہی۔ اس لئے حضرت شیث علیہ السلام اکیلے پیدا ہوئے۔

بعض نے کہا:

قابیل اور اقلیمہ جنت میں پیدا ہوئے تھے مگر صحیح یہ ہے کہ زمین پر آ کر پیدا ہوئے پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی نسل میں ایسی برکت دی کہ آپ علیہ السلام کے وفات کے وقت چالیس ہزار انسان موجود تھے۔ بیٹے پوتے نواسے سب ملا کر۔ اس زمانہ میں لڑکے پر توام (ساتھ پیدا ہونے والی) لڑکی دوسرے حمل کی بچی حلال ہوتی تھی۔ اس لئے قابیل کے لئے لیوا حلال تھی۔ اور ہابیل کے لئے اقلیمہ حلال۔ مگر اقلیمہ خوبصورت تھی۔ اس لئے قابیل نے چاہا کہ اس سے ہی نکاح کرے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا:

یہ لڑکی تیرے لئے حرام ہے۔ یہ ہابیل کے نکاح میں جا سکتی ہے۔

قابیل بولا:

آپ (علیہ السلام) جھوٹ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نہیں ہے۔ آپ علیہ السلام کی رائے ہے۔ آپ علیہ السلام ہابیل کو زیادہ چاہتے ہیں اس لئے آپ علیہ السلام کی کوشش یہ ہے کہ خوب صورت لڑکی اس کی بیوی بنے۔

تب آپ علیہ السلام نے فرمایا:
اچھا تم دونوں اقلیمہ کے متعلق قربانیاں پیش کرو جس کی قربانی قبول ہو جاوے وہ ہی اقلیمہ سے نکاح کرے۔
(تفسیر نعیمی: پارہ:6،ص:360 نعیمی کتب خانہ لاہور)

ت حوا علیہا السلام کو حمل کہاں ہوا

قرآن مجید میں ہے:
فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ○ (الاعراف: 189)

پھر جب مرد اس پر چھایا اسے ہلکا سا پیٹ رہ گیا تو اسے لئے پھری پھر جب بوجھل پڑی دونوں نے اپنے رب سے دعا کی ضرور اگر تو ہمیں جیسا چاہیے بچہ دے گا تو بے شک ہم شکر گزار ہوں گے۔

لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ

یہ عبارت دعوا اللہ کی تفسیر ہے۔
یعنی

ان دونوں نے دعا مانگی اگر یہاں حضرت آدم وحوا علیہما السلام مراد ہیں تو اس دعا کی دو تفسیریں ہیں۔
(1) حضرت آدم علیہ السلام اگر جنت میں بھی حضرت حوا علیہا السلام سے مقاربت کرتے تھے مگر وہاں نہ نطفہ نہ قرار حمل، جب دونوں زمین پر آئے تو حمل قرار پایا یہ عجیب چیز دیکھ کر آپ دونوں گھبرا گئے اور دونوں نے یہ دعا مانگی۔
(2) حضرت حوا علیہا السلام کے اس سے پہلے بچے پیدا ہوئے مگر مر گئے۔ اس بار جب حمل ظاہر ہوا تو ان دونوں حضرات دعا مانگی۔

ت شدہ بچوں کے نام

عبداللہ

عبیداللہ

ور عبدالرحمٰن تھے۔

ال رہے کہ حضرت حوا علیہا السلام کو پانچ سو بار حمل رہا ہر بار میں جوڑا پیدا ہوتا کل ایک ہزار بچے ہوئے۔
سیر نعیمی: پارہ:9،ص:427 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حوا علیہا السلام کا اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھنا

ت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب حوا علیہا السلام حاملہ ہو گئیں تو ان کے پاس ابلیس گیا حوا علیہا السلام کا کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا تھا۔

ابلیس نے ان سے کہا:

تم اس کا نام عبدالحارث رکھ دو۔

انہوں نے اس کا نام عبدالحارث رکھ دیا۔ پھر وہ بچہ زندہ رہا یہ کام شیطان کے وسوسہ سے تھا۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 3088)

حضرت حوا علیہا السلام کا پیٹ میں بچہ کے حرکت کے وقت سوچنا

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب حضرت آدم اور حضرت علیہا السلام کو زمین پر اتارا گیا تو حضرت آدم علیہ السلام کی طبیعت میں شہوت ڈال دی گئی انہوں نے حضرت حوا علیہا السلام سے عمل زوجیت کیا جس کے نتیجہ میں وہ حاملہ ہو گئیں اور ان کے پیٹ میں بچہ حرکت کرنے اور وہ سوچتی تھیں کہ یہ کیا چیز ہے۔

ان کے پاس ابلیس آیا اور کہنے لگا۔

تم نے زمین پر اونٹنی، گائے، بکری، دنبہ اور بھیڑ کو دیکھا ہے ہو سکتا ہے تمہارے پیٹ سے ایسی ہی کوئی چیز نکلے۔ حضرت علیہا السلام یہ سن کر گھبرائیں۔

اس نے کہا:

میری بات مان لو، اس کا نام عبدالحارث رکھو پھر تمہارے مشابہ بچہ پیدا ہوگا۔ حضرت حوا علیہا السلام نے حضرت آدم السلام سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا:

یہ وہ شخص ہے جس نے ہم کو جنت سے نکلوایا تھا وہ بچہ مر گیا۔

حضرت حوا علیہا السلام دوبارہ حاملہ ہوئیں۔

ابلیس پھر ان کے پاس گیا اور کہا

میری بات مان لو اس کا نام عبدالحارث رکھو۔

اور ابلیس کا نام فرشتوں میں حارث تھا۔

اس نے کہا:

ورنہ کوئی اونٹنی یا گائے یا بکری یا بھیڑ پیدا ہوگی یا تمہارے مشابہ بچہ ہوا تو میں اس کو ماردوں گا جیسے میں نے پہلے بچہ

حضرت حوا علیہا السلام نے اس واقعہ کا ذکر حضرت آدم علیہ السلام سے کیا۔ انہوں نے گویا اس پر نا گواری ظاہر نہیں کی تو حضرت حوا علیہا السلام نے اس بچے کا نام عبدالحارث رکھ دیا۔

(جامع البیان ج:9،ص:193)

حضرت حوا علیہا السلام بائیں پسلی سے پیدا ہوئیں

حضرت آدم علیہ السلام تنہا زمین پر پھرتے تھے اور ہر جانور کو اپنا غیر جنس دیکھ کر گھبراتے تھے اور تمنا کرتے تھے کہ کاش کوئی ہم جنس ہوتا جس سے مجھے اُنس حاصل ہوتا دوسرے جمعہ حضرت آدم علیہ السلام سو رہے تھے کہ فرشتوں نے ان کی بائیں پسلی ... کی جس سے انہیں کچھ تکلیف نہ ہوئی اور اس سے آناً فاناً ایک نہایت خوبصورت عورت بنائی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی ... کی ہوئی پسلی کو ملا دیا گیا۔ جب وہ جاگے تو اپنا ہم جنس اپنے پاس بیٹھا ہوا دیکھا۔

پوچھا

تم کون ہو؟

ندا آئی

یہ ہماری بندی ہے تمہاری وحشت دور کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل: ص:290 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عورت کو پسلی سے پیدا کیا گیا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عورتوں کے ساتھ خیر خواہی اور اچھا سلوک کرو کیونکہ عورت کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے اور پسلی میں سب سے زیادہ ٹیڑھا اس کے اوپر والے حصہ میں ہوتا ہے اگر تم اس کو سیدھا کرو گے تو اس کو توڑ دو گے اور اگر اس کو چھوڑ دو گے تو وہ ٹیڑھی رہے گی عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کرو۔

(صحیح بخاری: ج:1،ص:469 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

عورت ناقص العقل

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ یا عید الفطر پڑھانے کے لئے عید گاہ میں تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ ... ان کے پاس سے گزر ہوا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے عورتوں کے گروہ! صدقہ کیا کرو کیونکہ مجھے تمہاری بڑی تعداد دوزخ میں دکھائی گئی ہے۔
انہوں نے کہا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس وجہ سے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میں تم سے زیادہ کوئی ناقص عقل اور ناقص دین ایسی نہیں دیکھی جو کسی ہوشیار مرد حازق کی عقل کو سلب کرنے والی ہو۔
انہوں نے کہا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے دین کا کیا نقصان ہے اور ہماری عقل کا کیا نقصان ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
کیا یہ بات نہیں ہے کہ عورت کی گواہی مرد کی گواہی کے نصف کی مثل ہے۔
انہوں نے کہا:
کیوں نہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ عورت کی عقل کا نقصان اور اس کی کمی ہے اور کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب عورت کی ماہواری کے ایام ہوتے ہیں تو وہ نماز پڑھتی اور نہ روزہ رکھتی ہے۔
انہوں نے کہا:
کیوں نہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ اس کے دین کا نقصان اور اس کی کمی ہے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 304)

عورت حاکم نہیں بن سکتی

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ایام جمل میں ہوسکتا تھا کہ میں اصحاب جمل کے ساتھ لاحق ہو جاتا اور ان کے ساتھ مل کر جنگ کرتا اس موقع پر مجھے ا[س] حدیث نے فائدہ پہنچایا جس کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔ جب اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا حا[کم] لیا۔
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پاسکتی جس نے اپنے معاملات میں ایک عورت کو حاکم بنالیا۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 4425)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب تمہارے حکام نیک ہوں تمہارے اغنیاء سخی ہوں اور تمہاری حکومت باہمی مشورہ سے ہو تو تمہارے لئے زمین کے اوپر کا حصہ اس کے نچلے حصہ سے بہتر ہے اور جب تمہارے حکام بدکار ہوں اور تمہارے اغنیاء بخیل ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو تمہارے لئے زمین کا نچلا حصہ اس کے اوپر کے حصہ سے بہتر ہے۔
(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2273)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔
ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح کی خوش خبری سنائی اور یہ بھی بتایا کہ دشمن کی سربراہی ایک عورت کر رہی ہے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب مرد عورتوں کی اطاعت کرنے لگیں تو وہ تباہ اور برباد ہو جائیں گے۔
(المستدرک: ج: 4، ص: 291)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:
اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ عورت خلیفہ نہیں ہوسکتی۔
(الجامع الاحکام القرآن ج: 13، ص: 183 مطبوعہ ایران)

امام حسین بن مسعود بغوی شافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:
امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت حکومت یا انتظامیہ کی سربراہ یا قاضی نہیں بن سکتی۔ کیونکہ سربراہ مملکت کو جہاد قائم کرنے اور مسلمانوں کے معاملات نمٹانے کے لئے گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت پڑتی ہے اور قاضی کو مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے باہر جانے کی ضرورت ہوتی ہے اور عورت واجب الستر ہے اس کا گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے۔
(شرح السنۃ ج: 10، ص: 77 مطبوعہ بیروت)

قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ بن العربی مالکی متوفی 543ھ لکھتے ہیں: عورت سربراہی کی اس لئے اہل نہیں ہے کہ حکومت اور سربراہی سے یہ غرض ہوتی ہے کہ سرحدوں کی حفاظت کی جائے قومی معاملات کو سلجھایا جائے، ملت کی حفاظت کی جائے اور مالی محاصل کر کے ان کو مستحقین میں تقسیم کیا جائے اور یہ تمام امور مرد انجام دے سکتا ہے۔ عورت یہ کام انجام نہیں دے سکتی

کی طرف دیکھنا اور اس سے کلام کرنا حرام ہے اور اگر وہ سن رسیدہ عورت ہے تب بھی اس کا بھیڑ بھاڑ میں جانا مخدوش ہے۔

(احکام القرآن: ج:3، ص:1458 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حضرت حوا علیہا السلام حضرت آدم علیہ السلام کے بعد ساڑھے ساٹھ سال زندہ رہیں

حضرت حوا علیہا السلام حضرت آدم علیہ السلام کے بعد ساڑھے ساٹھ سال زندہ رہیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

آدم علیہ السلام کے بعد ساڑھے ساٹھ سال زندہ رہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول، ص:290 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو درخت کھانے سے کیوں منع کیا گیا

چونکہ دنیا میں آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد پر احکام خداوندی جاری ہونے والے تھے اور دنیا کی بعض چیزوں سے ا
روکا جانے والا تھا لہٰذا ان کے نفس کو اس پابندی کا عادی بنانے کے لئے یہاں بھی انہیں بعض چیزوں سے روک دیا گیا اور فر
گیا: اے آدم و حوا (علیہما السلام) تم جنت میں جو چاہو کھاؤ لیکن اس درخت کے قریب نہ جانا یعنی نہ اسے کھانا نہ ادھر جانا۔

خیال رہے کہ

اس قرب میں مکانی یعنی فقط پاس جانے کی ممانعت نہیں ہے ورنہ لاتقربا رکے پیش سے ہوتا ہے کیونکہ جو قرب کے
جانے کے معنی میں ہے وہ مطرد کے پانچویں باب سے ہے بلکہ اس قرب استعمال مراد ہے۔ (یعنی اس درخت کو کھانا
کھانے کے قریب بھی نہ جانا یعنی کھانے کے خیال اور اس کے اسباب سے بچنا)

(تفسیر نعیمی: پارہ اول، ص:296 نعیمی کتب خانہ لاہور)

کس درخت سے منع کیا گیا

حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو کس درخت سے منع کیا گیا۔ اس میں روایتیں مختلف ہیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

اس میں چار روایتیں ملتی ہیں۔

(1) ایک یہ گیہوں کا تھا اور جنت کا گیہوں بیل کے گردے کے برابر تھا اور شہد سے زیادہ میٹھا اور مکھن سے زیادہ
لذیذ تھا چونکہ اس گیہوں کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام جنت سے باہر تشریف لائے اسی لئے ان کی اکثر اولاد کا رزق
قرار دیا گیا اور یہ گیہوں ہی تمام مصیبتوں کی جڑ ہے چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی آزمائش مقصود تھی۔ اسی لئے جنت
وقت یہ درخت تھا آئندہ وہاں صرف پھل فروٹ کے درخت ملیں گے۔ گندم وغیرہ دانہ کے پودے نہ ہوں گے کیونکہ
ہے وہاں غذا کی ضرورت نہیں لذت کے لئے میوے ہوں گے۔

(2) دوسری روایت یہ ہے کہ
وہ درخت انگور تھا اسی لئے دنیا میں انگور کی شراب وغیرہ حرام کی گئی۔
(3) تیسری روایت یہ ہے کہ
وہ درخت انجیر تھا اسی لئے حضرت آدم علیہ السلام اپنے جسم مبارک پر انجیر کے پتے لپیٹ کر جنت سے باہر تشریف لائے۔
(4) چوتھی روایت یہ ہے کہ
وہ کوئی ایسا درخت تھا کہ جس کے کھانے سے پاخانہ کی حاجت ہوتی تھی اور جنت ان گندگیوں سے پاک ہے وہاں تو
ے کھانے ڈکار سے ہضم ہوتے ہیں۔
تو فرمایا گیا کہ
اب تم وہاں جاؤ جہاں تمہاری ضرورت ہو (رفع حاجت) پوری ہو سکے مگر ان سب میں ترجیح پہلی روایت یعنی گیہوں والی
ہے۔
یہی حضرت سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔
(تفسیر نعیمی: پارہ اول، ص: 296 نعیمی کتب خانہ لاہور)

ان کا بہکانا

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو درخت ممنوعہ کے پاس جانے سے منع کیا تو شیطان نے انہیں بہکا دیا اور
ت حوا علیہا السلام نے پہلے درخت سے دانہ کھایا اور بعد میں حضرت آدم علیہ السلام کو بھی کھلا دیا۔
قرآن مجید میں ہے:
فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا (بقرہ: 36)
تو شیطان نے انہیں جنت سے لغزش دی۔

ن کا سانپ کے منہ میں داخل ہو کر جنت میں جانا اور بہکانا

حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
ب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا
ے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جنت سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ اور اس درخت کے قریب نہ
تم حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ اس وقت ابلیس نے ان دونوں کے پاس جنت میں جانے کا ارادہ
ت کے محافظوں نے اس کو جانے نہیں دیا۔ اس وقت سانپ اونٹ کی طرح ایک چوپایہ تھا اور بہت حسین جانور

ابلیس نے اس سے کہا

وہ اس کو اپنے منہ میں رکھ کر جنت میں لے جائے۔ سو سانپ ابلیس کو اپنے منہ میں رکھ کر چلا گیا اور جنت کے محافظوں کو پتہ نہ چلا۔

پھر ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا

کیا میں تم کو ایسا درخت نہ بتاؤں جس کو کھانے کے بعد تم دونوں فرشتوں کی طرح ہو جاؤ گے یا ہمیشہ زندہ رہنے والے ہو جاؤ گے۔ اور تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی۔

اور قسم کھا کر کہا کہ

وہ ان کی خیر خواہی کر رہا ہے حالانکہ اس کا ارادہ یہ تھا کہ ان کا ستر کھل جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کیا حضرت حوا علیہا السلام نے آگے بڑھ کر اس درخت سے کھالیا۔

اور حضرت آدم علیہ السلام سے کہا

اے آدم (علیہ السلام)! اسے کھالو۔ دیکھو میں نے کھایا ہے مجھے کچھ نہیں ہوا جب حضرت آدم علیہ السلام نے اس کو کھایا تو ان دونوں کی شرم گاہیں کھل گئیں اور وہ درخت کے پتوں سے اپنے اپنے جسموں کو ڈھانپنے لگے۔

(جامع البیان: ج: 1، ص: 187 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابن حیان اندلسی نے کہا ہے:

ایک قول یہ ہے: ابلیس نے زمین سے ہی حضرت آدم علیہ السلام کو بطریق وسوسہ سے خطاب کیا تھا اور وہ دھتکارے جانے کے بعد زمین سے آسمان کی طرف نہیں گیا۔

(البحر المحیط ج: 1، ص: 261 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

شیطان کا پہلے خود درخت سے کھانا

امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی 211ھ اپنی سند کے ساتھ وہب بن منبہ سے روایت کرتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کو جنت میں رکھا اور ان کو اس درخت سے منع کیا۔ اس درخت کی شاخیں بہت گھنی تھیں اور فرشتے اپنے دوام اور خلود کے لئے اس درخت سے کھاتے تھے جب ابلیس لعین نے ان کو ورغلانے کا ارادہ کیا تو سانپ کے پیٹ میں داخل ہو گیا۔ اس وقت اونٹ کی طرح سانپ کی چار ٹانگیں تھیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں بہت حسین جانور تھا۔ سانپ جنت میں داخل ہوا تو ابلیس اس کے پیٹ سے نکل آیا اور اس نے اس ممنوع درخت سے کھایا اور اس کو حضرت حوا علیہا السلام کے پاس لے کر آیا۔

اور ان سے کہا:

یہ دیکھو یہ کیسے درخت کا پھل ہے اس کی خوشبو کیسی عمدہ ہے اس کا کتنا لذیذ ذائقہ ہے اور کتنا حسین رنگ ہے۔ حضرت حوا علیہا السلام نے اس درخت سے کھالیا پھر اس کو حضرت آدم علیہ السلام کے پاس لے کر گئیں۔

اور کہا

دیکھیں اس کی کتنی نفیس خوشبو ہے کتنا لذیذ ذائقہ ہے اور کتنا حسین رنگ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے بھی اسے کھالیا تو ان دونوں کی شرمگاہیں ظاہر ہوگئیں۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام (شرم سے) درخت (کی گھنی شاخوں) میں داخل ہو گئے۔

تو ان کے رب عزوجل نے ندا فرمائی۔

اے آدم (علیہ السلام)! تم کہاں ہو؟

انہوں نے کہا:

اے رب عزوجل میں یہاں ہوں۔

فرمایا

تم اس سے باہر نہیں آتے

عرض کیا

اے رب عزوجل مجھے تجھ سے حیا آتی ہے۔

پھر حوا سے فرمایا۔

تم نے میرے بندے کو دھوکا دیا تم کو جب بھی حمل ہوگا تو تم کو تکلیف ہوگی اور جب بھی وضع حمل کا وقت آئے گا تو تمہیں موت کا مزہ آجائے گا۔

اور سانپ سے فرمایا

تم اس ملعون کو اپنے پیٹ میں داخل کر کے لے گئے جس نے میرے بندہ کو دھوکا دیا اب تم پیٹ کے بل چلتے رہو گے اور تمہارا رزق صرف مٹی ہوگی تم بنو آدم کے دشمن رہو گے اور بنو آدم تمہارے دشمن ہوں گے تم ان کو ڈسنے کی کوشش کرو گے اور وہ تم کو پتھروں اور لاٹھیوں سے ہلاک کرنے کی کوشش کریں گے۔

وہب سے کسی نے پوچھا:

کیا فرشتے بھی کھاتے ہیں۔

انہوں نے کہا:

اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

(تفسیر عبدالرزاق، ج:1 ص:316 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

شیطان کا دھوکہ

شیطان کے دل میں حضرت آدم علیہ السلام کی طرف سے سخت حسد پیدا ہو چکا تھا۔اس لئے وہ ان کی فکر میں رہتا تھا
دفعہ موقع پا کر یا تو جنت میں خو پہنچا یا اس لئے کہ اگر چہ وہ جنت سے نکالا جا چکا تھا مگر اب تک اس کا وہاں آنا جانا بند نہ ہوا تھا
اس طرح گیا کہ جنت میں مور اور سانپ نہایت خوبصورت جانور تھے اور یہ دونوں حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت کیا کر
تھے۔شیطان جنت کے دروازے کے باہر پہنچا ادھر مور بھی دروازۂ جنت پر آیا تھا۔شیطان اور مور نے آپس میں مشورہ کیا ک
صورت سے حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو دروازۂ جنت تک لے آنا چاہئے۔ادھر شیطان نے سانپ سے مشورہ کیا کہ تو مجھ کو
کر جنت کی دیوار پر اس وقت پہنچا دینا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام دروازے پر آئے ہوئے ہوں یہ تجویز طے ہونے کے بعد
نے حضرت آدم وحوا علیہما السلام کے سامنے ناچنا شروع کیا۔یہ دونوں حضرات رقص کے دیکھنے میں مشغول ہوئے۔مور نا
ناچتے پیچھے ہٹنے لگا۔یہ دونوں صاحب اس کی طرف آگے بڑھنے لگے یہاں تک کہ مور ناچتا ہوا دروازہ جنت پر آ گیا جس
ساتھ ہی ساتھ یہ دونوں صاحب بھی وہاں پہنچ گئے۔ادھر سانپ بھی تیار کھڑا تھا۔شیطان کو فوراً منہ میں لے کر جنت کی دیوار
پہنچ گیا۔اس ترکیب سے شیطان آدم علیہ السلام کے سامنے آ گیا اور اس کو کچھ ان سے گفتگو کرنے کا موقع مل گیا لہٰذا شیطا
جنت سے باہر رہا آدم علیہ السلام اندر اور پھر ان کی گفتگو ہوگئی۔

تفسیر کبیر نے اس قصہ پر کچھ جرح فرمائی ہے مگر تفسیر عزیزی نے بلا جرح اسے نقل فرمایا کچھ بھی ہوا بہر حال شیطان
کے روبرو پہنچ گیا۔

اور جا کر عرض کیا

مجھ سے آپ کے حضور میں بڑی بے ادبی ہوئی۔میں نے آپ کو سجدہ نہ کیا جس کے سبب میں ملعون ہو گیا۔اب میں
ہوں کہ اس گناہ کا کفارہ ادا کروں اور آپ علیہ السلام کو ایسے مرتبہ پر پہنچا دوں جس سے آپ علیہ السلام مجھ سے راضی ہو جا
اور آپ علیہ السلام کو مجھ پر جو غصہ ہے وہ جاتا رہے۔

یہ کہہ کر بولا:

آپ علیہ السلام اپنی اس تعظیم وتکریم پر فریفتہ ہو جائیں کیونکہ آپ علیہ السلام کو آخر کار موت آنے والی ہے۔جس
تمام عیش وآرام ختم ہو جائیں گے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا:

موت کیا چیز ہے؟

شیطان مردہ جانور کی طرح ان کے سامنے پڑ گیا اور جان کنی کے وقت جو حالت ہوتی ہے ہاتھ پاؤں پٹکنا،روح
تڑپنا وغیرہ ان کو دکھلا دیا۔یہ دونوں حضرات اس حالت کو دیکھ کر ڈر گئے۔

اور اس سے پوچھنے لگے کہ
کیا اس موت سے بچنے کی کوئی تدبیر ہے۔
اس نے کہا:

ہاں
قرآن کریم نے خود اس کا کلام نقل فرمایا
هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ○ (طٰہٰ: 120)
یعنی میں تم کو ایسے درخت کا پتا بتاتا ہوں کہ جو اسے کھالے ہرگز نہ مرے اور اس کی بادشاہت بھی فنا نہ ہو۔
انہوں نے پوچھا:
وہ کون سا درخت ہے؟
اس نے وہی درخت بتایا جس سے ان صاحبوں کو منع فرمایا گیا تھا۔
فرمایا:
یہ درخت تو سلطنت جانے کا سبب ہے ہم کو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اگر ہم یہ درخت کھالیں تو اس کے عتاب میں آئیں گے اگر یہ فائدہ مند ہوتا تو ہم کو اس کے پاس سے کیوں منع فرمایا جاتا۔
شیطان لعین نے کہا:
مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ○ (اعراف: 20)
یعنی رب تعالیٰ نے تم کو اس درخت سے اس لئے منع نہیں کیا کہ اس سے تمہیں کچھ نقصان پہنچے گا بلکہ اس لئے کہ تمہیں خلافت کے لئے پیدا کیا گیا اور خلافت وہی کر سکتا ہے جو حق تعالیٰ کے ذکر کے علاوہ دوسری فکروں میں بھی مشغول رہے اور اللہ تعالیٰ سے کچھ دور بھی رہے۔ فرشتوں کی طرح صرف عابد اور رب عزوجل سے بالکل قریب نہ ہو۔ اس درخت میں یہ تاثیر ہے جو کوئی کھالیتا ہے وہ فرشتہ بن جاتا ہے پھر اس سے خلافت کا بوجھ نہیں اٹھ سکتا۔
دیکھو!
بادشاہ بھی اس شخص کو کہیں کا حکم بنا کے بھیجتا ہے جو بادشاہ کی دوری گوارہ کر سکے۔ نیز اس درخت کا کھانے والا کبھی بہشت سے نہیں نکل سکتا اور یہاں موت نہیں چونکہ تمہیں خلیفہ کرنا منظور ہے اور خلیفہ وہی ہو سکتا ہے جس کو موت بھی آسکے تاکہ خلافت اس کی نسل میں جاری ہو غرضیکہ حق تعالیٰ کی یہ ممانعت نہیں تنزیہی ہے۔ نہ کہ تحریمی اور نہی تنزیہی کی پہچان ہی یہی ہے کہ جو کسی کے دنیوی فائدے کی خاطر کی جائے۔
جیسے قرآن شریف میں ہے۔

وَلَا تَسْئَمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا (البقرہ: 282)

قرض کم ہو یا زیادہ اس کے لکھنے میں کوتاہی نہ کرنا نیز تمہیں رب عزوجل نے اس کے کھانے سے منع نہیں کیا بلکہ درخت کے پاس جانے سے روکا ہے۔ آپ پاس نہ جائیں لائے میں دیتا ہوں آپ کھالیں اور اگر رب عزوجل نے کھانے سے منع فرمایا ہو تو یہ ممانعت آپ کی شروع پیدائش کے وقت تھی۔

اس وقت اس کو ہضم کرنے کی آپ میں طاقت نہ تھی۔ اب بفضلہٖ تعالیٰ آپ قوی ہو چکے ہیں۔ اب اس کا کھانا بھی منع نہیں۔ غرضیکہ ہر پہلو پر گفتگو کر گیا یہ کہہ کر قسمیں کھا گیا کہ میں تمہارا بڑا خیر خواہ ہوں۔

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّىْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ (اعراف: 21)

حضرت آدم علیہ السلام کو اس کی قسموں پر اعتبار آ گیا۔ وہ یہ سمجھے کہ کسی میں یہ ہمت ہی نہیں کہ رب تعالیٰ کی جھوٹی قسم کھائے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو یہ خیال نہ رہا کہ رب عزوجل سے پوچھ لیں پوچھنا بھول گئے کیونکر نہ بھولتے دنیا میں آ کر رنگ لگانا دیکھو یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے ساتھ بھیجتے وقت اللہ تعالیٰ کو سونپنا بھول گئے۔ چالیس یا اسی سال کی جدائی ہوگئی۔ اسی جدائی کی برکت سے آپ علیہ السلام کو سلطنت ملی اور بنی اسرائیل مصر میں آباد ہوئے۔ ہمارے حضور نے بدر کے قیدیوں کے متعلق انتظار وحی فرمانا بھولے اس بھول کی برکت سے ان تمام قیدیوں کو بعد میں ایمان نصیب ہوا اگر اسی وقت قتل ہو جاتے تو ایمان کیسے ملتا غرضیکہ یہ ہماری بھول شیطانی، نفسانی ہوتی، پیغمبر کی بھول رحمانی جس کے شاندار نتائج ہیں۔

شیطان نے حضرت آدم وحوا علیہا السلام کو ایک دم نہیں بہکایا بلکہ حضرت حوا علیہا السلام کو پہلے بہکایا اور حضرت آدم علیہ السلام کو بعد میں بہکایا اسی طرح وہ درخت پہلے حضرت حوا علیہا السلام نے کھایا بعد میں حضرت آدم علیہ السلام نے کھایا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص: 301 تا 303 نعیمی کتب خانہ لاہور)

شیطان کو جنت سے نکل جانے کا حکم

جب شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تجھ کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے منع کیا ہے جب میں نے تجھے سجدہ کا حکم دیا تھا اس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا لہٰذا میں اس سے بہتر ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تو یہاں سے نکل جا تمہیں یہاں گھمنڈ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ (الاعراف: 13)

فرمایا تو یہاں سے اتر جا تجھے یہاں گھمنڈ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ سو نکل جا بے شک تو ذلیل ہونے والوں میں سے ہے۔

جب ابلیس لعین کا تکبر اور حسد اس کے کلام اور عمل سے ظاہر ہو گیا تو رب تعالیٰ نے اس کے دلائل کا جواب نہیں دیا بلکہ اس کو فرمایا: تو اس نورانی جماعت ملائکہ سے یا جنت یا آسمانوں سے نیچے اتر جا۔ تجھے ان مبارک مجلسوں، مبارک مقامات پر رہ کر غرور و تکبر کرنا کسی طرح جائز نہیں تھا کہ یہ مجلسیں یہ مقامات تو متواضعین عجز و انکسار کرنے والوں کے لئے ہیں۔ یہاں متکبر لوگ رہ سکتے ہیں نہ رہ سکتے ہیں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری نے لکھا ہے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ

جنت سے اتر جا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلہ میں تکبر کرنے والا یہاں نہیں رہتا۔

(جامع البیان: ج:8،ص:174 مطبوعہ دارالفکر)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ

شیطان جنت عدن میں رہتا تھا حضرت آدم علیہ السلام کو اسی جنت میں پیدا کیا گیا تھا اور ابلیس کو اسی جنت سے نکلنے کا حکم دیا گیا تھا۔

(تفسیر کبیر: ج:5،ص:210 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھے ہیں۔

ایک تفسیر یہ ہے کہ

تو آسمان سے اتر جا کیونکہ آسمان میں رہنے والے وہ فرشتے ہیں جو متواضع ہیں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ

تو اپنی موجودہ صورت سے دوسری صورت میں منتقل ہو جا کیونکہ تو نے آگ کی صورت پر فخر اور تکبر کیا سو اس کی صورت تاریک اور سیاہ بنادی گئی اور اس کی روشنی اور چمک زائل ہو گئی۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ

زمین سے سمندروں کے جزیروں کی طرف منتقل ہو جا اور اب وہ زمین میں صرف اس طرح ہو سکے ہو گا جس طرح چور چھپے ہوتے ہیں۔

تاہم پہلی تفسیر راجح ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن، ج:7،ص:156 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے۔

اھبط بنا ہے ہبوط سے جس کے معنی ہیں اوپر سے نیچے گرنا بلندی سے نیچے پھینکا جانا خواہ جگہ کی بلندی ہو یا درجہ اور رتبہ کی یہاں دونوں احتمال ہیں اس لئے منہا میں کئی احتمال ہو سکتے ہیں۔

(1) اس سے مراد جنت ہے۔
(2) اس سے مراد آسمان ہے۔
(3) اس سے مراد جماعت ملائکہ ہے۔
ان تینوں صورتوں میں ھبوط کے معنی ہیں اونچی جگہ سے گرنا دھکیلا جانا یا اس سے مراد اس کا پچھلا درجہ اور قرب الٰہی ہے جو اسے اب تک میسر تھا یا اس سے مراد اس کی شکل وصورت ہے کیونکہ اب تک وہ فرشتوں کی صورت میں تھا بڑا خوبصورت، ان دونوں صورتوں میں ہبوط سے مراد ہے درجہ سے گرنا لہٰذا اس کی پانچ تفسیریں ہیں۔
(تفسیر نعیمی: پارہ آٹھ: ص: 360 نعیمی کتب خانہ لاہور)

شیطان کا قیامت تک مہلت مانگنا

جب شیطان اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوا اور اپنے غرور میں آ کر اپنے آپ کو بڑا کہا تو اللہ تعالیٰ نے جنت سے نکلنے کا حکم دیا پھر شیطان لعین نے کہا: مجھے قیامت تک مہلت دے دے تو اللہ تعالیٰ نے شیطان کو مہلت دے دی۔
قرآن مجید میں ہے:
قَالَ اَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ○ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ○ (الاعراف: 14 تا 15)
بولا: مجھے فرصت دے اس دن تک کہ لوگ اٹھائے جائیں فرمایا تجھے مہلت ہے۔
شیطان لعین اتنا بد بخت تھا کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے معافی نہ مانگی بلکہ اور گناہ کرنے کے لئے لمبی مدت مانگی۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
یبعثون بنا ہے بعث سے بمعنی اٹھانا۔
اس سے مراد ہے۔
قیامت کا دوسرا نفخہ
جب آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد زندہ کی جائے گی اس نے یہ اس لئے کہا تا کہ موت سے بچ جائے کیونکہ اسے پتا تھا کہ موت صور کے پہلے نفخہ تک آئے گی۔ دوسرے نفخے پر موت کا وقت نکل چکا ہوگا پھر کسی کو موت نہ آئے گی۔
اس کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ
میں سارے انسانوں کو بہکا سکوں آدم علیہ السلام کا بدلہ ان کی ساری اولاد سے لے سکوں۔
(تفسیر نعیمی: پارہ 8، ص: 361 نعیمی کتب خانہ لاہور)

شیطان کو کتنی زندگی کی مہلت دی گئی

شیطان کو اللہ تعالیٰ نے کتنی زندگی کی مہلت دی اس میں مفسرین کے اقوال ہیں۔

امام ابن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس لعین کو یوم حشر تک مہلت
نہیں دی لیکن اس کو وقت معلوم تک مہلت دی ہے اور یہ وہ دن ہے جس دن میں پہلا صور پھونکا جائے گا اور آسمان وزمین کی ہر
چیز ہلاک ہوجائے گی۔ سووہ بھی مرجائے گا۔

(جامع البیان: ج:8،ص:175 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اگر وقت معلوم سے مراد پہلے صور پھونکنے کا دن ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ابلیس لعین کو معلوم ہو گیا کہ وہ کس دن مرے گا
اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی سنت کے خلاف ہے وہ کسی مخلوق کو اس بات پر مطلع نہیں فرماتا کہ اس نے کس دن مرنا ہے
ورنہ انسان تمام عمر گناہ کرتا رہے اور مرنے سے صرف ایک دن پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کرلے تو اس طرح اگر ابلیس لعین کو
معلوم ہوجاتا کہ وہ اس دن مرے گا جس دن صور پھونکا جائے گا تو وہ ساری عمر لوگوں کو گمراہ کرتا رہتا اور مرنے سے ایک دن پہلے
توبہ کرلیتا۔

امام رازی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ
اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ اس دن بھی توبہ نہیں کرے گا لہٰذا صرف موت کے دن کے علم سے اس کا گمراہ کرنے پر دلیر ہونا لازم
نہیں جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنے معصوم ہونے کا علم ہے اور اس کے باوجود وہ کسی گناہ پر دلیر ہونا تو کجا اس کے قریب
بھی نہیں جاتے۔

(تفسیر کبیر: ج:5،ص:211 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

سورۃ حجر میں فرمایا گیا ہے:

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۝ اِلٰى یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝ (الحجر: 37 تا 38)

فرمایا بے شک تو مہلت پانے والوں میں سے اس دن تک جس کا وقت (ہمیں) معلوم ہے۔

شیطان کا بنی آدم کو صراط مستقیم سے بہکانا

جب اللہ تعالیٰ نے شیطان لعین کو مہلت دے دی تو شیطان لعین نے کہا: قسم اس بات کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے تو میں بھی
تیری صراط مستقیم پر ضرور لوگوں کی گھات میں بیٹھا رہوں گا پھر میں لوگوں کو بہکانے کے لئے ان کے سامنے اور ان کے پیچھے سے
اور ان کے دائیں اور بائیں سے آؤں گا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ
وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ ۝ (الاعراف: 16 تا 17)

اس نے کہا: قسم اس بات کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے تو میں بھی تیری صراط مستقیم پر ضرور لوگوں کی گھات میں بیٹھا

رہوں گا پھر میں لوگوں کے سامنے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں اور بائیں سے آؤں گا اور تو اکثر لوگوں کو شکر گزار نہیں پائے گا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

قال چار معنی میں آتا ہے۔

(1) فرمانا

(2) عرض کرنا

(3) کہنا

(4) بکواس کرنا

یہاں (ابلیس کا قول) بکواس کرنا ہے کیونکہ شیطان نے جو کچھ کہا وہ بے ہودہ بکواس ہی کی۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:8،ص:327 نعیمی کتب خانہ لاہور)

شیطان کا چار سمتوں سے حملہ آور ہونا

ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ

اس آیت میں شیطان کے چاروں طرف سے حملہ آور ہونے کا ذکر ہے کہ وہ لوگ جو میرے داؤ میں آ جائیں گے تو ان پر چار طرف سے حملہ کروں گا آگے سے پیچھے سے دائیں سے بائیں اوپر نیچے کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اوپر سے اللہ تعالیٰ کی رحمت مسلمانوں پر آتی ہے اس کا سلام آتا ہے۔

سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ (العام: 54)

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ (لنا: 69)

اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ (فاتحہ)

ادھر حفاظتی پہرہ ہے زمین پر انسان سجدے کرتا ہے اور ادھر بھی حفاظت کا انتظام ہے

یا

اس لئے کہ اوپر نیچے سے دشمن آتا ہے ان چار طرفوں سے دوست بھی آتے ہیں۔ ابلیس انسان کے پاس دوست کی شکل میں آتا ہے اس لئے ان طرفوں سے ہی آتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ

اوپر نیچے کا ذکر یا تو اس لئے نہیں کیا کہ نیچے بندے کی عاجزی وزاری آتی ہے اوپر سے رحمت آتی ہے یہ آنے جانے کے راستے چور سے محفوظ رکھے گئے ہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ
ان چار لفظوں کی بہت ہی تفسیریں کی گئی ہیں۔
(1) اس سے چار سمتیں ہی مراد ہیں کیونکہ اس کی ذریت یعنی قرین وغیرہ کو ہر وقت انسان کے ساتھ رہتے ہیں مگر ابلیس فقا انسان کے پاس آتا ہے ان چار سمتوں سے۔
(2) سامنے سے مراد ہے آخرت کہ وہ آرہی ہے۔
پیچھے سے مراد ہے دنیا کہ وہ جارہی ہے یعنی انہیں آخرت سے غافل کروں گا۔ دنیا میں راغب کروں گا۔
ایمان سے مراد ہے عبادات
شمائل سے مراد ہے گناہ یعنی عبادت میں سستی کراؤں گا گناہوں میں پھنساؤں گا۔
(3) سامنے سے مراد ہے دنیا کہ وہ نقد ہے دیکھنے میں آرہی ہے۔
پیچھے سے مراد ہے آخرت کہ وہ دنیا ختم ہونے پر آئے گی۔ انہیں دنیا کا یقین دلاؤں گا آخرت کے متعلق مشکوک کروں گا۔
ایمان سے مراد ہیں عقائد
شمائل سے مراد ہیں اعمال یعنی برے عقائد اور برے اعمال میں پھنساؤں گا۔
(4) سامنے سے مراد دنیا ہے۔
پیچھے سے مراد آخرت ہے یعنی میں ان کی نگاہوں میں دنیا کو آراستہ کردوں گا اور آخرت کو بھیانک خوفناک دکھاؤں گا۔
ایمان سے مراد حق ہے۔
شمائل سے مراد باطل ہے یعنی ان کی نگاہوں میں حق کو باطل اور باطل کو حق کر کے دکھاؤں گا۔ نیک کاموں میں دیر کراؤں برے کاموں میں جلدی کراؤں گا۔
(5) حضرت شفیق فرماتے ہیں کہ
میرے پاس شیطان چاروں طرف سے آتا ہے اور قرآن میری چاروں طرف سے رہبری کرتا ہے مجھے اس سے بچاتا ہے وہ میرے سامنے سے اس طرح آتا ہے کہ مت ڈر اللہ غفور رحیم ہے فوراً مجھے قرآن سناتا ہے۔
وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا (طہ: 82)
کہ رب تعالیٰ واقعی غفار ہے مگر اس کے لئے جو توبہ کرے، اعمال صالحہ اختیار کرے اور میرے پیچھے سے شیطان اس طرح آتا ہے کہ مجھ سے کہتا ہے کہ اگر تو خیرات صدقات کرے گا تو تیرے بچے فقیر ہو جائیں گے ان کے لئے بچا۔
تو قرآن سناتا ہے۔
وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا (ہود: 6)

ہر جاندار کی روزی اللہ کے ذمہ کرم پر ہے۔
شیطان میرے داہنے سے آتا ہے تو میری تعریفیں کرتا ہے تو بڑا عالم، عاقل صوفی شیخ ہے۔
قرآن میری ہدایت کرتا ہے۔
وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (اعراف: 128)
اگر تو متقی نہیں تو کچھ بھی نہیں۔
پھر شیطان میرے بائیں طرف سے آتا ہے مجھے شہوات میں پھنساتا ہے۔
قرآن فرماتا ہے۔
وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ (سبا: 54)
(تفسیر نعیمی: پارہ 8، ص:368 تا 370 نعیمی کتب خانہ لاہور)

شیطان نے لمبی عمر کیوں مانگی

جب شیطان نے اپنی درازی عمر اور لمبی مہلت معلوم کر لی تو بولا کہ میرے مولا عزوجل یہ بھی سن لے کہ میں نے یہ لمبی تجھ سے کیوں مانگی ہے۔ توبہ کرنے یا نیک اعمال کرنے کے لئے نہیں جو سجدے سجود کرنے تھے وہ تو میں کر چکا اب میرا کاٹا گیا میں اس کی قسم کھاتا ہوں کہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا یعنی تیرے مجھے بہکا دینے کی قسم گویا میں تو اچھا تھا تو نے مجھے برا کر دیا کی وجہ سے تو نے مجھے گمراہ مردود کر کے نکالا ہے میں اس کا بدلہ ان کی اولاد سے تا قیامت لیتا رہوں گا جو کہ خدا رسی کا راستہ اس پر میں گھات لگا کر بیٹھوں گا جسے اس راہ پر آتا دیکھوں گا اسے دائیں بائیں آگے پیچھے سے گھیر لوں گا کہ کسی کو آگے سے کسی پیچھے سے کسی کو دائیں طرف سے کسی کو بائیں طرف سے بہکاؤں گا۔ کسی کے پاس مولوی کی شکل میں جاؤں گا۔ کسی کے صوفیوں پیروں کی صورت میں نمودار ہوں گا۔ کسی کے سامنے عیش و طرب پیش کروں گا کسی کے سامنے آفات وغم، اگر ہو سکے ان کے عقائد بگاڑ دوں گا ورنہ فرائض سے روکوں گا اگر یہ بھی نہ ہو سکا تو کم از کم سنت واجبات بلکہ مستحبات سے روکوں گا۔ کسی کو قرآن دکھا کر بہکاؤں گا کسی کو دنیا دکھا کر۔

اے میرے مولیٰ
تو دیکھ لینا انسان اکثر کافر ہوں گے۔ تھوڑے شاکر، یہ کمزور ہیں، میں ان کا قوی دشمن ہوں۔ مجھ سے بچ کر کہاں جائیں گے
(تفسیر نعیمی: پارہ 8، ص:370 نعیمی کتب خانہ لاہور)

شیطان کا اسلام کے راستے سے بہکانا

حضرت برہ بن ابی فاکہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

شیطان ابن آدم کے تمام راستوں پر بیٹھ جاتا ہے اور اس کو اسلام کے راستے سے بہکانے کی کوشش کرتا ہے۔
اور کہتا ہے
تم اسلام قبول کرو گے اور اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ دو گے۔ وہ شخص شیطان کی بات نہیں مانتا اور اسلام قبول کر لیتا
پھر اس کو ہجرت کے راستہ سے ورغلانے کی کوشش کرتا ہے۔
اور کہتا ہے۔
تم ہجرت کرو گے اور اپنے وطن کی زمین اور آسمان کو چھوڑ دو گے اور مہاجر کی مثال تو کھونٹے سے بندھے ہوئے اس
ے کی طرح ہے جو ادھر سے ادھر بھاگ رہا ہو اور اس کھونٹے کی حدود سے نکل نہ سکتا ہو وہ شخص اس کی بات نہیں مانتا اور
ہجرت کر لیتا ہے پھر شیطان اس کے جہاد کے راستے پر بیٹھ جاتا ہے۔
وہ اس شخص سے کہتا ہے کہ
تم جہاد کرو گے اور اپنی جان اور مال کو آزمائش میں ڈالو گے اگر تم جہاد کے دوران مارے گئے تو تمہاری بیوی کسی اور شخص
نکاح کر لے گی اور تمہارا مال تقسیم کر دیا جائے گا۔ وہ شخص شیطان کی بات نہیں مانتا اور جہاد کرنے چلا جاتا ہے۔
پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
سو جس شخص نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر یہ حق ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کر دے اور جو مسلمان قتل کیا گیا تو
الی کے ذمہ کرم پر اس کو جنت میں داخل کرنا ہے اور جو مسلمان غرق ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر اس کو جنت میں داخل
ہے اور جس مسلمان کو اس کی سواری نے ہلاک کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر اس کو جنت میں داخل کرنا ہے۔
(سنن نسائی: ج:6، رقم الحدیث: 3134)
ابلیس لعین نے کہا تھا کہ
میں ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں اور بائیں آؤں گا۔
اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا
سامنے سے مراد یہ ہے کہ میں ان کی دنیا کے متعلق وسوسے ڈالوں گا اور پیچھے سے مراد یہ ہے کہ ان کی آخرت کے متعلق
ے ڈالوں گا اور دائیں سے مراد یہ ہے کہ ان کے دین میں شبہات ڈالوں گا اور بائیں سے مراد یہ ہے کہ ان کو گناہوں کی
راغب کروں گا۔
قتادہ نے کہا:
سامنے سے آنے کا معنی یہ ہے کہ میں ان کو یہ خبر دوں گا کہ مرنے کے بعد اٹھنا ہے نہ جنت ہے نہ دوزخ ہے۔

اور پیچھے کا معنی یہ ہے کہ میں ان کے لئے دنیا کو مزین کروں گا اور انہیں اس کی دعوت دوں گا۔

دائیں جانب کا معنی یہ ہے کہ میں ان کو نیکیوں کو ضائع کرنے کی کوشش کروں گا اور بائیں جانب کا معنی یہ ہے کہ میں ان کے لئے برائیوں کو مزین کروں گا اور انہیں ان کی دعوت دوں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

اللہ تعالیٰ نے شیطان کو ابن آدم کے اوپر سے آنے کی کوئی راہ نہیں دی کیونکہ اوپر سے اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

(جامع البیان: ج: 7، ص: 191 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چاروں طرف امن کی دعا فرمانا

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح اور شام کے وقت ان دعاؤں کو کبھی ترک نہیں فرماتے تھے۔

اے اللہ عز وجل!

میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں عافیت کا سوال کرتا ہوں۔

اے اللہ عز وجل!

میں اپنے دین اور اپنی دنیا اور اپنے اہل اور اپنے مال میں تجھ سے عفو اور عافیت کا سوال کرتا ہوں۔

اے اللہ عز وجل!

میرے عیوب پر پردہ رکھ اور جن چیزوں کا مجھے خوف ہے ان سے مجھے محفوظ رکھ۔

اے اللہ عز وجل!

مجھے میرے سامنے سے، میرے پیچھے سے اور میرے دائیں سے اور میرے بائیں سے اور میرے اوپر سے محفوظ رکھ اور میں اس سے تیری عظمت کی پناہ میں آتا ہوں کہ میں اپنے نیچے سے ہلاک کیا جاؤں۔

سعید بن جبیر نے کہا:

اس سے مراد زمین میں دھنسنا ہے۔

(سنن ابوداؤد: ج: 4، رقم الحدیث: 5074)

شیطان کا بچہ کو چھونا اور بچہ کا چیخ مار کر رونا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

بنو آدم کا جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے اس کی پیدائش کے وقت شیطان اس کو مس کرتا ہے اور شیطان کے مس کرنے سے وہ

روتا ہے ماسوا حضرت مریم اور ان کے بیٹے کے پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ آیت پڑھتے تھے۔
(عمران کی بیوی نے یہ دعا کی) میں مریم اور اس کی اولاد کو شیطان رجیم کے شر سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔
(صحیح بخاری: ج:1، ص:488 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

شیطان کا نماز میں وسواس ڈالنا

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طائف کا عامل بنایا تو کوئی چیز آ کر مجھے نماز میں ستاتی تھی حتیٰ کہ مجھے پتا نہیں چلتا کہ میں نماز میں کیا پڑھ رہا ہوں جب مجھے اس کا احساس ہوا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ابن ابی العاص
میں نے عرض کیا
جی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تم کس لئے آئے ہو۔
میں نے عرض کیا
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نماز میں مجھے کوئی چیز آ کر ستاتی ہے حتیٰ کہ مجھے پتا نہیں چلتا کہ میں نماز میں کیا پڑھ رہا ہوں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ شیطان ہے۔ قریب آؤ۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آ گیا اور اپنے قدموں کے بل بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور میرے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا۔
اور ارشاد فرمایا
اے اللہ عزوجل کے دشمن نکل جا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل تین بار کیا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اب تم اپنے کام پر جاؤ۔
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا:
مجھے اپنی زندگی کی قسم! اس کے بعد وہ مجھ میں نہیں آیا۔
(سنن ابن ماجہ: ص:253 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

شیطان کا مختلف صورتوں میں گمراہ کرنا

شیطان نے حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو وسوسہ دیا اور پھر ان کی اولاد کو بھی مختلف صورتوں میں گمراہ کرنے کا عز
حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک ابن آدم گمراہی کی طرف زیادہ جا رہے ہیں جو کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ
ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ؕ (نساء: 119)

اور مجھے قسم ہے میں ضرور ان کو گمراہ کروں گا اور میں ضرور ان کے دلوں میں (جھوٹی) آرزوئیں ڈالوں گا اور میں ان کو ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور مویشیوں کے کان چیر ڈالیں گے اور میں ان کو ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو تبدیل کریں گے اور جس نے اللہ تعالیٰ کے بجائے شیطان کو اپنا مطاع بنالیا تو وہ کھلے ہوئے نقصان میں مبتلا ہو گیا۔

اس آیت کریمہ میں شیطان نے اپنے دعوے کا ذکر کیا کہ میں ابن آدم کو ضرور کروں گا۔ اس کا یہ دعویٰ تھا کہ میں لوگوں کے دلوں میں جھوٹی آرزوئیں ڈالوں گا۔ اس کا یہ دعویٰ تھا کہ میں ان کو ضرور حکم دوں گا وہ ضرور مویشیوں کے کان ڈالیں گے۔

قتادہ اور سدی نے کہا:

اس کا معنی ہے وہ بحیرہ کے کان چیرنے کا حکم دے گا۔

بحیرہ اس اونٹنی کو کہتے تھے: جب کوئی اونٹنی پانچ جنتی اور پانچواں بچہ نہ ہوتا تو وہ اونٹنی کے کان چیر دیتے اور اس سے نفع بند کر دیتے وہ اونٹنی جس جگہ چاہے پانی پیے اور جس چراگاہ سے چاہے چرے اس کو کوئی منع نہیں کرتا تھا اور نہ کوئی شخص اس پر سوار ہوتا تھا۔ شیطان نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ یہ تمام کارروائی عبادت ہے۔

(زاد المسیر ج:2، ص:119)

سعید بن میتب بیان کرتے ہیں کہ

بحیرہ وہ اونٹنی ہے جس کا دودھ دوہنے سے بتوں کے لئے منع کیا جاتا تھا اور کوئی شخص اس کا دودھ نہیں دوہتا تھا۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: 3522)

شیطان کا یہ دعویٰ تھا کہ میں ان کو ضرور حکم دوں گا وہ ضرور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورتوں کو تبدیل کریں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت پر لعنت کی جو ایک عورت کے بالوں کے ساتھ دوسری عورت کے بال ملاتی ہے جو عورت اپنے بالوں کے ساتھ دوسری عورت کے بال لگواتی ہے اور جسم کو گودنے والی (یعنی جسم پر نشان لگانا وغیرہ) پر اور گدوانے والی عورت پر لعنت کی ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5940)

شیطان کے وسوسہ کی تحقیق

شیطان کے وسوسہ سے دھوکہ کھانے کی تحقیق یہ ہے کہ جب تک انسان کسی چیز کے متعلق یہ یقین نہ کرے کہ اس میں خیر غالب ہے اور نفع زیادہ ہے وہ اس چیز میں رغبت نہیں کرتا اور اس کے حصول کے در پے نہیں ہوتا پھر اگر اس کا یقین واقع کے مطابق ہو تو یہ حق اور صدق ہے اور اگر یہ یقین کسی فرشتے کے القاء کرنے کی وجہ سے ہے تو یہ الہام ہے اور اگر اس کا یہ یقین واقع کے مطابق نہیں ہے اور اس کا ظاہر حسین اور مزین ہے اور اس کا باطن فاسد اور باطل ہے تو یہ کلام مزخرف ہے اب یا تو اس نے اپنی لاعلمی کی وجہ سے بری چیز کو اچھا اور پیتل کو سونا سمجھ لیا اور یا ارواح خبیثہ نے اس کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا ہے اور اس کے ذہن میں برائی کو خوش نما بنا کر پیش کیا ہے۔

درحقیقت روحیں دو قسم کی ہیں۔

ایک طیب اور طاہر ہوتی ہے یہ فرشتے ہیں۔

اور دوسری ناپاک اور شریر ہوتی ہیں یہ شیاطین ہیں۔

ارواح طیبہ جس طرح لوگوں کو نیکی کا حکم دیتی ہیں۔ اسی طرح ایک دوسرے کو بھی نیکی کا حکم دیتی ہیں اور ارواح خبیثہ جس طرح لوگوں کو برائی کا حکم دیتی ہیں۔ اسی طرح ایک دوسرے کو بھی برائی کا حکم دیتی ہیں پھر انسانوں میں جس کی سرشت نیک ہوتی ہے اور ان پاکیزگی اور خیر کا غلبہ ہوتا ہے ان کی فرشتوں کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے اور ان پر الہام ہوتا ہے اور جن کی سرشت خبیث ہوتی ہے اور ان پر برائی کا غلبہ ہوتا ہے ان کی شیطانوں کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے اور ان کے دلوں میں شیطان وسوسے ڈالتے رہتے ہیں پھر انسانوں میں جو زیادہ خبیث اور سرکش ہوتے ہیں۔ وہ دوسرے انسانوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرتے ہیں اور برائیوں کو خوش نما بنا کر دوسرے لوگوں کو دھوکے میں ڈالتے ہیں اور لوگوں کو برائیوں اور گناہوں پر راغب کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ابن آدم کے قریب ایک شیطان کا نزول ہوتا ہے اور ایک فرشتہ کا نزول ہوتا ہے شیطان کی طرف سے القا کرنے والا اس کو مصائب سے ڈراتا ہے اور حق کی تکذیب کراتا ہے اور فرشتہ کی طرف سے القاء کرنے والا خیر کی بشارت دیتا ہے جو شخص اس کو دل میں پائے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے اور جو شخص اپنے دل میں دوسری بات پائے وہ اعوذ باللہ من الشیطٰن

الرجیم پڑھے۔
پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔
اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ (البقرہ: 268)
شیطان تم کو مفلسی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔
(سنن الترمذی: ج:4، رقم الحدیث:2999)
حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کا یہ گمان تھا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ اس لئے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چپ چاپ بیٹھے تھے۔ اتنے میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھ گئے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اے ابوذر (رضی اللہ عنہ) کیا تم نے آج نماز پڑھ لی ہے۔
انہوں نے کہا:
نہیں
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اب کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ جب انہوں نے چار رکعت چاشت کی نماز پڑھ لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہوئے۔
اور ارشاد فرمایا
جنوں اور انسانوں کے شیطانوں سے پناہ طلب کیا کرو۔
انہوں نے کہا:
یا نبی اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا انسانوں کے لئے بھی شیطان ہوتے ہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ہاں! جن اور انس کے شیاطین دھوکے میں ڈالنے کے لئے ایک دوسرے کو خوش نما باتیں القا کرتے ہیں۔
(مسند احمد: ج:16، رقم الحدیث:22189)

وساوس شیطان سے نجات کا طریقہ

جب شیطان کوئی وسوسہ ڈالے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی جائے اور اللہ تعالیٰ سے بار بار دعا کی جائے کہ یا خالق

نے مجھے اس بد بخت کے وسوسوں سے نجات عطا فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ○ (الاعراف: 200)

اور اگر شیطان تمہیں کوئی وسوسہ ڈالے تو اللہ کی پناہ طلب کرو بے شک وہ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

نزغ شیطان کا معنی ہے شیطان کا وسوسہ

سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ

میں حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی خدمت میں تھا۔ ان کے درمیان شیطان نے وسوسے ڈال دیئے تھے۔ ان میں سے ایک دوسرے کو برا کہتا رہا پھر وہ اس وقت تک مجلس سے نہیں اٹھے جب تک ہر ایک نے دوسرے سے معافی نہیں مانگ لی۔

متقدمین میں سے ایک استاد نے اپنے شاگرد سے کہا

اگر شیطان تمہیں گناہوں پر اکسائے تو تم کیا کرو گے۔

اس نے کہا:

میں اس کے خلاف کوشش کروں گا۔

استاد نے کہا:

اگر وہ پھر اکسائے؟

کہا

میں پھر کوشش کروں گا۔

کہا

اگر وہ پھر اکسائے

کہا

میں پھر کوشش کروں گا

استاد نے کہا:

یہ سلسلہ تو دراز ہو جائے گا

استاد نے کہا:

یہ بتاؤ اگر تم بکریوں کے ریوڑ کے درمیان سے گزرو اور بکریوں کا محافظ کتا تم پر بھونکنے لگے تو تم کیا کرو گے۔

اس نے کہا:

میں اس کو دور بھگانے کی کوشش کروں گا۔

استاد نے کہا:

یہ سلسلہ تو دراز ہو جائے گا لیکن اگر تم بکریوں کے چرواہے سے مدد طلب کرو تو وہ کتے کو تم سے دور کر دے گا۔ اسی طرح جب شیطان تم کو کسی گناہ پر اکسائے تو تم اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو وہ شیطان کو تم سے دور کر دے گا۔

(الجامع الاحکام القرآن جز:7،ص:311 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَيْفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ ○ (الاعراف: 201)

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں انہیں اگر شیطان کی طرف سے کوئی برا خیال چھو بھی جاتا ہے تو وہ خبردار ہو جاتے ہیں اور اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

علامہ راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:

انسان کو ورغلانے کے لئے انسان کے گرد گردش کرنے والے شیطان کو طائف کہتے ہیں۔ کسی چیز کا خیال یا اس کی صورت جو نیند اور بیداری میں دکھائی دے کر اس کو طیف کہتے ہیں۔

(المفردات ج:2،ص:406 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

علامہ المبارک بن محمد المعروف بابن الاثیر جزری متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

طیف کا اصل معنی جنون ہے پھر اس کو غضب، شیطان کے مس کرنے اور اس کے وسوسہ کے معنی میں استعمال کیا گیا اور اس کو طائف بھی کہتے ہیں۔

(النہایہ ج:3،ص:139 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

طیف کا معنی تخیل ہے۔

اور طائف کا معنی شیطان ہے۔

اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ

جو لوگ گناہوں سے بچتے ہیں جب انہیں کوئی وسوسہ لاحق ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں اور اللہ تعالیٰ نے ان پر جو انعام کئے ہیں۔ ان میں غور و فکر کرتے ہیں اور پھر معصیت کو ترک کر دیتے ہیں۔

(الجامع الاحکام القرآن جز:7،ص:313 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

جب انسان دوسرے شخص پر غضب ناک ہو اور اس کے دل میں شیطان یہ خیال ڈالے کہ وہ اس سے انتقام لے تو پھر وہ انتقام نہ لینے کی وجوہات پر غور وفکر کرے اور انتقام نہ لینے کے ارادہ ترک کر دے۔

وہ وجوہات حسب ذیل ہیں۔

(1) انسان کو یہ سوچنا چاہئے کہ وہ خود کتنے گناہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو سزا دینے پر قادر ہے اس کے باوجود اس سے درگزر کرتا ہے اور اس سے انتقام نہیں لیتا سو اس کو بھی چاہئے کہ وہ انتقام لینے کا ارادہ ترک کر دے۔

(2) جس طرح اس کا مجرم بے بس اور مجبور ہے اسی طرح وہ بھی اللہ تعالیٰ کا مجرم ہے اور اس کے سامنے بے بس اور مجبور ہے۔

(3) غضب ناک شخص کو ان احکام پر غور وفکر کرنا چاہئے جن میں اسے انتقام کو ترک کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

(4) اس کو اس پر غور کرنا چاہئے کہ اگر اس نے غضب اور انتقام کے تقاضوں کو پورا کر دیا تو اس کا یہ عمل موذی درندوں کی طرح ہوگا اور اگر اس نے صبر کیا اور انتقام نہیں لیا تو اس کا یہ عمل انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم السلام کی مثل ہوگا۔

(5) اس کو یہ بھی سوچنا چاہئے کہ جس کمزور شخص سے آج وہ انتقام لینا چاہتا ہے ہوسکتا ہے کل وہ قوی اور قادر ہو جائے اور یہ کمزور اور ناتواں ہو جائے اور اگر وہ اس کو معاف کر دے تو پھر یہ شخص اس کا احسان مند رہے گا۔

(تفسیر کبیر: ج:5، ص:437 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

انسان کو ہر حال میں تفکر کرنا چاہئے کہ یہ شیطان کا حیلہ تو نہیں ہے جو مجھ پر حملہ آور ہونے والا ہے۔

جب بھی شیطان انسان کو کسی معصیت اور گناہ پر اکسائے وہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے انعامات پر غور وفکر کرے۔ اللہ تعالیٰ اس پر اتنی مہربانی کرتا ہے تو کیا یہ انصاف ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے۔ نیز اس پر غور وفکر کرے اگر اس نے یہ گناہ کیا تو اس سے شیطان راضی ہوگا اور اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا تو کیا یہ جائز ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ناراض اور شیطان کو راضی کرے۔ نیز یہ سوچنا چاہئے اگر آج اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو بھلا دیا تو ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو بھلا دے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنسٰكُمْ كَمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا (الجاثية: 34)

اور کہا جائے گا آج ہم تمہیں اس طرح بھلا دیں گے جس طرح تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا۔

اور یہ سوچنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس دنیا میں رزق دینے اور پرورش کرنے کا جو وعدہ کیا ہے وہ اس کو پورا کر رہا ہے تو اس نے کلمہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا جو وعدہ کیا ہے وہ اس کو کیوں پورا نہیں کر رہا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِىۡٓ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ (البقرہ: 40)

تم میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا۔

اور یہ سوچنا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول کر لیتا ہے تو پھر کیا یہ انصاف کا تقاضا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے جو کچھ کہے وہ بھی اس پر عمل کرے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اُجِيۡبُ دَعۡوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلۡيَسۡتَجِيۡبُوۡا لِىۡ (البقرہ: 186)

"جب دعا کرنے والا دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو انہیں بھی چاہئے کہ وہ بھی میرا حکم مانیں۔"

اور یہ غور کرنا چاہئے کہ اگر اس نے وہ گناہ کر لیا تو وہ فساق و فجار کی مثل ہوگا اور اگر اس نے اس گناہ سے دامن بچالیا تو وہ انبیاء کرام علیہم السلام کا متبع اور اولیاء کرام کی مانند ہوگا اور جو شخص فساق و فجار کے کام کرے گا وہ کیسے یہ توقع کرسکتا ہے کہ اس کی دنیا اور آخرت کی زندگی اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی طرح ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اَمۡ حَسِبَ الَّذِيۡنَ اجۡتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنۡ نَّجۡعَلَهُمۡ كَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحۡيَاهُمۡ وَمَمَاتُهُمۡ ؕ سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ۠ (الجاثیۃ: 21)

جن لوگوں نے دلیری سے گناہ کئے ہیں کیا انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ ہم انہیں ان لوگوں کی طرح کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے کہ ان کی زندگی اور موت برابر ہو جائے وہ کیا ہی برا فیصلہ کرتے ہیں۔

اور یہ بھی سوچنا چاہئے کہ

اگر اس نے لوگوں کے ڈر سے برے کام چھوڑ دیئے تو وہ اس کو کوئی انعام نہیں دیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ کے ڈر سے اس نے گناہ اور برے کام چھوڑ دیئے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے بہت بڑے انعام کا وعدہ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَاَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰىۙ۝ فَاِنَّ الۡجَـنَّةَ هِىَ الۡمَاۡوٰىؕ۝

(النازعات: 40 تا 41)

اور جو شخص اپنے رب عزوجل کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے اور اس نے اپنے نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔

اور یہ بھی سوچنا چاہئے کہ

وہ اپنے بچوں، اپنے شاگردوں، مریدوں اور اپنے ماتحت لوگوں کے سامنے بے حیائی کے اور برے کام نہیں کرتا اور جب

ہو اور صرف اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہو تو وہ بے حیائی اور برائی کے کاموں سے باز نہیں آتا تو کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوگا کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا اتنا خوف نہیں ہے جتنا اپنے ماتحت لوگوں اور چھوٹوں کا ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَ اخْشَوْنِ (المائدہ: 44)

تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔

نیز ارشاد فرمایا

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ٥ (الرحمن: 46)

اور جو شخص اپنے رب عزوجل کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسین بن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں۔

یحییٰ بن ایوب الخزاعی بیان کرتے ہیں کہ

میں نے سنا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک عبادت گزار نوجوان تھا جس نے مسجد کو لازم کر لیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس لئے خوش تھے اس کا ایک بوڑھا باپ تھا۔ وہ عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے باپ کی طرف لوٹ آتا تھا۔ اس کے راستہ میں ایک عورت کا دروازہ تھا۔ وہ اس پر فریفتہ ہوگئی۔ وہ اس کے راستے میں کھڑی ہو جاتی تھی۔ ایک رات وہ اس کے پاس سے گزرا تو وہ اس کو مسلسل بہکاتی رہی حتیٰ کہ وہ اس کے ساتھ چلا گیا جب وہ اس کے گھر کے دروازے پر پہنچا تو وہ بھی داخل ہوئی۔ اس نوجوان نے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا شروع کیا اور اس کی زبان پر آیت کریمہ جاری ہوگئی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ٥ (الاعراف: 201)

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں انہیں اگر شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھو بھی جاتا ہے تو وہ خبردار ہو جاتے ہیں اور اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

پھر وہ نوجوان بے ہوش ہو کر گر گیا۔ اس عورت نے اپنی باندی کو بلایا اور دونوں نے مل کر اس نوجوان کو اٹھایا اور اسے اس کے گھر کے دروازے پر چھوڑ آئیں۔ اس کے گھر والے اس کو اٹھا کر گھر میں لے گئے۔ کافی رات گزرنے کے بعد وہ نوجوان ہوش میں آیا۔

اس کے باپ نے پوچھا:

اے بیٹے تمہیں کیا ہوا تھا۔

اس نے کہا:

خیر ہے

باپ نے پھر پوچھا
تو اس نے پورا واقعہ سنایا
باپ نے پوچھا:
اے میرے بیٹے تم نے کون سی آیت پڑھی تھی۔ تو اس نے اس آیت کو دہرایا جو اس نے پڑھی تھی۔ پھر بے ہوش ہو کر گیا۔ گھر والوں نے اس کو ہلایا لیکن وہ مر چکا تھا۔ انہوں نے اس کو غسل دیا اور لے جا کر دفن کر دیا۔ صبح ہوئی تو اس بات کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچی۔ صبح کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے والد کے پاس تعزیت کے لئے آئے۔
اور ارشاد فرمایا
تم نے مجھے خبر کیوں نہیں دی۔
اس کے باپ نے کہا:
رات کا وقت تھا۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا
ہمیں اس کی قبر کی طرف لے چلو۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور آپ رضی اللہ عنہ کے اصحاب اس کی قبر پر گئے۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔
اے نوجوان! جو شخص اپنے رب عزوجل کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔
تو اس نوجوان نے قبر کے اندر سے جواب دیا۔
اے عمر (رضی اللہ عنہ)! مجھے میرے رب عزوجل نے جنت میں دو بار جنتیں عطا فرمائی ہیں۔
(مختصر تاریخ دمشق رقم: 114، ج: 19، ص: 190 تا 191 مطبوعہ دار الفکر بیروت)
حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ اپنی سند کے ساتھ اس حدیث کو اختصار کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔
حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ
حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک نوجوان نے عبادت اور مسجد کو لازم کر لیا تھا۔ ایک عورت اس پر عاشق ہو گئی۔ وہ اس کے پاس خلوت میں آئی اور اس سے باتیں کیں۔ اس کے دل میں بھی اس کے متعلق خیال آیا پھر اس نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گیا۔ اس کا چچا آیا اور اس کو اٹھا کر لے گیا جب اس کو ہوش آیا
تو اس نے کہا:
اے چچا! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جائیں ان سے میرا اسلام کہیں
اور پوچھیں کہ
جو شخص اپنے رب عزوجل کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے اس کی کیا جزا ہے۔ اس کا چچا حضرت عمر رضی اللہ عنہ

ں گیا۔ اس نوجوان نے پھر چیخ ماری اور جاں بحق ہوگیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے پاس کھڑے ہوئے
اور کہا
تمہارے لئے دو جنتیں ہیں۔ تمہارے لئے دو جنتیں ہیں۔
(شعب الایمان ج:1، ص:469، رقم الحدیث:736 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)
اس تمام بحث سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ شیطان لاکھ وساوس دلائے کبھی اس کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ کا
ف رکھنا چاہئے یقیناً اللہ تعالیٰ سے جو ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے آسانی کی راہ پیدا فرمادیتا ہے۔

یطان کا اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں پر کوئی تسلط نہیں ہے

شیطان نے کہا: اے میرے رب عزوجل چونکہ تو نے مجھے گمراہ کردیا ہے میں ضرور ان کے لئے زمین میں برے کاموں کو
وش نما بنادوں گا اور میں ضرور ان سب کو گمراہ کردوں گا۔ سوا ان لوگوں کے جو تیرے مخلص بندے ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
ھ تک پہنچنے کا یہی سیدھا راستہ ہے بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی تسلط نہیں ہے۔ سوائے ان گمراہوں کے جو تیری پیروی
کریں گے۔
قرآن مجید میں ہے:
اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَ ○ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَىَّ مُسۡتَقِيۡمٌ ○ اِنَّ عِبَادِىۡ لَيۡسَ لَكَ عَلَيۡهِمۡ
سُلۡطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡغٰوِيۡنَ○ (الحجر: 40 تا 42)
سوا ان میں سے تیرے ان بندوں کے جو اصحاب اخلاص ہیں فرمایا مجھ تک (پہنچنے کا) یہی سیدھا راستہ ہے۔ بے
شک میرے بندوں پر تیرا کوئی تسلط نہیں ہے سوا ان گمراہوں کے جو تیری پیروی کریں گے۔
اللہ تعالیٰ نے ابلیس کا یہ قول نقل فرمایا۔
اور میں ضرور ان سب لوگوں کو گمراہ کروں گا سوا ان میں سے تیرے آن بندوں کے جو اصحاب اخلاص ہیں۔ ابلیس لعین
نے اپنے قول میں اصحاب اخلاص کا استثناء کیا۔ وہ ان کو گمراہ نہیں کرسکے گا۔ اگر وہ ان کا استثناء نہ کرتا اور مطلقاً کہتا کہ میں سب کو
گمراہ کردوں گا تو اس کا قول جھوٹا ہوجاتا کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ وہ اصحاب اخلاص کو گمراہ نہیں کرسکے گا لہٰذا اس نے جھوٹ سے
بچنے کے لئے یہ استثناء کیا۔
اخلاص کیسے حاصل ہوتا ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے اور اصحاب اخلاص کون ہیں۔ ان کی بحث حسب ذیل ہے۔
علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:
خالص کا معنی صافی کی طرح ہے جس میں کسی چیز کی آمیزش نہ ہو۔
قرآن مجید میں ہے:

نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ○ (النحل: 66)

ہم تمہیں اس چیز سے پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں ہے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ گوبر اور خون کے درمیان سے اس طرح صاف اور خالص دودھ نکالتا ہے جس میں گوبر اور خون کی ذرہ برابر بھی آمیزش نہیں ہوتی۔ سو خالص چیز وہ ہوتی ہے جس میں کسی دوسری چیز کی ذرہ برابر بھی آمیزش نہ ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ جانوروں سے خالص دودھ نکالتا ہے۔

مسلمانوں کا اخلاص یہ ہے کہ

وہ صرف اللہ تعالیٰ کو مانے اور یہودیوں کی طرح تشبیہ اور نصاریٰ کی طرح تثلیث سے برأت کا اظہار کرے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ط (الاعراف: 29)

صرف اسی کی عبادت کرو عبادت میں اخلاص کرتے ہوئے اور اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ

ہر چیز سے برأت کا اظہار کرے صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور اس میں اور کسی چیز کی آمیزش نہ کرے۔

(المفردات ج:1، ص:206 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

اگر کوئی شخص جنت کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونے کے لئے عبادت کرے یا دوزخ کے عذاب کے خوف سے عبادت کرے تو اس میں بھی اخلاص ہے لیکن یہ کامل درجہ کا اور صدیقین کا اخلاص نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے عمل سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا ارادہ نہیں کر رہا اور جو کاملین اور صدیقین ہیں ان کا مطلوب صرف اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنا ہے اور اس کی رضا ہوتی ہے۔

اور بعض علماء نے یہ کہا ہے:

انسان جو بھی عمل کرتا ہے اس سے کسی نہ کسی مطلوب اور غرض کو حاصل کرنا ہوتا ہے اور تمام مطالب سے بری اور بے نیاز ہو کر کوئی عمل کرنا یہ تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کا دعویٰ کرنا کفر ہے اور قاضی باقلانی نے یہ فیصلہ کیا کہ

جو شخص یہ کہے کہ وہ تمام اغراض اور مطالب سے بری ہے وہ کافر ہے یہ فیصلہ برحق ہے۔

لیکن امام غزالی کی مراد یہ ہے کہ

جنت میں جو شہوت برآری کے ذرائع اور وسائل ہوں گے فقط ان کی نیت نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے دیدار اور اس کی معرفت سے جو لذت حاصل ہوگی اس کی نیت کرے۔

(احیاء العلوم ج:4، ص:332، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (البینہ: 5)

اوران کوصرف یہ حکم دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرتے ہوئے۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وحدہ لاشریک کے ساتھ اخلاص پر تھا اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں بناتا تھا اور نماز قائم کرتا تھا اور زکوٰۃ ادا کرتا تھا تو وہ اس حال میں مرا اللہ تعالیٰ اس پر راضی تھا۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 70)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب انہیں یمن کی طرف بھیجا گیا

توانہوں نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وصیت کیجئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو تمہیں کم عمل بھی کافی ہوگا۔

(المستدرک ج:4،ص:306)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا

اور عرض کیا

یہ بتایئے ایک آدمی جہاد کرتا ہے وہ اجر کا بھی طالب ہے اور شہرت کا بھی طالب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کے لئے کوئی اجر نہیں ہے۔ اس نے تین بار سوال دہرایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار یہی جواب دیا کہ اس کوئی اجر نہیں ہے۔

پھر ارشاد فرمایا

بے شک اللہ تعالیٰ اس عمل کو قبول کرتا ہے جو خالص اس کے لئے ہو اور اس عمل سے صرف اس کی ذات کا ارادہ کیا گیا ہو

(سنن نسائی رقم الحدیث:3140دار المعرفۃ بیروت)

ایک روایت میں ہے۔

حضرت مصعب بن سعد اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان کا یہ گمان تھا کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اصحاب کرام علیہم الرضوان پر فضیلت حاصل ہے جن کے پاس ان سے کم مال ہے۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ اس امت کی مدد صرف ضعیف مسلمانوں کی دعاؤں ان کی نمازوں اوران کے اخلاص کی وجہ سے فرماتا ہے۔

(سنن نسائی:رقم الحدیث:3178)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

میرا کوئی شریک نہیں ہے جس نے میرے ساتھ کسی کو شریک کیا پس وہ (عمل) میرے شریک کے لئے ہے۔

اے لوگو!

اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص کے ساتھ اپنے اعمال بجالاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان ہی اعمال کو قبول فرماتا ہے جو خالص اس کے لئے ہوں اور یہ نہ کہو کہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور رشتہ داروں کے لئے ہے کیونکہ پھر وہ عمل رشتہ داروں ہی کے لئے ہے اللہ تعالیٰ کے لئے وہ عمل بالکل نہیں ہے اور یہ نہ کہو یہ تمہاری خاطر ہے کیونکہ پھر وہ تمہاری ہی خاطر ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے بالکل نہیں ہے۔

(مسند البزار:رقم الحدیث:3567)

ایک روایت میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے میری حدیث سنی اس کی حفاظت کی اور اس کو یاد رکھا اور اس کی تبلیغ کی فقہ کے حامل اس کو اپنے سے زیادہ فقیہ تک پہنچادیتے ہیں۔

تین شخصوں کے دلوں میں کینہ اور حسد نہیں ہوتا جو اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کرتے ہوں۔ ائمہ مسلمین کی خیر خواہی کرتے ہوں اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ لازم ہوں ان کی دعا دوسروں کو بھی شامل ہوتی ہے۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2658)

دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کی دعا کرنا بھی اخلاص کا اعلیٰ درجہ ہے۔ یہ بات درست ہے کہ اخلاص کا سب سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ دوزخ سے نجات کے لئے عبادت نہ کی جائے نہ جنت کے حصول کے لئے صرف اور صرف اس کی ذات کے لئے اور اس کی رضا کے لئے عبادت کی جائے لیکن اس سے دعا کی جائے کہ وہ دوزخ کے عذاب سے نجات عطا فرمائے اور یہ بھی اخلاص کا اعلیٰ مرتبہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مدح فرمائی ہے جو راتوں کو اٹھ کر دوزخ سے نجات کی دعا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ (الفرقان: 64 تا 66)

اور جو لوگ اپنے رب عزوجل کے لئے سجدہ اور قیام کرتے ہوئے رات گزار دیتے ہیں اور جو یہ دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب ہم سے دوزخ کا عذاب دور فرما دے بے شک اس کا عذاب چمٹ جانے والی مصیبت ہے۔ بے شک وہ ٹھہرنے اور قیام کرنے کی بہت بری جگہ ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سید المخلصین ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت دوزخ کے عذاب سے پناہ طلب کرتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے۔

اللّٰهم انى اعوذبك من الكسل والحرام و لمائم والمغرم و من فتنة القبر و عذاب القبر و من فتنة النار عذاب النار

ترجمہ: اے اللہ عزوجل میں تیری پناہ میں آتا ہوں سستی سے اور بڑھاپے سے اور گناہ سے اور قرض سے اور قبر کی آزمائش اور عذاب قبر سے اور دوزخ کے فتنہ سے اور دوزخ کے عذاب سے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: 6368)

ایک روایت میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات یہ دعا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

ترجمہ: اے اللہ عزوجل! ہمیں دنیا میں اچھائی عطا فرما اور آخرت میں اچھائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6389)

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر کون صاحب اخلاص ہوگا انہوں نے حصول جنت کی دعا کی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَۃِ جَنَّۃِ النَّعِیْمِ (الشعراء: 85)

اور مجھے نعمت والی جنت کے وارثوں میں شامل کردے۔

ہمارے آقا دوعالم سید المخلصین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جنت کی دعا فرمائی ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کلمات کے ساتھ دعا کرتے تھے۔ یہ متعدد کلمات ہیں ان میں یہ کلمات بھی ہیں۔

میں تجھ سے جنت میں بلند درجات کا سوال کرتا ہوں۔ آمین

اے اللہ عزوجل!

میں تجھ سے خیر کے مبادی اور خواتم اور جوامع اور اول اور آخر کا اور ظاہر اور باطن کا سوال کرتا ہوں اور جنت میں درجات کا سوال کرتا ہوں۔ آمین۔

اے اللہ عزوجل!

مجھے دوزخ سے نجات دے اور دن اور رات کی مغفرت عطا کر اور جنت میں اچھا گھر عطا کر۔ آمین۔

اے اللہ عزوجل!

میں تجھ سے سلامتی کے ساتھ دوزخ سے نجات کا سوال کرتا ہوں اور مجھے امن کے ساتھ جنت میں داخل فرما۔

اے اللہ عزوجل!

میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تو میرے نفس میں اور میری سمع اور بصر میں اور میری روح میں اور میرے اخلاق میں میرے اوصاف میں اور میری زندگی اور میری وفات میں برکت عطا فرما۔

اے اللہ عزوجل!

میری نیکیوں کو قبول فرما اور میں تجھ سے جنت میں بلند درجات کا سوال کرتا ہوں۔ آمین۔

(المعجم الکبیر: ج:23، ص:317)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ بھی حکم دیا کہ ہم جنت الفردوس کا سوال کریں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اور اس نے نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کر دے خواہ اس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا ہو یا اپنی اس زمین میں بیٹھا رہا ہو جہاں وہ پیدا ہوا ہو۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم لوگوں کو یہ خوشخبری نہ دیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جنت میں سو درجے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لئے تیار کیا ہے اور دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین اور آسمان کا فاصلہ ہے پس جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو اس سے فردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا اوسط اور جنت کا اعلیٰ ہے اور میرا گمان ہے کہ اس کے اوپر رحمان کا عرش ہے اور جنت کے دریا اس سے نہیں نکلتے ہیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2790)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جنت میں سو درجے ہیں ہر درجے میں اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان میں فاصلہ ہے اور فردوس سب سے اعلیٰ درجہ ہے اس سے جنت کے چار دریا نکلتے ہیں اور اس کے اوپر عرش ہے پس جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو الفردوس کا سوال کرو۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2532)

ان احادیث مبارکہ سے واضح ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت طلب کرنے اور دوزخ سے نجات مانگنے کی دعا کی اور خیال رہے کہ یہ صرف امت کو تلقین کرنا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے جنت کے طلب اور دوزخ سے نجات کی دعا مانگو ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو جنت کو تقسیم کرنے والے ہیں۔

جب تک میرا بندہ مجھ سے مغفرت طلب کرتا رہے گا میں بھی مغفرت فرماتا رہوں گا

شیطان نے کہا: میں بندوں کو گمراہ کرتا رہوں گا تب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا جب تک میرا بندہ مجھ سے مغفرت طلب کرتا رہے گا میں بھی ان کی مغفرت فرماتا رہوں گا۔

چنانچہ احادیث مبارکہ میں ہے۔
حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
بے شک ابلیس لعین نے کہا:
اے رب عزوجل! تیرے عزت وجلال کی قسم! جب تک آدم کے بیٹوں کے جسموں میں ان کی روحیں رہیں گی میں ان کو گمراہ کرتا رہوں گا۔
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا
مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! جب تک وہ مجھ سے مغفرت طلب کرتے رہیں گے میں بھی ان کی مغفرت کرتا رہوں گا۔
(مسند احمد: ج:3، ص:41)

مجھ تک پہنچنے کا یہی راستہ ہے

شیطان لعین نے کہا: سب کو گمراہ کروں گا سوائے ان کے جو تیرے مخلص بندے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا مجھ تک پہنچنے کا یہی راستہ ہے۔
امام ابن جریر نے کہا:
• اس سے مراد یہ ہے کہ یہ میری طرف لوٹنے کا راستہ ہے۔ میں تمام لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دوں گا۔
جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا
اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ (الفجر: 14)
''بے شک آپ کا رب خوب دیکھ رہا ہے۔''
یہ اس طرح ہے جیسے کوئی شخص کسی کو ڈرانے اور دھمکانے کے لئے کہے میں تمہارے راستے پر ہوں۔
(جامع البیان: ج:14، ص:44 مطبوعہ دار الفکر بیروت)
حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا
یہ اس آیت کا معنی ہے یہ میرا سیدھا راستہ ہے جس پر چل کر لوگ جنت تک پہنچیں گے۔
ایک قول یہ ہے:
اس آیت کا معنی ہے یہ میرے ذمہ ہے کہ لوگوں کو اپنا راستہ دلائل سے بیان کروں یا یہ میرے ذمہ ہے کہ میں لوگوں کو راستہ کی توفیق اور ہدایت دوں۔
(الجامع الاحکام القرآن ج:10، ص:24 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی تسلط نہیں ہے

جب شیطان لعین نے یہ کہا تھا میں ضرور ان کے لئے برے کاموں کو زمین میں خوشنما بنادوں گا اور میں ضرور ان سب کو گمراہ کردوں گا۔ سوا ان تیرے بندوں کے جو اصحاب اخلاص ہیں۔ تو لعین نے اپنے کلام سے یہ وہم ڈالا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے جو اصحاب اخلاص نہیں ہیں ان پر ان کا تسلط ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی تسلط نہیں ہے خواہ وہ اصحاب اخلاص ہوں یا نہ ہوں بلکہ ان بندوں میں سے جو اپنے اختیار سے ابلیس کی پیروی کرے گا وہ اس کا تابع ہوگا اور یہ پیروی بھی اس وجہ سے نہیں ہوگی کہ ابلیس ان کو زبردستی یا جبر سے اپنا پیروکار بنائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ

ابلیس نے اپنے اس کلام سے یہ وہم ڈالا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے جو بندے اصحاب اخلاص نہیں ہیں ان پر اس کا تسلط اور تصرف ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی غلط بیانی یا جھوٹ کو واضح فرمایا اور یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کے کسی بندے پر ابلیس کو تسلط یا قدرت حاصل نہیں ہے اور اس کی نظیر وہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن ابلیس کا یہ قول نقل فرمایا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ (ابراھیم: 22)

اور مجھے تم پر کوئی تسلط حاصل نہ تھا البتہ میں نے تم کو دعوت دی سو تم نے میری دعوت قبول کرلی۔

اور اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ۝ (النحل: 99 تا 100)

بے شک شیطان کو ان لوگوں پر کوئی تسلط اور غلبہ حاصل نہیں ہے جو (اللہ پر) ایمان لائے اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ اسے صرف ان لوگوں پر تسلط اور غلبہ حاصل ہے جو اس کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں۔

اعتراض

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب شیطان کو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر کوئی تسلط اور قدرت نہیں ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کے متعلق فرمایا:

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ (البقرۃ: 36)

پس شیطان نے ان کو اس درخت کے ذریعہ لغزش میں مبتلا کیا اور جہاں وہ رہتے تھے وہاں سے انہیں باہر نکال دیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

شیطان کو ان کے دلوں پر قدرت نہیں ہے اور نہ ان کے اعضاء پر تسلط ہے کہ وہ جبراً ان سے کوئی گناہ کرائے۔ شیطان نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر ان کو بتایا کہ اس درخت سے کھانے میں ان کا فائدہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے سوچا کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے نام کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا اور انہوں نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس درخت سے جو منع کیا ہے وہ ممانعت تنزیہی ہے اور وہ یہ بھول گئے کہ یہ ممانعت تحریمی ہے یا انہوں نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مخصوص اور مشخص درخت سے منع کیا ہے میں اس نوع کے کسی اور درخت سے کھا لیتا ہوں اور وہ یہ بھول گئے کہ ممانعت اس نوع کے درخت سے تھی۔ الغرض حضرت آدم علیہ السلام کا اس درخت سے کھانا اجتہادی خطا اور نسیان سے تھا۔ ان کا فعل کوئی گناہ نہیں تھا اور ان کا جنت سے زمین پر آنا کوئی سزا نہ تھی بلکہ اپنے مقصد خلقت کی تکمیل اور زمین پر اللہ تعالیٰ کی خلافت جاری کرنے کے لئے وہ زمین پر تشریف لائے تھے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے بھول ہوئی

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مخصوص درخت سے منع کیا تھا لیکن جب شیطان نے انہیں وسوسہ دیا تو حضرت آدم علیہ السلام سے بھول ہوئی۔ سب سے پہلے حضرت حوا علیہا السلام نے کھایا بعد میں حضرت آدم علیہ السلام کو بھی کھلا دیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (الاعراف: 22)

جب انہوں نے اس درخت سے چکھا تو ان کی شرم گاہیں ان کے لئے ظاہر ہو گئیں اور وہ اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑنے لگے اور ان کے رب نے ان سے پکار کر فرمایا کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا۔ اور تم دونوں سے یہ نہ فرمایا تھا کہ بے شک شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (الاعراف: 23)

دونوں نے عرض کیا اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی 211ھ اپنی سند کے ساتھ وہب بن منبہ سے روایت کرتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کو جنت میں رکھا اور ان کو اس درخت سے منع کیا۔ اس درخت کی شاخیں بہت گھنی تھیں اور فرشتے اپنے دوام اور خلود کیلئے اس درخت سے کھاتے تھے جب ابلیس لعین نے ان کو ورغلانے کا ارادہ کیا تو سانپ کے پیٹ میں داخل ہو گیا اس وقت اونٹ کی طرح سانپ کی چار ٹانگیں تھیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں

ین جانور تھا۔ سانپ جنت میں داخل ہوا تو ابلیس لعین اس کے پیٹ سے نکل آیا اور اس نے اس ممنوع درخت سے پھل توڑا اور اس کو حضرت حوا علیہا السلام کے پاس لے کر آیا۔

اور ان سے کہا:

دیکھو یہ کیسے درخت کا پھل ہے اس کی خوشبو کیسی عمدہ ہے۔ اس کا کتنا لذیذ ذائقہ ہے اور کتنا حسین رنگ ہے۔ حضرت حوا علیہا السلام نے اس درخت سے کھالیا پھر اس درخت کو حضرت آدم علیہ السلام کے پاس لے کر گئیں۔

اور کہا

دیکھیں اس کی کتنی نفیس خوشبو ہے کتنا لذیذ ذائقہ ہے اور کتنا حسین رنگ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے بھی اس سے کھا لیا۔ پھر ان دونوں کی شرم گاہیں ظاہر ہو گئیں پھر حضرت آدم علیہ السلام) شرم سے) درخت (کی گھنی شاخوں) میں داخل ہو گئے تو ان کو ان کے رب عزوجل نے ندا فرمائی۔

اے آدم! (علیہ السلام)

تم کہاں ہو

انہوں نے کہا:

اے رب عزوجل! میں یہاں ہوں۔

ارشاد فرمایا

تم اس سے باہر نہیں آتے۔

عرض کیا

اے رب عزوجل! مجھے تجھ سے حیا آتی ہے۔

پھر حضرت حوا سے فرمایا

تم نے میرے بندے کو دھوکا دیا! تم کو جب بھی حمل ہوگا تو تم کو تکلیف ہوگی اور جب بھی وضع حمل کا وقت آئے گا تو تمہیں موت کا مزہ آجائے گا۔

اور سانپ سے فرمایا

تم اس ملعون کو اپنے پیٹ میں داخل کر کے لے گئے جس نے میرے بندہ کو دھوکا دیا۔ اب تم پیٹ کے بل چلتے رہو گے اور تمہارا رزق مٹی ہوگا۔ تم بنو آدم کے دشمن رہو گے اور بنو آدم تمہارے دشمن ہوں گے۔ تم ان کو ڈسنے کی کوشش کرو گے اور وہ تم کو پتھروں اور لاٹھیوں سے ہلاک کرنے کی کوشش کریں گے۔

وہب سے کسی نے پوچھا:

کیا فرشتے بھی کھاتے ہیں۔

انہوں نے کہا:

اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

(تفسیر عبدالرزاق: ج:1،ص:316 مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت)

تفسیر نعیمی میں مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام ممانعت الٰہیہ عزوجل کو نہ بھولے تھے بلکہ رب عزوجل کا یہ فرمان بھول گئے تھے کہ ابلیس تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اس مردود نے کہا:

میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور اس پر قسم کھا گیا۔ آپ علیہ السلام اس کی قسم سے دھوکا کھا کر اسے خیر خواہ سمجھ گئے یہ بھول ہوئی یا اس موقع پر رب تعالیٰ سے پوچھنا بھول گئے کہ مولیٰ تعالیٰ میں یہ پھل کھاؤں یا نہیں یا یہ بھول گئے کہ اس پھل میں یہ تاثیر نہیں کیونکہ انہیں کل ناموں کا علم دیا گیا تھا تو اس کے ساتھ ہر چیز کے فوائد نقصانات بتا دیئے گئے تھے۔ ان میں اس درخت کے نقصانات بھی تھے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:8،ص:286 نعیمی کتب خانہ لاہور)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ

وہ درخت جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کو منع فرمایا تھا گندم کا تھا جب ان دونوں نے اس درخت سے کھایا تو ان کی شرم گاہیں ظاہر ہوگئیں وہ ان کو جنت کے پتوں سے چھپانے لگے وہ انجیر کے درخت کے پتے تھے جو ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام پیٹھ موڑ کر جنت کی طرف چل دیئے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ندا فرمائی۔

اے آدم (علیہ السلام)! کیا تم مجھ سے بھاگ رہے ہو۔

انہوں نے کہا:

نہیں! اے رب عزوجل! لیکن اے رب عزوجل تیری عزت کی قسم! مجھے یہ گمان نہ تھا کہ کوئی شخص تیرے نام کی جھوٹی قسم کھا سکتا ہے۔

ارشاد فرمایا

میں تم کو ضرور زمین کی طرف اتار دوں گا اور تم کو روزی مشقت سے حاصل ہوگی پھر حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام زمین کی طرف اتار گیا اور انہیں لوہے کی صنعت کی تعلیم دی اور انہیں کھیتی باڑی کا حکم دیا۔ انہوں نے فصل اگائی اور اس میں پانی

ل کوٹنے کے بعد دانہ کو کوٹا اور اس کو بھوسے سے الگ کیا پھر اس کو پیسا پھر آٹا گوندھا پھر روٹی پکائی۔

(جامع البیان ج:8،ص:187 تا 188 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ

جب حضرت آدم علیہ السلام نے اس درخت سے کھالیا تو ان سے کہا گیا: آپ علیہ السلام نے اس درخت سے کیوں کھایا جس سے میں نے آپ کو منع فرمایا تھا۔

انہوں نے کہا:

مجھ سے حوا نے کہا تھا۔

ارشاد فرمایا

میں نے اس کو یہ سزا دی ہے کہ اس کو حمل بھی مشقت سے ہوگا اور وضع حمل بھی مشقت سے ہوگا۔ اس وقت حضرت حوا علیہا رونے لگیں۔

ان سے کہا گیا:

تم اور تمہاری اولاد روتی رہے گی۔

(جامع البیان ج:8،ص:189 دار الفکر بیروت)

ممنوعہ درخت کھانے کے بعد کون سا لباس پہنا۔

حضرت حوا علیہا السلام نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو ممنوعہ درخت کھلایا تو دونوں کی شرم گاہیں ظاہر ہوگئیں۔

جیسا کہ جامع البیان میں ہے۔

جب ان دونوں نے اس درخت سے کھایا تو ان کی شرم گاہیں ظاہر ہوگئیں۔ وہ ان کو جنت کے پتوں سے چھپانے لگے وہ انجیر کے درخت کے پتے تھے جو ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے تھے۔

(جامع البیان ج:8،ص:187 تا 188 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کس قسم کے لباس زیب تن فرماتے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ قمیص پسند تھی کیونکہ اس میں ستر بھی زیادہ ہوتا ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام کپڑوں میں قمیص سب سے زیادہ پسند تھی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:4025)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضا حاجت کے لئے گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پاس پانی لے کر آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شامی کوٹ پہنا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی کی ناک میں پانی ڈالا اور چہرہ دھویا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کلائیوں کو آستینوں سے نکالنے لگے وہ آستین تنگ تھیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوٹ کے نیچے سے ہاتھوں کو نکال لیا اور کلائیوں کو دھویا اور سر پر اور موزوں پر مسح کیا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5798)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم متوسط قامت کے تھے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرخ حلہ میں دیکھا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین کوئی چیز نہیں دیکھی۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5842)

سرخ حلہ ایک قسم کی دو چادریں ہوتی ہیں ایک کو بطور تہبند باندھی جاتی تھی اور ایک بالائی بدن پر لپیٹ لی جاتی تھی۔ اس کو سرخ حلہ کہتے ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین کوئی ذی لمہ نہیں دیکھا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2337)

ذی لمہ یعنی جس کے بال کانوں کی لو سے متجاوز کر چکے ہوں۔

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو رمثہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں اپنے والد رضی اللہ عنہ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گیا۔ میں نے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دو سبز رنگ کی چادریں تھیں۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 4064)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک صبح کو باہر گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر سیاہ رنگ کی اونی چادر تھی۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2822)

...س قسم کا لباس پسند تھا

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شیروانیاں تقسیم کیں اور مخرمہ کو کچھ نہیں دیا۔
مخرمہ نے کہا:
اے بیٹے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو۔ میں ان کو لے گیا۔
پھر کہا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے لئے بلالاؤ۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے
درانحالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان شیروانیوں میں سے ایک شیروانی تھی۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میں نے تمہارے لئے اس کو چھپا کر رکھا ہوا تھا۔
(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 4028)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جس شخص کو تہبند میسر نہ ہو وہ شلوار پہنے اور جس شخص کو جوتے میسر نہ ہوں وہ موزے پہنے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5804)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت معتمر کے والد بیان کرتے ہیں کہ
میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو زرد رنگ کی اونی ٹوپی پہنے ہوئے دیکھا۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5802)
ایک اور روایت میں ہے۔
جعفر بن عمرو بن حریث کے والد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ
میں نے دیکھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا اور عمامہ
کا ایک طرف (شملہ) کو دو کندھوں کے درمیان ڈالا ہوا تھا۔
(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 4077)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

خطبہ دے رہے تھے۔ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما دو سرخ قمیص پہنے ہوئے آئے وہ چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور ان کو اپنی گود میں بٹھا لیا۔

(سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: 3600)

ایک اور روایت میں ہے۔

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی داڑھی کو زرد رنگ سے رنگتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کے کپڑے بھی زرد رنگ ہو جاتے تھے۔

ان سے پوچھا گیا کہ

آپ رضی اللہ عنہ زرد رنگ سے کیوں رنگتے ہیں۔

انہوں نے کہا:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس رنگ سے رنگتے ہوئے دیکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے زیادہ اور رنگ پسند نہیں تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام کپڑوں کو رنگتے تھے حتیٰ کہ عمامہ بھی۔

(سنن ابی داؤد: رقم الحدیث: 4064)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک صبح کو باہر گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر سیاہ رنگ کی اونی چادر تھی۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2822)

عمدہ و صاف لباس پہننا

ابو الاحوص کے والد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے گھٹیا کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تمہارے پاس مال ہے۔

میں نے عرض کیا

جی ہاں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ہر قسم کا مال ہے۔

(دوسری روایت میں ہے)

میرے پاس اونٹ، بکریاں، گھوڑے، غلام ہر قسم کا مال ہے)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال دیا ہے تو تم پر اس کا اثر ظاہر ہونا چاہئے۔
(سنن نسائی: رقم الحدیث: 5239)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جس شخص کے دل میں ایک ذرّہ کے برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔
ایک شخص نے عرض کیا
ایک آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کی جوتی اچھی ہو۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ جمیل (حسین) ہے اور جمال سے محبت کرتا ہے۔ تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 91)
امام احمد رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے۔
اس شخص نے کہا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے یہ اچھا لگتا ہے کہ میرے کپڑے دھلے ہوئے ہوں اور میرے سر میں تیل لگا ہوا ہو اور میری جوتی نئی ہو اس نے اور بھی کئی چیزیں ذکر کیں حتیٰ کہ اپنے چابک کی ڈوری کا بھی ذکر کیا۔
اور پوچھا
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ چیزیں تکبر سے ہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
نہیں یہ جمال ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال سے محبت کرتا ہے لیکن تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔
(مسند احمد: ج:2، رقم الحدیث: 3789)
ایک اور روایت میں ہے۔
عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھے۔
(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2828)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اسلام صاف ستھرا ہے سو تم صاف ستھرے رہو کیونکہ جنت میں صرف صاف ستھرے لوگ داخل ہوں گے۔
(المعجم الاوسط: ج:5، رقم الحدیث: 4890)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جس کے بال غبار آلود اور بکھرے ہوئے تھے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
کیا اس کو کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جس کے ساتھ یہ اپنے بالوں کو سنوار سکے۔ ایک اور شخص کو دیکھا جو میلے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
کیا اس شخص کو میسر نہیں ہے جس سے یہ اپنے کپڑوں کو دھو سکے۔
(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 4062)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک کپڑا پہن کر نماز پڑھنے کے متعلق سوال کیا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
کیا تم میں سے ہر شخص کے پاس دو کپڑے ہیں۔ پھر ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا
جب اللہ تعالیٰ نے وسعت دی ہے تو وسعت کو اختیار کرو۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 365)
ایک اور روایت میں ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے ایک شخص کو سات سو درہم کا لباس خرید کر پہنایا۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ج:8، رقم الحدیث:4966)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے جس وقت ہم ایک درخت کے نیچے ٹھرے ہوئے تھے تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا۔
میں نے عرض کیا
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سائے کی طرف آجائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ اس وقت مجھے دستر ان میں ایک چھوٹی سی ککڑی ملی۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:
یہ تم کو کہاں سے ملی؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بات ذکر کی پھر ایک شخص چلا گیا جس نے دو پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھ کر ارشاد فرمایا۔
کیا ان کے پاس دو کپڑوں کے سوا اور کوئی کپڑا نہیں ہے۔
میں نے عرض کیا
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے دو کپڑے صندوق میں رکھے ہوئے ہیں جو میں نے اس کو پہنائے تھے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اس کو بلاؤ اور اس سے کہو کہ وہ دو کپڑے پہن لے۔ اس نے جا کر وہ کپڑے پہن لئے۔
(مسند البزار، رقم الحدیث:2964)

سادہ اور معمولی لباس کے فضائل

سہل بن معاذ بن انس جہنی اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع کرتے ہوئے (نہایت قیمتی) لباس کو ترک کر دیا حالانکہ وہ اس پر قادر تھا۔ اللہ قیامت کے دن اس کو لوگوں کے سامنے بلائے گا حتیٰ کہ اس کو اختیار دے دے گا کہ وہ ایمان کے حلوں میں سے جس حلہ کو

چاہے پہن لے۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث:2489)

ایک اور روایت میں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے قدرت کے باوجود خوبصورت لباس کو تواضعاً ترک کر دیا اللہ تعالیٰ اس کو عزت کے حلے پہنائے گا۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث:4778)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ عزوجل اس شخص سے محبت کرتا ہے جو روزمرہ استعمال کے عام کپڑے پہنتا ہے اور اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ اس پہنا ہے۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث:6176)

لباس پہننے کے شرعی احکام

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی 1252ھ لکھتے ہیں:

لباس پہننا بعض صورتوں میں فرض ہے۔ بعض میں واجب، بعض میں مستحب، بعض میں مباح، بعض میں مکروہ ا صورتوں میں حرام ہے۔

فرض

لباس کی جتنی مقدار شرم گاہ چھپانے کے لئے ضروری ہو اتنی مقدار کا لباس پہننا فرض ہے (مرد کی شرم گاہ ناف ۔ تک ہے اور عورت کا تمام بدن شرم گاہ ہے سوائے چہرہ، ہاتھ اور پیروں کے، محارم کے سامنے چہرے، ہاتھ اور پیروں ک جائز ہے اور اجنبی مردوں کے سامنے بلاضرورت شرعی ان کا ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔

واجب

سردی اور گرمی کے اثرات سے جسم کو محفوظ کرنے کے لئے جس قدر لباس پہننا ضروری ہو اس کا پہننا واجب ہے

مستحب

اظہار اور زینت کے لئے قدر زائد اور خوبصورت لباس پہننا مستحب ہے کیونکہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے کے اوپر اس کی نعمت کے آثار دکھائی دیں۔اسی طرح سفید، سیاہ اور سبز رنگ کا لباس پہننا مستحب ہے۔

مباح

جمعہ اور عید کے مواقع پر اور تقریبات اور محافل میں قیمتی اور نفیس لباس پہننا مباح ہے۔اسی طرح رنگنے کے بعد حیوانوں اور درندوں کی کھالوں کا لباس پہننا بھی مباح ہے۔

مکروہ

ہر وقت قیمتی اور نفیس پوشاک پہننا مکروہ ہے کیونکہ اس سے ضرورت مندوں کے دلوں میں بغض پیدا ہوتا ہے اور اس میں اسراف ہے اور تکبر کا خطرہ ہے۔

تکبر یہ ہے کہ

وہ قیمتی اور فاخرانہ لباس پہن کر معمولی کپڑے پہننے والوں کو کم تر اور حقیر جانے۔

حرام

ریشم کا لباس مردوں کے لئے حرام ہے البتہ اگر کسی کپڑے پر چار انگل کی مقدار ریشم کے بیل بوٹے بنے ہوئے ہوں تو پھر جائز ہے اسی طرح اگر چار انگل کی مقدار سونے کا کام کیا ہوا ہو تو پھر بھی جائز ہے اور اس کی اصل یہ حدیث ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جابیہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم کے پہننے سے منع فرمایا سوا دو یا تین یا چار انگلیوں کی مقدار کے۔

(صحیح مسلم:رقم الحدیث 2069)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا:

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے۔انہوں نے ایک طیالی کسروانی جبہ نکالا جس کی آستینوں اور گریبان پر ریشم کے نقش ونگار بنے ہوئے تھے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا:

یہ جبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات تک ان کے پاس تھا اور ان کی وفات ہوئی تو پھر میں نے اس پر قبضہ کرلیا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس جبہ کو پہنتے تھے۔ہم اس جبہ کو دھو کر اس کا پانی بیماریوں کو پلاتے ہیں اور اس جبہ سے ان کے لئے شفا طلب کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری:رقم الحدیث:4054)

حضرت آدم وحوا علیہما السلام کا پتوں سے جسم کوڈھانپنا

حضرت امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا

اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جنت میں سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ اور اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم دونوں حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ اس وقت ابلیس نے ان دونوں کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ جنت کے محافظوں نے اس کو جانے سے روک دیا۔ اس وقت سانپ اونٹ کی طرح ایک چوپایہ تھا اور بہت حسین جانور تھا۔

ابلیس لعین نے اس سے کہا

وہ اس کو اپنے منہ میں رکھ کر جنت میں لے جائے۔ سو سانپ ابلیس کو اپنے منہ میں رکھ کر چلا گیا اور جنت کے محافظوں کو پتا نہ چلا۔

پھر ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا

کیا میں اس کو ایسا درخت نہ بتاؤں جس کو کھانے کے بعد تم دونوں فرشتوں کی طرح ہو جاؤ گے یا ہمیشہ زندہ رہنے والے ہو جاؤ گے

اور تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی

اور قسم کھا کر کہا کہ

وہ ان کی خیر خواہی کر رہا ہے حالانکہ اس کا یہ ارادہ تھا کہ ان کا ستر کھل جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کیا۔ حضرت حوا علیہا السلام نے آگے بڑھ کر اس درخت سے کھالیا۔

اور حضرت آدم علیہ السلام سے کہا

اے آدم (علیہ السلام)! اسے کھالو۔ دیکھو میں نے کھایا ہے مجھے کچھ نہیں ہوا ہے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے اس کو کھالیا تو ان دونوں کی شرم گاہیں کھل گئیں اور وہ درخت کے پتوں سے اپنے اپنے جسموں کو ڈھانپنے لگے۔

(جامع البیان ج: 1، ص: 187 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

کیا حضرت آدم وحوا علیہما السلام کا ممنوعہ درخت کو کھانا معصیت ہے یا نہیں

حضرت آدم وحضرت حوا علیہما السلام کا ممنوعہ درخت کو کھانا معصیت نہیں کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام معصیت سے پاک ہوتے ہیں تو جب حضرات انبیاء کرام علیہم السلام معصیت سے پاک ہوئے تو پھر یہ کہنا کیسے جائز و درست ہوگا کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے معصیت کی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے معصیت نہیں کی تھی بلکہ اس میں بھی ہزار

ستیں ہی حکمتیں تھیں۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام معصیت سے منزہ ہیں جن پر کئی دلائل موجود ہیں جس میں سے چند حوالہ جات اور اعتراض ختم کرنے کے لئے دلائل پیش کرتا ہوں۔

(1) اگر انبیاء کرام علیہم السلام سے (نعوذ باللہ) گناہ صادر ہو تو ان کی اتباع حرام ہوگی حالانکہ ان کی اتباع کرنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (آل عمران: 31)

آپ فرمادیجئے! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تمہیں محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

(2) اگر نبی سے گناہ صادر ہوں تو ان کو (العیاذ باللہ) ملامت کرنا جائز ہوگا اور اس سے نبی کو ایذا پہنچے گی اور انبیاء کرام علیہم السلام کو ایذا پہنچانا حرام ہے۔

کیونکہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (الاحزاب: 57)

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

(3) جس شخص سے گناہ صادر ہوں اس کی شہادت کو بلا تحقیق قبول کرنا جائز نہیں کیونکہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا (الحجرات: 6)

اے ایمان والو! اگر فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کرلیا کرو۔

اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شہادت کو بلا تحقیق قبول کرنا واجب ہے۔

(4) فاسق نبوت کا اہل نہیں ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ۝ (البقرہ: 124)

اللہ نے فرمایا، ظالموں کو میرا عہد نہیں پہنچتا۔

(5) انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہیں کیونکہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ۝ اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ (ص 45 تا 46)

اور ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو یاد کیجئے۔ جو قوت اور نگاہ بصیرت والے ہیں۔ ہم نے ان کو مخلص کر دیا۔
اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مخلصین کو شیطان گمراہ نہیں کر سکتا۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ (ص 82 تا 83)

ابلیس نے کہا: تیری عزت کی قسم، میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا، سوا تیرے مخلص بندوں کے۔

(6) گناہ گار لائق مذمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی عزت افزائی کی ہے۔

ارشاد فرمایا

وَ اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ۝ (ص: 47)

اور بے شک وہ (سب) ہماری بارگاہ میں ضرور پسندیدہ بندوں میں سے ہیں۔

(7) انبیاء کرام علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں اور فرشتوں سے گناہ صادر نہیں ہوتے تو پھر انبیاء کرام علیہم السلام سے بطریق اولیٰ گناہ صادر نہیں ہوں گے۔

فرشتوں سے افضلیت کی دلیل یہ ہے کہ

فرشتے عالمین میں داخل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو تمام عالمین پر فضیلت دی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (آل عمران :33)

بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے۔

(8) انبیاء کرام علیہم السلام لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اگر وہ خود گناہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (الصف:3)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات سخت ناراضگی کی موجب ہے کہ تم وہ بات کہو جو خود نہیں کرتے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام سے راضی ہے۔

ارشاد فرمایا گیا

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن: 26، 27)

''وہ عالم الغیب ہے تو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا بجز ان کے جن سے وہ راضی ہے جو اس رسول ہیں۔''

اس آیت میں واضح فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ سب رسولوں سے راضی ہے۔ اور نیکی کا حکم دے کر خود عمل نہ کرنے والے سے راضی نہیں ہے۔

(9) اگر انبیاء کرام علیہم السلام معصیت کریں تو ہم پر معصیت کرنا واجب ہوگی کیونکہ ان کی اتباع واجب ہے اور دوسرے سے ہم پر معصیت کرنا حرام ہے سو لازم آئے گا کہ ہم پر معصیت کرنا واجب بھی اور حرام بھی ہو اور یہ اجتماع ضدین ہے۔

(10) اگر معاذ اللہ انبیاء کرام علیہم السلام سے گناہوں کا صدور ہوتا تو وہ مستحق عذاب ہوتے کیونکہ

قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا۝ (الجن: 23)

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام جہنم سے محفوظ اور مامون ہیں اور ان کا مقام جنت الخلد ہے۔

آدم ربہ فغوی پر امام رازی کا عصمت آدم علیہ السلام پر اعتراض کا جواب دینا

امام رازی لکھتے ہیں کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت کے منکرین کہتے ہیں کہ عاصی اس شخص کو کہتے ہیں جو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے اور جو اس فعل کی وجہ سے سزا کا مستحق ہو اور عصیان کی مذمت کی جاتی ہے اور اس پر وعید ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ص (النساء: 14)

اور جو اللہ اور رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود سے تجاوز کرے اس کو دوزخ میں داخل کردے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

پھر غوی کا مصدر ہے غوایت اور غوایت اور ضلالت دونوں مترادف ہیں اور غی، رشد اور ہدایت کی ضد ہے اور اس قسم کے اطلاق اسی شخص پر کیا جاتا ہے جو فاسق ہو اور اپنے فسق میں مستغرق ہو پھر علماء نے اس استدلال کے جواب میں کہا۔

معصیت کا معنی ہے۔

امر کی مخالفت کرنا

اور امر کبھی وجوب کے لئے آتا ہے اور کبھی استحباب کے لئے آتا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام پر جو معصیت کا اطلاق ہوتا ہے اس کا معنی ہے کہ انہوں نے ایک مستحب کام کو ترک کر دیا نہ یہ کہ انہوں نے کسی واجب کو ترک کیا لیکن اس آیت سے استدلال کرنے والوں نے اس جواب کو رد کر دیا۔

اور کہا ہے:

ظاہر قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ معصیت کا مرتکب عتاب اور سزا کا مستحق ہوتا ہے اور عرف میں بھی عاصی کا لفظ بطور مذمت کے استعمال ہوتا ہے۔

اور بعض علماء نے اس کے جواب میں یہ کہا

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے معصیت صغیرہ کا ارتکاب کیا نہ یہ کہ معصیت کبیرہ کا ارتکاب کیا۔

اور امام ابو مسلم اصفہانی نے یہ جواب دیا کہ

حضرت آدم علیہ السلام نے مصالح دنیا میں حکم کی مخالفت کی نہ کہ تکلیف شرعی میں اور دنیاوی مصلحتوں میں حکم کی مخالفت کرنا مباح ہے اور غوی کے لفظ کا یہ جواب دیا ہے کہ وہ جنت کی نعمتوں سے محروم ہو گئے کیونکہ جب انہوں نے اپنے ملک کو دائم برقرار رکھنے کے لئے اس درخت سے کھایا تو ان کا ملک زائل ہو گیا اور ان کی کوشش نا کام ہو گئی اور وہ کامیاب نہ ہو سکے تو کہا غوی، غوئی رشد کی ضد ہے۔

اور رشد کا معنی یہ ہے کہ

کسی چیز کے وسیلہ سے مقصود تک پہنچا جائے اور جب مقصود کے بجائے اس کی ضد حاصل ہو تو کہا جاتا ہے غوئی یعنی نا کام اور نامراد ہو گیا۔

اور بعض لوگوں نے یہ جواب دیا ہے کہ

غوی کا معنی ہے بدہضمی یعنی بکثرت گندم کھانے سے انہیں بدہضمی ہو گئی۔ ان تمام جوابات کو ذکر کرنے اور ان پر بحث تمحیص کرنے کے بعد امام رازی نے جواب دیا ہے کہ میرے نزدیک سب سے اولیٰ اور مادۂ اعتراض کو جڑ سے اکھاڑنے والا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے یہ فعل اس وقت سرزد ہوا جب وہ نبی نہیں تھے۔

(تفسیر کبیر ج:8،ص:108 تا109 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی)

اور سورہ بقرہ میں امام رازی نے پہلے عصمت انبیاء کرام علیہم السلام میں مذاہب حسب ذیل بیان فرمائے۔

امام رازی کا عصمت انبیاء میں مذاہب بیان کرنا

(1) حشویہ کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام کا عمداً گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنا جائز ہے۔

(2) اکثر معتزلہ کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام سے کبائر کا صدور جائز نہیں ہے لیکن عمداً صغائر کا صدور جائز ہے۔ ان صغائر کے جن سے لوگ متنفر ہوں۔

(3) جبائی معتزلی کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام سے صغائر اور کبائر کا عمداً صدور جائز ہے ہاں ان سے تاویل کے ساتھ صدور ہو سکتا ہے۔

(4) انبیاء کرام علیہم السلام سے بغیر سہو اور خطا کے گناہ کا صدور نہیں ہو سکتا، سہو اور خطا کے ساتھ ان سے گناہ کا صدور ہو سکتا ہے لیکن ان سے ان پر مواخذہ ہوتا ہے اس کے برخلاف ان کی امتوں سے اگر سہو اور خطا سے گناہ ہو تو ان سے مواخذہ نہیں ہوتا کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس معرفت کے دلائل بہت قوی اور بہت زیادہ ہیں اور دوسروں کی بہ نسبت وہ گناہ

اجتناب پر زیادہ قادر ہیں۔
(5) روافض کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام سے صغیرہ پاکیزہ صادر نہیں ہوتا نہ قصداً نہ سہواً نہ تاویلاً نہ خطاً۔
عصمت کے وقت علماء کے تین اقوال ہیں۔

زلہ کا مذہب

معتزلہ کے نزدیک ان کی عصمت کا وقت بالغ ہونے کے بعد ہے اور نبوت سے پہلے ان سے کفر اور کبیرہ کا ارتکاب جائز
ں ہے۔

افض کا مذہب

روافض کا مذہب یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی ولادت کے وقت سے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔

رے اکثر اصحاب اور ابوالھذیل کا مذہب

ہمارے اکثر اصحاب کا مذہب اور ابوالھذیل اور ابوعلی معتزلی کا مذہب اور ہمارا مختار یہ ہے کہ حال نبوت میں انبیاء کرام
م السلام سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا نہ کبیرہ اور نہ صغیرہ۔
(تفسیر کبیر: ج:1، ص:455 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی)
اس تمہید کے بعد امام رازی عصی ادم ربہ فغوی کے جواب میں منکرین عصمت کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں:
ہم یہ کہتے ہیں کہ تمہارا کلام اس وقت مکمل ہوگا جب تم دلیل سے یہ ثابت کر دو کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حال نبوت
ں اس درخت سے کھایا تھا اور یہ ثابت نہیں ہے یہ کیوں جائز نہیں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے اس ذلت (لغزش) کا
دور اس وقت ہوا ہو جب وہ نبی نہیں تھے اور اس ذلت کے بعد ان کو نبی بنایا گیا۔
(تفسیر کبیر ج:1، ص:459 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امہ سید آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:
حضرت آدم علیہ السلام نے اس درخت سے کھانے کی ممانعت میں اپنے رب عزوجل کی معصیت کی اور ان کا جو مطلوب
کہ ان کو دائمی زندگی اور لازوال سلطنت حاصل ہو اس سے بھٹک گئے یعنی اس کو نہ پا سکے۔
یہ اس صورت میں ہے۔
جب غوی کا معنی ضلالت کیا جائے اور غوی کا معنی فساد بھی ہے یعنی ان کی زندگی میں جنت سے آنے کے بعد محنت، مشقت
لاوٹ ہوگئی۔ عیش و آرام جاتا رہا اور وہ مشقت میں پڑ گئے۔
علامہ تفتازانی نے شرح المقاصد کے اندر ذکر کیا ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام سے جو یہ کام صادر ہوا یہ نبوت سے پہلے تھا اور اس کا صدور سہو یا تاویل سے ہوا۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان پر گرفت فرمائی کیونکہ ان کا مقام بہت بلند تھا اور ان پر اللہ تعالیٰ کا بہت فضل اور احسان تھا اور ان جیسے شخص کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہر وقت یاد رکھنا چاہیے تا کہ سہو اور نسیان کی نوبت نہ آتی اور مشہور ہے کہ نیک لوگوں کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ ہوتی ہیں۔

(روح المعانی ج:16،ص:401 تا 402 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

اس میں علماء کا اتفاق ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہیں کرتے اور اس میں ان کا اختلاف ہے کہ آیا وہ گناہ صغیرہ کرتے ہیں جن سے ان کا مواخذہ ہوتا ہے اور ان پر عتاب ہوتا ہے یا نہیں اسی طرح اس پر بھی علماء کا اتفاق ہے وہ ایسا ذلیل کام نہیں کرتے جس سے ان کی ذات پر نقص یا عیب لگے یا جس کی وجہ سے ان کی مذمت کی جائے اور لوگ ان سے متنفر ہوں۔ ہمارے نزدیک اس کی دلیل معجزہ ہے اور معتزلہ کے نزدیک اس کی دلیل عقل ہے۔

امام طبری اور دیگر محدثین نے کہا ہے:

انبیاء کرام علیہم السلام سے صغائر واقع ہوتے ہیں۔ اس میں رافضیوں کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام تمام گناہوں سے معصوم ہیں۔

امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی ان کے اصحاب اور جمہور فقہاء اور محدثین کا یہ مذہب ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام جس طرح کبائر سے معصوم ہوتے ہیں اسی طرح صغائر سے بھی معصوم ہوتے ہیں کیونکہ ہم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم ان کے افعال اور ان کے آثار اور ان کی سیرتوں کی اتباع کریں اور یہ حکم مطلق دیا گیا ہے اس میں کوئی استثناء نہیں ہے اور نہ کسی قرینہ کے التزام کا ذکر ہے۔ اگر ہم انبیاء کرام علیہم السلام سے صغائر کے وقوع کو جائز قرار دیں تو ان کی اقتداء کرنا ممکن ہوگی کیونکہ ان کے افعال میں سے ہر فعل اس سے متمیز نہیں ہے کہ وہ عبادت ہے یا اباحت ہے یا ممنوع ہے یا معصیت ہے اور نہ کسی شخص کو یہ حکم دینا صحیح ہوگا کہ وہ ان کے کسی حکم پر عمل کرے کیونکہ ہو سکتا ہے ان کا وہ حکم معصیت ہو۔ قاضی ابو اسحاق اسفرائنی نے کہا کہ

صغائر کے ارتکاب میں اختلاف ہے اور اکثر کا مختار یہ ہے کہ ان سے صغائر کا صدور جائز نہیں ہے اور بعض نے جائز کہا ہے اور اس قول کی کوئی اصل نہیں ہے۔

بعض متاخرین نے پہلے قول کو اختیار کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض گناہوں کے وقوع کی خبر دی ہے اور ان کو انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف منسوب کیا ہے اور ان کی وجہ سے انبیاء کرام علیہم السلام پر عتاب کیا ہے اور خود انبیاء کرام علیہم السلام نے ان گناہوں کے وقوع کی خبر دی اور ان سے ڈرے اور ان پر توبہ کی اور یہ تمام امور بہت جگہ وارد ہیں اور یہ مجموعی طور پر تاویل

ول نہیں کرتے اگر چہ فرداً فرداً تاویل کو قبول کرتے ہیں اور ان تمام امور سے ان کے مناصب میں کمی نہیں ہوتی اور یہ کام ان سے شاذ اور نادر طور پر خطا اور نسیان سے واقع ہوئے ہیں یا انہوں نے یہ کام کسی تاویل سے کیے ہیں کیونکہ کبھی وزیر سے اس کام رگرفت کی جاتی ہے جس کام پر سائیس کو انعام دیا جاتا ہے اس وجہ سے وہ میدان حشر میں امن وامان اور سلامتی کے ملنے کے اوجود ان کاموں سے ڈرتے رہیں گے اور یہ قول حق ہے۔

اور جنید نے کیا خوب کہا ہے:

ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ ہوتی ہیں اور ہر چند کہ بعض نصوص ان سے گناہوں کے وقوع پر شاہد ہیں لیکن اس سے ان کے مناصب پر طعن نہیں ہوگا اور نہ ان کے مراتب میں کوئی کمی ہوگی بلکہ انہوں نے ان گناہوں کی تلافی کر لی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بزرگی دی اور ان کو ہدایت دی اور ان کی مدح کی اور ان کا تزکیہ کیا اور ان کو پسند کیا اور ان کو فضیلت دی۔ صلوات اللہ علیہم وسلامہ

(الجامع الاحکام القرآن جز:1، ص:291 تا 292 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور علامہ قرطبی وعصی ادم ربہ فغوی کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فغوی کا معنی ہے ان کی زندگی کا عیش و آرام جاتا رہا اور ان کو زندگی خراب ہوگئی۔ غی کا ایک معنی ضلالت اور گمراہی ہوتا ہے اور دوسرا معنی فساد ہے اور یہاں پر یہی معنی مراد ہے نقاش، قشیری اور استاذ ابو جعفر نے بھی یہی مراد لیا۔ یعنی جب وہ جنت سے باہر آگئے تو جنت کے عیش و آرام کے بجائے ان کو محنت اور مشقت کی زندگی گزارنی پڑی اور وہ مشقت میں پڑ گئے۔

(الجامع الاحکام القرآن جز:11، ص:168 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

عرض مصنف

ہمارے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام سے اعلان نبوت سے پہلے اور اعلان نبوت کے بعد عمداً گناہ کبیرہ صادر نہیں ہوتا۔ ان نسیاں اور اجتہادی خطا سے صغائر کا ارتکاب ہوسکتا ہے خواہ نبوت سے پہلے ہو یا نبوت کے بعد اور سورہ طہٰ کی زیر تفسیر آیت میں جو وارد ہے وعصی ادم ربہ۔ آدم نے اپنے رب کی معصیت کی، سو یہ اطلاق ظاہری اور صوری اعتبار سے ہے اور یہ حقیقتاً گناہ نہیں ہے نہ صغیرہ اور نہ کبیرہ کیونکہ

گناہ کی تعریف یہ ہے کہ

اپنے قصد اور اختیار سے اللہ تعالیٰ کے امر اور حکم کے خلاف کوئی کام کیا جائے اور اگر بھولے سے کوئی کام اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کیا جائے تو وہ گناہ نہیں ہے۔

جیسے

انسان رمضان المبارک کے روزہ میں بھول کر کھا پی لے تو یہ گناہ نہیں ہے بلکہ اس کا روزہ بھی نہیں ٹوٹتا۔ اب دیکھنا یہ ہے

کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بھول کر اس درخت سے کھایا یا قصداً اور عمداً کھایا تھا۔
قرآن مجید میں ہے:
وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝ (طٰہٰ: 115)
اور بے شک اس سے پہلے ہم نے آدم سے عہد لیا تھا پس وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا قصد نہیں پایا۔
اور اس کو ظاہری اور صوری اعتبار سے معصیت اس لئے فرمایا: انہوں نے بہر حال اس درخت سے کھایا تھا خواہ ان کا قصد معصیت کا نہیں تھا اور انہوں نے چونکہ بھولے سے یہ فعل کیا تھا اس لئے یہ گناہ نہیں ہے اور نہ عصمت کے خلاف ہے۔
نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے۔
فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۝ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ (طٰہٰ: 120، 121)
پھر شیطان نے آدم کی طرف وسوسہ کیا کہا اے آدم کیا تمہیں (جنت میں) ہمیشہ رہنے کا درخت بتا دوں اور ایسی بادشاہت جو کبھی کمزور نہ ہو تو دونوں نے اس درخت سے کھا لیا۔ سو ان کی ستر گاہیں کھل گئیں اور وہ دونوں جنت کے پتوں سے اپنا جسم چھپانے لگے۔
اور سورہ الاعراف میں ہے۔
وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ (الاعراف: 20، 21)
"اور شیطان نے کہا: تم دونوں کو تمہارے رب نے اس درخت سے صرف اس لئے روکا ہے کہ کہیں تم فرشتے بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ اور ان دونوں سے قسم کھا کر کہا کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔"
حضرت آدم علیہ السلام نے اجتہاد کیا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کوئی جھوٹی نہیں کھا سکتا اور انہوں نے یہ اجتہاد کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تنزیہاً منع کیا ہے اور یہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ نے تحریماً منع فرمایا تھا یا انہوں نے اجتہاد کیا کہ اللہ تعالیٰ نے خاص اس درخت سے منع فرمایا ہے میں اس نوع کے کسی اور درخت سے کھا لیتا ہوں۔ دونوں صورتوں میں ان کے اجتہاد کو خطا لاحق ہوئی اور وہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نوع شجر سے منع کیا تھا اور یہ واضح رہے کہ اجتہادی خطا اور نسیان عصمت کے منافی نہیں ہے اور باقی رہا آپ علیہ السلام کا عرصہ دراز تک توبہ اور استغفار کرنا تو یہ ان کا کمال تواضع اور انکسار ہے۔
اور رہا یہ سوال کہ
پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب کیوں فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نیک انسانوں کی بعض نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ ہوتی ہیں اور اس لئے کہ اگر چہ یہ فعل حقیقت میں گناہ نہیں تھا لیکن حضرت آدم علیہ السلام کا مقام اور مرتبہ بہت بلند تھا اس

ان کو اپنے مرتبہ کے لحاظ سے چاہئے تھا کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حکم کو یاد رکھتے تا کہ بھولنے کی نوبت نہ آتی۔

اور رہا یہ سوال کہ

وہ بے لباس کیوں ہو گئے۔

تو ہوسکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ اس درخت سے کھانا بے لباس ہونے کا سبب ہو۔

جیسے

آگ جلانے کا سبب ہے اور زہر ہلاکت کا سبب ہے۔

اور غوی کا معنی بیان ہو چکا ہے کہ اس کا معنی گمراہ ہونا بھی ہے اور خراب اور فاسد ہونا بھی ہے اور یہاں یہی دوسرا معنی مراد ہے کہ جنت سے آنے کے بعد ان کی زندگی کا عیش و آرام خراب ہو گیا اور ان کو کھانے پینے اور لباس پہننے کے لئے محنت اور مشقت کرنی پڑی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت آدم و حضرت موسیٰ علیہما السلام کا اپنے رب عزوجل کے سامنے مباحثہ ہوا، پس حضرت آدم، حضرت موسیٰ علیہما السلام پر غالب آ گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

آپ علیہ السلام وہ آدم علیہ السلام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور آپ علیہ السلام میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی اور فرشتوں سے آپ علیہ السلام کو سجدہ کرایا اور آپ علیہ السلام کو اپنی جنت میں رکھا پھر آپ علیہ السلام نے اپنی خطا سے لوگوں کو زمین پر اتار دیا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

آپ علیہ السلام وہ موسیٰ علیہ السلام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام کی فضیلت دی اور آپ علیہ السلام کو الواح عطا کیں جن میں ہر چیز کا بیان تھا اور آپ علیہ السلام کو قریب کر کے سرگوشی کی آپ علیہ السلام یہ بتائیے کہ میری تخلیق سے کتنا عرصہ پہلے اللہ تعالیٰ نے تورات کو لکھا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

چالیس سال پہلے

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

کیا آپ علیہ السلام نے تورات میں یہ لکھا ہوا دیکھا تھا

وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ○ (طٰہٰ: 121)

اور آدم نے اپنے رب عزوجل کی معصیت کی تو وہ مشقت میں پڑ گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

ہاں

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

تو کیا آپ علیہ السلام مجھے اس کام پر ملامت کر رہے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے میرے پیدا کرنے سے چالیس سال پہلے لکھ دیا تھا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2652)

حضرت آدم علیہ السلام کے کلام کی تشریح یہ ہے: اے موسیٰ علیہ السلام۔ آپ علیہ السلام جانتے ہیں کہ میرے پیدا کئے جانے سے پہلے یہ لکھ دیا گیا تھا اور مقدر کر دیا گیا تھا اس لئے اس کا واقع ہونا واجب تھا اور اگر میں بلکہ ساری مخلوق مل کر بھی اللہ تعالیٰ کے لکھے ہوئے سے ایک نقطہ کو بھی مٹانا چاہیں تو اس پر قادر نہیں ہیں۔ پھر آپ علیہ السلام مجھے اس پر کیوں ملامت کر رہے ہیں اور اس لئے کہ گناہ پر ملامت کرنا شرعی امر ہے عقلی امر نہیں ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرما لی اور ان کی مغفرت فرما دی تو ان سے ملامت زائل ہو گئی اور اب ان کو جو ملامت کرے گا وہ شرعاً مغلوب ہوگا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر اب کوئی شخص گناہ کر کے یہ عذر پیش کرے کہ یہ تو گناہ میری تقدیر میں لکھ دیا گیا تھا تو کیا اس کا عذر مقبول ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اس کا عذر مقبول نہیں ہوگا کیونکہ وہ دار التکلیف میں ہے اور اس پر لازم ہے کہ وہ اس گناہ پر توبہ کرے اور اس کی تلافی کرے ورنہ وہ اس گناہ کی سزا کا مستحق ہوگا اور حضرت آدم علیہ السلام بھی جب تک دار التکلیف میں رہے اپنی اس ظاہری معصیت پر توبہ کر لے ورنہ وہ اس گناہ کی سزا کا مستحق ہوگا اور حضرت آدم علیہ السلام بھی جب تک دار التکلیف میں رہے اپنی اس ظاہری معصیت پر توبہ کرتے رہے اور اشک ندامت بہاتے رہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی اور یہ گناہ کرنے والا دار التکلیف میں باقی ہے اور اس پر مکلفین کے احکام جاری ہوں گے اور اس کو زجر و توبیخ اور ملامت کی جائے گی اور اس پر حد یا تعزیر ہوگی اور اس پر توبہ لازم ہے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام نے تقدیر کا عذر اس وقت پیش کیا تھا جب وہ اس دار التکلیف سے جا چکے تھے۔ اس لئے اب ان کو ملامت کرنے کی ضرورت نہ تھی اور سوائے ان کو ایذاء پہنچانے اور شرمندہ کرنے کے ان کو ملامت کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا اور جب انسان کسی گناہ سے توبہ کر لے تو اس کا گناہ باقی نہیں رہتا۔ حضرت آدم علیہ السلام کا تو حقیقت میں کوئی گناہ بھی نہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی اور ان کو عزت اور کرامت سے سرفراز فرمایا۔

سید مودودی صاحب کا راہ راست سے بھٹکنا

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہاں اس بشری کمزوری کی حقیقت کو سمجھ لینا چاہئے جو حضرت آدم علیہ السلام سے ظہور میں آئی (الی ان قال) بس ایک فوری جذبہ نے جو شیطانی تحریص کے زیر اثر ابھر آیا تھا ان پر ذہول طاری کر دیا اور ضبط نفس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی وہ طاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے۔ یہی وہ بھول اور فقدان عزم ہے جس کا ذکر قصہ کے آغاز میں کیا گیا تھا اور اسی چیز کا نتیجہ وہ نافرمانی اور بھٹک ہے جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔

(تفہیم القرآن ج:3،ص:133 مطبوعہ لاہور)

قول مصنف

سید مودودی صاحب نے اپنی اس عبارت میں حضرت آدم علیہ السلام کی طرف معصیت کی پستی میں جا گرنے نافرمانی اور بھٹکنے کی نسبت کی ہے جبکہ علماء اور مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید کی آیت یا کسی حدیث کے ترجمہ کے بغیر از خود حضرت آدم علیہ السلام کی طرف معصیت اور بھٹکنے کی نسبت کرنا جائز نہیں ہے۔

علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المتوفی 543ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مولیٰ اور مالک کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے بندہ اور غلام کے متعلق کہے "عصیٰ" اس نے میری نافرمانی کی اور پھر اس پر اپنے فضل سے رجوع کرے اور کہے وہ تنزیہہ کو بھول گئے اور ہم میں سے کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ کی خبر بیان کرتے ہوئے کہے۔ انہوں نے معصیت اور نافرمانی کی ماسوا اس صورت کے کہ وہ اس آیت یا حدیث کا ترجمہ بیان کرے اور رہا یہ کہ ہم اپنی طرف سے اس کا واقعہ بیان کریں تو جب ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ہم اپنے آباء کو گناہ گار کہیں حالانکہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی بہ نسبت بہت ادنیٰ درجہ کے ہیں تو ہمارے لئے یہ کس طرح جائز ہوگا کہ ہم حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق ایسا کہیں جو ہمارے سب سے مقدم باپ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے مکرم نبی ہیں جن کی اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرما چکا ہے اور ان کی مغفرت کر چکا ہے۔

(احکام القرآن ج:3،ص:259 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ)

علامہ ابن الحاج مالکی متوفی 737ھ لکھتے ہیں:

ہمارے علماء رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے:

جس شخص نے قرآن مجید کی تلاوت کے بغیر یا کسی حدیث کے بغیر انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی کے متعلق یہ کہا کہ اس نے معصیت کی یا اللہ تعالیٰ کی مخالفت کی تو وہ کافر ہو گیا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ اس کے بعد انہوں نے علامہ ابن العربی کی مذکور الصدر عبارت نقل کر کے اس سے استدلال کیا ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن جز:11،ص:167 تا 168 مطبوعہ بیروت)

اور یہاں پر حیرت انگیز تو بات یہ ہے کہ باقی مفسرین نے وعصی ادم ربہ فغوی کی تفسیر میں اس آیت کی توجیہ کی ہے حضرت آدم علیہ السلام کی عصمت کو ثابت کیا اور ان کی گناہ سے برأت کو بیان کیا ہے اور سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس آیت حضرت آدم علیہ السلام پر تنقید کی ہے اور لکھا ہے کہ ''وہ طاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے۔''

(نَعُوْذُ بِااللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ)

لہٰذا اس تمام بحث سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام معصیت سے منزہ ہیں اور جو کوئی آپ علیہ السلام کی طرف معصیت کی نسبت کرے خود بھی بھٹکتا رہے اور اپنا ایمان برباد کرتا رہے۔

حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو جنت سے باہر جانے کا حکم

جب حضرت حوا علیہا السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو ممنوعہ درخت کھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا: تم سب کے سب نیچے اتر جاؤ۔ جیسا کہ قرآن مجید میں صراحتاً حکم موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○ (بقرہ: 36)

ہم نے فرمایا تم نیچے اترو تم میں سے بعض، بعض کے دشمن ہوں گے اور تمہارے لئے زمین میں ایک وقت مقرر تک ٹھکانا اور فائدہ اٹھانا ہے۔

اس آیت کریمہ حضرت آدم وحضرت حوا علیہما السلام کو خطاب ہے سورہ طٰہٰ میں صیغہ تثنیہ کے ساتھ خطاب ہے اور یہاں بقرہ میں جمع کے ساتھ خطاب ہے۔ اس میں یعنی جمع میں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں جو ان کی ذریت ہے اس کو خطاب ہے یا حضرت آدم وحوا علیہما السلام اور ابلیس کو خطاب ہے ہر چند کہ ابلیس کو پہلے بھی نکال دیا تھا لیکن جب وہ چوری چھپ کر وسوسہ ڈالنے کے لئے داخل ہوا تو اس کو دوبارہ نکال دیا۔

جو لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی عصمت کا انکار کرتے ہیں کہ اگر حضرت آدم علیہ السلام نے گناہ نہیں کیا تھا تو ان کو سزا کیوں ملی اور ان کو جنت سے کیوں نکال دیا گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجنے کا حکم دینا ان کے حق میں سزا نہیں ہے بلکہ یہ ان کے مقصد تخلیق کی تکمیل ہے کیونکہ آپ علیہ السلام کو زمین پر خلافت الٰہی کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ

حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کے معرکہ میں ابلیس کامیاب ہو گیا اور اس نے ان کو جنت سے نکلوا دیا کیونکہ اس کا مقصود اصلی بھی یہی تھا سو وہ نکال کر خوش ہو گیا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ

یہ بات سراسر غلط اور کم فہمی ہے کیونکہ شیطان تو حضرت آدم علیہ السلام کے جنت میں عارضی قیام کو بھی نہیں برداشت کر سکا اور وہ اب دنیا میں آ کر اور فرائض نبوت اور کار خلافت کو انجام دے کر دائمی قیام کے لئے جنت میں جائیں گے اور شیطان تو ان کے تنہا وجود کو جنت میں برداشت نہیں کر سکا تھا اور حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں آنے کے بعد اپنی بے شمار ذریت کے ساتھ جنت میں جائیں گے اور شیطان لعنتی اور بد بخت ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں جائے گا۔ اس لئے حضرت آدم علیہ السلام کا دنیا میں آنا ایک بہت بڑی کامیابی کا پیش خیمہ تھا اور شیطان کی ناکامی اور نامرادی کا مقدمہ تھا سو اس معرکہ میں حضرت آدم علیہ السلام ہی کامیاب تھے اور ابلیس ناکام و نامراد و خائب و خاسر ہوا۔

اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ

اگر حضرت آدم علیہ السلام شجر ممنوعہ نہ کھاتے تو ہم جنت ہی میں رہتے۔ ان کے شجر ممنوعہ سے کھانے کی وجہ سے ہمیں بھی جنت سے آنا پڑا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ

آپ کیسے جنت میں رہتے اور آپ کا کیا استحقاق تھا۔ جنت تو پاک لوگوں کی جگہ ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں پاک لوگ بھی تھے اور ناپاک لوگ بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیجا کہ اپنی پشت سے تمام ذریت کو نکال کر زمین پر چھوڑ آؤ پھر جو لوگ پاک ہوں گے وہ جنت میں چلے جائیں گے اور جو ناپاک لوگ ہوں گے ان کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا اور اس اعتبار سے دیکھا جائے تو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں ان ناپاک لوگوں کا وجود ان کے جنت سے آنے کا سبب تھا اور حقیقت یہ ہے کہ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو زمین کی خلافت کے لئے بنایا گیا تھا اس لئے انہوں نے بہر حال زمین میں آنا تھا، شجر ممنوعہ سے کھانا سبب نہ ہوتا تو کوئی اور سبب ہوتا، نیز انبیاء کرام علیہم السلام بعض اوقات اپنے مخالفین کے شر کی وجہ سے اپنی جگہ سے ہجرت کرتے ہیں لیکن وہ پھر دوبارہ کامیاب و کامران ہو کر اس جگہ لوٹتے ہیں جیسے ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے شر کی وجہ سے مکہ مکرمہ سے مدینہ المنورہ کو ہجرت کی اور پھر مکہ المکرمہ میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے مدین کی طرف ہجرت کی اور پھر مصر میں فاتحانہ ہوئے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے زمین سے آسمان کی طرف ہجرت کی اور پھر زمین پر تشریف لائیں گے اور حضرت آدم علیہ السلام نے جنت سے زمین کی طرف ہجرت کی اور پھر جنت میں فاتحانہ داخل ہوں گے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران: 59)

بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے اسے مٹی سے بنایا۔

حضرت آدم علیہ السلام جنت میں تینتالیس سال یا پانچ سو سال رہے

علامہ ابو جعفر طبری لکھتے ہیں:

حضرت آدم علیہ السلام کے آسمانوں اور جنت میں ٹھہرنے کی مدت دنیاوی سالوں کے اعتبار سے تینتالیس سال ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

یہ مدت پانچ سو سال ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو ہند میں اور حضرت حوا علیہا السلام کو جدہ میں اتارا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام ان کی طلب میں گئے اور میدان عرفات میں دونوں کی ملاقات ہوئی۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

حضرت آدم علیہ السلام ایک سو سال تک حضرت حوا علیہا السلام سے مقارب نہیں ہوئے زمین پر آنے کے بعد اولاد آدم اور ابلیس اور اولاد آدم اور سانپ میں اس وقت سے دشمنی چلی آ رہی ہے۔

(جامع البیان ج:1،ص:89،80،81 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام جنت سے کیسے باہر آئے

حضرت آدم علیہ السلام جنت سے کیسے اور کس طرح باہر آئے۔ اس کا ذکر مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر نعیمی میں کیا ہے۔

تفسیر نعیمی جلد اول میں ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے تشریف کا واقعہ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ اور محدثین و مورخین سے ثابت ہے۔

وہ یہ ہے کہ

حضرت حوا علیہا السلام نے پہلے خود وہ دانہ کھایا پھر حضرت آدم علیہ السلام کو کھلا دیا، اس کھانے کا یہ اثر ہوا کہ ان کے جسموں سے جنتی لباس جاتا رہا اور وہ حضرات برہنہ رہ گئے۔ مارے شرم کے انجیر کے درخت کے پتوں سے اپنے جسموں کو چھپانے لگے۔ اسی حالت میں رب عزوجل کی طرف سے ندا آئی کہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کیا ہم نے تم کو اس درخت سے منع نہ کیا تھا اور کیا تم سے نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اس کے فریب میں نہ آنا یہ حضرت عذر کے سوا اور کیا عرض کر سکتے تھے پھر فرشتوں کو حکم ہوا کہ ان سب کو زمین پر اتار دو چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو ہندوستان میں شہر سراندیپ کے اس پہاڑ پر اتارا گیا جس کو نود کہتے ہیں اور حضرت حوا علیہا السلام کو ساحل عرب پر جدے میں اور مور کو مرج الہند میں اور شیطان کو جنگل میسان میں جو کہ بصرے سے کچھ فاصلے پر ہے یا جہاں آج یاجوج ماجوج کی دیوار قائم ہے۔ سانپ کو بحستان یا اصفہان

لئے وہاں اب بھی سانپ زیادہ ہوتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو کھیتی باڑی کرنے اور معاش حاصل کرنے کی دی گئی اور حضرت حوا علیہا السلام کو حیض و حمل اور کم عقلی اور نقصان میراث ملی۔ سانپ کے پاؤں غائب کر دیئے گئے اور پیٹ کے بل چلایا گیا۔ اس کی غذا مٹی قرار دی گئی مور کے پاؤں بدترشکل کر دیئے گئے۔ ابلیس کی صورت مسخ کر دی گئی اور رسوا کر کے دنیا میں رکھا گیا۔

سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

ہندوستان کی زمین اس لئے ہری بھری ہے اور عود اور قرنفل وغیرہ خوشبوئیں اس لئے وہاں پر پیدا ہوتی ہیں کہ آدم علیہ السلام جب زمین پر اترے تو ان کے جسم میں جنتی درخت کے پتے تھے اور پتے ہوا سے اڑ کر جس درخت پر پہنچے وہ ہمیشہ کے لئے خوشبودار ہو گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام جنت سے مختلف قسم کے بیج اور تین قسم کے پھل اور حجر اسود، سیاہ پتھر جو اب خانہ کعبہ میں لگا ہوا ہے اور وہ عصا جو بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں آیا جس کی لمبائی دس گز تھی۔ اپنے ساتھ لے آئے تھے اور سونا چاندی اور کچھ کھیتی باڑی وغیرہ کے اوزار بھی ساتھ لائے۔ حضرت آدم علیہ السلام اس قدر گریہ زاری میں مشغول ہوئے کہ ان کے تخموں سے بے خبر ہو گئے۔ شیطان نے موقع پا کر ان کو اپنا ہاتھ لگایا جس جس تخم پر ان کا ہاتھ لگا وہ زہریلا ہو گیا جو اس کے ہاتھ سے محفوظ رہا۔ اس کا نفع برقرار رہا اور سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ تین قسم کے جنتی میوے آئے۔

(1) ایک وہ جو پورے کھالئے جاتے ہیں۔

(2) دوسرے وہ جن کا اوپری حصہ کھالیا جاتا ہے اور گٹھلی پھینک دی جاتی ہے جیسے خرما وغیرہ۔

(3) تیسرے وہ جن کا اوپری چھلکا پھینک دیا جاتا ہے اور اندرونی حصہ کھالیا جاتا ہے۔

صحیح روایت میں ہے کہ

ان کے ساتھ لوہے کے اوزار بھی تھے۔

(1) ایک سنڈاسی جس سے لوہے کے اوزار پکڑتے ہیں۔

(2) دوسرے ہتھوڑا

(3) تیسرے ایرن

نیز حجر اسود جب جنت سے آیا تو اس کی روشنی کئی میل تک جاتی تھی جہاں اس کی شعاعیں پہنچتی تھیں اسی حد تک حرم کی حدیں قائم ہوئیں نیز حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں آ کر بہت وحشت اور گھبراہٹ ہوئی حضرت جبرائیل علیہ السلام بحکم الٰہی آئے اور بلند آواز سے اذان کہی جب حضرت آدم علیہ السلام نے اذان میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنا تو تب وحشت دور ہوئی۔ یہ تمام واقعات صحیح احادیث مبارکہ میں ثابت ہیں۔

(تفسیر نعیمی پارہ اول: ص: 304، 305 نعیمی کتب خانہ لاہور)

اعتراض

حضرت آدم علیہ السلام نے ہم کو جنت سے نکالا۔ خطا انہوں نے کی اور اسے بھگت ہم رہے ہیں۔

جواب

یہ بات بالکل غلط ہے بلکہ تم جیسے بے دینوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے باہر نکالا کیونکہ تم ان کی پشت میں اور جنت میں بے دینوں کی جگہ نہیں ہے۔ اسی لئے مرضی الٰہی یہ ہی ہوئی کہ حضرت آدم علیہ السلام بے دینوں کو زمین پر آئیں پھر ہمیشہ کے لئے جنت میں تشریف لائیں انسان کو پلیدی پائخانہ میں لے جاتی ہے نہ کہ پلیدی کو انسان یعنی حاجت ہوتی ہے تب اس کے نکالنے کے لئے پائخانہ جانا پڑتا ہے۔

اعتراض

پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ساری چیزوں کے نام ان کے خواص اور سارے حالات کی تعلیم فرمادی تھی۔ تعجب یہ ہے کہ شیطان نے اس درخت کے متعلق غلط خبر دے دی اور حضرت آدم علیہ السلام نے قبول کر لی حضرت آدم علیہ السلام کو خبر ہونی چاہئے تھی کہ اس درخت کے وہ خواص نہیں جو شیطان بیان کر رہا ہے۔ پھر تعجب ہے کہ شیطان کو اپنا دوست کیسے سمجھ گئے انہیں اوروں کے کفر وایمان کا بھی پتہ ہونا چاہئے تھا کیونکہ وہ سب کے سارے حالات سے واقف تھے۔

جواب

اس کے دو جواب ہیں ایک یہ شعر ہے۔

ہونے والا ہوتا ہے جب کوئی کار غیب سے ہوتے ہیں اسباب آشکار

یہ سب باتیں حضرت آدم علیہ السلام کے علم میں تھیں مگر ہونے والی ہو کے رہتی ہے۔ جب یہ موقع آیا سب کچھ بھول گئے جیسے قرآن کریم فرمارہا ہے "فنسی" حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے، جاننا اور چیز ہے اور علم حضور دوسری چیز انہیں اس وقت علم تھا حضور نہ رہا جیسے کہ دنیا میں سب جانتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شفیع المذنبین ہیں مگر قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوا کسی ولی نبی قطب غوث کو یہ خیال نہ رہے گا اور ادھر ادھر کسی شفاعت کرنے والے کو ڈھونڈتے پھریں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کوئی پیغمبر شفیع المذنبین کا صحیح پتہ نہ دیں گے۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جس طرح اور سب باتیں معلوم تھیں ایسے ہی اپنا یہ سارا واقعہ بھی معلوم تھا کہ ایسا ہو کر رہے گا۔ اس لئے شیطان سے بہت جرح نہ کی، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جب کربلا کی طرف روانہ ہوئے تو لوگوں نے

لنا چاہا تو ارشاد فرمایا: میں خود نہیں جا رہا۔ مجھے کوئی لئے جا رہا ہے۔ صاحب اسرار مرضی الٰہی پاک ر دانستہ بنا دیتے ہیں۔
بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں۔

اض

حضرت آدم علیہ السلام سے یہ گناہ سرزد ہوا پھر انہیں معصوم کیونکر کہا جا سکتا ہے۔
اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے۔
عَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی (طٰہٰ: 121)
یعنی آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی
اور پھر خود انہوں نے بھی عرض کی
رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا......(اعراف: 23)
اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔
جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو معصوم ماننا غلط ہے اور غلط عقیدہ ہے۔

ب

اہل سنت و جماعت کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام کفر و شرک اور عمداً گناہ کبیرہ اور ایسے ہی گناہ صغیرہ سے ہمیشہ معصوم تے ہیں جو نبوت کی شان کے خلاف ہے۔ ہاں خطا یا بھول کر ایسا صغیرہ گناہ سرزد ہو سکتا ہے جس سے کہ شان نبوت میں فرق ئے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے جو کچھ ہوا یا خطائے اجتہادی کی وجہ سے تھا مگر چونکہ نیکوں کی بھلائیاں بھی مقربین کے جے کے لحاظ سے برائیاں ہوتی ہیں اس لئے ان خطاؤں کو بھی وہ حضرات گناہ فرما دیتے ہیں اور ہم جیسے گناہ گاروں سے ان ی خطاؤں کی پرستش نہیں ہوتی لیکن ان کے بلند درجے کے لحاظ سے ان لغزشوں پر بھی عتاب آ جاتا ہے۔ یہاں بھی ایسا ہی عصمت انبیاء کی بے شمار دلیلیں ہیں۔ چند عرض کرتا ہوں۔

ل نمبر 1

گناہ گار فاسق ہوتا ہے اور فاسق کی مخالفت کرنا ضروری اور نبی کی اطاعت کرنا فرض اگر نبی گناہ گار یا فاسق ہوں تو ان کی عت بھی ضروری ہو جائے اور مخالفت بھی یہ اجتماع ضدین ہے۔

ل نمبر 2

فاسق کی دلیل بلا تحقیق نہیں ماننی چاہئے قرآن کا حکم ہے اور پیغمبر کی بات بلا تحقیق ہی ماننا ضروری ہے اگر نبی بھی فاسق تو ان کی بات کا ماننا اور نہ ماننا دونوں ضروری ہوں گے اور یہ ایک اجتماع نقیضین ہے۔

دلیل نمبر 3

گناہ گار سے شیطان راضی ہوتا ہے۔اس لئے وہ حزب الشیطان میں داخل ہے اور نیک کار سے رحمان راضی اور حزب میں داخل۔اگر پیغمبر ایک آن کے لئے بھی گناہ گار ہوں تو معاذ اللہ وہ حزب الشیطان میں داخل ہوں گے نیز پیغمبر کے گناہ کے وقت اگر کوئی امتی نیکی کر رہا ہو تو اس وقت اور اس آن میں وہ امتی نبی سے افضل ہوگا اور یہ بات بالکل غلط ہے۔

دلیل نمبر 4

رسول فرشتوں سے افضل ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۝ (آل عمران: 33)

جس سے معلوم ہوا کہ سارے پیغمبر تمام جہان سے افضل اور جہان میں فرشتے بھی داخل ہیں لہٰذا نبی فرشتوں سے افضل اور فرشتے یقیناً گناہوں سے معصوم ان کی شان میں رب عزوجل فرما رہا ہے۔

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ

یعنی فرشتے کبھی گناہ نہیں کرتے۔

اب اگر نبی گناہ کریں تو درجے میں فرشتوں سے کم ہو جائیں گے کیونکہ

قرآن مجید فرما رہا ہے۔

اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ (ص: 28)

جس سے معلوم ہوا کہ متقی گناہ کے برابر نہیں ملائکہ تو متقی ہیں اگر نبی ایک آن کے لئے فاسق بن جائیں تو ملائکہ کے برابر رہیں گے۔

دلیل نمبر 5

قرآن مجید سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا تھا کہ میرے خاص بندوں پر تیرا داؤ نہ چلے گا۔شیطان بھی کہا تھا کہ خداوند عزوجل میں تیرے سارے بندوں کو گمراہ کردوں گا سوائے تیرے خاص بندوں کے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے بھی فرمایا۔

اے لوگو! جس بات سے میں تم کو روکوں اس کو خود کرنے کا کبھی خیال بھی نہ کرنا۔

فرماتے ہیں۔

وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ ؕ (هود: 88)

جب رب عزوجل فرمائے کہ میرے انبیاء کرام (علیہم السلام) پر شیطان غالب نہیں آسکتا۔انبیاء کرام علیہم السلام

مائیں کہ ہم گناہ کا ارادہ بھی نہیں فرماتے، شیطان بھی کہے کہ پیغمبروں پر میرا داؤ نہیں چلتا، اب جو شخص ان کو گناہ گار مانے وہ شیطان سے بھی بدتر ہے۔ لہٰذا جو احادیث مبارکہ ایسی ملیں جن سے پیغمبروں کے گناہ ثابث ہوں وہ قابل قبول نہیں اور جن آیات کریمہ سے ان کے گناہ کرنے کا دھوکہ پڑتا ہے ان کی توجیہ یا تاویل ضروری ہے تاکہ قرآنی آیتوں میں تعارض نہ ہو۔

مجھ سے ایک شخص نے یہی اعتراض کیا تھا

اور کہنے لگا کہ

نبیوں کا کفر وشرک اور گناہ گار ہونا قرآن سے ثابت ہے۔

میں نے اس کو یہی جواب دیا وہ نہ مانا۔

میں نے کہا:

پھر تم اللہ تعالیٰ کو بھی (نعوذ باللہ) گناہ گار مانو۔

کیونکہ قرآن کریم فرما رہا ہے۔

ومکر اللہ

نیز فرمایا گیا

وَهُوَ خَادِعُهُمْ

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دھوکہ اور مکر فرماتا ہے اور یہ باتیں گناہ ہیں۔

تب وہ کہنے لگا

ان آیتوں کا یہ مطلب نہیں بلکہ یہ ہے۔

ہم نے کہا:

جیسے یہاں اور مطلب نکالتے ہو ایسے ہی وہاں انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے بھی اور مطلب نکالو تب وہ لاجواب ہوا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ

حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے چند کلمے سیکھ لئے تو اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول فرمائی۔

قرآن مجید میں ہے:

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ (بقرہ: 37)

پھر آدم نے اپنے رب کے چند کلمات سیکھ لئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ بے شک وہی بہت توبہ قبول فرمانے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ
حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:
اے رب عزوجل! کیا تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا نہیں کیا؟
ارشاد فرمایا
کیوں نہیں۔
کہا
کیا تو نے مجھ میں اپنی پسندیدہ روح نہیں پھونکی؟
ارشاد فرمایا
کیوں نہیں
کہا
کیا تو نے مجھے اپنی جنت میں نہیں رکھا
ارشاد فرمایا
کیوں نہیں
عرض کیا
اے رب عزوجل! کیا تیری رحمت غضب پر غالب نہیں ہے۔
ارشاد فرمایا
کیوں نہیں
عرض کیا
یہ بتا اگر میں توبہ کروں اور اصلاح کروں تو کیا مجھے اپنی جنت کی طرف لوٹا دے گا۔
ارشاد فرمایا:
ہاں
قتادہ اور حسن نے کہا: وہ کلمات یہ ہیں:
رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ○ (الاعراف: 23)
اے ہمارے رب عزوجل! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور

نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

(جامع البیان: ج:1، ص:193 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

حضرت قتادہ بیان کرتے ہیں کہ

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا

اے ہمارے رب عزوجل! اگر میں تجھ سے توبہ اور استغفار کروں۔

ارشاد فرمایا

پھر میں تمہیں جنت میں داخل کر دوں گا اور رہا ابلیس تو اس نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کا سوال نہیں کیا بلکہ مہلت کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو وہ چیز عطا فرما دی جس کا اس نے سوال کیا تھا۔

ضحاک نے بیان کیا کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جن کلمات کی تلقین کی تھی وہ یہی تھے۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝ (الاعراف: 23)

(جامع البیان جز:8، ص:190 دار الفکر بیروت)

حافظ ابن کثیر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

مجاہد نے بیان کیا کہ وہ کلمات یہ ہیں۔

ترجمہ:

اے اللہ عزوجل! تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تیری تسبیح اور حمد کے ساتھ میں کہتا ہوں۔

اے میرے رب عزوجل! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ سو مجھے بخش دے تو سب سے اچھا بخشنے والا ہے۔

اے اللہ عزوجل! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تیری تسبیح اور حمد کے ساتھ میں کہتا ہوں، میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، تو مجھ پر رحم فرما، بے شک تو سب سے اچھا رحم فرمانے والا ہے۔

اے اللہ عزوجل! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تیری تسبیح اور حمد کے ساتھ کہتا ہوں۔ اے رب عزوجل! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا تو میری توبہ قبول فرما۔

بے شک تو بہت توبہ قبول کرنے والا ہے اور بے حد رحیم ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج:1، ص:142 مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے توبہ مقبول

امام طبرانی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب حضرت آدم علیہ السلام (صورۃً) گناہ کر لیا تو انہوں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا۔
اور عرض کیا
میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حق (وسیلہ) سے سوال کرتا ہوں کہ تو میری مغفرت فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی۔
محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں۔
حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:
تیرا نام برکت والا ہے جب تو نے مجھے پیدا کیا تو میں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا تو اس میں لکھا ہوا تھا۔
لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ
تو میں نے جان لیا کہ تیرے نزدیک اس شخص سے زیادہ بلند مرتبہ کوئی شخص نہیں ہوگا جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی کی۔
اے آدم علیہ السلام! وہ تمہاری اولاد میں سے تمام نبیوں کے آخر ہیں اور ان کی امت تمہاری اولاد کی امتوں میں سے آخری امت ہے اور اگر وہ نہ ہوتے اے آدم علیہ السلام تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔
(المعجم الصغیر: ج:2، ص:83 مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ)
حافظ ابن کثیر نے اس حدیث مبارکہ کو حاکم بیہقی اور ابن عساکر کے حوالے سے لکھا ہے اور اس کے اخیر میں ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا
اے آدم علیہ السلام! تم نے سچ کہا۔ یہ مجھے مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہیں اور جب تم نے ان کے وسیلہ سے سوال کیا ہے تو میں نے تم کو بخش دیا اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔
(البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:81 مطبوعہ دار الفکر بیروت)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ
اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ وحی کی کہ
اے عیسیٰ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لاؤ اور جو تمہاری امت میں سے ان کا زمانہ پائے اس کو بھی ان پر ایمان لانے کا حکم دو کیونکہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں آدم (علیہ السلام) کو پیدا نہ کرتا اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں جنت اور دوزخ کو پیدا نہ کرتا اور میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا اور تو وہ ہلنے لگا۔

پھر میں نے اس پر

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

لکھا تو وہ ساکن ہو گیا۔

(المستدرک، ج:2، ص:615 مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ)

خواجہ عبداللہ انصاری لکھتے ہیں

روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرش پر

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

لکھا ہوا دیکھا تھا جب ان سے لغزش ہو گئی تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کی

اور کہا

اے اللہ عزوجل! مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وسیلہ سے معاف فرما۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

تم نے ان کو کیسے پہچانا جو ان کے وسیلہ سے دعا کی

عرض کیا

جب میں نے تیرے عرش کے ساتھ ان کا نام لکھا ہوا دیکھا تو جان لیا کہ یہ بندہ تجھے بہت محبوب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

میں نے تمہیں بخش دیا۔

(کشف الاسرار وعدۃ الابرار، ج:1، ص:155، 156 مطبوعہ سپہر اطہران)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا توبہ کا دروازہ بتانا

حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

امام ابن المنذر، محمد بن علی بن حسین بن علی ابن ابی طالب سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہو گئی تو ان کو بہت رنج ہوا اور شدید ندامت ہوئی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ علیہ السلام کے پاس آئے۔

اور کہا

اے آدم علیہ السلام! کیا میں آپ علیہ السلام کو توبہ کا دروازہ بتاؤں جس سے اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کی توبہ قبول کرلے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

کیوں نہیں۔

کہا

آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے مناجات کریں اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کریں۔

آپ علیہ السلام نے کہا:

اے جبرائیل علیہ السلام میں کیا کہوں؟

انہوں نے کہا:

آپ علیہ السلام کہیے۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں۔اس کا ملک ہے اور اس کے لئے حمد ہے، وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے وہ زندہ ہے اور اس کو موت نہیں آئے گی۔تمام اچھائیاں اس کی قدرت میں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اس کے بعد آپ علیہ السلام اپنی خطاء پر توبہ کریں۔

اور کہیں

اے اللہ عزوجل! تو سبحان ہے اور تیری حمد ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں اے رب عزوجل! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور برا کام کیا تو مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخشے گا۔

اے اللہ عزوجل! میں تجھ سے تیرے بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کے وسیلہ سے اور ان کی تیرے نزدیک کرامت کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ تو میری خطا کو بخش دے۔حضرت آدم علیہ السلام نے اسی طرح دعا کی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اے آدم (علیہ السلام) تم کو یہ دعا کس نے تعلیم دی۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

اے رب عزوجل! جب تو نے مجھ میں روح پھونکی اور میں ہموار بشر کی صورت میں کھڑا ہوا تو میں نے عرش پر لکھا ہوا دیکھا۔

بسم اللہ الرحمن لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وحدہ لا شریک لہ محمد رسول اللہ اور جب میں نے دیکھا کہ تیرے نام کے ساتھ کسی مقرب فرشتے کا نام لکھا ہے نہ کسی نبی مرسل کا تو میں نے جان لیا کہ یہ تیرے نزدیک تیری مخلوق میں سب سے مکرم ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

تم نے سچ کہا اور میں نے تمہاری خطا کو بخش دیا۔

پھر حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل کی حمد وثناء کی اور اس کا شکر ادا کیا اور بہت خوش ہو کر لوٹے اور فرشتوں

فوج در فوج نے آ کر حضرت آدم علیہ السلام کو مبارکباد دی۔
(الدر المنثور ج:1،ص:60 مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اپنے وسیلہ سے دعا فرمانا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے وسیلہ سے دعا فرماتے تھے۔
حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں۔
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم رضی اللہ عنہا فوت ہوگئیں تو تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی لحد کھودنے سے فارغ ہوگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی لحد میں لیٹ گئے۔
اور یہ دعا کی
اللہ تعالیٰ ہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے اور وہی زندہ ہے جسے موت نہیں آئے گی۔ اے اللہ عزوجل اپنے نبی اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کے وسیلہ سے میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما ان کو حجت القا فرما، ان کی قبر کو وسیع کر بلاشبہ تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ پھر آپ علیہ السلام نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور آپ علیہ السلام، حضرت عباس اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما نے ان کو قبر میں اتارا۔
(مجمع الزوائد: ج:9،ص:257 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)
اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے دعا کرنا نہ صرف حضرت آدم علیہ السلام کی بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی سنت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اپنے وسیلہ سے دعا کرنے کی ہدایت دینا

امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی 273ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔
حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
ایک نابینا شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔
اس نے عرض کیا
آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری آنکھیں ٹھنڈی کردے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اگر تم چاہو تو میں اس کام کو مؤخر کردوں اور یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا اور اگر تم چاہو تو (ابھی) دعا کردوں۔
اس نے کہا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کر دیجئے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تم اچھی طرح وضو کرو، دو رکعت نماز پڑھو اس کے بعد دعا کرو۔
اے اللہ عزوجل میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور محمد نبی رحمت عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔
اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے اس حاجت میں اپنے رب عزوجل کی طرف متوجہ ہوا ہوں تا کہ یہ حاجت پوری ہو۔
اے اللہ عزوجل! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے لئے شفاعت کرنے والا بنا دے۔
(سنن ابن ماجہ :ص:99،مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)
امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اس سند کے علاوہ ابوامامۃ بن سہل بن حنیف کی سند سے بھی روایت کیا ہے۔
اس روایت میں یہ اضافہ ہے۔
حضرت عثمان بن حنیف نے کہا: بخدا ابھی ہم اس مجلس سے اٹھے نہیں تھے اور نہ ابھی سلسلہ گفتگو دراز ہوا تھا کہ وہ نابینا شخص اس حال میں داخل ہوا کہ اس کی آنکھ میں کوئی تکلیف نہیں تھی۔
(دلائل النبوۃ ج:6،ص:167 مطبوعہ دار الکتاب العلمیہ بیروت)
شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:
امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ
ایک نابینا شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ میری آنکھوں کو ٹھیک کر دے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اگر تم چاہو صبر کر لو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہے۔
اس شخص نے کہا:
آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کر دیجئے
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ حکم دیا کہ وہ اچھی طرح وضو کرے۔
اور یہ دعا مانگے۔

اے اللہ عزوجل! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی، نبی رحمت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اپنی اس حاجت کے پورا ہونے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا ہوں۔ اے اللہ عزوجل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کو میرے حق میں قبول فرما۔

(مجموعہ الفتاویٰ ج:1،ص:267 مطبوعہ بامر فہد بن عبدالعزیز)

قاضی شوکانی حصن حصین کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام ترمذی، امام حاکم نے مستدرک میں اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ امام طبرانی نے اس حدیث کی تمام اسانید بیان کرنے کے بعد کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ امام ابن خزیمہ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ البتہ نسائی کی حدیث میں یہ فرد ہے کہ اس میں یہ ذکر بھی ہے۔ اس نے دو رکعت نماز پڑھی۔ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کرنے کے جواز کی دلیل ہے۔ اس کے ساتھ یہ اعتقاد لازم ہے کہ حقیقتاً دینے والا اور منع کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے جو وہ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔

(تحفۃ الذاکرین ص138، مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ مصر)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کرنا

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ مقدسہ میں ایک سال قحط پڑ گیا تو حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مقدسہ پر حاضر ہوئے اور عرض کیا اپنی امت کے لئے بارش کی دعا کیجئے۔ اس کو مصنف ابن ابی شیبہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

حافظ ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

مالک الدار جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وزیر خوراک تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگوں پر قحط آ گیا۔ ایک شخص (حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر گیا اور عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لئے بارش کی دعا کیجئے کیونکہ وہ (قحط سے) ہلاک ہو رہے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے خواب میں تشریف لائے۔

اور ارشاد فرمایا

عمر (رضی اللہ عنہ) کے پاس جاؤ ان کو سلام کہو اور یہ خبر دو کہ تم پر یقیناً بارش ہو گی اور ان سے کہو تم پر سوجھ بوجھ لازم ہے تم پر سوجھ بوجھ لازم ہے پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کو یہ خبر دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور عرض کیا

اے اللہ عزوجل! میں صرف اسی چیز کو ترک کرتا ہوں جس سے میں عاجز ہوں۔

(المصنف ابن ابی شیبہ ج:12، ص:32 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

نیز حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

حافظ ابوبکر بیہقی اپنی سند کے ساتھ مالک سے روایت کرتے ہیں کہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قحط واقع ہوا ایک شخص (حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ مزنی) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہوا

اور عرض کیا

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لئے بارش کی دعا کیجئے کیونکہ وہ (قحط سے) ہلاک ہو رہے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے خواب میں تشریف لائے۔

اور ارشاد فرمایا

عمر (رضی اللہ عنہ) کے پاس جاؤ اور ان کو میری طرف سے سلام کہو اور ان کو یہ خبر دو کہ تم پر یقیناً بارش ہوگی اور ان سے کہو کہ تم سوجھ بوجھ سے کام لو۔ اس شخص نے جا کر حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو خبر دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

اے میرے رب عزوجل! میں صرف اسی چیز کو ترک کرتا ہوں جس سے میں عاجز ہوں۔

(البدایہ والنہایہ: ج:7، ص: 91 تا 92 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علم حدیث میں حافظ ابن کثیر کی شخصیت موافقین اور مخالفین سب کے نزدیک مسلم ہے اور حافظ ابن کثیر نے امام بیہقی کی اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور اس روایت میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش کی دعا کے لئے درخواست کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ واقعہ اور اپنا خواب بیان کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو مقرر رکھا اور اس پر انکار نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی وصال کے بعد صاحب قبر سے دعا کی درخواست کرنا جائز ہے اور آج بھی اگر کوئی امتی نہ صرف روضہ مقدسہ پر جا کر عرض گزاری کرے بلکہ دنیا کے کسی کونے میں بیٹھ کر اگر آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کرے تو حضور دو عالم بے چین دلوں کے چین، بے کسوں کے حاجت روا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس امتی کی دعا کو ضرور بالضرور سنتے ہیں۔

مذکورہ حدیث مبارکہ کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

امام ابن ابی شیبہ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فازن مالک الدار سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی

عنہ کے زمانہ مقدس میں قحط واقع ہوا۔ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہوا۔
اور عرض کیا
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی امت کے لئے بارش کی دعا کیجئے کیونکہ وہ ہلاک ہورہے ہیں پھر اس شخص کو خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی
اور فرمایا گیا کہ
عمر (رضی اللہ عنہ) کے پاس جاؤ......الحدیث
سیف نے فتوح میں روایت میں کیا ہے: جس شخص نے یہ خواب دیکھا تھا وہ یکے از صحابہ حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ تھے۔
(فتح الباری: ج:1،ص:495 تا496 مطبوعہ دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کرنا

امام طبرانی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں
حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
ایک شخص اپنے کسی کام سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے اور نہ اس کے کام کی طرف دھیان دیتے تھے۔ایک دن اس شخص کی حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔اس نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے اس بات کی شکایت کی۔
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا
تم وضو خانہ جا کر وضو کرو پھر مسجد میں جاؤ اور وہاں دو رکعت نماز پڑھو۔
پھر یہ کہو۔
اے اللہ عزوجل! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور ہمارے نبی، نبی رحمت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے آپ کے رب عزوجل کی طرف متوجہ ہوا ہوں کہ وہ میری حاجت روائی کرے اور اپنی حاجت کا ذکر کرنا پھر میرے پاس آنا حتیٰ کہ میں تمہارے ساتھ جاؤں وہ شخص گیا اور اس نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کیا۔ وپھر وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔دربان نے ان کے لئے دروازہ کھولا اور ان کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا۔

اور پوچھا

تمہارا کیا کام ہے۔اس نے اپنا کام ذکر کیا۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس کا کام کر دیا۔

اور ارشاد فرمایا

تم نے اس سے پہلے اب تک اپنے کام کا ذکر نہیں کیا تھا۔

اور ارشاد فرمایا

جب بھی تمہیں کوئی کام ہو تو تم ہمارے پاس آجانا پھر وہ شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے چلا گیا اور جب ا[illegible] کی حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی

تو اس نے کہا:

اللہ تعالیٰ آپ کو جزا خیر دے۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میری طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے اور میرے معاملہ میں غور نہیں کرتے تھے۔حتیٰ کہ آپ نے ان سے میری سفارش کی۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے کہا:

بخدا! میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کوئی بات نہیں کی لیکن ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک نابینا شخص آیا اور اس نے اپنی نابینائی کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تم اس پر صبر کرو گے۔

اس نے کہا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے راستہ دکھانے والا کوئی نہیں ہے اور مجھے بڑی مشکل ہوتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا

تم وضو خانے جاؤ اور وضو کرو پھر دو رکعت نماز پڑھو۔پھر ان کلمات سے دعا کرو۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے کہا:

ابھی ہم الگ نہیں ہوئے تھے اور نہ ابھی زیادہ باتیں ہوئی تھیں کہ وہ نابینا شخص آیا درآں حالیکہ اس میں بالکل نابینائی نہ تھی۔

(معجم صغیر:ج:1،ص:184،183 مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ)

حافظ ابوبکر بن خیثمہ نے اپنی تاریخ میں اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
ایک نابینا شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا
اور اس نے عرض کیا
میری بینائی چلی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جا کر وضو کرو اور دو رکعت نماز پڑھو۔
پھر کہو
اے اللہ عزوجل میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے تیری طرف متوجہ ہوں۔
اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے رب عزوجل کے حضور اپنی بصارت لوٹانے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کرتا ہوں۔
اے اللہ عزوجل! میرے حق میں میری شفاعت کو قبول کر اور میری بصارت لوٹانے میں میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت قبول فرما اور اگر تمہیں کوئی اور کام ہو تو پھر اسی طرح کرنا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی بصارت لوٹا دی۔
(فتاویٰ ابن تیمیہ ج:1،ص:275 مطبوعہ بامر فہد بن عبدالعزیز آل السعود)

اضافات

اس روایت پر ابن تیمیہ نے حسب ذیل اعتراض کئے ہیں۔
(1) اگر تمہیں کوئی کام ہو تو اسی طرح کرو، یہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نہیں ہیں۔
(2) دوسرے راویوں کی روایت میں یہ الفاظ نہیں اور اگر بالفرض یہ الفاظ ثابت ہوں تب بھی یہ دلیل نہیں ہے کیونکہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ دعا کے بعض الفاظ کافی ہیں کیوں کہ انہوں نے مشروع دعا کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ دعا کے بعض الفاظ کہنے کا حکم دیا ہے۔
(3) حضرت عثمان بن حنیف نے یہ گمان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی اس طرح دعا کرنا جائز ہے حدیث مبارکہ کے الفاظ اس کے خلاف ہیں کیونکہ اس نابینا صحابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے دعا کریں اور اس کو یہ یقین تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے دعا کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم دیا تھا کہ وہ دعا میں یہ کہے: اے اللہ عزوجل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما

اور اس طریقہ سے دعا اس وقت صحیح ہوگی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے دعا کریں اور اس کی شفاعت کریں اور جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شفاعت کرنے کا علم نہیں ہے اس کا اس طریقہ سے دعا کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس طریقہ سے دعا کرنا اور شفاعت طلب کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیاوی میں ہی درست تھا یا قیامت کے دن درست ہوگا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج:1،ص:275 مطبوعہ بامر فہد بن عبدالعزیز آل السعود)

جوابات

ان اعتراضات کے جوابات درج ذیل ہیں۔

پہلے سوال کا جواب

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ ہوں بلکہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے ہوں تب بھی کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ کسی چیز کے جائز اور ناجائز ہونے میں شیخ ابن تیمیہ کی بہ نسبت صحابی رسول (رضی اللہ عنہ وصلی اللہ علیہ وسلم) کی فہم اور ان کے اجتہاد پر اعتماد کرنا زیادہ قرین قیاس ہے۔

دوسرے سوال کا جواب

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن ابی خیثمہ کی اس روایت سے ہمارا استدلال نہیں ہے اگر اس پر شیخ کو اعتراض ہے تو اس روایت کو ہم چھوڑ دیتے ہیں۔ ہمارا استدلال تو امام طبرانی کی روایت سے ہے جس کے متعلق خود شیخ ابن تیمیہ نے تصریح کی ہے کہ یہ دو صحیح سندوں سے مروی ہے۔

تیسرے سوال کا جواب

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس درخواست کی طرف متوجہ کر دیتا ہے یا اس درخواست پر مطلع کر دیتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری دعا کی قبولیت کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت کرتے ہیں اور اس میں کون سا شرعی یا عقلی استبعاد ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھ پر میری امت کے اچھے اور برے تمام اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔

(صحیح مسلم: ج:1،ص:207 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

اس حدیث مبارکہ کے تحت جب بھی کوئی امتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کرے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

ں کا علم ہو جائے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی شفاعت فرمائیں گے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے وسیلہ سے
رنے اور دعا کی درخواست کرنے کی ہدایت دی ہے اور اس ہدایت کو عام رکھا ہے اور اس میں حیات یا بعد از وفات کی قید
لگائی اس لئے شیخ ابن تیمیہ کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ''اور اس طریقہ سے دعا اس وقت صحیح ہو گی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے لئے دعا کریں اور اس کی شفاعت کریں اور جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے
عت کرنے کا علم نہیں ہے۔ اس کا اس طریقہ سے دعا کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ حیات اور ممات میں وسیلہ کے جواز اور عدم
کا فرق علم کے ہونے یا نہ ہونے کی وجہ سے ہو سکتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر دو صورت میں علم حاصل ہے۔ رسول اللہ
اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام مسلمانوں کے لئے قیامت تک کے لئے حجت ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال مسلمانوں
لئے اسوہ اور نمونہ ہیں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے ساتھ مخصوص ہو اور
کے لوگوں کے لئے اس کا کرنا ناجائز ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر لازم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتائیں کہ یہ حکم میری
ی کے ساتھ خاص ہے اور بعد کے لوگوں کے لئے اس حکم پر عمل کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بردہ بن نیار کو ایک شش ماہی بکرے کی قربانی کرنے کا حکم دیا اور فرمادیا تمہارے
ی کے لئے یہ عمل جائز نہیں ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے نماز عید سے پہلے قربانی کر لی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کے بدلہ میں اور قربانی کرو۔

انہوں نے کہا:

میرے پاس صرف چھ ماہ کا ایک بکرا ہے جو سال کے بکرے سے فربہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کے بدلہ میں اس کی قربانی کر دو اور تمہارے بعد کسی اور کے لئے شش ماہی بکرے کی قربانی جائز نہیں ہو گی۔

(صحیح بخاری ج:2، ص:834 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ استثناء اس لئے بیان فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال اور افعال مسلمانوں
میں قیامت تک کے لئے حجت ہیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ استثناء نہ فرماتے تو چھ ماہ کے بکرے کی قربانی جائز ہو

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے مقبول ہوئی

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے مقبول ہوئی۔

خواجہ عبداللہ انصاری لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرش پر لَآاِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہوا دیکھا تھا جب ان سے لغزش ہوگئی تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کی

اور کہا

مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وسیلہ سے معاف فرما۔

رب العالمین عزوجل نے ارشاد فرمایا

تم نے ان کو کیسے پہچانا جوان کے وسیلہ سے دعا کی

عرض کیا

جب میں نے عرش پر تیرے نام کے ساتھ ان کا نام لکھا ہوا دیکھا تو جان لیا کہ یہ بندہ تجھے محبوب ہے۔

اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا

میں نے تمہیں بخش دیا۔

(کشف الاسرار وعدۃ الابرار ج:1،ص:155 تا 156 مطبوعہ سپہر طہران)

حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

امام ابن المنذر ر، محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوگئی تو ان کو بہت رنج ہوا اور شدید ندامت ہوئی۔

تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا

اے آدم علیہ السلام! کیا میں آپ علیہ السلام کو توبہ کا دروازہ بتاؤں جس سے اللہ تعالٰی آپ علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائے

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

کیوں نہیں

کہا

آپ علیہ السلام اللہ تعالٰی سے مناجات کریں اور اللہ تعالٰی کی حمد وثناء کریں۔

آپ علیہ السلام نے کہا:

اے جبرائیل علیہ السلام! میں کیا کہوں۔

انہوں نے کہا:

آپ علیہ السلام کہیے

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اس کا ملک ہے۔ اس کے لئے حمد ہے وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے وہ زندہ ہے اور اس کو موت نہیں آئے گی۔ تمام اچھائیاں اس کی قدرت میں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس کے بعد آپ اپنی خطا پر توبہ کریں۔

اور کہیں

اے اللہ عزوجل! تو سبحان ہے اور تیری حمد ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

اے میرے رب عزوجل! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور برا کام کیا تو مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخشے گا۔ اے اللہ عزوجل! میں تجھ سے تیرے بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت سے وسیلہ سے اور ان کی تیرے نزدیک کرامت کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ تو میری خطا کو بخش دے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے اسی طرح دعا کی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اے آدم علیہ السلام! تم کو یہ دعا کس نے تعلیم کی۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

اے رب عزوجل! جب تو نے مجھ میں روح پھونکی اور میں ہموار بشر کی صورت میں کھڑا ہوا تو میں نے عرش پر لکھا ہوا دیکھا۔

بسم اللہ الرحمن لَآاِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وحدہ لا شریك له محمد رسول اللہ

اور جب میں نے دیکھا کہ تیرے نام کے ساتھ کسی مقرب فرشتے کا نام لکھا ہے نہ کسی نبی مرسل کا تو میں نے جان لیا کہ یہ تیرے نزدیک تیری مخلوق میں سب سے مکرم ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

تم نے سچ کہا اور میں نے تمہاری خطا کو بخش دیا، پھر حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل کی حمد وثناء کی اور اس کا شکر ادا کیا اور بہت خوش ہو کر لوٹے اور فرشتوں نے فوج درفوج آکر حضرت آدم علیہ السلام کو مبارکباد دی۔

(الدرالمنثور ج:1، ص:60 مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

<u>حضرت آدم علیہ السلام کا تین سو سال تک آسمان کی طرف سر نہ اٹھانا اور رونا</u>

روایت میں آتا ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام نے زمین پر آ کر تین سو سال تک شرم کی وجہ سے آسمان کی طرف سر نہ اٹھایا اور اس قدر روئے آپ علیہ السلام کے آنسو تمام زمین والوں کے آنسوؤں سے زیادہ ہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل ص:310 نعیمی کتب خانہ لاہور)

پانچ آدمی بہت روئے

جب حضرت آدم علیہ السلام جنت باہر زمین پر تشریف لائے تو ایک دم بہت سی مصیبتوں میں گرفتار ہو گئے۔ جنت سے چھوٹنے کا غم اپنی بیوی حضرت حوا علیہا السلام کی جدائی اپنی وحشت اور تنہائی۔ پھر رب تعالیٰ کا عتاب، اس عتاب کی وجہ سے سخت پریشانی تھی۔ اس پریشانی میں تین سو سال تک اس قدر روئے کہ ان کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔

پانچ آدمی بہت روئے ہیں۔

(1) حضرت آدم علیہ السلام اپنی خطا پر

(2) حضرت یعقوب علیہ السلام فراق فرزند ہیں۔

(3) حضرت یحییٰ علیہ السلام خوف الٰہی سے

(4) حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کے بعد

(5) امام زین العابدین واقعہ کربلا کے بعد۔

مگر ان تمام حضرات میں حضرت آدم علیہ السلام کی گریہ زاری سب سے بڑھ کر ہے کیونکہ تین سو سال تک متواتر روئے ہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول ص:312 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت آدم علیہ السلام کی گریہ زاری پر حضرت جبرائیل علیہ السلام کا گریہ زاری کرنا

تفسیر عزیزی میں ہے کہ

حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھی ان کی گریہ زاری پر رونا آ گیا۔ انہوں نے بھی بارگاہ الٰہی عزوجل میں حضرت آدم علیہ السلام کی سفارش اور شفاعت کی تب رحمت الٰہی عزوجل نے ان کی دستگیری فرمائی اور ان کو رحمۃ للعلمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام یاد دلایا اور اس کے ذریعہ توبہ قبول ہوئی۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول ص:312 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت آدم علیہ السلام کے رونے کے برابر روئے زمین پر کسی کا رونا نہیں

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ

اگر حضرت داؤد علیہ السلام اور تمام اہل زمین کے رونے کا موازنہ حضرت آدم علیہ السلام کے رونے کے ساتھ کیا جائے

ان سب کا رونا حضرت آدم علیہ السلام کے رونے کے برابر نہیں ہوسکتا۔

(طبرانی فی المعجم الاوسط: ج:1، ص:51 رقم الحدیث:143)

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ جمعہ کے دن قبول ہوئی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوا جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن آپ علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا اور اسی دن آپ علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی اور اسی دن آپ علیہ السلام کی روح قبض کی گئی اور اسی دن قیامت ہوگی۔

(سنن نسائی: کتاب الجمعۃ: باب ذکر الساعۃ التی یستجاب فیہا الدعاء یوم الجمعۃ) (ج:3، ص:113، رقم الحدیث:1430)

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ یوم عاشورہ کو مقبول ہوئی

یہ تو معلوم ہو چکا کہ حضرت آدم علیہ السلام کئی برس تک اپنی خطاء پر نادم رہے جب توبہ کا وقت آیا اور حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں ان دعاؤں کا القاء ہوا وہ عاشورہ یعنی دسویں محرم اور غالباً جمعہ کا دن تھا۔ عاشورہ جمعہ کو بہت بڑے واقعات ہوئے۔

(1) حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ

(2) حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا زمین پر آنا

(3) حضرت یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا

(4) حضرت ایوب علیہ السلام کی شفاء

(5) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا اور فرعون کا غرق ہونا

(6) حضرت یعقوب علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام سے ملنا

(7) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا کربلا میں شہید ہونا

سب دسویں محرم کو ہوا۔ ان بزرگوں نے گیارہویں شب راحت کی گزاری اس لئے اہل سنت گیارہویں شریف کرتے ہیں۔ بظاہر غوث پاک رضی اللہ عنہ کی فاتحہ ہوتی ہے درحقیقت ان تمام بزرگوں پر انعام الٰہی عزوجل ملنے کی خوشی آپ کو ان کلمات کے ملنے سے بہت خوشی ہوئی۔ آپ نے وضو فرمایا اور خانہ کعبہ کے سامنے کھڑے ہوئے، دو رکعت نماز ادا فرمائی اور پھر کلمات سے دعا مانگی۔ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے تشریف لائے تھے۔ تب ان کے چہرے کا رنگ سیاہ ہوگیا تھا اور قبول ہونے کے بعد ان کو حکم ہوا کہ چاند کی تیرہویں چودھویں اور پندرہویں کا روزہ رکھو۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے یہ

روزے رکھے اور ہر دن میں جسم کا تہائی حصہ اصلی رنگ پر آتا رہا۔ پندرہویں تاریخ کو تمام جسم پاک اصلی رنگ پر آ گیا۔ یہ تینوں روزے حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ تک فرض رہے۔ اسلام میں بھی کچھ زمانے ہر مہینے کے یہ تین روزے فرض رہے اب فرض تو نہیں مگر سنت ہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص: 312 نعیمی کتب خانہ لاہور)

توبہ مقبول ہونے کے بعد حضرت حوا علیہا السلام سے ملاقات میدان عرفان میں ہوئی

توبہ قبول ہونے کے بعد عرفات کے مقام میں حضرت حوا علیہا السلام سے ملاقات ہوئی اور ایک نے دوسرے کو پہچانا اسی لئے اس کو میدان عرفات کہتے ہیں۔

یعنی پہچاننے کی جگہ

(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص: 312 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عربی زبان کا سلب کیا جانا اور دوبارہ عطا فرمایا جانا

جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے آئے تھے تو ان سے عربی زبان بھی سلب کر لی گئی تھی۔ یعنی بھلا دی گئی تھی اتنے روز تک سریانی زبان میں کلام فرمایا۔ توبہ قبول ہونے کے بعد عربی زبان پھر عطا ہوئی۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص: 312 نعیمی کتب خانہ لاہور)

توبہ کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام کا تمام عالم کو آواز دینا

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے تمام عالم کے جانوروں کو آواز دی: اے جانورو! حق تعالیٰ نے تم پر اپنا خلیفہ بھیجا ہے۔ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری اور دریائی جانوروں نے اپنا سر اٹھا کر اطاعت ظاہر کی اور خشکی کے جانور آپ علیہ السلام کے آس پاس آ گئے۔ حضرت آدم علیہ السلام ان پر ہاتھ پھیرنے لگے جن پر ان کا ہاتھ پہنچ گیا وہ اہلی اور خانگی رہا۔ جیسے

گھوڑا

اونٹ

بکری

کتا

بلی وغیرہ

اور جس پر ہاتھ آپ علیہ السلام کا نہ پہنچ سکا وہ جنگلی وحشی رہا۔ جیسے ہرن وغیرہ۔ اس واقعہ کے بعد حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا۔

مولیٰ عزوجل! اولاد بہت کمزور ہے اور ابلیس کا فریب بہت سخت اگر تو ان کی امداد نہ کرے تو وہ ابلیس سے کیونکر بچ سکیں

ے۔

حکم الٰہی عزوجل آیا کہ

اے آدم علیہ السلام! تمہارے اور احکام تھے ان کے لئے دوسرے احکام ہوں گے۔ ہم ہر انسان کے ساتھ ایک فرشتہ رکھیں گے جو اس کو شیطان کے وسوسہ سے بچائے گا اور ہر ایک کے لئے اس کے مرنے کے وقت تک توبہ کا دروازہ کھلا رکھیں گے تب آپ علیہ السلام نے خوش ہو کر شکر کیا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص: 313 نعیمی کتب خانہ لاہور)

توبہ قبول ہونے کے بعد تین روزے رکھنے کا حکم

جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے تشریف لائے تھے ان کے چہرے مبارک کا رنگ سیاہ ہو گیا تھا اور توبہ قبول ہونے کے بعد ان کو حکم ملا کہ چاند کی تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں کا روزہ رکھو چنانچہ آپ علیہ السلام نے یہ روزے رکھے اور ہر دن میں جسم کا تہائی حصہ اصلی رنگ پر آتا رہا۔ پندرہویں تاریخ کو تمام جسم پاک اصلی رنگ پر آ گیا۔ یہ تینوں روزے حضرت نوح علیہ السلام تک فرض رہے۔ اسلام میں بھی کچھ زمانے پر مہینے کے یہ تین روزے فرض رہے اب فرض تو نہیں مگر سنت ہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص: 312 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت آدم علیہ السلام کی موجودگی میں اولاد کی تعداد

تفسیر عزیزی میں ہے۔

آپ علیہ السلام کو اولاد بیٹے پوتے وغیرہ آپ علیہ السلام کی موجودگی میں چالیس ہزار تک پہنچ چکے تھے اور آپ علیہ السلام نے آخری عمر میں خاموشی اختیار فرمائی تھی کہ بجز ذکر الٰہی دیگر کلام بہت کم فرماتے تھے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل: ص: 313 نعیمی کتب خانہ لاہور)

توبہ وگریہ زاری عبادت کیسے؟

تفسیر صوفیانہ میں ہے۔

فرشتے ہمیشہ عبادت کرتے تھے لیکن اب تک انہوں نے توبہ وگریہ زاری کی عبادت نہ کی تھی۔ سیدنا آدم علیہ السلام نے زمین پر آتے ہی یہی عبادت کی جنت کا فراق حضرت حوا علیہا السلام کی جدائی تو رونے کا بہانہ تھا۔ درحقیقت اپنی محبت میں ان کو رلانا تھا۔ مجاز حقیقت کا پل ہے۔

مثنوی شریف میں فرمایا:

ایک بار مجنوں نے بارگاہ الٰہی عزوجل میں عرض کیا!

مولا عزوجل تو نے مجھے عشق لیلیٰ دیکر اس مصیبت میں کیوں ڈال دیا کہ تمام دنیا میں رسوا ہو گیا اور یہاں کی لذتیں اور عیش

سب بھول گیا۔

جواب ملا

عشق لیلیٰ نیست ایں کارمن است　　　حسن لیلیٰ عکس رخسارے من است

خوش بیاید نالہ شبہائے تو　　　ذوقہا دارم بیار بہائے تو

اے دیوانے یہ لیلیٰ کا عشق نہیں ہے وہ تو فقط ایک پردہ ہے لیلیٰ کا رخسار آئینہ جمال یار ہے جس کے ذریعہ تجھ کو اس کا دیدار حاصل ہوتا ہے۔

روح البیان نے ایک مقام پر فرمایا:

بظاہر حضرت یعقوب علیہ السلام فراق یوسف میں رو رہے تھے مگر درحقیقت خالق یوسف کی محبت ان کو لا رہی تھی کیونکہ وہ کنعان میں بیٹھے ہوئے یوسف علیہ السلام کا ہر حال دیکھ رہے تھے پھر ان کے لئے فراق کیسا۔

روایت میں آتا ہے کہ

ایک بار لیلیٰ مجنوں کے پاس گئی اور کہا کہ میں ہی وہ لیلیٰ ہوں جس کے فراق میں تو تڑپ رہا ہے۔

اس نے جواب دیا کہ

تو میری لیلیٰ کہاں سے آئی تو ایک انسان ہے۔غرضیکہ نام لیلیٰ کا رہ گیا اور کام کسی اور کا غرضیکہ قلب آدم علیہ السلام کو جب توبہ کے صابن سے صاف کر دیا گیا اور آنکھوں کے پانی سے اس کو خوب دھویا تب رحمت الٰہی عزوجل کی بارش ان پر ہوئی اور ان کو اپنا قرب عطا فرمایا۔

تفسیر روح البیان نے اس جگہ فرمایا:

حضرت آدم علیہ السلام کے قلب میں محبت الٰہی عزوجل کا تخم بویا گیا اور چشمہ وچشم کے پانی (آنسوؤں) سے اس کو سیراب کیا گیا۔تو اس تخم کی پہلی شاخ ربنا ظلمنا انفسنا ...... سے ظاہر ہوئی اور اس شاخ پر توبہ کی کلیاں نمودار ہوئیں جس سے ہدایت کا پھول کھلا، اجتباء معرفت کا پھل حاصل ہوا۔

جسے قرآن کریم نے فرمایا

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى (طہٰ: 122)

(تفسیر نعیمی: پارہ اول، ص: 314 تا 315 نعیمی کتب خانہ لاہور)

توبہ بغیر وسیلہ قبول نہیں

حضرت آدم علیہ السلام نے جب توبہ کی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کو وسیلہ دیکر توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی توبہ کو قبول بھی فرمایا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب حضرت آدم علیہ السلام نے (صورۃً) گناہ کرلیا تو انہوں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا۔

اور عرض کیا

میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حق (وسیلہ) سے سوال کرتا ہوں تو میری مغفرت فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

تیرا نام برکت والا ہے جب تو نے مجھے پیدا کیا تو میں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا تو اس میں لکھا ہوا تھا۔

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

تو میں نے جان لیا کہ تیرے نزدیک اس شخص سے زیادہ بلند مرتبہ کوئی شخص نہیں ہوگا۔ جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے۔ تب اللہ عزوجل نے ان کی طرف یہ وحی کی۔

اے آدم (علیہ السلام)! وہ تمہاری اولاد میں تمام نبیوں کے آخر ہیں اوران کی امت تمہاری اولاد کی امتوں میں سے آخری امت ہے اور اگر وہ نہ ہوتے اے آدم (علیہ السلام) تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔

(المعجم الصغیر: ج:2، ص:83 مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ)

حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو حاکم بیہقی اور ابن عساکر کے حوالے سے لکھا ہے اور اس کے اخیر میں ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اے آدم (علیہ السلام)! تم نے سچ کہا۔ یہ مجھے مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہیں اور جب تم نے ان کے وسیلہ سے سوال کیا تو میں نے تم کو بخش دیا اور اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:81 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ایک جماعت نے کہا ہے:

حضرت آدم علیہ السلام نے عرش کے پائے پر "محمد رسول اللہ" (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھا ہوا دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کی اور کلمات سے یہی کلمات مراد ہیں یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنا۔

(الجامع لاحکام القرآن: ج:1، ص:324 مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

خواجہ عبداللہ انصاری لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام نے عرش پر لَآ اِلٰـــهَ اِلَّا اللّٰهُ مُـحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا دیکھا تھا۔ جب ان سے لغزش ہوگئی تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کی۔

اے اللہ عز وجل! مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وسیلہ سے معاف فرما۔

رب العالمین عز وجل نے فرمایا

تم نے ان کو کیسے پہچانا جو ان کے وسیلہ سے دعا کی۔

عرض کیا

جب میں نے عرش پر تیرے نام کے ساتھ ان کا نام لکھا ہوا دیکھا تو جان لیا کہ یہ بندہ تجھے بہت محبوب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

میں نے تمہیں بخش دیا۔

(کشف الاسرار وعدۃ الابرار: ج: 1، ص: 156،155 مطبوعہ سپہر طہران)

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے مقبول ہوئی اور توبہ مقبول کیوں نہ ہو کہ جن کے بارے میں اتنا تک فرمایا گیا کہ اگر میں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا نہ فرماتا تو زمین و آسمان کو بھی پیدا نہ فرماتا۔ معلوم ہوا کہ تمام کائنات کے سردار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور جو کائنات کا سردار ہو اور مقدس ہستی اس کا وسیلہ دیا جائے تو پھر توبہ مقبول نہ ہو یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے آدم علیہ السلام میں نے آپ کو بخش دیا۔ معلوم ہوا کہ وسیلہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کی قبولیت کا سبب بنا۔

اور توبہ کے لئے گریہ زاری کرنا بھی بہت فائدہ مند ہے۔

مثنوی شریف میں ہے۔

طفل یک روزہ ہمیں دند طریق — کہ بگریم تا رسد دا یہ شفیق
تو نمی دانی کہ دایہ دایگاں — کم دہد بے گریہ شیر اور رایگاں
چوں خدا خواہد کہ ما یا ری کند — میل مارا جانب زاری کند
باش چوں دو لاب نالاں چشم تر — تا زصحن جانت بر روید خضر
از پئے ہر گز یہ آخر خندہ ایست — مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

ترجمہ: ایک دن کا بچہ بھی یہ طریقہ جانتا ہے یہ میں رووں تا کہ پہنچے شفیق دایہ۔

تو نہیں جانتا کہ دایوں کسی دایہ بے گریہ زاری کم ہی دودھ دیتی ہے جب خدا عز وجل ہماری مدد کرنا چاہتا

ہمیں انکساری وزاری کی طرف مائل کر دیتا ہے۔
رہٹ کی طرح چشم تر اور رونے والا بن تا کہ تیری روح کے صحن میں سبزہ اگے۔
ہر رونے کے بعد آخری خوشی ہے انجام پر نظر رکھنے والا شخص مبارک ہے۔

خالص توبہ کرنے کا حکم

اللہ تعالیٰ کو خالص توبہ کرنے والے بہت زیادہ محبوب ہیں اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو توبہ کرنے کا حکم فرماتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا (التحریم: 8)

اے ایمان والو! اللہ کی طرف خالص توبہ کرو۔

اور سورۃ النساء میں ہے۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْئٰنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۭ (النساء: 17، 18)

اللہ پر توبہ (کا قبول کرنا) صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو جہالت کی بناء پر گناہ کر بیٹھیں۔ پھر جلدی سے توبہ کر لیں تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی توبہ قبول فرماتا ہے اور اللہ بہت جاننے والا اور بہت حکمت والا ہے اور توبہ (کا قبول ہونا) ان لوگوں کے لئے نہیں ہے جو (مسلسل) گناہ کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے تو کہتا ہے! میں نے اب توبہ کی اور نہ یہ (قبول توبہ) ان لوگوں کے لئے ہے جو کفر کی حالت میں مر جاتے ہیں۔

اور سورہ بقرہ میں ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ (بقرہ: 160)

البتہ جن لوگوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی اور (چھپائی ہوئی باتوں کو) ظاہر کر دیا تو میں ان لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں توبہ قبول فرمانے والا بڑا مہربان ہوں۔

توبہ کی اقسام

توبہ کرنے کی کئی اقسام ہیں۔

عوام اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور خواص اپنی غفلتوں سے توبہ کرتے ہیں اور خواص الخواص اس سے توبہ کرتے ہیں کہ وہ کسی نیک کام یا جائز فعل میں مشغول ہو کر اللہ تعالیٰ کی ذات کے مشاہدہ اور اس کی صفات کے مطالعہ سے اعراض کرتے

ہیں۔

(المفہم: ج:7،ص:26،دار ابن کثیر بیروت)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی توبہ اور استغفار کا محمل

حضرت مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرے دل پر ایک ابر چھا جاتا ہے اور بے شک میں ایک دن میں اللہ تعالیٰ سے سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث:2710)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی 544ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

غین کا معنی ہے حجاب یعنی میرے دل پر اس طرح حجاب چھا جاتا ہے جس طرح آسمان پر ابر چھا جاتا ہے۔

اس کا محمل یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو اپنے معمول کے مطابق اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے بعض اوقات کسی شغل یا تکلیف یا امت کے معاملات میں غور و فکر یا دنیاوی ذمہ داریوں کی وجہ سے وہ ذکر رہ جاتا تھا تو اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کے انوار پر حجاب چھا جاتا تھا سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر استغفار کرتے تھے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائماً اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہیں۔

ایک قول یہ ہے:

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وصال کے بعد امت کے احوال پر مطلع ہوتے تو ان کی خطاؤں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر ایک ابر چھا جاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لئے استغفار کرتے تھے۔

ایک قول یہ ہے:

تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کی مصلحتوں میں غور و فکر کرنے اور امت کی آپس کی لڑائیوں پر مطلع ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر استغفار کرتے تھے ہر چند کہ امت کی مصلحت کی کوشش کرنا بھی بہت عظیم عبادت ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل مقام تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ذات کا مشاہدہ کرنا اور اس کی صفات کا مطالعہ کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا ہر چیز سے منقطع ہو کر صرف اس کی ذات میں مستغرق ہونا ہے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس بلند مقام کے اعتبار سے اس کو کم درجہ خیال فرما کر اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے۔

اور ایک قول یہ ہے:

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو استغفار کرنے کا حکم دیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم کی تعمیل کرنے کے لئے ا

اور اللہ تعالیٰ کی طرف اختصار کا اظہار کرنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دائماً عجز کرنے کے لئے اور اس کی نعمتوں کا حقہ شکر ادا نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تھے۔

علامہ محاسبی نے کہا ہے:

انبیاء کرام علیہم السلام اور ملائکہ ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مامون اور محفوظ ہوتے ہیں، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے جلال سے خوف زدہ رہتے ہیں۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ

اسی ڈر اور خوف کی حالت میں ان کے دلوں پر ابر چھا جاتا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے اس کی عظمت کے خیال سے استغفار کرتے ہوں اور یہ اعتقاد نہ کیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار ابر کی وجہ سے تھا ابر اور وجہ سے ہے اور استغفار اور وجہ سے ہے اور یہ استغفار اس ابر کے ساتھ مربوط نہیں ہے۔ جیسا کہ اس باب کی دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو کیونکہ میں ایک دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں اور ہر چند کہ ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے ذنب (یعنی بظاہر خلاف اولیٰ کام) کی مغفرت کر دی گئی ہے۔ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار اس نعمت پر شکر ادا کرنے کے لئے ہے اور اس کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ میں معصوم اور مغفور ہونے کے باوجود اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔

اور بعض علماء کرام نے کہا:

اس ابر سے مراد یہ ہے کہ

بعض اوقات پاک اور صاف دلوں میں بھی غفلت اور بعض دنیاوی مباح چیزوں کی طرف رغبت کی وجہ سے انوار الٰہیہ پر حجاب چھا جاتے ہیں سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حجاب کی وجہ سے استغفار کرتے تھے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم: ج:8، ص:198،197 مطبوعہ دار الوفاء بیروت)

دن میں ایک سو بار توبہ کرنے کی توجیہ

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی مالکی المتوفی 656ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں غین کا لفظ ہے اور غین کا معنی ہے ڈھانپنا، بادل کو بھی غین اس لئے کہتے ہیں کہ وہ آسمان کو ڈھانپ لیتا ہے کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ گناہوں کے اثر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر زنگ چڑھ گیا تھا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کے انوار کو ڈھانپ لیا تھا کیونکہ جن کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام سے صغائر کا صدور جائز ہے وہ بھی اس کے قائل نہیں ہیں کہ صغائر کے صدور سے انبیاء کرام علیہم السلام کے قلوب پر ایسے حجاب آجاتے ہیں جیسے عام گناہ گاروں کے

قلوب پر آجاتے ہیں بلکہ وہ مغفور ومکرم ہیں اوران سے کسی چیز کا مواخذہ نہیں ہوگا پس اس سے معلوم ہوا کہ غین (ابر یا حجاب) گناہ کے سبب سے نہیں ہے پھر اس غین کے سبب میں حسب ذیل اقوال ہیں۔

(1) آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائما اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے تھے اور بعض اوقات کسی مشغولیت یا کسی اور سبب سے (ذکر) نہیں کر سکتے تھے تو اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر حجاب آجاتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی وجہ سے استغفار کرتے تھے۔

(2) آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے احوال پر مطلع ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت جن حالات سے گزرے گی اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم استغفار کرتے تھے۔

(3) آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کی اصلاح کے لئے جن کاموں میں مشغول ہوتے تھے یا جہاد میں مصروف ہوتے اگر چہ یہ امور بھی عظیم عبادات ہیں تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے تھے اس سے ایک درجہ کم ہیں۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر حجاب آجاتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تھے۔

(4) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے احوال میں دائما ترقی کرتے رہتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام سے ترقی کر کے اس سے بلند مقام پر پہنچتے تو پہلے مقام کو نئے اور بلند مقام کی بہ نسبت ناقص قرار دیتے اور اللہ تعالیٰ سے اس پر مغفرت کرتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن میں ایک سو بار توبہ کرتے تھے اس میں توبہ کے دوام پر دلیل ہے اور انسان جب اپنے گناہ کو یاد کرے تو نئی توبہ کرے کیونکہ اس نے گناہ تو یقینی طور پر کیا ہے اور گناہ کی سزا سے نکلنا مشکوک ہے اس لئے اسے چاہئے کہ وہ ہمیشہ توبہ کرتا رہے۔ حتیٰ کہ اس کے گناہ کا معاف ہونا یقینی ہو جائے اور ہم پر لازم ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے خوف کو لازم رکھیں اور اپنے افعال پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے رہیں اور یہ عزم رکھیں کہ ہم دوبارہ اس گناہ کو نہیں کریں گے اور اس گناہ کا تدارک اور اس کی تلافی کریں اور اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ ہمارا وہ گناہ معاف ہو چکا ہے تو ہم پر واجب ہے پھر بھی اس کا شکر ادا کرتے رہیں۔

جیسا کہ احادیث مبارکہ میں ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اتنا زیادہ قیام کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں پیر پھٹ گئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر مشقت کیوں اٹھاتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے اور پچھلے ذنب (بظاہر خلاف اولیٰ کام) کی مغفرت فرما دی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا میں اس سے محبت نہیں کرتا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ شکر گزار بندہ ہوں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 4837)

(جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: 1040)

ب شمار ہوتی ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

گناہ کی توبہ یہ ہے کہ توبہ کے بعد دوبارہ گناہ نہ کرے۔

(مسند احمد: ج: 1، ص: 446 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

امت توبہ ہے

حضرت معقل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ندامت توبہ ہے۔

(سنن ابن ماجہ ص: 313 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

کرو اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتا ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر تم خطائیں کرو حتیٰ کہ تمہاری خطاؤں سے آسمان بھر جائے پھر تم توبہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول فرمالے گا۔

(سنن ابن ماجہ: ص: 313 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

تعالیٰ غررہ موت سے پہلے توبہ فرماتا ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ غررہ موت (جب سانس اکھڑنے لگتا ہے) سے پہلے پہلے بندہ کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ: ص: 314 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

نے استغفار کیا اس نے اصرار نہیں کیا

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے استغفار کر لیا اس نے اصرار نہیں کیا خواہ وہ ایک دن میں ستر مرتبہ گناہ کرے۔

(سنن ابوداؤد ج: 1، ص: 212 مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)

خطا کاروں میں سے اچھا توبہ کرنے والا ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر بنی آدم خطا کار ہے اور خطا کاروں میں سب سے اچھے توبہ کرنے والے ہیں۔

(مسند احمد: ج: 3، ص: 198 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

سورج کا مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے توبہ مقبول

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اس سے پہلے توبہ کر لے کہ سورج مغرب سے طلوع ہو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالے گا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2703)

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مغرب کی طرف توبہ کا ایک دروازہ ہے جس کی چوڑائی چالیس سال یا ستر سال کی مسافت ہے۔ اللہ عزوجل نے اس دروازہ کو اس دن کھول دیا تھا جس دن اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا اور اس دروازہ کو اس وقت تک بند نہیں کرے گا جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3536)

اللہ تعالیٰ کو توبہ پر خوشی کیسے؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے کسی شخص کو اپنی گمشدہ سواری کے مل جانے سے جتنی خوشی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تمہاری توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3538)

توبہ کرنے والا ایسا جیسے گناہ ہی نہ کیا ہو

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ نہ کیا ہو۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 4250)

...یدہ گناہ کی توبہ پوشیدہ علانیہ کی توبہ علانیہ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وصیت کیجئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم سے جس قدر ہو سکے اللہ عزوجل سے ڈرتے رہو اور ہر پتھر اور درخت کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور تم جو برا کام کرو ...ں کے بعد توبہ کرو، پوشیدہ گناہ کی توبہ پوشیدہ کرو اور کھلم کھلا گناہ کی توبہ کھلم کھلا کرو۔

(المعجم الکبیر: ج:20، ص:159)

...ہ سے گناہ کا مٹ جانا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے اور جب وہ اس گناہ سے الگ ہو جاتا ہے اور ...تغفار کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ دوبارہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک اور نقطہ پڑ جاتا ...ے حتیٰ کہ اس کا پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور یہ وہی ران ہے جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔

كَلَّا بَلْ سکتہ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ (المطففین: 14)

ہرگز نہیں، بلکہ ان کے دلوں پر ان کے برے کاموں نے زنگ چڑھا دیا۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3334)

...ی ضرورت کیوں

علامہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی 538ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے الزمر 53 میں مغفرت کا ذکر فرمایا: وہ تمام گناہوں کو معاف کر دے گا۔ اس کے بعد الزمر 54 میں فرمایا "اور ...پنے رب عزوجل کی طرف رجوع کرو" یعنی توبہ کرو تا کہ کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ بغیر توبہ کے بھی مغفرت ہو جائے گی۔

(الکشاف ج:4، ص:139 دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام فخر الدین رازی متوفی 606 زمخشری کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
میں کہتا ہوں کہ زمخشری کا یہ کلام بہت ضعیف ہے کیونکہ ہمارے نزدیک معصیت پر توبہ کرنا واجب ہے اور توبہ کے حکم یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرمانے کا جو وعدہ فرمایا ہے اس پر طعن کیا جائے۔
اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ
جب اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرمادی تو پھر توبہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ
ہمارا مذہب یہ ہے کہ ہر چند کہ گناہوں کو معاف فرمانا اور مغفرت کرنا قطعی ہے مگر یہ عفو اور مغفرت دو طرح حاصل ہو تا ہے۔
ایک یہ کہ
کچھ عرصہ دوزخ میں رکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر کے دوزخ سے نکال لے۔
دوسرا یہ کہ
اللہ تعالیٰ ابتداء معاف فرمادے اور بالکل سزا نہ دے اور توبہ کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بالکل عذاب نہ دے۔
(تفسیر کبیر: ج:9،ص:465 تا466 دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا بار بار توبہ قبول فرمانا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے۔
ایک بندہ گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے: اے اللہ عزوجل میرے گناہ بخش دے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ
میرے بندہ نے گناہ کیا اور وہ جانتا ہے کہ اس کا رب عزوجل ہے جو گناہ بخشتا ہے اور گناہ پر گرفت فرماتا ہے وہ بندہ دوبارہ گناہ کرتا ہے اور پھر کہتا ہے: اے میرے رب عزوجل میرے گناہ کو بخش دے۔
پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ
میرے بندہ نے گناہ کیا اور وہ جانتا ہے کہ اس کا رب عزوجل ہے جو گناہ بخشتا ہے اور گناہ پر گرفت فرماتا ہے وہ بندہ تیسری بار گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے: اے میرے رب عزوجل! میرے گناہ کو بخش دے۔
پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

میرے بندہ نے گناہ کیا اور اس کو معلوم ہے کہ اس کا رب عزوجل ہے جو گناہ بخشتا ہے اور گناہ پر گرفت فرماتا ہے تو چاہے
ں نے تجھ کو بخش دیا اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب تک بندہ گناہ کر کے توبہ کرتا رہے گا اللہ تعالیٰ اس کو معاف کرتا رہے گا
یہ واضح رہے کہ اس کی توبہ صحیحہ ہو بایں طور کہ وہ اپنے گناہ پر نادم ہو اور دوبارہ گناہ نہ کرنے کا عزم مصمم کرے اور اس گناہ کی
ی اور تدارک بھی کرے اور اگر توبہ کرتے وقت اس کی یہ نیت ہو کہ میں دوبارہ پھر یہ گناہ کروں گا تو یہ ایسی توبہ ہے کہ یہ توبہ بھی
اہ ہے اور اس توبہ سے بھی اس پر توبہ کرنا لازم ہے۔

ناہ پر برقرار رہ کر توبہ کرنے والا اللہ تعالیٰ سے مذاق کرتا ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مثال ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو اور جو شخص گناہ سے استغفار کرے درآنحالیکہ وہ گناہ پر
ار ہو وہ اس شخص کی طرح ہے جو اپنے رب عزوجل سے مذاق کر رہا ہو۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: 7178)

ذوالنون نے کہا:

گناہ کو جڑ سے اکھاڑے بغیر توبہ کرنا کذابین کی توبہ ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: 7177)

رت کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع کی توبہ مقبول

حضرت کعب بن مالک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوہ تبوک میں پیچھے رہ جانے کا واقعہ بیان کیا۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا:

میں غزوہ تبوک کے علاوہ کبھی کسی غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے نہیں رہا البتہ میں غزوہ بدر میں بھی پیچھے رہ
تھا اور غزوہ بدر میں پیچھے رہ جانے والوں میں سے کسی پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب نہیں کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ
وسلم اور مسلمان، قریش کے قافلہ کے ارادے سے روانہ ہوئے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اور ان کے دشمنوں کے
یان اچانک مقابلہ کرا دیا اور جب ہم نے اسلام کا عہد کیا تھا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عقبہ کی شب میں
ظاہر ہوا تھا ہر چند کہ مسلمانوں میں شرکاء بدر کی وقعت بہت زیادہ ہے لیکن شب عقبہ کی حاضری کے بدلہ میں اور کوئی فضیلت
یں کرتا۔ میرا یہ واقعہ ہے کہ جب میں غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گیا تھا۔ اس وقت میں جس
ی اور خوش حال تھا اس سے پہلے کبھی اس قدر قوی اور خوش حال نہیں تھا۔ اس وقت جہاد کے لئے میرے پاس دو اونٹنیاں
جو اس سے پہلے کبھی کسی جہاد کے وقت میرے نہیں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت گرمی میں جہاد کے لئے روانہ

ہوئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دور دراز سفر کے لئے صحرا میں کثیر دشمنوں سے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر پورا معاملہ واضح کر دیا تھا تا کہ وہ دشمنوں سے جہاد کے لئے پوری تیاری کر لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو اپنے ارادہ سے آگاہ کر دیا تھا۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور کسی رجسٹر میں مسلمانوں کی تعداد اندراج نہیں تھا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا:

بہت کم ایسا شخص ہو گا جو اس غزوہ سے غائب ہونے کا ارادہ کرے اور اس کا یہ گمان ہو کہ بغیر اللہ تعالیٰ کی وحی نازل کرنے کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا معاملہ مخفی رہے گا۔ جب درختوں پر پھل آگئے تھے اور ان کے سامنے گھنے ہو گئے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ کا ارادہ کیا۔ میں اس وقت پھلوں اور درختوں میں مشغول تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان جہاد کی تیاری میں تھے۔ میں ہر صبح جہاد کی تیاری کا سوچتا اور واپس آجاتا۔ میں کوئی فیصلہ نہیں کر پاتا اور سوچتا میں جس وقت جانے کا ارادہ کروں گا جا سکوں گا۔ میں یہی سوچتا رہا حتیٰ کہ مسلمانوں نے سامان سفر باندھ لیا اور ایک صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو لے کر روانہ ہو گئے میں نے ابھی تیاری نہیں کی تھی۔ میں صبح کو پھر گیا اور لوٹ آیا اور میں کوئی فیصلہ نہ کر سکا میں یونہی سوچ و بچار میں رہا حتیٰ کہ مجاہدین آگے بڑھ گئے اور میں یہی سوچتا رہا کہ میں روانہ ہو کر ان کے ساتھ ملوں گا۔ کاش میں ایسا کر لیتا لیکن یہ چیز میرے مقدر میں نہیں تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوتا کہ میں جن لوگوں کے درمیان چلتا تھا یہ صرف وہی لوگ تھے جو نفاق سے متہم تھے یا وہ ضعیف لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے جہاد سے معذور کر رکھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک پہنچنے سے پہلے میرا ذکر نہیں کیا جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کعب بن مالک کو کیا ہوا

بنو سلمہ کے ایک شخص نے کہا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دو چادروں اور اپنے پہلوؤں کو دیکھنے نے روک لیا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا:

تم نے بری بات کہی ہے۔ بخدا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اس کے متعلق خیر کے سوا اور کچھ نہیں جانتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ ابھی یہ بات ہو رہی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفید پوش شخص کو ریگستان سے آتے ہوئے دیکھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
''تو ابوخیثمہ ہو جا'' تو وہ ابوخیثمہ انصاری ہو گیا۔ یہ وہی شخص تھے جنہوں نے ایک صاع (چار کلو گرام) چھوارے صدقہ کیے تھے تو منافقین نے انہیں طعنہ دیا تھا۔
حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
جب مجھے یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس آ رہے ہیں تو میری پریشانی پھر تازہ ہو گئی میں جھوٹی باتیں بنانے کے لئے سوچنے لگا
اور یہ سوچنے لگا کہ
میں کل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی سے کیسے بچوں گا اور اپنے گھر کے اصحاب رائے سے اس سلسلہ میں مشورہ کرنے لگا۔
پھر جب مجھے یہ بتایا گیا کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب تشریف لا رہے ہیں تو میرے ذہن سے وہ سب جھوٹے بہانے نکل گئے اور میں نے جان لیا کہ میں کسی (جھوٹی) بات سے کبھی نجات نہیں پا سکوں گا۔ پھر میں نے سچ بولنے کا پختہ ارادہ کر لیا صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے تشریف لے آتے تھے تو پہلے مسجد میں جاتے تھے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھتے تھے پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم معمول کے مطابق فارغ ہوئے تو جو لوگ غزوہ تبوک میں نہیں گئے تھے وہ لوگ آ کر عذر پیش کرنے لگے اور قسمیں کھانے لگے۔ یہ لوگ (80) اسی سے زیادہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہری اعتبار سے ان کے عذر کو قبول کر لیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بیعت لی اور ان کے لئے استغفار کیا اور ان کے باطنی معاملہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا حتیٰ کہ میں آیا جب میں نے سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے جیسے کوئی ناراض شخص مسکراتا ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
آؤ!
میں آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تمہارے نہ آنے کی وجہ کیا ہے۔
کیا تم نے سواری نہیں خریدی تھی؟
میں نے کہا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بخدا! اگر میں آپ صلی اللہ عایہ وسلم کے سامنے کسی دنیادار کے سامنے بیٹھا ہوتا تو مجھے
ہے کہ میں کوئی عذر پیش کر کے اس کی ناراضگی سے بچ جاتا کیونکہ مجھے کلام پر قدرت عطا کی گئی ہے۔ لیکن بخدا مجھے معلوم ہے
اگر میں نے آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی جھوٹی بات کہہ دی حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے راضی بھی ہو گئے
عنقریب اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے ناراض کر دے گا اور اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی بات کہوں تو آپ
صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ناراض ہوں گے اور بے شک مجھے سچ میں اللہ تعالیٰ سے حسن عاقبت کی امید ہے۔ بخدا میرا کوئی
نہیں تھا اور جس وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے رہ گیا تھا تو مجھ سے زیادہ خوش حال کوئی نہیں تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بہر حال اس شخص نے سچ بولا ہے تم یہاں سے اٹھ جاؤ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے متعلق کوئی فیصلہ کر دے۔ میں وہاں سے
اٹھا اور بنوسلمہ کے لوگ بھی اٹھ کر میرے پاس آئے۔

انہوں نے مجھ سے کہا

بخدا ہم کو یہ معلوم نہیں ہے کہ اس سے پہلے تم نے کوئی گناہ کیا ہو کیا تم سے یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے سامنے اس قسم کا عذر پیش کرتے جس طرح دیگر نہ جانے والوں نے عذر پیش کئے تھے۔ تمہارے گناہ کے لئے رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کا تمہارے لئے استغفار کرنا کافی تھا۔ بخدا وہ مجھ کو مسلسل ملامت کرتے رہے حتیٰ کہ میں نے یہ ارادہ کیا کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دوبارہ جاؤں اور اپنے قول کی تکذیب کر دوں۔

پھر میں نے ان سے پوچھا

کیا کسی اور کو بھی میرے جیسا معاملہ پیش آیا ہے۔

انہوں نے کہا:

دو اور شخصوں نے بھی تمہاری مثل کہا ہے۔ ان سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی فرمایا ہے جو تم سے فرمایا تھا۔

میں نے پوچھا:

وہ کون ہیں

انہوں نے کہا:

وہ مرارہ بن ربیع عامری اور ہلال بن امیہ واقفی ہیں۔ انہوں نے مجھ سے ان دو نیک شخصوں کا ذکر کیا جو غزوہ بدر میں شریک
ہوئے تھے۔ وہ میرے لئے نمونہ تھے۔ جب ان لوگوں نے ان دو صاحبوں کا ذکر کیا تو میں اپنے پہلے خیال پر قائم رہا اور رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہم تینوں سے گفتگو کرنے سے منع فرما دیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گئے تھے
مسلمانوں نے ہم سے اجتناب کر لیا اور ہمارے لئے اجنبی ہو گئے حتیٰ کہ زمین بھی میرے لئے اجنبی ہو گئی۔ یہ وہ زمین

اس کو میں پہلے پہچانتا تھا۔ ہم لوگوں کو اسی حال پر پچاس راتیں گزر گئیں۔ میرے دو ساتھی تو خانہ نشین ہو گئے تھے وہ اپنے گھروں میں پڑے روتے رہتے تھے لیکن ان کی بہ نسبت میں جوان اور طاقتور تھا۔ میں باہر نکلتا تھا۔ نمازوں میں حاضر ہوتا تھا اور بازاروں میں گھومتا تھا۔ مجھ سے کوئی شخص بات نہیں کرتا تھا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتا اور نماز کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نشست پر بیٹھتے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کرتا۔ میں اپنے دل میں سوچتا کہ آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دینے کے لئے اپنے ہونٹ ہلائے ہیں یا نہیں پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نماز پڑھتا اور نظریں چرا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا سو جب میں نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف دیکھتے اور جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوتا تو مجھ سے اعراض کرتے حتیٰ کہ جب مسلمانوں کی بے رخی زیادہ بڑھ گئی تو میں ایک روز اپنے عم زاد حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے باغ کی دیوار پر چڑھ گیا وہ مجھ کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب تھے۔ میں نے ان کو سلام کیا بخدا انہوں نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔

میں نے ان سے کہا:

ابو قتادہ! میں تم کو اللہ عزوجل کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ میں اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں وہ خاموش رہے۔ میں نے ان کو قسم دے کر سوال کیا وہ پھر خاموش رہے۔ میں نے پھر ان کو قسم دی۔

تو انہوں نے کہا:

اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ علم ہے۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے میں نے دیوار پھاندی اور واپس آ گیا۔ ایک دن میں مدینے کے بازار میں جا رہا تھا تو اہل شام کا ایک شخص مدینہ میں غلہ بیچنے کے لئے آیا تھا۔

وہ کہہ رہا تھا کہ

کوئی ہے جو مجھے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے ملا دے۔ لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا۔ وہ میرے پاس آیا اور اس نے مجھے غسان کے بادشاہ کا ایک خط دیا میں چونکہ پڑھا لکھا تھا اس لئے میں نے اس کو پڑھا۔

اس میں لکھا تھا

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے صاحب نے تم پر ظلم کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے تم کو ذلت اور رسوائی جگہ میں رہنے کے لئے پیدا نہیں کیا۔ تم ہمارے پاس آ جاؤ ہم تمہاری دلجوئی کریں گے۔ میں نے جب خط پڑھا

تو میں نے کہا:

یہ بھی میرے لئے ایک آزمائش ہے۔ میں نے اس خط کو تنور میں پھینک کر جلا دیا حتیٰ کہ جب پچاس میں سے چالیس دن گزر گئے اور وحی رکی رہی تو ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد میرے پاس آیا۔

اس نے کہا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ تم اپنی بیوی سے علیحدہ ہو جاؤ۔
میں نے پوچھا:
آیا میں اس کو طلاق دیدوں یا کیا کروں۔
اس نے کہا:
نہیں بلکہ تم اس سے علیحدہ ہو جاؤ اور اس کے قریب نہ ہو جائے۔
حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھیوں کو بھی یہی حکم بھیجا۔
میں نے اپنی بیوی سے کہا
تم اپنے میکہ چلی جاؤ اور وہیں رہو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ میرے متعلق کوئی حکم نازل فرمائے۔
حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا:
پھر حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی
اور اس نے عرض کیا
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک حضرت ہلال بن امیہ بہت بوڑھے ہیں اور ان کی خدمت کرنے والا کوئی نہیں ہے کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ناپسند کرتے ہیں کہ میں ان کی خدمت کروں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
نہیں! لیکن وہ تم سے مقاربت نہ کرنے
ان کی بیوی نے کہا:
بخدا وہ تو کسی چیز کی طرف حرکت بھی نہیں کر سکتے اور جب سے یہ معاملہ ہوا ہے بخدا وہ اس دن سے مسلسل روتے رہتے ہیں۔
مجھ سے میرے بعض گھر والوں نے کہا:
تم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح اجازت لے لو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کو ان کی خدمت کرنے کی اجازت دے دی ہے۔
میں نے کہا:
اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت نہیں لوں گا۔ مجھے پتا نہیں کہ اگر میں نے اجازت لے لی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملہ میں کیا فرمائیں گے اور میں ایک جوان شخص ہوں پھر میں اسی حال پر دس راتیں ٹھہرا رہا پھر جب

سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے گفتگو کی ممانعت کی تھی۔ اس کو پچاس دن گزر گئے تھے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

پچاس روز کے بعد ایک صبح کو ایک صبح کو میں اپنے گھر کی چھت پر چڑھ صبح کی نماز پڑھ رہا تھا پھر جس وقت میں اسی حال میں بیٹھا ہوا تھا جس کا اللہ عزوجل نے ہمارے متعلق ذکر کیا ہے کہ مجھ پر میرا نفس تنگ ہو گیا اور زمین اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی۔ اچانک میں نے سلع پہاڑ کی چوٹی سے ایک چلانے والے کی آواز سنی جو بلند آواز سے کہہ رہا تھا۔

اے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ! بشارت ہو (مبارک ہو)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا:

میں اسی وقت سجدہ میں گر پڑا اور میں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ قبول کر لی ہے پھر لوگ آ کر ہم کو مبارکباد دیتے تھے پھر میرے ان دو ساتھیوں کی طرف لوگ مبارکباد دینے کے لئے گئے اور ایک شخص گھوڑا دوڑاتا ہوا میری طرف روانہ ہوا اور قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے پہاڑ پر چڑھ کر بلند آواز سے مجھے ندا کی اور اس کی آواز گھوڑے سوار کے پہنچنے سے پہلے مجھ تک پہنچی۔ جب میرے پاس وہ شخص آیا جس کی بشارت کی آواز میں نے سنی تھی۔ میں نے کپڑے اتار کر اس شخص کو بشارت کی خوشی میں پہنا دیئے۔ بخدا اس وقت میرے پاس ان کپڑوں کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں تھی اور میں نے کسی سے عاریتاً کپڑے لے کر پہنے۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے قصد سے روانہ ہوا۔ ادھر میری توبہ قبول ہونے پر فوج در فوج لوگ مجھ کو مبارکباد دینے کے لئے آ رہے تھے۔

اور کہہ رہے تھے کہ

تم کو اللہ تعالیٰ کا توبہ قبول کرنا مبارک ہو جب میں مسجد میں داخل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد صحابہ کرام علیہم الرضوان بیٹھے تھے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ جلدی سے اٹھے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارکباد دی۔ بخدا مہاجرین میں سے ان کے علاوہ اور کوئی نہیں اٹھا تھا۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو نہیں بھولتے تھے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا:

جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو خوشی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چمک رہا تھا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔

مبارک ہو جب سے تم کو تمہاری ماں نے جنا ہے۔ اس سے زیادہ اچھا دن تمہارے لئے نہیں آیا۔

میں نے عرض کیا

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نہیں بلکہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اس طرح منور ہو جاتا تھا جیسے چاند کا ٹکڑا ہو۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا:

ہم اس علامت کو پہچانتے تھے

انہوں نے کہا:

جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھا تو میں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی توبہ کی خوشی میں اپنے مال کو اللہ عزوجل اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اپنے لئے کچھ مال کو رکھ لو وہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

میں نے کہا:

میں اپنے اس مال کو رکھ لیتا ہوں جو خیبر میں ہے۔

اور میں نے کہا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے مجھے صدق کی وجہ سے نجات دی ہے اور اب میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنی باقی زندگی میں ہمیشہ سچ بولوں گا۔

انہوں نے کہا:

بخدا! مجھے یہ معلوم نہیں کہ مسلمانوں میں سے کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کی وجہ سے اس طرح سزا میں مبتلا کیا ہو اور جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا تھا۔ اس وقت سے لے کر آج تک میں نے جھوٹ نہیں بولا اور آئندہ کے لئے بھی مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جھوٹ سے محفوظ رکھے گا......الخ

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2757)

حضرت ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ کی توبہ

امام عبدالملک بن ہشام متوفی 218ھ روایت کرتے ہیں۔

بنو قریظہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو بھیجیں۔ ان کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے تھا اور یہ اوس کے حلیف تھے تاکہ ہم اپنے معاملہ میں ان سے مشورہ کریں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو بنو قریظہ کی طرف بھیجا۔ جب بنو قریظہ نے ان کو دیکھا تو ان کے پاس

رے ہوگئے اور ان کی عورتیں فریاد کرنے لگیں اور بچے ان کے سامنے رونے لگے۔ یہ دیکھ کر ان کے لئے حضرت ابولبابہ رضی عنہ کا دل نرم ہوگیا۔

بنوقریظہ نے ان سے کہا:

اے ابولبابہ رضی اللہ عنہ! آپ رضی اللہ عنہ کا کیا مشورہ ہے کیا ہم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم پر قلعہ سے نکل یں۔

انہوں نے کہا:

ہاں! اور ہاتھ سے اپنے گلے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: وہ تم کو ذبح کر دیں گے۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

اللہ عزوجل کی قسم! ابھی میں نے وہاں سے قدم نہیں اٹھائے تھے کہ میں نے جان لیا کہ میں نے اللہ عزوجل اور اس کے سول صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت کی۔ پھر حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سیدھے۔ واپس گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دمت میں حاضر نہیں ہوئے حتیٰ کہ انہوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ لیا۔

اور کہا

میں اس وقت تک بندھا رہوں گا جب تک کہ میری اس خیانت پر اللہ تعالیٰ توبہ قبول نہیں فرمالیتا اور اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا کہ میں آئندہ کبھی بنوقریظہ کے پاس نہیں جاؤں گا اور نہ کبھی اس شہر میں جاؤں گا جس میں میں نے اللہ عزوجل اور اس کے رسول لی اللہ علیہ وسلم کی خیانت کی تھی۔

عبداللہ بن ابی قتادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

اے ایمان والو! اللہ عزوجل اور رسول سے خیانت نہ کرو۔ (الانفال:27)

امام ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر وہ میرے پاس آجاتے تو میں ان کے لئے استغفار کرتا اور جب انہوں نے اپنے آپ کو باندھ لیا ہے تو میں ان کو اس قت تک نہیں کھولوں گا جب تک کہ اللہ عزوجل ان کی توبہ قبول نہیں فرمالیتا۔

امام ابن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ

جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تھے۔ اس دن سحری کے وقت رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم پر حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ کی قبولیت نازل ہوئی۔
حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔
میں نے سحری کے وقت دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے تھے۔
میں نے کہا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ عزوجل آپ کو ہمیشہ ہنستا ہوا رکھے آپ کس وجہ سے ہنس رہے تھے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول کر لی گئی۔
میں نے کہا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں ان کو یہ خوشخبری نہ دوں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
کیوں نہیں اگر تم چاہو تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حجرہ کے دروازے پر کھڑی ہو گئیں۔ یہ پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔
حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا
اے ابولبابہ (رضی اللہ عنہ) تمہیں مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی۔
حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا
مسلمان انہیں کھولنے کے لئے جھپٹے۔
حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہا نے کہا:
اللہ عزوجل کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی آکر اپنے ہاتھوں سے مجھے کھولیں گے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھول دیا۔
امام ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ
حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ ستون کے ساتھ چھ راتیں بندھے رہے۔ ان کی بیوی ہر نماز کے وقت آکر انہیں کھول دیتی تھیں۔ وہ نماز پڑھتے اور پھر ستون کے ساتھ بندھ جاتے۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ کے متعلق جو آیت نازل ہوئی۔
وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○ (التوبة: 102)
اور دوسرے مسلمان جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا۔ انہوں نے کچھ برے کاموں کے ساتھ ملالیا۔

عنقریب اللہ عزوجل ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔
(السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج:3،ص:260 تا262 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)
امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ زہری سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول فرمائی۔
تو انہوں نے کہا:
یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری توبہ یہ ہے کہ میں اس قوم کے اس علاقہ کو چھوڑ دوں جس میں، میں نے گناہ کیا تھا اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہوں اور اپنا تمام مال اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صدقہ کردوں۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تمہارے لئے صرف تہائی مال کا صدقہ کرنا کافی ہے۔
(مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث:16397)
حافظ ابوعمر یوسف بن محمد بن عبدالبر القرطبی المتوفی 463ھ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ کا ایک اور سبب بیان کیا وہ لکھتے ہیں: حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے لوہے کی وزنی زنجیروں سے اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ کئی دن باندھے رکھا حتیٰ کہ ان کی سماعت بہت کم ہوگئی اور بینائی بھی بہت کم ہوگئی۔ جب نماز کا وقت آتا یا انہوں نے قضاء حاجت کے لئے جانا ہوتا تو ان کی بیٹی ان کو کھول دیتی اور فارغ ہونے کے بعد پھر ان کو باندھ دیتیں۔
حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے جو اپنے آپ کو باندھا تھا۔
حافظ ابن عبدالبر نے اس کی کئی وجوہات بیان کی ہیں اور سب سے عمدہ وجہ وہ ہے جو زہری سے مروی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ بھی غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ لیا
اور کہا
اللہ عزوجل کی قسم! میں اپنے آپ کو نہیں کھولوں گا اور نہ کوئی چیز کھاؤں گا اور نہ کوئی چیز پیوں گا حتیٰ کہ اللہ عزوجل میری توبہ قبول فرمالے یا میں مر جاؤں۔ وہ سات دن بندھے رہے نہ کچھ کھایا اور نہ پیا حتیٰ کہ بے ہوش ہوگئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔
ان سے کہا گیا:
اے ابولبابہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی ہے۔

انہوں نے کہا:

بخدا میں اپنے آپ کو نہیں کھولوں گا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ کر مجھے کھولیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے ان کو کھولا۔

التوبہ 103 کی تشریح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ

یہ آیت حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ سات، آٹھ یا نو افراد کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ غزوہ تبوک میں نہیں گئے تھے پھر وہ نادم ہوئے اور انہوں نے توبہ کی اور انہوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ لیا تھا ان کا نیک عمل توبہ اور ان کا برا عمل غزوہ تبوک میں رہ جانا تھا۔

حافظ ابو عمر فرماتے ہیں کہ

یہ بھی کہا گیا ہے کہ

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا گناہ یہ تھا کہ وہ بنوقریظہ کے حلیفوں میں سے تھے اور انہوں نے بنوقریظہ کو یہ اشارہ کیا تھا کہ اگر تم سعد بن معاذ کے حکم پر قلعہ سے نکل آئے تو تم کو ذبح کر دیا جائے گا اور انہوں نے اپنے حلقوم کی طرف اشارہ کیا تب یہ آیت نازل ہوئی۔

اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو۔ (الانفال:27)

(الاستیعاب ج:4،ص:304 تا 305 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

گناہ کو یاد کر کے غمگین ہونا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک بندہ گناہ کرتا ہے پھر جب وہ اپنے گناہ کو یاد کرتا ہے تو اپنے کئے ہوئے پر غمگین ہوتا ہے پھر جب اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ وہ اپنے کئے ہوئے پر غمگین ہے تو اس کو معاف فرما دیتا ہے۔

(مجمع الزوائد: رقم الحدیث:17521)

اللہ تعالیٰ کی خوشی بندہ کے توبہ کرنے سے ہے

ابی الجون رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کو توبہ کرنے والے کی توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ جتنی پیاسے کو پانی پر جانے سے خوشی ہوتی ہے اور جتنی بانجھ عورت کو بچہ کی پیدائش سے خوشی ہوتی ہے اور جتنی کسی شخص کو گم شدہ چیز کے ملنے سے خوشی ہوتی ہے پس جو شخص اللہ

سے خالص توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ کراماً کاتبین سے اور اس کے اپنے اعضاء سے وہ گناہ بھلا دیتا ہے اور تمام روئے زمین
ں کے گناہوں کے آثار مٹا دیتا ہے۔
(الجامع الصغیر: رقم الحدیث: 7194)
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
مومن اپنے گناہوں کو اس طرح سمجھتا ہے گویا کہ وہ ایک پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہوا ہے اور اس کو یہ خطرہ ہے کہ وہ پہاڑ اس کے
ر پڑے گا اور فاجر اپنے گناہوں کو اس طرح دیکھتا ہے جیسے اس کی ناک پر مکھی بیٹھی ہوئی ہے اور وہ ہاتھ جھٹک کر اس مکھی کو
ے گا۔
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی توبہ پر اس شخص سے زیادہ خوشی ہوتی ہے جو اپنی سواری سے کسی مقام پر پہنچا اور اس سواری پر اس
ھانے پینے کی چیزیں تھیں۔ اس نے سواری سے اتر کر اپنا سر رکھا اور سو گیا اور جب وہ بیدار ہوا تو اس کی سواری وہاں سے جا
ی۔ گرمی بہت شدید تھی اور اس کو سخت پیاس لگی ہوئی تھی۔ وہ پھر اپنی جگہ لوٹ آیا اور پھر سو گیا پھر سر اٹھا کر دیکھا تو اس کی
ی وہاں موجود تھی۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6339)
مغفرت فرمانے کے متعلق یوں حدیث مبارکہ ہیں۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تم میں سے کوئی شخص یہ ہرگز نہ کہے: اے اللہ عزوجل! اگر تو چاہے تو میری مغفرت فرما اور اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما اس کو
ئے کہ پورے عزم اور اصرار سے سوال کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی مجبور کرنے والا نہیں ہے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6339)
اور جب بندہ اللہ تعالیٰ سے اپنی مغفرت یا کوئی حاجت مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور قبول فرماتا ہے اور اپنے بندے کے
ہاتھ کو لوٹانے پر حیا فرماتا ہے۔
حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
بے شک تمہارا رب تبارک وتعالیٰ حیاء دار کریم ہے۔ جب اس کا بندہ اس کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ اس کے ہاتھوں کو

خالی لوٹانے سے حیاء فرماتا ہے۔

(سنن ابی داؤد: رقم الحدیث: 1488)

میں نے یہاں توبہ کے فضائل اور واقعات کو اس لئے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ کو بندے کی توبہ بہت زیادہ مقبول ہے اور بندہ کو بھی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہر وقت توبہ کرنا چاہئے اور نیک اعمال کرنے چاہئیں کیونکہ موت کا کوئی پتہ نہیں کہ کبھی آسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھ بدکار کو معاف فرمائے اور تمام امت مسلمہ کی مغفرت فرمائے۔ آمین

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کے الفاظ

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا

اے میرے رب عزوجل! اگر میں تجھ سے توبہ اور استغفار کروں؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

پھر میں تمہیں جنت میں داخل کردوں گا اور رہا ابلیس تو اس نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کا سوال نہیں کیا بلکہ مہلت کا سوال کیا اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو وہ چیز عطا فرمادی جس کا اس نے سوال کیا تھا۔

حضرت ضحاک نے بیان کیا کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جن کلمات کی تلقین کی تھی وہ یہی تھے۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

(جامع البیان جز:8، ص:190 دارالفکر بیروت)

مگر تفسیر عزیزی اور تفسیر خزائن العرفان اور تفسیر روح البیان نے طبرانی حاکم ابونعیم اور بیہقی کی روایت نقل کی۔

سیدنا عمر و علی رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا:

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

جب حضرت آدم علیہ السلام کی پریشانی انتہا کو پہنچ چکی تو ان کو ایک دن یاد آیا کہ میں نے اپنی پیدائش کے وقت عرش اعظم پر لکھا دیکھا کہ

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

جس سے معلوم ہوا کہ محمد رسول اللہ کا درجہ ہے کہ ان کا نام عرش اعظم پر رب کریم عزوجل پر رب عزوجل کے نام ساتھ لکھا ہوا ہے۔

تدبیر یہی ہے کہ

انہی کے وسیلہ سے دعائے مغفرت کروں چنانچہ اس دعا کے ساتھ یہ بھی عرض کیا۔

اسئلك بحق محمد ان تغفرلی

ابن منذر کی روایت میں یہ کلمات ہیں۔

اللّٰھم انی استلك بجاہ محمد عبدك و کرامته علیك ان تغفرلی خلیئتی

یعنی یارب عزوجل میں تجھ سے تیرے بندۂ خاص محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور مرتبے کے طفیل اور اس بزرگی کے صدقے میں جو انہیں تیرے دربار میں حاصل ہے۔ مغفرت چاہتا ہوں تب فوراً جواب الٰہی عزوجل آیا: اے آدم علیہ السلام تم اس شہنشاہ کو کہاں سے جانا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے سارا ماجرا عرض کیا۔

حکم الٰہی عزوجل آیا کہ

اے آدم علیہ السلام وہ محبوب سب پیغمبروں سے پچھلے پیغمبر ہیں تمہاری اولاد سے ہیں اگر وہ نہ ہوتے تو تم کو بھی پیدا نہ کیا

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل: ص: 311 نعیمی کتب خانہ لاہور)

دوبارہ جنت سے اتر جانے کا حکم

سورہ بقرہ کی آیت نمبر 36 میں جنت سے اتر جانے کا حکم فرمایا گیا تھا اب پھر اسی سورت کی آیت نمبر 38 میں پھر جنت سے اتر جانے کا حکم فرمایا جارہا ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا گیا

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (بقرہ: 38)

ہم نے فرمایا تم سب جنت سے اتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئی تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو انہیں کوئی نہ ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اس آیت پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اس سے پہلی آیت میں بھی فرمایا تھا کہ تم (سب) نیچے اتر جاؤ اور دوبارہ پھر وہی حکم دیا ہے تکرار لازم آرہا ہے جو بلاغت کے منافی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

کہ یہ تکرار نہیں ہے بلکہ تاکید ہے اور دونوں آیتوں سے مقصود مختلف ہے۔

پہلی آیت سے مقصود یہ تھا کہ تم دارالبقاء سے دارالبلاء کی طرف منتقل ہو جاؤ جہاں تم ایک دوسرے سے عداوت رکھو گے اور دوام نہیں ہوگا۔

اور دوسری آیت سے مقصود یہ ہے کہ

تم دار الجزاء سے دار التکلیف کی طرف منتقل ہو جاؤ جہاں تمہیں احکام شرعیہ مکلف کیا جائے گا جو ان پر عمل کرے نجات پائے گا اور جو مخالفت کرے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

ایک قول یہ ہے:

پہلی آیت سے مقصود ہے جنت سے آسمان دنیا کی طرف آنا اور دوسری آیت سے مقصود ہے آسمان دنیا سے زمین کی اترنا لیکن اس توجیہ پر یہ اعتراض ہے کہ دوسری آیت میں ''منہا'' کی ضمیر جنت کی طرف راجع ہے لہٰذا اس آیت میں بھی جنت سے زمین کی طرف اترنا مراد ہے۔

علامہ ابو اللیث سمرقندی نے لکھا ہے کہ

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ معصیت نعمت کو زائل کر دیتی ہے کیونکہ حضرتِ آدم علیہ السلام کو ان کی (ظاہری) معصیت کی وجہ سے جنت سے زمین پر بھیج دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ

اللہ تعالیٰ کسی قوم میں اس وقت تغیر نہیں کرتا یعنی ان کو نعمت دے کر واپس نہیں لیتا جب تک کہ وہ خود اپنے اندر تغیر نہ کریں یعنی اطاعت اور شکر کے بجائے معصیت اور کفرانِ نعمت کو اختیار نہ کر لیں۔

(تفسیر سمرقندی: ج:1، ص:113 مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ)

تفسیر نعیمی میں ان دو آیتوں کا فرق یوں بیان فرمایا گیا ہے۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا

یہ جملہ اس سے پہلے بھی آچکا ہے لیکن اس میں چند فرق ہیں۔

پہلا فرق

ایک یہ کہ وہ قول توبہ سے پہلے فرمایا گیا تھا اور یہ اس کے بعد اگر جنت ہی میں توبہ ہوئی تھی جیسا کہ بعض علماء فرماتے ہیں جنت ہی میں دوبارہ اتر جانے کا حکم دیا گیا بعد میں توبہ قبول ہوئی۔

پھر فرمایا گیا کہ

اگرچہ توبہ تو قبول ہوئی مگر اتنا ضرور پڑے گا لہٰذا پہلا اهبطوا حضرت آدم علیہ السلام کے علم کے لئے تھا اور دوسرا ... لئے اور اگر زمین پر توبہ قبول ہوئی جیسا کہ روایت سے ثابت ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم زمین میں ہی رہو جہاں تم ... کیونکہ اب تمہاری بعض اولاد جنت میں آئے اور بعض نہ آئے گی کیونکہ اگر بغیر عمل ہی جنتیوں کو جنت میں بلایا جائے ... کو اعتراض کرنے کا موقع ملے گا لہٰذا عمل کر کے آئے۔

ا فرق

دوسرا فرق یہ ہے کہ پہلے اہبطوا میں سارے اترنے والوں کو خطاب تھا لیکن یہاں صرف اولاد آدم علیہ السلام کو کیونکہ کے احکام کا ذکر ہے جس سے سانپ اور مور وغیرہ علیحدہ ہیں۔

را فرق

تیسرا فرق یہ ہے کہ اہبطوا کے ساتھ عداوت کی تکلیف وغیرہ کا ذکر تھا جس سے معلوم ہوا تھا کہ زمین تکلیف کی جگہ ہے ں اہبطوا کے ساتھ رب عزوجل کے احکام کا ذکر ہے اور یہ بتایا جارہا ہے کہ جو کوئی دنیا میں رہ کر ہماری فرمانبرداری کرے گا وہ ہاں کے خوف وغم سے محفوظ رہے گا۔

تھا فرق

چوتھا فرق یہ ہے کہ اس اہبطوا میں اللہ تعالیٰ سے دور ہونے کا ذکر تھا اور یہاں اس سے قریب کا یعنی دنیا میں رہو لیکن اگر اری اطاعت کرو گے تو وہاں یعنی ہم سے قریب ہی رہو گے بہر حال دوبارہ اس کا ذکر بیکار نہیں ہے۔ جمیعا اس سے معلوم ہوتا ہے حضرت آدم و حوا علیہما السلام و سانپ مور وغیرہ سب ہی کو جنت سے نکلنے کا حکم ہوا۔ کوئی وہاں باقی نہ رکھا گیا لیکن اس سے یہ زم نہیں کہ سب ایک دم ہی نکلے ہوں ممکن ہے کہ ساتھ ہی نکلے ہوں یا آگے پیچھے، نیز اگر یہ خطاب صرف اولاد آدم و آدم علیہ سلام کو ہوا اور مطلب یہ ہو کہ تم سب نیچے رہو تو لازم یہ نہیں کہ سب کا نیچے رہنا یکساں اور ایک ہی مدت تک ہوگا بلکہ بعض اللہ زوجل کے بندے قیامت سے پہلے جنت میں جائیں گے جیسے شہداء کی روحیں، حضرت ادریس علیہ السلام بعض قیامت کے عد جیسے تمام مسلمان۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص: 316 نعیمی کتب خانہ لاہور)

ضرت آدم علیہ السلام کے لئے ہدایت کا لفظ کیوں استعمال کیا

حضرت آدم و حوا علیہما السلام جب جنت سے چلے تو اب انہیں یہ خبر نہ تھی کہ آیا ہم ہمیشہ کے لئے جارہے ہیں یا پھر کبھی بھی ہاں آنا میسر ہوگا اور اس جگہ رہ کر بھی تعلق رب عزوجل سے رہے گا یا نہیں۔ ان کے اطمینان کے لئے فرمایا اب تو تم سب جنت ے اتر کر زمین پر جاؤ لیکن وہاں تم پر ہماری نظر عنایت رہے گی۔ اور ہم تمہارے پاس اپنی ہدایت یعنی عقل سلیم عجائبات، قدرت نبیاء کرام علیہم السلام، کتابیں اور پھر انبیاء کرام علیہم السلام کے نائب علماء و مشائخ بھیجیں گے۔ دیکھو اس بار تم چوک گئے۔ ندہ ایسا نہ کرنا اسی غلطی سے سبق حاصل کرنا جو ہماری ہدایت کے موافق عمل کرے گا تو اس کو نہ آئندہ کا خوف ہوگا اور نہ کبھی زری عمر سے غم بلکہ دونوں عالم میں شاد، خرم رہے گا۔

اس لئے روایت میں آتا ہے کہ

قیامت کا دن بے دینوں کو پہاڑ سا معلوم ہوگا یعنی بہت سخت اور دراز لیکن نیک کاروں کو ایسا محسوس ہوگا جیسے چار رکعت

پڑھنے کے بقدر وقت کیونکہ یہ راحت میں ہوں گے اور وہ تکلیف میں اگر چہ روایات میں آتا ہے کہ قیامت میں ہر شخص کو غم ہوگا، بدکاروں کو نیکی نہ کرنے کا اور نیکو کاروں کی زیادہ نیکی نہ کرنے کا مگر بدکاروں کا غم تکلیف دہ ہوگا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص: 317 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت آدم وحضرت حوا علیہا السلام کو کہاں پر اتارا گیا

علامہ ابو جعفر طبری لکھتے ہیں

حضرت آدم علیہ السلام کے آسمانوں اور جنت میں ٹھہرنے کی مدت دنیاوی سالوں کے اعتبار سے تینتالیس سال ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

یہ مدت پانچ سال ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں،

حضرت آدم علیہ السلام کو ہند میں اور حضرت حوا علیہا السلام کو جدہ میں اتارا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام ان کی طلب میں گئے اور میدان عرفات میں دونوں کی ملاقات ہوئی۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام جنت کی نعمتوں کے چلے جانے پر دو سال روتے رہے چالیس دن تک کھانا کھایا نہ پانی پیا اور حضرت آدم علیہ السلام ایک سو سال تک حضرت حوا علیہا السلام سے مقارب نہیں ہوئے۔ زمین پر آنے کے بعد اولاد آدم اور ابلیس اور اولاد آدم اور سانپ میں اس وقت سے دشمنی چلی آرہی ہے۔

(جامع البیان: ج:1، ص:89، 80، 81 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

مگر تفسیر نعیمی میں یوں ذکر ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے تشریف لانے کا واقعہ جو قرآن کریم اور احادیث مبارکہ اور محدثین اور مورخین سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام نے پہلے خود دانہ کھایا پھر حضرت آدم علیہ السلام کو کھلا دیا۔ اس کھانے کا اثر یہ ہوا کہ ان کے جسموں سے جنتی لباس جاتا رہا اور وہ حضرات برہنہ رہ گئے۔ مارے شرم کے انجیر کے درخت کے پتوں سے اپنے جسموں کو چھپانے لگے اسی حالت میں رب عزوجل کی طرف سے ندا آئی کہ آدم وحوا علیہا السلام کیا ہم نے تم کو اس درخت سے منع کیا تھا اور کیا تم سے نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اس کے فریب میں نہ آنا یہ حضرات عذر کے سوا اور کیا عرض کر سکتے تھے۔ پھر فرشتوں کو حکم ہوا کہ ان سب کو زمین پر اتار دو چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو ہندوستان میں شہر سراندیپ کے اس پہاڑ پر اتارا گیا جس کو خود کہتے ہیں اور حضرت حوا علیہا السلام کو ساحل عرب پر جدے میں اور مور مرج الہند میں اور شیطان کو جنگل میسان میں جو کہ ٹھہرے سے کچھ فاصلے پر ہے یا جہاں آج یاجوج ماجوج کی دیوار قائم ہے۔ سانپ کو بجستان یا اصفہان میں اسی لئے

بھی سانپ زیادہ ہوتے ہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص: 304 نعیمی کتب خانہ لاہور)

زمین پر سب سے پہلے اذان سنائی گئی

حضرت جبرائیل علیہ السلام بحکم الٰہی عزوجل زمین پر آئے اور بلند آواز سے اذان کہی۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے اذان میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنا تب ان کی وہ وحشت دور ہوئی۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص: 305 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت آدم علیہ السلام کا ذریعہ معاش

تفسیر عزیزی میں ہے کہ

سب سے پہلے کپڑا بننے کا کام حضرت آدم علیہ السلام نے کیا اور بعد میں کھیتی باڑی کے کام میں مشغول رہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا ذریعہ معاش لکڑی کا تھا۔ (بڑھئی پیشہ)

حضرت ادریس علیہ السلام درزی گری،

حضرت ہود و صالح علیہما السلام تجارت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کچھ مدت بکریاں چرائیں

حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اتنے بڑے بادشاہ ہو کر درختوں کے پتوں سے پنکھے اور زنبیلیں وغیرہ بنا کر گزر کرتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کوئی پیشہ اختیار نہ فرمایا بلکہ ہمیشہ سیر فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس نے مجھے ناشتہ دیا ہے وہی شام کا کھانا بھی دے گا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل: ص: 305 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت آدم علیہ السلام نے ہمیشہ بارش کا پانی پیا

تفسیر عزیزی میں ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام نے ہمیشہ بارش کا پانی پیا کنویں کا پانی کبھی نہ پیا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص: 305 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے چاندی سے روپیہ اور سونے سے اشرفیاں بنائیں

تفسیر عزیزی میں ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے چاندی سے روپیہ اور سونے سے اشرفیاں بنائیں۔
(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل، ص:305 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت آدم علیہ السلام کو جنت کے پھل عطا فرمائے گئے

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ
وہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالا تو انہیں جنت کے پھل عطا فرمائے اور ہر چیز کی کاریگری سکھائی۔
(اور فرمایا)
تمہارے یہ (دنیاوی) پھل جنت کے پھلوں میں سے ہیں سوائے یہ کہ یہ پھل (ذائقہ میں) بدلتے رہتے ہیں لیکن جنت کے پھل (ذائقہ میں) تبدیل نہیں ہوتے۔
(مستدرک: ص:592، ج:2، رقم الحدیث:3996)

حضرت آدم علیہ السلام کا وصال مبارکہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوا جمعہ کا دن ہے اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن آپ علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا اور اسی دن آپ علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی اور اسی دن آپ علیہ السلام کی روح قبض کی گئی اور اسی دن قیامت ہوگی۔
(سنن نسائی: کتاب الجمعۃ باب ذکر الساعۃ التی یستجاب فیہا الدعاء یوم الجمعۃ، ج:3، ص:114 رقم الحدیث:1430)

حضرت آدم علیہ السلام کا وصال مبارکہ جمعہ کے دن ہوا

حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
بے شک جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار ہے اور باقی دنوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں عظمت والا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی عظمت عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر سے بھی بڑھ کر ہے۔
اسی دن پانچ خصلتیں پائی جاتی ہیں۔
اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا گیا
اور اسی دن انہیں وفات دی گئی۔

اور اسی دن میں ایک ساعت ایسی ہوتی ہے جس میں بندہ اللہ تعالیٰ سے جو بھی سوال کرے وہ اسے عطا فرماتا ہے جب تک کہ وہ کسی حرام چیز کا سوال نہ کرے۔ اور اس دن قیامت بپا ہوگی کوئی مقرب فرشتہ، آسمان، زمین، ہوا، پہاڑ اور سمندر ایسا نہیں جو جمعہ کے دن سے نہ ڈرتا ہو۔

(ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیہا، باب فی فضل الجمعۃ: ج:1،ص:344،رقم الحدیث:1084)

حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے غسل دیا

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ غسل دیا اور انہیں کفن پہنایا اور ان کے لئے لحد تیار کی اور انہیں سپرد خاک کیا گیا۔

اور فرشتوں نے یہ کہا

اے اولاد آدم علیہ السلام! یہ تمہارے مردوں (کی تدفین میں) میں تمہاری سنت ہوگی۔

(طبرانی فی معجم الاوسط: ج:9،ص:105،رقم الحدیث:9259)

فرشتوں نے طاق بار غسل دیا

اور ایک روایت میں آپ (حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ) ہی سے مروی ہے کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب حضرت آدم علیہ السلام وصال فرما گئے تو فرشتوں نے انہیں طاق بار غسل دیا اور ان کے لئے لحد تیار کی۔

اور کہا کہ

یہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی سنت ہے۔

(طبرانی فی معجم الاوسط: ج:9،ص:105 رقم الحدیث:9259)

حضرت آدم علیہ السلام کا مزار انور منیٰ میں ہے

تفسیر نعیمی میں ہے۔

جب حضرت آدم علیہ السلام کا وقت آخر آیا۔ آپ علیہ السلام کو جنتی میوے کھانے کی خواہش ہوئی۔

اپنے فرزندوں سے کہا

کعبہ معظمہ میں جاؤ اور وہاں دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ میری یہ تمنا پوری کرے۔ فرزندان ارجمندان حضرت آدم علیہ السلام کا حکم پا کر وہاں پہنچے انہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام و دیگر فرشتے ملے جن سے انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی فرمائش کا حال

بیان کیا۔

فرشتوں نے کہا:

ہمارے ساتھ آؤ ہم جنت کے میوے اپنے ساتھ لائے ہیں۔ چنانچہ یہ سب حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچے حضرت حوا علیہا السلام ان فرشتوں کو دیکھ کر ڈرنے لگیں اور چاہا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دامن میں چھپ جائیں۔

انہوں نے فرمایا:

حوا (علیہا السلام) اب تم مجھ سے الگ رہو۔ میرے اور رب عزوجل کے قاصدوں کے درمیان آڑ نہ بنو۔ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی روح قبض کر لی۔

اور ان کے بیٹوں سے کہا کہ

جس طرح ہم آپ کے والد (محترم) کا کفن دفن کریں ویسے ہی تم بھی کیا کرنا حضرت جبرائیل علیہ السلام جنت کی مرکب خوشبو اور جنتی حلے کا کفن اور بہشتی بیری کے کچھ پتے اپنے ساتھ لائے تھے ان کو خود غسل دیا اور کفن پہنایا اور خوشبو ملی اور ملائکہ ان کا لاشہ مبارکہ کعبہ معظمہ میں لائے اور ان پر سارے فرشتوں نے نماز جنازہ ادا کی جس میں حضرت جبرائیل علیہ السلام امام تھے اور سارے فرشتے مقتدی اور اس نماز میں چار تکبیریں کہیں جیسے کہ آج ہوتی ہیں۔ پھر کعبہ معظمہ میں تین میل کے فاصلہ پر مقام منیٰ میں لے گئے جہاں کہ حاجی قربانی کرتے ہیں اور اسی جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کی وہاں مسجد خیف کے قریب بغلی قبر کھودی گئی اور ان کو دفن کر کے ان کی قبر کو اونٹ کی بیٹھ کی طرح ڈھلوان بنایا۔

بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ

ان کے لاشہ مبارک کو ان کی اولاد میں سے ڈیڑھ سو آدمی خانہ کعبہ میں لائے لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام کی قبر منیٰ میں مسجد خیف کے پاس ہے اور حضرت حوا علیہا السلام کی قبر جدے شریف میں اسی طرح تفسیر عزیزی میں حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص: 305 تا 306 نعیمی کتب خانہ لاہور)

زمانہ آدم علیہ السلام سے بیری کے پتوں سے غسل دینے کا ثبوت

حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے بیری کے پتوں سے غسل دیا اور بیری کے پتوں سے غسل دینا زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے ہے۔

زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے کفن دینے کا ثبوت

جب حضرت آدم علیہ السلام اس دنیا فانی سے اپنے خالق حقیقی کو جا ملے تو فرشتوں نے غسل دینے کے بعد آپ علیہ السلام کو کفن بھی دیا تو معلوم ہوا کہ کفن دینے کا رواج حضرت آدم علیہ السلام سے ہی پایا جاتا ہے۔

زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے لحد تیار کرنے کا ثبوت

جب حضرت آدم علیہ السلام کی روح مبارکہ فرشتوں نے قبض کی تو آپ علیہ السلام کے دفن کے لئے لحد بھی تیار کی۔اس سے معلوم ہوا کہ لحد کا تیار کرنا زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے پایا جاتا ہے۔

زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے دفن کا ثبوت

جب فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کا جنازہ ادا فرمالیا تو آپ علیہ السلام کو مٹی میں لحد بنا کر دفن (سپرد خاک) کر دیا گیا۔اس سے معلوم ہوا کہ دفن کرنے کا ثبوت حضرت آدم علیہ السلام سے ہی ثابت ہے۔

زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے نماز جنازہ ادا کرنے کا ثبوت

جب فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو غسل دے دیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نمازِ جنازہ ادا فرمانے کے لئے امام بنے اور باقی تمام فرشتے مقتدی بنے اور یوں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا فرمائی گئی جس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ ادا کرنے کا ثبوت حضرت آدم علیہ السلام سے ہے۔

زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے قبر کو اونٹ کی پیٹھ کی طرح ڈھلوان بنانے کا ثبوت

جب حضرت آدم علیہ السلام کی روح مقدسہ قبض کی گئی تو فرشتوں نے آپ علیہ السلام کی قبر مبارکہ اونٹ کی پیٹھ کی طرح ڈھلوان بنائی۔

جس سے معلوم ہوا کہ قبر کو اونٹ کی پیٹھ کی طرح ڈھلوان بنانا حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ مقدس سے ثابت ہے۔

زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے میت کو خوشبو ملنے کا ثبوت

جب فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو غسل دے دیا تو آپ علیہ السلام کو کفن پہنا کر خوشبو ملی گئی جس سے معلوم ہوا کہ میت کو خوشبو ملنا حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ مقدسہ سے ثابت ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات پر سات دن مخلوق روتی رہی

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات پر سات دن مخلوق روتی رہی۔

تاریخ دمشق میں ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کی پر جب وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا۔

اے بیٹو! میں جنت کے پھلوں کی خواہش کر رہا ہوں۔وہ جنت کے پھل ڈھونڈنے چلے گئے۔ان کے سامنے سے فرشتے آئے۔ان کے پاس کفن اور خوشبو تھی اور کدالیں اور پھاوڑے تھے۔

انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں سے کہا

تم کیا تلاش کرر ہے ہو

انہوں نے کہا:

ہمارا باپ محترم بیمار ہے ہم اس کے لئے جنت کے پھل ڈھونڈ رہے ہیں

فرشتوں نے کہا:

واپس جاؤ! تمہارے باپ کا وقت پورا ہو چکا ہے۔ فرشتے آئے تو حضرت حواء علیہا السلام نے ان کو پہچان لیا۔ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس گئیں۔

حضرت آدم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا

مجھ سے دور رہو۔ تمہاری وجہ سے میں فتنہ میں مبتلا ہوا تھا۔ مجھے اور میرے رب عزوجل کے فرشتوں کو تنہا چھوڑ دو۔ پھر فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی روح قبض کر لی۔ ان کو غسل دیا اور ان کو کفن پہنایا اور ان کے جسم پر خوشبو لگائی اور ان کے لئے قبر کھود کر لحد بنائی۔ ان پر نماز جنازہ پڑھی۔ پھر ان کی قبر میں اترے اور ان کو قبر میں داخل کیا اور قبر پر کچی اینٹیں رکھیں پھر ان کی قبر سے نکلے اور ان کی قبر کو مٹی سے پر کر دیا۔

پھر کہا

اے آدم علیہ السلام کے بیٹو! یہ تمہارے لئے کفن دفن کا طریقہ ہے۔

عطاء خراسانی نے بیان کیا ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات پر سات دن تک مخلوق روتی رہی۔

(مختصر تاریخ دمشق ج:4، ص:226 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے برزخ میں مباحثہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میں مباحثہ ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

اے آدم علیہ السلام! آپ علیہ السلام ہمارے باپ ہیں۔ آپ علیہ السلام نے ہمیں نامراد کیا اور جنت سے نکال دیا۔

ان سے حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

اے موسیٰ علیہ السلام تم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے ساتھ سرفراز کیا اور اپنے دست قدرت سے تمہارے لئے تورات

ہی۔ کیا تم مجھے اس کام پر ملامت کر رہے ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کرنے سے چالیس سال پہلے میرے متعلق مقدر کر
یا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

پھر حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غلبہ پا گئے۔

(صحیح البخاری: ج:7، رقم الحدیث:6614)

حضرت آدم و حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان عرصہ

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے عرض کیا

یارسول اللہ علیہ وسلم کیا حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہاں اور انہیں (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) سکھایا گیا اور اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام فرمایا۔

اس شخص نے عرض کیا

حضرت آدم و حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان کتنا عرصہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دس صدیاں

اس شخص نے عرض کیا

حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان کتنا عرصہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دس صدیاں

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل کتنے رسل عظام تھے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تین سو پندرہ کا ایک جم غفیر تھا۔ (مستدرک: ج:2، ص:288 رقم الحدیث:3039)

اور ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے پوچھا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے۔

ارشادفرمایا

ہاں

اس نے پوچھا:

ان کے اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان کتنا عرصہ ہے۔

ارشادفرمایا

بیس صدیاں

اس نے پوچھا:

حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے درمیان کتنا عرصہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

دس صدیاں

اس نے پوچھا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! رسول کتنے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

تین سو پندرہ

(مختصر تاریخ دمشق ج:4،ص:225 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تک زمانہ

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان زمانہ فترت چھ سو سال ہے۔

(جامع البیان ج:6،ص:228 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان دس صدیاں ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان سترہ صدیاں ہیں۔

(تفسیر منیر:ج:6،ص:140 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ایک شخص نے پوچھا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے۔
ارشاد فرمایا
ہاں
اس نے پوچھا:
ان کے اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان کتنا عرصہ ہے۔
ارشاد فرمایا
بیس صدیاں
اس نے پوچھا:
حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
دس صدیاں
اس نے پوچھا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! رسول کتنے ہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تین سو پندرہ
(مختصر تاریخ دمشق: ج:4،ص:225 مطبوعہ دار الفکر بیروت)
اس کا خلاصہ یہ ہے کہ
حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تک چھ ہزار تین سو سال کا زمانہ ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی چالیس ہزار اولاد تھی

تفسیر عزیزی میں ہے کہ
آپ علیہ السلام کی اولاد بیٹے پوتے وغیرہ آپ علیہ السلام کی موجودگی میں چالیس ہزار تک پہنچ چکے تھے۔
(تفسیر نعیمی: پارہ اول،ص:313 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قابیل کا ہابیل کو قتل کرنے کا ارادہ

قابیل نے ہابیل کو قتل کرنے کا جب ارادہ کیا تو ان دونوں میں مباحثہ ہوا تو ہابیل نے قابیل کو کہا کہ اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو میں اپنا ہاتھ تمہیں قتل کرنے کے لئے آگے نہیں بڑھاؤں گا کیونکہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ۝

(المائدہ:28)

اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ تیری طرف بڑھانے والا نہیں ہوں۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

اس کریمہ میں بسط کے معنی ہیں پھیلانا

اس لئے بستر کو بساط کہتے ہیں کہ وہ پھیلایا جاتا اور بچھایا جاتا ہے یہاں ہاتھ بڑھانا مراد ہے۔ دونوں جگہ قتل کے لئے ہاتھ بڑھانا مراد ہے یعنی اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو میں اس کے جواب میں تجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھاؤں گا بلکہ اگر تجھے قتل کئے بغیر میرا بچاؤ نہ ہوسکا تو اپنے بچاؤ کے لئے تجھے قتل نہ کروں گا بلکہ خود قتل ہوجاؤں گا تاکہ میں رب تعالیٰ کی بارگاہ میں مظلوم مقتول ہوکر پیش ہوں غرضیکہ یہاں اپنے بچاؤ کی نفی نہیں ہے بلکہ قتل قابیل کے لئے ہاتھ اٹھانے کی ہے لہٰذا آیت واضح ہے کیونکہ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ۝ یعنی میرا ہاتھ نہ اٹھانا کسی کمزوری و بزدلی کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف خوف خدا عزوجل کے لئے ہابیل عمر میں قابیل سے بڑے تھے اور طاقت اور قوت میں بھی زیادہ اگر ہابیل ہاتھ اٹھاتے تو قابیل یقیناً مارا جاتا شاید اس قتل میں آپ سے کچھ زیادتی ہوجاتی۔ اس لئے آپ نے ہاتھ نہ اٹھایا۔

اگلی آیت میں ہے۔

ارشاد فرمایا گیا

اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَ اِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِۚ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ۝ (المائدہ: 29)

میں چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ تیرے ہی ذمہ ہو اور تو جہنمیوں سے ہوجائے اور یہی ظالموں کی سزا ہے۔

☆

اس آیت کریمہ میں قابیل کو قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہ اٹھانے کی دوسری وجہ کا ذکر ہے۔

(1) ایک وجہ یہ تھی کہ خوف خدا عزوجل

(2) دوسری وجہ یہ ہے کہ تبوء بنا ہے بوء سے بمعنی لازم ہونا

اقرار کرکنا، لوٹنا، رجوع کرنا

یہاں آخری معنی میں ہے چونکہ انسان کا اصل وطن آخرت ہے۔ دنیا تو ایک سفر کی منزل ہے۔ وہاں سے دنیا میں آیا ہے ہی جانا ہے اس لئے وہاں جانے کو رجوع بوء یعنی لوٹنا واپس ہونا کہا جاتا ہے۔

اثمی

اثمی میں مضاف پوشیدہ ہے اصل میں اثم قتلی تھا یہاں گناہ کی نسبت ہابیل کی طرف بسبیت کی نسبت ہے نہ کہ فاعلیت کی ...ک سے مراد قابیل کے پیچھے گناہ ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کا حکم نہ ماننا

ناجائز نکاح کا ارادہ کرنا

ہابیل کے قتل کا ارادہ کرنا

پھر قتل کے بعد مرتد ہو جانا

گانا، بجانا، باجے تاشے ایجاد کرنا وغیرہ

اور ہوسکتا ہے کہ اثمی سے مراد ہابیل کے سارے گزشتہ گناہ ہوں۔

حدیث مبارکہ میں ہے کہ

ظالم قاتل پر مقتول کے گناہ لاد دیئے جائیں گے۔ لہٰذا آیت واضح ہے یعنی میں چاہتا ہوں کہ میں ظالم نہ بنوں۔ مظلوم بنوں تا کہ تو قیامت میں میرے تمام گناہوں کا بوجھ اٹھالے اور اپنے گناہوں کا بھی۔

فتکون من اصحب النار

یہ عبارت ان تبوء پر مرتب ہے۔

اصحاب النار سے مراد ہے دائمی دوزخی ہو جانا۔ جو کافروں کے لئے ہوگا یا تو قابیل اس وقت ہی مرتد ہو چکا تھا نبی کے ...ن کو غلط سمجھنے کی وجہ سے یا آئندہ مرتد ہونے والا تھا۔ اس لئے ہابیل نے یہ کہا

وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝

ظاہر یہ ہے کہ یہ کلام بھی ہابیل کا ہی ہے جو انہوں نے قابیل سے کہا ظالمین سے مراد مرتدین یا قاتلین ہیں۔ ذالک سے ...و گزشتہ سزاؤں کی طرف ہے۔ اپنے اور دوسرے کے گناہ لے کر لوٹنا دائمی دوزخی ہونا اور ہوسکتا ہے کہ یہ فرمان رب تعالیٰ کا ...خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو۔ یعنی اے محبوب ظالموں، قاتلوں، مرتدوں کی یہی سزا ہے۔

خلاصہ پچھلی آیات کریمہ کا

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان حاسدین، بے وفا معاندین، یہودیوں کو یا اپنی امت کو یا تمام لوگوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل و قابیل کا سچا واقعہ پڑھ کر سنا دو جبکہ دونوں میں ایک لڑکی اقلیمہ کے متعلق اختلاف ہوا تو حضرت آدم علیہ السلام کے حکم سے قرعہ اندازی کے طریقہ پر دونوں نے بارگاہ الٰہی عزوجل میں اپنی اپنی قربانیاں پیش کیں۔ اس طرح کہ ہابیل نے تو اعلیٰ درجہ کا دنبہ نہایت خوش دلی نیک نیتی سے اور قابیل نے اپنے کھیت کے گندم کی ردی بالیاں نہایت بددلی سے ایک پہاڑ پر رکھ دیں چنانچہ ہابیل کی قربانی تو قبول ہوگئی کہ غیبی آسمانی آگ ان کے دنبہ کو جلا گئی یا اٹھا لے گئی اور قابیل کی قربانی رد ہوگئی کہ اس کی ردی بالیاں ویسے ہی پڑی رہیں تو قابیل بجائے توبہ کرنے کے حسد کی آگ سے اور بھڑک گیا۔

بولا کہ

اے ہابیل میں تجھے قتل کروں گا تاکہ تو اقلیمہ سے نکاح نہ کر سکے۔

ہابیل نے کہا:

اس قربانی کے رد ہونے میں میرا کیا قصور ہے میں حق پر ہوں بے قصور ہوں۔ اخلاص سے میں نے قربانی پیش کی۔ نیت میں تھا اور تو ناحق پر تھا، قصور مند ہوں، قربانی میں نہ تجھے اخلاص نصیب ہوا۔ نہ نیک نیتی لہٰذا تو فاسق ہے۔ فاسق کی قربانی قابل قبول نہیں۔ اللہ تعالیٰ متقیوں پرہیزگاروں کی قربانیاں قبول کرتا ہے۔

اے قابیل سن لے! اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا کیونکہ میں خدا عزوجل سے ڈرتا ہوں۔ قاتل کی سزا رب تعالیٰ کے یہاں بہت ہی سخت ہے۔ سن لے میں بزدل یا کمزور نہیں ہوں تجھ سے عمر میں بڑا بھی ہوں۔ طاقت میں زیادہ بھی مگر میں چاہتا ہوں کہ میں تیرے گناہ لے کر رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں بلکہ تو میرے قتل کا گناہ اور اپنے باقی سارے گناہ لے کر یا میرے سارے گناہ اور اپنے سارے گناہ لے کر بارگاہ الٰہی عزوجل میں حاضر ہو تو دوزخی ہو جاؤ۔ مجھے اللہ تعالیٰ گناہوں سے بچا لے۔ خیال رکھ کہ تو مجھے قتل کرنے میں ظالم ہوگا اور ظالم کی سزائیں ہیں جو میں نے تجھے سنائیں اب بھی ہوش اور اپنے برے ارادے سے باز آجا۔ گزشتہ تمام گناہوں سے توبہ کر لے تاکہ پاک وصاف رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری دے سکے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:6، ص:360 تا 362 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قابیل کا اپنی بہن سے شادی کرنے کا منصوبہ

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس اور دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان بیان کرتے ہیں کہ

حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں جب اولاد ہوتی تو ایک ساتھ ایک بچہ اور بچی پیدا ہوتی۔ ایک حمل سے لڑکا کا پیدا ہوتا اس کا نکاح وہ دوسرے حمل سے پیدا ہونے والی لڑکی کے ساتھ کر دیتے۔ اس حمل کی لڑکی سے دوسرے حمل کے لڑکے کا

تی کہ ان کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے۔ قابیل اور ہابیل۔ قابیل زراعت کرتا تھا اور ہابیل مویشی پالتا تھا۔ قابیل کے جو لڑکی پیدا ہوئی تھی وہ اس لڑکی سے بہت خوبصورت تھی۔ جو ہابیل کے ساتھ پیدا ہوئی تھی۔ قابیل بڑا تھا اور ہابیل ے تھے۔ قاعدہ کے مطابق ہابیل نے قابیل کی بہن سے نکاح کرنا چاہا لیکن قابیل نے انکار کیا۔

اس نے کہا:

یہ میری بہن ہے اور میرے ساتھ پیدا ہوئی ہے اور یہ تمہاری بہن سے زیادہ خوبصورت ہے اور میں اس سے نکاح کرنے دہ حق دار ہوں۔

ابن اسحاق کی روایت میں ہے۔

قابیل نے کہا:

ہم دونوں جنت میں پیدا ہوئے ہیں اور تم دونوں زمین پر پیدا ہوئے ہو اور میں اپنی بہن کا زیادہ حق دار ہوں۔

حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا:

اے میرے بیٹے یہ تمہارے لئے حلال نہیں ہے۔ قابیل نے حضرت آدم علیہ السلام کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

تب حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا:

اے میرے بیٹو! تم دونوں قربانی پیش کرو۔ تم میں سے جس کی قربانی قبول ہو گئی وہ اس کے ساتھ نکاح کا حق دار ہوگا۔ نے ایک کنواری بکری کی قربانی پیش کی اور قابیل نے گندم کی قربانی پیش کی پھر اللہ تعالیٰ نے ایک سفید آگ کو بھیجا اس یل کی قربانی کو کھالیا اور ہابیل کی قربانی کو ترک کر دیا۔ اس پر قابیل غضب ناک ہو گیا۔

اور ہابیل سے کہا

تم کو ضرور قتل کروں گا ورنہ تم میری بہن سے نکاح نہ کرنا

ہابیل نے کہا:

اللہ تعالیٰ متقین سے قربانی قبول کرتا ہے۔

(جامع البیان: ج:6،ص:256 تا 257)

ظلم سہنے پر راضی ہو گیا

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی لکھتے ہیں

حضرت عبد اللہ بن عمر اور جمہور مفسرین نے کہا ہے:

یل، قابیل سے زیادہ طاقتور تھے لیکن انہوں نے گناہ سے بچنے کے لئے مقابلہ نہیں کیا۔ انہوں نے کسی موحد سے قتال میں حرج سمجھا اور ظلم سہنے پر راضی ہو گئے تا کہ ان کو آخرت میں جزا دی جائے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اسی

طرح کیا تھا جب کہ کسی انسان کا اپنے نفس کے لئے مدافعت کرنا جائز ہے۔

ایک قول یہ ہے:

ہابیل سوئے ہوئے تھے۔ قابیل نے ایک بھاری پتھر مار کر ان کو ہلاک کر دیا۔

(الجامع الاحکام القرآن، ج:3، ص:99 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ہابیل نے گناہ سے بچنے کے لئے مقابلہ نہیں بلکہ انہوں نے کسی موحد سے قتال کرنے میں حرج سمجھا اور ظلم سہنے پر راضی ہو گئے۔

میرا اور تیرا گناہ تیرے ذمہ لگنے کی توجیہ

ہابیل کے اس قول کی توجیہ کہ میرا اور تیرا گناہ تیرے ذمہ لگے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ روایت کرتے ہیں۔

احنف بن قیس بیان کرتے ہیں کہ

میں اس شخص حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی مدد کے لئے روانہ ہوئے، میری حضرت ابوبکرہ سے ملاقات ہوئی۔

انہوں نے پوچھا:

کہاں کا ارادہ ہے۔

میں نے کہا:

میں اس شخص کی مدد کے لئے جا رہا ہوں۔

انہوں نے کہا:

واپس جاؤ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب دو مسلمان تلواروں سے مقابلہ کرتے ہیں تو قاتل اور مقتول دوزخ میں جائیں گے۔

میں نے عرض کیا

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو قاتل ہے مقتول کا کیا سبب ہے۔

آپ نے فرمایا

وہ بھی تو اپنے حریف کے قتل پر حریص تھا۔

(صحیح البخاری: ج:1، رقم الحدیث:31)

گویا کہ ہابیل نے یہ ارادہ کیا کہ میں تمہارے قتل پر حریص نہیں ہوں پس وہ گناہ جو میرے حریص ہونے کی صورت میں مجھے لاحق ہوتا۔ میرا ارادہ ہے کہ وہ بھی تم کو لاحق ہو کیونکہ صرف تم میرے قتل پر حریص ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے کہا:

ہم میں مفلس وہ ہوتا ہے جس کے پاس نہ پیسے ہوں اور نہ سامان ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نمازیں، روزے اور زکوۃ لے کر آئے اور اس نے کسی کو گالی دی ہو۔ کسی پر تہمت لگائی ہو اور کسی کا مال کھایا ہو اور کسی کا خون بہایا ہو اور کسی کو مارا ہو تو اس کو اس کی نیکیوں میں سے دیا جائے گا۔ اور اگر ان کے حقوق پورے ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں تو ان کے گناہ اس شخص پر ڈال دیئے جائیں گے پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2581)

اس حدیث کے اعتبار سے ہابیل کے قول کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جب تم مجھے قتل کرو گے تو تمہاری نیکیاں مجھے مل جائیں اور پھر بھی حق پورا نہ ہوا تو میرے گناہ تم پر ڈال دیئے جائیں گے۔ سو تم میرے اور اپنے گناہوں کے ساتھ لوٹو گے اور دوزخ میں ڈال دیئے جاؤ گے۔

نیز قرآن مجید میں ہے:

وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ (العنکبوت: 13)

اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ کئی اور بوجھ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا تو اس کے خون (کے گناہ) کا ایک حصہ پہلے ابن آدم پر ہوگا کیونکہ وہ شخص ہے جس نے قتل کو ایجاد کیا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3335)

ابوالحسن بن کیسان سے سوال کیا گیا۔

ایک مسلمان یہ ارادہ کس طرح کر سکتا ہے کہ اس کا بھائی گناہ گار ہو اور دوزخ میں داخل ہو جائے۔

انہوں نے کہا:

ہابیل نے یہ ارادہ اس وقت کیا تھا جب قابیل ان کی طرف قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھا چکا تھا۔
پھر ان سے سوال کیا گیا
ہابیل نے یہ کیسے کہا! میرے گناہ اور تمہارے گناہ جبکہ انہیں ظلماً قتل کیا گیا تھا اور انہوں نے گناہ نہیں کیا تھا۔
انہوں نے اس کا جواب دیا کہ
میرے قتل کا گناہ اور تمہارا وہ گناہ جس کی وجہ سے تمہاری قربانی قبول نہیں ہوئی تم ان دونوں کا بوجھ اٹھاؤ گے۔
دوسرا جواب یہ ہے کہ
تم مجھ کو قتل کرنے کا گناہ اٹھاؤ گے اور مجھ پر زیادتی کرنے کا گناہ اٹھاؤ گے۔
(الجامع الاحکام القرآن ج:3، ص:93 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا

قرآن مجید میں ہے:
فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ○ (المائدہ: 30)
تو اس نے اپنے بھائی کے قتل کا منصوبہ بنایا سو اس کو قتل کر دیا اور وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا۔
اس جملہ میں ف صرف تعقیب کے لئے ہے فوراً کے معنی میں نہیں کیونکہ قتل ہابیل کا واقعہ قربانی کے واقعہ سے کچھ عرصہ بعد ہوا۔ فوراً نہ ہوا۔ جیسے فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا میں فانتبذت کی ف صرف تعقیب کے لئے ہے۔ طوعت ہے۔ طوع سے، طوع کے معنی ہیں خوشی، فرمانبرداری اور سہل و آسان کر دینا اسی سے ہے اطاعت اس سے ہے۔
طوعاً و کرہاً یہاں یا تو خوش کر دینے کے معنی میں ہے یا آسان کر دینے کے معنی ہیں۔
مقصد یہ ہے کہ
اولاً قابیل کو ہابیل کا قتل بہت ہی گراں معلوم ہوا
کیونکہ بڑا جرم تھا اور اس سے پہلے کبھی دنیا میں قتل انسانی نہ ہوا تھا مگر اس کے نفس امارہ نے اسے سمجھا بجھا کر یہ کام سہل کر دیا۔ اس پر اسے راضی و خوش کر لیا۔ اب بھی بڑا گناہ کرتے وقت پہلے ہچکچاہٹ ہوتی ہے پھر دلیری یہاں اسی کا ذکر ہے۔
لہ کا مرجع قابیل ہے۔ نفس سے مراد اس کا نفس امارہ ہے۔ اخ سے مراد قابیل ہے کیونکہ ہابیل اگرچہ قابیل کا دینی بھائی نہ رہا تھا مگر نسبی بھائی تھا...... اخ فرمانے میں بھی قابیل کی برائی ہے کہ بھائی بھائی پر مہربان بلکہ اس کا قوت بازو ہوتا ہے مگر اپنے بھائی کا قاتل بن گیا یعنی اولاً قابیل کو ہابیل کے قتل میں تردد اور ہچکچاہٹ رہی۔ اتنے بڑے کام کی ہمت نہ کرتا تھا مگر اس کے نفس امارہ نے آخر کار اس کو اس قتل پر راضی کر لیا۔ دلیر کر دیا کہ اپنے بھائی کے باوجود بے قصور ہونے کے باوجود بھائی

قتل کردے۔

فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝ (المائدہ: 30)

قابیل کو قتل کرنے کی ترکیب نہیں آتی تھی کیونکہ آج دنیا میں پہلا قتل ہو رہا تھا۔ ابلیس جانور کی شکل میں قابیل کے سامنے آیا اس کے پنجہ میں ایک اور جانور تھا۔ اس نے اس جانور کا سر پتھر پر رکھ کر دوسرے پتھر سے کچل دیا۔ جس سے وہ جانور مر گیا تب قابیل کو قتل کرنے کا طریقہ آیا چنانچہ ایک دن ہابیل اپنے جانور کسی پہاڑی پر چرا رہے تھے۔ دوپہری میں کسی سایہ دار درخت میں سو گئے۔ قابیل نے بڑا وزنی پتھر ان کے سر پر مارا جس سے ان کا سر کچل گیا اور وہ فوت ہو گئے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 6، ص: 366 نعیمی کتب خانہ لاہور)

ہابیل کے قتل کرنے کی حالت

امام ابن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ ابن جریج نے بیان کیا کہ جس وقت ہابیل بکریاں چرا رہا تھا تو قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ قابیل، ہابیل کے پاس گیا اور اس کو یہ سمجھ نہیں آسکا کہ وہ اس کو کس طرح قتل کرے۔ اس نے ہابیل کی گردن مروڑ دی اور اس کے سر کے بالوں کو پکڑ لیا تب شیطان آیا۔ اس نے کسی جانور یا پرندے کو پکڑا اس کا سر ایک پتھر پر رکھا پھر دوسرا پتھر اس کے سر پر دے مارا۔ قابیل دیکھ رہا تھا۔ اس نے بھی اسی طرح ہابیل کو قتل کر دیا۔

امام ابن جریر نے کہا ہے:

صحیح یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے یہ خبر دی ہے کہ ابن آدم نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا اور یہ خبر نہیں دی کہ اس نے کس کیفیت سے قتل کیا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کیفیت کا بیان فرمایا سو ہمیں اتنا ہی یقین رکھنا چاہئے جتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے۔

(جامع البیان: جز: 6، ص: 30، 31 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو اور جمہور مفسرین نے کہا ہے:

ہابیل، قابیل سے زیادہ طاقتور تھے لیکن انہوں نے گناہ سے بچنے کے لئے مقابلہ نہیں کیا۔ انہوں نے کسی موحد سے قتال کرنے میں حرج سمجھا اور ظلم سہنے پر راضی ہو گئے تا کہ ان کو آخرت میں جزا دی جائے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اس طرح کیا تھا جب کہ کسی انسان کا اپنے نفس کے لئے مدافعت کرنا جائز ہے۔

ایک قول یہ ہے:

ہابیل سوئے ہوئے تھے۔ قابیل نے ایک بھاری پتھر مار کر ان کو ہلاک کر دیا۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج: 3، ص: 99 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ابلیس کا قتل کرنے کا طریقہ دکھانا

قابیل کو قتل کرنے کی ترکیب نہیں آتی تھی کیونکہ آج دنیا میں پہلا قتل ہو رہا تھا۔ ابلیس جانور کی شکل میں قابیل کے سامنے آیا اس کے پنجہ میں ایک اور جانور تھا۔ اس نے اس جانور کا سر پتھر پر رکھ کر دوسرے پتھر سے کچل دیا جس سے وہ جانور مر گیا۔ تب قابیل کو قتل کرنے کا طریقہ آیا۔ چنانچہ ایک دن ہابیل اپنے جانور کسی پہاڑی پر چرا رہے تھے دوپہری میں کسی سایہ دار درخت میں سو گئے۔ قابیل نے بڑا وزنی پتھر ان کے سر پر مارا جس سے ان کا سر کچل گیا اور وہ فوت ہو گئے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:6،ص:366 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قیامت تک کے مقتولوں کا گناہ ابن آدم پر

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا تو اس کے خون کا ایک حصہ پہلے ابن آدم پر کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کو ایجاد کیا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث:1677)

اس حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا تو اس کے خون کے گناہ کا ایک حصہ پہلے ابن آدم پر ہوگا کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کو ایجاد کیا۔ اس حدیث مبارکہ سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص کسی برائی کا موجد ہو تو قیامت تک اس برائی کرنے والوں کے گناہ میں اس کا بھی حصہ ہوگا۔ اسی طرح شیطان وہ پہلا شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ حضرت آدم علیہ السلام پر حسد کیا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے تکبر کیا تو قیامت تک نافرمانی کرنے والوں اور حسد اور تکبر کرنے والوں کے گناہوں میں شیطان کو بھی حصہ ہوگا اسی طرح جو شخص دین میں کسی بدعت سیئہ کو نکالے۔ جیسے رافضیوں نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو برا کہنے اور ماتم کرنے کو ایجاد کیا اور اس کو دین میں داخل کر لیا اور کار ثواب قرار دیا۔ ان کا بھی یہی حال ہے اور جس نے اسلام میں کسی اچھے اور پسندیدہ طریقہ کی ابتداء کی تو قیامت تک اس نیک کام کرنے والوں کی نیکیوں میں اس کا حصہ ہوگا جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان کی تمام راتوں میں باجماعت تراویح کی ابتداء کی اور اس میں قرآن مجید پڑھوانے کا اہتمام کیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن خطیب کے سامنے دی جانے والی اذان سے پہلے لوگوں کو متنبہ کرنے کے لئے ایک اذان کا اضافہ کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مسجد میں محراب بنانے کی ابتداء کی۔ حجاج بن یوسف نے قرآن مجید پر اعراب لگائے۔ اور اذانوں کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی ابتداء 781ھ میں سلطان صلاح الدین ابوالمظفر یوسف بن ایوب کے امر سے ہوئی۔ اس سے پہلے ایک بادشاہ کے بھانجے پر سلام پڑھا جاتا تھا۔

السلام علی لامام الظاهر

سلطان المظفر نے یہ سلسلہ موقوف کرایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے طریقہ کو شروع کرایا۔ علامہ حجر مکی علامہ علاؤالدین حصکفی، علامہ طحطاوی اور شامی نے اس کو بدعت قرار دیا۔ یہ تمام نیکی کے کام ہیں اور ہر نیکی ایجاد نے والوں کو قیامت تک کی جانے والی نیکیوں اور ہر برائی ایجاد کرنے والے کو قیامت تک کی جانے والی برائیوں میں سے نا حصہ ملتا رہے گا۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

جس نے اسلام میں نیک طریقہ ایجاد کیا اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا اس کے لئے بھی اس پر عمل کرنے والوں ثل اجر لکھا جائے گا اور ان کے اجروں میں سے کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے اسلام میں کسی برے طریقہ کو ایجاد کیا اور اس بعد اس پر عمل کیا گیا اس کے لئے بھی اس پر عمل کرنے والوں کی مثل گناہ لکھا جائے گا اور ان کے گناہوں میں سے کوئی کمی نہ

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2674)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ نصیحت کی مجھے تم پر جس چیز کا سب سے زیادہ خوف ہے وہ گمراہ کرنے والے آئمہ

(مسند احمد: ص: 411 طبع قدیم بیروت)

تاہم ہر برائی کی ابتداء کرنے والے کو بعد کے عمل کرنے والوں کی مثل گناہ اس وقت ہوگا جب وہ اس گناہ سے توبہ نہ ے اور اگر وہ اس گناہ کی توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام پر اعتراض نہیں ہوگا کہ انہوں اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے باوجود انسانوں میں سے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کی کیونکہ قرآن مجید نے خود ت دی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے تھے۔

فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا (طٰہٰ: 115)

سو وہ بھول گئے اور ہم نے ان کی نافرمانی کا قصد نہیں پایا۔ اس کے باوجود حضرت آدم علیہ السلام نے توبہ کر لی تھی اور لنے والے اور توبہ کرنے والے سے مواخذہ نہیں ہوتا۔ البتہ حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے توبہ کرنے والے ہیں اور کے تائبین کے عمل سے ان کو حصہ ملتا رہے گا۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حسد بہت سنگین نفسانی مرض ہے۔ اس حسد کی

وجہ سے قابیل نے ہابیل کے ساتھ خونی رشتہ کا لحاظ نہیں کیا اور اپنے سگے بھائی کو قتل کر دیا۔

قتل عمد پر اللہ تعالیٰ کا غضب

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

انہوں نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ بتایئے کہ میرا کسی کافر شخص سے مقابلہ ہو وہ مجھ سے قتال کرے اور تلوار سے میرا ایک ہاتھ کاٹ ڈالے پھر وہ مجھ سے بچنے کے لئے ایک درخت کی آڑ میں آئے اور کہے میں اللہ تعالیٰ کے لئے اسلام لے آیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں اس کلمہ پڑھنے کے بعد اس کو قتل کر سکتا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کو قتل مت کرو۔

میں نے عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ میرا ایک ہاتھ کاٹ چکا ہے اور اس نے میرا ہاتھ کاٹنے کے بعد کلمہ پڑھا ہے۔ کیا میں اس کو قتل کر دوں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کو مت قتل کرو اگر تم نے اس کو قتل کر دیا تو وہ تمہارے قتل کرنے سے پہلے والے درجہ میں ہوگا اور تم اس کے کلمہ پڑھنے سے پہلے والے درجہ میں ہوں گے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث:95)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل کی بہ نسبت پوری دنیا کا زوال زیادہ آسان ہے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث:1400)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر تمام آسمان اور زمین والے کسی ایک مومن کے قتل میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو جہنم میں اوندھے منہ ڈال دے گا۔ (سنن ترمذی: رقم الحدیث:1402)

امام احمد بن حنبل متوفی 241ھ روایت کرتے ہیں۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ
ایک شخص نے ان کے پاس آکر کہا یہ بتایئے کہ ایک آدمی نے کسی شخص کو عمداً قتل کیا اس کی سزا کیا ہوگی۔
انہوں نے کہا:
اس کی سزا جہنم ہے وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا
یہ وہ آیت ہے جو سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ (النساء:93)
حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے ظاہری پردہ فرما گئے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی نازل نہیں ہوگی۔
اس نے کہا:
یہ بتایئے اگر وہ توبہ کرلے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرلے پھر وہ ہدایت یافتہ ہو جائے گا۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔
اس کی توبہ کیسے ہوگی؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اس شخص کی ماں اس پر روئے جس نے کسی مسلمان کو عمداً قتل کر دیا۔ وہ مقتول اپنے قاتل کو دائیں یا بائیں جانب سے پکڑے ہوئے آئے گا اور دائیں یا بائیں ہاتھ سے اس نے اپنا سر پکڑا ہوگا اور عرش کے سامنے اس کی رگوں سے خون بہہ رہا ہوگا۔
وہ شخص کہے گا۔
اے میرے رب عزوجل! اپنے اس بندہ سے پوچھ اس نے مجھے قتل کیوں کیا تھا۔
(مسند احمد: ج:1، رقم الحدیث:2142 مطبوعہ دار الفکر بیروت)
اور جب کوئی مسلمان سلام کرے اور تم راستے میں جا رہے ہو یا جہاد پر جا رہے ہو تو اس کو قتل نہ کیا جائے۔
ہاں خوب تحقیق کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔
حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک جماعت کے ساتھ اضم (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام) روانہ کیا۔ اس جماعت میں ابوقتادہ بن ربعی اور محلم بن جثامہ بھی تھے۔ ہم روانہ ہو گئے حتیٰ کہ جب اضم میں پہنچ گئے تو ہمارے پاس سے عامر اشجعی گزر رہا جو ایک اونٹ پر اپنا سامان رکھے ہوئے جا رہا تھا اور اس کے پاس ایک دودھ کا مشکیزہ بھی تھا۔ جب وہ ہمارے پاس سے گزرے تو اس نے ہم کو سلام کیا۔ ہم نے اسی کو کچھ نہیں کیا اور محلم بن جثامہ نے اس پر حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا اور اس کا

اونٹ اور اس کا سامان چھین لیا۔ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کیا تو ہما
متعلق قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

ترجمہ: اے ایمان والو! جب اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے جاؤ خوب تحقیق کرلیا۔ اور جو تم کو سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔ الایۃ

(النساء:94)

(مسند احمد: ج:9، رقم الحدیث:23927 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
بنو سلیم کا ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے بکریاں چراتے ہوئے گزرا۔ اس نے سلام کیا۔
صحابہ کرام علیہم الرضوان نے کہا:
اس نے صرف اپنی جان بچانے کے لئے ہم کو سلام کیا ہے۔ انہوں نے اس کو پکڑ کر قتل کردیا اور اس کی بکریاں لے کر کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (النساء:94)

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:4591)

امام ابن جریر طبری نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ
یہ آیت قبیلہ غطفان کے ایک شخص مرداس کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غالب لیثی کی قیاد میں ایک لشکر فدک کی طرف روانہ کیا ان کو وہاں مرداس غطفان کے لوگوں کے ساتھ ملا، مرداس کے ساتھی بھاگ گئے۔
مرداس نے کہا:
بخدا میں مومن ہوں اور میں تمہارا پیچھا نہیں کررہا تھا۔ پھر صبح کو سواروں کی ایک اور جماعت آئی۔ مرداس نے ان کو سلا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام علیہم الرضوان نے اس کو قتل کردیا اور اس کا مال و متاع لوٹ لیا اس موقع پر ....نازل ہوئی۔ (النساء:94)

(جامع البیان، ج:4، ص:303 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قتل خطا

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـٔاً ...... الخ (النساء: 92)

ترجمہ: اور کسی مومن کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے مومن کو قتل کردے ماسوا خطا کے اور جس نے کسی مسلمان کو خطا کے طور پر قتل کردیا تو اس پر ایک مسلمان گردن کو آزاد کرنا لازم ہے اور اس کے وارثوں کو دیت ادا کی

جائے ماسوا اس کے کہ وہ معاف کر دیں پھر اگر وہ مقتول اس قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے اور وہ مسلمان ہو تو صرف ایک گردن کا آزاد کرنا لازم ہے اور اگر وہ (مقتول) اس قوم سے ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے تو اس کے وارثوں کو دیت ادا کی جائے اور ایک مسلمان گردن کو آزاد کیا جائے سو جو شخص (غلام یا باندی) کو نہ پائے تو وہ مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ ہے اور اللہ تعالیٰ بہت علم والا بڑی حکمت والا ہے۔

☆

اس آیت کے شان نزول میں متعدد اقوال ہیں۔

ایک قول یہ ہے:

جنگ احد میں مسلمانوں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد یمان کو غلط فہمی سے قتل کر دیا تھا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

جنگ احد کے دن مشرکین شکست کھا گئے تھے اسی وقت ابلیس لعنت اللہ علیہ نے چلا کر کہا

اے اللہ عزوجل کے بندو! اپنے پیچھے والوں پر حملہ کرو پھر اگلی صفوں نے پچھلی صفوں پر حملہ کیا اور وہ آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ اچانک حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ مسلمان حضرت یمان رضی اللہ عنہ پر حملہ کر رہے ہیں۔

انہوں نے چلا کر کہا

یہ میرے باپ ہیں۔ یہ میرے باپ ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا

بہ خدا وہ اُس وقت تک باز نہیں آئے جب تک کہ انہوں نے حضرت یمان کو قتل نہیں کر دیا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3065)

دوسرا قول یہ ہے:

بنو عامر کا ایک شخص مسلمان ہو گیا تھا۔ حضرت عیاش بن ابی ربیعہ کو اس کی خبر نہ تھی۔ انہوں نے غلط فہمی سے اس کو قتل کر دیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے حضرت عیاش بن ابی ربیعہ، ابوجہل بن ہشام کے اضافی (سوتیلے) بھائی تھے۔ وہ مسلمان ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کرنے سے پہلے مہاجرین اولین کے ساتھ مدینہ چلے گئے۔ ابوجہل، حارث بن ہشام اور ان کے ساتھ بنو عامر کا ایک اور شخص تھا۔ یہ ان کو لینے مدینہ پہنچ گئے۔

عیاش سے ان کی ماں بہت محبت کرتی تھی۔

انہوں نے کہا:

تمہاری ماں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک تم کو دیکھ نہ لے گی سائے میں نہیں بیٹھے گی۔ وہ دھوپ میں لیٹتی ہے تم جا کر اپنی ماں کو دیکھ لو پھر واپس چلے جانا اور انہوں نے قسمیں کھا کر یقین دلایا کہ وہ ان کو واپس مدینہ پہنچا دیں گے۔ جب وہ مدینہ کی حدود سے باہر آئے تو انہوں نے حضرت عباس کو باندھ لیا اور بنو عامر کے شخص نے ان کو کوڑے مارے۔ اس پر انہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ عامری کو قتل کر دیں گے پھر وہ کافی عرصہ تک مکہ میں قید رہے اور فتح مکہ کے دن آزاد ہوئے۔ ایک دن ان کے سامنے سے عامری آ رہا تھا۔ وہ مسلمان ہو چکا تھا۔ حضرت عیاش کو اس کے اسلام لانے کا علم نہیں تھا۔ انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(جامع البیان: جز:5، ص:277 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ واحدی نیشاپوری متوفی 468ھ نے لکھا ہے کہ

حضرت عیاش بن ابی ربیعہ نے غلط فہمی سے حارث بن زید کو قتل کیا تھا۔ ان کے گمان میں وہ کافر تھا۔ ان کو اس کے اسلام لانے کی خبر نہیں تھی۔

(الوسیط ج:2، ص:93، 94 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابن الاثیر شیبانی متوفی 630ھ نے لکھا ہے کہ

حارث بن زید مکہ میں مسلمانوں کو ایذاء پہنچایا کرتا تھا۔ وہ مسلمان ہو گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو اس سے اسلام لانے کی خبر نہ تھی حتیٰ کہ جب وہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچا تو عیاش بن ربیعہ نے اس کو قتل کر دیا۔

(اسد الغابہ: ج:1، ص:394)

ابن زید بیان کرتے ہیں کہ

حضرت ابوالدرداء کسی لشکر کے ساتھ جا رہے تھے وہ قضاء حاجت کے لئے ایک گھاٹی میں اترے تو انہوں نے ایک شخص کو دیکھا وہ اپنی بکریوں کو لے جا رہا تھا۔ انہوں نے اس پر تلوار سے حملہ کیا۔

اس نے کہا:

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ

حضرت ابوالدرداء نے اس کو قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لے کر اپنے اصحاب کرام علیہم الرضوان کے پاس آ گئے پھر ان کے دل میں اضطراب ہوا۔ انہون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھا۔ اس نے تم کو اپنی زبان سے اسلام لانے کی خبر دی اور تم نے اس کی تصدیق نہیں کی۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اب میرا کیا ہوگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا الٰہ الا اللہ کا کیا ہوگا۔

میں بار بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی عرض کرتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے حتیٰ کہ میں نے تمنا کی کاش یہ واقعہ میرے اسلام لانے سے پہلے ہوتا۔

(جامع البیان: ج:5، ص:278 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

چوتھا سعید بن جبیر کا ہے۔

انہوں نے کہا:

یہ آیت حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے غلط فہمی سے مرداس بن عمر کو خطاء قتل کر دیا

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر میں بھیجا۔ ہم صبح کے وقت جہینہ کے ایک مقام حرقات میں پہنچے۔ میں نے ایک شخص کو پکڑ لیا۔

اس نے کہا:

لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ

میں نے اس کو نیزہ مار کر مار دیا۔ پھر مجھے اضطراب ہوا تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا اس نے لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ دیا تھا پھر تم نے اس کو قتل کیا۔

میں نے عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس نے حملہ کے خوف سے لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھا حتیٰ کہ تمہیں معلوم ہو جاتا کہ اس نے دل سے کہا تھا یا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

بار بار یہ کلمات فرماتے رہے۔حتیٰ کہ میں نے تمنا کی کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 4201)

قتل خطا کی اقسام

قتل خطا کی دو صورتیں ہیں۔

ایک صورت یہ ہے کہ

فعل میں خطا ہو جائے مثلاً انسان ایک ہرن کا نشانہ لے رہا تھا اور گولی کسی انسان کو لگ گئی۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ

مقدس خطا ہو، قتل کرنے والے کا گمان یہ تھا کہ وہ شخص کافر ہے اور وہ درحقیقت مسلمان تھا۔قتل خطا کی دوسری قسم قتل قائم مقام خطا ہے۔مثلاً ایک انسان کے ہاتھ سے اینٹ یا لکڑی گر گئی جس سے دوسرا شخص ہلاک ہو گیا۔اس کا حکم بھی قتل خطا کی طرح ہے۔اس میں مقتول ہے ورثاء کو دیت ادا کی جائے گی اور ایک غلام یا باندی کو آزاد کر دیا جائے گا۔

اور ایک قتل بالسبب ہے۔

مثلاً ایک شخص نے دوسرے کی ملکیت میں کنواں کھودا جس میں کوئی شخص گر کر ہلاک ہو گیا یا کوئی شخص کسی سواری پر سوار اور اس سواری نے کسی شخص کو ہلاک کر دیا۔اس میں صرف عاقلہ پر دیت ہے۔
(عالمگیری: ج:6،ص:3 مطبوعہ مصر)

آج کل ٹریفک کے حادثات میں کار،ٹرک یا بس کے نیچے آ کر جو لوگ ہلاک ہو جاتے ہیں وہ بھی قتل بالسبب ہیں۔

دیت کا معنی

وہ مال جو مقتول کے ورثاء کو مقتول کی جان کے عوض میں دیا جاتا ہے۔اس کو دیت کہتے ہیں۔اگر مسلمان مقتول قرابت دار کافر ہوں تو ان کو دیت نہیں دی جائے گی کیونکہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا۔مسلمان مقتول کے جو وارث مسلمان ہوں ان کو دیت ادا کی جائے گی۔

علامہ فیروز آبادی متوفی 817ھ نے لکھا ہے کہ

دیت کا معنی ہے مقتول کا حق

(القاموس: ج:4،ص:579)

اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے۔

کسی مسلمان یا ذمی کو ناحق قتل کرنے یا اس کے کسی عضو کو ناحق تلف کرنے کی وجہ سے جو شرعاً مالی تاوان لازم آتا ہے دیت کہتے ہیں اور بعض اوقات جان کے تاوان کو دیت اور عضو کے تاوان کو ارش کہتے ہیں۔

قتل خطا، قتل شعبہ عمد اور قتل عمد کی دیت کی مقدار

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل خطا کی دیت یہ مقرر کی ہے۔ایک سال کی بیس اونٹنیاں، ایک سال کے بیس اونٹ، دو سال کی بیس اونٹنیاں، تین سال کی بیس اونٹنیاں اور چار سال کی بیس اونٹنیاں۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 1391)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک قتل خطا کی دیت اسی طرح ہے جس طرح اس حدیث میں بیان کی گئی ہے اور قتل شبہ عمد (یعنی کسی شخص کو ایسے آلہ سے ضرب لگائی جائے جس سے قتل نہیں کیا جاتا اور اس کا قصد صرف ضرب لگانا ہو قتل کرنا نہ ہو لیکن اس ضرب کے نتیجہ میں مضروب مر جائے) کی دیت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ ہے کہ پچیس ایک سال کی اونٹنیاں پچیس دو سال کی اونٹنیاں، پچیس تین سال کی اونٹنیاں اور پچیس چار سال کی اونٹنیاں۔

(فتاویٰ عالمگیری: ج:6، ص:24 مطبوعہ مصر)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے کسی مومن کو عمداً قتل کیا اس کو مقتول کے ورثاء کے حوالہ کر دیا جائے گا اگر وہ چاہیں تو اس کو قتل کر دیں اور اگر وہ چاہیں تو اس سے دیت وصول کر لیں۔

قتل عمد کی دیت یہ ہے۔

تین تین سال کی اونٹنیاں، تین چار کی اونٹنیاں اور چالیس پانچ سال کی اونٹنیاں اس کے علاوہ جس مقدار پر وہ صلح کر لیں۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث:1393)

امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک قتل خطا کی دیت میں ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم بھی دیئے جا سکتے ہیں۔

(ہدایہ اخیرین ص:585 مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

دیت کی ادائیگی کی مدت

امام ابوعیسیٰ ترمذی متوفی 279ھ لکھتے ہیں:

تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ دیت تین سال میں لی جائے گی ہر سال میں تہائی دیت وصول کی جائے گی اور قتل خطاء کی دیت عاقلہ پر ہے۔ باپ کی طرف سے جو رشتہ دار ہیں وہ عاقلہ ہیں۔ یہ امام مالک اور امام شافعی کا قول ہے۔

بعض آئمہ نے کہا:

دیت صرف ان مردوں پر ہے جو عصبات ہوں، عورتوں اور بچوں پر دیت نہیں ہے اور ہر شخص پر چوتھائی دیت دینا لازم کی

جائے گی۔

بعض آئمہ نے کہا:

نصف دینار تک دیت لازم کی جائے گی۔ اگر ان رشتہ داروں سے دیت پوری ہو جائے تو فبہا ورنہ جو قریب ترین قبیلے کے لوگ ہیں ان پر دیت لازم کی جائے گی۔

(سنن ترمذی: ج:3،ص:95 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک، عمد، شبہ عمد اور خطا تینوں کی دیت کی ادائیگی کی مدت تین سال ہے اور جمہور فقہاء کے نزدیک دیت العمد معجّل ہے اور باقی دیت تین سال میں ادا کی جائے گی۔

(بدایۃ المجتہد ج:2،ص:307)

عورت کی نصف دیت ہے

عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً مروی ہے کیونکہ عورت کا مال اور اس کی منفعت مرد سے کم ہے، عورت کے اعضاء اور اطراف کی دیت بھی مرد کی دیت کا نصف ہے۔

(ہدایہ اخیرین،ص:585 مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔

(سنن کبریٰ: ج:8،ص:95 مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

امام ابوحنیفہ از حماد از ابراہیم روایت کرتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

عورت کے تمام زخموں کی دیت مردوں کے زخموں کی دیت کا نصف ہے۔

(کتاب الآثار ص:126 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

امام مالک بن انس اصبحی متوفی 179ھ فرماتے ہیں۔

سر کی چوٹ اور دیگر جن زخموں کی تہائی یا اس سے زیادہ دیت ہوتی ہے۔ ان میں عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔

(موطا امام مالک: رقم الحدیث: 1607)

علامہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ نے لکھا ہے کہ

اس پر علماء کا اجماع ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن ج:5،ص:325)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی 676ھ لکھتے ہیں:

عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے اور عورت کے اعضاء اور زخموں کی دیت بھی مردوں کی دیت کا نصف ہے۔

(روضۃ الطالبین: ج:9،ص:257 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

علامہ ابوالحسن علی بن سلیمان مرداوی حنبلی متوفی 885ھ لکھتے ہیں:

عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(الانصاف: ج:10،ص:63 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

قتل عمد

قرآن مجید میں ہے:

وَمَنۡ يَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيۡهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيۡمًا۝ (النساء: 93)

اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ عزوجل کا غضب ہوگا اور اللہ اس پر لعنت کرے گا اور اللہ نے اس کے لئے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عمداً مسلمان کو قتل کرنے پر دوزخ کی وعید سنائی ہے۔ اس لئے قتل عمد کی تعریف کو جاننا ضروری ہے۔

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی 483ھ لکھتے ہیں:

قتل عمد وہ قتل ہے جس میں جان نکالنے کے لئے ہتھیار سے ضرب لگائی جائے اور جان غیر محسوس ہے پس وہ جان نکالنے کے لئے ایسے ہتھیار کو استعمال کرے گا جو زخم ڈالنے والا ہو اور بدن کے ظاہر اور باطن میں موثر ہو۔

(المبسوط: ج:26،ص:59 مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت)

امام ابوبکر احمد بن علی رازی حصاص حنفی متوفی 370ھ لکھتے ہیں:

امام اعظم ابوحنیفہ کی اصل کے مطابق جس قتل کو ہتھیار یا ہتھیار کے قائم مقام کے ساتھ کیا جائے وہ قتل عمد ہے۔ مثلاً بانس کی یا لاٹھی کے ٹکڑے یا کسی اور ایسی دھار والی چیز کے ساتھ قتل کر دے جو ہتھیار کا کام کرتی ہو یا آگ سے جلا دے۔ امام اعظم کے نزدیک یہ تمام قتل عمد کی صورتیں ہیں اور ان میں قصاص واجب ہے اور ہمارے علم کے مطابق ان صورتوں کے قتل عمد ہونے میں فقہاء کا اختلاف نہیں ہے۔

(احکام القرآن ج:2،ص:228 مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

احادیث مبارکہ میں تلوار اور پتھر سے قتل کرنے کو قتل عمد قرار دیا ہے۔

چنانچہ حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت نعمان بن بشر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تلوار کے علاوہ ہر چیز خطاء ہے اور ہر خطاء کا ایک تاوان ہے۔

(مسند احمد: ج:6، رقم الحدیث: 18451)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک یہودی نے ایک لڑکی پر حملہ کیا اور اس کے جسم سے زیورات اتار لئے اور اس کے سر کو پتھر سے کچل دیا۔ اس لڑکی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ اس وقت اس میں آخری رمق حیات تھی اور اس کی گویائی ختم ہوگئی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا:

تم کو کس نے قتل کیا ہے۔ کیا فلاں شخص نے؟ اس کے قاتل کے سوا کسی اور کا نام لیا۔

اس نے سر کے اشارہ سے کہا

نہیں

پھر ارشاد فرمایا

فلاں شخص اور اس کے قاتل کا نام لیا۔

اس نے سر کے اشارے سے کہا

ہاں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلانے کا حکم دیا اور دو پتھروں کے درمیان اس کے سر کو کچل دیا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5295)

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ تلوار ہو، پتھر ہو یا کوئی اور دھاردار چیز ہو یا ہتھیار ہو۔ اس سے قتل کرنا عمد ہے، بندوق کلاشنکوف، پستول وغیرہ بھی اسی میں داخل ہیں۔

قتل عمد پر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غضب

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل کی بہ نسبت پوری دنیا کا زوال زیادہ آسان ہے۔
(سنن نسائی: رقم الحدیث: 3998)

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
انہوں نے کہا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ بتایئے کہ میرا کسی کافر شخص سے مقابلہ ہو وہ مجھ سے قتال کرے اور تلوار سے میرا ایک ہاتھ ڈالے پھر وہ مجھ سے بچنے کے لئے ایک درخت کی آڑ میں آئے اور کہے میں اللہ تعالیٰ کے لئے اسلام لے آیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں اس کے کلمہ پڑھنے کے بعد اس کو قتل کر سکتا ہوں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اس کو قتل مت کرو۔
میں نے عرض کیا
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ میرا ایک ہاتھ کاٹ چکا ہے اور اس نے میرا ہاتھ کاٹنے کے بعد کلمہ پڑھا ہے کیا میں اس کو قتل کروں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اس کو مت قتل کرو اگر تم نے اس کو قتل کر دیا تو وہ تمہارے قتل کرنے سے پہلے والے درجہ میں ہوگا اور تم اس کے کلمہ پڑھنے سے پہلے والے درجہ میں ہوں گے۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 95)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اگر تمام آسمان اور زمین والے کسی ایک مومن کے قتل میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو جہنم میں اوندھے منہ ڈال دے گا۔
(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 1402)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
ایک شخص نے ان کے پاس آکر کہا یہ بتایئے کہ ایک آدمی نے کسی شخص کو عمداً قتل کیا اس کی سزا کیا ہوگی۔
انہوں نے کہا:
اس کی سزا جہنم ہے وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے

اس کے لئے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

یہ وہ آیت ہے جو سب سے آخر میں نازل ہوئی (النساء:93)

حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے ظاہری پردہ فرما گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی نازل نہیں ہوئی۔

اس نے کہا:

یہ بتائیے اگر وہ توبہ کرلے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے پھر وہ ہدایت یافتہ ہو جائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

اس کی توبہ کیسے ہوگی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔اس شخص کی ماں اس پر روئے جس نے کسی مسلمان کو عمداً قتل کر دیا وہ مقتول اپنے قاتل کو دائیں یا بائیں جانب سے پکڑے ہوئے آئے گا اور دائیں یا بائیں ہاتھ سے اس نے اپنا سر پکڑا ہوگا اور عرش کے سامنے اس کی رگوں سے خون بہہ رہا ہوگا۔

اور وہ شخص کہے گا۔

اے میرے رب عزوجل اپنے اس بندہ سے پوچھ اس نے مجھے کیوں قتل کیا تھا۔

(مسند احمد: ج:1، رقم الحدیث:2142 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قابیل نے قتل عمد کیا تھا

قابیل نے ہابیل کو قتل عمد کیا تھا کیونکہ اس نے قصداً پتھر اٹھا کر ہابیل کا سر پھوڑ دیا تھا اور یوں وہ دنیا میں سب سے پہلا قاتل تھا۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک یہودی نے ایک لڑکی پر حملہ کیا اور اس کے جسم سے زیورات اتار لئے اور اس کے سر کو پتھر سے کچل دیا۔اس لڑکی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔اس وقت اس میں آخری رمق حیات تھی اور اس کی گویائی ختم ہو گئی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا

تم کو کس نے قتل کیا ہے۔کیا فلاں شخص نے؟اس کے قاتل کے سوا کسی اور کا نام لیا۔

اس نے سر کے اشارہ سے کہا

نہیں۔
پھر ارشاد فرمایا
فلاں شخص اور اس کے قاتل کا نام لیا۔
اس نے سر کے اشارہ سے کہا
ہاں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلانے کا حکم دیا اور دو پتھروں کے درمیان اس کے سر کو کچل دیا۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 1674)
امام ترمذی نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
قیامت کے دن مقتول قاتل کو پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر لائے گا۔
درآنحالیکہ اس کی رگوں سے خون بہہ رہا ہوگا۔
وہ کہے گا کہ
اے میرے رب عزوجل! اس نے مجھے قتل کیا تھا حتیٰ کہ اس کو عرش کے قریب کھڑا کرے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ کے سامنے لوگوں نے توبہ کا ذکر کیا تو انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی
اور فرمایا:
یہ آیت نہ منسوخ ہوئی ہے نہ تبدیل ہوئی ہے۔ اس کی توبہ کہاں سے ہوگی۔
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
قریب ہے کہ ہر گناہ کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا۔ سوا اس شخص نے جو کفر پر مرے اور سوا اس شخص کے جو کسی مومن کو عمداً کرے۔
اور روایت میں ہے۔
جو شخص کسی ایک بات سے بھی مومن کے قتل میں تعاون کرے گا۔ قیامت کے دن جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا کی پیشانی پر لکھا ہوگا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہے۔
(درمنثور: ج:2، ص:628 مطبوعہ دارالفکر بیروت)
ان احادیث مبارکہ کی رو سے قابیل کا ہابیل کو قتل عمد کرنا ثابت ہوتا ہے کیونکہ قتل عمد کی تعریف یہ ہے کہ جان نکالنے کے ہتھیار سے ضرب لگائی جائے اور جان غیر محسوس ہے پس وہ جان نکالنے کے لئے ایسے ہتھیار کو استعمال کرے گا جو زخم

ڈالنے والا ہو اور بدن کے ظاہر اور باطن میں موثر ہو۔

(المبسوط: ج:26،ص:59 مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

قابیل نے ہابیل کو منگل کے دن قتل کیا

قابیل نے ہابیل کو قتل کی دھمکیاں تو قربانی کے واقعہ کے بعد ہی دے دی تھیں مگر حضرت آدم علیہ السلام کے گھر پر موجود ہونے کی وجہ سے اس جرم کی حرکت نہ کر سکا جب حضرت آدم علیہ السلام حج کعبہ کے لئے مکہ مکرمہ گئے اور گھر ان سے خالی رہا تو قابیل نے ہابیل کو اس طرح قتل کیا جو ابھی عرض کیا گیا چونکہ اس زمانہ میں سنہ اور مہینہ یا تو مقرر نہ ہوئے تھے یا مشہور نہ تھے۔ اس لئے یہ پتہ نہیں چلا کہ کس مہینہ اور کس سنہ میں قتل واقع ہوا البتہ احادیث سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ منگل کے دن قتل کا واقعہ ہوا۔

کیونکہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

منگل کا دن خون کا دن ہے کیونکہ اسی دن حضرت حوا علیہا السلام کو حیض آیا اور اسی دن ہابیل کا قتل واقع ہوا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:6،ص:368،369 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت آدم علیہ السلام ہابیل کے قتل کے وقت کعبۃ اللہ حج میں تھے

اس قتل کے وقت حضرت آدم علیہ السلام کعبۃ اللہ کے حج میں تھے۔

آپ علیہ السلام نے وہاں دیکھا کہ بعض درخت خاردار ہو گئے پہلے کسی درخت میں کانٹے نہ ہوتے تھے۔ بعض درختوں کے پھل کھٹے۔ بعض کے پکے ہو گئے۔ پہلے سب کے میٹھے ہوتے تھے۔ زمین کا رنگ گندمی ہو گیا۔ پہلے اس مٹی کا یہ رنگ نہ تھا اسی وقت آپ علیہ السلام سمجھ گئے کہ آج کوئی بڑا حادثہ ہوا ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:6،ص:369 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قابیل نے ہابیل کو کہاں قتل کیا

اس میں اختلاف ہے کہ یہ قتل کہاں واقع ہوا۔

بعض نے فرمایا:

بصرہ میں ہوا

بعض نے فرمایا:

زمین ہند میں

بلکہ بعض نے کہا:

خود مکہ معظمہ میں غار حرا کے پیچھے ہوا اور اس وقت حضرت آدم علیہ السلام طواف کعبہ کر رہے تھے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:6،ص:369 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قتل کے وقت ہابیل کی عمر بیس یا پچیس سال تھی

جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو اس وقت ہابیل کی عمر بیس سال یا پچیس سال تھی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

اس وقت (یعنی قتل کے وقت) ہابیل کی عمر بیس سال یا پچیس سال تھی۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:6، ص:369 نعیمی کتب خانہ لاہور)

اس سے معلوم ہوا کہ قابیل نے ہابیل کو عین جوانی میں قتل کیا اور عین جوانی کا قتل والدین کو رُلا دیتا ہے۔

قتل کے بعد قابیل کا رنگ سیاہ ہو گیا

جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو قتل کے فوراً بعد قابیل کا رنگ سیاہ ہو گیا کیونکہ پہلے قابیل کا رنگ سفید تھا۔ قتل کے بعد سیاہ ہو گیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

قتل کا یہ واقعہ ہوتے ہی قابیل کا رنگ سیاہ ہو گیا۔ پہلے سفید تھا۔ دل نہایت سخت ہو گیا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام گھر آئے تو قابیل سے پوچھا کہ

ہابیل کہاں ہے۔

بولا کہ

میں ہابیل کا محافظ نہ تھا مجھے خبر نہیں کہ وہ کہاں ہے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

معلوم ہوتا ہے کہ تو نے اسے قتل کر دیا ہے ورنہ تو پہلے گورا تھا اب کالا کیوں ہو گیا۔ پہلے زمین خون ایسے ہی چوس لیتی تھی جیسے آج پانی کو چوس لیتی ہے۔ آپ کی اس وقت کی دعا سے زمین نے خون چوسنا جذب کرنا چھوڑ دیا تا کہ آئندہ قتل کا سراغ خون سے لگ سکے۔ آپ علیہ السلام کو قتل ہابیل سے بہت صدمہ ہوا۔ تب آپ علیہ السلام نے بطور مرثیہ کچھ کلمات زبان سریانی میں فرمائے۔

عربی شاعر نے اسے عربی اشعار میں یوں بیان کیا۔

تغیرت البلاد ومن علیها ... فوجه الارض مغبر قبیح

تغیرت کل ذی لون و طعمه ... وکل بشاشة والوجه الصبیح

ومالی لا اجود بسکب دمع ... وهابیل تضمنه الضریح

اری طول الحیوة علی نقما ... فهل انا من حیاتی مشریح

یعنی تمام شہر اور شہروں کے لوگ بدل گئے۔ خود زمین خیالی رنگ میری ہو گئی۔ ہر رنگ و مزے والی چیز بدل گئی اور

حسین چہروں کی بشاشت جاتی رہی۔ میں آنسو کیوں نہ بہاؤں اور ہابیل کو قبر نے گود میں لے لیا۔ عمر بھر اس کی تکلیف محسوس کروں گا۔ اب مجھے زندگی میں چین نہ آوے گا۔

بعض مفسرین نے فرمایا:

یہ اشعار ہی حضرت آدم علیہ السلام نے کہے مگر تفسیر خازن وروح المعانی وتفسیر کبیر نے اس کا انکار کیا۔

اور فرمایا:

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام شعر نہیں کہا کرتے۔ یہ اشعار تفسیر خازن وروح البیان نے نقل فرمائے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:6،ص:369،370 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت آدم علیہ السلام قتل ہابیل کے بعد کبھی نہیں ہنسے

جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو حضرت آدم علیہ السلام قتل ہابیل کے بعد کبھی نہیں ہنسے اور اس پر آپ علیہ السلام کو بہت صدمہ ہوا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو اس قتل کا اتنا صدمہ ہوا کہ

آپ علیہ السلام بقیہ عمر پھر ہنسے نہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:6،ص:370 نعیمی کتب خانہ لاہور)

اللہ تعالیٰ کا زمین پر کوا کو بھیجنا

جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو قابیل اپنے بھائی ہابیل کی لاش اٹھائے پریشان پھر رہا تھا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے کوے کو زمین پر بھیجا تاکہ قابیل کو دفن کرنے کا طریقہ سکھائے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۝ (المائدہ: 31)

پھر اللہ نے ایک کوے کو بھیجا جو زمین کرید کر رہا تھا تاکہ وہ اسے دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی لاش چھپائے۔ اس نے کہا: ہائے افسوس! میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا پس وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا۔

قابیل چالیس دن ہابیل کی لاش لے کر پھرتا رہا

قابیل نے جب اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا تو قابیل چالیس دن ہابیل کی لاش کو لئے پھرتا رہا۔

تفسیر میں ہے۔

قابیل نے ہابیل کو قتل تو کر دیا مگر یہ نہ جانا کہ اب اس لاش کو کیا کرے۔ اس لئے یہ لاش ایک تھیلے میں ڈال کر چالیس دن اپنے کندھے پر لئے پھرا حیران تھا کہ کیا کرے تب اللہ تعالیٰ نے اس کی تعلیم کے لئے دو کوے بھیجے۔ ایک کوے نے دوسرے کو قتل کر کے اپنی چونچ اور پنجوں سے زمین کرید کر گڑھا کیا اور مردہ کوے کو اس گڑھے میں رکھ کر اوپر سے مٹی ڈال دی۔ تب قابیل کو دفن کرنے کا طریقہ آیا اور اس نے اس ترتیب سے ہابیل کی لاش دفن کی۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:6، ص:367 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قابیل نے ہائے افسوس کیوں کہا

قابیل نے ہائے افسوس اس لئے کہا کہ میں ایسا ناسمجھ و بے وقوف ہوں کہ اس کوے کی طرح بھی مجھ میں سمجھ بوجھ نہ آئی کہ میں کسی طرح ہی اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا اور اس کو زمین میں دفن کر دیتا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

قابیل نے دل میں سوچا یا منہ میں بڑبڑایا کہ ہائے افسوس میں ایسا ناسمجھ و بے وقوف ہوں کہ اس کوے کی طرح بھی مجھ میں سمجھ بوجھ نہ ہوئی کہ میں اس کی طرح ہی اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا، زمین میں دفن کر دیتا، یہ کوا ہی مجھ سے زیادہ سمجھ دار ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:6، ص:368 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قابیل کی شرمندگی کوے سے زیادہ سمجھ دار نہ ہونے پر تھی

جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو بہت شرمندہ ہوا اس کی یہ شرمندگی اپنے بھائی ہابیل کو ظلماً قتل کرنے پر نہ تھی بلکہ چالیس دن تک لاش اپنے کندھے پر لئے پھرنا دفن کی ترکیب اور صورت حال نہ جاننے پر تھی اور کوے سے زیادہ سمجھ دار نہ ہونے پر تھی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

قابیل کی یہ شرمندگی اس ظلماً قتل پر نہ تھی بلکہ چالیس دن لاش اپنے کندھے پر لئے پھرنا دفن کی ترکیب نہ جاننا کوے سے بھی زیادہ ناسمجھ ہونا اس پر شرمندگی ہوئی۔ لہٰذا یہ ندامت تو نہ تھی بلکہ اپنی حماقت پر افسوس تھا۔ خیال رہے کہ اس وقت قابیل کے سوا کوئی شرمندہ نہ تھا مگر چونکہ آئندہ ایسے لوگ ہونے والے تھے۔ اس لئے نادمین جمع فرمایا گیا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:6، ص:368 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قابیل کا اپنی بہن اقلیمہ کو لے کر عدن بھاگ گیا

قابیل نے جب ہابیل کو دفن کر دیا تو اپنی بہن اقلیمہ لے کر شہر عدن بھاگ گیا۔ وہاں اس کی ساری اولاد حرام کی ہوئی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

قابیل اپنی بہن اقلیمہ کو جس کا وہ خواہش مند تھا جو اس کے لئے حرام تھی اسے لے کر عدن بھاگ گیا۔ وہاں ہی اس سے اس کی اولاد حرام کی ہوئی۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:6، ص:370 نعیمی کتب خانہ لاہور)

سب سے پہلے قابیل نے آتش پرستی کی

سب سے پہلے قابیل نے آتش پرستی کی جس کا واقعہ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر، تفسیر نعیمی میں یوں ذکر کیا۔

چنانچہ تفسیر نعیمی میں ہے۔

ایک دن ابلیس نے اس سے کہا کہ

اگر تو آگ کی پرستش کرتا ہوتا تو تیری قربانی کو بھی آگ کھا لیتی۔ ہابیل آگ پوجتا تھا اس لئے آگ نے اس کی قربانی قبول کر لی۔ قابیل نے یہ سن کر آگ کی پرستش شروع کر دی اور سب سے پہلے آتش پرستی قابیل نے ہی کی۔ اسی نے ستار سارنگی گانا باجا ایجاد کیے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:6، ص:370 نعیمی کتب خانہ لاہور)

کوے کا زمین کرید کر قابیل کو طریقہ سمجھانا

امام ابن جریر طبری متوفی 310ھ روایت کرتے ہیں۔

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قابیل ہابیل کو ایک جراب (چرمی تھیلا) میں ڈال کر ایک سال تک اپنے کندھے پر اٹھائے پھرتا رہا اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس لاش سے کس طرح گلوخلاصی حاصل کرے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کرید کر رہا تھا پھر اس نے زمین میں اس مردہ کوے کو دفن کر دیا۔

تب اس نے کہا:

ہائے افسوس! میں اس کوے جیسا بھی نہیں ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔ پس وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا۔

(جامع البیان: ج:6، ص:268 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قابیل کو اولاد کا پتھر مارنا اور ہلاک کر دینا

قابیل جب بوڑھا ہو گیا تو اس کی اولاد اسے پتھر مارا کرتی تھی اور آخر کار اسے ہلاک کر دیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

(قابیل) آخر میں جب بوڑھا ہو گیا تو اس کی اولاد ایسے پتھر مارا کرتی تھی۔ آخر اس کے ایک بیٹے نے اسے قتل کر دیا۔

ان پر بڑی ذلت کے ساتھ مرا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:6،ص:370 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بیل نے ہابیل کا سر کچل کر قتل کیا

قابیل نے جب ہابیل کو قتل کیا تو ہابیل کا سر ایک پتھر سے کچل دیا اور یوں ہابیل کو قتل کیا گیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

قابیل کو قتل کرنے کی ترکیب نہیں آتی تھی کیونکہ آج دنیا میں پہلا قتل ہو رہا تھا۔ ابلیس جانور کی شکل میں قابیل کے سامنے
۔ اس کے پنجہ میں ایک اور جانور تھا۔ اس نے اس جانور کا سر پتھر پر رکھ کر دوسرے پتھر سے کچل دیا جس سے وہ جانور گیا۔
قابیل کو قتل کرنے کا طریقہ آیا چنانچہ ایک دن ہابیل اپنے جانور کسی پہاڑی پر چرا رہے تھے۔ دوپہری میں کسی سایہ دار
ت میں ہو گئے۔ قابیل نے بڑی وزنی پتھر ان کے سر پر مارا جس سے ان کا سر کچل گیا اور وہ فوت ہو گیا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:6،ص:366 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بیل کی ندامت

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

قابیل کا پچھتانا اس کی توبہ نہیں تھی۔

ایک قول یہ ہے:

وہ اس پر افسوس کر رہا تھا کہ اس کے دفن کرنے کے طریقہ کو نہیں جان سکا تھا۔ اس کے قتل کرنے کا افسوس نہیں کیا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

اگر وہ اس کے قتل پر نادم ہوتا تو یہ ندامت توبہ ہو جاتی وہ اس وجہ سے نادم تھا کہ اس قتل سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ماں،
ب، بہن اور بھائی ناراض ہوئے اور مقصود حاصل نہ ہوا یا اس وجہ سے کہ ایک سال تک بھائی کی لاش دفن نہ ہو سکی۔

(الجامع الاحکام القرآن، ج:3،ص:97 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ضرت آدم و حوا علیہما السلام کا ہابیل کی قبر پر کئی دن تک رونا

حضرت آدم، حضرت حوا علیہما السلام ہابیل کی قبر پر کئی عرصہ تک روتے رہے۔

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ

حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام ہابیل کی قبر پر گئے اور کئی دن تک روتے رہے۔

(الجامع الاحکام القرآن، ج:3،ص:97 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام کا قابیل کے خلاف دعا کرنا

ایک روایت کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل کے خلاف بددعا کی۔

روایت ہے کہ

حضرت آدم و حضرت حوا علیہما السلام ہابیل کی قبر پر گئے اور کئی دن تک روتے رہے پھر قابیل ایک پہاڑ کی چوٹی پر گیا وہاں ایک بیل نے اس کو سینگھ مار کر نیچے گرا دیا اور وہ مر گیا۔

ایک روایت یہ ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام نے اس کے خلاف دعا کی تو وہ زمین میں دھنس گیا۔

ایک قول یہ ہے:

وہ ہابیل کو قتل کرنے کے بعد جنگلوں میں چلا گیا۔ وہ کسی جانور کو بلندی سے زمین پر گرا دیتا اور اس کے مرنے کے بعد اس کو کھالیتا، چوٹ کھانے سے مرا ہوا جانور اس دن سے حرام کر دیا گیا۔

(الجامع الاحکام القرآن، ج:3، ص:97 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قابیل سب سے پہلا جہنمی ہے

علامہ ابو عبداللہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا

بنو آدم میں سے سب سے پہلے جہنم میں جانے والا قابیل ہے۔ اس ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنو آدم میں جو شخص سب سے پہلے فوت ہوا وہ ہابیل تھا۔ اسی وجہ سے قابیل اس کے دفن کرنے کے طریقہ کو نہیں جان سکا۔

(الجامع الاحکام القرآن ج:3، ص:97 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ کا خلاصہ

فقیر نے حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اب آخر میں قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے مختصر خلاصہ ذکر کرتا ہوں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی مرحلہ وار تخلیق

ابو القاسم علی بن رکن بن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اپنی پسندیدہ چیز پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق عرش پر مستوی ہوا۔

اور فرشتوں سے فرمایا

میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو مٹی لینے کے لئے زمین پر بھیجا۔
زمین نے کہا:
میں اس بات سے تم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتی ہوں کہ مجھ سے کوئی چیز کم کی جائے یا میری کوئی چیز خراب کی جائے۔
حضرت جبرائیل علیہ السلام لوٹ آئے اور مٹی نہیں لی۔
اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا
یارب عزوجل! اس سے مجھ سے پناہ طلب کی اور میں نے اس کو پناہ دے دی پھر حضرت میکائیل علیہ السلام کو بھیجا۔ اس نے بھی اس طرح کہا وہ بھی لوٹ آئے۔ پھر حضرت عزرائیل علیہ السلام کو بھیجا اس نے ان سے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی۔
انہوں نے کہا:
اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرائے بغیر لوٹ جاؤں۔ انہوں نے زمین کے ہر خطہ سے مٹی لے کر جمع کی اور اس کو خلط ملط کر دیا۔ اس میں سرخ مٹی بھی تھی اور سفید بھی۔ یہی وجہ ہے کہ بنو آدم مختلف رنگ کے ہیں۔ وہ اس مٹی کو لے کر اوپر چڑھے اور اس کو گیلا کر دیا پھر اس گندھی ہوئی مٹی کو پڑا رہنے دیا حتیٰ کہ وہ سڑ گئی۔
جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا
وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ (الحجر: 26)
اور بے شک ہم نے انسان کو بجتی ہوئی خشک مٹی سے بنایا جو پہلے سیاہ بدبودار گارا تھی۔
اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے بنایا تا کہ ابلیس کو ان سے بڑا نہ سمجھے اور وہ جمعہ کے دن چالیس سال کے عرصہ تک بشر کی صورت میں پتلا بنے ہوئے پڑے رہے۔ فرشتے ان کو دیکھ کر خوف زدہ ہوتے تھے اور ابلیس سب سے زیادہ خوف زدہ ہوتا تھا۔ اس پتلے کو مارنے سے ایسی آواز آتی تھی جیسے مٹکے کو مارنے سے آواز آتی ہے۔
اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ (الرحمن: 14)
اس نے انسان کو ٹھیکری کی طرح بجتی ہوئی مٹی سوکھی مٹی سے بنایا۔
ابلیس کہتا تھا
اس کو کس لئے بنایا گیا ہے۔
اس نے فرشتوں سے کہا
اس سے مت ڈرو یہ اندر سے کھوکھلا ہے اگر مجھ کو اس پر مسلط کر دیا گیا تو میں اس کو ہلاک کر دوں گا۔ جب اس میں روح پھونکنے کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

حضرت آدم علیہ السلام ان کے پاس گئے اور کہا

السلام علیکم

انہوں نے کہا:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

پھر حضرت آدم علیہ السلام کے پاس گئے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

انہوں نے کیا کہا حالانکہ اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

اے رب عزوجل! میں نے ان کو سلام کیا

انہوں نے کہا:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اے آدم (علیہ السلام) یہ تمہارا اور تمہاری اولاد کے سلام کرنے کا طریقہ ہے۔

(الدر المنثور: ج:1،ص:48 مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

جمعہ دن پیدائش

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش جمعہ کے دن ہوئی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوا جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن آپ علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا اور اسی دن آپ علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی اور اسی دن آپ علیہ السلام کی روح قبض کی گئی اور اسی دن قیامت ہوگی۔

(سنن نسائی: کتاب الجمعۃ: باب ذکر الساعۃ ص:113 رقم الحدیث:1430)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذ ر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار ہے اور باقی دنوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں عظمت والا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس کی عظمت عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر سے بھی بڑھ کر ہے۔

اسی دن پانچ خصلتیں پائی جاتی ہیں۔

(1) اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا

(2) اور اسی دن انہیں وفات دی

(3) اور اسی دن میں ایک ساعت ایسی ہوتی ہے جس میں بندہ اللہ تعالیٰ سے جو بھی سوال کرے وہ اسے عطا فرما دیتا ہے تک کہ وہ کسی حرام چیز کا سوال نہیں کرتا۔

(4) اور اسی دن قیامت برپا ہوگی۔

(5) کوئی مقرب فرشتہ، آسمان، زمین، ہوا، پہاڑ اور سمندر ایسا نہیں ہے جو جمعہ کے دن سے نہ ڈرتا ہو۔

(ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیہا: باب فی فضل الجمعۃ ص:344، ج:1، رقم:1084)

حضرت آدم علیہ السلام کو اولاد کا دکھانا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو قیامت تک ان کی اولاد کی پیدا ہونے روحیں ان کی پشت سے جھڑ گئیں اور ان میں سے ہر انسان کی دونوں آنکھوں کے سامنے نور کی شعاعیں تھیں۔ پھر ان لوگوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا:

اے میرے رب عزوجل! یہ کون لوگ ہیں۔

ارشاد فرمایا

یہ تمہاری اولاد ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا وہ شخص اور اس کی نور کی شعاعیں انہیں اچھی لگیں۔

پوچھا

اے میرے رب عزوجل! یہ کون شخص ہیں۔

ارشاد فرمایا۔

یہ تمہاری اولاد کے آخری لوگوں میں سے ایک شخص ہے اس کا نام داؤد ہے۔

کہا
اے میرے رب عزوجل تو نے ان کی کتنی عمر مقرر کی ہے۔
ارشاد فرمایا
ساٹھ سال
کہا
اے میرے رب عزوجل! میری عمر میں سے اس کی عمر کے چالیس سال زیادہ کردے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کی
ں ہوگئی تو ان کے پاس ملک الموت آئے۔
کہا
کیا میری عمر میں سے ابھی چالیس سال باقی نہیں ہیں۔
انہوں نے کہا:
یہ چالیس سال آپ نے اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دیئے تھے؟
حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کردیا سوان کی اولاد نے بھی انکار کردیا اور حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے۔ سوان
اولاد بھی بھول گئی اور حضرت آدم علیہ السلام نے (اجتہادی) خطا کی سوان کی اولاد نے بھی خطا کی۔
(سنن الترمذی ج:5، رقم الحدیث:3087)

حضرت آدم علیہ السلام کا علم

حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کا علم عطا فرمایا گیا۔
حضرت ابن عباس، عکرمہ، قتادہ اور ابن جبیر رضی اللہ عنہم نے (وعلم ادم الاسماء) کی تفسیر میں یوں بیان فرمایا ہے۔
اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو چھوٹی بڑی تمام اشیاء کے سب کے نام سکھائے۔
(ضیاء القرآن، عربی، ص:47، ج:1 ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)
اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے۔
تفسیر مظہری میں ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت مجاہد و حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا
آپ علیہ السلام کو ہر چیز کا علم سکھا دیا۔ یہاں تک کہ پیالہ اور پیالی کا علم بھی سکھا دیا۔
(تفسیر مظہری، ص:59، ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)
اور تفسیر درمنثور میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام نام سکھا دیئے۔
(تفسیر درمنثور: ج:1، ص:111 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)
اور تفسیر خازن میں ہے۔
آپ علیہ السلام کو ہر چیز کے اسماء کا نام سکھایا گیا۔
(تفسیر خازن: ج:1، ص:44 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)
اور تفسیر خازن میں ہے۔
حضرت سعید بن جبیر اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔
آپ علیہ السلام کو ہر چیز کا علم سکھایا گیا۔
(تفسیر ابن کثیر: ج:1، ص:205 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

...وں کا سجدہ کرنا

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمادیا تو فرشتوں کو حکم دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو تمام ...ں نے سجدہ کیا مگر ابلیس لعین نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔
قرآن مجید میں ہے:
فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ○ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ○ (ص: 73، 74)
سب کے سب فرشتوں نے اکٹھے ہو کر سجدہ کیا سوائے ابلیس کے اس نے تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔
اس آیت کریمہ میں پہلے فرمایا: فسجد الملائکۃ، فرشتوں نے سجدہ کیا؛ الملائکۃ جمع کا صیغہ ہے لیکن اگر چند فرشتے سجدہ کر ...ور سب فرشتے سجدہ نہ کرتے پھر بھی جمع کے صیغہ کا اطلاق درست تھا۔ اس لئے اس کے بعد کلھم فرمایا تا کہ ظاہر ہو کہ سب ...ب فرشتوں نے سجدہ کیا ہے لیکن اگر سب فرشتوں میں سے پہلے کچھ فرشتے سجدہ کرتے اور بعد میں کچھ اور فرشتے سجدہ ...ے اور متفرق اوقات میں سب فرشتے سجدہ کرتے تب بھی یہ بات صادق آتی کہ سب رشتوں نے سجدہ کیا ہے۔ اس لئے ...ے بعد اجمعون فرمایا تا کہ معلوم ہو کہ سب فرشتوں نے اکٹھے ہو کر اور یہ یک وقت سجدہ کیا ہے۔
ابلیس اپنی نوع اور حقیقت کے اعتبار سے جن ہے۔
قرآن مجید میں ہے:
كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ (الکہف: 50)
...ہ جنات میں سے تھا سو اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی لیکن چونکہ وہ فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا۔ اس لئے اس کو ...کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس سے پہلے اس کا نام عزازیل اور الحارث تھا۔ بعد میں جب وہ راندہ درگاہ ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی

رحمت سے مایوس ہو گیا تو پھر اس کا نام ابلیس ہو گیا۔ کان من الکافرین کا معنی ہے وہ کافروں میں سے تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ازلی میں وہ کافروں میں سے تھا۔ یہ کان صار کے معنی میں یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے انکار کی وجہ سے وہ کافروں میں سے ہو گیا اور جو فرشتوں سے سجدہ کرایا گیا کون سی قسم کا تھا اس کے بارے میں مفتی احمد یار نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر نعیمی میں فرمایا ہے۔

یہ سجدہ تعظیمی تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کے لئے ہی تھا۔ پہلی شریعتوں میں جائز تھا۔ ہمارے اسلام میں منسوخ ہو گیا اب رب عزوجل کے سوا کسی کو کسی قسم کا سجدہ جائز نہیں۔ یہی قول صحیح ہے اور اس کی قرآنی آیت اور احادیث صحیحہ سے تائید ہے۔

(تفسیر نعیمی پارہ اول ص: 287 نعیمی کتب خانہ لاہور)

سجدہ کرنے میں ترتیب کا لحاظ ہے یا نہیں۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں۔

سب سے پہلے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے سجدہ کیا اور سجدہ میں جھکے۔

پھر حضرت میکائیل علیہ السلام

پھر حضرت عزرائیل علیہ السلام

پھر سارے فرشتے (سجدہ کے لئے جھکے)

اس لئے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو سب سے بڑا درجہ عطا فرمایا گیا۔

یعنی خدمت انبیاء کرام علیہم السلام

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ

سب سے پہلے حضرت اسرافیل علیہ السلام نے سجدہ کیا۔ اس لئے ان کی پیشانی پر سارا قرآن لکھ دیا گیا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل ص: 287 نعیمی کتب خانہ لاہور)

سجدہ کتنا عرصہ رہا اور کتنا لمبا رہا۔

بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ

یہ سجدہ ظہر کے وقت سے عصر تک رہا۔

دوسرا قول یہ ہے:

ملائکہ سو برس سجدہ کرتے رہے۔

اور تیسرا قول یہ ہے:

پانچ سو برس تک سجدہ میں رہے۔
ان باتوں کو اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے کہ
اوّلاً فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا جس کا شیطان نے انکار کیا یہ سجدہ تھوڑی دیر تک رہا۔ پھر انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا کہ شیطان حضرت آدم علیہ السلام کی طرف پیٹھ پھیرے کھڑا ہے تب انہوں سے دوسرا سجدہ کیا اس سجدے کی توفیق کے شکریے میں ادا کیا۔ یہ سجدہ اللہ تعالیٰ کے لئے تھا اور سجدہ شکر تھا پھر جب سر اٹھایا تو انہوں نے دیکھا کہ شیطان پہلے بہت خوبصورت تھا لیکن اب اس کی شکل مسخ ہو کر جسم خنزیر کا سا اور چہرہ بندر کا سا ہو گیا۔ تب انہوں نے ہیبت الٰہی عزوجل سے ایک اور سجدہ کیا۔ یہ تینوں سجدے حضرت آدم علیہ السلام ہی کی طرف تھے مگر تین قسم کے اور ان کی مدتیں علیحدہ علیحدہ۔
(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل: ص: 287 تا 288 نعیمی کتب خانہ لاہور)

شیطان کا سجدے سے انکار

اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو تمام ملائکہ عظام نے سجدہ کیا مگر شیطان لعین چونکہ بد بخت تھا۔ اس لئے اس نے سجدے سے انکار کر دیا۔
قرآن مجید میں ہے:
فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ○ (بقرہ: 34)
تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا۔
شیطان نے تین وجہوں سے تکبر کیا اور سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔
(1) لیک یہ کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں وہ خاک سے آگ خاک سے افضل ہے اور جو افضل سے پیدا ہو وہ بھی افضل لہٰذا میں حضرت آدم علیہ السلام سے افضل ہوں۔
(2) دوسرے یہ کہ میں ہزاروں سال عبادت میں مشغول رہا۔ آدم علیہ السلام نے ابھی کوئی عبادت نہیں کی لہٰذا میں ان سے افضل۔
(3) تیسرے یہ کہ میں نے دنیا میں بڑے بڑے کام انجام دیئے جیسے زمین کو جنات سے خالی کرانا وغیرہ۔ انہوں نے اب تک کوئی مشقت نہ اٹھائی لہٰذا میں ان سے افضل۔ حق تعالیٰ نے میری ناقدری کی اور سالہا سال کا حق خدمت برباد کر دیا۔ اس لئے سجدے سے انکاری ہو گیا۔
(تفسیر نعیمی پارہ اوّل: ص: 289 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت آدم علیہ السلام جنت میں

جب سارے فرشتوں نے سجدہ کیا اور شیطان بد بخت و لعین نے انکار کیا کہ میں بشر کو سجدہ کروں ایسا نہیں ہو سکتا تب اللہ

تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رہنے کا حکم دیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ قُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ (البقرہ: 35)

اور ہم نے فرمایا! اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور اس جنت میں سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ اور اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم حد سے بڑھنے والوں میں شمار ہوں گے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رکھا اور تمام نعمتیں عطا فرمائیں۔

علامہ ابن عطیہ لکھتے ہیں:

جنت اس باغ کو کہتے ہیں جس کے گرد باڑ ہو جس جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کو رکھا گیا تھا۔

اس میں اختلاف ہے کہ

آیا وہ جنت الخلد تھی یا ان کے لئے کوئی باغ تیار کیا گیا تھا۔

جو یہ کہتے ہیں کہ وہ جنت الخلد نہیں تھی۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ

جو جنت الخلد میں داخل ہو جائے وہ اس لئے نہیں نکلتا اور یہ محال ہے۔

البتہ احادیث مبارکہ میں یہ ہے کہ

جو بطور ثواب کے جنت میں داخل ہوا وہ اس سے نہیں نکلے گا اور جو حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ابتداء جنت میں داخل ہوا اس کا جنت سے نکلنا محال نہیں ہے اور اس کے متعلق احادیث میں یہ نہیں ہے کہ وہ نہیں نکلے گا۔

(المحرر الوجیز ج:1، ص:182 مطبوعہ مکہ مکرمہ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

معتزلہ اور قدریہ کا یہ نظریہ ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو جنت الخلد میں رہنے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ ان کو عدن کے ایک باغ میں رہنے کا حکم دیا تھا۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ

جنت الخلد میں ابلیس نہیں جا سکتا کیونکہ جنت الخلد کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ○ (الواقعہ: 25)

وہ اس میں کوئی بے ہودہ بات نہ سنیں گے نہ گناہ کی بات۔

اور ارشاد فرمایا

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ۝ (النباء: 35)

وہ اس میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے نہ جھوٹی بات۔

اور فرمایا:

لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ۝ (الحجر: 48)

انہیں وہاں نہ کوئی تکلیف پہنچے گی نہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔

وہ کہتے ہیں کہ ابلیس نے جنت میں جھوٹ بولا اور بے ہودہ بات کی اور حضرت آدم و حضرت حوا علیہما السلام کو ان کی معصیت کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

جنت کی یہ صفت اس وقت ہوگی جب قیامت کے بعد لوگ طور جزا کے جنت میں داخل ہوں گے اور یہ جنت دار الخلد ان لوگوں کے لئے ہوگی جن کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ رکھنا چاہے گا اور جن کے لئے موت مقدر کر دی گئی ہے۔ وہ جنت میں داخل ہوئے کے بعد اس سے نکل آئیں گے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج جنت میں گئے اور پھر باہر آئے۔

اور حضرت آدم علیہ السلام کے معروف جنت میں داخل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا

آپ علیہ السلام وہ آدم علیہ السلام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور آپ علیہ السلام میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی اور اپنے فرشتوں سے سجدہ کرایا اور آپ علیہ السلام کو اپنی جنت میں رکھا۔ پھر آپ علیہ السلام نے اپنی خطا کی وجہ سے لوگوں کو زمین پر اتارا۔

(صحیح مسلم: ج:2، ص:335)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو دار الخلد میں رکھا۔

(الجامع الاحکام القرآن ج:1، ص:302 مطبوعہ ایران)

میں کہتا ہوں کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو جنت الخلد میں رکھا گیا جس پر نص قرآنی موجود ہے

اور قرآن کی صریح آیت مبارکہ موجود ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ قُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ (بقرہ: 35)

ہم نے کہا: اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت الخلد میں رکھا۔

حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت حوا علیہا السلام کا نکاح مبارک

حضرت آدم علیہ السلام کا نکاح حضرت حوا علیہا السلام سے کس طرح ہوا۔

اور حضرت حوا علیہا السلام کیسے پیدا ہوئیں۔

حافظ ابو القاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر کئی صحابہ کرام علیہم الرضوان سے روایت کرتے ہیں کہ ابلیس کو جنت سے نکالا گیا اور اس پر لعنت کی گئی اور حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رکھا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں گھبراتے تھے اور ان کی کوئی بیوی نہیں تھی جس سے وہ سکون حاصل کرتے۔ ایک دن وہ سو گئے بیدار ہوئے تو ان کے سرہانے ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی جس کو اللہ عزوجل نے ان کی پسلی سے پیدا کیا تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے ان سے پوچھا

تم کون ہو

اس نے کہا:

میں ایک عورت ہوں۔

آپ علیہ السلام نے پوچھا:

تمہیں کیوں پیدا کیا گیا ہے۔

اس نے کہا:

تاکہ آپ علیہ السلام مجھ سے سکون حاصل کریں۔

فرشتوں نے پوچھا:

اے آدم علیہ السلام! اس کا نام کیا ہے۔

انہوں نے کہا:

اس کا نام حواء ہے۔

فرشتوں نے پوچھا:

آپ علیہ السلام کا نام حوا کیوں رکھا۔

انہوں نے کہا:

کیونکہ یہ حی (زندہ) سے پیدا کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اور ہم نے فرمایا! اے آدم علیہ السلام! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور اس سے فراخی سے کھاؤ جہاں سے چاہو اور تم دونوں اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

(مختصر تاریخ دمشق ج:4، ص:233 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تفسیر نعیمی میں یہ واقعہ اس طرح ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام تنہا زمین پر پھرتے تھے اور ہر جانور کو اپنا غیر جنس دیکھ کر گھبراتے تھے اور تمنا کرتے تھے کہ کاش کوئی میرا ہم جنس ہوتا جس سے مجھے انس حاصل ہوتا دوسرے جمعہ کو حضرت آدم علیہ السلام سو رہے تھے کہ فرشتوں نے ان کی بائیں پسلی چاک کی جس سے انہیں کچھ تکلیف نہ ہوئی اور اس سے آناً فاناً ایک نہایت خوب صورت عورت بنائی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی کی چاک ہوئی پسلی کو ملایا گیا۔ جب وہ بھاگے تو اپنا ہم جنس اپنے پاس بیٹھا ہوا دیکھا۔

پوچھا

تم کون ہو

ندا آئی

یہ ہماری بندی ہے تمہاری وحشت دور کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول، ص:290 نعیمی کتب خانہ لاہور)

جب حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے پاس حضرت حوا علیہا السلام کو موجود پایا تو اسے ہاتھ لگانا چاہا تو حکم ہوا کہ اس کا مہر ادا کرو۔

عرض کیا

اے خالق باری تعالیٰ اس کا مہر کیا ہے۔

ارشاد فرمایا

میرے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر دس بار درود شریف پڑھو (دوسری جگہ سترہ بار درود پڑھنے کا فرمایا، تفسیر نعیمی پارہ:4، ص: 50) چنانچہ فرشتوں کی گواہی سے حضرت آدم علیہ السلام کا نکاح ہو گیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے چاہا کہ ان کو ہاتھ لگائیں۔

حکم ہوا کہ

اے آدم علیہ السلام پہلے ان کا مہر ادا کرو پھر ہاتھ لگانا۔
عرض کیا گیا کہ
مولیٰ عزوجل! مہر کیا ہے۔
ارشاد فرمایا
میرے نبی مکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر دس بار درود شریف پڑھو اور فرشتوں کی گواہی سے ان کا نکاح ہوا۔
(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل، ص:290 نعیمی کتب خانہ لاہور)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا حضرت حوا علیہا السلام سے نکاح فرشتوں کی گواہی میں ہوا اور جن کا فرشتوں کی گواہی میں نکاح ہوا ہو تو اس متبرک نکاح کی کیا برکتیں ہوں گی اور اس نکاح کا کیا عالم ہوگا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو ممنوعہ درخت سے منع کیا جانا

حضرت آدم علیہ السلام کو کس درخت سے منع کیا گیا اور وہ کون سا درخت تھا۔
اس بارے میں علماء کرام کے چند اقوال ہیں۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
اس میں چار روایتیں ملتی ہیں۔

(1) ایک یہ گیہوں کا درخت تھا اور جنت کا گیہوں بیل کے گردے کے برابر تھا اور شہد سے زیادہ میٹھا اور مکھن سے زیادہ نرم اور لذیذ تھا چونکہ اس گیہوں کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام جنت سے باہر تشریف لائے اسی لئے ان کی اکثر اولاد کا رزق گیہوں قرار دیا گیا اور یہ گیہوں ہی تمام مصیبتوں کی جڑ ہے چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی آزمائش مقصود تھی۔ اس لئے جنت میں اسی وقت یہ درخت تھا آئندہ وہاں صرف پھل فروٹ کے درخت ملیں گے، گندم وغیرہ دانہ کے پودے نہ ہوں گے کیونکہ غذا ہی ہے وہاں غذا کی ضرورت نہیں لذت کے لئے میوے ہوں گے۔

(2) دوسری روایت یہ ہے کہ
وہ درخت انگور تھا اسی لئے دنیا میں انگور کی شراب وغیرہ حرام کی گئی۔

(3) تیسری روایت یہ ہے کہ
وہ درخت انجیر تھا۔ اسی لئے حضرت آدم علیہ السلام اپنے جسم مبارک پر انجیر کے پتے لپیٹ کر جنت سے باہر تشریف لائے۔

(4) چوتھی روایت یہ ہے کہ
وہ کوئی ایسا درخت تھا کہ جس کے کھانے سے پائخانہ کی حاجت ہوتی تھی اور جنت ان گندگیوں سے پاک ہے وہاں سارے کھانے ڈکار سے ہضم ہوتے ہیں۔

تو فرمایا گیا کہ
اب تم وہاں جاؤ جہاں تمہاری ضرورت ہو (رفع حاجت) پوری ہو سکے مگر ان سب میں ترجیح پہلی روایت یعنی گیہوں والی ہے۔
یہی حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔
(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل: ص: 296 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت آدم علیہ السلام کو ممنوعہ درخت کھانے سے بھول ہوئی

حضرت آدم علیہ السلام سے بھول ہوئی کہ کون سا درخت ممنوعہ ہے۔
حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا
اے آدم (علیہ السلام) تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جنت سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ اور اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ اس وقت ابلیس نے ان دونوں کے پاس جنت میں جانے کا ارادہ کیا جنت کے محافظوں نے اس کو جانے نہیں دیا۔ اس وقت سانپ اونٹ کی طرح ایک چوپایہ تھا اور بہت حسین جانور تھا۔
ابلیس نے ان سے کہا:
وہ اس کو اپنے منہ میں رکھ کر جنت میں لے جائے، سو سانپ ابلیس کو اپنے منہ میں رکھ کر چلا گیا اور جنت کے محافظوں کو پتا نہیں چلا۔

پھر ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا
کیا میں تم کو ایسا درخت نہ بتاؤں جس کو کھانے کے بعد تم دونوں فرشتوں کی طرح ہو جاؤ گے یا ہمیشہ زندہ رہنے والے ہو جاؤ گے اور تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی۔
اور قسم کھا کر کہا کہ
وہ ان کی خیر خواہی کر رہا ہے حالانکہ اس کا ارادہ یہ تھا کہ ان کا ستر کھل جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کیا تو حضرت حوا علیہا السلام نے آگے بڑھ کر اس درخت سے کھالیا۔
اور حضرت آدم علیہ السلام سے کہا
اے آدم (علیہ السلام) اسے کھالو۔ دیکھو میں نے کھایا ہے مجھے کچھ نہیں ہوا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے اسے کھالیا تو دونوں کی شرم گاہیں کھل گئیں اور وہ درخت کے پتوں سے اپنے اپنے جسموں کو ڈھانپنے لگے۔
(جامع البیان ج: 1، ص: 187 مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

مگر امام عبدالرزاق یوں روایت کرتے ہیں۔

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اوران کی زوجہ کو جنت میں رکھا اوران کواس درخت سے منع کیا اس درخت کی شاخیں بہت گھنی تھیں اور فرشتے اپنے دوام اور خلود کے لئے اس درخت سے کھاتے تھے جب ابلیس لعین نے ان کو ورغلانے کا ارادہ کیا تو سانپ کے پیٹ میں داخل ہو گیا۔ اس وقت اونٹ کی طرح سانپ کی چار ٹانگیں تھیں اوروہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں بہت حسین جانور تھا۔ سانپ جنت میں داخل ہوا تو ابلیس اس کے پیٹ سے نکل آیا اوراس نے اس ممنوع درخت سے پھل توڑا اوراس کو حضرت حوا علیہا السلام کے پاس لے کر آیا۔

اوران سے کہا:

یہ دیکھو یہ کیسے درخت کا پھل ہے۔ اس کی خوشبو کیسی عمدہ ہے اس کا کتنا لذیذ ذائقہ ہے اور کتنا حسین رنگ ہے۔ حضرت حوا علیہا السلام نے اس وقت سے کھالیا پھراس کو حضرت آدم علیہ السلام کے پاس لے کر گئیں۔

اور کہا

دیکھیں اس کی کتنی نفیس خوشبو ہے۔ کتنا لذیذ ذائقہ ہے اور کتنا حسین رنگ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے بھی اسے کھالیا پھران دونوں کی شرم گاہیں کھل گئیں۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام (شرم سے) درخت (کی گھنی شاخوں) میں داخل ہو گئے۔

توان کے رب عزوجل نے ندا فرمائی۔

اے آدم (علیہ السلام) تم کہاں ہو؟

انہوں نے کہا:

اے رب عزوجل میں یہاں ہوں۔

ارشاد فرمایا

تم اس سے باہر نہیں آتے۔

عرض کیا

اے اللہ عزوجل مجھے تجھ سے حیاء آتی ہے۔

پھر حضرت حوا (علیہا السلام) سے فرمایا

تم نے میرے بندے کو دھوکا دیا تم کو جب بھی حمل ہوگا تو تم کو تکلیف ہوگی اور جب بھی وضع حمل کا وقت آئے گا تو تمہیں موت کا مزہ آجائے گا۔

اور سانپ سے فرمایا

تم اس ملعون کو اپنے پیٹ میں داخل کر کے لے گئے جس نے میرے بندہ کو دھوکا دیا۔ اب تم پیٹ کے بل چلتے رہو گے اور تمہارا رزق صرف مٹی ہو گی۔ تم بنو آدم کے دشمن رہو گے اور بنو آدم تمہارے دشمن ہوں گے۔ تم ان کو ڈسنے کی کوشش کرو گے اور وہ تم کو پتھروں اور لاٹھیوں سے ہلاک کرنے کی کوشش کریں گے۔

وہب سے کسی نے پوچھا:

کیا فرشتے بھی کھاتے ہیں؟

انہوں نے کہا:

اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

(تفسیر عبدالرزاق: ج:1، ص:316 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام کو شیطان نے لغزش دی

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو ممنوعہ درخت کے پاس جانے سے منع کیا تو شیطان لعین نے حضرت آدم علیہ السلام کو لغزش دی اور حضرت آدم علیہ السلام نے ممنوعہ درخت کو کھالیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْهَا (بقرہ: 36)

• تو شیطان نے انہیں جنت سے لغزش دی۔

شیطان کو جنت سے نکال دیا گیا۔

جب شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جانے سے نکل جانے کا حکم دیا اور شیطان کو جنت سے نکال دیا گیا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا یَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِیْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِیْنَ ۝ (الاعراف: 13)

فرمایا تو یہاں سے اتر جا تجھے یہاں گھمنڈ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، سو نکل جا بے شک تو ذلیل ہونے والوں میں سے ہے۔

☆

جب ابلیس لعین کا تکبر اور حسد اس کے کلام اور عمل سے ظاہر ہو گیا تو رب تعالیٰ نے اس کے دلائل کا جواب نہیں دیا بلکہ اس سے فرمایا: تو اس نورانی جماعت ملائکہ سے یا جنت آسمانوں سے نیچے اتر جا۔ تجھے ان مبارک مجلسوں، مبارک مقامات پر رہ کر غرور و تکبر کرنا کسی طرح جائز نہیں تھا کہ یہ مجلسیں یہ مقامات تو متواضعین، عجز و انکسار کرنے والوں کے لئے ہیں یہاں متکبر لوگ

نہ آسکتے ہیں نہ رہ سکتے ہیں۔
امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری نے لکھا ہے۔
اس کا معنی یہ ہے کہ
جنت سے اتر جا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلہ میں تکبر کرنے والا یہاں نہیں رہتا۔
(جامع البیان: ج: 8، ص: 174 مطبوعہ دار الفکر بیروت)
علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:
ایک تفسیر یہ ہے کہ
تو آسمان سے اتر جا کیونکہ آسمان میں رہنے والے وہ فرشتے ہیں جو متواضع ہیں۔
دوسری تفسیر یہ ہے کہ
تو اپنی موجودہ صورت سے دوسری صورت میں منتقل ہو جا کیونکہ تو نے آگ کی صورت پر فخر اور تکبر کیا سو اس کی صورت تاریک اور سیاہ بنادی گئی اور اس کی روشنی اور چمک زائل ہوگئی۔
تیسری تفسیر یہ ہے کہ
زمین سے سمندروں کے جزیروں کی طرف منتقل ہو جا اور اب وہ زمین میں صرف اس طرح ہو سکے گا جس طرح چور داخل ہوتے ہیں۔
(جامع الاحکام القرآن: ج: 7، ص: 156 مطبوعہ دار الفکر بیروت)
امام فخر الدین رازی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ
شیطان جنت عدن میں رہتا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اس جنت میں پیدا کیا گیا تھا اور ابلیس کو اسی جنت سے نکلنے کا حکم دیا گیا تھا۔
(تفسیر کبیر ج: 5، ص: 210 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام کی زمین پر تشریف آوری

جب حضرت آدم علیہ السلام نے بھول کر ممنوعہ درخت کھالیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم سب کے سب نیچے اتر جاؤ۔ تمہارا وہیں ٹھکانہ ہے۔
قرآن مجید میں ہے:
وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○ (بقرہ: 36)
ہم نے فرمایا تم نیچے اترو تم میں سے بعض، بعض کے دشمن ہوں گے اور تمہارے لئے زمین میں ایک وقت مقررہ تک

ٹھکانہ اور فائدہ اٹھانا ہے۔

اس آیت کریمہ میں حضرت آدم و حضرت حوا علیہا السلام کو زمین پر آنے کا حکم دیا گیا ہے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر نعیمی میں فرماتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے تشریف آوری کا واقعہ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ اور محدثین و مورخین سے

ت ہے۔

وہ یہ ہے کہ

حضرت حوا علیہا السلام نے پہلے وہ دانہ خود کھایا پھر حضرت آدم علیہ السلام کو کھلا دیا اس کھانے کا اثر یہ ہوا کہ ان کے جسموں جنتی لباس جاتا رہا اور وہ حضرات برہنہ رہ گئے۔ مارے شرم کے انجیر کے درخت کے پتوں سے اپنے جسموں کو چھپانے ۔اسی حالت میں رب عزوجل کی طرف سے ندا آئی کہ حضرت آدم و حضرت حوا علیہا السلام کیا ہم نے تم کو اس درخت سے منع تھا اور کیا تم سے نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے اور اس کے فریب میں نہ آنا، یہ حضرات عذر کے سوا اور کیا عرض کر تھے۔

پھر فرشتوں کو حکم ہوا کہ

ان سب کو زمین پر اتار دو چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو ہندوستان میں شہر سراندیپ کے اس پہاڑ پر اتارا گیا جس کو نود ہیں اور حضرت حوا علیہا السلام کو ساحل عرب پر جدے میں اور مور کو مرج الہند میں اور شیطان کو جنگل میسان میں جو کہ بصرہ کچھ فاصلے پر ہے یا جہاں آج یاجوج ماجوج کی دیوار قائم ہے، سانپ کو بجستان یا اصفہان میں اسی لئے وہاں اب بھی سانپ ہوتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو کھیتی باڑی کرنے اور معاش حاصل کرنے کی تکلیف دی گئی اور حضرت حوا علیہا السلام ں وحمل اور کم عقلی اور نقصان میراث ملی۔ سانپ کے پاؤں غائب کر دیئے گئے اور اس کو پیٹ کے بل چلایا گیا، اس کی غذا اردی گئی، مور کے پاؤں بدتر شکل کر دیئے گئے۔ ابلیس کی صورت مسخ کر دی گئی اور نہایت رسوا کر کے دنیا میں رکھا گیا۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

ہندوستان کی زمین اس لئے ہری بھری ہے اور عود اور قرنفل وغیرہ خوشبوئیں اس لئے وہاں پر پیدا ہوتی ہیں کہ حضرت آدم سلام جب زمین پر اترے تو ان کے جسم میں جنتی درخت کے پتے تھے اور پتے ہوا سے اڑ کر جس درخت پر پہنچے وہ ہمیشہ کے خوشبودار ہو گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام جنت سے مختلف قسم کے بیج اور تین قسم کے پھل اور حجر اسود، سیاہ پتھر جواب خانہ کعبہ ہوا ہے اور وہ عصا جو بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں آیا جس کی لمبائی دس گز تھی۔ اپنے ساتھ لے آئے تھے اور اچاندی اور کچھ کھیتی باڑی کے اوزار بھی ساتھ لائے۔ حضرت آدم علیہ السلام اس قدر گریہ زاری میں مشغول ہوئے کہ ان

ہاتھ سے محفوظ رہا اس کا نفع برقرار رہا اور سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ تین قسم کے جنتی میوے آئے۔

(1) ایک وہ جو پورے کھالئے جاتے ہیں۔

(2) دوسرے وہ جن کا اوپری حصہ کھالیا جاتا ہے اور گٹھلی پھینک دی جاتی ہے۔ جیسے خرما وغیرہ

(3) تیسرے وہ جن کا اوپری چھلکا پھینک دیا جاتا ہے اور اندرونی حصہ کھالیا جاتا ہے۔

صحیح روایت میں ہے کہ

ان کے ساتھ لوہے کے اوزار بھی تھے۔

(1) ایک سنڈاسی جس سے لوہے کے اوزار پکڑتے ہیں۔

(2) دوسرے ہتھوڑا

(3) تیسرے ایرن۔

نیز حجر اسود جب جنت سے آیا تو اس کی روشنی کئی میل تک جاتی تھی۔ جہاں اس کی شعاعیں پہنچتی تھیں۔ اسی حد تک حرم حدیں قائم ہوئیں نیز حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں آکر بہت وحشت اور گھبراہٹ ہوئی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام بحکم الٰہی عزوجل زمین پر تشریف لائے اور بلند آواز سے اذان کہی۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے اذان میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنا تو تب ان کی وحشت دور ہوئی۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول ص 304، 305 نعیمی کتب خانہ لاہور)

علامہ ابو جعفر طبری لکھتے ہیں:

حضرت آدم علیہ السلام کے آسمانوں اور جنت میں ٹھہرنے کی مدت دنیاوی سالوں کے اعتبار سے تینتالیس سال ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

یہ مدت پانچ سو سال ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو ہند میں اور حضرت حوا علیہا السلام کو جدہ میں اتارا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام ان کی طلب میں گئے اور میدان عرفات میں دونوں کی ملاقات ہوئی۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

حضرت آدم علیہ السلام ایک سو سال تک حضرت حوا علیہا السلام سے مقارب نہیں ہوئے۔ زمین پر آنے کے بعد اولاد اور ابلیس اور اولاد آدم اور سانپ میں اس وقت سے دشمنی چلی آرہی ہے۔

(جامع البیان ج:1 ص:80، 81، 89 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

توسل نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم توبہ مقبول

حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے چند کلمات سیکھ لئے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی توبہ کو قبول فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيۡهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ○ (بقرہ: 37)

پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

بے شک وہی توبہ قبول فرمانے والا بے حد رحیم ہے۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

اے رب عزوجل! کیا تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا نہیں کیا؟

ارشاد فرمایا

کیوں نہیں

کہا

کیا تو نے مجھ میں اپنی پسندیدہ روح نہیں پھونکی۔

ارشاد فرمایا

کیوں نہیں

کہا

کیا تو نے مجھے اپنی جنت میں نہیں رکھا

ارشاد فرمایا

کیوں نہیں

عرض کیا

اے رب عزوجل! کیا تیری رحمت غضب پر غالب نہیں ہے۔

ارشاد فرمایا

کیوں نہیں

عرض کیا

یہ بتا اگر میں توبہ کروں اور اصلاح کروں تو کیا مجھے اپنی جنت کی طرف لوٹا دے گا۔
ارشاد فرمایا'
ہاں
قتادہ اور حسن نے کہا: وہ کلمات یہ ہیں۔
رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ○ (الاعراف)
اے رب عزوجل ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔
(جامع البیان: ج:1، ص:193 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)
حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں
حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا۔
اے ہمارے رب عزوجل! اگر میں تجھ سے توبہ اور استغفار کروں۔
ارشاد فرمایا
پھر میں تمہیں جنت میں داخل کر دوں گا اور رہا ابلیس تو اس نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کا سوال نہیں کیا بلکہ مہلت کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو وہ چیز عطا فرمادی جس کا اس نے سوال کیا تھا۔
ضحاک نے بیان کیا کہ
اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جن کلمات کی تلقین کی تھی وہ یہی تھے۔
رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ○
(جامع البیان جز:8، ص:190 دار الفکر بیروت)
امام طبرانی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ
حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب حضرت آدم علیہ السلام نے (صورۃً) گناہ کر لیا تو انہوں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا۔
اور عرض کیا
میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میری مغفرت فرما۔
اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

تیرا نام برکت والا ہے جب تو نے مجھے پیدا کیا تو میں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا تو اس میں لکھا ہوا تھا۔

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

تو میں نے جان لیا کہ تیرے نزدیک اس شخص سے زیادہ بلند مرتبہ کوئی شخص نہیں ہوگا۔ جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی کی۔

اے آدم علیہ السلام! وہ تمہاری اولاد میں سے تمام نبیوں کے آخر ہیں اور ان کی امت تمہاری اولاد کی امتوں میں سے آخری امت ہے اور اگر وہ نہ ہوتے اے آدم علیہ السلام تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔

(المعجم الصغیر: ج:2، ص:83 مطبوعہ سلفیہ مدینہ منورہ)

حافظ ابن کثیر نے اس حدیث مبارکہ کو حاکم، بیہقی اور ابن عساکر کے حوالے سے لکھا ہے اور اس کے آخر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اے آدم علیہ السلام! تم نے سچ کہا، یہ مجھے مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہیں اور جب تم نے ان کے وسیلے سے سوال کیا ہے تو میں نے تم کو بخش دیا اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:81 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

امام ابن المنذر، محمد بن علی بن حسین بن علی ابن ابی طالب سے روایت کرتے ہیں کہ

جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوگئی تو ان کو بہت رنج ہوا اور شدید ندامت ہوئی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ علیہ السلام کے پاس آئے۔

اور کہا

اے آدم علیہ السلام! کیا آپ علیہ السلام کو توبہ کا دروازہ بتاؤں جس سے اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کی توبہ قبول کرلے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

کیوں نہیں

کہا

آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے مناجات کریں اور اللہ تعالیٰ حمد وثناء کریں۔

آپ علیہ السلام نے کہا:

اے جبرائیل علیہ السلام! میں کیا کہوں۔
انہوں نے کہا:
آپ علیہ السلام کہیے۔
ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اس کا اس کا ملک اور اس کے لئے حمد ہے وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے وہ زندہ ہے اور اس کو موت نہیں آئے گی۔ تمام اچھائیاں اس کی قدرت میں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کے بعد آپ علیہ السلام اپنی خطاء پر توبہ کریں
اور کہیں
اے اللہ عزوجل! تو سبحان ہے اور تیری حمد ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔
اے رب عزوجل! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور برا کام کیا تو مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخشے گا۔
اے اللہ عزوجل! میں تجھ سے تیرے بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کے وسیلہ سے اور ان کی تیرے نزدیک کرامت کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ تو میری خطا کو بخش دے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس طرح دعا کی۔
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
اے آدم (علیہ السلام) تم کو یہ دعا کس نے تعلیم دی۔
حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:
اے اللہ عزوجل! جب تو نے مجھ میں روح پھونکی اور میں ہموار بشر کی صورت میں کھڑا ہوا تو میں نے عرش پر یہ لکھا ہوا دیکھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اور جب میں نے دیکھا کہ تیرے نام کے ساتھ کسی مقرب فرشتے کا نام لکھا ہے نہ کسی نبی مرسل کا تو میں نے جان لیا کہ یہ تیرے نزدیک تیری مخلوق میں سب سے مکرم ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا
تم نے سچ کہا اور میں نے تمہاری خطا کو بخش دیا۔
پھر حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل کی حمد وثناء کی اور اس کا پھر حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل کی حمد وثناء کی اور اس کا شکر ادا کیا اور بہت خوش ہو کر لوٹے اور فرشتوں نے فوج در فوج آ کر حضرت آدم علیہ السلام کو مبارک دی۔

(الدرالمنثور ج:1، ص:60 مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

خواجہ عبداللہ انصاری لکھتے ہیں:
روایت ہے کہ
حضرت آدم علیہ السلام نے عرش پر "لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ" لکھا ہوا دیکھا تھا جب ان سے لغزش ہوگئی تو
ں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کی۔
اور کہا
اے اللہ عزوجل! مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وسیلہ سے معاف فرما۔
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا
تم نے ان کو کیسے پہچانا جو ان کے وسیلہ سے دعا کی۔
عرض کیا
جب میں نے تیرے عرش کے ساتھ ان کا نام لکھا ہوا دیکھا تو جان لیا کہ یہ بندہ تجھے بہت محبوب ہے۔
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا
میں نے تمہیں بخش دیا۔
(کشف الاسرار وعدۃ الابرار ج:1،ص:155، 156 مطبوعہ پہراطہران)

ال پر ملال

حضرت آدم علیہ السلام نے یوم عاشورہ کے دن دنیا سے ظاہری پردہ فرمایا۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوا جمعہ کا دن ہے اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن آپ علیہ السلام
ین پر اتارا گیا اور اسی دن آپ علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی اور اسی دن آپ علیہ السلام کی روح مبارک قبض کی گئی اور اسی
یامت ہوگی۔
(سنن نسائی: کتاب الجمعۃ: باب ذکر الساعۃ التی یستجاب فیہا)(الدعا یوم الجمعۃ: ج:3،ص:114، رقم الحدیث:1430)
اور ایک روایت میں ہے۔
حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
بے شک جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار ہے اور باقی دنوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں عظمت والا ہے اور اللہ تعالیٰ کے
ں کی عظمت عید الاضحیٰ اور عید الفطر سے بھی بڑھ کر ہے۔

اسی دن پانچ خصلتیں پائی جاتی ہیں۔

(1) اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا۔

(2) اور اسی دن انہیں وفات دی گئی۔

(3) اور اسی دن میں ایک ساعت ایسی ہوتی ہے جس میں بندہ اللہ تعالیٰ سے جو بھی سوال کرے وہ اسے عطا فرما دیتا ہے جب تک کہ وہ کسی حرام چیز کا سوال نہ کرے۔

(4) اور اسی دن قیامت برپا ہوگی۔

(5) کوئی مقرب فرشتہ، آسمان، زمین، ہوا، پہاڑ اور سمندر ایسا نہیں جو جمعہ کے دن سے نہ ڈرتا ہو۔

ایک روایت میں غسل وکفن کے بارے میں آتا ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ غسل دیا اور انہیں کفن پہنایا اور ان کے لئے لحد تیار کی اور انہیں سپرد خاک کیا گیا۔

اور فرشتوں نے یہ کہا

اے اولاد آدم! یہ تمہارے مردوں (کی تدفین میں) تمہاری سنت ہوگی۔

(طبرانی فی معجم الاوسط: ج:9،ص:105، رقم الحدیث:9259)

تفسیر نعیمی میں ہے۔

جب حضرت آدم علیہ السلام کا وقت آخر آیا۔ آپ علیہ السلام کو جنتی میوے کھانے کی خواہش ہوئی۔

اپنے فرزندوں سے کہا کہ

کعبہ معظمہ میں جاؤ اور وہاں دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ میری یہ تمنا پوری کرے۔ فرزندان ارجمندان حضرت آدم علیہ السلام کا پا کر وہاں پہنچے۔ انہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام و دیگر فرشتے ملے جن سے انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی فرمائش کا حال بیان کیا۔

فرشتوں نے کہا:

ہمارے ساتھ آؤ۔ ہم جنت کے میوے اپنے ساتھ لائے ہیں چنانچہ یہ سب حضرت آدم علیہ السلام کے پاس حضرت حوا علیہا السلام ان فرشتوں کو دیکھ کر ڈرنے لگیں اور چاہا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دامن میں چھپ جائیں۔

انہوں نے فرمایا:

حوا (علیہا السلام) اب تم مجھ سے الگ رہو، میرے اور رب عزوجل کے قاصدوں کے درمیان آڑ نہ بنو، فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی روح قبض کر لی۔

اور ان کے بیٹوں سے کہا کہ

جس طرح ہم آپ کے والد (محترم) کا کفن دفن کریں ویسے ہی تم بھی کیا کرنا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام جنت کی مرکب خوشبو اور جنتی حلے کا کفن اور بہشتی بیری سے کچھ پتے اپنے ساتھ لائے تھے۔ ان کو خود غسل دیا اور کفن پہنایا اور خوشبو ملی اور ملائکہ ان کا لاشہ مبارکہ کعبہ معظمہ میں لائے اور ان پر سارے فرشتوں نے نماز جنازہ ادا کی۔ جس میں حضرت جبرائیل علیہ السلام امام تھے اور سارے فرشتے مقتدی اور اس میں نماز میں چار تکبیریں کہیں جیسے کہ آج ہوتی ہیں پھر کعبہ معظمہ میں تین میل کے فاصلہ پر مقام منیٰ میں لے گئے۔ جہاں کے حاجی قربانی کرتے ہیں اور اسی جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کی وہاں مسجد خیف کے قریب بغلی قبر کھودی گئی اور ان کو دفن کر کے ان کی قبر کو اونٹ کی پیٹھ کی طرح ڈھلوان بنایا۔

بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ

ان کی لاش مبارک کو ان کی اولاد میں سے ڈیڑھ سو آدمی خانہ کعبہ میں لائے لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام کی قبر منیٰ میں مسجد خیف کے پاس اور حضرت حوا علیہا السلام کی قبر جدہ شریف میں ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل، ص: 305 تا 306 نعیمی کتب خانہ لاہور)

اب یہاں سے انبیاء کرام علیہم کو ترتیب کے ساتھ ذکر کرتا ہوں جن کو تاریخ دمشق میں ذکر کیا گیا ہے۔

(1) سب سے پہلے جس نبی کو مبعوث کیا گیا وہ حضرت ادریس علیہ السلام تھے۔

(2) پھر حضرت نوح علیہ السلام

(3) پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام

(4) پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام

(5) پھر حضرت اسحاق علیہ السلام

(6) پھر حضرت یعقوب علیہ السلام

(7) پھر حضرت یوسف علیہ السلام

(8) پھر حضرت لوط علیہ السلام

(9) پھر حضرت ہود علیہ السلام

(10) پھر حضرت صالح علیہ السلام

(11) پھر حضرت شعیب علیہ السلام

(12) پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام

(13) پھر حضرت ہارون علیہ السلام

(14) پھر حضرت الیسع علیہ السلام

(15) پھر حضرت یونس علیہ السلام

(16) پھر حضرت ایوب علیہ السلام

(17) پھر حضرت داؤد علیہ السلام

(18) پھر حضرت سلیمان علیہ السلام

(19) پھر حضرت ذکریا علیہ السلام

(20) پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام

(21) پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام

(22) پھر حضرت سیدنا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم صلی اللہ علیہ وسلم

(تاریخ دمشق الکبیر: ج:24، ص:165 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام

اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو نبوت کے اعلیٰ مقام پر فائز کیا اور آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی ہیں۔حضرت ادریس علیہ السلام حضرت شیث علیہ السلام کی نسل سے تھے اور آپ علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے پردادا تھے۔آپ علیہ السلام کا نام اخنوخ تھا۔

حضرت ادریس علیہ السلام حضرت شیث علیہ السلام کی نسل سے تھے

حضرت ادریس علیہ السلام حضرت شیث علیہ السلام کی نسل سے تھے۔

چنانچہ معالم التنزیل میں ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام حضرت شیث علیہ السلام کی نسل سے تھے۔

(معالم التنزیل ج:3،ص:625 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے پردادا تھے

حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے پردادا تھے۔

چنانچہ معالم التنزیل میں ہے۔

آپ (یعنی حضرت ادریس علیہ السلام) حضرت نوح علیہ السلام کے پردادا تھے۔

(معالم التنزیل:ج:3،ص:625 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ادریس علیہ السلام کا نام اخنوخ تھا

حضرت ادریس علیہ السلام کا نام اخنوخ تھا مگر قرآن مجید میں ادریس کے لقب سے نوازا گیا۔

چنانچہ معالم التنزیل میں ہے۔

آپ علیہ السلام کا نام اخنوخ تھا۔

(معالم التنزیل:ج:3،ص:625 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ادریس (علیہ السلام) کا لقب

حضرت ادریس علیہ السلام کو ادریس اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ علیہ السلام اکثر اوقات کتابیں پڑھا کرتے تھے۔

معالم التنزیل میں ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے:

آپ علیہ السلام کو ادریس اس لئے کہا جاتا تھا کہ آپ علیہ السلام اکثر کتاب پڑھتے رہتے تھے۔

امام بیضاوی فرماتے ہیں۔

اس کا غیر منصرف ہونا اس کے الدرس سے مشتق ہونے کی تردید کرتا ہے۔ ہاں یہ کوئی بعید نہیں کہ اس کا معنی ان کی لغت میں اس کے قریب قریب ہو اور آپ علیہ السلام کے کثرت درس کی وجہ سے اس نام سے آپ علیہ السلام کو ملقب کیا گیا ہو۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:625 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ادریس علیہ السلام کا نسب نامہ

حضرت ادریس علیہ السلام کا نسب اس طرح ہے۔

اخنوخ بن یرد بن مہلائیل بن انوش بن قینان بن شیث بن آدم علیہ السلام ہے۔

(روح المعانی جز:16، ص:153 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ادریس علیہ السلام نے سب سے پہلے ستاروں اور حساب میں غور و فکر کیا

حضرت ادریس علیہ السلام ایسے پیغمبر ہیں جنہوں نے سب سے پہلے ستاروں اور حساب میں غور و فکر کیا۔

روح المعانی میں ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام وہ پہلے شخص ہیں جس نے ستاروں اور حساب میں غور و فکر کیا۔

(روح المعانی: جز:16، ص:153 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ادریس علیہ السلام پر تیس صحیفوں کا نزول

حضرت ادریس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اتنا مقام عطا فرمایا: آپ علیہ السلام پر (30) تیس صحیفے نازل کئے۔

چنانچہ روح المعانی میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان پر تیس صحیفے نازل کئے تھے۔

(روح المعانی: جز:16، ص:153 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ادریس علیہ السلام نے سب سے پہلے ناپ اور تول کے آلات اور ہتھیار بنائے

حضرت ادریس علیہ السلام نے سب سے پہلے ناپ اور تول کے آلات اور ہتھیار بنائے۔

چنانچہ روح المعانی میں ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے ناپنے اور تولنے کے آلات اور ہتھیار بنائے۔

(روح المعانی: جز:16، ص:154 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بنو قابیل سے قتال

حضرت ادریس علیہ السلام وہ پہلے پیغمبر ہیں جنہوں نے سب سے پہلے ہتھیار بنائے اور بنو قابیل سے قتال کیا۔

روح المعانی میں ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے ناپنے اور تولنے کے آلات اور ہتھیار بنائے اور بنو قابیل سے قتال کیا۔

(روح المعانی جز:16، ص:154 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ادریس سریانی زبان کا لفظ

ادریس کا لفظ سریانی ہے۔

روح المعانی میں ہے۔

ادریس کا لفظ سریانی ہے اور یہ درس سے مشتق نہیں ہے کیونکہ غیر عربی کو عربی سے مشتق کرنے کا کسی نے قول نہیں کیا اور اگر یہ عربی سے مشتق ہوتا تو پھر غیر منصفانہ ہوتا حالانکہ یہ غیر منصرف ہے البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ سریانی زبان میں اس کا معنی عربی کے قریب ہو اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ ان کا نام ادریس اس لئے ہے کہ یہ درس تدریس بہت کرتے تھے۔

(روح المعانی: جز:16، ص:154 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر کیا

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر کیا۔

المرقات میں ہے۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی 1014ھ لکھتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نبی کا ذکر کیا ہے وہ حضرت ادریس یا حضرت دانیال علیہما السلام تھے۔

(المرقات ج:3، ص:4 مکتبہ امدادیہ ملتان)

حضرت ادریس علیہ السلام جنت میں حیات

امام عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

زید بن اسلم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جیسے اور بنی آدم کے اعمال اوپر چڑھائے جاتے ہیں اسی طرح حضرت ادریس علیہ السلام کے اعمال بھی اوپر چڑھائے جاتے تھے۔ ملکوت کو ان سے محبت ہوگئی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ان کی دوستی کی اجازت لی اور آدمی کی صورت میں زمین پر گئے اور ان کے ساتھ رہنے لگے۔ جب حضرت ادریس کو معلوم ہوگیا کہ یہ حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں

تو ایک دن ان سے کہا:

مجھے آپ علیہ السلام سے ایک کام ہے۔

پوچھا

کیا کام ہے؟

آپ علیہ السلام نے کہا:

مجھے موت کا ذائقہ چکھائیں۔ میں چاہتا ہوں کہ مجھے اس کی شدت کا پتا چلے تاکہ میں اس کی تیاری کروں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی ان کی روح ایک ساعت کے لئے قبض کرلو پھر چھوڑ دینا۔ ملک الموت نے اسی طرح کیا۔

پھر ملک الموت نے پوچھا:

آپ علیہ السلام نے موت کو کیسا پایا؟

تو انہوں نے کہا:

میں نے موت کے متعلق جتنا سنا تھا اس سے زیادہ سخت پایا۔

پھر ان سے کہا:

میں چاہتا ہوں کہ آپ علیہ السلام مجھے دوزخ دکھائیں۔ ملک الموت ان کو لے کر گئے اور ان کو دوزخ دکھادی۔

پھر کہا

میں چاہتا ہوں کہ آپ علیہ السلام مجھے جنت دکھائیں۔ انہوں نے جنت دکھادی۔

حضرت ادریس علیہ السلام جنت میں داخل ہوکر گھومنے لگے۔

پھر ملک الموت نے کہا:

اب آپ علیہ السلام باہر نکلیں۔

حضرت ادریس علیہ السلام نے کہا:

میں باہر نہیں نکلوں گا کہ اللہ تعالیٰ مجھے باہر نکلنے کا حکم دے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے فرشتہ بھیجا۔

اس نے ملک الموت سے پوچھا
آپ علیہ السلام کیا کہتے ہیں؟ تو انہوں نے پورا قصہ بیان کیا۔
پھر حضرت ادریس علیہ السلام سے کہا
آپ کیا کہتے ہیں؟
تو انہوں نے کہا:
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:
كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران: 185)
ہر جان نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔
اور میں نے موت کو چکھ لیا ہے۔
اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:
وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا (مریم: 71)
تم میں سے ہر شخص جہنم پر وارد ہوگا۔
اور میں دوزخ پر وارد ہو چکا ہوں۔
اور اللہ تعالیٰ نے اہل جنت سے فرمایا ہے۔
وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ (الحجر: 48)
وہ جنت سے نکالے نہیں جائیں گے۔
پس اللہ تعالیٰ کی قسم! میں جنت سے باہر نہیں نکلوں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت سے باہر نکلنے کا حکم دے۔
پھر اوپر سے ایک ہاتف کی آواز آئی۔
یہ میرے اذن سے داخل ہوا ہے اور اس نے جو کچھ کیا ہے وہ میرے حکم سے کیا ہے۔ اس کا راستہ چھوڑ دو۔
امام ابن جندی فرماتے ہیں کہ
اگر یہ اعتراض ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام کو ان آیات کا کیسے علم ہوا یہ تو ہماری کتاب میں ہیں۔
تو ابن الانباری نے بعض علماء سے اس کا یہ جواب ذکر کیا ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو ان باتوں کا علم دے دیا تھا جو قرآن میں ہیں کہ ہر شخص نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ اور ہر شخص کا دوزخ سے گزر ہوگا اور اہل جنت کو جنت سے نکالا نہیں جائے گا۔
(زاد المسیر: ج:5، ص:241 تا 242، الجامع الاحکام القرآن جز:11، ص:44)

حضرت ادریس علیہ السلام کا دوزخ و جنت کی سیر کرنا

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک حضرت ادریس علیہ السلام ملک الموت کے دوست تھے۔

پھر انہوں نے حضرت عزرائیل علیہ السلام سے کہا کہ

وہ انہیں جنت و دوزخ کی سیر کرائیں۔ سو ملک الموت حضرت ادریس علیہ السلام کو لے کر بلند ہوئے اور انہیں دوزخ دکھائی۔ وہ اس سے خوف زدہ ہو گئے اور قریب تھا کہ وہ بے ہوش ہو جاتے کہ ملک الموت نے انہیں اپنے پروں کی لپیٹ میں لے لیا۔

ملک الموت نے کہا:

کیا آپ علیہ السلام نے اسے دیکھا نہیں ہے۔

انہوں نے کہا:

کیوں نہیں! میں نے کبھی آج کے دن جیسا دن نہیں دیکھا۔ پھر وہ انہیں لے کر چلا یہاں تک کہ اس نے حضرت ادریس علیہ السلام کو جنت دکھائی۔ وہ اس میں داخل ہو گئے۔

پھر ملک الموت نے کہا:

اب آگے چلیں۔ آپ علیہ السلام نے اسے دیکھ لیا ہے۔

انہوں نے فرمایا:

کہاں جانا ہے۔

ملک الموت نے کہا:

جہاں آپ علیہ السلام تھے۔

حضرت ادریس علیہ السلام نے کہا:

نہیں، خدا عزوجل کی قسم! میں اس میں داخل ہونے کے بعد اس سے کبھی نہیں نکلوں گا تو ملک الموت سے کہا گیا کیا تو نے انہیں جنت میں داخل نہیں کیا اور یہ ایسی چیز ہے کہ جو اس میں ایک بار داخل ہو جاتا ہے پھر وہ وہاں سے نہیں نکلتا۔

(طبرانی المعجم الاوسط: ج:7،ص:201، رقم الحدیث:7269)

حضرت ادریس علیہ السلام کا چوتھے یا چھٹے آسمان پر ہونا

اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق فرمایا

ہم نے ان کو بلند جگہ پر اٹھالیا۔ (مریم:57)
صحیح بخاری وصحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ
جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چوتھے آسمان کے پاس سے گزرے تو وہاں حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔
امام ابوجعفر محمد بن جزیر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔
ہلال بن یساف سے روایت ہے کہ
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے میرے سامنے کعب سے سوال کیا کہ
اللہ تعالیٰ نے جو حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے۔
وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا (مریم: 57)
ہم نے ان کو بلند جگہ پر اٹھالیا۔
اس کا کیا مطلب ہے۔
حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا:
حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف اللہ تعالیٰ نے یہ وحی کی کہ میں ہر روز تمہارے اتنے عمل بلند کروں گا جتنے بنو آدم کے اعمال ہیں تو تم زیادہ عمل کرنے سے محبت رکھو۔ پھر فرشتوں میں سے حضرت ادریس کے ایک دوست ان کے پاس آئے۔
تو حضرت ادریس علیہ السلام نے ان کو بتایا کہ
اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اس طرح وحی کی ہے تو تم ملک الموت سے کہو کہ وہ میری روح قبض کرنے کو مؤخر کر دے تا کہ میں اور زیادہ عمل کروں۔ وہ فرشتہ حضرت ادریس علیہ السلام کو اپنے پروں پر بٹھا کر آسمان پر چڑھ گیا۔ جب وہ چوتھے آسمان پر پہنچا تو ملک الموت نیچے اتر رہے تھے تو اس فرشتہ نے ملک الموت سے وہ بات کہی جو حضرت ادریس علیہ السلام نے اس سے کہی تھی۔
ملک الموت نے کہا:
حضرت ادریس علیہ السلام کہاں ہیں؟
اس فرشتہ نے کہا:
وہ میری پیٹھ پر ہیں۔
ملک الموت نے کہا:
حیرت کی بات ہے مجھے حضرت ادریس علیہ السلام کی روح قبض کرنے کے لئے چوتھے آسمان پر بھیجا گیا ہے۔
اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ

میں ان کی روح چوتھے آسمان پر کیسے قبض کروں گا وہ تو زمین پر ہیں۔
پھر انہوں نے چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام کی روح قبض کر لی۔
(جامع البیان رقم الحدیث: 7917 مطبوعہ دار الفکر بیروت)
حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو ذکر کر کے لکھا ہے کہ
یہ حدیث اسرائیلیات سے ہے اور اس کی بعض عبارت میں نکارت ہے۔ (یعنی نا قابل باتیں ہیں)
حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی۔
تو انہوں نے کہا:
حضرت ادریس علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا گیا اور ان کو موت نہیں آئی۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھالیا گیا۔
اگر ان کی مراد یہ ہے کہ
ان کو ابھی تک موت نہیں آئی تو یہ محل نظر ہے۔
اور اگر اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ
ان کو زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا اور پھر وہاں ان کی روح قبض کر لی گئی پھر یہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی روایت کے منافی نہیں ہے۔
عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ
حضرت ادریس علیہ السلام کو چھٹے آسمان کی طرف اٹھالیا گیا اور وہیں ان کی روح قبض کر لی گئی۔
اور جو حدیث متفق علیہ ہے وہ یہ ہے کہ
وہ چوتھے آسمان میں ہیں۔
حضرت حسن بصری نے کہا:
وہ جنت میں ہیں۔
امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ
حضرت الیاس علیہ السلام ہی حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔
اور معراج کی حدیث میں بیان کیا ہے کہ
جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس سے گزرے۔
تو انہوں نے کہا:
نیک بھائی اور نیک نبی کو مرحبا ہو۔

اور جس طرح حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا۔
نیک بیٹے کو مرحبا ہو اس طرح نہیں کہا۔
اس سے معلوم ہوا کہ
حضرت ادریس علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے نہیں ہیں لیکن یہ قطعی دلیل نہیں ہے۔
ہوسکتا ہے کہ
انہوں نے تواضعاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہا اور بیٹا نہ کہا ہو۔
(البدایہ والنہایہ: ج:1،ص:160، 158 مطبوعہ دارالفکر بیروت)
امام ابن جریر نے مجاہد اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ
حضرت ادریس علیہ السلام چوتھے آسمان میں ہیں۔
حضرت قتادہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی روایت ہے اور صحیح بخاری اور مسلم میں بھی اسی طرح ہے۔
(جامع البیان، جز:16،ص:121، 122 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ادریس علیہ السلام کو اوپر اٹھانے اور آپ علیہ السلام کی زندگی میں اختلاف

قرآن مجید میں ہے:
وَرَفَعۡنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۔ (مریم: 57)
ہم نے ادریس کو بلند جگہ پر اٹھالیا۔
بعض علماء کرام نے کہا:
اس سے کسی جگہ پر اٹھانا مراد نہیں ہے حتیٰ کہ حضرت ادریس علیہ السلام کا آسمان پر ہونا لازم آئے بلکہ اس سے مراتب کی بلندی مراد ہے یعنی ان کے درجات کو بلند کیا۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے یہی معنی کیا ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ
قرآن مجید میں ہے:
ہم نے ان کو بلند جگہ پر اٹھالیا اور یہ درجات کی بلندی کے منافی ہے۔
حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔
حضرت ادریس کی روح چھٹے آسمان پر قبض کر لی گئی۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔
حضرت مجاہد اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
وہ چوتھے آسمان پر ہیں۔

اور زید بن اسلم نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ
حضرت ادریس علیہ السلام جنت میں زندہ ہیں۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام الحسین بن مسعود بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:
اس میں اختلاف ہے کہ
حضرت ادریس علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں یا فوت شدہ ہیں۔
بعض نے کہا:
وہ فوت شدہ ہیں۔
اور بعض نے کہا:
وہ زندہ ہیں
انہوں نے کہا:
چار نبی زندہ ہیں۔
دو زمین پر ہیں۔
(1) حضرت خضر علیہ السلام
(2) حضرت الیاس علیہ السلام
اور دو آسمان میں ہیں۔
(1) حضرت ادریس علیہ السلام
(2) حضرت عیسیٰ علیہ السلام
(معالم التنزیل: ج:3،ص:167 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام رازی متوفی 606ھ اور علامہ ابو الحیان اندلسی متوفی 754ھ نے لکھا ہے کہ
ایک فرشتہ ان کا دوست تھا وہ ان کو چوتھے آسمان پر لے گیا۔ وہاں ان کی روح قبض کر لی گئی۔
(تفسیر کبیر: ج:7،ص:1550)

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

مکاناعلیاً سے مراد ہے کہ
ان کوشرف نبوت اور مقام قرب عطا کیا گیا۔
ایک قول یہ ہے:
وہ جنت میں ہیں۔
ایک قول یہ ہے:
وہ چھٹے آسمان میں ہیں۔
اور ایک قول یہ ہے:
وہ چوتھے آسمان میں ہیں۔
(تفسیر بیضاوی مع عنایۃ القاضی: ج:6،ص:285 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ادریس علیہ السلام صابر تھے

حضرت ادریس علیہ السلام صبر کرنے والے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اپنی رحمت میں داخل کیا اور متقی ہونے کا شرف عطا فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاسْمٰعِيْلَ وَ اِدْرِيْسَ وَذَالْكِفْلِ ط كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ٥ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِىْ رَحْمَتِنَا ط اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ٥(الانبیاء: 85، 86)

اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو یاد کیجئے یہ سب صبر کرنے والے تھے۔ ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کر دیا۔ بے شک یہ سب نیکوکار تھے۔

ان آیات میں حضرت اسماعیل، حضرت ادریس اور حضرت ذوالکفل علیہم السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے کیونکہ یہ مقدس حضرات تکلیفوں، مصائب اور عبادت کی مشکلات پر صبر کرنے والے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تا کہ وہ ان کو توحید کا پیغام سنائیں، ان کی قوم نے اس پیغام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا اور حضرت ادریس علیہ السلام کو چوتھے آسمان پر اٹھالیا گیا۔

حضرت ادریس علیہ السلام سب سے پہلے قلم کے ساتھ لکھنے والے

حضرت ادریس علیہ السلام نے سب سے پہلے قلم کے ساتھ لکھا ہے۔
معالم التنزیل میں ہے۔

حضرت ادریس پہلے شخص ہیں جنہوں نے قلم کے ساتھ لکھا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:625 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ادریس علیہ السلام نے سب سے پہلے کپڑوں کی سلائی کی

حضرت ادریس علیہ السلام ایسے نبی ہیں جنہوں نے سب سے پہلے کپڑوں کی سلائی کی۔

معالم التنزیل میں ہے۔

سب سے پہلے آپ (حضرت ادریس علیہ اسلام) نے کپڑوں کی سلائی فرمائی۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:625 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ادریس علیہ السلام نے سب سے پہلے سلا ہوا کپڑا پہنا

حضرت ادریس علیہ السلام نے سب سے پہلے سلا ہوا کپڑا پہنا تھا اور اس کو اپنے مقدس جسم سے سجایا تھا۔ آپ علیہ السلام سے پہلے لوگ جانوروں کی کھالیں لباس کے طور پر استعمال کرتے تھے۔

معالم التنزیل میں ہے۔

(حضرت ادریس علیہ السلام) آپ علیہ السلام نے سب سے پہلے سلا ہوا کپڑا پہنا۔ آپ علیہ السلام سے پہلے لوگ جانوروں کی کھالیں لباس کے طور پر استعمال فرماتے تھے۔ (معالم التنزیل: ج:3، ص:625 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ادریس علیہ السلام نے سب سے پہلے کفار سے لڑائی کی

حضرت ادریس علیہ السلام ایسے مقدس نبی ہیں کہ سب سے پہلے کفار سے لڑائی کی۔

معالم التنزیل میں ہے۔

اور ہتھیاروں کے موجد آپ علیہ السلام ہیں اور کفار سے لڑائی بھی سب سے پہلے آپ علیہ السلام نے کی۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:625 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علم نجوم کا علم

حضرت ادریس علیہ السلام نے سب سے پہلے علم نجوم اور علم حساب کا آغاز کیا۔

معالم التنزیل میں ہے۔

علم نجوم اور علم حساب کا آغاز بھی آپ علیہ السلام نے ہی فرمایا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:625 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ادریس علیہ السلام کا ذریعہ معاش

تفسیر عزیزی میں ہے کہ

سب سے اول کپڑا بننے کا کام حضرت آدم علیہ السلام نے کیا اور بعد میں کھیتی باڑی کے کام میں مشغول رہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا ذریعہ معاش لکڑی کا تھا۔

حضرت ادریس علیہ السلام درزی گری

حضرت ہود علیہ السلام تجارت

حضرت صالح علیہ السلام تجارت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کھیتی باڑی

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کچھ مدت بکریاں چرائیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اتنے بڑے بادشاہ ہوکر درختوں کے پتوں سے پنکھے اور زنبیلیں وغیرہ بنا کر گزر کرتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کوئی پیشہ اختیار نہیں کیا بلکہ ہمیشہ سیر فرماتے تھے۔

اور فرماتے تھے کہ

جس نے مجھے ناشتہ دیا ہے وہی شام کا کھانا بھی دے گا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص: 305 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت ادریس علیہ السلام کے ملت کا نام

بعض نے فرمایا: حضرت ادریس کے دین کا نام صائبہ تھا جس میں توحید، طہارت روزہ وغیرہ کچھ عبادات تھیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 6، ص: 574 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت ادریس علیہ السلام کا قیام

حضرت ادریس علیہ السلام مصر میں رہے پھر وہاں سے قریباً سارے جہان میں تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 6، ص: 574 نعیمی کتب خانہ لاہور)

سلسلہ مبارک

حضرت آدم علیہ السلام، حضرت شیث علیہ السلام، الفرش، قونان، مہلائیل، یرد، افنوج یعنی حضرت ادریس علیہ السلام جن کا لقب ہرمس تھا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 6، ص: 574 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات

معراج کی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ اس مقام

پرابن جریر نے ایک عجیب وغریب اثر روایت کیا ہے کہ
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے اس آیت ورفعنہ ......
کی تفسیر پوچھی۔
انہوں نے جواب دیا کہ
اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ ہر روز میں تمام اولاد آدم کے اعمال کے برابر تمہارے لئے اعمال بلند کرتا ہوں۔ اس پر آپ علیہ السلام نے چاہا کہ مزید عمل کریں۔ جب آپ علیہ السلام کا دوست فرشتہ آیا تو آپ علیہ السلام نے اسے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری طرف یہ وحی کی ہے۔ اب تم ملک الموت سے بات کرو کہ وہ میری روح قبض کرنے میں تاخیر کریں تا کہ میں مزید اعمال کرسکوں۔ اس فرشتے نے آپ علیہ السلام کو اپنے دونوں پروں کے درمیان لے کر اٹھایا اور آپ علیہ السلام کو لے کر آسمان پر چڑھ گیا۔ چوتھے آسمان میں پہنچے تو دیکھا کہ ملک الموت نیچے اتر رہے ہیں۔ فرشتے نے ان سے حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق سفارش کی۔
تو وہ پوچھنے لگے کہ
حضرت ادریس علیہ السلام کہاں ہیں۔
فرشتے نے جواب دیا کہ
یہ دیکھیں، میری پیٹھ پر ہیں۔
ملک الموت کہنے لگے کہ
بڑے تعجب کی بات ہے مجھے چوتھے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام کی روح قبض کرنے کے لئے بھیجا گیا۔
میں سوچنے لگا کہ
وہ تو زمین پر ہیں۔ بھلا چوتھے آسمان میں ان کی روح کیسے قبض کرسکتا ہوں چنانچہ وہاں ہی ان کی روح قبض کرلی گئی۔
یہ حضرت کعب کی اسرائیلی روایات میں سے ہے جس کے بعض حصے نکارت ہیں۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں بھی یہ روایت مذکور ہے۔ اس میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے اس فرشتے سے کہا تھا کہ ملک الموت سے پوچھیں میری عمر کتنی باقی ہے تا کہ میں زیادہ سے زیادہ اعمال کرسکوں۔
اس روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ
فرشتے کے سوال پر ملک الموت نے کہا:
مجھے معلوم نہیں۔ البتہ دیکھ کر بتاتا ہوں۔
دیکھ کر کہنے لگے کہ

ان کی عمر تو صرف پلک جھپکنے کی مقدار باقی ہے۔اب فرشتے نے اپنے پر تلے دیکھا تو آپ علیہ السلام کی روح مبارک قبض کی جاچکی تھی۔

(تفسیر طبری: ج:16، ص:96)

حضرت ادریس علیہ السلام سوئی کا ٹانکا لگاتے وقت سبحان اللہ کہتے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت ادریس علیہ السلام درزی تھے۔ جب بھی آپ علیہ السلام سوئی کے ساتھ ٹانکا لگاتے تو سبحان اللہ کہتے۔ جب شام ہوتی تو روئے زمین پر آپ علیہ السلام سے بڑھ کر نیک اعمال والا شخص کوئی نہ ہوتا۔

(تفسیر طبری: ج:16، ص:96)

حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے دادا تھے

جو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار ہوئے تھے وہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے دادا تھے۔

(تفسیر طبری: ج:16، ص:97)

حضرت ادریس علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اپنی قوم کی طرف مبعوث فرمایا۔

تو آپ علیہ السلام نے انہیں حکم دیا کہ

لَآ اِلٰـــهَ اِلَّا اللّٰہُ کے قائل ہو جاؤ اور پھر جو چاہو کرو لیکن انہوں نے اس کا انکار کر دیا جس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان سب کو برباد کر دیا۔

(الدر المنثور: ج:5، ص:517)

حضرت ادریس علیہ السلام بنی اسرائیل کے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے تھے

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ

حضرت ادریس علیہ السلام بنی اسرائیل کے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے تھے۔

ان کی دلیل حدیث معراج ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا۔ خوش آمدید! اے صالح نبی اور اے صالح بھائی۔ انہوں نے آپ علیہ السلام کو صالح بیٹا نہیں کہا جیسا کہ حضرت آدم و حضرت

ابراہیم علیہما السلام نے کہا تھا۔

(الدر المنثور: ج:5،ص:517)

حضرت ادریس علیہ السلام کو سخت گرمی محسوس ہونا

حضرت کعب رضی اللہ عنہ وغیرہ کا بیان ہے کہ

ایک دن آپ علیہ السلام کسی کام کے لئے جارہے تھے کہ آپ علیہ السلام کو سخت گرمی ہوئی۔

آپ علیہ السلام نے عرض کی۔

اے میرے رب کریم! میں آج دھوپ میں چلا ہوں اور مجھے سخت گرمی محسوس ہوئی ہے۔ وہ فرشتہ اس کی گرمی کیسے برداشت کرتا ہوگا جو ایک دن میں پانچ سو سال کی مسافت سے (سورج) اٹھائے رکھتا ہے۔ یا اللہ اس فرشتے سے اس (سورج) کے بوجھ اور گرمی کو ہلکا اور کم فرمادے جب صبح ہوئی تو فرشتے نے سورج کے بوجھ اور تپش کو کم پایا۔

فرشتے نے عرض کی۔

یارب عزوجل! یہ کیسے تو نے کمی کا فیصلہ فرمایا

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

میرے مقرب بندے ادریس علیہ السلام نے تجھ سے سورج کے بوجھ اور تپش کو کم کرنے کی سفارش کی ہے اور میں نے اس کی سفارش قبول فرمالی ہے۔

فرشتے نے عرض کی

یارب عزوجل! میرے اور اس بندے کے درمیان دوستی پیدا فرمادے۔

اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کو دوستی کی اجازت مرحمت فرمادی۔ وہ فرشتہ حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس پہنچا۔

حضرت ادریس علیہ السلام نے اسے فرمایا

مجھے معلوم ہوا کہ تو بڑا معزز فرشتہ اور ملک الموت کے پاس تیری بڑی قدر و منزلت ہے۔ آپ علیہ السلام میری ان سے سفارش کردیں کہ میری موت میں تھوڑی تاخیر کردے تاکہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نعمتوں پر شکر اور زیادہ کرلوں۔

فرشتے نے کہا:

قبلہ! اللہ تعالیٰ نے کسی نفس کی موت کی موت کے لئے جو وقت مقرر کیا ہے اس میں وہ تاخیر نہیں فرماتا۔ ہاں میں آپ علیہ السلام کے کہنے کے مطابق بات کرتا ہوں، فرشتہ حضرت ادریس علیہ السلام کو سورج کے طلوع ہونے کی جگہ کے قریب چھوڑ کر خود آسمان کی طرف چڑھ گیا۔

وہ فرشتہ ملک الموت کے پاس پہنچا اور کہا کہ

جناب میرا انسانوں میں ایک دوست ہے۔اس نے سفارش طلب کی ہے کہ آپ علیہ السلام ان کی موت میں تاخیر کر دیں۔

ملک الموت نے کہا:

یہ کام تو میرے بس میں ہی نہیں ہے لیکن میں اتنا کر سکتا ہوں کہ انہیں اپنی موت کا وقت بتا دیتا ہوں تا کہ وہ پہلے سے تیاری کر لیں۔

فرمایا

ٹھیک ہے یہ تو کر دو

حضرت ملک الموت نے اپنا رجسٹر دیکھا اور فرمایا

تم نے جس انسان کے متعلق مجھ سے بات کی ہے اور آئندہ کبھی نہیں مرے گا۔

فرشتہ نے کہا:

یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں ابھی انہیں سورج کی طلوع ہونے کی جگہ کے پاس چھوڑ کر تمہارے پاس آیا ہوں۔

ملک الموت نے کہا:

تم جاؤ دیکھو وہ وہاں مر چکا ہے اور حضرت ادریس علیہ السلام کی زندگی کا کوئی لمحہ اب باقی نہیں ہے۔ وہ سورج کا فرشتہ لوٹ کر آیا تو حضرت ادریس علیہ السلام کو مردہ پایا۔

(تفسیر مظہری: ج:6،ص:135 ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

حضرت ادریس علیہ السلام کی عبادت بلند ہونا

حضرت وہب فرماتے ہیں کہ

حضرت ادریس علیہ السلام کی ہر روز اتنی عبادت بلند ہوتی تھی جتنی کہ تمام دوسرے لوگوں کی پہنچتی تھی۔ فرشتوں کو اس پر تعجب ہوا اور انہیں ان کی ملاقات کا شوق پیدا ہوا۔ ملک الموت نے اپنے رب عزوجل سے حضرت ادریس علیہ السلام کی اجازت طلب کی۔ اجازت ملی تو آپ علیہ السلام انسانی شکل میں حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس تشریف لائے۔ حضرت ادریس علیہ السلام ہمیشہ روزے رکھتے تھے۔ جب افطار کا وقت ہوا تو آپ علیہ السلام نے ملک الموت کو کھانے کی دعوت دی۔ انہوں نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ مسلسل تین راتیں ایسا ہی ہوتا رہا۔ حضرت ادریس علیہ السلام کھانے کی دعوت دیتے لیکن ملک الموت جو انسانی شکل میں آئے ہوئے تھے، کھانا کھانے سے انکار کر دیتے۔

تیسری رات حضرت ادریس علیہ السلام نے پوچھا:

جناب آپ علیہ السلام ہیں کون؟

ملک الموت نے کہا:

میں ملک الموت ہوں۔ میں اپنے رب عزوجل سے اجازت لے کر تمہاری ملاقات اور تجھ سے دوستی کرنے کے لئے آیا ہوں۔

حضرت ادریس علیہ السلام نے فرمایا:

مجھے تجھ سے ایک کام ہے۔

پوچھا

کیا

فرمایا

تم میری روح قبض کرلو

اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو حکم دیا کہ

تم ان کی روح قبض کرلو۔ اس نے روح قبض کر لی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کچھ دیر کے بعد ان کی روح لوٹا دی۔

ملک الموت نے کہا:

آپ علیہ السلام نے موت کا سوال کیوں کیا

فرمایا

اس لئے تا کہ موت کی تکلیف اور اس کی گہرائی کا ذائقہ چکھ لوں تا کہ میں اس کے لئے زیادہ تیار ہو جاؤں۔

پھر حضرت ادریس علیہ السلام نے فرمایا:

مجھے تجھ سے ایک اور کام بھی ہے۔

ملک الموت نے پوچھا:

وہ کیا ہے؟

فرمایا

تم مجھے آسمان پر لے جا تا کہ میں آسمان، جنت اور دوزخ دیکھ لوں۔ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو انہیں آسمانوں پر لے جانے کی اجازت فرمادی۔

جب آپ علیہ السلام دوزخ کی آگ کے قریب پہنچے

تو فرمایا

ملک الموت مجھے ایک اور حاجت ہے۔

فرمایا

وہ کیا ہے؟

فرمایا

تم دوزخ کے داروغے مالک سے کہو کہ

میرے لئے دوزخ کے دروازے کھول دے تاکہ اس میں داخل ہو کر سب کچھ دیکھ لوں۔ آپ علیہ السلام کی یہ خواہش بھی پوری کر دی گئی۔

پھر فرمایا

جیسے تم نے مجھے دوزخ دکھائی ہے اب جنت بھی دکھا دو۔ آپ علیہ السلام جنت کی طرف تشریف لے گئے۔ اس کے دروازے کھولنے کا مطالبہ کیا تو وہ کھول دیئے گئے اور آپ علیہ السلام جنت میں داخل ہو گئے۔ پھر سیر جنت کے بعد ملک الموت نے کہا:

جناب آپ علیہ السلام یہاں سے چلئے اور زمین میں اپنی جگہ تشریف لے جایئے۔ حضرت ادریس علیہ السلام جنت کے ایک درخت سے چمٹ گئے۔

اور فرمایا

میں تو یہاں سے کبھی نہیں نکلوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے ایک فرشتہ بھیجا۔

فرشتے نے پوچھا:

جناب آپ علیہ السلام جنت سے باہر کیوں نہیں جاتے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اس کی وجہ یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

ہر نفس موت کا ذائقہ چکھے گا۔ میں اس کا ذائقہ چکھ چکا ہوں۔

اور ارشاد فرمایا

تم میں سے ہر شخص دوزخ میں وارد ہوگا۔ میں اس منزل سے بھی گزر چکا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

جنتی جنت سے باہر نہیں نکلیں گے۔ اس لئے اب میں باہر نہیں نکلوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کی طرف پیغام بھیجا کہ حضرت ادریس علیہ السلام میرے حکم سے جنت میں داخل ہوئے تھے اور میرے حکم سے ہی نکلیں گے۔ اسی وجہ سے میں زندہ

ہیں۔

(تفسیر مظہری: ج:6،ص:135 تا136 ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

عرضِ مصنف!

حضرت ادریس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں۔ آپ علیہ السلام حضرت شیث کے بعد مبعوث ہوئے۔ میں نے حضرت شیث علیہ السلام کا ذکر حضرت ادریس علیہ السلام سے پہلے اس لئے نہیں کیا کہ مجھے انبیاء کرام علیہم السلام کی ترتیب میں آپ علیہ السلام کا ذکر نہیں ملا۔ اس لئے پہلے جو ترتیب عرض کی ہے اسی ترتیب سے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر خیر کروں گا۔

اللہ تعالیٰ مجھ بدکار کو حق اور سچ بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین و صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی ہیں۔آپ علیہ السلام حضرت ادریس علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے۔اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو بلند مرتبہ عطافرمایااور نبوت کے اعلیٰ مقام پر فائز فرمایا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا نام ونسب نامہ اور تاریخ ولادت

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام کا شجرہ نسب یہ ہے۔

نوح بن لامک بن متوشلخ ،بن خنوخ (ادریس) بن یرد بن مہلاییل بن قینن بن انوش بن شیث بن آدم ابوالبشر علیہ السلام

امام ابن جریر وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے ایک سو چھبیس سال بعد حضرت نوح علیہ السلام پیدا ہوئے اور اہل کتاب کی تاریخ میں مذکور ہے کہ ان دونوں کے درمیان ایک سو چھیالیس سال کا عرصہ ہے۔

امام ابن حبان نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

حضرت ابوامامہ بیان کرتے ہیں کہ

ایک شخص نے پوچھا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم !کیا حضرت نوح علیہ السلام نبی تھے۔

ارشادفرمایا

ہاں!وہ ایسے نبی تھے جن سے کلام کیا گیا۔

پوچھا

حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان کتنا عرصہ ہے۔

ارشادفرمایا۔

دس قرن (صدیاں)

(صحیح ابن حبان ج:14،رقم الحدیث:6190)(مسند البزار،ج:1،ص:160)

حضرت نوح اور حضرت آدم علیہما السلام کے درمیان عرصہ

حضرت نوح اور حضرت آدم علیہما السلام کے درمیان دس صدیوں کا عرصہ ہے۔

امام ابن حبان نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

ایک شخص نے پوچھا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے۔

ارشادفرمایا

ہاں! وہ ایسے نبی تھے جن سے کلام کیا گیا

پوچھا

حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان کتنا عرصہ ہے۔

ارشادفرمایا

دس قرن (صدیاں)

(صحیح ابن حبان: ج:14،رقم الحدیث:6190)

اس حدیث کا تقاضہ یہ ہے کہ

حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال ہیں۔ اس کی تائید اس حدیث مبارکہ سے بھی ہوئی ہے۔

امام محمد بن سعد متوفی 230ھ اپنی سند کے ساتھ عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان دس قرن ہیں اور سب اسلام پر تھے۔

(الطبقات الکبریٰ: ج:1،ص:42 مطبوعہ صادر بیروت)

حضرت نوح علیہ السلام سب سے اول رسول

حضرت نوح علیہ السلام زمین پر اللہ تعالیٰ کے سب سے پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف بھیجا

جیسا کہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قیامت کے دن لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔
اور کہیں گے۔
اے نوح (علیہ السلام)! آپ علیہ السلام زمین والوں کی طرف سب سے پہلے رسول ہیں۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث:4712)

حضرت نوح علیہ السلام کی عمر مبارک

اہل کتاب کا قول یہ ہے:
جس وقت حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تھے اس وقت ان کی عمر چھ سو سال تھی۔
اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
وہ اس کے بعد تین سو پچاس سال زندہ رہے۔
لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ وہ بعثت کے بعد اپنی قوم میں نوسو پچاس سال تک رہے۔ پھر ان کے بعد ظالموں پر طوفان آیا پھر اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ وہ طوفان آنے کے بعد کتنا عرصہ زندہ رہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
چوراسی سال کی عمر میں ان کی بعثت ہوئی اور طوفان کے بعد وہ ساڑھے تین سو سال زندہ رہے۔ اس حساب سے ان کی عمر ایک ہزار سات سو اسی سال ہے۔
(البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:100، 120 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بت پرستی کی ابتداء

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ محمد بن قیس سے روایت کیا ہے کہ
حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان نیک لوگ تھے اور ان کے پیروکار ان کی عبادت کرتے تھے۔ جب وہ نیک لوگ فوت ہو گئے
تو ان کے پیروکاروں نے کہا:
اگر ہم نے ان کی تصویریں بنالیں تو اس سے ہماری عبادت میں زیادہ ذوق اور شوق ہوگا۔ سوانہوں نے ان نیک لوگوں کی تصویریں بنالیں۔ جب وہ فوت ہو گئے اور ان کی دوسری نسل آئی تو ابلیس نے ان کے دل میں یہ خیال ڈالا کہ ان کے آباء ان تصویروں کی عبادت کرتے تھے اور اسی سبب سے ان پر بارش ہوتی تھی۔ سوانہوں نے ان تصویروں کی عبادت کرنی شروع کر دی اور امام ابن ابی حاتم نے عروہ بن الزبیر سے روایت ہے کہ

ود،

یغوث

یعوق

سواع

اور نسر حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور ''ود'' ان میں سب سے نیک تھے۔

(جامع البیان: جز:29،ص:122 دار الفکر بیروت)

امام ابن حاتم نے باقر سے روایت کیا ہے کہ

ود ایک نیک شخص تھا اور وہ اپنی قوم میں بہت محبوب تھا۔ جب وہ فوت ہو گیا تو اس کی قوم کے لوگ بابل کی سرزمین اس کی قبر کے گرد بیٹھ کر روتے رہے۔ جب ابلیس نے ان کی آہ و بکا دیکھی تو وہ ایک انسان کی ایک صورت بنا دوں۔ تم اپنی مجالس میں اس تصویر کو دیکھ کر اسے یاد کیا کرو۔ انہوں نے اس سے اتفاق کیا۔ اس نے ود کی تصویر بنا دی جس کو وہ اپنی مجلسوں میں رکھ کر اس کا ذکر کیا کرتے تھے۔ جب ابلیس نے یہ منظر دیکھا تو کہا

تم میں سے ہر ایک کے گھر میں ود کا ایک مجسمہ (بت) بنا کر رکھ دوں تا کہ تم میں سے ہر شخص اپنے گھر میں ود کا ذکر کیا کرے۔ انہوں نے اس کو مان لیا۔ پھر ہر گھر میں ود کا ایک بت بنا کر رکھ دیا۔ پھر ان کی اولاد بھی یہی کچھ کرنے لگی۔ پھر اس کے بعد جو نسلیں آئیں وہ یہ بھول گئیں کہ ود ایک انسان تھا وہ اس کو خدا مان کر اس کی عبادت کرنے لگیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس بت کی پرستش شروع کر دی سو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جس بت کی سب سے پہلے پرستش شروع کی گئی وہ ود نام کا بت تھا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم: ج:10،ص:3376،3375 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

خلاصہ یہ ہے کہ

ہر وہ بت جس کی وہ عبادت کرتے تھے اصل میں اللہ تعالیٰ کا کوئی نیک بندہ تھا جس کی انہوں نے تصویر اور اس کا مجسمہ بنا لیا تھا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

حضرت ام حبیبہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ انہوں نے حبشہ میں ایک گرجا دیکھا جس کا نام ماریہ تھا انہوں نے اس کی خوبصورتی کا اور اس میں رکھی ہوئی تصاویر کا ذکر کیا۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب ان میں کوئی نیک شخص مر جاتا تھا تو وہ اس کی قبر کو سجدہ گاہ بنا لیتے اور اس میں یہ تصویریں رکھ دیتے تھے۔ یہ لوگ اللہ عزوجل کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:427)

غرض یہ کہ جب زمین میں بت پرستی عام ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ رسول حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا۔ آپ علیہ السلام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے وحدہ لاشریک ہونے کی دعوت دیتے تھے اور ان کو غیر اللہ کی عبادت سے منع کرتے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی بزرگی

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو تمام عالم پر خاص بزرگی عطا فرمائی۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ (آل عمران: 33)

بے شک اللہ نے آدم کو اور نوح اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو تمام جہانوں پر بزرگی دی۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان فضیلت یافتہ اور بزرگ شخصوں کا ذکر فرمایا ہے جن کی اتباع کرنا واجب ہے اور جن کی اتباع کرنے سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوتی ہے۔ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ وہ تمام انسانوں کی اصل ہیں۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا کیونکہ آپ علیہ السلام آدم اصغر ہیں اور دنیا میں رہنے والے تمام انسان ان ہی کی اصل سے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی فضیلتوں میں سے یہ دعا ہے کہ

زمین پر وہ پہلے تشریعی نبی ہیں۔ بیٹوں، بہنوں، پھوپھیوں، خالاؤں اور دیگر تمام ذوی الادحام کے ساتھ نکاح کی تحریم کا حکم سب سے پہلے ان پر نازل ہوا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد روئے زمین کے تمام انسانوں کے وہی والد ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے علاوہ عمر بھر روزے سے

حضرت نوح علیہ السلام نے عید الفطر و عید الاضحیٰ کے علاوہ عمر بھر روزے رکھے اور اس پر آپ علیہ السلام نے دوام فرمایا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

حضرت نوح علیہ السلام نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دنوں کے علاوہ باقی تمام عمر بھر روزہ رکھا۔

(ابن ماجہ: کتاب الصیام: باب ماجاء فی صیام نوح علیہ السلام ج:1 ص:547، رقم الحدیث:1714)

اور ایک روایت میں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت نوح علیہ السلام نے تمام عمر روزہ رکھا، سوائے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن کے اور حضرت داؤد علیہ السلام نے نصف عمر کا روزہ رکھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ہر مہینہ میں تین دن روزہ رکھتے۔ ایک زمانہ آپ علیہ السلام نے روزہ رکھا اور ایک زمانہ افطار کیا۔ (شعب الایمان: ج:3 ص:388، رقم الحدیث:3846)

حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسوسال دعوت دی

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہمارے رب عزوجل نے حضرت نوح علیہ السلام کے لئے سابقہ تمام لوگوں کا علم جمع فرمادیا اور انہیں اپنی مدد و نصرت سے نوازا۔ پس انہوں نے اپنی قوم کو مخفی اور اعلانیہ طور پر ساڑھے نوسوسال تک دعوت حق دی۔ پس ساڑھے نوسوسال میں ایک کے بعد دوسری صدی گزرتی گئی لیکن ان کی قوم کے لوگ کفر اور سرکشی میں بڑھتے گئے۔

(المستدرک، ج:2،ص:597، رقم الحدیث:4011)

دنیا میں تمام لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں

دنیا میں جس قدر بھی لوگ ہیں۔ وہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبٰقِيْنَ (الصفت: 77)

اور ہم نے ان ہی کی اولاد کو باقی رہنے والا بنادیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد دنیا میں جس قدر لوگ ہیں وہ سب حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

آپ علیہ السلام کے تین بیٹے تھے۔

(1) سام

(2) حام

(3) یافث

تمام عرب وعجم سام کی اولاد سے ہیں۔

اور روم، ترک اور صقالبہ یافث کی اولاد سے ہیں۔

اور سوڈانی حام کی اولاد سے ہیں۔

(معالم التنزیل، ج:4،ص:34)

حضرت نوح علیہ السلام کا قوم کو تبلیغ کرنا

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو آپ علیہ السلام کی قوم کی طرف مبعوث کیا تاکہ آپ علیہ السلام اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے وحدہ لاشریک ہونے کی دعوت دیں۔

قرآن مجید میں ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَالَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (الاعراف: 59)

بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ میں انہوں نے کہا: اے میری قوم، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے۔ بے شک مجھے تم پر ایک عظیم دن کے عذاب کا خطرہ ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت مبعوث کیا جب بتوں کی عبادت اور شیطانوں کی اطاعت شروع ہو چکی تھی اور لوگ کفر اور گمراہی میں مبتلا ہو چکے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تبلیغ کی اور انہیں اللہ تعالیٰ کے وحدہ لا شریک ہونے کا یقین دلایا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت کے وقت عمر

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تو اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر مبارک چالیس سال تھی۔

مستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

بعثت کے وقت آپ علیہ السلام کی عمر چالیس سال تھی اور آپ علیہ السلام نے (950) نوسو پچاس سال اپنی قوم کو تبلیغ کی طوفان کے بعد 60 سال زندہ رہے حتیٰ کہ لوگ کثیر ہو گئے اور مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔

(مستدرک حاکم: باب ذکر نوح النبی علیہ السلام: ج:2، ص:595 حدیث 4005 دار الفکر العلمیہ)

بعض علماء نے لکھا ہے کہ

بعثت کے وقت آپ علیہ السلام کی عمر مبارک پچاس سال تھی اور طوفان کے بعد چار سو پچاس یا چار سو پچاس 450 سال زندہ رہے اور آپ علیہ السلام کی کل عمر 1450 سال تھی۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ

آپ علیہ السلام کی عمر بعثت کے وقت چار سو پچاس یا چار سو ساٹھ سال تھی۔

خلاصہ السیر کی شرح میں اسی طرح ذکر ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ

بعثت کے وقت آپ علیہ السلام کی عمر ڈھائی سو سال تھی اور طوفان کے بعد آپ علیہ السلام ڈھائی سو سال زندہ رہے اور آپ علیہ السلام کی عمر ایک ہزار چار سو پچاس تھی۔

مقاتل کہتے ہیں۔

بعثت کے وقت عمر سو سال تھی۔

ابن جریر نے لکھا ہے کہ

حضرت نوح علیہ السلام کی ولادت حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے آٹھ سو چھبیس سال بعد ہوئی۔
(تفسیر مظہری: ج:3،ص:421 ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

قوم کا کھلی گمراہی میں کہنا

جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تبلیغ کی تو قوم کے سرداروں نے کہا: ہم آپ کو کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۝ (الاعراف: 60)

قوم کے سرداروں نے کہا: بے شک ہم آپ کو یقیناً کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کا جواب کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ہوں

جب قوم کے سرداروں نے کہا: ہم آپ کو کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں تو حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا: اے میری قوم، مجھ میں کسی قسم کی گمراہی نہیں ہے میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ہوں اور تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے آیا ہوں اور صرف تمہاری خیر خواہی چاہتا ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝ (الاعراف: 61، 62)

انہوں نے کہا: اے میری قوم مجھ میں کسی قسم کی گمراہی نہیں ہے لیکن میں تمام جہانوں کے رب کی جانب سے رسول ہوں۔ میں تمہیں اپنے رب عزوجل کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے ان باتوں کو جانتا ہوں جنہیں تم نہیں جانتے۔

اس آیت کریمہ میں حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کے سرداروں کو جواب دے رہے ہیں اور قوم کے سرداروں کے شک کو دور فرما رہے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور اسی کا صرف پیغام پہنچاتا ہوں۔ کفار نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف کھلی گمراہی کے جس عیب کی نسبت کی تھی۔ اس کی حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی ذات سے نفی کی اور اپنی سب سے مکرم اور مشرف صفت کا بیان کیا اور وہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے مخلوق کی طرف رسول اور پیغام رساں ہیں اور ان کو اپنے رب عزوجل کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور ان کی خیر خواہی کرتے ہیں۔ تبلیغ رسالت یعنی پیغام پہنچانے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جن چیزوں کا مکلف کیا ہے یعنی اوامر اور نواہی ان کا بیان کرتے ہیں۔ ان کے لئے کیا کام کرنا ضروری ہے اور کن کاموں کا نہ کرنا ضروری ہے اور یہ کہ کن کاموں پر دنیا میں ان کی مذمت ہوگی اور آخرت میں عذاب ہوگا اور کن کاموں پر ان کی دنیا میں تحسین ہوگی اور آخرت میں ثواب ہوگا۔ یہ وہ پیغامات ہیں جن کو وہ اپنے رب عزوجل کی طرف سے پہنچاتے تھے اور نصیحت

خواہی کا معنی یہ ہے کہ ان کو ایمان اور اعمال صالحہ کی تلقین اور ترغیب دیتے تھے اور کفر اور معصیت سے روکتے تھے اور ان کو عذاب الٰہی عزوجل سے ڈراتے تھے۔

پھر ارشاد فرمایا:

میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان باتوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے یعنی میں جانتا ہوں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کی تو وہ تم کو طوفان کے عذاب میں مبتلا کر دے گا نیز میں جانتا ہوں کہ وہ آخرت میں تم کو ایسے سخت اور دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

اور اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ

میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور صفات کو جانتا ہوں جس کو تم نہیں جانتے اور اس کا مقصد ان علوم کے حصوں کی ترغیب دینا ہے۔

پس یہی وجہ تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس طرح جواب عطا فرمایا۔

قوم کو ڈرانا

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو قوم کی طرف اس لئے مبعوث کیا کہ آپ علیہ السلام اپنی قوم کو آخرت کے عذاب سے ڈرائیں اور اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا حکم فرمائیں۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۝ (هود: 25، 26)

اور بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ میں تم کو علی الاعلان ڈرانے آیا ہوں کہ تم اللہ کے سوا کسی عبادت نہ کرنا، مجھے تم پر دردناک دن کے عذاب کا خوف ہے۔

☆

اس آیت کریمہ میں حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کی طرف مبعوث ہونے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے اور حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: میں تم کو اعلانیہ طور پر ڈرانے آیا ہوں کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔
اس آیت کریمہ میں دردناک دن فرمایا ہے اور دن کو دردناک سے متصف فرمایا ہے حالانکہ دردناک عذاب کی صفت ہے نہ دن کی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

یہ توصیف مجاز عقلی ہے جیسے عرب کہتے ہیں

نهارك صائم و عليك صائم

چونکہ یہ دردناک عذاب اس دن نازل ہوگا۔اس لئے اس دن کو دردناک عذاب کے ساتھ متصف فرمایا۔
بظاہراس دن سے مراد قیامت کا دن ہے۔
اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ
عذاب سے مراد عام ہو خواہ دنیاوی عذاب ہو اخروی کا۔حضرت نوح علیہ السلام کو علم تھا کہ اگر ان کی قوم ایمان نہ لائی تو
اس پر طوفان کا عذاب آئے گا اور ان کی قوم بھی یہ سمجھتی تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام کو علم تھا کہ اگر ان کی قوم ایمان نہ لائی تو اس
پر طوفان کا عذاب آئے گا اور ان کی قوم بھی یہ سمجھتی تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام ان کو دنیاوی عذاب سے ڈرار ہے ہیں اسی بناء پر
وہ یہ کہتے تھے: آپ علیہ السلام جس عذاب سے ہم کو دھمکار ہے ہیں وہ عذاب لاکر دکھائیں۔

قوم کے سرداروں کا بشر سمجھنا

جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دین کی تبلیغ کی اور اللہ تعالیٰ کے وحدہ لاشریک ہونے کا یقین دلایا تو قوم کے سرداروں نے کہا: ہم تم کو اپنے جیسا بشر سمجھتے ہیں اور ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ آپ کی پیروی تو پس ماندہ لوگ اور کم عقل لوگ کر رہے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ○ (ھود: 27)

اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہاری پیروی صرف ہمارے پس ماندہ اور کم عقل لوگ ہی کر رہے ہیں اور ہم اپنے اوپر تمہاری کوئی فضیلت نہیں سمجھتے بلکہ ہمارے گمان میں تم جھوٹے ہو۔

☆

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے کہا:
ہم تم کو اپنے جیسا بشر ہی سمجھتے ہیں۔
علامہ راغب اصفہانی متوفی 502ھ بشر کا معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔
کھال کے ظاہر کو بشرہ کہتے ہیں اور کھال کے باطن کو ادمۃ کہتے ہیں۔واحد اور جمع کے لئے بشر آتا ہے البتہ تثنیہ بشرین آتا ہے۔قرآن مجید میں جہاں بھی لفظ بشر آیا ہے۔اسی سے مراد انسان کا جثہ اور اس کا ظاہر ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ (ص: 71)

میں مٹی سے بشر بنانے والا ہوں۔

کفار انبیاء کرام علیہم السلام کا مرتبہ کم کرنے کے لئے ان کو بشر کہتے تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ○ (القمر: 24)

پس وہ کہنے لگے کیا ہم اپنے ہی میں سے ایک بشر کی اتباع کریں پھر تو بے شک ہم ضرور گمراہی اور عذاب میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بتانے کے لئے کہ تمام لوگ نفس بشریت میں برابر ہیں لیکن وہ دوسروں سے علوم عالیہ اور اعمال صالحہ کی وجہ سے ممتاز ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ (الکہف: 110)

آپ کہیے میں بظاہر تم جیسا ہی بشر ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

میری طرف وحی اس لئے کی جاتی ہے" اس لئے فرمایا: ہر چند کہ نفس بشریت میں، میں تمہاری مثل ہوں لیکن اس وصف میں میں تم سے ممتاز ہوں کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

(المفردات ج:1،ص:60 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

حضرت نوح علیہ السلام پر کفار کے سرداروں کے شبہات

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداروں نے حضرت نوح علیہ السلام کی نبوت میں پہلا شبہ یہ پیش کیا تھا کہ ہم تم کو اپنے جیسا بشر ہی سمجھتے ہیں۔

اور یہ ایسا شبہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے کافروں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں پیش کیا تھا اور وہاں اللہ تعالیٰ نے اس کا ازالہ فرمایا تھا۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ○ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ○ (الانعام: 8، 9)

اور انہوں نے کہا: اس پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا اور اگر ہم فرشتہ اتارتے تو کام تمام ہو چکا ہوتا پھر ان کو مہلت نہ دی جاتی اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بناتے تو اسے مرد ہی بناتے اور ان پر بھی وہی شبہ ڈال دیتے جو شبہ وہ اب کر رہے ہیں۔

کفار کا یہ شبہ ان کی جہالت پر مبنی ہے۔ کیونکہ نبی نبوت کو دلائل اور براہین سے ثابت کرتا ہے اور معجزات پیش کرتا ہے وہ شکل وصورت اور خلقت سے اپنی نبوت کو ثابت نہیں کرتا بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ فرشتہ کو نبی بنا کر بھیجتا اور وہ خلاف

عادت کاموں کو اپنی نبوت پر دلیل بناتا تو اس کی نبوت میں طعن کرنے کا زیادہ موقع تھا کیونکہ یہ کہا جا سکتا تھا کہ معجزات انسانوں کے اعتبار سے خلاف عادت ہیں۔ فرشتہ کے لئے خلاف عادت نہیں ہیں لہٰذا یہ معجزات فرشتہ کی نبوت پر نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ

فرشتہ جو عبادات سرانجام دیتا اور دوسرے نیک اعمال انجام دیتا، وہ انسانوں پر حجت نہ ہوتے کیونکہ یہ کہا جا سکتا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ فرشتہ کی حقیقت میں ایسا عنصر نہ ہو۔ نیز فرشتہ بھوک پیاس، غم اور غصہ اور شہوت اور غضب سے منزہ اور مجرد ہوتا ہے۔ لہٰذا فرشتہ کا برائیوں سے بچنا اور نیک اعمال کرنا انسانوں پر حجت نہیں ہو سکتا۔ ان وجوہ کی بناء پر اگر فرشتہ کو نبی بنا دیا جاتا تو بندوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری نہ ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بشر اور انسانوں سے رسولوں کو بھیجا ہے کہ فرشتوں سے۔

کفار نوح کا قول کہ پس ماندہ اور کم عقل لوگ پیروی کرتے ہیں

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداروں کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہاری پیروی صرف ہمارے پس ماندہ اور کم عقل لوگ ہی کر رہے ہیں۔ اسی طرح کا شبہ کفار قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی کیا تھا۔

اس کی تفصیل یہ ہے۔

ابوسفیان بن حرب نے بیان کیا۔

جس مدت میں ابوسفیان اور کفار قریش کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ ہوا تھا۔ اس مدت میں وہ شام میں تجارت کے لئے گئے۔ روم کے بادشاہ ہرقل نے ان کو اپنے دربار میں بلایا۔ اس وقت وہ ایلیا میں تھے۔ اس نے ایک ترجمان کو بلا کر ابو سفیان سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق چند سوالات کئے۔

ان میں سے ایک سوال یہ تھا کہ

قوم کے معزز لوگ ان کی پیروی کر رہے ہیں یا پس ماندہ اور کمزور لوگ

ابوسفیان نے کہا:

پس ماندہ اور کمزور لوگ پیروی کرتے ہیں۔

ہرقل نے کہا:

ہمیشہ رسولوں کی پیروی پس ماندہ اور کمزور لوگ ہی کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:7)

پس ماندہ اور کمزور لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو مالدار نہ ہوں تنگ دست اور مفلس ہوں اور جن لوگوں کا تعلق ایسے پیشے سے ہو جس کو معاشرہ میں نیچ، خسیس اور گھٹیا سمجھا جاتا ہو اور یہ بھی ان کی جہالت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلندی، برتری، اور عظمت مال و دولت اور بلند مرتبوں سے نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فقر اور افلاس مال و دولت سے زیادہ پسندیدہ ہے

بلکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو اسی تعلیم کے ساتھ بھیجا کہ وہ دنیا کو ترک کر کے آخرت کی طرف راغب ہوں۔تو مال و دولت کی کمی نبوت اور رسالت میں طعن کی کس طرح موجب ہوگی۔

فقراء کا مقرب ہونا

اللہ تعالیٰ کے نزدیک اغنیاء کی بہ نسبت فقراء کے مقرب اور افضل ہونے کی دلیل پر حدیث مبارکہ ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی

اے اللہ عزوجل! مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں میری روح قبض کرنا اور قیامت کے دن مجھے مسکینوں کی جماعت میں اٹھانا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم !اس دعا کا کیا سبب ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مسکین اغنیاء چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

اے عائشہ!(رضی اللہ عنہا)

تم مسکین کو مسترد نہ کرو خواہ ایک کھجور کا ایک ٹکڑا ہو۔

اے عائشہ (رضی اللہ عنہا)!

مسکینوں سے محبت کرو اور ان کو قریب رکھو تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہیں اپنے قریب رکھے گا۔

(سنن الترمذی:رقم الحدیث:2352)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فقراء،اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔یہ میدان حشر کا نصف دن ہوگا۔

اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ طبقاتی فرق اور نام ونسب فضیلت کا موجب نہیں ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

ایام تشریق کے وسط میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حجۃ الوداع کا خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا

اے لوگو! تمہارا رب عزوجل ایک ہے۔تمہارا باپ ایک ہے سنو کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ کسی گورے کو کالے پر فضیلت ہے اور نہ کسی کالے کو گورے پر فضیلت ہے مگر تقویٰ کے ساتھ۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔سنو! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے۔

مسلمانوں نے کہا:

کیوں نہیں! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

پھر حاضر کو چاہئے کہ وہ غائب کو تبلیغ کر دے۔

(شعب الایمان ج:4، 289 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانہ جاہلیت کی عیب جوئی اور باپ دادا پر فخر کرنے کو دور کر دیا ہے۔سب لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے تھے۔مومن متقی ہے اور فاجر بدمزاج ہے۔لوگ باپ دادا پر فخر کرنے سے باز آجائیں ورنہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیڑے مکوڑوں سے بھی زیادہ ذلیل ہیں۔

(شعب الایمان: ج:4،ص:286)

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداروں کا تیسرا شبہ یہ تھا کہ

اور ہم اپنے اوپر تمہاری کوئی فضیلت نہیں۔

ان کا یہ شبہ بھی ان کی جہالت پر مبنی ہے کیونکہ سمجھتے اللہ تعالیٰ کے نزدیک فضیلت کا معیار علم اور عمل ہے اور علم وعمل کے اعتبار سے حضرت نوح علیہ السلام کی فضیلت بالکل ظاہر تھی۔انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے متبعین سے کہا بلکہ ہم تم کو جھوٹا گمان کرتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو دلائل دینا

کفار نوح نے حضرت نوح علیہ السلام کو جھوٹا کہا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ ہم تم کو اپنا جیسا بشر سمجھتے ہیں۔اس پر حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک واضح دلیل رکھتا ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ○ (هود: 28)

کہا اے میری قوم یہ بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل رکھتا ہوں اور اس نے اپنے پاس سے مجھ کو رحمت

عطا کی ہو جو تم سے مخفی رکھی گئی ہے تو کیا اس کو زبردستی تم پر مسلط کر دیں گے جبکہ تم اس کو ناپسند کرنے والے ہو۔

اور اگلی آیت میں فرمایا گیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ یٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّیْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ○ وَ یٰقَوْمِ مَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ○

(ہود:30،29)

اور اے میری قوم! میں اس پر کسی مال کو طلب نہیں کرتا میرا اجر صرف اللہ پر ہے اور میں ایمان والوں کو دھتکارنے والا نہیں ہوں۔ بے شک وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تم لوگ جاہل ہو اور اے میری قوم! اگر میں ان کو دھتکار دوں تو اللہ سے مجھے کون بچائے گا۔ کیا تم غور نہیں کرتے۔

اس آیت کریمہ میں حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے کافر سرداروں کے شبہ کا جواب دیا ہے کہ

ان کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ

آپ علیہ السلام کی پیروی تو ہماری قوم کے پس ماندہ لوگ ہی کر رہے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے اس شبہ کا کئی وجوہ سے جواب دیا۔

(1) میں اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچانے اور دین کی تبلیغ پر تم سے کوئی اجر طلب نہیں کر رہا نہ کوئی مال و دولت مانگ رہا ہوں حتیٰ کہ یہ فرق کیا جائے کہ میری پیروی کرنے والا فقیر ہے یا غنی۔ اس مشکل اور کٹھن عبادت پر میرا اجر تو صرف اللہ تعالیٰ پر ہے تو اب اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میری پیروی امیر کرتے ہیں یا غریب۔

(2) تم میرے ظاہری حالات کو دیکھ کر یہ سمجھ رہے ہو کہ میں غریب آدمی ہوں اور تمہارا گمان یہ ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچانے کا یہ کام اسی لئے شروع کیا ہے کہ میں تم سے مال و دولت حاصل کر کے خوشحال ہو جاؤں سو تمہاری یہ بدگمانی غلط اور فاسد ہے کیونکہ میں تم سے دین کا پیغام پہنچانے پر کسی اجر اور معاوضہ کا طلب گار نہیں ہوں۔ میرا اجر تو صرف اللہ تعالیٰ پر ہے تو تم اس بدگمانی کی وجہ سے اپنے آپ کو آخرت کی سعادتوں اور کامیابیوں سے محروم نہ کرو اور اپنے اجر آخرت کو ضائع نہ کرو۔

(3) اور تم نے یہ کہا ہے:

ہم تمہیں صرف اپنی مثل بشر سمجھتے ہیں اور ہم اپنے اوپر تمہاری کوئی فضیلت نہیں دیکھتے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے انواع و اقسام کی فضیلتیں دی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں دنیا کے حصول کی کوئی کوشش نہیں کرتا۔ میری تمام کوشش اور جدوجہد کا محور صرف دین کی طلب ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ دنیا کو ترک کرنا اور اس سے اعراض کرنا تمام فضائل کی اصل ہے۔

نیز حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:
میں ایمان والوں کو دھتکارنے والا نہیں ہوں۔
اس کی وجہ یہ ہے کہ
ان کی قوم کے کافر سردار نادار مومنوں کے ساتھ بیٹھنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔
امام ابن جریر نے ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ
انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام سے کہا کہ
اے نوح (علیہ السلام) اگر آپ علیہ السلام کی یہ خواہش ہے کہ ہم آپ علیہ السلام کی پیروی کریں تو آپ علیہ السلام اپنی مجلس سے ان فقراء کو نکال دیں کیونکہ ہم اس پر کبھی راضی نہیں ہوں گے کہ وہ اور کسی معاملہ میں بھی برابر ہوں۔
(جامع البیان: رقم الحدیث:13989)
حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:
میں ان مومنوں کو اپنی مجلس سے نکالنے والا نہیں ہوں۔
اور اس کی وجہ یہ ہے کہ
وہ اپنے رب عزوجل سے ملاقات کرنے والے ہیں۔
نیز وہ کہتے تھے کہ
یہ لوگ نفاق سے آپ کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔
تو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:
یہ معاملہ اللہ عزوجل سے ان کی ملاقات ہونے پر کھل جائے گا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو اپنی مجلس سے نہ نکالنے کی یہ وجہ پیش کی کہ وہ اپنے رب عزوجل سے ملاقات کرنے والے ہیں اور اس وقت ان کا رب عزوجل ان کو وہ انعامات عطا فرمائے گا جس کا اس نے ان مومنوں سے وعدہ فرمایا ہے۔ اب اگر میں نے ان کو اپنی مجلس سے نکال دیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے مجھ سے جھگڑا کریں گے۔ نیز انہوں نے یہ وجہ بیان فرمائی کہ میں ان مومنوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گا۔ اگر میں نے بالفرض ان کو اپنی مجلس سے نکال دیا تو اللہ تعالیٰ مجھ پر گرفت فرمائے گا اور اس کے مقابلہ میں میری مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا اور یہ وہ تمام اسرار اور رموز ہیں اور مسلمانوں کو اپنی مجلس سے نہ نکالنے کی وجوہات ہیں جن کو میں جانتا ہوں اور تم نہیں جانتے۔

☆

اور آیت کریمہ نمبر 30 میں فرمایا

اور اے میری قوم! اگر میں ان کو دھتکار دوں تو اللہ تعالیٰ سے مجھے کون بچائے گا۔
اس کی تفصیل یہ ہے کہ
عقل اور شرع اس بات پر متفق ہے کہ نیک اور متقی مسلمان کی تعظیم اور تکریم ضروری ہے اور کافر اور فاجر کی توہین کرنا ضروری ہے۔
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا
وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (المنافقون: 8)
عزت تو اللہ اور رسول اور ایمان والوں کے لئے ہے لیکن منافقین نہیں جانتے۔
اور جگہ ارشاد فرمایا
فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ (الزمر: 26)
سو اللہ نے انہیں دنیا کی زندگی میں ذلت کا مزہ چکھایا اور یقیناً آخرت کا عذاب سب عذابوں سے بڑا ہے۔
اور جگہ ارشاد فرمایا
لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ (البقرہ: 114)
ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔
اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی مومنوں کی تکریم اور کفار کی تذلیل کا حکم ہے۔
حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جس شخص نے مسلمان شخص کی تکریم کی تو اللہ تعالیٰ اس کی تکریم کرے گا۔
(المعجم الاوسط: رقم الحدیث: 8640 مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض)
وضین بن عطا بیان کرتے ہیں کہ
اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میں تمہاری قوم میں سے ایک لاکھ چالیس ہزار نیکوکاروں کو اور ساٹھ ہزار بدکاروں کو ہلاک کرنے والا ہوں۔
حضرت یوشع علیہ السلام نے عرض کیا
اے میرے رب عزوجل تو بدکاروں کو تو ہلاک فرمائے گا، نیکوکاروں کو کیوں ہلاک فرمائے گا۔
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا
وہ بدکاروں کے پاس جاتے تھے۔ ان کے ساتھ کھاتے اور پیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے ان پر غضبناک

نہیں ہوتے تھے۔

(شعب الایمان: ج:7،ص:53 مطبوعہ دار الکتاب العلمیہ بیروت)

حضرت نوح علیہ السلام کے جواب کا مفہوم یہ ہے کہ

اگر میں بالفرض شریعت کے حکم کے برعکس کروں اور کافر اور فاجر کی تکریم کر کے اس کو اپنی مجلس میں مقرب بناؤں اور مومن متقی کی توہین کر کے اس کو اپنی مجلس سے نکال دوں تو یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی صریح خلاف ورزی ہوگی اور اس صورت میں، میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق ہوں گا تو پھر بتاؤ مجھے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کون بچائے گا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا قول کہ میں از خود علم غیب نہیں جانتا

حضرت نوح علیہ السلام نے جو یہ کہا کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ یہ کہ میں فرشتہ ہوں، اس قول کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا گیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىٕنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ وَّلَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْۤ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّیْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (ھود: 31)

اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور جو لوگ تمہاری نظروں میں حقیر ہیں میں ان کے متعلق یہ نہیں کہتا کہ اللہ ہرگز ان کو کوئی خیر نہیں عطا فرمائے گا۔ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے تو بے شک اس صورت میں میں ظالموں میں سے ہو جاؤں گا۔

☆

دنیا میں فضائل حقیقیہ روحانیہ کا مدار تین چیزوں پر ہے

(1) ان میں سے ایک استغناء مطلق ہے اور دنیا میں عادت جاریہ یہ ہے کہ جو شخص مال کثیر کا مالک ہو اس کو غنی کہا جاتا ہے۔ اس لئے حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ میں استغناء مطلق کا دعویٰ نہیں کرتا۔

(2) اور دوسری چیز ہے علم میں کمال اور مکمل علم۔

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

میں از خود غیب کو نہیں جانتا۔

(3) اور تیسری چیز ہے کامل اور مکمل قدرت اور لوگوں کے دلوں میں یہ بات مقرر ہے کہ مخلوقات میں سب سے زیادہ

طاقت اور قدرت فرشتوں کو ہوتی ہے۔
اور حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:
میں یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں اور ان تین چیزوں کی نفی کرنے سے مقصود یہ ہے کہ ان تینوں مراتب سے مجھے وہی کچھ حاصل ہے جو طاقت بشریہ اور قوت انسانیہ کے موافق ہے۔ رہا کمال مطلق تو میں اس کا دعویٰ نہیں کرتا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا کلام بطور تواضع ہے ورنہ بشمول حضرت نوح علیہ السلام تمام انبیاء کرام علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں۔
علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں کہ
اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:
اگر تم میری تکذیب اس وجہ سے کرتے ہو اور میری پیروی اس لئے نہیں کرتے کہ میرے پاس زیادہ مال اور بڑا مرتبہ نہیں ہے تو میں نے کب اس کا دعویٰ کیا ہے اور میں نے کب تم سے یہ کہا ہے: اللہ تعالیٰ کے رزق کے خزانے اور اس کا مال میرے پاس ہے حتیٰ کہ تم اس معاملہ میں مجھ سے بحث کرو اور میری نبوت کا انکار کرو۔ میں نے تو صرف رسالت اور اللہ عزوجل کے پیغام پہنچانے کا دعویٰ کیا ہے۔
اور نہ میں نے یہ کہا ہے:
میں ازخود غیب کو جانتا ہوں حتیٰ کہ تم اس کے مستبعد ہونے کی وجہ سے اس کا انکار کرو اور میں نے جو نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا ہے وہ وحی کے ذریعہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے خبر دینے کی وجہ سے ہے۔
اور ظاہر یہ ہے کہ
جب حضرت نوح علیہ السلام نے نبوت کا دعویٰ کیا تو انہوں نے آپ علیہ السلام سے متعدد غیب کی چیزوں کے متعلق سوال کیا تو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ کی دلیل کی وجہ سے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور میں اللہ تعالیٰ کے بتلائے بغیر غیب کو نہیں جانتا۔
اور ارشاد فرمایا
میں یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔ اس میں کفار کے اس قول کا رد ہے کہ ہم آپ علیہ السلام کو اپنے جیسا بشر ہی سمجھتے ہیں۔
حضرت نوح علیہ السلام کا مطلب یہ ہے کہ
میں نے اپنی نبوت کو رواج دینے کے لئے یہ نہیں کہا کہ میں فرشتہ ہوں حتیٰ کہ تم یہ کہو کہ آپ علیہ السلام تو ہماری طرح بشر ہیں اور فرشتے نہیں ہیں کیونکہ بشریت نبوت کے منافی نہیں ہے تم نے ان تین چیزوں کے نہ ہونے کو میری تکذیب کا ذریعہ بنایا ہے حالانکہ میں نے ان میں سے کسی چیز کا دعویٰ نہیں کیا۔
(روح المعانی: ج:12 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور جو تمہاری نظروں میں حقیر ہیں ان کے متعلق میں یہ نہیں کہتا کہ تمہارے حقیر سمجھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے ثواب کردے گا یا ان کے اجور کو باطل کردے گا۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے۔ پس وہ اس کے موافق ا جزا دے گا اور اگر بالفرض میں ایسا کہوں تو پھر میں ظالموں میں سے ہو جاؤں گا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا عذاب مانگنا

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اتنی بد بخت تھی کہ انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی فرمانبرداری کی بجائے عذاب اور حضرت نوح علیہ السلام کی مخالفت کی۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ○ قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ○ وَلَا یَنْفَعُكُمْ نُصْحِیْۤ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُهٗ فَعَلَیَّ اِجْرَامِیْ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ○ (32 تا 35)

انہوں نے کہا: اے نوح! تم نے ہم سے بحث کی اور بہت زیادہ بحث کی۔ اب اگر تم سچے ہو تو وہ لے آؤ جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو۔ (نوح نے کہا:) اگر اللہ نے چاہا تو تم پر وہ عذاب اللہ ہی لائے گا اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ اگر میں تم کو نصیحت کروں تو میں اپنی نصیحت سے تم کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا جبکہ اللہ تمہیں گمراہ کرنے کا ارادہ کر چکا ہو۔ وہی تمہارا رب ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس نے اس کو از خود گھڑ لیا ہے۔ آپ کہیے کہ اگر میں نے اس کو گھڑ لیا ہے تو میرا گناہ میرے ذمہ ہے اور میں تمہارے گناہوں سے بری ہوں۔

علامہ راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:

جدال کا معنی ہے بحث اور مناقشہ میں فریق مخالف پر غالب آنے کی کوشش کرنا۔ جدلت الحبل کا معنی ہے میں نے رسی کو مضبوطی سے بنایا اور اجدل طاقت ور شکرے کو کہتے ہیں اور اسی سے جدال بنا ہے گویا بحث اور مناقشہ کرنے والوں میں سے ہر فریق دوسرے کو اس کی رائے سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے۔

اور ایک قول یہ ہے:

جدال کا معنی پچھاڑنا ہے اور اپنے مخالف کو سخت زمین پر گرانا ہے۔

(المفردات ج:1،ص:117)

علامہ ابو عبداللہ مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

دین میں جدال کرنا محمود ہے۔ اسی وجہ سے حضرت نوح اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی قوموں سے جدال کیا تا کہ

حق کا غلبہ ہو اور جس نے ان کے موقف کو قبول کر لیا وہ کامیاب اور کامران ہو گیا اور جس نے ان کے موقف کو مسترد کر دیا وہ ناکام اور نامراد ہو گیا اور ناحق جدال کرنا تا کہ باطل کو غلبہ ہو مذموم ہے اور ایسا جدال کرنے والا دنیا اور آخرت میں ملامت اور مذمت کیا جاتا ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:9، ص:26)

کفار نوح کے اعتراضات

سابقہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے دیئے ہوئے وہ جوابات بیان فرمائے تھے جو انہوں نے کفار کے شبہات میں دیئے تھے۔

آپ علیہ السلام کے جوابات پر کفار نے دو اعتراض کئے۔

(1) کفار نے حضرت نوح علیہ السلام کے جوابات کو جدال سے تعبیر کیا۔

اور کہا کہ

آپ علیہ السلام نے بہت زیادہ جدال کیا ہے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے بہت زیادہ بحث فرمائی تھی اور حضرت نوح علیہ السلام کا جدال توحید نبوت اور آخرت کو ثابت کرنے کے لئے تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ

حق کو ثابت کرنے کے لئے دلائل پیش کرنا اور شبہات کا ازالہ کرنا یہ وہ جدال ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے اور آباء واجداد کی اندھی تقلید، جہل اور گمراہی پر اصرار کرنا اور اس پر جدال کرنا کفار کا طریقہ ہے۔

(2) حضرت نوح علیہ السلام ان کو جس عذاب سے ڈراتے تھے کفار نے ان سے عذاب کو بہ عجلت طلب کیا اور کہا اگر آپ سچے ہیں تو ہمارے پاس اس عذاب کو جلد لے کر آئیں جس سے آپ ہم کو ڈراتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا تھا اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وہ عذاب تم پر اللہ تعالیٰ ہی لائے گا اور تم اس کو عاجز کرنے والے نہیں ہو۔

اس کا معنی یہ ہے کہ

عذاب کو نازل کرنا میری طرف مفوض نہیں ہے یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے وہ جب چاہے گا اس کو کرے گا اور اس کو کوئی عاجز کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

پھر نوح علیہ السلام نے فرمایا:

اگر میں تم کو نصیحت کروں تو میں تم کو اپنی نصیحت سے فائدہ نہیں پہنچا سکتا جبکہ اللہ تعالیٰ تم کو گمراہ کرنے کا ارادہ کر چکا ہو۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو گمراہ کرنے کا ارادہ کرلیا ہے تو پھر ان کے گمراہ ہونے میں ان کا کیا قصور ہے؟ نیز جب اللہ تعالیٰ نے ان کو گمراہ کرنے کا ارادہ کرلیا تھا تو پھر حضرت نوح علیہ السلام کو ان کے ہدایت کے لئے بھیجنے کا کیا فائدہ تھا۔

امام رازی نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ

کبھی اللہ تعالیٰ بندے سے اس کے کفر کا ارادہ کرتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے کفر کا ارادہ کرلے تو پھر اس کا ایمان لانا محال ہے اور حضرت نوح علیہ السلام نے جو یہ فرمایا تھا وہ ہمارے مذہب کی صحت پر صراحتاً دلالت کرتا ہے۔

(تفسیر کبیر: ج:6،ص: 341،342 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

میں نے دیکھا کہ مفسرین میں سے کوئی بھی اس اعتراض کا جواب دینے کے درپے نہیں ہوا۔

میرے نزدیک اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ

ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کو ایمان لانے یا نہ لانے کا اختیار عطا فرمائے گا۔لیکن وہ ہدایت کو قبول کرنے کی بجائے اپنے آباء واجداد کی اندھی تقلید پر جمے رہنے کو اختیار کریں گے اور ہٹ دھرمی سے کام لیں گے۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس اختیار کی بنا پر ان کے حق میں کفر کو مقدر کردیا۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو گمراہی پر رکھنے کا ارادہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا ان کے اپنے اختیار کی وجہ سے ہے۔اس لئے قیامت کے دن وہ یہ عذر پیش نہیں کرسکتے کہ جب تو نے ہی ہمیں گمراہ کرنے کا ارادہ کرلیا تھا تو ہدایت کو قبول نہ کرنے میں ہمارا کیا قصور ہے اور نہ ہی حضرت نوح علیہ السلام کو ہدایت کے لئے بھیجنے کا عبث ہونا لازم آیا کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کے مسلسل ہدایت دینے کے باوجود انہوں نے اپنے اختیار سے ہدایت کو قبول نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ کا حضرت نوح علیہ السلام کو کفار کے ایمان نہ لانے پر تسلی دینا

جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو مسلسل دعوت دی تو ان میں سے بعض تو ایمان لے آئے اور بعض نے ایمان لانے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو تسلی دی کہ

آپ علیہ السلام ان کی کارروائی سے مغموم نہ ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۝(ھود: 36)

اور نوح کی طرف وحی کی گئی: آپ کی قوم میں سے صرف وہی لوگ ایمان لانے والے تھے جو پہلے ایمان لا چکے ہیں پس آپ ان کی کارروائی سے مغموم نہ ہوں۔

امام ابن جریر نے قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے کافروں کے خلاف یہ دعا کی

وَ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا○ (نوح: 26)
اور نوح نے دعا کی! اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ۔
(جامع البیان: جز:12، رقم الحدیث:13997)

جب حضرت علیہ السلام نے یہ دعا کر لی تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ آپ علیہ السلام کی قوم میں سے صرف وہی لوگ ایمان لانے والے تھے جو پہلے ایمان لا چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے جن کافروں کے متعلق یہ خبر دی کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے ان کا بعد میں حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ سے ایمان لانا ممکن تھا یا محال تھا۔ اگر ان کا ایمان لانا محال تھا تو یہ اس لئے صحیح نہیں ہے کہ کسی شخص کو امر محال کے ساتھ مکلف کرنا درست نہیں ہے اور اگر ان کا ایمان لانا ممکن تھا تو یہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کی خبر کا کذب ہونا ممکن ہو اور اس کے علم کا جہل ہونا ممکن ہو اور یہ محال ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

ان کا ایمان لانا ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خبر دینے سے قطع نظر فی نفسہ ان کا ایمان لانا ممکن ہے اور اسی لحاظ سے ان کا ایمان لانا ممکن ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اس اعتبار سے ان کا ایمان لانا ممتنع بالغیر ہے کیونکہ ان کے ایمان لانے سے اللہ تعالیٰ کی خبر کا کذب ہونا اور اس کے علم کا جہل ہونا لازم آئے گا اور وہ محال بالذات ہے اور یہاں سے مسئلہ تقدیر بھی واضح ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے یہ کفار اپنے اختیار سے ایمان نہیں لائیں گے۔ اس لئے اس نے فرما دیا کہ آپ علیہ السلام کی قوم میں سے صرف وہی لوگ ایمان لانے والے تھے جو پہلے ایمان لا چکے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کا قول کہ میں نے صرف اللہ تعالیٰ پر توکل کیا

جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تبلیغ کی تو انہوں نے آپ علیہ السلام کی نصیحت کو ناگوار سمجھا تو آپ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر تم کو میرا تمہارے درمیان رہنا اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ نصیحت کرنا ناگوار ہے تو میں نے تو صرف اللہ تعالیٰ پر توکل کیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَ تَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْۤا اَمْرَكُمْ وَ شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْۤا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ○ (یونس: 71)

اور ان کے سامنے نوح کا قصہ بیان کیجئے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اگر تم کو میرا رہنا اور تمہیں

اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ نصیحت کرنا ناگوار ہے تو میں نے تو صرف اللہ پر توکل کیا ہے تم اپنے معبودوں کے ساتھ مل کر اپنی سازش کو پختہ کرلو پھر تمہاری وہ سازش مخفی نہ رہے پھر تم جو کچھ میرے خلاف کر سکتے ہو وہ کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو۔

☆

اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے کہ۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو یہ ناگوار تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام ان کے درمیان رہیں۔ان کی ناگواری کی وجہ یہ تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نوسو سال تک ان کے درمیان رہے اور ان کے پاس اتنے لمبے قیام کی وجہ سے وہ بیزار ہو گئے تھے۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ

وہ بت پرستی کے جس طریقہ پر کاربند تھے وہ طریقہ ان کو بہت مرغوب اور بہت محبوب تھا۔وہ اس سے جذباتی وابستگی رکھتے تھے اور حضرت نوح علیہ السلام ان سے یہ فرماتے تھے کہ وہ اس طریقے کو ترک کردیں۔

اور یہ قاعدہ ہے کہ

اگر کوئی شخص کسی انسان کو اس کے پسندیدہ طریقہ سے ہٹانے کی کوشش کرے تو اس کو برا لگتا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ

انسان دنیاوی لذت سے محبت کرتا ہے،فحش کاموں میں اس کو مزہ آتا ہے اور ان کو چھوڑنا اس پر دشوار ہوتا ہے اور عبادت کے مشقتوں سے وہ متنفر ہوتا ہے۔ایسے شخص کو وہ آدمی برا لگتا ہے جو اس کو برے کاموں سے منع کرے اور نیک کام کرنے کا حکم دے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ

ان کی قوم کو ان کا قیام اور ان کا نصیحت کرنا ناگوار ہے

تو انہوں نے ابتداء سے یہ فرمایا۔

فعلی اللہ توکلت

میں نے صرف اللہ پر توکل کیا ہے کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر کامل بھروسہ ہے کیونکہ وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا اور تم اس وہم میں نہ رہنا کہ تم جو مجھے قتل کرنے اور ایذا پہنچانے کی دھمکیاں دیتے ہو تو میں اس سے ڈر کر اپنے مشن کو ترک کر دوں گا اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دینے کو چھوڑ دوں گا پھر دوسری بار تاکید کی۔

فَاَجۡمِعُوۡۤا اَمۡرَكُمۡ

گویا کہ یہ فرمایا: تم میری مخالفت میں اور مجھے ایذاء پہنچانے کے لئے جس قدر اسباب جمع کر سکتے ہو وہ جمع کرلو اور نہ
تم بلکہ تم اپنے ساتھ اپنے مذموم خداؤں کو بھی ملالو۔
پھر تیسری بار فرمایا
پھر وہ تمہاری سازش مخفی نہ رہے یعنی تم نے میرے خلاف جو کچھ کرنا ہے وہ کھلم کھلا کرو۔
پھر چوتھی بار فرمایا
ثُمَّ اقضوا الی
تم جو کچھ میرے خلاف کر سکتے ہو وہ کر گزرو۔
یعنی تم جو کچھ مجھے ضرر پہنچانا چاہتے ہو اور میرے خلاف جو بھی شر اور فساد کرنا چاہتے ہو وہ کر گزرو۔
اور پانچویں بار فرمایا
اور مجھے مہلت نہ دو یعنی تم جس قدر جلد میرے خلاف کارروائی کر سکتے ہو وہ کرو۔
اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کفار کی دھمکیوں سے بالکل نہیں ڈرتے تھے اور آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ پر
ل بھروسہ تھا۔

رت نوح علیہ السلام کا قوم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے فرمانا

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے لئے دعوت دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا
ق نہیں ہے۔
لہٰذا اسی خالق و مالک کی بندگی کرو اور اسی کو اپنا رب عزوجل مانو۔
قرآن مجید میں ہے:
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُو اللّٰهَ مَالَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط اَفَلَا تَتَّقُوْنَ○
(المومنون:23)
اور بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے کہا: اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا
تمہاری عبادت کا اور کوئی مستحق نہیں ہے تو کیا تم نہیں ڈرتے۔

☆

اس آیت کریمہ میں حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنے کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو
نذیر بنا کر اپنی قوم کی طرف بھیجا۔ آپ علیہ السلام نے اپنی قوم اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا
ی عبادت کا اور کوئی مستحق نہیں ہے تو کیا تم نہیں ڈرتے۔

کفار نوح کا قول کہ اللہ تعالیٰ پیغام کے لئے فرشتوں کو بھیجتا

جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے لئے کہا تو قوم کے سرداروں نے کہا: تمہاری طرح بشر ہیں جو تم پر فضیلت اور بڑائی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کسی کو پیغام دیکر بھیجتا تو فرشتوں کو نازل کرتا حالانکہ ہم نے اس بات کو اپنے آباء واجداد میں سے کسی سے نہیں سنا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚصلے مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝(المومنون: 24)

پس ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: یہ تو محض تمہاری مثل بشر ہیں جو تم پر فضیلت اور بڑائی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اگر اللہ کسی کو بھیجنا چاہتا تو فرشتوں کو نازل کر دیتا ہم نے اس بات کو اپنے پہلے باپ دادا میں سے کسی سے نہیں سنا۔

اگلی آیت میں ارشاد فرمایا

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ (المومنون: 25)

یہ تو صرف ایک مجنون آدمی ہے سو تم اس کو ایک معین میعاد تک ڈھیل دو۔

☆

قوم کے سرداروں نے کہا: یہ تو محض تمہاری مثل بشر ہیں یہ نبی اور رسول کیسے ہو سکتے ہیں۔ اگر یہ نبوت اور رسالت کا دعویٰ کر رہے ہیں تو ان کا مقصد صرف تم پر فضیلت اور برتری حاصل کرنا ہے بھلا انسان کی طرف کیسے وحی آسکتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنا پیغام بھیجنا چاہتا تو فرشتوں کے ذریعے سے بھیجتا جو ہم کو واحدانیت کی دعوت دیتا۔ ان کی دعوت تو ایک انوکھی اور نرالی دعوت ہے جس کو ہم نے اپنے باپ دادا کے زمانہ میں بھی کبھی نہیں سنا۔ یہ ہم کو اور ہمارے باپ دادا کو بتوں کی عبادت کرنے کی وجہ سے کم عقل اور اور بے وقوف کہتے ہیں۔ دراصل یہ خود ہی مجنون اور دیوانے ہیں۔ ان کو ایک معین مدت تک ڈھیل دے دو جب یہ وفات پا جائیں گے تو ان کی موت کے ساتھ ہی ان کی دعوت بھی ختم ہو جائے گی یا شاید ان کا جنون جاتا رہے اور یہ خود ہی اپنی اس دعوت کو ترک کر دیں۔

اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانا

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو آپ علیہ السلام کی قوم کی طرف مبعوث کیا تاکہ آپ علیہ السلام اپنی قوم کو دردناک عذاب سے ڈرائیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اطاعت کرنے پر تبلیغ کریں۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّـآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَ اَطِيْعُوْنِ ○ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (نوح: 1، 4)

بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ وہ اپنی قوم کو عذاب سے ڈرائیں اس سے پہلے کہ ان کی طرف دردناک عذاب آئے۔ کہا اے میری قوم! میں تمہیں عذاب سے صاف صاف ڈرانے والا ہوں کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرو وہ تمہارے بعض گناہوں کو معاف فرما دے گا اور تمہیں ایک معین مدت تک مہلت دے گا۔ بے شک جب اللہ کی معین کردہ مدت آجائے گی تو اس کو مؤخر نہیں کیا جائے گا۔ کاش تم جانتے۔

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت نوح علیہ السلام پہلے رسول تھے جن کو تمام روئے زمین والوں کی طرف بھیجا گیا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز:18، ص:273)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ نے سورہ نوح کی تفسیر کا آغاز مذکور الصدر حدیث سے کیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو تمام روئے زمین والوں کی طرف مبعوث کیا گیا تھا۔

اس حدیث کو علامہ سیوطی نے ابن عساکر کے حوالے سے ذکر کیا ہے مگر اس میں صرف اتنا ہے کہ سب سے پہلے جس نبی کو بھیجا گیا وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔

(الجامع الصغیر، رقم الحدیث:2845)

نیز علامہ قرطبی کا یہ کہنا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو تمام روئے زمین والوں کی طرف بھیجا گیا تھا۔ اس آیت کے خلاف ہے کیونکہ اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا گیا تھا اور جس نبی کو تمام روئے زمین والوں کی طرف بھیجا گیا وہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ حقیقت قرآن مجید کی ''آیات صریحہ اور احادیث صحیحہ'' سے ثابت ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ○ (الفرقان: 1)

بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے مقدس بندے پر فرقان کو نازل فرمایا تا کہ وہ تمام جہانوں کے لئے عذاب سے

ڈرنے والے ہو جائیں۔

سورہ سباء میں ہے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا (سباء: 28)

ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

اور حسب ذیل احادیث مبارکہ میں بھی اس کی صراحت ہے کہ صرف آپ کو ہی روئے زمین کے تمام لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے ایسی پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔

(1) ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر دیا گیا ہے۔

(2) میرے لئے تمام روئے زمین نماز کی جگہ اور طہارت کا آلہ بنا دی گئی ہے۔ پس میری امت میں سے جس شخص پر جہاں بھی نماز کا وقت آجائے وہ وہیں نماز پڑھ لے۔

(3) اور میرے لئے مال غنیمت کو حلال کر دیا گیا ہے اور مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کیا گیا۔

(4) اور مجھے شفاعت (کبریٰ) عطا کی گئی ہے۔

(5) اور پہلے نبی کو ایک مخصوص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 335)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے انبیاء کرام علیہم السلام پر چھ وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے۔

(1) مجھے جوامع الکلم دیئے گئے ہیں۔

(2) اور رعب سے میری مدد کی گئی ہے۔

(3) اور مال غنیمت میرے لئے حلال کر دیا گیا ہے۔

(4) اور میرے لئے تمام روئے زمین کو آلہ طہارت اور مسجد بنا دیا گیا ہے۔

(5) اور مجھے تمام مخلوق کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

(6) اور مجھ پر نبوت کو ختم کر دیا گیا ہے۔ (صحیح المسلم: رقم الحدیث: 523)

اس آیت مبارکہ میں فرمایا ہے۔
اس سے پہلے کہ ان کی طرف دردناک عذاب آئے۔
مقاتل نے کہا:
اس سے مراد ہے اس سے پہلے کہ ان کو طوفان سے غرق کردیا جائے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا
اس سے مراد آخرت کا عذاب ہے۔
ایک تفسیر یہ ہے کہ
آپ ان کو مطلق آخرت کے عذاب سے ڈرایئے۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے اور ان کو آخرت کے عذاب سے ڈراتے تھے لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ وہ آپ علیہ السلام کو اس قدر زدوکوب کرتے تھے کہ آپ علیہ السلام بے ہوش ہوجاتے تھے۔
قرآن مجید میں ہے:
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ○ (العنکبوت: 14)
اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا وہ ان میں ساڑھے نوسو سال رہے پس ان کو طوفان نے اس حال میں پکڑ لیا کہ وہ ظلم کرنے والے تھے۔
آیت نمبر 2 میں ارشاد فرمایا گیا۔
اے میری قوم! میں تمہیں صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔
یعنی میں تمہارے سامنے تمہاری زبان میں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچارہا ہوں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لے آئے تو اللہ تعالیٰ تم پر عذاب نازل فرمائے گا۔
آیت نمبر 3 میں فرمایا ہے کہ
تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرو۔
اللہ تعالیٰ کی عبادت کا یہ معنی ہے کہ
اس کے تمام احکام پر عمل کرو خواہ واجبات ہوں یا مستحبات ہوں اور خواہ ان عبادات کا تعلق ظاہری اعضاء سے ہو یا دل کے کاموں سے ہو۔
اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کا یہ معنی ہے کہ

ان تمام کاموں کو ترک کر دو جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام یا مکروہ قرار دیا ہے۔

اور ارشاد فرمایا۔

میری اطاعت کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی معرفت صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتانے اور اس کی راہنمائی سے ہوسکتی ہے۔ عام انسان کو کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے کس کام کا حکم دیا ہے کہ کس کام سے منع فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کس کام سے راضی ہے اور کس کام سے ناراض ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ اس لئے حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ عزوجل کی عبادت اور اس ڈرنے کا حکم دینے کے بعد فرمایا میری اطاعت کرو۔

آیت نمبر 4 میں فرمایا ہے۔

وہ تمہارے بعض گناہوں کو معاف فرمادے گا اور تمہیں ایک معین مدت تک مہلت دے گا۔ بے شک جب اللہ تعالیٰ کی معین کردہ مدت آجائے گی تو اس کو مؤخر نہیں کیا جائے گا۔ کاش تم جانتے۔

اللہ تعالیٰ نے ان تین کاموں کا مکلف کیا۔

(1) اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو

(2) اللہ تعالیٰ سے ڈرو

(3) اور حضرت نوح علیہ السلام کی اطاعت کرو۔

اور اس پر عمل کرنے کے بعد ان سے دو انعاموں کا وعدہ فرمایا۔

(1) اللہ تعالیٰ ان کے بعض گناہوں کو معاف فرمادے گا یعنی ان کو آخرت میں عذاب نہیں ہوگا۔

(2) ان سے دنیا کے عذاب اور مصائب بھی بقدر امکان دور فرمائے گا اور ان کی موت کو بقدر امکان مؤخر کر دے گا۔

اس آیت میں من ذنوبکم فرمایا ہے۔

یعنی تمہارے بعض گناہوں کو معاف فرمادے گا یعنی ان کے تمام گناہ معاف نہیں فرمائے گا۔

اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ

ایمان لانے سے پہلے کے گناہ تو صرف ایمان لانے سے ہی معاف ہو جاتے ہیں پھر قابل معافی جو گناہ بچے وہ ایمان لانے کے بعد کے ہی گناہ ہیں اور وہ کل گناہوں کا بعض ہی ہیں۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اپنا ہاتھ بڑھائیے تاکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم

ہاتھ پر بیعت کروں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنے ہاتھوں کو کھینچ لیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

اے عمرو! کیا ہوا

میں نے عرض کیا

میرا ارادہ ہے کہ میں ایک شرط لگاؤں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم کیا شرط لگاؤ گے۔

میں نے عرض کیا

میری معافی ہو جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے عمرو! کیا تم یہ نہیں جانتے کہ اسلام اس سے پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور حج اس سے پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 121)

دوسرا جواب یہ ہے کہ

ان کے بعض گناہوں سے وہ گناہ مراد ہیں جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے کیونکہ جن گناہوں کا تعلق حقوق العباد کے ساتھ ہے وہ گناہ اس وقت معاف ہوں گے جب اصحاب حقوق ان کو معاف کر دیں گے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ

ان بعض گناہوں سے وہ گناہ مراد ہیں جن پر بندوں نے استغفار کیا ہو اور باقی ماندہ گناہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف مفوض ہیں۔وہ چاہے تو ان گناہوں کی سزا دینے کے بعد ان کو معاف فرما دے چاہے تو کسی نبی ولی یا فرشتہ کی سفارش سے ان کو معاف فرما دے اور چاہے تو اپنے فضل سے ان کو معاف فرما دے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ

اس آیت میں من زائدہ یا بیانیہ ہے۔

اور مراد یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ بلیغ کے کلام میں کوئی لفظ زائد اور بے معنی نہیں ہوتا اور من بیانیہ اس وقت ہوتا ہے جب اس سے پہلے جنس کا ذکر ہو یا کوئی مبہم لفظ ہو۔

اس کے بعد فرمایا

اور تمہیں ایک معین مدت تک مہلت دے گا۔ بے شک جب اللہ تعالیٰ کی معین کردہ مدت آجائے گی تو اس کو مؤخر نہیں کیا جائے گا۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ

اس آیت کے پہلے حصے میں فرمایا ہے، اللہ تمہیں مہلت دے گا یعنی موت یا عذاب کو مؤخر کر دے گا اور دوسرے حصہ میں فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معین کردہ مہلت مؤخر نہیں ہوتی اور یہ صریح تناقض اور تضاد ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ کی تقدیر کی دو قسمیں ہیں۔

(1) تقدیر مبرم

(2) تقدیر معلق

تقدیر مبرم

تقدیر مبرم یہ ہے کہ جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اور وہی در حقیقت اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور اس میں کوئی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم بدل جائے اور یہ محال ہے کیونکہ علم بدلنے کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کا علم نہ ہو بعد میں اس کا علم ہو اور یہ محال ہے اس لئے تقدیر مبرم میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

قرآن مجید میں ہے:

لَا تَبۡدِيۡلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ (یونس: 64)

اللہ کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

تقدیر معلق

تقدیر معلق کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کام کو دوسرے کام پر موقوف کر کے لوح محفوظ میں لکھ دیا۔ مثلاً اگر تمام قوم نوح ایمان لے آئی تو ان پر طوفان کا عذاب نہیں آئے گا اور اگر تمام قوم ایمان نہیں لائی تو ان پر عذاب آجائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کو قطعیت سے علم ہوتا ہے کہ کیا ہوگا اور وہی ام الکتاب ہے۔

اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔

يَمۡحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثۡبِتُ وَ عِنۡدَهٗۤ اُمُّ الۡكِتٰبِ (الرعد: 39)

اللہ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب ہے۔

اس کا ثبوت اس حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تقدیر کو صرف دعا بدل سکتی ہے اور عمر میں صرف نیکی سے اضافہ ہو سکتا ہے۔
(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2139)

اس تقدیر سے مراد تقدیر معلق ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی نفع کو کسی بندہ کی دعا پر موقوف کر دیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ قطعی طور پر جانتا ہے کہ وہ بندہ دعا کرے گا یا نہیں اور اس کا وہ علم ہی تقدیر مبرم ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

ابو خزامہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔
انہوں نے کہا:
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ بتائیے کہ ہم جو دم کراتے ہیں یا دوا سے علاج کرتے ہیں یا پرہیز کرتے ہیں، آیا اس سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر بدل جاتی ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہیں۔
(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2065)

یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر کر دیا ہے کہ اس مرض میں اس دوا سے مثلاً شفا ہو گی اگر دوا کی تو شفا ہو گی ورنہ نہیں اور یہ تقدیر معلق ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو قطعی طور پر علم ہوتا ہے کہ کیا ہو گا اور وہی تقدیر مبرم ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو گی۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضرت نوح علیہ السلام کی عرض

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دن و رات دعوت دی لیکن اس قوم پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس پر وہ اور بھاگنے لگ گئے اور اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں اور بہت زیادہ تکبر کرنے لگ گئے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُ قَوۡمِیۡ لَیۡلًا وَّ نَہَارًا ۙ فَلَمۡ یَزِدۡہُمۡ دُعَآءِیۡۤ اِلَّا فِرَارًا ۙ وَ اِنِّیۡ کُلَّمَا دَعَوۡتُہُمۡ لِتَغۡفِرَ لَہُمۡ جَعَلُوۡۤا اَصَابِعَہُمۡ فِیۡۤ اٰذَانِہِمۡ وَ اسۡتَغۡشَوۡا ثِیَابَہُمۡ وَ اَصَرُّوۡا وَ اسۡتَکۡبَرُوا اسۡتِکۡبَارًا ۚ
(نوح: 5 تا 7)

کہا! اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی قوم کو دن اور رات دعوت دی پس میری دعوت سے یہ لوگ اور زیادہ بھاگنے لگے اور بے شک میں نے جب بھی ان کو بلایا تا کہ تو ان کو معاف فرمائے تو انہوں نے اپنے کانوں میں اپنی انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنے اوپر اپنے کپڑے لپیٹ لئے اور ضد کی اور بہت زیادہ تکبر کیا۔

ان آیات مبارکہ میں فرمایا گیا کہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو مسلسل دن اور رات، خلوت اور جلوت میں دین کی تبلیغ کرتے رہے لیکن ان کی تبلیغ کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا بلکہ الٹا اثر ہوا بجائے اس کے کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف رغبت کرتے وہ ان سے متنفر ہو گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ

ہدایت کا ملنا اور گمراہی میں مبتلا ہونا محض اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی اثر آفرینی سے ہوتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام جب بھی انہیں ایمان اور اعمال صالحہ کی طرف بلاتے تا کہ ان کی مغفرت ہو جائے تو وہ اعراض کرتے اور آپ علیہ السلام کا وعظ نہ سننے کی کوشش کرتے اس لئے وہ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے اور اپنے اوپر کپڑے لپیٹ لیتے تا کہ حق اور صداقت کی کوئی آواز ان کے کانوں تک پہنچنے نہ پائے۔ وہ اپنے کفر و شرک پر اصرار کرتے اور اس پر جمے رہتے اور حضرت نوح علیہ السلام کے وعظ سننے اور اس کے قبول کرنے کو اپنی بڑائی اور انانیت کے خلاف سمجھتے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی اعلانیہ اور خفیہ طور پر تبلیغ

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اعلانیہ اور خفیہ دونوں طرح سے دعوت دی اور ان سے کہا: تم اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی مغفرت فرمانے والا ہے اور وہ ہی ایسی مقدس ذات ہے جو تمہارے گناہوں کو بخش دے گی۔

قرآن مجید میں ہے:

ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝ ثُمَّ اِنِّیْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ (نوح: 8 تا 10)

پھر میں نے ان کو بلند آواز سے بلایا پھر میں نے ان کو علی الاعلان بھی بلایا اور خفیہ طور سے بھی پس میں نے ان سے کہا! تم اپنے رب سے معافی مانگو بے شک وہ بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہے۔

☆

ان آیات کریمہ میں حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بلند آواز سے بھی تبلیغ کی اور خفیہ طور پر بھی لیکن قوم پر آپ علیہ السلام کی تبلیغ کا کوئی اثر نہیں ہوا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: تم لوگ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی مغفرت فرمانے والا ہے۔

قوم کو اللہ تعالیٰ کے انعامات کی طرف توجہ دلانا

جب آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت دی تو قوم پر آپ علیہ السلام کی تبلیغ کا کوئی اثر نہیں ہوا تو اس کے بعد آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے انعامات کی طرف توجہ دلائی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر بارش برسائے گا اور تمہارے لئے باغ اگائے گا اور تمہارے لئے دریا بہائے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝ (نوح: 11 تا 12)

وہ تم پر موسلا دھار بارش نازل فرمائے گا اور مالوں اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے لئے باغات اگائے گا اور تمہارے لئے دریا بہائے گا۔

چالیس سال تک عورتیں بانجھ رہیں

امام رازی فرماتے ہیں کہ

۔مقاتل نے کہا:

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے بہت طویل عرصہ تک حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی، اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش کو روک لیا اور چالیس سال تک ان کی عورتیں بانجھ ہوگئیں۔ ان کے ہاں اولاد نہیں ہوئی پھر اس سزا کے تدارک کے لئے انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف رجوع کیا تو نوح علیہ السلام نے فرمایا:

تم اپنے شرک اور کفر پر اپنے رب عزوجل سے توبہ کرو اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو، تمہارا رب عزوجل تمہارے اوپر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے گا۔

اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کرنے سے اور اس کی اطاعت اور عبادت کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور وسعت اور کشادگی حاصل ہوتی ہے اور اس پر حسب ذیل آیات دلالت کرتی ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الاعراف: 96)

اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور اللہ سے ڈرتے رہتے تو ان کے اوپر آسمان اور زمینوں کی برکتیں کھول دیتے۔

اور سورہ المائدہ میں ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَ كَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ (المائدہ: 66)

اور اگر یہ لوگ یہ تورات اور انجیل کو قائم کرتے اور اس کو قائم کرتے جو ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے تو یہ اپنے اوپر سے کھاتے اور اپنے نیچے سے۔

اور سورہ جن میں ہے۔

وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰـهُمْ مَّآءً غَدَقًاo (الجن: 16)
اور اگر یہ لوگ راہ راست پر سیدھے چلتے تو ہم ان کو ضرور بہت وافر پانی پلاتے۔
اور سورہ طلاق میں ہے۔
وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًاo وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ (الطلاق: 3-2)
اور جو شخص اللہ سے ڈرتا رہتا ہے اللہ اس کے لئے نجات کی راہ نکال دیتا ہے اور اس کو وہاں سے روزی دیتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔
امام ابن مردویہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ استغفار کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو استغفار کی اسی لئے تعلیم دی ہے کہ وہ تم کو بخشنا چاہتا ہے
(الدرالمنثور: ج:8،ص:269 داراحیاء التراث العربی بیروت)
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
جس شخص کو استغفار کی توفیق دی گئی وہ مغفرت سے محروم نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔
اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًاo (نوح: 10)
حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ
ابلیس نے اپنے رب عزوجل سے کہا
تیری عزت اور جلال کی قسم! میں بنو آدم کو اس وقت تک گم راہ کرتا رہوں گا جب تک ان کے جسموں میں روحیں ہیں۔
تب اس کے رب عزوجل نے فرمایا
مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! میں ان کی مغفرت کرتا رہوں گا۔ جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے۔
(مسند احمد: ج:3،ص:67،41،29)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اس کا صحیفہ اعمال اس کو خوش کرے وہ بہت زیادہ استغفار کرے۔
(المعجم الاوسط، رقم الحدیث:843)

قوم کو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں بتانا

جب قوم پر تبلیغ کا کوئی اثر نہیں ہوا تو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ نشانیاں بتائیں اور ان نشانیوں کو ایک ایک کر کے گنوایا تا کہ قوم ان نشانیوں کو سمجھ کر ایمان لے آئے۔

قرآن مجید میں ہے:

مَالَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ○ وَ قَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ○ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا○ وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا○ وَاللّٰهُ اَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا○ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَ يُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا○ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ○ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا○ (13، 20)

تم اللہ تعالیٰ کی جلالت وعظمت کو کیوں تسلیم نہیں کرتے حالانکہ اس نے تم کو بتدریج پیدا کیا ہے۔کیا تم نے دیکھا کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے ہیں اور ان میں چاند کو روشن فرمایا اور سورج کو چراغ بنایا اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے اگایا ہے پھر تم کو اسی زمین میں لوٹائے گا اور تم کو نکالے گا اور اللہ نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا تا کہ تم اس کے کشادہ راستوں میں چلتے پھرتے رہو۔

ان آیات کریمہ میں وقار کا لفظ آیا ہے۔اس کا معنی تعظیم ہے۔اس آیت کا معنی ہے تم اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال سے ڈرتے کیوں نہیں یعنی تمہارے حال سے یہ کیوں ظاہر نہیں ہوتا کہ تم اللہ تعالیٰ کی تعظیم وتوقیر کرنے والے ہو اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور توقیر اور اس کی ہیبت اور جلال سے ڈرنے کا اندازہ اس حدیث مبارکہ سے ہوتا ہے۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا کہ

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! لوگ پریشان ہوگئے بچے ضائع ہوگئے۔اموال کم ہوگئے اور مویشی ہلاک ہوگئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کیجئے۔ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفیع بناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں شفیع بناتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم پر افسوس ہے! کیا تم جانتے ہو تم کیا کر رہے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبحان اللہ، سبحان اللہ پڑھنے لگے۔پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافی دیر تک سبحان اللہ، سبحان اللہ پڑھتے رہے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے چہروں پر ملال کے آثار ظاہر ہوئے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم پر افسوس ہے تم پر افسوس ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کو شفاعت کرنے والا نہیں بنایا جاتا۔ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بھی بلند و بالا ہے۔ تم جانتے ہو کیا اللہ تعالیٰ کیا ہے۔

بے شک اس کا عرش سات آسمانوں کے اوپر اس طرح ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو گنبد کی طرح بنایا اور بے شک وہ چر چر کر رہا ہے۔

جس طرح سوار کے بوجھ سے سواری چر چر کرتی ہے۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 4726)

امام ابوسلیمان الخطابی المتوفی 388ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گنبد کی مثال بنا کر جو دکھائی اور عرش کے چر چرانے کا ذکر فرمایا۔ یہ اس کم فہم اعرابی کو سمجھانے کے لئے تھا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کیا ہے۔

اس کا معنی ہے۔

کیا تم اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے جلال کو جانتے ہو اور سواری کے چر چر کرنے کی مثال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے جلال کو عرش بھی برداشت نہیں کر سکتا اور اس مثال کو بتانے سے یہ مراد ہے کہ جس کی اپنی اتنی عظیم شان اور جلالت قرار ہو اس کو کسی کے پاس سفارشی بنانا جائز نہیں ہے۔

(معالم السنن: ص: 94 دار المعرفۃ بیروت)

علامہ حسین بن محمد الطیبی المتوفی 743ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا: اللہ تعالیٰ کو کسی کے پاس سفارشی بنایا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بار بار سبحان اللہ اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور اس کے خوف کی وجہ سے تھا اور اللہ تعالیٰ کی ذات کی اس سے تنزیہ اور برأت کے لئے تھا کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کے پاس سفارش کرنے والا بنایا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گنبد کی مثال جو دی ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کو دلوں میں بٹھانا مقصود ہے اور یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال اس کے منافی ہے کہ اس کو کسی کے پاس سفارشی بنایا جائے۔

(الکاشف عن حقائق السنن ج: 10 ص: 329 ادارۃ القرآن کراچی)

ملا علی بن سلطان القاری المتوفی 1014ھ لکھتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بار بار سبحان اللہ پڑھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے چہرے اسی لئے متغیر ہوئے تھے کہ انہوں نے سمجھ لیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے غضب ناک ہوئے ہیں کہ اس اعرابی نے اللہ تعالیٰ کو آپ

اللہ علیہ وسلم کی جناب میں سفارشی بنایا۔ سو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غضب سے خوفزدہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے ان کے چہرے متغیر ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی ہیبت کی وجہ سے بار بار سبحان اللہ پڑھا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو گنبد کی مثال دی ہے اس سے مقصود یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی شان اور عظمت اس سے بلند ہے کہ اس کو کسی کے پاس سفارشی بنایا جائے۔

(مرقاۃ المفاتیح: ج:9، ص:722 المکتبۃ الحقانیہ پشاور)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ کی اتنی عظمت ہے اور جلال ہے پھر بھی تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا قول کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بتدریج بنایا

حضرت نوح علیہ السلام کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر کیوں ایمان نہیں لاتے حالانکہ اس نے تمہیں اولاً مٹی سے بنایا پھر مٹی کو سبزہ اور غلہ بنایا پھر اس سے غذا بنائی پھر غذا سے خون بنایا پھر خون سے نطفہ بنایا پھر اس نطفہ کو جما ہوا خون بنایا پھر اس خون کو گوشت کا ٹکڑا بنایا پھر اس کو ہڈیوں اور گوشت کی صورت دی پھر اس میں روح پھونکی پھر تم کو جنین بنایا پھر ولید بنایا پھر دودھ پیتا بنایا۔ پھر بچہ بنایا پھر نوخیز لڑکا بنایا پھر قریب البلوغ بنایا پھر بالغ بنایا پھر جوان بنایا پھر قوی مرد بنایا پھر چالیس سال کی عمر کا بنایا پھر شیخ بنایا ساٹھ سال کے بعد شیخ فانی بنایا پھر میت بنایا اور قبر میں پہنچایا اور دفین بنایا اور جب قبر میں ہڈیاں بوسیدہ ہو گئیں تو رمیم بنایا اور جب ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو کر خاک میں مل کر خاک ہو گئیں تو پھر تم کو مٹی بنا دیا۔

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ان کی تعظیم اور توقیر نہیں کرتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ ان کی توقیر اللہ تعالیٰ کی توقیر ہے۔ تم اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ان کی تعظیم اور توقیر کیوں نہیں کرتے۔ تم ان پر ایمان لاؤ اور ان کے پیغام کو قبول کرو اور اللہ تعالیٰ کی توحید مانو۔ اس نے تم کو کم بتدریج پیدا کیا ہے۔

سات آسمان اور چاند سورج کی توجیہ

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح سات آسمان اوپر تلے پیدا کیے ہیں اور ان میں چاند کو روشن بنایا اور سورج کو چراغ بنایا۔

اللہ تعالیٰ نے تخلیق اور توحید پر جو دلائل قائم کیے ہیں۔

وہ دو قسم کے ہیں۔

(1) ایک وہ دلائل جو انسان کے اپنے اندر ہیں۔

(2) دوسرے وہ دلائل ہیں جو اس خارجی کائنات میں ہیں۔

انسان کے اپنے اندر جو دلائل ہیں ان کی تقریر یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے انسان کو بتدریج پیدا کیا ہے۔
اب سوال یہ ہے کہ
انسان ممکن اور حادث ہے کیونکہ انسان عدم سے وجود میں آیا ہے تو ضروری ہوا کہ اس کو عدم سے وجود میں لانے کی کوئی علت ہو اور اگر وہ علت بھی ممکن اور حادث ہوئی تو اس کے لئے پھر کسی علت کی ضرورت ہوگی اور یوں غیر متناہی علتیں لازم آ ئیں گی اور یہ محال ہے۔
اس لئے ضروری ہوا کہ انسان کی پیدائش کی علت حادث اور ممکن نہ ہو بلکہ واجب اور قدیم ہو۔
اور یہ بھی ضروری ہے کہ
وہ علت واحد ہو کیونکہ تعدد وجباء اور تعدد قدماء محال ہے۔
نیز تمام انسانوں کی بتدریج پیدائش کا واحد طریقہ ہے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ ان کا موجد بھی واحد ہو کیونکہ اگر موجد متعدد ہوتے تو ان کے طریقے ہائے تولید بھی متعدد ہوتے۔اس خارجی کائنات میں آسمان، چاند اور سورج اور اسی طریقہ سے ان کی تخلیق کی علت بھی واجب، قدیم اور واحد ہوگی۔اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق اور توحید پر پہلے اس دلیل کا ذکر کیا جو انسان کے اندر ہے پھر اس دلیل کا ذکر فرمایا جو انسان کے باہر ہے کیونکہ انسان اپنے اندر کی نشانیوں کو باہر کی نشانیوں کی بہ نسبت زیادہ پہچانتا ہے۔
اس آیت میں فرمایا ہے کہ
آسمان اوپر تلے ہیں اور ایک دوسرے اوپر منطبق ہیں حالانکہ احادیث مبارکہ سے یہ ثابت ہے کہ دو آسمانوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔
(سنن الترمذی: رقم الحدیث:3298)
اس کا جواب یہ ہے کہ
آسمان ایک دوسرے پر منطبق ہیں۔اس لئے یہ لازم نہیں آیا کہ وہ ایک دوسرے سے مماس ہوں اور پیاز کے چھلکوں کی طرح ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں۔دو آسمان ایک دوسرے سے منفصل ہونے کے باوجود اوپر تلے اور ایک دوسرے منطبق ہو سکتے ہیں۔

زمین سے پیدا کرنے سے مراد

آیت نمبر 17، 18 میں فرمایا۔
اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے اگایا ہے پھر تم کو اسی زمین میں لوٹائے گا اور دوبارہ تم کو نکالے گا۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے ''ہم نے تم کو اسی زمین سے پیدا کیا ہے۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو نطفہ سے پیدا کیا۔

اور قرآن مجید میں بھی یہی فرمایا ہے۔

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ (النحل: 4)

انسان کو نطفہ سے پیدا کیا۔

سورہ دہر میں ہے۔

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ (الدهر: 2)

بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ

ہمارے جدامجد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور وہ ہماری اصل ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے تو چونکہ اصل انسان کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے تو اس وجہ سے فرمایا ہم نے تم کو اس زمین سے پیدا کیا ہے۔

سورہ مومنون میں ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ○ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ○(المومنون: 12، 13)

اور بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا فرمایا پھر ہم نے اس کو مضبوط جائے قرار میں نطفہ بنا کر رکھا۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ

انسان کی پیدائش نطفہ اور حیض کے خون سے ہوئی ہے اور نطفہ اور حیض کا خون دونوں غذا سے بنتے ہیں اور غذا گوشت اور سبزیوں سے حاصل ہوتی ہے اور گوشت بھی حیوانوں کے سبزہ کھانے سے بنتا ہے تو غذا کا رجوع اور مآل سبزیوں کی طرف ہے اور سبزیاں پانی اور مٹی کے امتزاج سے پیدا ہوتی ہیں تو خلاصہ یہ ہوا کہ نطفہ اور حیض کا خون زمین کی مٹی سے پیدا ہوتا ہے لہٰذا یہ کہنا صحیح ہے کہ ہر انسان مٹی سے پیدا ہوا ہے۔

اس اعتراض کا تیسرا جواب یہ ہے کہ حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے اس کے اوپر اس کی قبر کی مٹی چھڑکی جاتی ہے۔

ابو عاصم نے کہا:

تم حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے لئے اس جیسی فضیلت نہیں پاسکو گے کیونکہ ان دونوں کی مٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مٹی سے ہے۔

(حلیۃ الاولیاء: ج:2، ص:318 رقم الحدیث:2389 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

ہر انسان کو اس مٹی میں دفن کیا جاتا ہے جس سے وہ پیدا کیا گیا۔

(مصنف عبد الرزاق: رقم الحدیث: 6531 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ فرشتہ زمین سے مٹی لے کر اس کی ناف کاٹنے کی جگہ پر رکھتا ہے۔ اس مٹی میں اس کی شفا ہوتی ہے اور اسی میں اس کی قبر ہوتی ہے۔

(مصنف عبد الرزاق: رقم الحدیث:6533 مطبوعہ بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے اس کی ناف میں وہ مٹی ہوتی ہے جس سے وہ پیدا کیا جاتا ہے اور جب وہ ارذل عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تو وہ اس مٹی کی طرف لوٹایا جاتا ہے جس سے وہ پیدا کیا جاتا ہے حتیٰ کہ اس مٹی میں اس کو دفن کیا جاتا ہے اور میں اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما ایک ہی مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں اور اس مٹی سے ہم اٹھائے جائیں گے۔

(فردوس الاخبار: ج:4، ص:235)

قوم نوح کا حکم عدولی کرنا

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے آپ علیہ السلام کی حکم عدولی کی تو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: یا خالق باری انہوں نے میری نافرمانی کی اور انہوں نے ان کی پیروی کی جنہوں نے ان کے مال اور اولاد میں نقصان کے سوا کوئی اضافہ نہیں کیا اور انہوں نے بہت بڑی سازش کی۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ مَالُهٗ وَ وَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ۝ وَ مَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ۝

(نوح:21،22)

نوح نے کہا: اے میرے رب! انہوں نے میری حکم عدولی کی اور انہوں نے ان کی پیروی کی جنہوں نے ان کے مال اور اولاد میں نقصان کے سوا کوئی اضافہ نہیں کیا اور انہوں نے بہت بڑی سازش کی۔

اس آیت کریمہ میں یہ بتایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ان کی دعوت کا کیا جواب دیا اور یہ بتایا کہ ان کی قوم نے نہ صرف یہ کہ ان کی حکم عدولی کی بلکہ حضرت نوح علیہ السلام کے مقابلہ میں ان کے مخالفوں کی اطاعت کی۔ جو لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی نبوت کے منکر اور مخالف تھے اور بت پرستی کے داعی تھے جن کی اطاعت ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی تھی وہ ان کے دنیا میں کسی کام آسکتے تھے نہ آخرت میں جن کی دوستی اور اطاعت سے ان کو سوائے نقصان کے اور کچھ حاصل نہ تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم حضرت نوح علیہ السلام کو چھوڑ کر ان کی اطاعت کرتی تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بڑے بڑے سرداروں نے اپنے اطاعت گزاروں کو ورغلایا اور حضرت نوح علیہ السلام کے خلاف سازش کی وہ اپنے ماتحت لوگوں کو حضرت نوح علیہ السلام کے خلاف بھڑکاتے تھے اور حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق ناگفتنی باتیں کہتے تھے۔

قوم کے سرداروں کا قوم کو بتوں کی عبادت پر ابھارنا

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے سرداروں نے قوم کو بتوں کی عبادت پر ابھارا اور کہا کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَ يَعُوْقَ وَ نَسْرًا ۝ (نوح: 23)

اورانہوں نے کہا: تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو ہرگز نہ چھوڑنا۔

اس آیت کریمہ میں ان بتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جن کی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم عبادت کرتی تھی اور ان کی قوم کے سرداران کو ان بتوں کی عبادت کرنے کی تلقین کرتے تھے۔

جن بتوں کی عبادت پر کفار نوح اپنی قوم کو ابھارتے تھے مفسرین کرام نے ان کی تاریخی حیثیت بتائی ہے۔

قوم نوح کا بتوں کی پوجا کرنا

امام عبدالرحمان بن محمد ابن ابی حاتم متوفی 327ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام بیمار ہوئے اور ان کے گرد ان کے بیٹے تھے۔

ان میں

ود

یغوث

سواع

اور نسر تھے۔

اور وہ ان کے سب سے بڑے بیٹے اور سب سے زیادہ نیک تھے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 18996)

امام ابو جعفر نے ود کا ذکر کیا۔

اور کہا

ود مسلمان شخص تھا اور بہت نیک تھا اور اپنی قوم میں بہت محبوب تھا جب وہ فوت ہو گیا تو لوگ اس کی قبر پر ارض بابل میں گئے اور اس کی یاد میں رونے لگے۔ جب ابلیس نے ان آہ وزاری کو دیکھا تو وہ ان کے پاس انسانی شکل میں آیا۔

اور کہنے لگا

اس شخص کی یاد میں تمہارے رنج وغم کو دیکھ رہا ہوں۔ تمہارا کیا حال ہے میں اس شخص کی مثال کا تمہارے لئے ایک مجسمہ بنا دوں تم اس مجسمہ کو اپنی مجلس میں رکھ لینا پھر تمہارا دل بہل جائے گا۔

انہوں نے کہا:

ہاں! ٹھیک ہے۔

سو اس نے ود کی مثل کا ایک مجسمہ بنا دیا اور انہوں نے اس کو اپنی مجلس میں رکھ لیا اور اس کو یاد کرتے رہتے تھے۔

جب ابلیس نے دیکھا کہ

وہ اس کو بہت یاد کرتے ہیں تو اس نے ان لوگوں سے کہا

کیا خیال ہے میں تم میں سے ہر شخص کے گھر میں ود کی مثال کا ایک مجسمہ بنا کر رکھ دوں۔ ان لوگوں نے اس پیش کش کو قبول کر لیا اور وہ ان مجسموں کو دیکھ کر ود کو یاد کرتے رہے پھر ان کی نسل نے اپنے آباؤ اجداد کو یہ کرتے ہوئے دیکھا اور وہ یہ سمجھ گئے کہ ان کے آباء واجداد صرف ان بتوں کو دیکھ کر ود کو یاد کرتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان بتوں کو اپنا معبود بنا لیا۔ پھر وہ نسل در نسل ان بتوں کی عبادت کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جس بت کی سب سے پہلے عبادت کی گئی وہ ود کا بت تھا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 18997)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ بیان کرتے ہیں کہ

محمد بن قیس نے کہا:

یہ بت (ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر) حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے نیک لوگ تھے اور ان کے پیروکار جو ان کی اقتداء کرتے تھے جب وہ نیک لوگ فوت ہو گئے تو ان کے پیروکاروں نے کہا:

اگر ہم ان نیک لوگوں کے مجسمے بنا لیں تو پھر ہم کو عبادت کرنے میں زیادہ ذوق وشوق حاصل ہوگا۔ سو انہوں نے ان

مجسمے بنالئے اور جب یہ نسل بھی ختم ہوگئی اور دوسری نسل آئی تو ابلیس نے ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ تمہارے آباؤ اجداد ان مجسموں کی عبادت کرتے تھے اور ان ہی کی وجہ سے ان پر بارش برسائی جاتی تھی۔ سو بعد کے لوگوں نے ان کی عبادت کرنی شروع کردی۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 27154)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ ودّ دومۃ الجندل میں بنوکلب کا بت تھا اور سواع رباط میں ہذیل کا بت تھا اور یغوث بصرف میں مراد کے بنوغطیف کا بت تھا یہ سبا میں تھا۔ یعوق بلخ میں ہمدان کا بت تھا اور نسر ذی کلاع کا بت تھا جو حمیر سے تھے۔

قتادہ نے کہا:

یہ وہ بت تھے جن کی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم عبادت کرتی تھی۔ پھر بعد میں اہل عرب نے ان کو اپنا معبود بنالیا۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 27156)

حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں۔

محمد بن قیس نے کہا:

یغوث، یعوق اور نسر، حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیانی عہد کے لوگ ہیں یہ بہت نیک لوگ تھے اور ان کے بہت پیروکار تھے۔ جب یہ نیک لوگ فوت ہوگئے۔

تو ان کے پیروکاروں نے کہا:

اگر ہم ان کی مثال کے مجسمے بنالیں تو ہماری عبادت میں زیادہ ذوق اور شوق ہوگا۔ پھر انہوں نے ان کی مثال کے مجسمے بنا لئے۔ پھر جب ان کی نسل ختم ہوگئی اور ان کی دوسری نسل آئی تو ابلیس نے ان کے دماغوں میں یہ خیال ڈال دیا کہ تمہارے آباؤ اجداد ان بتوں کی عبادت کرتے تھے اور ان ہی کی وجہ سے بارش ہوتی تھی۔ سو انہوں نے ان کی عبادت کرنی شروع کردی۔

اس کے بعد حافظ ابن کثیر نے حافظ ابن عساکر کی یہ روایت نقل کی ہے۔ حافظ ابن عساکر نے حضرت شیث علیہ السلام کی سوانح میں یہ روایت ذکر کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

حضرت آدم علیہ السلام کی چالیس اولاد ہوئی۔ بیس بیٹے اور بیس بیٹیاں، ان میں سے جو زندہ رہے وہ ہابیل اور قابیل تھے اور صالح اور عبدالرحمان جن کا نام عبدالحارث رکھا تھا اور ود کو شیث کہا جاتا تھا اور ان کو ہبۃ اللہ بھی کہا جاتا تھا اور ان کے بھائیوں نے ان کو سردار بنادیا تھا اور ان کے بیٹوں کے نام سواع، یغوث، یعوق اور نسر تھے۔

(تاریخ دمشق الکبیر: ج:25، ص:185 دار احیاء التراث العربی بیروت) (تفسیر ابن کثیر: ج:4، ص:470 دار الفکر بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

یہ بھی حکایت بیان کی جاتی ہے کہ ود کا بت مرد کی صورت کا تھا۔ سواع کا بت عورت کی صورت کا تھا۔ یغوث کا بت شیر کی صورت کا تھا۔ یعوق کا بت گھوڑے کی صورت پر تھا اور نسر کا بت گدھ کی صورت کا تھا۔ اور یہ حکایت ان تصریحات کے منافی ہے کہ یہ بت نیک انسانوں کی صورتوں پر بنائے گئے تھے اور یہ تصریحات ہی اصح ہیں۔

(روح المعانی: جز: 29 ص: 133 دار الفکر بیروت)

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم جن بتوں کی عبادت کرتی تھی ان کے متعلق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث مبارکہ روایت کی ہے۔

ابن جریج سے روایت ہے کہ عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ قوم نوح جن بتوں کی عبادت کرتی تھی۔ وہ بت عرب میں اب بھی ہیں۔ رہا ود تو وہ دومۃ الجندل میں بنو کلب کا معبود ہے۔ رہا سواع تو وہ ہذیل کا معبود ہے۔ رہا یغوث تو وہ مراد کا معبود ہے۔ پھر بنو غطیف کا جوف میں سبا کے پاس معبود ہے۔ رہا یعوق تو وہ ہمدان کا معبود ہے اور رہا نسر تو وہ حمیر کا ذی الکلاع کے لئے معبود ہے۔ یہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگوں کے اسماء ہیں جب یہ نیک لوگ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ جن مجالس میں وہ بیٹھے ہیں وہاں ان نیک لوگوں کے مجسمے بنا کر رکھ دیئے جائیں اور ان نیک لوگوں کے ناموں پر ان بتوں کے نام رکھ دیئے جائیں پھر جب تک ان لوگوں کی نسل باقی رہی ان بتوں کی عبادت نہیں کی گئی اور جب وہ لوگ فوت ہو گئے اور ان کا علم نہ رہا تو ان کی عبادت کی جانے لگی۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 4920)

اس روایت پر اعتراض امام رازی نے کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

یہ پانچ بت سب سے بڑے بت تھے پھر یہ بت حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے اہل عرب کی طرف منتقل ہوئے پس ود بنو کلب کا ہو گیا اور سواع ہمدان کا ہو گیا اور یغوث مذحج کا ہو گیا، یعوق مراد کا ہو گیا اور نسر حمیر کا ہو گیا۔ اس وجہ سے اہل عرب کا عبد ودا اور عبد یغوث کہا جاتا تھا۔

تاریخی کتب میں اسی طرح مذکور ہے۔

اور اس پر یہ اشکال ہے کہ

طوفان کے زمانہ میں تمام دنیا ملیا میٹ ہو چکی تھی تو یہ بت کیسے باقی بچ گئے اور عرب کی طرف منتقل ہوئے اور یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ان بتوں کو اپنے ساتھ کشتی میں لے آئے تھے پھر انہوں نے بتوں کو حفاظت کے ساتھ رکھا آں کہ یہ امانت عربوں کے پاس پہنچ گئی کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام بتوں کے محافظ نہیں تھے۔ بت شکن تھے۔

(تفسیر کبیر: ج: 10، ص: 657 دار احیاء التراث العربی بیروت)

قوم کا عذاب مانگنا

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے آپ علیہ السلام پر ایمان لانے کی بجائے عذاب کو طلب کیا اور یوں تکبر کیا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ○ قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ○ (ھود: 32، 33)

انہوں نے کہا: تم نے ہم سے بحث کی اور بہت زیادہ بحث کی۔ اب اگر تم سچے ہو تو وہ (عذاب) لے آؤ جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو۔ (نوح علیہ السلام نے کہا:) اگر اللہ نے چاہا تو تم پر وہ عذاب اللہ ہی لائے گا اور تم عاجز کرنے والے نہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام قوم کو جس عذاب سے ڈراتے تھے کفار نے ان سے اس عذاب کو بہ عجلت طلب کیا اور کہا اگر آپ علیہ السلام سچے ہیں تو ہمارے پاس اس عذاب کو جلد لے کر آئیں جس سے آپ علیہ السلام ہم کو ڈراتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا تھا اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وہ عذاب تم پر اللہ تعالیٰ ہی لائے گا اور تم عاجز کرنے والے نہیں۔
اس کا معنی یہ ہے کہ
عذاب کو نازل کرنا میری طرف مفوض نہیں ہے یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے وہ چاہے گا اس کو کرے گا اور اس کو کوئی عاجز کرنے والا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حضرت نوح علیہ السلام کو تسلی دینا

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو تسلی عطا فرمائی کہ جن لوگوں نے ایمان لایا وہ تو پہلے ہی ایمان لا چکے آپ علیہ السلام ان کی کارروائی سے مغموم نہ ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ○
(ھود:36)

اور نوح کی طرف وحی کی گئی: آپ کی قوم میں سے صرف وہی لوگ ایمان لانے والے تھے جو پہلے ایمان لا چکے ہیں۔ پس آپ ان کی کارروائی سے مغموم نہ ہوں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو تسلی عطا فرمائی کہ آپ علیہ السلام پر جن لوگوں نے ایمان لانا تھا وہ ایمان لا چکے ہیں تو آپ علیہ السلام ان کی کسی کارروائی سے مغموم نہ ہوں۔

کشتی بنانے کا حکم

جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے آپ علیہ السلام کی کوئی نہ سنی اور بجائے ایمان لانے کے عذاب کو طلب کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم دیا کہ آپ علیہ السلام کشتی بنائیں اور ظالموں کے متعلق ہم سے کوئی بات نہ

کریں کیونکہ ان کو ضرور غرق کیا جائے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاصۡنَعِ الۡفُلۡكَ بِاَعۡيُنِنَا وَ وَحۡيِنَا وَلَا تُخَاطِبۡنِىۡ فِى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا‌ ۚ اِنَّهُمۡ مُّغۡرَقُوۡنَ ○ (هود: 37)

اور آپ ہماری نگرانی میں ہماری وحی کے موافق کشتی بنایئے اور ظالموں کے متعلق ہم سے کوئی بات نہ کریں کیونکہ وہ ضرور غرق کیئے جائیں گے۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو یہ بتا دیا کہ ان کی قوم میں سے صرف وہی لوگ ایمان لانے والے تھے جو پہلے ایمان لا چکے ہیں۔

اس کا تقاضا یہ تھا کہ

حضرت نوح علیہ السلام یہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کو عذاب دینے والا ہے اور چونکہ عذاب کئی طریقوں سے آسکتا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو یہ بتایا کہ وہ عذاب از قبیل غرقابی ہوگا اور غرقابی اور ڈوبنے سے نجات کی صورت صرف کشتی سے ہوسکتی تھی۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم دیا۔

ہماری آنکھوں کے سامنے کشتی بنانے کا معنی

اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے۔

وَاصۡنَعِ الۡفُلۡكَ بِاَعۡيُنِنَا

یعنی ہماری آنکھوں کے سامنے کشتی بنایئے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی آنکھوں کے ثبوت کا ذکر ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ جوارح سے منزہ ہے تو پھر اس کا کیا معنی ہوگا۔

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

دلائل قطعیہ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اعضاء، جوارح، اجزاء اور حصول سے منزہ ہے لہٰذا اس آیت کریمہ کی تاویل کرنا واجب ہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں۔

(1) اس سے مراد کہ آپ فرشتوں کی آنکھوں کے سامنے جن کو معلوم ہے کہ کشتی کس طرح بنائی جاتی ہے۔

(2) کسی چیز پر آنکھ رکھنا اس کی حفاظت کرنے سے کنایہ ہے اور اس آیت کا معنی ہے۔ آپ ہماری حفاظت میں کشتی بنایئے۔

(تفسیر کبیر: ج:6، ص:344 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

کشتی بنانے پر کفار نوح کا مذاق اڑانا

جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی بنا رہے تھے تو کفار نے آپ علیہ السلام کا مذاق اڑایا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ یَصْنَعُ الْفُلْکَ ۟ وَ کُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْکُمْ کَمَا تَسْخَرُوْنَ۝ (ھود: 38)

اور نوح کشتی بنار ہے تھے اور جب بھی ان کی قوم کے سرداران کے پاس سے گزرتے تو ان کا مذاق اڑاتے۔نوح نے کہا: اگر تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو تو جس طرح تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو تو ہم بھی تمہارا مذاق اڑائیں گے۔

آگے ارشاد فرمایا۔

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَ یَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ۝ (ھود: 39)

پھر عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کس پر دائمی عذاب آئے گا۔

کفار نے کشتی بنانے پر مذاق کیوں اڑایا

حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی بنار ہے تھے تو آپ علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداران کو کشتی بناتا دیکھ کر آپ علیہ السلام کا مذاق اڑاتے تھے۔ان کا یہ مذاق چند وجوہ سے تھا۔

امام فخر الدین رازی نے ان کے مذاق اڑانے کی حسب ذیل وجوہ بیان کی ہیں۔

(1) وہ یہ کہتے تھے: اے نوح علیہ السلام! تم رسالت کا دعویٰ کرتے تھے اور بن گئے بڑھئی۔

(2) اگر تم رسالت کے دعویٰ میں سچے ہوتے تو اللہ تعالیٰ تم کو کشتی بنانے کی مشقت میں نہ ڈالتا۔

(3) اس سے پہلے انہوں نے کشتی نہیں دیکھی تھی نہ ان کو یہ معلوم تھا کہ کشتی کس کام آتی ہے۔اس لئے وہ اس پر تعجب کرتے تھے اور ہنستے تھے۔

(4) وہ کشتی بہت بڑی تھی اور جس جگہ وہ کشتی بنار ہے تھے وہ جگہ پانی سے بہت دور تھی۔اس لئے وہ کہتے تھے یہاں پر پانی نہیں ہے اور اس کشتی کو دریاؤں اور سمندروں کی طرف لے جانا تمہارے بس میں نہیں۔اس لئے ان کے خیال میں اس جگہ کشتی بنانا محض بے عقلی کا کام تھا۔

(تفسیر کبیر: ج:6،ص:345)

حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی چالیس سال میں بنائی

کشتی بنانے میں کتنا عرصہ لگا اس میں کئی اقوال ہیں۔

عمرو بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت نوح علیہ السلام نے چالیس سال میں کشتی بنائی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

دو سال میں کشتی بنائی۔
اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
چالیس سال میں کشتی بنائی۔
(الجامع الاحکام القرآن: جز:9،ص:29 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

کشتی کی تین منزلیں تھیں

کشتی کی تین منزلیں بنائی گئیں۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
اس کشتی کی تین منزلیں تھیں۔
(1) پہلی منزل میں وحشی جانور، درندے اور حشرات الارض تھے۔
(2) دوسری منزل میں چوپائے اور دوسرے حیوان تھے۔
(3) اوپر تیسری منزل میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھ ایمان والے تھے۔
(زاد المسیر: ج:4،ص:102، 103 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

کشتی کا طول وعرض

حضرت حسن سے روایت ہے کہ
حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا طول بارہ سو ہاتھ اور عرض چھ سو ہاتھ تھا۔
حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا:
اس کا طول تین سو ہاتھ اور عرض پانچ سو ہاتھ تھا اور اس کا عمق پانچ سو ہاتھ تھا۔
ابن جریج نے کہا:
اس کا طول تین سو ہاتھ، اس کا عرض ڈیڑھ سو ہاتھ اور اس کا عمق تیس ہاتھ تھا۔ اس کی بالائی منزل میں پرندے درمیانی منزل میں حضرت نوح علیہ السلام اور ایمان والے تھے اور اس کی نچلی منزل میں درندے تھے۔
(زاد المسیر: ج:4،ص:103 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

کشتی کی کیفیت

امام عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:
ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ
حضرت نوح علیہ السلام نے کہا:

اے میرے رب عزوجل! کشتی کی تعریف کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وہ لکڑی کا ایک گھر ہے جو سطح آب پر چلتا ہے میں نے عبادت گزاروں کو اس میں نجات دوں گا اور اپنی نافرمانی کرنے والوں کو غرق کر دوں گا اور بے شک میں جو چاہوں اس پر قادر ہوں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا

اے میرے رب عزوجل! لکڑی کہاں ہے۔

ارشاد فرمایا

تم درخت اگاؤ۔

حضرت نوح علیہ السلام نے بیس سال تک ساگوان کے درخت اگائے۔ اس عرصہ میں حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو دعوت دینا ترک کر دیا اور انہوں نے بھی حضرت نوح علیہ السلام کو تنگ کرنا چھوڑ دیا۔ البتہ ان کا مذاق اڑاتے رہے۔ جب درخت تیار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ درختوں کو کاٹیں اور سکھائیں۔

پھر حضرت نوح علیہ السلام نے پوچھا:

اے میرے رب عزوجل! میں یہ گھر کیسے بناؤں؟

ارشاد فرمایا

اس کا سر مور کی طرح بناؤ اور اس کے اگلے حصہ کو پرندے کے سینہ کی طرح بناؤ اور اس کا دھڑ مرغ کے دھڑ کی طرح بناؤ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو انہیں کشتی بنانے کی تعلیم کے لئے بھیجا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کہ کشتی بنانے کا عمل جلد مکمل کریں کیونکہ نافرمانی کرنے والوں پر میرا غضب بہت شدید ہے۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام نے کچھ لوگوں کو اجرت کے طور پر کام پر لگایا اور ان کے بیٹوں میں سے سام حام اور یافث بھی ان کے ساتھ کشتی بنا رہے تھے۔ انہوں نے کشتی چھ سو ہاتھ لمبی بنائی اور اس کا عرض اور اس کا عمق تینتیس تینتیس ہاتھ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے زمین سے تارکول نکالا جس کو انہوں نے کشتی پر ملا۔

(زادالمسیر: ج:4، ص:102 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

کفار پر عذاب کا نزول

اللہ تعالیٰ نے کفار پر موسلادھار بارش برسائی اور زمین سے پانی کے چشمے جاری کر دیئے تو دونوں پانی جمع ہو گئے تو جن لوگوں نے حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لایا تھا وہ کشتی میں سوار ہو گئے اور جن لوگوں نے آپ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا تو ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب پانی کی صورت میں آیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ○ وَّ فَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ○ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّ دُسُرٍ ○ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ○ (القمر 11 تا 14)

سوہم نے موسلا دھار بارش سے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے اور ہم نے زمین سے چشمے جاری کردیئے سو دونوں پانی اس چیز کے لئے جمع ہوگئے جوان (عذاب) کے لئے مقدر کی گئی تھی اور ہم نے نوح کوتختوں اور میخوں والی کشتی پر سوار کردیا۔ جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی ان کی سزا کے لئے جنہوں نے کفر کیا تھا۔

☆

اس آیت کریمہ میں آسمان کے دروازوں سے مراد حقیقتاً آسمان کے دروازے ہیں یا یہ اطلاق مجازی ہے۔ سو اگر یہ مراد لیا کہ حقیقتاً آسمان کے دروازے مراد ہیں تو اس میں بھی کوئی استبعاد اور اشکال نہیں ہے کیونکہ آسمانوں کے دروازے ہیں اور اگر اس مجازاً مراد لیا جائے تب بھی درست ہے جیسا کہ جب شدید بارش ہو تو کہا جاتا ہے کہ آسمانوں کے پرنالے بہہ رہے ہیں۔ نیز اس آیت کریمہ میں ماء منہمر کے الفاظ ہیں۔

انہمار کا معنی ہے۔

زور سے پانی کا گرنا یعنی بادلوں سے بہت زور اور شدت سے پانی برس رہا تھا۔

☆ اور آگے ارشاد فرمایا

اور ہم نے زمین سے چشمے جاری کردیئے سو دونوں پانی اس چیز کے لئے جمع ہوگئے جوان کے (عذاب) کے لئے مقدر کی گئی تھی۔

اس آیت کریمہ میں عیون کا لفظ آیا ہے اور عیون کا واحد عین ہے اور عین سے مراد آنکھ بھی ہے اور چشمہ بھی ہے یہاں اس سے مراد چشمہ ہے۔

مراد یہ ہے کہ

دونوں قسم کے پانی جمع ہوگئے۔ بارش کا پانی اور چشموں کا پانی اوپر بادلوں سے پانی برس رہا تھا اور نیچے زمین سے چشمے ابل رہے تھے تو یہ عذاب ان پر نازل ہوا۔

حضرت نوح علیہ السلام اور مومنین کو کشتی میں سوار ہونے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ علیہ السلام ہر قسم کے جوڑوں کو سوار کرلو اور اپنے گھر والوں اور مومنین کو بھی سوار کرلو۔ سوائے ان لوگوں کے جن کے غرق ہونے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَمۡرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوۡرُ ۙ قُلۡنَا احۡمِلۡ فِیۡهَا مِنۡ کُلٍّ زَوۡجَیۡنِ اثۡنَیۡنِ وَ اَهۡلَکَ اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَیۡهِ الۡقَوۡلُ وَ مَنۡ اٰمَنَ ؕ وَ مَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیۡلٌ ○(ھود: 40)

حتیٰ کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور ابلنے لگا تو ہم نے (نوح سے) فرمایا اس کشتی میں ہر قسم کے جوڑوں کو سوار کر لو اور ان پر کم لوگ ہی ایمان لائے تھے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ ہر جاندار سے نر اور مادہ کا ایک جوڑا کشتی میں سوار کر لیا جائے۔ سو ایسا ہی کیا گیا اور ان کو کشتی میں سوار کیا گیا۔

کشتی میں سوار ہونے والے مومنین کی تعداد

اللہ تعالیٰ نے جن مومنین کو کشتی میں سوار ہونے کا حکم دیا ان کی تعداد میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔

امام ابن جوزی نے لکھا ہے کہ

ایمانوالوں کی تعداد میں آٹھ اقوال ہیں۔

(1) عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

حضرت نوح علیہ السلام کے اہل سمیت یہ اسی (80) افراد تھے۔

(2) یوسف بن مہران نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے ساتھ اسی (80) انسانوں کو سوار کیا۔

تین ان کے بیٹے تھے اور تین ان کے بیٹوں کی بیویاں تھیں اور حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی تھیں۔

(3) ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

کل چالیس نفر تھے۔

(5) ابونہیک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

تیس (30) مرد تھے۔

(6) قرظی نے کہا:

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی بیوی، ان کے تین بیٹے اور ان کی بیویاں کل آٹھ فرد تھے۔

(7) کل سات نفر تھے،

حضرت نوح علیہ السلام، تین بیٹے اور ان کی تین بیویاں۔

یہ اعمش کا قول ہے۔

(8) ابن اسحاق نے کہا:

عورتوں کے علاوہ دس نفر تھے۔

(زادالمسیر :ج:4،ص:107،106 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

(طوفان) تنورا بلنے کا معنی اور اس کی کیفیت

اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا

تنورا بلنے لگا۔

تنور کے متعلق کئی اقوال ہیں کہ اس کی کیفیت تھی اور کیا معنی ہے اور کہاں سے یہ شروع ہوا۔

(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حسن اور مجاہد رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

اس سے مراد روٹی پکانے کا تنور ہے۔

پھر ان کا اختلاف ہے۔

بعض نے کہا:

یہ حضرت نوح علیہ السلام کا تنور تھا۔

بعض نے کہا:

یہ حضرت آدم علیہ السلام کا تنور تھا۔

بعض نے کہا:

یہ حضرت حوا علیہا السلام کا تنور تھا اور بعد میں حضرت نوح علیہ السلام کا تنور ہو گیا۔

پھر اس تنور کی جگہ میں اختلاف ہے۔

شعبی نے کہا:

یہ کوفہ کی ایک جانب تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا

یہ کوفہ کی ایک مسجد میں تھا اور اس مسجد میں ستر انبیاء کرام علیہم السلام نے نماز پڑھی تھی۔

ایک قول یہ ہے:

یہ تنور شام میں ایک جگہ پر تھا جس کا نام عین الوردان تھا۔

ایک قول یہ ہے:

یہ تنور ہند میں تھا۔

ایک قول یہ ہے:

ایک عورت تنور میں روٹیاں پکا رہی تھی اس نے حضرت نوح علیہ السلام کو تنور سے پانی نکلنے کی دعوت دی تو حضرت نوح علیہ السلام نے اسی وقت کشتی میں تمام چیزیں رکھنی شروع کر دیں۔

(2) تنور سے مراد سطح زمین اور عرب سطح زمین کو تنور کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ○ وَّ فَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ○

(القمر:11،12)

پس ہم نے موسلا دھار بارش سے آسمان کے دروازے کھول دیئے اور ہم نے زمین سے چشمے جاری کر دیئے تو وہ پانی اس امر کے ساتھ واصل ہو گیا جو (ان کی ہلاکت کے لئے) مقدر ہو چکا تھا۔

(3) تنور سے مراد زمین کی مکرم اور بلند جگہ اور زمین کی بلند جگہ سے پانی نکلا تو اس کی بلندی کی وجہ سے اس کو تنور کے ساتھ تشبیہ دی۔

ان اقوال میں راجح قول یہ ہے:

تنور سے مراد روٹیوں کا تنور مراد لیا جائے۔

(تفسیر کبیر: ج:6،ص:346،347 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

طوفان تمام روئے زمین پر آیا

حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں جو طوفان آیا تھا اس میں یہ اختلاف ہے کہ آیا وہ طوفان صرف ان ہی کے علاقہ میں آیا تھا یا تمام روئے زمین پر وہ طوفان آیا تھا۔

مؤرخین اور مفسرین کے زیادہ تر اقوال یہ ہیں۔

یہ طوفان پوری روئے زمین پر آیا تھا۔

اور بعض نے یہ کہا

یہ طوفان صرف انہی کے علاقہ میں آیا تھا۔ تورات سے بھی یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ طوفان تمام روئے زمین پر آیا تھا۔

تورات میں لکھا ہے۔

اور چالیس دن تک زمین پر طوفان رہا اور پانی بڑھا اور اس نے کشتی کو اوپر اٹھایا سو کشتی زمین پر سے اٹھ گئی اور پانی زمین پر چڑھتا ہی گیا اور بہت بڑھا اور کشتی پانی کے اوپر تیرتی رہی اور پانی زمین پر بہت ہی زیادہ چڑھا اور سب اونچے پہاڑ جو دنیا میں ہیں چھپ گئے۔ پانی ان سے پندرہ ہاتھ اور اوپر چڑھا اور پہاڑ ڈوب گئے اور سب جانور جو زمین پر چلتے تھے پرندے اور چوپائے اور جنگلی جانور اور زمین پر سے مر مٹے۔ فقط ایک نوح باقی بچا یا وہ جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے اور پانی زمین پر ایک سو

پچاس دن تک چڑھتا رہا۔

(تورات پیدائش باب:7، آیت 17 تا 24، کتاب مقدس، بائبل سوسائٹی لاہور)

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بھی لکھا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے کشتی والوں کے سوا تمام روئے زمین والوں کو غرق کر دیا۔

(تفسیر ابن کثیر ج:2،ص:496 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ اسماعیل حقی متوفی 1137ھ نے لکھا ہے۔

یہ طوفان تمام روئے زمین پر چھا گیا تھا۔

(روح البیان: ج:6،ص:581 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابوالحسن ابراہیم عمر البقاعی المتوفی 885ھ نے لکھا ہے۔

اس سے بڑا حادثہ دنیا میں کبھی رونما نہیں ہوا کہ زمین کے تمام طول وعرض پر طوفان کا پانی چھا گیا تھا اور اس میں کشتی والوں کے سوا دنیا کے تمام جاندار اور بے جان غرق ہو گئے تھے۔

(نظم الدرر: ج:5،ص:543 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی 1369ھ ہود 44 کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ طوفان نوح تمام دنیا میں آیا یا خاص ملکوں میں، اس کے فیصلہ کا یہاں موقع نہیں، مگر یاد رہے کہ دائرۃ المعارف میں بعض محققین یورپ کے ایسے اقوال ودلائل نقل کئے ہیں جو عموم طوفان کی تائید کرتے ہیں۔

(حاشیۃ القرآن:ص:299 مطبوعہ سعودی عربیہ)

مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ 1367ھ بہار شریعت میں فرماتے ہیں۔

طوفان آیا اور ساری زمین ڈوب گئی۔ صرف وہ گنتی کے مسلمان اور ہر جانور کا ایک ایک جوڑا جو کشتی میں لے لیا گیا تھا بچ گئے۔

(بہار شریعت: حصہ:1،ص:10 مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

کشتی چھ ماہ تک زمین پر تیرتی رہتی

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان کے پانی سے زمین پر چھ ماہ تک تیرتی رہی۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ، امام عبدالرحمان بن علی الجوزی المتوفی 597ھ، امام محمد بن محمد ابن الاثیر الجزری متوفی 630ھ ان سب نے لکھا ہے۔

وہ کشتی چھ ماہ تک تمام روئے زمین کے اوپر تیرتی رہی وہ کسی چیز پر نہیں ٹھہری حتیٰ کہ حرم میں پہنچی اور اس میں داخل نہیں ہوئی اور حرم کے گرد ایک ہفتہ تک گھومتی رہی اور جس بیت کو حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا تھا اس کو اٹھا لیا گیا اور وہ غرق ہونے

سے بلند رہا۔

(تاریخ دمشق الکبیر: ج:65، ص:187 دار احیاء التراث العربی بیروت) (المنتظم ج:1، ص:132 دار الفکر بیروت)

(الکامل فی التاریخ: ج:1، ص:41 دار الکتاب العربی)

زمین سے پانی اسی ہاتھ اونچا ہو گیا

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

مفسرین کی ایک جماعت نے کہا ہے:

پانی زمین کے بلند ترین پہاڑ سے بھی پندرہ ہاتھ اونچا ہو گیا تھا اور یہ مقدار اہل کتاب کے نزدیک ہے۔

اور ایک قول یہ ہے:

اسی ہاتھ اونچا ہو گیا تھا اور یہ طوفان تمام روئے زمین پر چھا گیا تھا۔ زمین کے طول و عرض پر خواہ نرم زمین ہو یا سخت اس کے پہاڑوں پر میدان پر ریگستانوں پر اور روئے زمین پر کوئی زندہ شخص دکھائی نہیں دیتا تھا۔ چھوٹا اور نہ بڑا۔

(البدایہ والنہایہ: ج، 1، ص:175 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نیز حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے۔

بعض جاہل فارسیوں اور اہل ہند نے وقوع طوفان کا انکار کیا اور بعض نے اقرار کیا ہے۔

اور کہا ہے:

یہ طوفان صرف ارض بابل (عراق) میں آیا تھا یہ دین مجوسیوں کا قول ہے ورنہ تمام اہل ادیان کا اس پر اتفاق ہے اور تمام رسولوں سے منقول ہے اور تواتر سے ثابت ہے کہ طوفان آیا تھا اور یہ تمام روئے زمین پر چھا گیا تھا۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:182 دار الفکر بیروت)

طوفان خاص تھا

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

اور جس چیز کی طرف قلب مائل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ طوفان عام نہیں تھا۔

جیسا کہ بعض نے کہا ہے اور حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی میں ان ہی جانوروں کو سوار کیا تھا جن کی انسان کو ضرورت پڑ سکتی ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ

طوفان کا عموم اپنے اطلاق پر ہے اور حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی میں ان ہی جانوروں کو رکھا تھا جن کے بغیر چارہ کار نہیں اور باقی سب جانور غرق ہو گئے اور ان جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے محض لفظ "کن" سے دوبارہ پیدا کر دیا تو اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کے سامنے یہ کیا بعید ہے۔ (روح المعانی: ج:20، ص:81 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دراصل یہ اشکال ہوتا تھا کہ اگر تمام زمین پر طوفان آیا تو تمام زمین کے جانوروں، چرندوں، درندوں، کیڑوں مکوڑوں کشتی میں رکھنا تو عادۃً محال ہے۔اس کے علامہ آلوسی نے دو جواب دیئے۔

ایک یہ کہ

یہ طوفان مخصوص علاقے میں آیا تھا اس لئے تمام زمین کے جانوروں کا کشتی میں رکھنا لازم نہیں ہوتا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ

ہر چند کہ یہ طوفان تمام زمین پر آیا تھا لیکن جانوروں کا کشتی میں رکھنا لازم نہیں آتا اور کشتی میں صرف ان ہی جانوروں کو رکھا گیا تھا جن کی انسان کو ضرورت ہو سکتی ہے اور طوفان رک جانے کے بعد باقی جانوروں کو پیدا کرنا اللہ کے لئے کیا مشکل ہے۔

شیخ حفظ الرحمان سیوہاری لکھتے ہیں:

کیا طوفان نوح تمام کرہ ارض پر آیا تھا یا کسی خاص خطہ پر

اس کے متعلق علماء قدیم و جدید میں ہمیشہ دو رائے رہی ہیں، علماء اسلام میں ایک جماعت، علماء یہود و نصاریٰ اور بعض ماہرین علوم فلکیات، طبقات الارض اور تاریخ طبیعات کی یہ رائے ہے کہ

یہ طوفان تمام کرۂ ارض پر نہیں آیا تھا بلکہ صرف اسی خطہ میں محدود تھا جہاں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آباد تھی اور یہ علاقہ مساحت کے اعتبار سے ایک لاکھ چالیس ہزار کلومیٹر مربع ہوتا ہے۔

ان کے نزدیک طوفان نوح کے خاص ہونے کی وجہ یہ ہے کہ

اگر یہ طوفان عام تھا تو اس کے آثار کرۂ ارض کے مختلف گوشاروں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر ملنے چاہئیں تھے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ نیز اس زمانہ میں انسانی آبادی بہت ہی محدود تھی اور وہی خطہ تھا جہاں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم آباد تھی۔ ابھی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا سلسلہ اس سے زیادہ وسیع نہ ہوا تھا جو کہ اس علاقہ میں آباد تھا لہٰذا وہی مستحق عذاب تھے ان ہی پر طوفان کا عذاب بھیجا گیا۔ باقی کرۂ ارض کو اس سے کوئی علاقہ نہ تھا۔

اور بعض علماء اسلام اور ماہرین طبقات الارض اور علماء طبیعات کے نزدیک یہ طوفان تمام کرۂ ارض پر حاوی تھا اور ایک یہ ہی نہیں بلکہ ان کے خیال میں اس زمین پر متعدد ایسے طوفان آئے ہیں ان ہی میں سے ایک یہ بھی تھا اور پہلی رائے کے تسلیم کرنے والوں کو آثار سے متعلق سوال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ جزیرہ یا عراق عرب کی اس سرزمین کے علاوہ بلند پہاڑوں پر بھی ایسے حیوانات کے ڈھانچے اور ہڈیاں بکثرت پائی گئی ہیں جن کے متعلق ماہرین علم طبقات الارض کی یہ رائے ہے کہ یہ حیوانات مائی ہی ہیں اور صرف پانی ہی میں زندہ رہ سکتے ہیں۔ پانی سے باہر ایک لمحہ بھی ان کی زندگی دشوار ہے۔ اس لئے کرہ ارض کے مختلف پہاڑوں کی ان بلند چوٹیوں پر ان کا ثبوت اس کی دلیل یہ ہے کہ کسی زمانہ میں پانی کا ایک ہیبت ناک طوفان آیا جس نے پہاڑوں کی ان چوٹیوں کو بھی اپنی غرقابی سے نہ چھوڑا۔

ان ہر دو خیالات وآراء کی ان تمام تفصیلات کے بعد جن کا مختصر خاکہ مضمون زیر بحث میں درج ہے۔
اہل تحقیق کی رائے یہ ہے کہ
صحیح مسلک یہی ہے کہ طوفان خاص تھا عام نہ تھا اور یہ مسئلہ بھی محل نظر ہے کہ تمام کائنات انسانی صرف حضرت نوح علیہ السلام کی نسل سے ہے اور آیت
ان تذرهم يضيلوا المبارك
بھی کچھ اسی طرح اشارہ کرتی ہے۔
(قصص القرآن: ج:1 ص:76 تا 77 مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

کشتی میں سوار ہونے کا حکم

حضرت نوح علیہ السلام نے مومنین کو فرمایا: اس کشتی میں سوار ہو جاؤ اس کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ تعالیٰ کے نام سے ہے۔
قرآن مجید میں ہے:
وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَ مُرْسٰهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔
اور نوح نے کہا: اس کشتی میں سوار ہو جاؤ اس کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ ہی کے نام سے ہے۔ بے شک میرا رب ضرور بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

☆

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اس کشتی میں سوار ہو جاؤ اس قول میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب انسان کسی کام کو شروع کرے تو کام شروع کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرے حتیٰ کہ اس ذکر کی برکت سے اس کا مقصود پورا ہو جائے اور خصوصاً کسی سواری پر بیٹھتے وقت۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ہر وہ ذی شان کام جس کو
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
کے ساتھ شروع نہ کیا جائے وہ ناتمام رہتا ہے۔
(کنز العمال: رقم الحدیث: 2491)

نیز حضرت نوح علیہ السلام نے اس پر متنبہ فرمایا: اس کشتی کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت اور اس کے حکم اس کی قدرت سے ہے اور یہ کہ جب وہ کشتی میں سوار ہوئے تو انہوں نے قوم کو یہ خبر دی کہ یہ کشتی نجات کے حصول کا سبب نہیں ہے بلکہ نجات تو صرف اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوگی اور انسان کو چاہئے کہ وہ اپنی قوت اور طاقت پر بھروسہ نہ کرے اور نہ ظاہری اسباب

پر اعتماد کرے بلکہ تمام چیزوں سے صرف نظر کر کے مسبب الاسباب پر اعتماد اور توکل کرے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کا طوفان میں ہلاک ہونا

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کشتی میں سوار ہونے کے لئے فرمایا تو اس نے کہا: میں کسی پہاڑ کی پناہ میں آجاؤں گا اور وہ مجھے پانی سے بچالے گا۔ تو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے عذاب آج تمہیں کوئی بچانے والا نہیں سوائے اسی ذات مقدس کے تو حضرت نوح علیہ السلام اور بیٹے کے درمیان موج حائل ہوگئی تو حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا پانی میں ڈوب گیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ هِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۫ وَ نَادٰى نُوْحُ ِۨابْنَهٗ وَ كَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ۝ قَالَ سَاٰوِيْۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَ حَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ۝(هود: 42، 43)

اور کشتی انہیں پہاڑ جیسی موجوں میں لے کر جارہی تھی اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا جب کہ وہ ان سے الگ تھا۔ اے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ نہ رہو۔ اس نے کہا: میں عنقریب کسی پہاڑ کی پناہ میں آجاؤں گا جو مجھے پانی سے بچالے گا۔ نوح نے کہا: آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہے۔ سوائے اس کے جس پر اللہ رحم فرمائے اور ان دونوں (باپ بیٹے) کے درمیان موج حائل ہوگئی سو وہ ڈوبنے والوں میں سے ہو گیا۔

ان آیات کریمہ میں حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کی ہلاکت کو بیان فرمایا گیا ہے۔

اور حضرت نوح علیہ السلام کو یہ علم تھا کہ وہ کافر ہے لیکن آپ علیہ السلام کو یہ گمان تھا کہ وہ طوفان کی ہولنا کیوں اور اس میں غرق ہونے کے خطرہ کا مشاہدہ کرے گا لہٰذا انہوں نے جو فرمایا: اے میرے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ۔ ان کا یہ قول اس کو ایمان پر راغب کرنے کے لئے تھا۔

نیز یہ ارشاد فرمایا:

وہ ان سے الگ تھا۔

اس کا ایک محمل یہ ہے کہ وہ کشتی سے الگ تھا کیونکہ اس کا گمان یہ تھا کہ وہ پہاڑ پناہ کے سبب غرق ہونے سے بچ جائے گا۔

اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ

وہ اپنے باپ، اپنے بھائیوں اور مسلمانوں سے الگ تھا۔

اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ

وہ کفار کی جماعت سے الگ کھڑا ہوا تھا۔ اس لئے حضرت نوح علیہ السلام نے یہ گمان کیا کہ شاید وہ ایمان لے آئے کیونکہ وہ ان سے الگ کھڑا ہوا ہے۔ اسی لئے انہوں نے اس کو ندا کی تھی اور فرمایا تھا اور کافروں کے ساتھ نہ رہو اور جب حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے نے کہا: مجھے پہاڑ بچالے گا تو حضرت نوح علیہ السلام نے متنبہ فرمایا تم نے غلط کہا۔ آج اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہے۔ ہاں وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ سکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ خود رحم فرمائے۔

طوفان کا تھم جانا

جب اللہ تعالیٰ نے کفار کو ہلاک کر دیا تو زمین کو حکم دیا گیا کہ پانی کو نگل لے اور آسمان کو حکم دیا گیا کہ تھم جائے اور پانی کو خشک کر دیا گیا اور کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ قِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِىْ مَآءَكِ وَ يٰسَمَآءُ اَقْلِعِىْ وَ غِيْضَ الْمَآءُ وَ قُضِىَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِىِّ وَ قِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ (ھود: 44)

اور حکم دیا گیا: اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جا اور پانی خشک کر دیا گیا اور کام پورا کر دیا گیا اور کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی اور کہہ دیا گیا کہ ظالم لوگوں کے لئے (رحمت سے) دوری ہے۔

قاضی الامر کا معنی ہے۔

تقدیر میں لکھا ہوا پورا ہو گیا۔

یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافروں کا ہلاک ہونا اور مومنوں کا نجات پانا۔

جودی پہاڑ کہاں واقع ہے

جودی: یہ ایک پہاڑ ہے جو کردستان کے علاقہ میں جزیرہ ابن عمر کے شمال مشرقی جانب واقع ہے۔ یہ علاقہ ارمینیا کی سطح مرتفع سے شروع ہو کر جنوب میں کردستان تک ہے اور جبل الجودی اسی سلسلہ کا ایک پہاڑ ہے یہ پہاڑ آج بھی جودی ہی کے نام سے مشہور ہے۔

(تفہیم القرآن ج:2،ص:341)

جودی پہاڑ پر کشتی ٹھہرنے کا عرصہ

امام ابن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

جودی ایک جزیرہ میں پہاڑ ہے سب پہاڑ غرق ہو گئے تھے یہ پہاڑ اپنی تواضع اور عجز کی وجہ سے غرق ہونے سے بچ رہا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اسی جگہ لنگر انداز ہوئی تھی۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک ماہ تک کشتی یہیں لگی رہی۔ کشتی سے سب اتر گئے اور لوگوں کی عبرت کے لئے کشتی ثابت وسالم یہیں ہی رکی رہی حتی کہ اس امت کے اوائل میں سے لوگوں نے بھی اس کو دیکھ لیا حالانکہ اس کے بعد بہترین اور مضبوط کشتیاں بنیں بگڑیں اور راکھ ہوگئیں۔

حضرت عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کشتی میں سوار (80) انسان تھے۔ ایک سو پچاس دن تک وہ سب کشتی ہی میں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے کشتی کا منہ مکہ مکرمہ کی طرف کر دیا۔ وہ کشتی چالیس دن تک بیت اللہ کا طواف کرتی رہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے جودی کی طرف روانہ کر دیا۔ وہاں جا کر وہ ٹھہر گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کوے کو بھیجا کہ وہ خشکی کی خبر لائے۔ وہ ایک مردار کو کھانے میں گیا اور دیر لگا دی۔ آپ علیہ السلام نے ایک کبوتر کو بھیجا۔ وہ اپنی چونچ میں زیتون کے درخت کا پتا اور پنجوں میں مٹی لے کر آیا۔ اس سے حضرت نوح علیہ السلام نے یہ اندازہ لگایا کہ پانی سوکھ گیا ہے اور زمین ظاہر ہوگئی ہے۔ آپ علیہ السلام جودی کے نیچے اترے اور وہیں ایک بستی کی بنیاد رکھ دی۔ ایک دن صبح کو جب لوگ بیدار ہوئے تو ہر شخص کی زبان بدلی ہوئی تھی۔ وہ اس قسم کی زبانیں بول رہے تھے۔ ان میں سب سے بہتر زبان عربی تھی اور کوئی شخص دوسرے کا کلام سمجھ نہیں رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو وہ سب زبانیں سکھا دیں اور آپ علیہ السلام ہر ایک کو دوسرے کا مطلب سمجھا رہے تھے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:6، ص:2037، 2038)

دس محرم کو کشتی لنگر انداز ہوئی

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یکم رجب کو حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے اور انہوں نے اور سب مسلمانوں نے روزہ رکھا اور چھ ماہ تک کشتی ان کو لے کر سفر کرتی رہی اور محرم تک سفر جاری رہا اور دس محرم کو وہ کشتی جودی پہاڑ پر لنگر انداز ہوئی۔ اس دن حضرت نوح علیہ السلام نے خود روزہ رکھا اور کشتی میں سوار سب لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ حتیٰ کہ وحشی جانوروں اور چوپایوں نے بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے روزہ رکھا۔

(جامع البیان، رقم الحدیث: 14042) (الجامع الاحکام القرآن ج:9، ص:38) (تفسیر ابن کثیر: ج:2، ص:496)

حضرت نوح علیہ السلام نے دس محرم کو روزہ رکھا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ یہودیوں کے پاس سے گزر ہوا جنہوں نے دس محرم کا روزہ رکھا ہوا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا

یہ کیسا روزہ ہے۔
انہوں نے کہا:
یہ وہ دن ہے جس دن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کو غرق سے نجات دی تھی اور اسی دن میں فرعون غرق ہوا تھا اور اسی دن میں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری تھی تو حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے اس دن روزہ رکھا تھا۔
تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہ نسبت زیادہ حق دار ہوں اور اس دن کا روزہ رکھنے کا زیادہ حق دار ہوں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم دیا۔
(مسند احمد: ج:2،ص:359،360)

طوفان میں عورت اور اس کے بچے کا غرق ہونا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اگر اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں سے کسی ایک پر رحم فرماتا تو ایک بچے کی ماں پر رحم فرماتا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
حضرت نوح علیہ السلام نوسو پچاس سال کی عمر تک اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دیتے رہے حتیٰ کہ جب ان کے زمانہ کا آخر آ پہنچا تو انہوں نے درخت اگائے اور جب وہ درخت پوری طرح بڑھ گئے تو ان کو کاٹا پھر وہ کشتی بنانے لگے۔
کفار ان کے پاس سے گزرتے ہوئے ان سے اس کے متعلق سوال کرتے
وہ کہتے کہ
میں کشتی بنا رہا ہوں۔
وہ مذاق اڑاتے اور کہتے کہ
تم کشتی خشکی میں بنا رہے ہو۔ وہ کیسے چلے گی۔
حضرت نوح علیہ السلام فرماتے۔
تم کو عنقریب پتا چل جائے گا۔ وہ کشتی بنا کر فارغ ہو گئے اور تنور ابلنے لگا اور گلیوں میں پانی بہنے لگا تو ایک بچے کی ماں نے اپنے بچہ پر خطرہ محسوس کیا وہ اپنے بچے سے بہت زیادہ محبت کرتی تھی۔ وہ بچے کو لے کر ایک پہاڑ کی طرف روانہ ہوئی اور پہاڑ

کے ایک تہائی حصہ تک پہنچ گئی۔ جب وہاں پانی پہنچ گیا تو وہ دو تہائی حصہ تک پہاڑ پر چڑھ گئی۔ جب وہاں بھی پانی پہنچ گیا تو وہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئی۔ جب پانی اس عورت کی گردن تک پہنچ گیا تو اس عورت نے اس بچے کو دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھالیا حتیٰ کہ پانی اس کو بہا کر لے گیا۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کافروں پر رحم فرماتا تو اس بچہ کی ماں پر رحم فرماتا۔

(جامع البیان رقم الحدیث:14005)(المستدرک ج:2،ص:547)

حضرت نوح علیہ السلام کا فرمان میرا بیٹا میرے اہل سے ہے

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے رب عزّوجل کی بارگاہ میں عرض کیا کہ یا خالق باری تعالیٰ میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور یقیناً تیرا وعدہ برحق ہے اور تو تمام حاکموں سے بڑا حاکم ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ نَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَ اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَ اَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ○ قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ○ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَ تَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ○(ھود: 45 تا 47)

اور نوح نے اپنے آپ کو پکارا۔ سو کہا بے شک میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور یقیناً تیرا وعدہ برحق ہے اور تو تمام حاکموں سے بڑا حاکم ہے۔ فرمایا اے نوح وہ آپ کے اہل سے نہیں ہے۔ بے شک اس کے کام نیک نہیں ہیں تو آپ مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کریں جس کا آپ کو علم نہیں ہے۔ بے شک میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیں۔ نوح نے کہا: اے میرے رب بے شک میں تیری پناہ میں آتا ہوں کہ میں تجھ سے اس چیز کا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں ہے اور اگر تو میری مغفرت نہ فرمائے اور مجھ پر رحم نہ فرمائے تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے یہ دعا اس لئے کی تھی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا۔

ہم نے نوح سے فرمایا اس کشتی میں ہر قسم کے (نر اور مادہ) جوڑوں کو سوار کرلو اور اپنے اہل کو سوار کرلو۔ سوان کے جن کو غرق کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ تو حضرت نوح علیہ السلام نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اہل کو کشتی میں سوار کرنے کا حکم دیا ہے۔

تو عرض کیا۔

میرا بیٹا (کنعان) بھی میرے اہل سے ہے۔ مطلب یہ تھا کہ اس کو بھی کشتی میں سوار کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے تاکہ وہ بھی نجات پانے والوں میں سے ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اس دعا کے جواب میں فرمایا۔

اے نوح وہ آپ کے اہل سے نہیں ہے بے شک اس کے کام نیک نہیں ہیں تو آپ مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کریں جس کا آپ کو علم نہیں ہے۔ بے شک میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں۔ آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیں۔

تو حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا

اے میرے رب عزوجل بے شک میں اس سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ میں تجھ سے اس چیز کا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں ہے اور اگر تو میری مغفرت نہ فرمائے اور مجھ پر رحم نہ فرمائے تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی گناہ سے براءت پر امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

جب کہ بکثرت دلائل سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کو گناہوں سے منزہ کیا ہوا ہے تو حضرت نوح علیہ السلام کے اس سوال کو ترک افضل اور ترک اکمل پر محمول واجب ہے اور ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک برائی کا حکم رکھتی ہیں۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ فرمائی اور حضرت نوح علیہ السلام نے استغفار کیا اور ان کا استغفار کرنا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ انہوں نے پہلے کوئی گناہ کیا ہو۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ۝ وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ ؕ (النصر: 3-1)

جب اللہ کی مدد اور اس کی فتح آجائے اور آپ لوگوں کو دیکھ لیں کہ وہ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح فرمائیں اور اس سے استغفار کریں۔

اور یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کا آنا اور لوگوں کا دین میں داخل ہونا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گناہ نہیں تھا کہ اس پر استغفار کا حکم دیا جاتا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ استغفار کا حکم دینا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار کرنا کسی گناہ پر دلالت نہیں کرتا۔

درحقیقت حضرت نوح علیہ السلام کی امت میں تین قسم کے لوگ تھے۔

(1) کافر تھے اور اپنے کفر کا اظہار کرتے تھے۔

(2) مومن تھے اور اپنے ایمان کا اظہار کرتے تھے۔

(3) منافقین کی جماعت تھی۔

مومنوں کا حکم طوفان سے نجات تھا اور کافروں کا حکم ان کو غرق کرنا تھا اور یہ حضرت نوح علیہ السلام کو معلوم تھا اور منافقین کا حکم مخفی تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان منافقین میں سے تھا اور بظاہر وہ مومن تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے اعمال اور افعال کو کفر پر محمول نہیں کیا بلکہ وجوہ صحیحہ پر محمول کیا۔ جب آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ مسلمانوں سے الگ کھڑا ہے۔

تو اس سے کہا کہ

وہ کشتی میں داخل ہو جائے۔

اس نے کہا:

میں عنقریب کسی پہاڑ کی پناہ میں چلا جاؤں گا۔ وہ مجھے پانی سے نہ بچالے گا۔ اور اس کا یہ کہنا اس کے کفر پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس نے یہ گمان کیا ہو کہ پہاڑ پر چڑھنا کشتی میں بیٹھنے کے قائم مقام ہے۔ جس طرح کشتی میں بیٹھنا غرق ہونے سے بچاتا ہے اسی طرح پہاڑ پر چڑھنا بھی غرق ہونے سے بچالے گا۔

اور حضرت نوح علیہ السلام نے جو یہ فرمایا تھا۔

آج کے عذاب سے کوئی نہیں بچاسکتا سوا اس کے جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

اس قول سے وہ اپنے بیٹے کو یہ بتلا رہے تھے کہ ایمان اور اعمال صالحہ کے سوا کوئی چیز نفع آور نہیں ہے اور یہ قول اس پر دلالت نہیں کرتا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو یہ علم تھا کہ ان کا بیٹا کافر ہے۔ ان کو یہی گمان تھا کہ ان کا بیٹا مومن ہے تب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ ان کا بیٹا غرق ہونے سے بچ جائے خواہ کشتی میں بیٹھ کر خواہ پہاڑ پر چڑھ کر تب اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی کہ وہ منافق ہے اور ان کے اہل دین سے نہیں ہے۔ اس معاملہ میں حضرت نوح علیہ السلام سے جو ذلت صادر ہوئی وہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے بیٹے کے متعلق پوری چھان بین نہیں کی کہ وہ کافر ہے یا منافق ہے بلکہ انہوں نے اجتہاد کیا اور اپنے اجتہاد سے انہوں نے یہ سمجھا کہ وہ مومن ہے اور اس کو اس اجتہاد میں خطا ہوئی کیونکہ وہ کافر تھا سو جس طرح حضرت آدم علیہ السلام سے جو ذلت صادر ہوئی وہ اجتہادی خطا تھی۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی یہ ذلت بھی اجتہادی خطا ہے اور ان کی عصمت کے منافی نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر: ج:6، ص:358، 359 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

کشتی سے اتر جانے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی سے اتر جانے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا: ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ اور ان برکتوں کے ساتھ جو تم پر ہیں اور ان جماعتوں پر ہیں جو تمہارے ساتھ ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَ عَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَاۤ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ اَنْتَ وَ لَا قَوْمُكَ

مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۚ فَاصْبِرْ ۚ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ○ (ھود: 48، 49)
حکم دیا گیا: اے نوح کشتی سے اتر جاؤ۔ ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ اور ان برکتوں کے ساتھ جو تم پر ہیں اور ان جماعتوں پر ہیں جو تمہارے ساتھ ہیں اور کچھ جماعتیں ہوں گی جنہیں ہم فائدہ پہنچائیں گے پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔ یہ من جملہ غیب کی خبروں سے ہیں جن کو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں جن کو اس سے پہلے نہ آپ جانتے تھے نہ آپ کی قوم میں صبر کیجئے۔ بے شک نیک انجام متقین کے لئے ہے۔
اس آیت کریمہ میں
اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی سے اتر جانے کا حکم دیا۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی اور اس وقت حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم لامحالہ کشتی سے اتر گئی۔ اس آیت میں جو اترنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ کشتی سے اتر جاؤ اور یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ جودی پہاڑ سے زمین پر اتر جاؤ۔ اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کا ذکر فرمایا تھا۔
اور اگر تو میری مغفرت نہ فرمائے اور مجھ پر رحم نہ فرمائے تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔
(ہود:47)
اور یہ ایسی دعا ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام نے مانگی تھی۔
اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے۔ اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ (الاعراف:23)
اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام سے بصورت عتاب فرمایا تھا۔ تو آپ مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کریں جس کا آپ کو علم نہیں ہے۔ بے شک میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں۔ آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیں۔
(ہود:46)
اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ نے توبہ کی اور اس سے رحم کی درخواست کی اور اب حضرت نوح علیہ السلام کو اس کی ضرورت تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو سلامتی کی بشارت دے۔
اس لئے فرمایا
اے نوح! سلامتی کے ساتھ کشتی سے اتر جاؤ۔ اس سلامتی سے دین اور دنیا دونوں کی سلامتی مراد ہے۔
دین کی سلامتی سے مراد یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ ان کو دنیا کی آفات اور بلیات سے محفوظ رکھے گا کیونکہ اس طوفان سے روئے زمین کی ہر چیز غرق ہو گئی تھی اور جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی سے اترے تو وہاں کوئی نہ درخت تھا نہ سبزہ تھا نہ کوئی حیوان تھا اور زندگی بسر کرنے اور کھانے

پینے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ان میں سے اس وقت زمین پر کوئی چیز موجود نہ تھی۔ اس لئے اس وقت وہاں بھوک اور پیاس کا خوف تھا اور یہ تشویش تھی کہ ضروریات زندگی کس طرح فراہم ہوں گی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو سلامتی کی بشارت دی جو ہر قسم کے خوف کے ازالہ کو شامل ہے اور یہ اسی وقت ہوگا جب وسعت رزق بھی حاصل ہو اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو سلامتی کے ساتھ برکت کی بھی بشارت دی اور برکت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نعمتوں کو دوام اور بقاعطا فرمائے گا۔ حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی سے اترے تو ان کی اولاد کے علاوہ دوسرے مسلمان جو اس کشتی میں سوار تھے وہ سب کشتی میں ہی فوت ہو چکے تھے۔ اس لئے اس طوفان کے بعد جو نسل انسانی دنیا میں پھیلی وہ سب حضرت نوح علیہ السلام کی ذات تھی۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَنَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ٥ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ٥ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ٥ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ٥ (الصفت: 76 تا 79)

اور ہم نے نوح اور ان کے اہل کو بڑی تکلیف سے نجات دی اور ہم نے صرف ان ہی کی اولاد کو باقی رکھا اور بعد میں آنے والوں میں ہم نے ان کا ذکر خیر چھوڑا۔ سلام ہو نوح پر تمام جہانوں میں۔

اس اعتبار سے برکات سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی اولاد میں برکتیں عطا فرمائیں اور حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام اس زمین پر آدم ثانی یا آدم اصغر تھے اور قیامت تک کی نسل انسانی ان کی ذریت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اتنی خیر کثیر برکت عطا فرمائی کہ تمام دنیا کے لوگ آپ علیہ السلام کے دم سے آباد ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کے والدین مومن تھے

حضرت نوح علیہ السلام کے والدین کریمین دونوں مومن تھے۔

آپ علیہ السلام کے والدہ کا نام حضرت شیث علیہ السلام تھا۔

اور آپ علیہ السلام کی والدہ کا نام قینوش بنت برکا بیل تھا۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی 855ھ حضرت نوح علیہ السلام کے تعارف میں لکھتے ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام کے ماں باپ دونوں مومن تھے۔ ان کی ماں کا نام قینوش بنت برکا بیل تھا اور ان کے والد کا نام شیث علیہ السلام تھا۔

(عمدۃ القاری ج:15، ص:298 تا 299 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت کے وقت عمر

حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت کے وقت عمر میں اختلاف ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی 855ھ حضرت نوح علیہ السلام کے تعارف میں لکھتے ہیں:
بعثت کے حضرت نوح علیہ السلام کی عمر میں اختلاف ہے۔
بعض نے کہا:
اس وقت ان کی عمر 50 سال تھی
اور بعض نے کہا:
اس وقت ان کی عمر 350 سال تھی
اور بعض نے کہا:
اس وقت ان کی عمر 480 سال تھی۔
(عمدۃ القاری ج:15،ص:299،298 مطبوعہ دار الفکر العلمیہ بیروت)

حضرت نوح علیہ السلام کا مقام بعثت

حضرت نوح علیہ السلام کے مقام بعثت میں اختلاف ہے۔
علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ حضرت نوح علیہ السلام کے تعارف میں لکھتے ہیں:
حضرت نوح علیہ السلام کے مقام بعثت میں بھی اختلاف ہے۔
مجاہد رضی اللہ عنہ نے کہا:
ان کو ہند میں مبعوث کیا گیا
حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:
ان کو ارض بابل (عراق کا ایک شہر جو کوفہ اور بغداد کے درمیان ہے) اور کوفہ میں مبعوث کیا گیا۔
(عمدۃ القاری ج:15،ص:299،298 مطبوعہ دار الفکر العلمیہ بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے ایک سو چھبیس سال بعد پیدا ہوئے

حضرت نوح علیہ السلام، حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے ایک سو چھبیس سال بعد پیدا ہوئے۔
علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ حضرت نوح علیہ السلام کے تعارف میں لکھتے ہیں:
حضرت نوح علیہ السلام، حضرت آدم کی وفات کے ایک سو چھبیس سال بعد پیدا ہوئے۔
(عمدۃ القاری ج:15،ص:298 تا 299 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ادریس و حضرت آدم اور حضرت نوح علیہم السلام کے درمیان عرصہ

حضرت آدم، و حضرت ادریس و حضرت نوح علیہم السلام کے درمیان ایک سو سال کا عرصہ ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ حضرت نوح علیہ السلام کے تعارف میں لکھتے ہیں:
مقاتل نے کہا:
حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان ایک سو سال کا عرصہ ہے اور حضرت نوح اور حضرت ادریس علیہما السلام کے درمیان بھی ایک سو سال کا عرصہ ہے اور حضرت ادریس علیہ السلام کے بعد پہلے نبی ہیں۔
(عمدۃ القاری: ج:15، ص:298 تا 299 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت نوح علیہ السلام کے نام میں مختلف اقوال

حضرت نوح علیہ السلام کے نام میں مختلف اقوال ہیں۔
بعض نے کہا: آپ علیہ السلام کا نام ''السکن'' ہے۔
بعض نے کہا:
آپ علیہ السلام کا نام الساکن ہے۔
بعض نے کہا:
آپ علیہ السلام کا نام عبدالغفار ہے اور بہت زیادہ رونے کی وجہ سے نوح علیہ السلام ہو گیا۔
علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ حضرت نوح علیہ السلام کے تعارف میں لکھتے ہیں:
مقاتل نے کہا:
ان کا نام السکن ہے۔
ایک قول ہے۔
ان کا نام الساکن ہے۔
طبری نے کہا:
ان کا نام عبدالغفار اور بہت زیادہ رونے کی وجہ سے ان کا نام نوح علیہ السلام ہو گیا۔
نوح (علیہ السلام) کا معنی نوحہ کرنا اور رونا ہے۔
ان کے زیادہ رونے کی وجہ یہ ہے کہ ایک دن انہوں نے کتے کو دیکھ کر دل میں کہا
یہ کس قدر بدشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتے کو گویائی دی۔
اس نے کہا:
اے مسکین! آپ علیہ السلام نے کس پر عیب لگایا ہے۔ نقش پر یا نقاش پر۔ اگر نقش پر عیب ہے تو اگر میرا بنانا میرے اختیار میں ہوتا تو میں خود کو حسین بنا لیتا اور اگر نقاش پر عیب ہے تو وہ اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی ملک پر اعتراض کرنا جائز نہیں۔ حضرت نوح

علیہ السلام نے جان لیا کہ اس کتے کو اللہ تعالیٰ نے گویائی دی ہے۔ پھر وہ اپنے اس خیال پر چالیس سال تک روتے رہے۔

(عمدۃ القاری: ج:15،ص:298 تا299 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ نے لکھا ہے کہ

حضرت نوح علیہ السلام نے دل میں کہا کہ

یہ کس قدر بدشکل ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان سے ارشاد فرمایا

تم اس سے زیادہ حسین مخلوق پیدا کر کے دکھاؤ۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنی اس خطا پر عرصہ تک روتے رہے۔

(الجامع الاحکام القرآن ج:13،ص:307 دار الفکر بیروت)

اس واقعہ کا ذکر کسی حدیث مبارکہ میں نہیں ہے اور حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی علیہ السلام ہیں ان کا مقام اس سے بلند ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت پر اعتراض کریں یا اس کو برا جانیں، علاوہ ازیں دل میں جو غیر اختیاری طور پر خیالات آتے ہیں۔

ان پر انسان کو قدرت نہیں ہے اور نہ اس سبب سے ان پر باز پرس ہوتی ہے۔ اس لئے ہمارے نزدیک یہ واقعات درست نہیں ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کا قوم کے ایمان نہ لانے پر ساڑھے نو سو سال رونا

حضرت نوح علیہ السلام قوم کے ایمان نہ لانے پر ساڑھے نو سو سال تک روتے رہے۔

علامہ بدر الدین عینی متوفی 855ھ فرماتے ہیں۔

ان کے نام کی دوسری وجہ تسمیہ یہ ہے کہ

وہ اپنی قوم کے ایمان نہ لانے پر ساڑھے نو سال تک افسوس کرتے رہے اور روتے رہے۔

(عمدۃ القاری: ج:15،ص:299 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت نوح علیہ السلام کا وصال مبارک

حضرت نوح علیہ السلام کے وصال مبارک میں چند اقوال ہیں۔

علامہ بدر الدین عینی متوفی 855ھ فرماتے ہیں۔

سدی نے کہا:

حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ایک ہزار چار سو سال تھی۔

امام ابن جوزی نے کہا:

ان کی عمر ایک ہزار تین سو سال تھی۔

ایک قول ہے کہ

ان کی عمر ایک ہزار سات سو سال تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام موصل کی مشرقی جانب میں فوت ہوئے تھے۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں ان کی کشتی جودی پہاڑ کے پاس ٹھہری تھی۔

امام ابن اسحاق نے کہا:

وہ ہند میں فوت ہوئے تھے۔

عبدالرحمان بن ساباط نے کہا:

حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب اور حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زمزم، رکن اور مقام کے درمیان ہیں۔

ایک قول یہ ہے:

آپ علیہ السلام بابل میں فوت ہوئے۔

اور ایک قول یہ ہے:

آپ علیہ السلام بعلبک (شام کا ایک شہر) کی کرک نام کی ایک بستی میں فوت ہوئے اور اب بھی وہاں پر آپ علیہ السلام کی قبر معروف ہے۔ اس کو کرک نوح کہا جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری: ج:15، ص:299 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت نوح علیہ السلام کا مزار پر انوار کا مقام

حضرت نوح علیہ السلام کے مزار پر انوار کے بارے میں زیادہ قوی قول یہ ہے: آپ علیہ السلام کا مزار پر انوار مسجد حرم شریف میں ہے۔

علامہ بدرالدین عینی متوفی 855ھ فرماتے ہیں کہ

حافظ ابن کثیر نے کہا: امام ابن جریر اور امام ازرقی نے روایت کیا ہے کہ

آپ علیہ السلام کا مزار پر انوار مسجد حرام مین ہے۔

اور یہ قول دوسرے متاخرین کے اقوال ہیں کی بہ نسبت زیادہ قوی اور زیادہ ثابت ہے۔

(عمدۃ القاری: ج:15، ص:299 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابن جریج، امام ازرقی اور دیگر مورخین نے لکھا ہے کہ

حضرت نوح علیہ السلام کا مزار پر انوار مسجد حرام میں ہے۔

اور یہ قوی قول ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج:1، ص:100، 120 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی ہیں اور آپ علیہ السلام کا نام مبارک اولعزم انبیاء کرام علیہم السلام میں شمار ہوتا ہے۔

اولوالعزم انبیاء کرام علیہ السلام پانچ ہیں۔

بہار شریعت حصہ اول میں ہے۔

نبیوں کے مختلف درجے ہیں۔ بعض کو بعض پر فضیلت ہے اور سب میں افضل ہمارے آقا و مولیٰ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بڑا مرتبہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام کا ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پھر حضرت نوح علیہ السلام کا۔ ان حضرات کو مرسلین اوالعزم کہتے ہیں۔

(بہار شریعت حصہ اول ص 54، مکتبہ المدینہ کراچی)

اولوالعزم سے مراد یہ ہے کہ

بلند و بالا عزت و عظمت اور حوصلہ دے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو یہ مقام عطا فرمایا: آپ علیہ السلام کی اولاد میں اکثر انبیاء کرام علیہم السلام ہیں۔ جن میں سے سب سے افضل و اعلیٰ نبی ہمارے نبی محترم شفیع امم، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ گویا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد ہیں اور یوں کئی واسطوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نبوت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ کا لقب بھی نوازا گیا۔ آپ علیہ السلام اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کی تبلیغ کرتے رہے اور کفر کے مقابلے میں نمرود جیسے ظالم بادشاہ سے مقابلہ بھی کیا اور آخر کار نمرود ہلاک ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو حیات رکھا اور یوں کفر کا خاتمہ ہوا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نسب نامہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نسب نامہ مؤرخین نے طوالت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسین ابن عساکر متوفی 571ھ نے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا نسب اس طرح لکھا ہے۔
ابراہیم بن آذر اور وہ تارخ ہیں۔ بن ناحور بن شاروغ بن ارغو بن فالع بن عامر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح بن لمک بن متوشلح بن خنوخ اور وہ ادریس (علیہ السلام) ہیں۔ بن یارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم۔

(مختصر تاریخ دمشق، ج:3،ص:344 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کنیت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کنیت ابوالفیضان ہے۔
حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:
حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل الرحمٰن ہیں
اور آپ علیہ السلام کی کنیت ابوالفیضان ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق ج:3،ص:344 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش مبارکہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش مبارکہ عراق کے شہر بابل کے موضع کوثی میں ہوئی۔
حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:
صحیح یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے شہر بابل کے موضع کوثی میں پیدا ہوئے۔

(مختصر تاریخ دمشق، ج:3،ص:344 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

غار میں پیدائش:

علامہ اسماعیل حقی متوفی 1137ھ لکھتے ہیں:
حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی والدہ کے بطن سے غار میں پیدا ہوئے تھے جب وہ بڑے ہوئے تو غار سے نکلے اور شہر میں داخل ہوئے اور انہوں نے چاہا کہ وہ یہ جان سکیں کہ شہر والے کس دین پر ہیں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: تم کس کی عبادت کرتے ہو تو انہوں نے کہا: ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کا رد فرمایا۔

(روح البیان: ج:6،ص:361 دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد محترم کا نام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد محترم کے نام مبارکہ میں اختلاف ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر تھے تارخ تھے؟ تحقیق یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کے والد کا نام تارخ ہے۔
حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ نے لکھا ہے۔

مجاہد نے کہا ہے:

آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ نہیں تھے۔

صحیح وہ ہے کہ جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وہ ابراہیم بن آزر ہیں۔

اور تورات میں ہے۔

وہ ابراہیم بن تارخ ہیں۔

(مختصر تاریخ دمشق ج:3،ص:344 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابراہیم کی پیدائش حضرت آدم علیہما السلام کی پیدائش کے کتنے عرصہ بعد ہوئی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے تین ہزار تین سو سینتیس سال بعد پیدا ہوئے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عنسی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے تین ہزار تین سو سینتیس سال بعد پیدا ہوئے۔ اس وقت طوفان نوح کو بارہ سو تریسٹھ سال گزر چکے تھے۔

(عمدۃ القاری، ج:15 ص:240 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیر مصر)

آزر کے متعلق مفسرین کے اقوال

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد محترم کے بارے میں بعض مفسرین نے کہا: آپ علیہ السلام کے والد کا نام آزر تھا اور بعض نے کہا: یہ ان کا لقب تھا۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی المتوفی 597ھ نے آزر کے متعلق چار قول لکھے ہیں۔

(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن سدی اور ابن اسحاق نے کہا:

آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ہے۔

(2) مجاہد نے کہا ہے:

آزر بت کا نام ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ ہے۔

(3) زجاج نے کہا ہے:

آزر نام نہیں ہے بلکہ مذمت کا کلمہ ہے۔

گویا کہ حضرت ابراہیم نے فرمایا

اے خطا کار! تو بتوں کو معبود قرار دے رہا ہے۔

(4) مقاتل بن حیان نے کہا ہے:

آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام نہیں ہے۔

یہ ان کا لقب ہے۔

(زادالمسیر: ج:3، ص:75، 76 مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت)

حضرت ابراہیم کے والد محترم کا نام تارخ تھا آزر نہیں تھا

کئی مفسرین کرام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد محترم کا نام تارخ لکھا ہے جن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔

امام ابواسحاق زجاج متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

نسب بیان کرنے والوں کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا اور قرآن مجید اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا نام آزر تھا۔

(معانی القرآن واعرابہ للزجاج ج:2،ص:265)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ

مجاہد نے کہا ہے:

آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام نہیں ہے وہ بت کا نام ہے۔

(جامع البیان جز:7،ص:316 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس رازی ابن ابی حاتم متوفی 327ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر نہیں تھا۔ ان کے باپ کا نام تارخ تھا۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ

آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا۔

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر سے کہا

کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں سے مدد مانگتے ہو ایسا نہ کرو

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر نہیں تھا۔ ان کے باپ کا نام تارخ تھا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج:4،ص:1325 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

خاتم الحفاظ حافظ جلال سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم اور امام ابوالشیخ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

آزر بت تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد محترم کا نام یازر ہے اور ان کی ماں کا نام مثلی ہے اور ان کی بیوی کا نام سارہ ہے اور ان کی باندی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ماں ہیں۔

ان کا نام ہاجرہ ہے۔

امام ابن ابی شیبہ، امام عبد بن حمید اور امام ابن جریر اور امام ابن المنذر راور امام ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا:

آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام نہیں ہے لیکن یہ بت کا نام ہے۔
(درمنثور ج:3،ص:300 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

آزر کہنے کی توجیہ

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:
امام ابن المنذر نے سند صحیح کے ساتھ ابن جریج سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ
آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں ہے۔
''ابراہیم بن تارخ بن ناحور بن شاروغ بن عابر بن فالع ہیں۔''
قرآن مجید میں آزر کے اوپر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اب (باپ) کا اطلاق کیا گیا ہے۔
اس کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ
عرب میں اب کا اطلاق عم پر بکثرت کیا جاتا ہے اگرچہ یہ مجاز ہے۔
قرآن مجید میں ہے:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ (البقرہ: 133)

کیا تم حاضر تھے جب یعقوب کو موت آئی جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے فرمایا تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟
انہوں نے کہا: ہم آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے۔
اس آیت کریمہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام پر باپ کا اطلاق کیا گیا ہے حالانکہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے باپ نہیں بلکہ چچا ہیں اور امام ابوالعالیہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے:
اس آیت میں چچا پر باپ کا اطلاق کیا گیا ہے اور انہوں نے محمد بن کعب قرظی سے روایت کیا ہے کہ
ماموں والد ہے اور چچا والد ہے اور اس آیت کی۔
(الحاوی للفتاوی ج:2،ص:214 مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ لائل پور پاکستان)

قیامت کے دن آزر کو باپ کہنے کی توجیہ

آزر باپ تھے اس بارے میں اس حدیث سے بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ
امام محمد بن اسماعیل بخاری متو256ھ روایت کرتے ہیں۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے (عرفی) باپ آزر سے قیامت کے دن ملاقات ہوگی اور آزر کے چہرے پر دھواں اور گردوغبار ہوگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے فرمائیں گے؟

کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میری نافرمانی نہ کرنا

ان کے باپ (عرفی) کہیں گے۔

آج میں آپ علیہ السلام کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے۔

اے میرے رب عزوجل تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ تو قیامت کے دن مجھ کو شرمندہ نہیں کرے گا اور اس سے بڑی اور شرمندگی کیا ہوگی کہ میرا (عرفی) باپ رحمت سے دور ہو۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ

میں نے جنت کافروں پر حرام کردی ہے۔

پھر کہا جائے گا کہ

اے ابراہیم تمہارے پیروں کے نیچے کیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام دیکھیں گے تو وہ گندگی میں لتھڑا ہوا ایک بجو ہوگا اور اس کو ٹانگوں سے پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری ج:4، رقم الحدیث:3350)

حافظ عمادالدین ابن کثیر شافعی متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر ہے اور جمہور اہل نسب ہے۔

بشمول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نسب اس پر متفق ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ ہے اور اہل کتاب تارح کہتے ہیں۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:142 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی 1052ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض علماء کرام اس بات کے قائل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء کرام شرک اور کفر کی آلودگی سے پاک اور منزہ ہیں۔ ان کے نزدیک آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا ہیں۔ ان کو مجازا باپ کہا گیا ہے اور ان کے باپ کا نام تارخ

ہے۔اس وجہ سے مطلقاً نہیں فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ سے ملاقات ہوگی تا کہ ان کے حقیقی والد کی طرف ذہن متوجہ نہ ہو اور ان کے والد کے ساتھ آزر کا ذکر کیا تا کہ معلوم ہو کہ یہاں مجازی باپ مراد ہے۔

(اشعۃ اللمعات ج:4،ص:368 مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ)

شیخ محمد ادریس کاندھلوی متوفی 1394ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں، تحقیق یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔اس کو مجاز متعارف کے طور پر باپ کہا گیا ہے۔اور آپ کے باپ کا نام تارخ ہے۔بعض محققین علماء جنہوں نے آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء سے کفر کی نفی کی ہے ان کی تحقیق یہ ہے۔اس بناء پر اس حدیث میں آزر کا ذکر اس لئے ہے کہ اگر یوں کہا جاتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ سے ملاقات ہوگی تو اس ان کے حقیقی والد کی طرف ذہن چلا جاتا اور جب آزر کی قید لگائی تو ان کے حقیقی والد کی طرف ذہن نہیں جائے گا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس چچا پر باپ کا اطلاق اس لئے کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اختلاط اور ان کی الفت اپنے اس چچا کے ساتھ بہت زیادہ تھی اور وہ مشرکین کا رئیس تھا اور اسی کے ساتھ ان کا مناظرہ ہوا تھا۔

(التعلیق الصبیح ج:6،ص:301 مطبوعہ مکتبہ نعمانیہ لاہور)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد محترم کے مومن ہونے پر دلائل

امام ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں سند صحیح کے ساتھ حضرت سلیمان بن مرد سے روایت کیا ہے کہ

جب کفار نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا ارادہ کیا

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

حَسْبِیَ اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ

اور جب انہوں نے آپ علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ (الانبیاء: 69)

اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا نے کہا:

میری وجہ سے ان سے عذاب دور کر دیا گیا ہے تب اللہ تعالیٰ نے آگ کی ایک چنگاری بھیجی جو اس کے پیر پر لگی اور اس کو جلا دیا، اس اثر میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا اور اس اثر سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آزر اس وقت میں ہلاک کیا گیا تھا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور اللہ سبحانہ نے قرآن مجید میں یہ خبر دی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ آزر اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو انہوں نے اس کے لئے استغفار کرنا ترک کر دیا اور

احادیث میں آیا ہے کہ جب وہ حالت شرک میں مرگیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کا دشمن خدا ہونا معلوم ہو گیا اور انہوں نے پھر اس کے لئے استغفار نہیں کیا۔ امام ابن ابی حاتم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے (عرفی) باپ کے لئے مسلسل استغفار کرتے رہے اور جب وہ مر گیا تو ان کو معلوم ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے پھر انہوں نے اس کے لئے استغفار نہیں کیا اور انہوں نے محمد بن کعب، قتادہ اور مجاہد اور حسن وغیرہم سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی حیات میں اس کے ایمان کی امید رکھتے تھے اور جب وہ شرک پر مر گیا تو وہ اس سے بےزار ہو گئے پھر آگ میں ڈالے جانے کے واقعہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شام کی طرف ہجرت کی جیسا کہ قرآن مجید نے اس کی تصریح کی ہے پھر ہجرت کے کافی عرصہ بعد وہ مصر میں داخل ہوئے اور وہاں حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے سبب سے ظالم بادشاہ کے ساتھ ان کا واقعہ پیش آیا اور انجام کار حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا آپ علیہ السلام کی باندی بنا دی گئیں اس کے بعد آپ علیہ السلام پھر شام کی طرف لوٹ گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ مکرمہ میں منتقل کر دیں اور وہاں آپ علیہ السلام نے یہ دعا کی۔

ترجمہ: اے ہمارے رب عزوجل! بے شک میں نے اپنی بعض اولاد کو بے آب و گیاہ وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس ٹھہرایا ہے۔ اے ہمارے رب عزوجل! تاکہ وہ نماز قائم کریں سو تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو بعض پھل عطا فرما تاکہ وہ شکر ادا کریں۔ اے ہمارے رب عزوجل! بے شک تو جانتا ہے جس کو ہم چھپاتے ہیں اور جس کو ہم ظاہر کرتے ہیں اور زمین و آسمان میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ پر مخفی نہیں ہے۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے بے شک میرا رب ضرور میری دعا سننے والا ہے۔ اے میرے رب عزوجل! مجھے نماز قائم کرنے والا رکھ اور میری اولاد (سے) بھی۔ اے ہمارے رب عزوجل! میری دعا قبول فرما اے ہمارے رب عزوجل! مجھے اور میرے والدین کو بخش دے اور سب ایمان والوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔ (ابراہیم: 37 تا 41)

اس آیت کریمہ میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر کے فوت ہونے کے طویل عرصہ بعد اپنے والدین کی مغفرت کے لئے دعا کی۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ قرآن مجید ہمیں جس شخص کے کفر اور اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیزار ہونے کا ذکر ہے وہ ان کے چچا تھے نہ کہ ان کے حقیقی والد

امام محمد بن سعد نے الطبقات میں کلبی سے روایت کیا ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بابل سے شام کی طرف ہجرت کی تو ان کی عمر سینتیس سال تھی۔ پھر انہوں نے کچھ عرصہ حران میں قیام کیا۔ پھر کچھ عرصہ اردن میں قیام کیا پھر وہاں سے مصر چلے گئے اور کچھ عرصہ وہاں قیام کیا پھر وہاں سے شام کی طرف لوٹ گئے۔

اور امام ابن سعد نے واقدی سے روایت کیا ہے کہ
نوے سال کی عمر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان دونوں اثروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آگ میں ڈالے جانے والے واقعہ کے بعد جب آپ علیہ السلام نے بابل سے ہجرت کی تھی اور مکہ مکرمہ میں جو آپ علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ان کے درمیان پچاس اور کچھ سال کا عرصہ ہے۔
(الحاوی للفتاوی ج:2،ص:215،214 مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

خلاصہ یہ ہے کہ
آزر کے مرنے کے پچاس سے زیادہ سال کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والدین کی مغفرت کے لئے دعا کی ہے اور جب کہ آزر سے وہ بیزار ہو چکے تھے اور اس کے لئے دعا کو ترک کر چکے تھے تو اس سے یہ ظاہر ہوا کہ آزر اور شخص تھا اور ان کے والد اور شخص تھے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے ان کے چچا آزر کو اب (عرفی باپ) کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور ان کے حقیقی باپ کو والد کے لفظ سے تعبیر کیا ہے تا کہ تغییر عنوان تغیر معنون پر دلالت کرے۔ہم نے علامہ سیوطی کے جس استدلال کو تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے علامہ آلوسی نے بھی اس کا خلاصہ ذکر کیا ہے۔
(روح المعانی: جز:7،ص:195 طبع بیروت)

اور سب سے بڑی دلیل تو یہ ہے کہ ہمارے آقا و مولیٰ دو جہاں کے تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ نسب میں تمام آباء کرام مومن تھے۔
اس پر دلیل یہ ہے کہ
احادیث صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء کرام اپنے اپنے زمانوں میں سب سے بہتر اور سب سے افضل تھے۔
اور قرآن مجید میں یہ تصریح ہے۔

وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ (البقرہ: 321)

اور بے شک مومن غلام، مشرک (آزاد) سے بہتر ہے خواہ وہ تمہیں اچھا لگے۔
اور جب مومن مشرک سے بہتر اور افضل ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء کرام اپنے اپنے زمانہ میں سب سے بہتر اور افضل تھے تو ضروری ہوا کہ وہ مومن ہوں۔
نیز احادیث مبارکہ اور آثار اس پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام یا حضرت نوح علیہ السلام کے بعد سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک بلکہ قیامت تک روئے زمین پر کچھ ایسے لوگ رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر قائم رہے اور اس کی عبادت کرتے رہے اور ان کی وجہ سے زمین محفوظ رہی ورنہ زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے اور ان مقدمات سے قطعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء میں کوئی مشرک نہیں تھا کیونکہ زمین کبھی مومنین اور مشرکین سے

خالی نہیں رہی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء اپنے اپنے دور میں سب سے بہتر اور افضل تھے اور مومن مشرک سے بہتر اور افضل ہوتا ہے لہٰذا ثابت ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء کرام مومن تھے اور روئے زمین کبھی موحدین اور عابدین سے خالی نہیں اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء کرام اپنے اپنے زمانوں میں سب لوگوں سے بہتر اور افضل تھے۔

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ فرماتے ہیں۔

امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں از معمر، ابن جریج از ابن المسیب روایت کیا ہے۔

روئے زمین پر ہمیشہ قیامت تک کم از کم سات مسلمان رہے ہیں اور اگر وہ نہ ہوتے اور زمین والے ہلاک ہو جاتے۔

امام ابن المنذر رنے قتادہ سے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ

ہمیشہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے اولیاء رہے ہیں جب سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا ہے کبھی زمین ابلیس کے لئے خالی نہیں رہی اس میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء رہے ہیں جو اس کی اطاعت کرتے رہے ہیں۔

حافظ ابو عمر وابن عبدالبراز قاسم از امام مالک روایت کرتے ہیں کہ

مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب تک زمین میں شیطان کا ولی ہے تو زمین میں اللہ تعالیٰ کا ولی بھی ہے۔

امام احمد بن حنبل نے کتاب الزہد میں بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد زمین کبھی سات ایسے نفوس سے خالی نہیں رہی جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ زمین اور زمین والوں سے عذاب دور کرتا ہے۔

☆ امام ارزقی نے تاریخ مکہ میں زہیر بن محمد سے روایت کیا ہے کہ ہمیشہ زمین پر کم از کم سات ایسے مسلمان رہے ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے امام ابن المنذر رنے اپنی تفسیر میں سند صحیح کے ساتھ

☆ ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ

انہوں نے کہا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے کچھ لوگ ہمیشہ فطرت پر رہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے۔

☆ امام بزار رنے اپنی سند میں اور امام ابن جریر، امام ابن المنذر راور امام ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی تفاسیر میں اور امام حاکم نے المستدرک میں تصحیح سند کے ساتھ اس آیت

كان الناس امة واحدة کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرن ہیں اور ان میں سے ہر ایک شریعت حق پر ہے۔ پھر ان کے بعد لوگوں میں اختلاف ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجا اور زمین والوں پر اللہ تعالیٰ نے جو سب سے پہلا رسول بھیجا وہ حضرت نوح علیہ السلام تھے۔

☆ اور امام محمد بن سعد نے طبقات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت آدم علیہ السلام تک دس آباء ہیں اور وہ سب اسلام پر تھے۔

(الحاوی للفتاوی ج:2،ص:212 تا 213 مطبوعہ فیصل آباد)

پھر یہ بھی ثابت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء کرام اپنے اپنے زمانہ میں سب سے افضل اور بہتر تھے۔

پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ مومن نہ ہوں۔

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے بنو آدم کے ہر قرن اور ہر طبقہ میں سب سے بہتر قرن اور طبقہ سے مبعوث کیا جاتا رہا حتیٰ کہ جس قرن میں میں ہوں۔

(صحیح البخاری: ج:4، رقم الحدیث: 3557)

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار ہوں۔''

جب بھی لوگوں کے دو گروہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان میں سے بہتر گروہ میں رکھا۔ میں ماں باپ سے پیدا کیا گیا ہوں۔ مجھے زمانہ جاہلیت کی بدکاری سے کوئی چیز نہیں پہنچی۔ میں نکاح سے پیدا کیا گیا ہوں بدکاری سے پیدا نہیں کیا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر پاکیزگی کا یہ سلسلہ میرے باپ اور میری ماں تک پہنچا ہے میں بطور شخصیت کے تم سب سے بہتر ہوں اور بطور باپ کے تم سب سے بہتر ہوں۔

(دلائل النبوۃ: ص: 174، 175)

☆ امام ابو نعیم اصبہانی متوفی 430ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرے ماں باپ کبھی بھی بدکاری پر جمع نہیں ہوئے۔

اللہ عزوجل ہمیشہ مجھے پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل فرماتا رہا جو صاف اور مہذب تھیں جب بھی دو شاخیں پھوٹیں میں ان میں سے بہتر شاخ میں تھا۔

(دلائل النبوۃ: ج: 1، رقم الحدیث: 15)

☆ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی 279ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

میں نے عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قریش آپس میں بیٹھے ہوئے اپنے حسب ونسب کا ذکر کر رہے تھے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال اس طرح دی ہے جیسے زمین کے گھورے میں کھجور کا درخت پیدا ہو گیا ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مجھے ان میں سب سے بہتر لوگوں میں اور سب سے بہتر گروہوں میں اور سب سے بہتر فرقوں میں رکھا پھر قبیلوں کا انتخاب کیا اور مجھے سب سے بہتر قبیلہ میں رکھا۔ پھر گھروں کا انتخاب کیا اور مجھے سب سے بہتر گھر میں رکھا۔ پس میں بطور شخص سب سے بہتر ہوں اور بطور گھر سب سے بہتر ہوں۔

(سنن الترمذی: ج: 5، رقم الحدیث: 3627)

☆ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی 261ھ روایت کرتے ہیں

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے کنانہ کو پسند کر لیا اور کنانہ سے قریش کو پسند کر لیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو پسند کر لیا اور بنو ہاشم میں سے مجھے پسند کر لیا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 5828)

☆ مطلب بن ابی وداعہ بیان کرتے ہیں کہ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کوئی ناگوار بات سنی تھی۔

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا

میں کون ہوں؟

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے کہا:

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مجھے سب سے بہتر مخلوق میں رکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دو گروہ کئے تو مجھے سب سے بہتر گروہ میں رکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو قبائل میں منقسم کیا تو مجھے سب سے بہتر قبیلہ میں رکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو گھروں میں منقسم کیا تو مجھے سب سے بہتر گھر میں رکھا اور سب سے بہتر شخص میں رکھا۔

(سنن ترمذی: ج:5، رقم الحدیث: 3628)

☆ امام ابوالقاسم سلیمان بن طبرانی متوفی 360ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ

انہوں نے کہا:

میں نے زمین کے تمام مشارق و مغارب کو الٹ پلٹ کر دیکھ لیا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل کسی شخص کو نہیں پایا اور بنو ہاشم سے افضل کسی خاندان کو نہیں پایا۔

(المعجم الاوسط: ج:7، رقم الحدیث: 6281) (مجمع الزوائد ج:8، ص:400 طبع جدید دارالفکر بیروت)

☆ امام ابونعیم اصبہانی متوفی 430ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِيْنَ

کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ انبیاء کرام علیہم السلام کی پشتوں میں منقلب ہوتے رہے حتیٰ کہ آپ علیہ السلام اپنی والدہ سے پیدا ہوئے۔

(دلائل النبوۃ: ج:1، رقم الحدیث: 17)

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ عزوجل نے سات آسمانوں کو پیدا کیا اور ان میں سے اوپر والے آسمانوں کو پیدا کیا اور ان میں سکونت رکھی اور باقی آسمانوں میں اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہا سکونت دی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مخلوق میں سے بنو آدم کو پسند فرمایا اور بنو آدم سے عربوں کو پسند کیا۔ سو میں پسندیدہ لوگوں میں سے پسند کیا گیا ہوں لہٰذا جس نے عربوں سے محبت رکھی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے عربوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔

(المستدرک ج:4، ص:86، 87) (دلائل النبوۃ ج:1، ص رقم الحدیث: 18)

☆

ان تمام احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کے نسب میں تمام آباء کرام اپنے اپنے زمانوں کے تمام لوگوں سے خیر اور افضل تھے اور قرآن مجید میں یہ تصریح ہے اور اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ مومن مشرک سے خیر اور افضل ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء کرام مومن تھے۔ تو یہ کہنا درست اور بجا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد محترم مومن تھے کیونکہ ایسا ہر گز نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ ایک نبی کے باپ کو مشرک رکھے اور نبی مشرک سے پیدا ہو۔

امام رازی کا موقف آزر کے باپ ہونے کے بارے میں

امام رازی نے تفسیر کبیر میں اس مسئلہ سے اختلاف کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر تھا اور اس پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ یہود و نصاریٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب پر بہت حریص تھے۔ اگر فی الواقع حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر نہ ہوتا اور قرآن کہتا کہ ان کے باپ آزر نے یوں کہا تو عادۃً یہود و نصاریٰ کا خاموش رہنا ممکن نہ تھا اور وہ نبی علیہ السلام کی تکذیب کرتے اور کہتے کہ آزر ان کے باپ نہیں ہیں اور جب انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب نہیں کی تو معلوم ہوا کہ قرآن مجید کا بیان کیا ہوا نسب صحیح ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ آزر ہی ہیں۔

(تفسیر کبیر ج:4، ص:70 دار الفکر بیروت)

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ

اہل کتاب کے نزدیک حضرت ابراہیم کے والد کا نام تارح ہے۔

بائبل میں لکھا ہے کہ

نحور انتیس برس کا تھا جب اس سے تارح پیدا ہوا اور تارح کی پیدائش کے بعد نحور ایک انیس برس اور جیتا رہا اور اس سے بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں اور تارح ستر برس کا تھا جب اس سے ابرام اور نحور اور حاران پیدا ہوئے۔

(پرانا عہد نامہ: پیدائش باب 11، آیت 24 تا 26 کتاب مقدس ص 13، مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور)

باقی یہ کہ اہل کتاب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیوں نہیں کیا کہ قرآن نے آزر کو باپ کہا ہے جبکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اہل کتاب محاورات عرب سے واقف تھے کہ محاورات عرب میں چچا پر باپ کا اطلاق کیا جاتا ہے نیز قرآن مجید میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اولاد یعقوب علیہ السلام کا باپ فرمایا ہے حالانکہ وہ بالاتفاق چچا تھے اور اس پر بھی اہل کتاب نے اسی وجہ سے اعتراض نہیں کیا تھا ورنہ امام رازی کی تقریر کے مطابق یہودیوں کو اس کی تکذیب کرنی چاہئے تھی۔ لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا نہ آزر تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت آدم اور حضرت نوح علیہم السلام کے درمیان صدیاں

حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان دس صدیاں ہیں۔

محمد بن عمر واقدی بیان کرتے ہیں کہ

حضرت نوح اور حضرت آدم علیہما السلام کے درمیان دس صدیاں ہیں اور حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان دس صدیاں ہیں۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے دو ہزار سال بعد پیدا ہوئے۔

(مختصر تاریخ دمشق ج:3،ص:349،348 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابراہیم اور حضرت آدم ونوح علیہم السلام کے درمیان آباء کرام کا عرصہ

حضرت ابراہیم اور حضرت ونوح علیہم السلام کے درمیان دس آباء کرام کا فاصلہ ہے۔

ایوب بن عتبہ قاضی یمامہ بیان کرتے ہیں۔

حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان دس آباء کرام تھے اور یہ ایک ہزار سال کا عرصہ ہے اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے درمیان دس آباء تھے اور یہ بھی ایک ہزار سال کا عرصہ ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:3،ص:349 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان آباء کرام کا عرصہ

حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان سات آباء کرام ہیں اور ان کے سال معلوم نہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار پانچ سو سال ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان چھ سو سال کا عرصہ ہے اور یہ زمانہ فترت ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:3،ص:349 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام صادق نبی

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو مقام نبوت پر سرفراز فرمایا۔ قرآن مجید میں آپ علیہ السلام کی نبوت کی واضح دلیل ملتی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ○ (مریم: 41)

اور آپ کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجئے بے شک وہ سچے نبی تھے۔

☆ اس آیت کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے چونکہ مخاطب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمائیں کیونکہ وہ

نبی تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عرفی باپ اور قوم کا بتوں کی پوجا کرنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اس کائنات میں مبعوث ہوئے تو دیکھا میرے عرفی باپ اور قوم بتوں کی پوجا کرتی ہے تو آپ علیہ السلام نے اپنے عرفی باپ سے فرمایا: تم بتوں کی عبادت کرتے ہو میں تو تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۝ (الانعام: 74)

اور جب ابراہیم نے اپنے (عرفی) باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے ہو بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا دیکھتا ہوں۔

☆

اس آیت کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عرفی باپ اور قوم کا بتوں کی پوجا کرنے کا ذکر ہے۔

صنم کا معنی

اس آیت کریمہ میں اصنام کا لفظ استعمال فرمایا گیا۔

اصنام، صنم کی جمع ہے۔

صنم کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:

صنم اس مجسمہ کو کہتے ہیں جو چاندی یا پیتل یا لکڑی سے بنایا گیا ہو۔

کفار اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ان کی عبادت کرتے تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ (الانعام: 74)

اور جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے ہو؟

بعض حکماء نے کہا:

ہر وہ چیز جس کو اللہ چھوڑ کر پرستش کی جائے وہ صنم ہے بلکہ ہر وہ چیز جس کی مشغولیت اللہ سے غافل کر دے وہ صنم ہے۔

اس معنیٰ پر یہ آیت محمول ہے۔

وَاجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (ابراھیم: 35)

مجھے اور میرے بیٹوں کو بت پرستی سے دور رکھ۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی جس قدر قوی

معرفت تھی اور آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی حکمتوں پر جتنا مطلع تھے اس کے پیش نظر یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ علیہ السلام کو یہ خطرہ ہوتا کہ آپ علیہ السلام ان بتوں کی عبادت کریں گے جن کی آپ علیہ السلام کی قوم عبادت کرتی تھی پس گویا کہ آپ علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ مجھے ان چیزوں میں مشغول ہونے سے باز رکھ جو مجھے تجھ سے غافل کر دیں۔

(المفردات ج:2،ص:376 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

کفار کا بتوں کے لئے پھلوں اور مویشیوں کی تقسیم کرنا

کفار اتنا جاہل تھے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کھیتوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے لئے مقرر کرتے تھے اور ایک بتوں کے لئے مقرر کرتے تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِیْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَاۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا یَصِلُ اِلَى اللّٰهِۚ وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ یَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ﴿﴾ (الانعام: 136)

اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کھیتیوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ اللہ کے لئے مقرر کر لیا اور بزعم خویش یہ کہا کہ یہ اللہ کے لئے ہے اور یہ ہمارے شرکاء کے لئے ہے سو جو حصہ ان کے شرکاء کے لئے ہے وہ اللہ کی طرف نہیں پہنچتا اور جو حصہ اللہ کے لئے ہے وہ ان کے شرکاء کی طرف پہنچ جاتا ہے۔ یہ لوگ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں۔

☆

کفار کی جہالت حد کو پہنچی ہوئی تھی۔ ان میں سے ایک جہالت یہ بھی تھی کہ وہ اپنی زرعی پیداوار اور مویشیوں میں سے کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص کر دیتے اور کچھ حصہ اپنے بتوں کے لئے اور اپنے زعم فاسد کے مطابق کہتے کہ یہ حصہ اللہ تعالیٰ کا ہے اور یہ بتوں کا ہے اور یہ ان کا محض جھوٹ تھا اور یہ جھوٹ اس لئے تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی پیداوار چیزوں کے دو حصے کئے ایک حصہ اللہ تعالیٰ کا اور ایک بتوں کا حالانکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اور سب ہی اس وحدہ لاشریک کی ملکیت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

سو جو حصہ ان کے شرکاء کے لئے ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں پہنچتا اور جو حصہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے وہ ان کے شرکاء کی طرف پہنچ جاتا ہے۔

اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں۔

(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

جن پھلوں کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کا حصہ قرار دیا تھا اگر ان میں سے کچھ پھل شیطان کے حصہ میں گر جاتے تو ان کو چھوڑ دیتے اور اگر شیطان کے حصہ کے پھلوں میں سے کچھ پھل اللہ تعالیٰ کے حصہ میں گر جاتے تو ان کو چن کر ان کی حفاظت کرتے اور ان کو شیطان کے حصہ میں ڈال دیتے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حصہ کی کھیتی میں پانی دیتے ہوئے اگر کچھ پانی کھیت سے نکل جاتا تو اس کو نکلنے دیتے اور شیطان کے حصہ کی کھیتی سے پانی نکلنے لگتا تو اس کو روک لیتے۔

(2) حسن نے کہا:

اگر بتوں کے لئے رکھے ہوئے حصوں میں سے کوئی چیز خراب ہو جاتی تو اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ کے حصہ میں اتنی چیز اٹھا کر بتوں کے حصہ میں رکھ دیتے اور اگر اللہ تعالیٰ کے رکھے ہوئے حصہ میں سے کوئی چیز خراب ہو جاتی تو اس کے بدلہ میں بتوں کے حصہ میں سے کوئی چیز نہ اٹھاتے۔

(3) قتادہ نے کہا:

اگر قحط آجاتا تو اللہ تعالیٰ کے حصہ میں رکھی ہوئی چیزوں کو کھانے پینے کے کام میں لاتے لیکن بتوں کے حصہ میں رکھی ہوئی چیزوں کو اسی طرح محفوظ رکھتے۔

(جامع البیان: ج: 8، ص: 53، 56 ملخصا مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بتوں کی طرف دعوت دینے والے کی مثال

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ابی حاتم متوفی 327ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بتوں کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والوں کی مثال یہ بیان فرمائی ہے جیسے ایک شخص راستہ سے بھٹک گیا ہو اور اسے کوئی شخص پکارے کہ اس طرف آؤ اور اس کے خیر خواہ بھی ہوں جو اس کو بلائیں کہ اس راستے پر آؤ تو اگر وہ پہلے بلانے والے کی پکار پر چلا جائے تو وہ اس کو تباہی کے گڑھے میں گرا دے گا اور اگر وہ ہدایت کی طرف دعوت دینے والے کے پاس چلا جائے تو راستہ کی ہدایت پائے گا اور یہ صحرا یا جنگل میں بلانے والے جنات ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج: 4، ص: 1322 مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

امام ابن جریر متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

یہ جنات ہیں جو جنگل میں بھٹکے ہوئے انسان کو اس کا نام اور اس کے باپ دادا کا نام لے کر بلاتے ہیں۔

اے فلاں بن فلاں ادھر آؤ۔

(جامع البیان: ج: 7، ص: 308 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قیامت کے دن بتوں کا نہ سننا اور عبادت کا منکر ہونا

قیامت کے دن بت کفار کی پکار کو نہ سنیں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَ هُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ۝ (الاحقاف: 5، 6)

اور اس سے بڑھ کر اور کون گمراہ ہوگا جو ان کو پکارے جو قیامت تک ان کی فریاد نہ سن سکیں اور وہ ان کی پکار سے بے خبر ہیں اور جب لوگوں کو (میدان محشر) میں جمع کیا جائے گا تو (ان کے خود ساختہ معبود) ان کے دشمن ہوں گے اور وہ ان کی عبادت کے منکر ہوں گے۔

☆

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ سب سے گمراہ اور جاہل ہیں جو اپنے مصائب میں بتوں کو پکارتے ہیں جو قیامت تک ان کی پکار اور فریاد کو سن نہیں سکتے وہ ان کی پکار نہ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔

اس آیت میں فرمایا ہے۔

وہ قیامت تک ان کی پکار کو نہیں سنتے حالانکہ وہ بت ان کو پکار کر دنیا میں بھی کبھی نہیں سنتے پھر قیامت کا ذکر کیوں فرمایا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ

دنیا کے مصائب کی بہ نسبت قیامت کے دن کی مصیبت ان کے لئے بہت سخت ہوگی اس دن وہ بت ان سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔ جن کی وہ دنیا میں عبادت کرتے رہے تھے یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا۔

اِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ (ص: 78)

بے شک قیامت کے دن تک میری تجھ پر لعنت ہے۔

ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کی ابلیس پر ابدی لعنت ہے لیکن اس کا قیامت کے دن اظہار بہت سخت ہوگا اور اس آیت میں فرمایا وہ بت ان کی فریاد اور چیخ و پکار سے غافل ہیں کیونکہ وہ بت جمادات ہیں وہ کس طرح ان کی فریاد کا جواب دے سکتے ہیں۔ اور ارشاد فرمایا

اور جب لوگوں کو (میدان محشر) میں جمع کیا جائے گا تو ان کے دشمن ہوں گے اور وہ ان کی عبادت کے منکر ہوں گے۔

☆ اس آیت میں حشر کا لفظ ہے۔

علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے۔

حشر کا معنی ہے کسی جماعت کو اس کے ٹھکانے سے نکال کر کسی میدان میں جمع کرنا اور اس کا اطلاق صرف جماعت پر ہو

ہے اور قیامت کے دن یوم نشر اور یوم البعث بھی کہا جاتا ہے جس طرح اس کو یوم حشر کہا جاتا ہے اس دن یہ بت جن کی مشرکین عبادت کرتے تھے ان مشرکوں کی عبادت سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور وہ بت یہ کہیں گے کہ انہوں نے ہماری عبادت نہیں کی۔ درحقیقت انہوں نے اپنی خواہشوں کی پرستش کی ہے اور اس کی نظیر یہ آیت ہے۔

مَا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ (یونس: 28)

(وہ شرکاء یہ کہیں گے کہ) تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عرفی باپ اور قوم سے بتوں کی عبادت کا پوچھنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عرفی باپ اور قوم سے بتوں کی عبادت کی وجہ پوچھی کہ تم ان بتوں کی عبادت کیوں کرتے ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ (الشعراء: 70)

جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ اور اس کی قوم سے کہا تم کس کی عبادت کرتے ہو۔

☆ اس آیت میں باپ سے مراد عرفی باپ ہے اور وہ آزر ہیں۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا تھے اور عرب کے عرف میں چچا پر بھی باپ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ تھا۔

قوم سے کیا مراد ہے

اس آیت کریمہ میں قوم کا لفظ ارشاد فرمایا گیا:

قوم کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:

قوم اصل میں صرف مردوں کی جماعت کو کہتے ہیں جس میں عورتیں نہ ہوں۔ قرآن مجید میں جب عموماً قوم کا اطلاق کیا جاتا ہے تو اس سے مردوں اور عورتوں دونوں کا ارادہ کیا جاتا ہے اور قوم کی حقیقت صرف مردوں کے لئے ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ۔ (النساء: 34)

مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔

(المفردات ج:2، ص: 541 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

قوم کا لفظ صرف مردوں کے لئے ہے اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ (الحجرات: 11)

''اے ایمان والو! کوئی قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔''

☆

اس آیت میں قوم کے مقابلہ میں عورتوں کا ذکر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا ہے کہ اس آیت میں قوم سے مراد مرد ہیں لیکن قرآن مجید میں بالعموم قوم کا لفظ مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے آیا ہے۔

جیسے ہر نبی نے کہا:

یا قوم

اس سے مراد مردوں اور عورتوں کی جماعت مراد ہے۔

قوم کا لفظ اسم جمع ہے۔ اس کے لئے مذکر اور مونث دونوں قسم کے صیغے لائے جاتے ہیں۔

جیسے قرآن مجید میں ہے:

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ (الانعام: 66)

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِ الْمُرْسَلِيْنَ ۔ (الشعراء: 105)

اس کی جمع اقوام آتی ہے۔

امام ابوالسعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی 606ھ لکھتے ہیں:

لفظ قوم قام کا مصدر تھے پھر اس کا غالب اطلاق مردوں پر ہے نہ کہ عورتوں پر۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

ان نسانی الشیطان شیئا من صلوتی فلیسبح القوم و لیصفق النساء ۔

ترجمہ: اگر چہ شیطان مجھے نماز میں سے کچھ بھلا دے تو قوم کو سبحان اللہ کہنا چاہئے اور عورتوں کو تالی بجانا چاہئے۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 2174، مسند احمد: ج:2، ص:541)

اس حدیث مبارکہ میں قوم سے مراد مرد ہیں کیونکہ قوم کے مقابلہ میں عورتوں کا ذکر فرمایا ہے اسی لئے فرمایا ہے کہ مرد عورتوں کے قوام ہیں کیونکہ عورتوں کے معاملات کا مرد انتظام کرتے ہیں، عورتیں انتظام نہیں کرتیں نیز عورتیں کم فہم ہوتی ہیں۔

علامہ محمد بن مرتضیٰ حسینی زبیدی متوفی 1205ھ لکھتے ہیں:

قوم کا معنی ہے۔

مردوں اور عورتوں دونوں کی جماعت، کیونکہ ہر آدمی کی قوم اس کا گروہ اور اس کا خاندان ہے یا یہ لفظ مردوں کے ساتھ خاص ہے اور عورتوں کو شامل نہیں ہے کیونکہ الحجرات: 11 میں قوم کے مقابلہ میں عورتوں کا ذکر ہے۔ اسی طرح سنن ابوداؤد

2174 میں بھی قوم کے مقابلہ میں عورتوں کا ذکر ہے اگر قوم کا لفظ عورتوں کو بھی شامل ہوتا تو پھر قوم کا ذکر کر کے عورتوں کو الگ سے ذکر نہ کیا جاتا۔

ابوالعباس سے مروی ہے۔

النضر، القوم اور الرہط یہ سب اسم جمع ہیں اور اسی لفظ سے ان کا واحد نہیں آتا اور بسا اوقات اس کے معنی میں تبعاً عورتیں بھی داخل ہوجاتی ہیں کیونکہ ہر نبی کی قوم مرد اور عورتیں دونوں ہیں۔

(تاج العروس ج:9،ص:34 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اردو کی لغت میں قوم کا معنی اس طرح لکھا ہے۔

آدمیوں کا گروہ، فرقہ، خاندان، نسل، ذات

(فیروز اللغات ص:965 فیروز سنز لاہور)

ہماری تحقیق یہ ہے کہ قوم کا معنی ہر نبی کی امت دعوت ہے یعنی جن لوگوں کی طرف سے کسی نبی کو مبعوث کیا گیا کیونکہ ہر نبی نے اپنی امت کو یا قوم کہہ کر خطاب کیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ (البقرہ: 54)

اے میری قوم! تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا۔

☆ حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں یوں ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (الاعراف: 59)

بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ انہوں نے کہا: اے میری قوم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

اور حضرت ہود علیہ السلام کے بارے میں یوں فرمایا۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (الاعراف: 65)

اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے ہم قوم ہود کو بھیجا انہوں نے کہا: اے میری قوم صرف اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

☆ اور حضرت صالح علیہ السلام کے بارے میں یوں فرمایا۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (الاعراف: 73)

اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے ہم قوم صالح کو بھیجا۔ انہوں نے کہا: اے میری قوم! تم صرف اللہ تعالیٰ کی

عبادت کرو تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

☆ اور حضرت لوط علیہ السلام کے بارے یوں فرمایا۔

وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ○ (الاعراف: 80)

اور ہم نے لوط کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تم ایسا بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔

☆ اور حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں یوں فرمایا۔

وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ (الاعراف: 85)

اور ہم نے قوم مدین کی طرف ان کے ہم قوم شعیب کو بھیجا۔ انہوں نے کہا: اے میری قوم صرف اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

ان آیات کریمہ سے واضح ہو گیا کہ

قرآن مجید میں ہر نبی کی امت کو اس کی قوم فرمایا ہے سو تمام یہودی ایک قوم ہیں۔ تمام عیسائی ایک قوم ہیں اور تمام مسلمان ایک قوم ہیں۔ ان میں سید، بھٹہ، سیال، الگ الگ قومیں نہیں ہیں بلکہ تمام مسلمان ایک قوم ہیں اسی طرح تمام کلمہ گو اور تمام اہل اسلام ایک قوم ہیں۔ ان میں تفریق کرنا، لغت اور اطلاق قرآن مجید کے اعتبار سے درست نہیں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام امت ایک قوم ہے۔

شیخ احسن احمد مدنی متوفی 1957ھ اور ڈاکٹر محمد اقبال متوفی 1938ھ کے درمیان یہ بحث تھی کہ قوم وطن سے بنتی ہے یا قوم دین سے بنتی ہے۔

شیخ حسین احمد مدنی یہ کہتے تھے کہ

قوم وطن سے بنتی ہے اور ایک ملک میں رہنے والے ایک قوم ہیں لہٰذا ہندو اور مسلمان چونکہ ایک ملک میں رہتے ہیں اس لئے سب ایک قوم ہیں۔ لہٰذا انگریز سے آزادی حاصل کرنے کے بعد ملک کو مذہب کی بنیاد پر تقسیم کرنا صحیح نہیں ہے۔ تمام کانگریسی اور نیشنلسٹ علماء کا یہی موقف تھا یہ لوگ پاکستان کا مطالبہ کرنے کے خلاف تھے۔

اور ڈاکٹر محمد اقبال کا نظریہ یہ تھا کہ

قوم دین سے بنتی ہے اگر قوم وطن سے بنتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ المکرمہ سے مدینہ المنورہ کی طرف ہجرت نہ کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کی خاطر اپنا وطن چھوڑ دیا اور جب قوم دین سے بنتی ہے تو ہندوؤں اور مسلمانوں کا دین الگ الگ ہے لہٰذا یہ ایک قوم نہیں بلکہ الگ الگ قومیں ہیں۔

ڈاکٹر محمد اقبال کا یہ شعر بہت مشہور ہے۔

قوم مذہب سے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں

(بانگ درا ص:127 سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)

ان کی یہ رباعی بھی بہت مشہور ہے۔

عجم ہنوز، نداند رموز دیں ورنہ
زبود دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرور برسر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است
بہ مصطفیٰ بہ خویش رساں کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

(ارمغان حجاز حصہ اردو ص:49، کلیات اقبال ص:336)

ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے۔

عجم کو ابھی تک دین کے اسرار کا پتا نہیں چل سکا
ورنہ دیوبند سے حسین احمد کا ظاہر ہونا کس قدر تعجب انگیز ہے
وہ برسر منبر یہ کہتے ہیں کہ قوم وطن سے بنتی ہے
وہ سیدنا محمد ﷺ کے مقام سے کس قدر بے خبر ہیں
اپنے آپ کو مصطفیٰ تک پہنچاؤ کہ وہی سراپا دین ہیں
اور اگر تم ان تک نہ پہنچ سکو تو یہ سراسر بولہبی ہے

قوم کا کہنا کہ ہم بتوں کیلئے معتکف ہیں

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو تو قوم نے کہا: ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور اسی کے لئے جم کر بیٹھے رہتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ٥ (الشعراء: 71)

انہوں نے کہا: ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں سو ہم ان ہی کے لئے جم کر بیٹھے رہتے ہیں۔

☆

قوم کا یہ کہنا کہ ہم ان کے لئے یعنی بتوں کے لئے معتکف رہتے ہیں۔

العکوف کا معنی ہے کسی چیز کی تعظیم کی نیت سے اس کی طرف متوجہ اور اس کے پاس لازم رہنا۔

اور شریعت میں اعتکاف کا معنی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے اپنے آپ کو مسجد میں ٹھہرا لینا، کفار بتوں کی تعظیم کے لئے بتوں کے پاس جم کر بیٹھ جاتے تھے۔

نظل، ظل سے بنا ہے

اس کا معنی ہے۔

دن بھر کسی کام میں مصروف رہنا وہ جو بتوں کی عبادت کرتے تھے وہ دن کے ساتھ خاص نہیں تھی بلکہ دن وہ اور رات ان کی عبادت میں مشغول رہتے تھے۔اس لئے اس کا معنی ہے ہم ہمیشہ ان کے پاس ٹھہرے اور جمے رہتے ہیں۔جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پوچھا تم کس کی عبادت کرتے ہو تو انہوں نے بڑے فخر سے بتایا کہ ہم بتوں کی عبادت پر جمے رہتے ہیں۔

علامہ اسماعیل حقی حنفی 1137ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی والدہ کے بطن سے غار میں پیدا ہوئے تھے۔جب وہ بڑے ہوئے تو غار سے نکلے اور شہر میں داخل ہوئے اور انہوں نے چاہا کہ وہ یہ جان سکیں کہ شہر والے کس دین پر ہیں۔اسی طرح عقل مند لوگوں کو چاہئے کہ جب وہ کسی نئے شہر میں داخل ہوں تو وہاں کے لوگوں کا مذہب معلوم کریں اگر ان کا مذہب صحیح ہو تو ان کی موافقت کریں اور اگر ان کا مذہب باطل ہو تو ان کا رد کریں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شہر والوں سے پوچھا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو۔

تو انہوں نے کہا:

ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں سو ہم ان ہی کے لئے دن بھر معتکف رہتے ہیں تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کا رد کرنے کا ارادہ کیا اور فرمایا۔

(روح البیان ج:6،ص:361 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو بہرہ اور اندھا فرمانا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عرفی باپ سے فرمایا: تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ ہی آپ کے کسی کام کے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْـٴًـا ۝ (مریم: 42)

جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ سے کہا اے میرے ابا! آپ اس کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے اور نہ آپ کے کسی کام آسکتا ہے۔

بتوں کی عبادت کو باطل کرنے کی وجوہات

گزشتہ آیت میں بتوں کی عبادت کے باطل ہونے کو بیان فرمایا ہے اس کی پانچ وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ

جب بت سنتے اور دیکھتے نہیں ہیں تو وہ عبادت گزار کو غیر عبادت گزار سے متمیز نہیں کر سکتے سو ان کی عبادت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

دوسری وجہ

سننے والا، دیکھنے والا، نفع اور نقصان پہنچانے والا اس سے افضل ہے جو ان کاموں پر قادر نہ ہو انسان میں سننے، دیکھنے اور نفع اور نقصان پہنچانے کی صفات ہیں اور بتوں میں یہ صفات نہیں ہیں لہذا انسان بتوں سے افضل اور اعلیٰ ہے پھر افضل اور اعلیٰ کا گھٹیا اور ادنیٰ کی عبادت کرنا کیسے صحیح ہوگا۔

تیسری وجہ

عبادت سب سے زیادہ تعظیم کرنے کو کہتے ہیں اور سب سے زیادہ تعظیم کا وہی مستحق ہوگا جس نے سب سے زیادہ انعام کئے ہوں اور سب سے زیادہ انعام صرف اللہ تعالیٰ کے ہیں تو وہی عبادت کا مستحق ہے اور بتوں کا انسانوں پر کوئی انعام نہیں ہے تو پھر بت کسی تعظیم کے نہیں ہیں۔

چوتھی وجہ

عبادت کا مغز دعا کرنا ہے اور جب بت دعا کو سن ہی نہیں سکتے تو ان کی عبادت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور جب وہ دیکھ نہیں سکتے تو ان کا تقرب حاصل کرنے میں کوئی منفعت نہیں ہے۔

پانچویں وجہ

جب بت خود اپنے آپ کو ٹوٹ پھوٹ اور نقصان سے نہیں بچا سکتے تو اپنی عبادت کرنے والوں کو نقصان اور ضرر سے کیسے بچا سکیں گے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ منشا تھا کہ اس کی عبادت کرنی چاہئے جو دعاؤں کو سنتا ہو اور دعا کرنے والے کو دیکھتا ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی۝ (طٰہٰ: 46)

فرمایا تم دونوں (موسیٰ اور ہارون علیہما السلام) مت ڈرو میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔

اور اس کی عبادت کرنی چاہئے جو کسی کام آسکے کوئی حاجت پوری کر سکے کوئی ضرر دور کر سکے اور کوئی نفع پہنچا سکے اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ط ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ ط قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ۝ (النمل: 62)

پس جب بے بس پکارتا ہے تو اس کی پکار کو کون سنتا ہے اور اس سے مصیبت کو کون دور کرتا ہے اور تمہیں زمین کا حاکم بناتا ہے کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

معلوم ہوا کہ عبادت اسی کی کرنی چاہئے۔ جو سنتا بھی ہو اور دیکھتا بھی ہو اور اپنے بندوں کی حاجات کو پورا بھی کرتا ہو۔

کیا بت تمہاری فریاد سنتے ہیں

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے یہ کہا کہ ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور ان کے لئے ہی معتکف رہتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: کیا وہ تمہاری فریاد سنتے ہیں جب تم ان کو پکارتے ہو؟ یا وہ تمہیں نفع اور نقصان بھی پہنچاتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ○ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ○ (الشعراء: 72، 73)

ابراہیم نے کہا: کیا وہ تمہاری فریاد سنتے ہیں۔ جب تم انہیں پکارتے ہو یا وہ تمہیں نفع اور نقصان بھی پہنچاتے ہیں۔

☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ جو شخص اپنے غیر کی عبادت کرتا ہے اس کا غالب حال یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی ضروریات اور حاجات کا اپنے معبود سے سوال کرتا ہے تا کہ اس کا معبود جب اس کے سوال کو سنے تو جان لے کہ اس کی ضروریات کیا ہیں پھر اس کو نفع پہنچائے یا اس سے ضرر کو دور کرے اور جب حال یہ ہے کہ جب تم ان کو پکارتے ہو تو ہماری پکار کو نہیں سنتے اور نہ ان کو تمہاری ضروریات اور حاجات کا علم ہوتا ہے پھر وہ تمہاری کیسے حاجت روائی کریں گے یا تم کو نفع پہنچائیں گے یا کس طرح تم سے ضرر کو دور کر سکیں گے اور جب تم کو نفع پہنچا سکتے ہیں تو تم سے ضرر اور نقصان کو دور کر سکتے ہیں تو پھر ایسے گونگے، بہرے اور کسی کام نہ آسکنے والے پتھر کے بے جان مجسموں کی عبادت کو تم کس وجہ سے جائز قرار دیتے ہو؟ اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ قوی دلیل قائم کی تو ان کے عرفی باپ اور ان کی قوم سے کوئی بات نہ بن سکی جس سے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حجت کو توڑ سکتے اور بتوں کی عبادت پر ان کے اعتراض کو دور کر سکتے۔

قوم کا کہنا کہ ہم نے باپ دادوں کو بتوں کی عبادت کرتے پایا؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب قوم کو قوی دلائل دیئے تو قوم سے کوئی بات نہ بن آئی سوائے اس بات کے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی طرح پایا ہے۔ جس طرح ہم ابھی کر رہے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ○ (الشعراء: 74)

انہوں نے کہا: (نہیں) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے پایا۔

☆

اس آیت کریمہ میں قوم کا وہ قول نقل فرمایا گیا جو انہوں نے صرف اس وجہ سے کہا تھا کہ اب تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی

بھی جواب دینے کے سوا اور کوئی جواب نہیں کہ ہم نے باپ دادا کو اسی طرح کرتے ہو پایا لہٰذا جس طرح ہمارے باپ دادا تھے اور جس طرح وہ کرتے تھے ہم بھی اپنے باپ دادا کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

☆

یہ ان کی صرف ہٹ دھرمی تھی کہ ہم نے صرف بتوں کی ہی عبادت کرنی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قوم کو حیران کن سوال کرنا؟

جب قوم نے کہا: ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح بتوں کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے لہٰذا ہم بھی اسی طرح بتوں کی عبادت کررہے ہیں۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اچھا تم یہ بتاؤ کہ تم کن کی عبادت کرتے رہتے تھے تم اور تمہارے باپ دادا؟ بے شک وہ میرے دشمن ہیں۔ (کوئی برحق معبود نہیں) سوائے رب العلمین کے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ۝ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ۝ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۝

(الشعراء:75 تا 77)

ابراہیم نے کہا: اچھا یہ بتاؤ تم کن کی عبادت کرتے رہتے تھے؟ تم اور تمہارے باپ دادا؟ بے شک وہ میرے دشمن ہیں (کوئی برحق معبود نہیں) سوائے رب العلمین کے۔

☆

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے پاس بتوں کی عبادت کرنے پر سوائے اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید کے اور کوئی سند نہیں تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو دشمن کیوں فرمایا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو دشمن فرمایا حالانکہ دشمن ہونا تو کسی جاندار اور صاحب عقل کی صفت ہے جو کسی کام کا کچھ بگاڑ سکے کسی کو ضرر اور نقصان پہنچا سکے۔ بے جان پتھر کسی کا کیا بگاڑ سکتے پھر اور کسی کو کیا ضرر پہنچا سکتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا۝ (مریم: 82)

ہرگز نہیں! وہ عنقریب کفار کی عبادت کرنے کا انکار کردیں گے اور ان کے مخالف اور دشمن ہو جائیں گے۔

☆ اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا گیا ہے کہ

کفار دنیا میں جن بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو زندہ کردے گا حتیٰ کہ وہ کفار کو اس کی

عبادت کرنے پر ڈانٹیں گے اور ان کی عبادت سے اپنی برأت اور بیزاری کا اظہار کریں گے اس اعتبار سے یہ بت آخرت میں
کفار کے دشمن بن جائیں گے۔ اس اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان پر دشمن کا اطلاق فرمایا۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ

جب کفار نے ان بتوں کی تعظیم اور ان کی عبادت کی اور ان سے نفع پہنچانے اور ضرر دور کرنے کی امید رکھی تو کفار نے
اپنے اعتقاد میں ان کو زندہ اور عقل والا قرار دے دیا اور جب واقع میں ان بتوں نے کفار کو دنیا میں نفع پہنچایا نہ آخرت میں اور
دنیا میں ان سے ضرر دور کیا نہ آخرت میں تو انجام کار وہ بت کفار کے دشمن ثابت ہوئے کہ کفار کی اتنی تعظیم اور عبادت کے باوجود
دنیا و آخرت میں ان کے کسی کام نہ آسکے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا دشمن کیوں فرمایا

ایک اور اعتراض اس مقام پر یہ ہوتا ہے کہ کلام کے سیاق و سباق سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بظاہر یہ کہنا چاہئے تھا کہ
وہ بت ان کفار کے یا اپنی عبادت کرنے والوں کے دشمن ہیں حالانکہ انہوں نے یہ کہا کہ وہ میرے دشمن ہیں۔

ایک جواب یہ ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ تعریضاً کہا ہے یعنی حقیقت میں وہ کفار کے دشمن تھے لیکن فرمایا: وہ میرے دشمن ہیں تعریض
اس کو کہتے ہیں کہ صراحتہ ایک شخص کی طرف اسناد کیا جائے اور اشارہ دوسرے کی طرف ہو۔

اس کا مفصل جواب یہ ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آپ کو کفار کی جگہ پر رکھ کر غور کیا کہ اگر میں بہ فرض محال ان بتوں کی عبادت کرتا اور
دنیا و آخرت میں مجھے نقصان پہنچاتے تو میں ان کو اپنا دشمن قرار دیتا اور ان کی عبادت کرنے سے اجتناب کر لیتا اور اس کی عبادت
کرتا جو مجھے دنیا اور آخرت میں نفع پہنچاتا اور ضرر سے بچاتا اور وہ نہ صرف رب العلمین ہے تو میں ان کو وہ نصیحت کرتا جو نصیحت
میں اپنے نفس کے ساتھ کرتا سو اگر وہ غور کریں گے تو انہیں یہ کہنا پڑے گا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو وہ نصیحت کر رہے ہیں
جو نصیحت وہ اپنے آپ کو کرتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہدایت کا قول فرمانا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: وہ بت میرے دشمن ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہی تمام جہانوں کا مالک
ہے۔ اس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے ہدایت دیتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ (الشعراء: 78)

جس نے مجھے پیدا کیا سو وہی مجھے ہدایت دیتا ہے۔

اس سے پہلی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے معبودان باطلہ سے اپنے نفس کو مستثنیٰ فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ کی وہ صفات بیان فرمائی تھیں جن کی وجہ سے وہ عبادت کا مستحق ہے اور یہ بتایا تھا کہ بت نفع اور ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ نفع اور ضرر پہنچانے کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

سوان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ان مطالب اور ان مقاصد کا ذکر فرمایا جن کا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا۔ ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بھی سوال کرنے سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرنی چاہیئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

جس نے مجھے پیدا کیا وہی مجھے ہدایت دیتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کی نعمت کا ذکر کیا پھر اس کے بعد ہدایت دینے کی نعمت کا ذکر کیا اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے موافق ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى○ الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى○ وَ الَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰى○ (الاعلیٰ 1 تا 3)

اپنے رب کے نام کی تسبیح کیجئے جو سب سے بلند ہے جس نے پیدا کیا پھر درست کیا اور جس نے اندازہ مقرر فرمایا پھر ہدایت دی۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ پہلے انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا پھر ہدایت دی۔ اس اسلوب پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کا ذکر فرمایا پھر اس کے ہدایت کا ذکر فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ کلام تمام دنیاوی اور دینی نعمتوں اور منافع کو شامل ہے۔ خلق کرنے میں دنیا کی تمام نعمتوں کا ذکر آ گیا اور ہدایت دینے میں دین کی نعمتوں کا ذکر آ گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیدا کرنے کی صفت کا صیغہ ماضی سے ذکر کیا اور ہدایت دینے کی صفت کا مضارع کے صیغہ سے ذکر کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ماضی میں دفعتہً واحدۃً پیدا کر دیا اور اس کو دنیا اور دین کی بھلائیوں اور نیکیوں کی طرف ہر لحظہ اور ہر لحہ ہدایت دے رہا ہے اور مستقبل میں دیتا رہے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے ہدایت دیتا ہے اب یہ فرمایا: وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِىْ هُوَ يُطْعِمُنِىْ وَ يَسْقِيْنِ (الشعراء: 79)

اور وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کے بعد اس کی پرورش کی نعمت کا ذکر کیا۔ کھلانے اور پلانے کی نعمت کے دامن میں وہ تمام نعمتیں لپٹی اور سمٹی ہوئی ہیں جن پر کھانا اور پینا موقوف ہے۔ مثلاً وہ طعام اور مشروب کا مالک ہو گا تو کھائے اور پیے گا اگر وہ طعام اور مشروب کا مالک ہو لیکن کوئی دشمن اس کو کھانے پینے نہ دے تو وہ کھا پی نہیں سکتا۔ طعام کا مالک بھی ہو کوئی منع کرنے والا بھی نہ ہو لیکن کسی مرض کی وجہ سے کھا نہ سکتا ہو مثلاً اس کے منہ میں زخم ہوں یا اس کے منہ میں کینسر ہو تو وہ کھا پی نہیں سکتا۔ سو اس کی کتنی بڑی نعمت ہے اس نے کھانے پینے کے لئے زمین میں اناج اور پھل پیدا کئے۔ آسمان سے پانی نازل کیا۔ زمین میں روئیدگی کی صلاحیت رکھی، سورج کی حرارت سے اناج اور پھلوں کو پکایا، ہواؤں سے دانوں اور بھوسے کو نکالا اور الگ الگ کیا۔ پھر رزق کے حصول کے لئے انسان کو صحت اور قوت کے اسباب فراہم کئے، کھانے پینے کے وقت کسی مانع سے محفوظ رکھا۔ کھانے پینے کے لئے منہ کو مرض سے محفوظ رکھا اور اس غذا کو ہضم کرنے کے لئے اور اس کو جسم کا جزو بنانے کے لئے معدہ، جگر آنتوں اور دیگر اندرونی اعضاء کو امراض سے سلامت رکھا۔ صحیح وسالم ہاتھ بنائے کہ نوالہ ہاتھوں سے منہ تک لے جا سکے اور اگر وہ ٹنڈا ہوتا اس کے ہاتھ کٹے ہوئے ہوتے تو وہ کیسے کھاتا اور کیسے پیتا اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اور وہی مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے پھر اس نے کھانے اور پینے کے لئے اناج اور پھلوں کی متعدد اجناس پیدا کیں، گندم، جو اور مکئی ہے چنا ہے چاول ہے اور مختلف قسم کے پھل ہیں اگر کسی کے مزاج اور صحت کے گندم موافق نہیں وہ جو اور مکئی کھالے وہ بھی موافق نہیں تو وہ بیسن کی روٹی کھالے وہ بھی راس نہیں آتا تو چاول کھالے اور جس کو اناج کی کوئی قسم موافق نہیں آتی۔ وہ پھل کھالے۔ گوشت کھانے کے لئے طرح طرح کے حیوانات پیدا کئے، غریب آدمی مرغ اور بکری کا گوشت نہیں کھا سکتا وہ گائے کا گوشت کھائے جس کو گائے کا گوشت نقصان دیتا ہو وہ بکری کا گوشت کھالے۔ مرغ کھالے، مچھلی کھالے، سبزیاں کھالے، دالیں کھالے، اس میں امیر اور غریب ہر طبقہ کے لئے صحت اور مرض کے اعتبار سے ہر قسم کے انسانوں کے لئے غذا کی اجناس فراہم کیں۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کے بعد اس کی پرورش کرنے کی اس عظیم اور ہمہ گیر نعمت کا ذکر فرمایا اور فرمایا وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

☆ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے اور پینے کے بارے میں درج ذیل احادیث مبارکہ حصول برکت کے لئے عرض کرتا ہے۔

میں تمہاری مثل نہیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں تمہاری مثل نہیں ہوں بے شک مجھے میرا رب کھلاتا ہے اور وہی مجھے پلاتا ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 1964)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وصال کے روزے (سحر و افطار کے بغیر مسلسل روزے) نہ رکھو۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے کہا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو وصال کے روزے رکھتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے کسی کی مثل نہیں ہوں۔ بے شک میں کھلایا اور پلایا جاتا ہوں۔

یا ارشاد فرمایا

میں اپنے رب عزوجل کے پاس ہوتا ہوں مجھے کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 1104)

☆ ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت اور ہم نے کپڑا اٹھا کر اپنے پیٹوں پر باندھے ہوئے پتھر دکھائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ پر دو پتھر دکھائے۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2371)

علامہ اسماعیل حقی متوفی 1137ھ لکھتے ہیں:

شیخ آفندی قدس سرہ نے کہا ہے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے بعض افراد سے منقول ہے کہ وہ کئی کئی سال بغیر کھائے پیے گزار دیتے تھے کیونکہ ان کو عالم قدس سے واصل ہونے کی شدید قوت تھی اور وہ بشری حجابات سے مجرد ہو چکے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو ان سے بہت اولیٰ اور اقویٰ ہیں۔

(روح البیان: ج:6، ص:364 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے

پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ فرمایا: وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور اب یہ فرما رہے ہیں کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں

وہی مجھے شفا دیتا ہے کیونکہ حقیقی شفا دینے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (شعراء: 80)

اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اور جب میں بیمار ہوتا ہوں یہ نہیں کہا جب وہ مجھے بیمار کرتا ہے کیونکہ صحت اس وقت قائم رہتی ہے جب جسم کی تمام اخلاط اعتدال پر رہیں اور جب بعض اخلاط بعض پر غالب آ جائیں یا کھانے پینے میں بے اعتدالی کی وجہ سے ان میں تنافر اور تعفن پیدا ہو جائے تو انسان میں مرض پیدا ہو جاتا ہے مثلاً زیادہ میٹھی اور نشاستہ دار چیزوں کے کھانے اور آرام طلبی اور جفاکشی نہ کرنے کی وجہ سے شوگر ہو جاتی ہے۔ بسیار خوری کی وجہ سے بدہضمی اور معدہ کا ضعف ہو جاتا ہے اور معدہ کے منہ پر ورم آ جاتا ہے۔ زیادہ تیزابی ترش اور مرچیں اور مصالحہ اور چٹ پٹی اشیاء کھانے کی وجہ سے معدہ کا السر ہو جاتا ہے۔ تمباکو کھانے اور سگریٹ نوشی کی وجہ سے عموماً گلا خراب ہو جاتا ہے۔ کھانسی ہو جاتی ہے۔ خون کی شریانیں تنگ ہو جاتی ہیں اور ہائی بلڈ پریشر ہو جاتا ہے جس کے نتیجہ میں فالج ہو جاتا ہے اور بعض اوقات دماغ کی رگ پھٹ جاتی ہے زیادہ سگریٹ نوشی کی وجہ سے جگر کا سائز کم ہو جاتا ہے اور سروس ہو جاتا ہے اور مرغن اشیاء زیادہ کھانے، تن آسانی اور محنت کے کام نہ کرنے کی وجہ سے انسان عارضہ قلب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کولیسٹرول بڑھنے کی وجہ سے کمر کا درد ہو جاتا ہے اور زیادہ گوشت کھانے کی وجہ سے آخری عمر میں پروسٹیٹ گلینڈ کا حجم زیادہ ہو جاتا ہے اور پیشاب کرنے میں تکلیف ہو جاتی ہے اور زیادہ گرم اشیاء اور انڈے اور چاول زیادہ مقدار میں کھانے کی وجہ سے گردوں کا درد ہو جاتا ہے اور پتھری ہو جاتی ہے۔ ٹماٹر کے بیج اور پالک زیادہ کھانے کی وجہ سے پتے میں پتھری ہو جاتی ہے۔ جنسی بے اعتدالی اور بے راہ روی کے نتیجہ میں آتشک اور سوزاک جیسے امراض ہو جاتے ہیں۔ ہم جنس پرستی سے ایڈز مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ شراب نوشی کی کثرت سے کینسر ہو جاتا ہے اور ان اخلاق سوز حرکات کی وجہ سے آدمی کا سکون غارت ہو جاتا ہے۔ راتوں کو نیند نہیں آتی جس کے نتیجے میں پہلے انسومینا پھر مالی خولیا ہو جاتا ہے پھر لوگوں کو سکون بخش اور خواب آور گولیاں لینی پڑتی ہیں۔ بعض لوگ پیتھوڈین کے انجکشن لگواتے ہیں اور بعض چرس اور ہیروئن کی پناہ لیتے ہیں اور پھر انسان دن بدن تباہی کے غار میں گرتا چلا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ

ہر بیماری، مرض اور مصیبت انسان کی اپنی آوردہ اور پیدا کردہ ہے جب انسان اسلام کے احکام اور فطرت کے اصولوں سے روگردانی کرتا ہے تو وہ امراض اور مصائب کا شکار ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ (الشوریٰ: 30)

تم پر جو مصائب آتے ہیں وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کا بدلہ ہے اور بہت سی باتوں کو تو اللہ درگزر فرمالیتا ہے۔

اور جو انسان فطرت سے بغاوت نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرتے وہ ان مہلک بیماریوں میں مبتلا نہیں ہوتے اور امن وسکون کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ۠ (الانعام: 82)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ مخلوط نہیں کیا ان ہی کے لئے امن اور سلامتی ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

غرض یہ کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: بیمار میں ہوں یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے بیمار کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو انسان کو صحیح وسالم بدن دیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اس قول سے یہ تنبیہ فرمائی کہ انسان بے اعتدالی اور بے راہ روی سے خود اپنے آپ کو بیمار کرلیتا ہے۔

کیا انبیاء کرام علیہم السلام کی بیماری خود پیدا کردہ تھی؟

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور دوسرے نیک لوگ بھی بعض اوقات بیمار ہو جاتے ہیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام سخت بیمار ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیماری کا ذکر کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی تھکاوٹ کا ذکر کیا۔ خود ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے۔ سر میں درد ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عام لوگوں کی بہ نسبت دگنا بخار آتا تھا۔ کیا ان حضرات مقدسہ کی بیماری بھی خود پیدا کردہ تھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ

ان نفوس قدسیہ کے متعلق کوئی بد باطن شخص ہی ایسا فاسد گمان کرسکتا ہے ان پر جو بیماریاں آتی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان اور آزمائش ہیں اور ان کے اجر وثواب میں اضافہ کا سبب ہیں اور امت کے لئے تعلیم ہے تاکہ دوا اور علاج کرنا ان کی سنت ہو جائے۔ بیمار کی خدمت کرنے اور بیمار کی عیادت کرنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ مکمل ہو جائے اور امت کو معلوم ہو جائے کہ بیماری کی حالت میں نماز اور دوسری عبادات کس طرح ادا کی جائیں اور یہ معلوم ہو کہ اگر مرض بہت بڑھ جائے اور تکلیف زیادہ ہو تو صبر اور سکون سے کام لیا جائے۔ بے قراری، آہ وزاری اور شکوہ وشکایت اور واویلا نہ کیا جائے۔ ہم نے عام لوگوں کی بیماری کے اسباب بیان کئے ہیں کہ ان کے امراض بے اعتدالی سے پیدا ہوتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی بیماری ان کے حق میں امتحان بلکہ انعام ہوتی ہے۔

سوال

اب بجا طور پر یہ سوال ہوگا کہ جب انبیاء کرام علیہم السلام خود اپنی بیماری کا سبب نہیں ہوتے تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ کیوں فرمایا میں بیمار ہوتا ہوں اور وہ شفا دیتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

ادب اور تواضع کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر حسن اور کمال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے اور عیب اور نقص کی نسبت اپنے نفس کی طرف کی جائے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ (النساء: 79)

(اے انسان) تجھے جو اچھائی پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور تجھے جو برائی پہنچتی ہے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جب کشتی کو توڑا اور اس میں نقص اور عیب ڈالا تو اس کی نسبت اپنی طرف کی اور فرمایا۔

اَمَّا السَّفِیْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِیْنَ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا (الکھف: 79)

رہی کشتی تو وہ ان مسکینوں کی تھی جو سمندر میں کام کرتے تھے سو میں نے اس میں عیب ڈالنے کا ارادہ کیا۔

اور جب یتیموں کا خزانہ محفوظ کرنے کے لئے اس ٹوٹی ہوئی دیوار کو جوڑا جس کے نیچے ان کا خزانہ دفن تھا۔

تو فرمایا

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَیَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا (الکھف: 82)

رہی دیوار تو اس کا معاملہ یہ ہے کہ اس شہر میں دو یتیم بچے ہیں جن کا خزانہ اس دیوار کے نیچے دفن ہے۔ ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا تو آپ کے رب نے یہ ارادہ کیا کہ یہ دونوں یتیم بچے اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں۔

ظاہر میں کشتی توڑنا اور دیوار جوڑنا دونوں حضرت خضر علیہ السلام کے کام تھے اور حقیقت میں یہ دونوں کام اللہ تعالیٰ کے فعل تھے لیکن حضرت خضر علیہ السلام نے ادب کو ملحوظ رکھ کر توڑنے کی نسبت اپنی طرف کی اور جوڑنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی۔

اور اسی نہج پر یہ آیت ہے۔

جنات نے کہا:

اَنَّا لَا نَدْرِیْۤ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝ (الجن: 10)

ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ کسی شر کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہے۔
جنات نے جب شر کا ذکر کیا تو اس کے فاعل کو مجہول رکھا اور جب بھلائی اور ہدایت کا ذکر کیا تو اس کو ان کے رب کا ارادہ کیا۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:
میں بیمار ہوتا ہوں اور شفاء وہ دیتا ہے۔ بیماری نقص اور عیب ہے اس کی اپنی طرف نسبت کی اور شفاء دینا حسن اور کمال ہے تو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی اور یہی حسن ادب کا مقتضیٰ ہے۔

بیمار اور شفاء کی کیفیت

علامہ اسماعیل حقی حنفی بریلوی متوفی 1137ھ لکھتے ہیں:
امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔
جب میں گناہ کر کے بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے توبہ سے شفا دیتا ہے۔
اور شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:
بیماری غیر اللہ کی طرف دیکھنے سے ہوتی ہے اور شفاء اللہ عزوجل کے مشاہدہ سے ہوتی ہے۔
اور بحر میں لکھا ہے۔
بیماری دنیا کے ساتھ تعلق رکھنے سے ہوتی ہے اور شفاء دنیا سے قطع تعلق سے ہوتی ہے اور یہ مرتبہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب سالک پر جذب کی کیفیت مستحکم ہوتی ہے تو وہ تمام مخلوق سے تعلق منقطع کر کے صرف ایک اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے۔

(روح البیان: ج:6، ص:365 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بعض اصفیاء سے منقول ہے کہ
وہ بیمار پڑ گئے اور کمزور ہو گئے ان کا رنگ پیلا پڑ گیا۔
ان سے کہا گیا:
کیا ہم آپ کے لئے کسی طبیب کو بلالائیں جو آپ کے اس مرض کا علاج کرے۔
انہوں نے کہا:
طبیب نے ہی تو مجھے بیمار کیا ہے۔
پھر یہ شعر پڑھا۔

کیف اشکو الی طبیبی ما بی — والذی بی اصابنی من طبیبی

میں اپنی حالت کی طبیب سے کیسے شکایت کروں۔
کیوں کہ میں اپنے طبیب ہی کی وجہ سے اس حالت کو پہنچا ہوں۔

(روح البیان: ج:6، ص:365 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علاج کرنا میرے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

اسامہ بن شریک سے روایت ہے کہ

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس طرح بیٹھے ہوئے تھے گویا ان کے سروں پر پرندے ہوں۔ میں نے سلام کیا پھر بیٹھ گیا۔ ادھر ادھر سے دیہاتی آ رہے تھے۔

انہوں نے پوچھا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم دواؤں سے علاج کیا کریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دوا استعمال کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو بیماری پیدا کی ہے۔

اس کے علاج کے لئے دوا بھی پیدا کی ہے سوا ایک بیماری کے وہ بڑھاپا ہے۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث:3855)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حجرے میں داخل ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا درد بہت شدید ہو گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھ پر ایسی سات مشکوں کا پانی انڈیلو جن کا منہ نہ کھولا گیا۔ شاید میں لوگوں کو وصیت کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ٹب میں بٹھا دیا گیا۔ پھر ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر مشکوں سے پانی انڈیلنا شروع کیا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف اشارہ کر کے فرمایا بس کرو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی طرف چل دیئے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:198)

ابوحازم سے روایت ہے کہ

لوگوں نے حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے تھے تو کسی دوا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علاج کیا گیا تھا۔

انہوں نے کہا:

اب اس چیز کو مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی باقی نہیں بچا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ڈھال میں پانی لے کر آئے تھے اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے اقدس سے خون کو دھو کر صاف کرتی تھیں پھر ایک چٹائی جلائی گئی اور اس کی راکھ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کو بھر دیا گیا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:243)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
کلونجی میں موت کے سوا ہر بیماری کے لئے شفاء ہے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث:5688)
اور جب بندہ بیمار ہو جائے تو پرہیز بھی کرے کیونکہ پرہیز کرنا اور کرانا میرے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اور سنت ہے۔
حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو اس کو دنیا سے اس طرح پرہیز کراتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص استقاء کے مریض کو پانی سے پرہیز کراتا ہے۔
(سنن الترمذی: رقم الحدیث:2036)
اور ایک روایت میں ہے۔
حضرت محمود بن لبید بیان کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
اللہ عزوجل اپنے بندہ کو دنیا سے اس طرح پرہیز کراتا ہے جس طرح تم اپنے مریض کو (نقصان دہ) کھانے اور پینے کی چیزوں سے پرہیز کراتے ہو۔
(شعب الایمان: رقم الحدیث:1045)
امام المنذر بنت قیس الانصاریہ بیان کرتی ہیں کہ
میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر نقاہت اور کمزوری تھی۔ ہمارے ہاں کچی کھجوروں کا خوشہ لٹکا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر اس میں سے کھجوریں کھانے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی کھڑے ہو کر کھانے لگے۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمانے لگے یہ کھجوریں نہ کھاؤ کیونکہ تم کمزور ہو حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رک گئے۔ میں نے جو اور چقندر کا سالن بنایا ہوا تھا۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ لے کر آئی۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اے علی رضی اللہ عنہ اس میں سے کھاؤ یہ تمہارے لئے فائدہ مند ہیں۔
(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث:3856)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول کہ وہی میری روح قبض کرے گا پھر مجھے زندہ کرے گا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے فرمایا: جب میں بیمار ہوتا ہوں وہی مجھے شفا دیتا ہے اب یہ فرمایا: وہی میری روح قبض کرے گا پھر مجھے زندہ کرے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ (الشعراء: 81)

وہی میری روح قبض کرے گا پھر مجھے زندہ کرے گا۔

یعنی دنیا میں جب میری اجل پوری ہو جائے گی تو وہ میری روح قبض کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی کہ ارباب کمال کے لئے موت بھی نعمت ہے کیونکہ دنیا کے رنج والم سے خلاصی اور حیات ابدیہ کے حصول کے لئے موت وسیلہ ہے۔

امام ثعلبی نے کہا:

اللہ تعالیٰ اپنے عدل سے موت دے گا اور اپنے فضل سے زندہ فرمائے گا۔

اور یہ بھی کہا گیا:

موت سے مراد جہل اور معصیت ہے اور زندہ کرنے سے مراد علم اور اطاعت ہے۔ یا مارنے سے مراد گناہ میں مبتلا کرنا ہے اور زندہ کرنے سے مراد گناہوں سے بچانا ہے یا مارنے سے مراد اللہ تعالیٰ سے دوری ہے اور زندہ کرنے سے مراد اللہ تعالیٰ سے وصال ہے۔

حقائق سلمی میں لکھا ہے کہ

مارنے سے مراد ہے کسی شخص کو انانیت میں مبتلا کرنا اور زندہ کرنے سے مراد ہے اس کو ہدایت عطا کرنا۔

(روح البیان: ج:6،ص:366،365 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

علامہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ نے لکھا ہے۔

اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں۔

(1) جو مجھے اپنے خوف سے مارتا ہے اور اپنی امید سے زندہ کرتا ہے۔

(2) جو مجھے طمع سے مارتا ہے اور قناعت سے زندہ کرتا ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:7،ص:104 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

میری خطاؤں کو قیامت کے دن معاف فرمادے گا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میری (بہ ظاہر) خطاؤں کو قیامت کے دن معاف فرمادے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓــٴَـتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ؕ (الشعراء: 82)

اور جس سے مجھے امید ہے کہ وہ میری (بہ ظاہر) خطاؤں کو قیامت کے دن معاف فرمادے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی خطا ذکر کرنے سے مراد

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا میں یوں کہا کہ مجھے امید ہے کہ وہ معاف فرمادے گا یوں نہیں کہا میری خطاؤں کو معاف فرمادے۔ اس کی وجہ ادب ہے اور یہ بتاتا ہے کہ بندہ کو خوف اور امید کے درمیان رہنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے کرم پر متنبہ فرمانا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے جب کوئی امید رکھی جائے تو وہ اس کو پورا کردیتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مغفور اور معصوم ہیں پھر انہوں نے اپنی خطاؤں کا کیوں ذکر کیا اور ان کی مغفرت کیوں طلب کی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دعا سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی امت کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ گناہوں سے اجتناب کریں اور ڈریں اور اگر ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس گناہ کی مغفرت طلب کریں اور طلب مغفرت میں ان کی اقتداء کریں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لئے امام ہو جائیں جس طرح عباد الرحمٰن نے یہ دعا کی تھی۔

وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا ؕ (الفرقان: 74)

اور ہم کو متقین کا امام بنادے۔

مجھے حکم عطا فرما اور مجھے نیکوکاروں کے ساتھ ملادے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی: اے اللہ عزوجل مجھے حکم (صحیح فیصلہ) عطا فرما اور مجھے نیکوکاروں کے ساتھ ملا دے۔

قرآن مجید میں ہے:

رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ؕ (الشعراء: 83)

اے میرے رب! مجھے حکم (صحیح فیصلہ) عطا فرما اور مجھے نیکوکاروں کے ساتھ ملادے۔

سابقہ آیتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی اور اس کے بعد اپنے مطالب کے حصول کے لئے دعا کی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اپنے مطلوب کی دعا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرنی چاہئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا میں اپنے مطالب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

اے میرے رب! مجھے حکم (صحیح فیصلہ) عطا فرما اور مجھے نیکوکاروں کے ساتھ ملادے۔

حکم سے مراد علم شریعت ہے یا ایسا علم جس کے ذریعہ وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کی خلافت قائم کر سکیں اور مخلوق کی رہنمائی کر سکیں اور یہ کہ وہ علم کے تقاضوں پر عمل پیرا ہوں کیونکہ جس شخص کو کسی چیز کا علم نہ ہو یا علم کے تقاضوں پر عامل نہ ہو اس کو حکیم نہیں کہا جاتا اور نہ اس کے علم کو حکم اور حکمت کہا جاتا ہے۔

نیز فرمایا

اور مجھے نیکوکاروں کے ساتھ ملا دے۔

یعنی مجھے ایسے علوم اور ایسے اعمال اور اخلاق کی توفیق دے جو مجھے عبادت و ریاضت میں ایسے کاملین اور راسخین کے گروہ میں شامل کر دیں جو تمام صغائر اور کبائر گناہوں سے نہ ہوں یا جنت میں مجھے ان کے ساتھ مجتمع کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قبول فرمائی۔

چنانچہ آپ علیہ السلام کے متعلق فرمایا

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (البقرہ: 130)

اور بے شک ہم نے ابراہیم کو دنیا میں برگزیدہ کیا اور بے شک وہ آخرت میں نیکوکاروں میں سے ہیں۔

اور یہ اس دعا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مطالب میں سے پہلا مطالب ہے۔

بعد میں آنے والے لوگوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کی اے خالق باری تعالیٰ بعد میں آنے والے لوگوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ (الشعراء: 84)

اور بعد میں آنے والے لوگوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے محامل

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کے درج ذیل محامل ہیں۔

(1) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلی آیت میں اخروی کمال کے حصول کی دعا کی تھی اور اس آیت میں کمال دنیا کے حصول کے لئے دعا کی اس دعا میں یہ طلب کیا کہ تمام دنیا کے لوگ ان کی مدح اور ثناء کریں اور ان کی تعظیم و تکریم کریں۔

(2) اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایسی عزت اور فضیلت عطا فرمائے جس کا اثر قیامت تک باقی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی کیونکہ یہود، عیسائی اور مسلمان سب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے محبت کرتے ہیں اور ان کی تعظیم اور تکریم کرتے ہیں۔

(3) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو قبول عام عطا فرمائے اور تمام لوگوں کی زبانوں پر ان کے لئے ذکر خیر جاری ہو اور زبانوں پر ذکر خیر اس لئے طلب کیا کہ لوگوں کا اپنی زبانوں سے آپ علیہ السلام کا ذکر خیر کرنا۔ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ علیہ السلام سے محبت کرتے ہیں اور لوگوں کا آپ علیہ السلام سے محبت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام سے محبت کرتا ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے میں فلاں (بندے) سے محبت کرتا ہوں۔ تم بھی اس سے محبت کرو پھر جبرائیل علیہ السلام اس سے محبت کرتے ہیں پھر جبرائیل علیہ السلام آسمان میں ندا کرتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو تو آسمان والے اس سے محبت کرتے ہیں پھر زمین والوں میں اس کی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 7485)

(4) جب لوگ اپنی زبانوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اخلاق کا فاضلہ اور اوصاف حمیدہ کا ذکر کریں گے تو ان فضائل اور کمالات کو سن کر دوسرے لوگوں کے دلوں میں بھی ان اوصاف سے متصف ہونے اور ان اخلاق سے متخلق ہونے کی رغبت ہوگی۔

(5) اس دعا سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی غرض یہ تھی کہ آخر زمانہ میں اللہ تعالیٰ ان کی اولاد سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمائے جس کا اس آیت میں بھی ذکر ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (البقرہ: 129)

اے ہمارے رب! ان میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیج دے جو ان پر تیری آیتوں کی تلاوت کرے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کے باطن کو پاک صاف کرے بے شک تو بہت غالب بے حد حکمت والا ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور اس وقت حضرت آدم علیہ السلام اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے اور میں عنقریب تمہیں ابتداء کی خبر دوں گا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور میں اپنی ماں کا وہ خواب ہوں جو اس نے میری پیدائش کے وقت دیکھا تھا۔ ان سے ایک نور نکلا جس نے ان کے لئے شام کے محلات روشن کر دیئے۔

(مسند احمد: ج:4، ص:127، 128)

مجھے نعمت والی جنتوں کے وارثوں میں سے بنا دے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی: اے خالق باری تعالیٰ مجھے نعمت والی جنتوں کے وارثوں میں سے بنا دے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ٥ (الشعراء: 85)

اور مجھے نعمت والی جنت کے وارثوں میں سے بنا دے۔

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تیسرا مطلوب ہے۔ اس سے پہلی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دنیا کی سعادت کے حصول کی دعا کی تھی اور اس آیت میں آخرت کی سعادت کے حصول کی دعا کی ہے۔

جس شخص کو اپنے کسی مورث کے مرنے کے بعد اس کا ترکہ مل جائے اس کو وارث کہتے ہیں۔ اس آیت میں جنتیوں کو جنت کا وارث فرمایا ہے کیونکہ جو مومن نیک عمل کرتا ہے اس کو اس کے استحقاق کے بغیر محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت مل جاتی ہے۔ جس طرح کسی وارث کو بغیر کسی استحقاق کے محض اپنے رشتہ کی موت سے اس کا ترکہ مل جاتا ہے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنت کے حصول کی دعا کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔

میرے باپ کو بخش دے بے شک وہ گمراہوں میں سے تھا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ میرے عرفی باپ کو بخش دے بے شک وہ گمراہوں میں سے تھا اور جس دن سب لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے مجھے شرمندہ نہ کرنا جس دن نہ مال نفع دے گا اور نہ اولاد سوا اس شخص کے جو اللہ کے حضور قلب سلیم لے کر حاضر ہوا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاغْفِرْ لِاَبِیْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ٥ وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ٥ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ٥ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ٥ (الشعرا: 86 تا 89)

اور میرے (عرفی) باپ کو بخش دے بے شک وہ گمراہوں میں سے تھا اور جس دن سب لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے مجھے شرمندہ نہ کرنا جس دن نہ مال نفع دے گا اور نہ اولاد، سوا اس شخص کے جو اللہ کے حضور قلب سلیم لے

کر حاضر ہوا۔

اعتراض

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عرفی باپ آزر کافر تھا اور کافر کے لئے مغفرت کی دعا کرنا جائز نہیں۔

بعض علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ

ایمان مغفرت ایمان لانے پر موقوف ہے اس لئے زندہ کافروں اور مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا کرنا دراصل ان کے ایمان لانے کی دعا کرنا ہے اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عرفی باپ آزر کے لئے مغفرت کی دعا کر کے حقیقت میں یہ دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس کو ایمان کی توفیق عطا فرمائے لیکن اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس تاویل سے تو ہر زندہ مشرک اور کافر کے لئے مغفرت کی دعا کی جاسکتی ہے۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ

آزر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ایمان لانے کا وعدہ کیا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وعدے پر اعتماد کر کے اس کے لئے مغفرت کی دعا کی تھی اور جب وہ اپنے وعدہ سے منحرف ہو گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے بیزار ہو گئے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ۝ (التوبہ: 114)

اور ابراہیم کا اپنے (عرفی) باپ کے لئے مغفرت کی دعا کرنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو اس نے ان سے کر لیا اور جب ابراہیم پر یہ منکشف ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے زار ہو گئے۔ بے شک ابراہیم بہت نرم دل اور بہت بردبار تھے۔

علامہ القمولی نے اس کا ایک یہ جواب دیا ہے کہ آزر باطنی طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھا اور ظاہراً نمرود کے دین پر تھا کیونکہ وہ اس سے ڈرتا تھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس اعتبار سے اس کے لئے دعا کی ہے اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ظاہر ہوا کہ واقعہ اس کے خلاف ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔

(تفسیر کبیر: ج:8، ص:517 دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے آزر کی جو سفارش کی اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت

ابراہیم علیہ السلام کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو نہیں بخشے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے اس عہد کے خلاف نہیں کرے گا پھر انہوں نے کیوں آزر کی سفارش کی۔

اس کا یہ جواب ہے کہ

جب انہوں نے آزر کو دیکھا تو ان پر شفقت اور رحمت غالب آ گئی اور وہ اس کے لئے سوال کئے بغیر رہ نہ سکے۔

(التوشیح علی الجامع الصحیح ج:4،ص:250 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

دوبارہ زندہ فرمانے پر شرمندہ نہ کرنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پانچویں دعا یہ کی کہ جس دن سب لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے مجھے شرمندہ نہ کرنا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا دوسروں کو ترغیب دینے کے لئے کی تھی۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ڈرتا رہے اور اس سے حشر والے دن کے بارے میں عافیت کی دعا کرتا رہے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۔ (یٰسین: 59)

اے مجرمو! آج تم الگ ہو جاؤ۔

اس دن کافر مومن اور گناہ گار اطاعت گزار سے الگ کر کے کھڑے کر دیئے جائیں گے۔ اس دن بدکاروں کو نیکوں سے الگ کر دیا جائے گا۔ اس دنیا میں تو سب لوگ مل جل کر رہتے ہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن پیر بدکاروں کی صف میں ہو اور مرید نیکوں کی صف میں ہو۔ استاد بدکاروں کی صف میں ہو اور شاگرد نیکو کاروں کی صف میں ہو جن لوگوں کو دنیا میں عقیدت اور احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا جب قیامت کے دن وہ بدکاروں کی صف میں کھڑے ہوں گے تو ان کی شرمندگی کا کیا عالم ہوگا وہ ان سے آنکھ نہیں ملا سکیں گے۔ اے ہمارے رب عزوجل! ہمیں اس دن کی شرمندگی اور رسوائی سے بچانا جس طرح دنیا میں ہم پر پردہ رکھا ہے۔

آخرت میں بھی پردہ رکھنا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہمیں اسی دعا کی تلقین فرمائی۔

جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسروں کی تلقین کے لئے یہ دعا کی کہ جس دن سب لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں مجھے شرمندہ نہ کرنا یعنی میرا پردہ رکھنا اور میرے عیوب اور خطائیں لوگوں کے سامنے ظاہر نہ کرنا۔ اسی طرح ہمارے آقا عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی امت کی تعلیم کے لئے یہ دعا کی ہے کہ میرے عیوب اور خطاؤں پر پردہ رکھنا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح اور شام ان دعاؤں کو ترک نہیں کرتے تھے۔

''اے اللہ عزوجل میں تجھ سے دنیا و آخرت میں عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ عزوجل! میں تجھ سے اپنے دین اور دنیا میں اور اپنے اہل اور مال میں عافیت کا سوال کرتا ہوں۔

اے اللہ عزوجل! میرے عیوب پر پردہ رکھ اور جن چیزوں سے مجھے خوف ہے ان سے مجھے محفوظ رکھ، اے اللہ عزوجل! میرے آگے اور میرے پیچھے اور میرے دائیں اور میرے بائیں اور میرے اوپر (کے شر) سے مجھ کو محفوظ رکھ اور اس سے میں تیری عظمت کی پناہ میں آتا ہوں کہ میں اپنے نیچے سے کسی شر میں مبتلا کیا جاؤں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد تھی۔ زمین میں دھنسنے سے۔

(سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: 4785)

جس دن نہ مال نفع دے گا نہ اولاد

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے خالق باری جس دن سب لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے مجھے شرمندہ نہ کرنا جس دن نہ مال نفع دے گا اور نہ اولاد نفع دے گی۔ سوا اس شخص کے جو اللہ کے حضور قلب سلیم لے کر حاضر ہوا۔

قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ٥ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ٥ (الشعرا: 88 تا 89)

جس دن نہ مال نفع دے گا اور نہ اولاد سوا اس شخص کے جو اللہ کے حضور سلیم لے کر حاضر ہوا۔

یعنی مسلمانوں کے علاوہ اس دن کسی کا مال اس کو نفع نہیں دے گا۔ خواہ وہ اس مال کو نیکی اور اچھائی کے راستوں میں خرچ کرتا ہو اور نہ اس کی اولاد اس کو نفع دے گی خواہ اس کی اولاد نیک ہو پرہیز گار اور عبادت گزار ہو۔

اس آیت کا مجمل یہ ہے کہ

اگر کوئی شخص ایمان نہ لایا تو اس کا مال اس کی اولاد اس کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں چھڑا سکیں گے یا وہ اپنی اولاد و مال کو فدیہ دیکر اپنے آپ کو آخرت کے عذاب سے نہیں بچا سکے گا ورنہ مومن جو اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرتا ہے وہ مال اس کو آخرت کے عذاب سے بچاتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ٥ (البقرہ: 271)

اگر تم علی الاعلان صدقہ اور خیرات کرو تو وہ بھی اچھا ہے اور اگر تم چھپا کر فقراء کو صدقہ دو تو وہ بھی اچھا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والا ہے۔

اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی ہے۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دوزخ کی آگ سے بچو خواہ کھجور کے ٹکڑے کو صدقہ کرنے سے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 1417)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کون سے صدقہ کرنے کا سب سے زیادہ اجر ہوتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم اس وقت صدقہ کرو جب تم تندرست ہو اور تم کفایت سے خرچ کرنا چاہتے ہو اور تم کو فقر کا ڈر ہو اور تم کو خوش حالی کی امید ہو اور صدقہ کرنے میں ڈھیل نہ دیتے رہو حتیٰ کہ تمہاری جان حلقوم تک پہنچ جائے اور تم کہو یہ چیز فلاں کے لئے ہے اور یہ چیز فلاں کے لئے ہے اور اب تو وہ خلال کی ہو ہی گئی ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 1419)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب کوئی عورت اپنے گھر کے طعام کو خرچ کرے جبکہ اس کو ضائع کرنے والی نہ ہو تو اس کو اس کا اجر ملتا ہے جو کچھ وہ خرچ کرتی ہے اور اس کے خاوند کو بھی اس مال کے کمانے اجر ملتا ہے اور اس مال کے رکھنے والے کو بھی اس کا اجر ملتا ہے اور بعض کو اجر عطا کرنے سے دوسرے بعض کا اجر کم نہیں ہوتا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 1024)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بہترین صدقہ وہ کہ صدقہ دینے کے بعد اس کے پاس بقدر ضرورت مال باقی رہے اور پہلے ان پر خرچ کرے جس کی کفالت اس کے ذمہ ہے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 1426)

آخرت میں اولاد کی نفع رسانی کے متعلق درج ذیل احادیث مبارکہ دال ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب انسان مرجاتا ہے تو تین کے سوا اس کے باقی اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔

(1) صدقہ جاریہ

(2) وہ علم جس سے نفع اٹھایا جاتا ہے۔

(3) اس کی نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی ہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 1631)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مسلمانوں میں سے جس کے بھی تین نابالغ بچے فوت ہو جائیں اللہ تعالیٰ ان بچوں پر رحمت کرنے کی وجہ سے اس کو جنت میں داخل فرمادے گا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 1248)

سوا اس شخص کے جو اللہ تعالیٰ کے حضور قلب سلیم لے کر حاضر ہوا

آیت میں ذکر کیا گیا سوا اس شخص کے جو اللہ کے حضور قلب سلیم لے کر حاضر ہوا۔

قلب سلیم کا مصداق یہ ہے کہ

اس کا قلب جہل اور اخلاق رذیلہ سے سلامت رہے کیونکہ جس طرح بدن کو صحت کا سلامت رہنا اس کے مزاج کے معتدل ہونے پر موقوف ہے اور بدن کا مریض ہونا اس کے مزاج کے غیر معتدل ہونے سے عبارت ہے۔ اسی طرح قلب کا سلامت رہنا علم اور اخلاق فاضلہ کے حصول اور جہل اور اخلاق رذیلہ سے خالی ہونے پر موقوف ہے۔

اس آیت میں یوں نہیں فرمایا۔

سوا اس شخص کے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ایمان و اسلام کے ساتھ حاضر ہوا بلکہ فرمایا اس کے پاس قلب سلیم کے ساتھ حاضر ہوا کیونکہ ایمان وہی لاتا ہے جس کا قالب سلامت ہو اور جس کا قلب بیمار ہو وہ ایمان سے محروم رہتا ہے۔ اسی طرح اعمال صالحہ بھی قلب کی سلامتی پر موقوف ہیں۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ
حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جس کو اکثر لوگ نہیں جانتے پس جو شخص مشتبہات سے اجتناب کرتا ہے وہ اپنے دین اور اپنی عزت کی حفاظت کرتا ہے اور جو شخص مشتبہات کی حفاظت نہیں کرتا وہ اس چرواہے کی طرح ہے۔ جو شاہی چراگاہ کے نزدیک بکریاں چراتا ہے پس ہوسکتا ہے کہ اس کی بکریاں اس شاہی چراگاہ سے چر لیں۔
سنو! ہر بادشاہ کی خاص چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاص چراگاہ اس کی حدود ہیں۔
سنو! جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے وہ درست ہو تو پورا جسم درست رہتا ہے اور وہ فاسد ہو تو پورا جسم فاسد ہو جاتا ہے۔ سنو وہ دل ہے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 52)
امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری متوفی 465ھ قلب سلیم کی تعریف میں لکھتے ہیں:
سلیم اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو سانپ یا بچھو سے ڈسا ہوا ہو سو قلب سلیم والا وہ شخص ہے جو خوف خدا سے عزوجل سے ڈسا ہو یعنی جس طرح سانپ یا بچھو سے ڈسا ہوا شخص بے چین مضطرب اور بے کل رہتا ہے۔ وہ بھی خوف خدا عزوجل سے بے کل اور بے چین رہے۔
ایک قول یہ ہے:
وہ پہلے گمراہی سے سلامت ہو پھر بدعت سے پھر غفلت سے پھر غیبت سے پھر دنیاوی عیش وآرام اور دنیاوی رنگینیوں اور دلچسپیوں سے یہ تمام چیزیں آفتیں ہیں اکابر ان سے سلامت رہے اور اصاغران کی آزمائش میں مبتلا رہے ہیں۔
ایک قول یہ ہے:
قلب سلیم وہ ہے جو اپنے نفس کی محبت اور اس کی طرف توجہ اور ارادہ سے بھی سلامت ہو۔
(لطائف الاشارات ج: 2، ص: 403، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے عرفی باپ کو اپنی پیروی کا فرمانا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عرفی باپ سے فرمایا۔ اے میرے باپ بے شک میرے پاس ایسا علم آیا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا۔ آپ میری پیروی کیجئے میں آپ کو سیدھا راستہ دکھاؤں گا۔
قرآن مجید میں ہے:
يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ○ (مریم: 43)

اے میرے ابا! بے شک میرے پاس ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا آپ میری پیروی کیجئے میں آپ کو سیدھا راستہ دکھاؤں گا۔

آپ شیطان کی پیروی نہ کریں

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عرفی باپ کو فرمایا: آپ شیطان کی پیروی نہ کریں بے شک شیطان تو رحمان کا نافرمان ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

یٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا ۝ (مریم: 44)

اے میرے باپ! آپ شیطان کی پیروی نہ کریں بے شک شیطان رحمٰن کا نافرمان ہے۔

☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شیطان سے متنفر کرنے کے لئے آزر سے یہ کہا کہ شیطان اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے کیونکہ کسی شخص سے متنفر ہونے کی یہی سب سے بڑی وجہ ہے۔ اور جب شیطان اللہ تعالیٰ کا نافرمان تھا تو کسی چیز میں بھی اس کی اطاعت جائز نہیں ہے اور آزر کے جو عقائد تھے وہ شیطان کی اطاعت سے ہی مستفاد تھے اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر کو شیطان سے متنفر کرنا چاہا۔

مجھے خطرہ ہے کہ آپ کو رحمٰن سے عذاب پہنچے گا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر کو یہ فرمایا: مجھے خطرہ ہے کہ آپ کو رحمٰن کی طرف سے عذاب پہنچے گا۔ پس آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

یٰۤاَبَتِ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَلِیًّا ۝ (مریم: 45)

اے میرے ابا! مجھے خطرہ ہے کہ آپ کو رحمٰن کی طرف سے عذاب پہنچے گا پس آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں گے۔

☆

اس آیت میں عذاب سے مراد رسوا ہونا ہے اور جو آدمی شیطان کو اپنا ولی بناتا ہے وہ نقصان اٹھاتا ہے اور رسوا ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَمَنْ یَّتَّخِذِ الشَّیْطٰنَ وَلِیًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِیْنًا ۝ (النساء: 119)

اور جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو ولی بنائے گا وہ کھلا ہوا نقصان اٹھائے گا۔

کیا تو میرے خداؤں سے اعراض کرنے والا ہے

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر کو دلائل دیئے تو آخر میں آزر نے کہا: اے ابراہیم علیہ السلام کیا تو میرے خداؤں سے اعراض کرنے والا ہے اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا اور تو ہمیشہ کے لئے مجھے چھوڑ دے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنۡتَ عَنۡ اٰلِهَتِىۡ يٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ‌ۚ لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ لَاَرۡجُمَنَّكَ‌ وَاهۡجُرۡنِىۡ مَلِيًّا ○ (مریم: 46)

اس نے کہا: اے ابراہیم! کیا تو میرے خداؤں سے اعراض کرنے والا ہے اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا اور تو ہمیشہ کے لئے مجھے چھوڑ دے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: تجھے سلام ہو

جب آزر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ کہا: اے ابراہیم تو میرے خداؤں سے اعراض کرنے والا ہے اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا اور تو ہمیشہ کے لئے مجھے چھوڑ دے تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: تجھے سلام ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيۡكَ‌ۚ سَاَسۡتَغۡفِرُ لَكَ رَبِّىۡ‌ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِىۡ حَفِيًّا ○ (مریم: 47)

ابراہیم نے کہا: تجھے سلام ہو میں عنقریب اپنے رب سے تیرے لئے استغفار کروں گا بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔

اعتراض

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کفار کو سلام کرنا جائز نہیں ہے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر کو کیوں سلام کیا۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تعظیم اور تحسین کا سلام نہیں تھا بلکہ یہ متارکہ کا سلام تھا یعنی کسی کو چھوڑنے اور اس سے قطع تعلق کرنے کا سلام تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغۡوَ اَعۡرَضُوۡا عَنۡهُ وَقَالُوۡا لَنَاۤ اَعۡمَالُنَا وَلَـكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ لَا نَبۡتَغِى الۡجٰهِلِيۡنَ ○ (القصص: 55)

اور جب وہ کوئی بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں پس تمہیں سلام ہو ہم جاہلوں سے بحث کرنا نہیں چاہتے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی صفت میں ارشاد فرمایا۔

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۝

(الفرقان:63)

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی اور عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے بحث کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں بس تمہیں سلام ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ

سلام کا حقیقی معنی تو دعا ہے یعنی اللہ تعالیٰ تم کو سلامت، ہر آفت اور ہر مصیبت سے محفوظ اور مامون رکھے یا تم جس حال میں ہو اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں سلامت رکھے اس معنی کے اعتبار سے کفار اور فساق کو سلام کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں کفر اور فسق پر سلامت رہنے کی دعا ہے اور کفار اور فساق کی تعظیم اور تحیت ہے۔ اور یہ جائز نہیں ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہود و نصاریٰ کو سلام میں پہل نہ کرو جب وہ تم سے راستہ میں ملیں تو تم ان کو تنگ راستہ میں چلنے پر مجبور کرو۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث:2167)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابراہیم بن میسرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے کسی بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے منہدم ہونے پر اعانت کی۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث:9464)

ان احادیث مبارکہ کی بناء پر کفار اور فساق کو تعظیما سلام کرنا جائز نہیں ہے اور سلام کا التزامی اور مجازی معنی ہے کسی کو رخصت کرنا کیونکہ رخصت ہونے کے مقام پر سلام کیا جاتا ہے تو جب کفار اور فساق سے بحث کو ترک کرنا اور ان سے تعلق کو ترک کرنا مقصود ہو تو ان کو سلام کر دیا جاتا ہے جیسا کہ مذکور الصدر آیات میں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رشد عطا فرمانا

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا: ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ہدایت (رشد) عطا فرمائی تھی اور ہم ان کو خوب جانتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝ (الانبیاء: 51)

اور بے شک اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو ہدایت عطا فرمائی تھی اور ہم ان کو خوب جانتے ہیں۔

رشد کا معنی

علامہ راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:

الرشد، الغی کی ضد ہے۔

الغی کا معنی گمراہی ہے۔

اور ارشد کا معنی ہدایت ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ (البقرہ: 256)

بے شک ہدایت گمراہی سے متمیز ہو چکی ہے۔

رشد دنیا و آخرت میں راہ راست کے ساتھ خاص ہے اور رشد (راور ش پر زبر) کا اطلاق صرف امور اخرویہ میں ہوتا ہے اور راشد کا اطلاق دنیا و آخرت دونوں میں ہوتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ (الحجرات: 7)

یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

اس کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے۔

وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ (ھود: 97)

اور فرعون کا حکم درست نہیں تھا۔

اس کا تعلق دنیا کے ساتھ تھا۔

(المفردات ج:1 ص:260 مطبوعہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

رشد سے مراد

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

رشد کی تفسیر میں دو قول ہیں۔

(1) ایک قول یہ ہے: اس سے مراد نبوت ہے۔

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اور ہم ان کو خوب جاننے والے تھے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو نبوت کے ساتھ مختص کرتا ہے، جس کے متعلق اس کو معلوم ہو کہ یہ شخص نبوت کا حق ادا کرے گا اور جو کام منصب نبوت کے نامناسب ہوں اور جن کاموں سے اس کی قوم متنفر ہو وہ کام نہیں کرے گا۔

(2) دوسرا قول یہ ہے:

رشد سے مراد ہدایت ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ (النساء: 6)

پھر اگر یتیموں میں ہدایت پاؤ تو ان کے اموال انہیں سونپ دو۔

(3) اس میں ایک تیسرا قول بھی ہے کہ

نبوت اور ہدایت دونوں رشد کے تحت داخل ہیں کیونکہ اسی شخص کو منصب نبوت پر فائز کرنا جائز ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات پر رہنمائی کر چکا ہو اور اس کو وہ امور بتا چکا ہو جو اس کے اور اس کی قوم کے رذائل سے منزہ ہونے اور فضائل سے متصف ہونے کے لئے ضروری ہوں یعنی اس کو وہ کام معلوم ہوں جن کے کرنے سے دنیا و آخرت میں مذمت ہوتی ہے اور جن کے کرنے سے دنیا و آخرت میں تعریف اور تحسین ہوتی ہے۔

(تفسیر کبیر، ج:8، ص:152 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بے شک اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو ہدایت عطا فرمائی تھی

آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ بے شک اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو ہدایت عطا فرمائی تھی، کا کیا معنی ہے۔

اس کے متعلق اقوال ہیں۔

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔

یعنی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سے پہلے ان کو نبوت اور ہدایت عطا فرمائی تھی۔

اور مقاتل نے کہا:

ان کے بالغ ہونے سے پہلے بچپن میں ان کو نبوت عطا فرمائی تھی۔ جب انہوں نے ستاروں کو دیکھ کر ان سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر استدلال کیا تھا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کی صلب اور پشت میں ان کو نبوت عطا فرمائی تھی جب اللہ تعالیٰ نے ان کی پشت سے انبیاء کرام علیہم

السلام کو نکال کر ان سے میثاق لیا تھا۔
(جامع البیان: جز:17، ص:47 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یہ کیسی مورتیاں ہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عرفی باپ اور اپنی قوم سے فرمایا یہ کیسی مورتیاں ہیں جن کی عبادت پر تم جمے ہوئے ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ ۝ (الانبیاء: 52)

جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ کیسی مورتیاں (بت) ہیں جس (کی پرستش) پر تم جمے ہوئے ہو۔

اس آیت کریمہ میں تماثیل کا لفظ ارشاد فرمایا گیا ہے۔

تماثیل تمثال کی جمع ہے۔

اس کا معنی ہے تراشا ہوا مجسمہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم مختلف چیزوں کی بنائی ہوئی مجسم تصویروں کی پرستش کرتی تھی مثلاً انسان یا کسی حیوان کی صورت کی۔

اپنے باپ دادا کو ان ہی کی عبادت کرتے پایا تھا

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عرفی باپ اور قوم کو فرمایا: یہ کیسی مورتیاں ہیں جن کی تم عبادت کرتے ہو تو انہوں نے کہا: ہم نے اپنے باپ دادا کو ان ہی کی عبادت کرتے پایا تھا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝ (الانبیاء: 53)

انہوں نے کہا: ہم نے اپنے باپ دادا کو ان ہی کی عبادت کرتے ہوئے پایا تھا۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پوچھا تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو اس کی کیا دلیل ہے؟ تو ان کے پاس اس کے سوا اور کوئی جواب نہ تھا کہ وہ اپنے باپ دادا کی تقلید کرتے ہیں۔

تم اور تمہارے باپ دادا کھلی ہوئی گمراہی میں تھے

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے بتوں کی پوجا کے متعلق پوچھا تو قوم نے کہا: ہم اپنے باپ دادا کی تقلید کرتے ہیں تو تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: تم اور تمہارے باپ دادا کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ○ (الانبیاء: 54)

کہا بے شک تم اور تمہارے باپ دادا کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

کیا آپ واقعی حق بات کہہ رہے ہیں یا یونہی مذاق کر رہے ہیں

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو فرمایا: تم اور تمہارے باپ دادا کھلی ہوئی گمراہی میں تھے تو انہوں نے کہا: کیا آپ واقعی حق بات کہہ رہے ہیں یا یونہی مذاق کر رہے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ○ (الانبیاء: 55)

انہوں نے کہا: کیا آپ واقعی حق بات کہہ رہے ہیں یا یونہی مذاق کر رہے ہیں۔

ان کے نزدیک یہ بہت بعید تھا کہ جو کام برسوں سے نسل در نسل ہوتا چلا آرہا ہو اس کو گمراہی کہا جائے۔

تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کے دلائل دیئے اور ارشاد فرمایا: تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَ اَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ○

(الانبیاء: 56)

کہا بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ ان کی قوم یہ سمجھ رہی ہے کہ وہ ان کے ساتھ مذاق کر رہے ہیں تو انہوں نے توحید کا اعلان کیا تا کہ قوم کو یقین ہو جائے کہ وہ اظہار حق میں سنجیدہ ہیں۔ اس لئے انہوں نے اپنی زبان اور عمل سے اپنے عقیدہ توحید کا اظہار کیا اور کہا بلکہ تمہارا رب عزوجل وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔

اس میں یہ دلیل ہے کہ

خالق وہ ہے جس نے ان چیزوں کو بندوں کے نفع کے لئے پیدا کیا ہے اور وہ دنیا و آخرت میں بندوں کو ضرر اور عذاب سے بچانے اور نفع اور ثواب پہنچانے پر قادر ہے۔ سو اسی کی عبادت کرنی چاہئے۔ اس کے علاوہ انہوں نے ایک عملی تدبیر اختیار کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا مقصود بھی یہ تھا کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا یقین دلایا جائے اور اس کی عبادت کا حکم دیا جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آزر اور قوم سے چند سوالات

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر اور قوم سے چند سوالات کیے کہ تم کن چیزوں کی عبادت کر رہے ہو۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر خود ساختہ معبودوں کی عبادت کر رہے ہو تو اللہ تعالیٰ کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ۝ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ۝ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

(الصفت: 85 تا 87)

جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ اور قوم سے کہا: تم کن چیزوں کی عبادت کر رہے ہو، کیا تم اللہ کو چھوڑ کر خود ساختہ معبودوں کی عبادت کر رہے ہو۔ رب العلمین کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے۔

انہوں نے ستاروں کی طرف ایک نظر ڈالی

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کی طرف نظر ڈالی کیونکہ قوم چند معین ستاروں کی پرستش اور تعظیم کرتی تھی اور ان کا یہ اعتقاد تھا کہ اس جہان میں خیر اور شر اور سعادت اور نحوست کے جو واقعات رونما ہوتے ہیں وہ سب ان سیاروں ہی کی تاثیرات ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ۝ (الصفت: 88)

پھر انہوں نے ستاروں کی طرف ایک نظر ڈالی۔

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بظاہر ستاروں کی طرف دیکھ کر تامل اور غور وفکر کیا جس سے ان کی قوم نے یہ سمجھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ستاروں کی چال اور ان کی مخصوص گردش کی وضع اور ہیئت سے مستقبل میں پیش آنے والے کسی واقعہ یا سانحہ کو اخذ کر رہے ہیں اور دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام آسمانوں اور زمینوں کی خلقت اور بناوٹ پر غور وفکر کر رہے تھے اور کاملین کے طریقہ کے مطابق آثار سے موثر اور مخلوق اور خالق پر استدلال فرما رہے تھے اور یہی چیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان کے لائق ہے لیکن آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کے ذہنوں میں یہ وہم ڈالا کہ آپ سیاروں کی گردش کی وضع میں غور وفکر کر کے مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کو معلوم کر رہے ہیں۔

بے شک میں بیمار ہونے والا ہوں

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کی طرف ایک نظر ڈال کر فرمایا: بے شک میں بیمار ہونے والا ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

فَقَالَ اِنِّیۡ سَقِیۡمٌ ۝ (الصفت: 89)

پھر کہا بے شک میں بیمار ہونے والا ہوں۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم رازی متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

حضرت سفیان رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا۔

اس کا معنی ہے۔

مجھے طاعون ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 18217)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بادشاہ کا عید پر میلے میں شریک ہونے کی دعوت

زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ کل ہماری عید ہے تم اس میں حاضر ہونا (یعنی میلے میں شریک ہونا)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کی طرف دیکھ کر فرمایا۔

یہ ستارہ جب بھی طلوع ہوتا ہے تو میں بیمار ہو جاتا ہوں تو بادشاہ کے کارندے چلے گئے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: 18219)

قوم کا بتوں کے سامنے قربانیاں پیش کرنا

امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی التوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

ان کی قوم ستارہ شناس اور ستارہ پرست تھی۔ اس لئے آپ علیہ السلام نے ان کے ساتھ ان کے طریقہ کے مطابق معاملہ کیا اور اس طور سے حیلہ کیا جو ان کی رسم ورواج کے مطابق تھا۔

اور اس کی وجہ یہ تھی کہ

وہ ان کے بتوں کو توڑنے کے لئے حیلہ کرنا چاہتے تھے تا کہ ان کی بت پرستی کو باطل کیا جا سکے۔ دوسرے ان کی عید اور میلہ تھا اور وہ لوگ میلہ میں جانے سے پہلے بتوں کے سامنے قربانیاں پیش کرتے تھے اور کھانے پینے کی چیزیں رکھتے تھے تا کہ اس سے بتوں کا تقرب اور تبرک حاصل ہو اور وہ میلہ سے واپس آنے کے بعد ان چیزوں کو کھائیں۔

انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا۔

آپ ہماری عید اور ہمارے میلے میں ہمارے ساتھ چلیں۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کو دیکھ کر کہا
میں بیمار ہوں۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:
سقیم سے مراد طاعون زدہ ہونا ہے اور وہ لوگ طاعون سے بہت گھبراتے تھے اور اس سے بہت دور بھاگتے تھے۔
حسن بصری نے کہا:
سقیم سے مراد مریض ہے۔
اور مقاتل نے کہا:
اس سے مراد ہے مجھے درد ہے۔
اور ضحاک نے کہا:
اس کا معنی ہے میں عنقریب بیمار ہونے والا ہوں پھر وہ لوگ پیٹھ پھیر کر چلے گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بتوں کو توڑ ڈالا۔
(معالم التنزیل: ج:4، ص:34 دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حقیقت میں سچ بولنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوائے تین باتوں کے کوئی ایسی بات نہیں کی جس کو لوگوں نے جھوٹ سمجھا ہو۔ ان تینوں میں دو کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔
انہوں نے کہا:
اِنِّیْ سَقِیْمٌ ○ (الصفت: 89)
میں بیمار ہونے والا ہوں۔
اور انہوں نے کہا:
بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ (الانبیاء: 63)
بلکہ یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے۔
(بظاہر آپ علیہ السلام نے چھوٹے بتوں کو توڑنے کی نسبت بڑے بت کی طرف کی اور در حقیقت آپ علیہ السلام نے خود

ان بتوں کو توڑا تھا کیونکہ ان چھوٹے بتوں کو توڑنے کا سبب وہ بڑا بت تھا آپ علیہ السلام اس کی خدائی کو باطل کرنا چاہتے تھے اور اس کے عجز کو ثابت کرنا چاہتے تھے اور سبب کی طرف بھی فعل کی نسبت کی جاتی ہے۔

جیسا کہا جاتا ہے۔

جارج بش نے افغانستان اور عراق پر حملہ کیا اور بڑی تعداد میں قتل و غارت کی جب کہ جارج بش نے صرف حکم دیا تھا حملہ اس کی فوجوں نے کیا تھا سو جس طرح یہاں فعل کا اسناد سبب کی طرف ہے اسی طرح اس آیت میں فعل کا اسناد سبب کی طرف ہے اور ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سفر کر رہے تھے۔ان کا گزر ایک ظالم بادشاہ کے ملک میں ہوا۔

اس بادشاہ کو بتایا گیا کہ

ایک شخص آرہا ہے اس کی بیوی سب سے زیادہ حسین ہے۔

اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلوا کر پوچھا

یہ عورت کون ہے۔

انہوں نے کہا:

یہ میری بہن ہے۔

اور کہا

اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن (جوڑا) نہیں ہے۔

اس بادشاہ نے مجھ سے تمہارے متعلق پوچھا تھا تو میں نے اس کو بتایا کہ تم میری بہن ہو۔یعنی دینی بہن ہو۔

سو تم مجھ کو جھٹلانا نہیں ہے۔

(صحیح البخاری:رقم الحدیث:3358) (صحیح مسلم:رقم الحدیث:2371)

قوم کا پیٹھ پھیر کر چلے جانا

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کی طرف دیکھ کر فرمایا: میں بیمار ہونے والا ہوں تو وہ پیٹھ پھیر کر آپ علیہ السلام کے پاس سے چلے گئے،ان کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیماری متعدی ہو کر ان کو لگ نہ جائے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ (الصفت: 90)

سو وہ پیٹھ کر ان کے پاس سے چلے گئے۔

تم کیوں نہیں کھاتے،تم بولتے کیوں نہیں

جب قوم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے چلی گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے بتوں کے پاس تشریف لے

گئے اور ان سے کہا: تم کیوں نہیں کھاتے تمہیں کیا ہوا تم بولتے کیوں نہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ٥مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ٥ (الصفت: 91، 92)

پھر وہ خاموشی سے ان کے معبودوں کے پاس گئے اور ان سے کہا: تم کیوں نہیں کھاتے ہو، تمہیں کیا ہوا تم بولتے کیوں نہیں۔

☆

اس آیت میں راغ کا لفظ استعمال ہوا۔

المفردات میں ہے۔

راغ کا مصدر روغ ہے۔

روغ کا معنی ہے۔

چپکے سے کسی کی طرف جانا اور خفیہ داؤ گھات لگانا جیسے لومڑی مکر اور فریب سے کوئی چال چلتی ہے تو کہتے ہیں راغ الثعلب۔
کوئی شخص مکر وفریب سے کسی شخص سے کام نکالے تو اس کو بھی راغ کہتے ہیں۔

(المفردات: ج: 1، ص: 274 مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

ان آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام چپکے سے ان کے بت خانہ میں تشریف لے گئے اور ان بتوں سے استہزاء فرمایا تم کیوں نہیں کھاتے تمہیں کیا ہوا؟ تم بولتے کیوں نہیں۔ ان کی قوم کے کافر لوگ بتوں کے سامنے کھانے پینے کی چیزیں لے جا کر رکھتے تھے تا کہ ان کو بتوں کا تقرب حاصل ہو اور وہ طعام ان کے پاس رکھ جانے سے متبرک ہو جائے۔

ایک قول یہ ہے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے لوگ بتوں کے پاس طعام رکھ کر گئے تھے کہ وہ میلہ سے واپس آ کر اس طعام کو کھائیں گے اور وہ طعام بتوں کے پاس اس لئے چھوڑا تھا کہ وہ طعام متبرک ہو جائے۔

اور ایک قول یہ ہے:

خود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے پاس کھانے پینے کی چیزیں رکھیں اور ان بتوں سے استہزاء فرمایا۔ تم کھاتے کیوں نہیں تمہیں کیا ہوا؟ تم بولتے کیوں نہیں۔

تمہارے بتوں کے ساتھ خفیہ تدبیر کروں گا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم تمہارے پیٹھ پھیر جانے کے بعد میں تمہارے بتوں کے

ساتھ خفیہ تدبیر کروں گا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ○ (الانبیاء: 57)

اوراللہ کی قسم! تمہارے پیٹھ پھیر کر جانے کے بعد میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک خفیہ تدبیر کروں گا۔

تدبیر سے کیا مراد ہے

اس تدبیر کی تفصیل امام ابن جریر نے اس طرح بیان کی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کے (عرفی) باپ نے کہا:

اے ابراہیم! ہماری ایک عید ہے اگر تم ہمارے ساتھ اس دن جاؤ تو تم کو ہمارا دین اچھا لگے گا۔ جب عید کا دن آیا تو وہ سب روانہ ہوئے جب کچھ راستہ طے ہو گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام گر گئے۔

اور ارشاد فرمایا۔

میں بیمار ہوں اور میرے پیر میں تکلیف ہے۔ ان لوگوں نے حضرت ابراہیم کو چھوڑ دیا۔ جب وہ چلے گئے تو انہوں نے زور سے کہا

اور اللہ کی قسم! تمہارے پیٹھ پھیر جانے کے بعد میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک خفیہ تدبیر کروں گا۔ ان کی قوم کے کچھ لوگوں نے اس بات کو سن لیا تھا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے بت کدہ کی طرف گئے۔ اس بت کدہ میں ایک بہت بڑا کمرہ تھا جس کے سامنے ایک بہت بڑا بت نصب تھا اور اس کے ساتھ بہت چھوٹے چھوٹے بت رکھے ہوئے تھے اور ان بتوں کے سامنے کھانا رکھا ہوا تھا۔ ان کا پروگرام تھا کہ وہ اپنی عید یا میلے سے واپس آ کر اس طعام کو کھائیں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کے سامنے کھانا رکھا ہوا دیکھا تو فرمایا

فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ○ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ○ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًاۢ بِالْيَمِيْنِ ○

(الصفت: 91 تا 93)

آپ نے ان بتوں کے پاس جا کر فرمایا تم کھاتے کیوں نہیں؟

تم کو کیا ہوا تم بات کیوں نہیں کرتے ہو پھر ان کی طرف مڑ کر دائیں ہاتھ سے مارنا شروع کر دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کلہاڑے سے تمام بتوں کو توڑنا شروع کر دیا اور تمام بت ٹوٹ کر ان کے قدموں میں گر گئے۔ پھر انہوں نے کلہاڑا اٹھا کر سب سے بڑے بت کی گردن پر رکھ دیا پھر جب ان کی قوم میلے سے واپس آئی تو کھانا کھانے کے لئے اپنے بت کدہ میں گئی وہاں جا کر انہوں نے دیکھا کہ بڑے بت کے سوا ان کے سارے خدا ٹوٹے پھوٹے پڑے تھے۔

اس وقت انہوں نے کہا: ہمارے معبودوں کے ساتھ جس نے بھی یہ کارروائی کی ہے وہ بے شک ضرور ظالموں میں سے ہے۔

انہوں نے کہا:
ہم نے ایک نوجوان کو ان (بتوں) کا ذکر کرتے ہوئے سنا تھا اس کو ابراہیم کہا جاتا ہے۔
(جامع البیان جز: 17، ص: 51 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بتوں کو توڑنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کے بتوں کو دائیں ہاتھ سے ان پر ضرب لگائی اور ان کو توڑ دیا۔
قرآن مجید میں ہے:
فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ۝ (الصفت: 93)
پھر انہوں نے خاموشی کے ساتھ دائیں ہاتھ سے ان پر ضرب لگائی۔

یمین کی تحقیق

اس آیت میں یمین کا لفظ ہے اس کی کئی تفسیریں ہیں۔
ایک تفسیر یہ ہے کہ
یمین سے مراد دایاں ہاتھ ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دائیں ہاتھ سے کلہاڑا اٹھا کر ان بتوں پر ضربات لگائیں۔ دائیں ہاتھ کا اس لئے ذکر فرمایا: دایاں ہاتھ بائیں سے قوی ہوتا ہے۔
ایک قول یہ ہے:
اس آیت میں یمین سے مراد دایاں ہاتھ نہیں ہے بلکہ یمین سے مراد قسم ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے قسم کھا کر فرمایا تھا۔
وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ (الانبیاء: 57)
اللہ کی قسم! جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے تو میں ضرور تمہارے معبودوں کے ساتھ خفیہ تدبیر کروں گا۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم یا عید یا جشن منانے گئی تھی۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ موقع غنیمت جان کر ان تمام بتوں کو توڑ دیا۔ صرف بڑے بت کو چھوڑ دیا۔
بعض نے کہا:
کلہاڑی اس کے ہاتھ میں چھوڑ دی تا کہ جب وہ عید کے میلہ یا جشن سے فارغ ہو کر آئیں تو اس کارروائی کے متعلق اس بڑے بت سے ہی پوچھیں۔
اور ایک تفسیر یہ ہے کہ
اس آیت میں یمین سے مراد عدل ہے جیسا کہ اس آیت میں یمین سے مراد عدل ہے۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ (الحاقہ: 44)

اور اگر اس نبی نے ہم پر کوئی بات گھڑی ہوتی تو ہم نے ضرور ان کو عدل کے ساتھ پکڑ لیا ہوتا۔عدل کے لئے یمین کا لفظ لایا جاتا ہے اور ظلم کے لئے شمال کا لفظ لایا جاتا ہے۔اسی طرح معاصی کے لئے شمال کا لفظ لایا جاتا ہے اور اطاعت کے لئے یمین کا لفظ لایا جاتا ہے۔پس مسلمانوں کے لئے یمین عدل کی جگہ ہے اور شمال ظلم کی جگہ ہے۔اس لئے قیامت کے دن مسلمانوں کو صحیفہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا کیونکہ اس نے اللہ عزوجل سے جو بیعت کی تھی اس کو پورا کر دیا اور عدل کیا اور کافر کے بائیں ہاتھ میں اس کا نامہ اعمال دیا جائے گا کیونکہ اس نے بیعت کو توڑ دیا اور ظلم کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کلہاڑے سے تمام بتوں کو توڑنا شروع کر دیا اور تمام بت ٹوٹ کر ان کے قدموں میں گر گئے پھر انہوں نے کلہاڑا اٹھا کر سب سے بڑے بت کی گردن پر رکھ دیا پھر جب ان کی قوم میلے سے واپس آئی تو کھانا کھانے کے لئے اپنے بت کدہ میں گئی وہاں جا کر انہوں نے دیکھا کہ بڑے بت کے سوا ان کے سارے خدا ٹوٹے پھوٹے پڑے تھے۔ اس وقت انہوں نے کہا: ہمارے معبودوں کے ساتھ جس نے بھی یہ کارروائی کی ہے وہ بے شک ضرور ظالموں میں سے ہے۔

انہوں نے کہا:

ہم نے ایک نوجوان کو ان (بتوں) کا ذکر کرتے ہوئے سنا تھا۔

اس کو ابراہیم کہا جاتا ہے۔

(جامع البیان: ج:17،ص:51 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس قوم کا آنا

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تو قوم آپ علیہ السلام کے پاس دوڑتی ہوئی آئی تو آپ علیہ السلام نے ان سے کہا: تم اپنے ہی تراشے ہوئے بتوں کی عبادت کرتے ہو حالانکہ تم کو اور تمہارے کاموں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ۝ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (الصفت: 94 تا 96)

پھر وہ لوگ دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آئے۔ابراہیم نے کہا: تم اپنے ہی تراش کئے ہوئے بتوں کی عبادت کرتے ہو حالانکہ تم کو اور تمہارے کاموں کو اللہ نے پیدا کیا ہے۔

آیت کریمہ میں یزفون کا لفظ آیا ہے۔

المفردات میں ہے۔

زف الابل کا معنی ہے اونٹ تیز تیز چلے۔

اصل میں زفیف کا معنی ہے۔

تیز ہوا چلنا، شتر مرغ جو پرندوں سے ملنے کے لئے بھاگتا ہے۔ اس کو بھی زفیف کہتے ہیں۔ دلہن کو جو دلہا کے پاس بھیجا جاتا ہے اس کو بھی زفیف کہتے ہیں۔

(المفردات: ج:1، ص:281)

ایک قول یہ ہے:

اس کا معنی ہے تیز رفتاری اور آہستہ آہستہ چلنے کے مابین درمیانی رفتار سے چلنا۔

ضحاک نے کہا:

اس کا معنی ہے وہ بھاگ رہے تھے۔

یحییٰ بن سلام نے کہا:

وہ غیظ و غضب سے بھاگتے ہوئے آرہے تھے۔

مجاہد نے کہا:

اس کا معنی ہے وہ تکبر سے چلتے ہوئے آرہے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے جب ان خود ساختہ خداؤں کے ٹکڑوں کو ٹوٹنے کے بعد بکھرے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا: ہمارے ان معبودوں کے ساتھ یہ کام کس نے کیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

تم اپنے ہی تراش کئے ہوئے بتوں کی عبادت کرتے ہو حالانکہ تم کو اور تمہارے کاموں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے یعنی جن بتوں کی پرستش کر رہے ہو ان کو جن لکڑیوں پتھروں اور مٹی سے تم نے بنایا ہے ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے اور تمہارے کاموں کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو یہ بت بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہوئے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ ہر صانع اور اس کی صفت کا خالق ہے۔

(المستدرک: ج:1، ص:131 قدیم)

بڑے بت کے سوا سب کا ٹکڑے ٹکڑے ہونا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑے بت کے سوا سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تا کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔

قرآن مجید میں ہے:

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ○ (الانبیاء: 58)

سو ابراہیم نے ان کے بڑے بت کے سوا سب بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تا کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔

جامع البیان میں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کلہاڑے سے تمام بتوں کو توڑنا شروع کر دیا اور تمام بت ٹوٹ کر ان کے قدموں میں گر گئے پھر انہوں نے کلہاڑا اٹھا کر سب سے بڑے بت کی گردن پر رکھ دیا پھر جب ان کی قوم میلے سے واپس آئی تو کھانا کھانے کے لئے اپنے بت کدہ میں گئی وہاں جا کر انہوں نے دیکھا کہ بڑے بت کے سوا ان کے سارے خدا ٹوٹے پھوٹے پڑے تھے۔ اس وقت انہوں نے کہا: ہمارے معبودوں کے ساتھ جس نے بھی یہ کارروائی کی ہے وہ بے شک ظالموں میں سے ہے۔

انہوں نے کہا:

ہم نے ایک نوجوان کو ان (بتوں) کا ذکر کرتے ہوئے سنا تھا۔

اس کو ابراہیم کہا جاتا ہے۔

(جامع البیان: ج: 17،ص: 51 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کارروائی کرنے والا ظالموں میں سے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب بڑے بت کے سوا سب بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تو قوم نے کہا: ہمارے معبودوں کے ساتھ جس نے یہ کارروائی کی ہے وہ ضرور ظالموں میں سے ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ○ (الانبیاء: 59)

انہوں نے کہا: ہمارے معبودوں کے ساتھ جس نے بھی یہ کارروائی کی ہے وہ بے شک ضرور ظالموں میں سے ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتوں کا ذکر کرتے پانا

قوم کے لوگوں نے کہا: ہم نے ایک نوجوان کو ان بتوں کا ذکر کرتے ہوئے سنا تھا جس کو ابراہیم کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ○ (الانبیاء: 60)

انہوں نے کہا: ہم نے ایک نوجوان کو ان (بتوں) کا ذکر کرتے ہوئے سنا جس کو ابراہیم کہا جاتا ہے۔

بتوں کو توڑنے پر قوم کا اعتراض

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑ دیا تو قوم کے لوگوں نے کہا: ابراہیم (علیہ السلام) کو سامنے لایا جائے سب دیکھ لیں۔ انہوں نے پھر کہا: اے ابراہیم (علیہ السلام) تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کارروائی کی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ○ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ○

(الانبیاء:61،62)

انہوں نے کہا: اس کو لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ سب دیکھ لیں انہوں نے کہا: اے ابراہیم کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کارروائی کی ہے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے دیکھے اور ان کو یہ معلوم ہوا کہ بتوں کو توڑنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں تو انہوں نے آپس میں کہا۔ ان کو لوگوں کے سامنے لاؤ۔

آیت کے دو محمل

اس کے بعد کہا

لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ○

اس کے دو محمل ہیں۔

(1) ایک یہ کہ شاید وہ اس کے خلاف شہادت دیں۔

(2) دوسرا یہ کہ تاکہ وہ دیکھ لیں کہ ان کے بتوں کو توڑنے والے کی کیا سزا دی جاتی ہے تاکہ ان کو عبرت حاصل ہو اور آئندہ کوئی شخص اس کی جرأت نہ کر سکے اور ہو سکتا ہے یہ دونوں معنی مراد ہوں۔

اس بڑے بت سے پوچھ لو

جب قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ سوال کیا کہ کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کارروائی کی ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا بلکہ اسی نے یہ کام کیا ہے۔ ان میں یہ بت بہت بڑا ہے۔ اگر یہ بول سکتا ہے تو پوچھ لو۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ○ (الانبیاء: 63)

فرمایا بلکہ ان کے اس بڑے نے کیا ہوگا تو ان سے پوچھو اگر بولتے ہوں۔

☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے آپ علیہ السلام سے سوال کیا کہ آپ (علیہ السلام) نے ان بتوں کو توڑا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ان کا بڑا یہ ہے تو تم اس سے پوچھ لو اگر یہ بول سکتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بڑے بت کی طرف بولنے کی نسبت کرنا کیوں؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بولنے کی نسبت بڑے بت کی طرف کی کہ اگر یہ بول سکتا ہے تو اس سے پوچھ لو۔ ا

چند وجوہات ہیں۔

(1) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ اس کے فعل کی نسبت حقیقتاً ان کی طرف کی جائے اور انہوں نے اس بڑے بت کے عجز کو ثابت کرنے اور اس کی توہین کرنے کے لئے اس کی طرف نسبت کر دی۔

(2) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس بڑے بت کی طرف توڑنے کی نسبت بہ طور سبب کی ہے کیونکہ آپ علیہ السلام کے غیظ و غضب اور بت توڑنے کا سبب وہ بڑا بت تھا کیونکہ اس کی بہت زیادہ تعظیم اور پرستش کی جاتی تھی تو اس کی پرستش کو باطل کرنے کے لئے آپ علیہ السلام نے ان چھوٹے بتوں کو توڑنے کی نسبت بڑے بت کی طرف کر دی۔

(3) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے مذہب کے اعتبار سے فرمایا یہ کام اسی نے کیا ہے تم اس بڑے بت سے اس فعل کے صادر ہونے کو کیوں عجیب سمجھ رہے ہو اور اس کا کیوں انکار کر رہے ہو جو الوہیت کا مدعی ہو اور جس کی پرستش کی جاتی ہو کیا وہ اتنے سے کام پر قادر نہیں ہے کیا وہ ان چھوٹے بتوں کو نہیں توڑ سکتا۔

(4) جب انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا: اے ابراہیم علیہ السلام! کیا تم نے یہ کام کیا ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: بل فعلہ، اس پر وقف کیا کیونکہ اس پر وقف کی علامت ''ق'' ہے۔ بلکہ اسی نے کہا ہے (یعنی جس کے متعلق تمہارا گمان ہے اسی نے توڑا ہے) ان کا بڑا یہ ہے اسی سے تصدیق کر لو۔

(5) جب انہوں نے سوال کیا اے ابراہیم علیہ السلام! کیا تم نے یہ کارروائی کی ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ''بل فعلہ کبیرہم'' بلکہ یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے۔

لوگ یہ سمجھے کہ آپ بتوں میں سے بڑے بت کہہ رہے ہیں حالانکہ آپ علیہ السلام فرما رہے تھے جو ان میں سے بڑا ہے اس نے کیا ہے اور ان کی قوم میں بڑے خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کیونکہ نبی اپنی امت میں سب سے بڑا ہوتا ہے اور اس معنی پر قرینہ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے کبیرہم فرمایا کبیرہا نہیں فرمایا اگر بتوں کا بڑا مراد ہوتا تو کبیرہا فرماتے کیونکہ بت غیر ذوی العقول ہیں اور چونکہ آپ علیہ السلام کی مراد قوم کا بڑا تھا اس لئے کبیرہم فرمایا اور ہم ضمیر ذوی العقول کے لئے لائی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ ضمیر آپ علیہ السلام ہی کی طرف لوٹ رہی ہے۔

بے شک تم ہی ظالم ہو

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: یہ کام اس بڑے نے کیا ہو گا اگر یہ بول سکتا ہے تو اس سے پوچھ لو تو انہوں نے پھر اپنے نفسوں کی طرف رجوع کیا اور آپس میں بے شک تم ہی ظالم ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (الانبیاء: 64)

پس انہوں نے اپنے نفسوں کی طرف رجوع کیا اور (آپس میں) میں کہا بے شک ظالم تم ہی ہو۔

☆

انہوں نے اپنے آپ کو ظالم کہا۔اس کی چند وجوہات ہیں۔

(1) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ واضح کر دیا کہ بتوں کی عبادت کرنا باطل ہے کیونکہ جو اپنے آپ کو کسی کی مار سے نہیں بچا سکتے وہ سارے جہاں کے خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟

تب ان کو یہ اندازہ ہوا کہ بتوں کی عبادت کر کے وہ اب تک اپنے اوپر ظلم کرتے رہے تھے۔

(2) مقاتل نے کہا:

انہوں نے آپس میں یہ کہا کہ کلہاڑا تو بڑے بت کے اوپر رکھا ہوا ہے تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بتوں کے توڑنے کا الزام لگا کر ان پر ظلم کر رہے ہو۔

(3) تم اپنے بتوں کو اکیلا چھوڑ کر عید کے میلے میں کیوں گئے تھے حتیٰ کہ ابراہیم (علیہ السلام) تمہارے بتوں کو توڑنے پر قادر ہوئے۔

تمہیں معلوم ہے کہ بت بول نہیں سکتے

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کا رد کیا تو قوم نے شرمندگی سے اپنے سر جھکا لئے اور شرمندگی میں کہا کہ تمہیں یہ معلوم نہیں کہ یہ بول نہیں سکتے۔

قرآن مجید میں ہے:

ثُمَّ نُكِسُوا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ○ (الانبیاء: 65)

پھر انہوں نے اپنے سر جھکا لئے۔(اور شرمندگی سے) کہا تمہیں معلوم ہے کہ یہ بول نہیں سکتے۔

☆ بتوں کو توڑے جانے سے جوان کو حیرت اور دہشت ہوئی تھی اس وجہ سے انہوں نے یہ اعتراف کر لیا۔

تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو

جب قوم سے کوئی جواب نہ بن پایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو تم کو نفع بھی نہیں دے سکتے اور نہ ہی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔تو کیا تم عقل سے کام نہیں لے سکتے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّ لَا يَضُرُّكُمْ ○ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (الانبیاء: 66، 67)

فرمایا کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تم کو نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔تف ہے تم پر اور

ان پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو سو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے جواب پر مذمت کی کہ تم ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تم کو نفع دے سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ افسوس ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، کچھ عقل کر لو اور عقل سے کام لو۔

اس کو جلا دو یا قتل کر دو

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو ہر طرف سے لاجواب کر دیا تو قوم نے کہا: اس کو قتل کر دو یا جلا دو۔
قرآن مجید میں ہے:
فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ (العنکبوت: 24)
سو ابراہیم کی قوم کا صرف یہ جواب تھا کہ اس کو قتل کر دو یا اس کو جلا دو۔
☆ جو شخص کسی شخص کے دلائل کا معقولیت کے ساتھ جواب دینے سے عاجز ہو جاتا ہے تو ہمیشہ سے اس کا یہی طریقہ رہا ہے کہ پھر وہ دھمکیوں پر اتر آتا ہے اسی طرح جب فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دلائل سے عاجز آ گیا۔
تو اس نے کہا تھا۔
قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ○ (الشعراء: 29)
فرعون نے کہا: اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود قرار دیا تو میں تم کو قیدیوں میں ڈال دوں گا۔
اسی طرح جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے کفار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلائل سے عاجز ہو گئے تو انہوں نے کہا: اس کو قتل کر دو یا اس کو جلا دو۔
ملاحظہ ہو۔
آج بھی ایسا ہوتا ہے کہ جو فریق دوسرے فریق کا جواب نہیں دے پاتا تو وہ اس کو گالیوں اور عجیب باتیں کرنے پر اتر آتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کا حکم

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو ہر طرح سے لاجواب کر دیا تو ان کے پاس سوائے جلانے کے اور کوئی دلیل نہ تھی۔
قرآن مجید میں ہے:
قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ○ (الانبیاء: 68)
انہوں نے کہا: اس کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم کرنے والے ہو۔

عمارت بناؤ اور بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دو

جب قوم سے کوئی جواب نہ بن سکا تو کہا کہ ان کے لئے عمارت بناؤ اور ان کو بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دو۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ۝ (الصٰفٰت: 97)

انہوں نے کہا: ان کے لئے عمارت بناؤ اور ان کو بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دو۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے سامنے بتوں کی الوہیت کے باطل ہونے پر قوی دلیل پیش کی اور وہ اس دلیل کا جواب دینے پر قادر نہ ہوئے تو انہوں نے آپ علیہ السلام کو ضرر پہنچانے کا طریقہ اختیار کیا اور کہا ان کے لئے ایک عمارت بناؤ اور بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دو۔

عمارت کا طول وعرض

امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی 427ھ اور امام الحسین بن مسعود البغوی المتوفی 518ھ نے روایت کیا ہے کہ

مقاتل نے بیان کیا ہے کہ

انہوں نے کہا: ان کے لئے ایک عمارت بناؤ جس کا طول ہاتھ ہو اور اس کا عرض بیس ہاتھ ہو اور اس کو لکڑیوں سے بھر دو پھر اس میں آگ لگا دو پھر ابراہیم (علیہ السلام) کو اس آگ میں پھینک دو۔

(الکشف والبیان: ج:8، ص:149، معالم التنزیل ج:4، ص:35)

آگ میں ڈالنے کا حکم کس نے دیا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا حکم کس نے دیا۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں ہاں مشہور یہ ہے کہ نمرود بن کنعان نے دیا تھا۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں۔

قرآن مجید میں یہ ذکر نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا حکم کس نے دیا ہے۔

مشہور یہ ہے کہ

یہ حکم دینے والا نمرود بن کنعان بن سنجاریب بن نمروذ بن کوش بن حام بن نوح تھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ فرمایا:

یہ شخص اعراب فارس کے قبیلہ کرد سے تھا۔

وہب بن منبہ سے شعیب الجبائی نے نقل کیا ہے کہ

اس کا نام ہیرین تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین میں دھنسادیا تھا سو وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔

(تفسیر کبیر: ج:8،ص:157 جامع البیان رقم الحدیث:18618)

آگ کے لئے پہاڑ کے دامن میں کفار کا قلعہ بنانا

کفار نے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک گھر میں قید کر دیا پھر ایک بلند پہاڑ کے دامن میں آگ جلانے کے لئے ایک قلعہ بنایا پھر اس میں لکڑیاں ڈال کر آگ جلادی۔

امام عبدالرحمان بن علی بن جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

اہل تفسیر نے ذکر کیا ہے کہ

نمرود اور اس کے کارندوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک گھر میں قید کر دیا پھر ایک بلند پہاڑ کے دامن میں ان کے لئے ایک قلعہ بنایا جس کی دیوار میں 60 ذراع (نوے فٹ) اونچی تھیں اور بادشاہ نے لوگوں میں اعلان کر دیا کہ ابراہیم (علیہ السلام) کو جلانے کے لئے لکڑیاں جمع کرو اور اس کام کو کرنے میں کوئی بچہ یا بوڑھا کوتاہی نہ کرے جو اس کام میں شریک نہ ہوگا اس کو بھی آگ میں جلادیا جائے گا۔ تمام لکڑیاں اس کی دیوار کے برابر کر دی گئیں۔ وہ چالیس دن تک اس مہم میں لگے رہے حتیٰ کہ ان میں سے ایک عورت نذر مانتی تھی کہ اگر میری فلاں مراد پوری ہوگئی تو میں ابراہیم (علیہ اسلام) کی آگ کے لئے لکڑیاں چن کر لاؤں گی پھر جب اس مکان میں تمام لکڑیاں جمع ہوگئیں تو انہوں نے اس مکان سے نکلنے کے لئے تمام راستے بند کر دیئے اور اس میں آگ لگادی۔ اس میں شعلے بھڑکنے لگے۔ اس کی تپش اس قدر زیادہ تھی کہ اس کے اوپر سے فضا میں بھی کوئی پرندہ گزرتا تو جل جاتا تھا۔

(زاد المسیر: ج:5،ص:366 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق کے ذریعے آگ میں ڈالنا

کفار نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق میں رکھ کر آگ میں ڈالا تھا۔

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں پھر انہوں نے اس قلعہ کے لئے ایک بہت بلند جگہ منتخب کی اور اس پر منجنیق نصب کی اور اس کی منجنیق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رکھ دیا اور آپ علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا۔

(زاد المسیر: ج:5،ص:366 مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقدس کلمات

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔

اور عرض کیا۔

اے اللہ عزوجل! تو آسمان پر واحد ہے اور میں زمین پر واحد ہوں اور اس زمین پر میرے سوا کوئی تیری عبادت کرنے والا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔

(زادالمسیر: ج:5، ص:367 مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فرشتوں، آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں کی عرض

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

آسمانوں، زمینوں، پہاڑوں اور فرشتوں نے کہا:

اے ہمارے رب عزوجل! ابراہیم علیہ السلام کو تیرے نام کی سربلندی کی وجہ سے جلایا جارہا ہے تو ہمیں اس کی مدد کرنے کی اجازت دے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

مجھے اس کا خوب علم ہے اگر وہ تم کو مدد کے لئے پکارے تو تم اس کی مدد کرو۔ پھر ان کافروں نے آپ علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا۔

(زادالمسیر: ج:5، ص:367 مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ میں ڈالتے وقت عمر مبارک

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر مبارک سولہ (16) سال تھی۔

اور ایک قول یہ ہے:

آپ علیہ السلام کی عمر اس وقت چھبیس سال تھی۔

(زادالمسیر: ج:5، ص:367 مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں داخل ہوتے وقت کیا کہا؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں داخل ہوتے وقت حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ فرمایا تھا۔

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ

(زادالمسیر: ج:5، ص:367 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جارہا تھا تو ان کا آخری قول یہ تھا۔

حَسْبِیَ اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 4564)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا حاضر ہونا

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جارہا تھا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے اور کہا آپ علیہ السلام کی کوئی حاجت ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: مجھے تم سے کوئی کام نہیں ہے۔

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی 597 لکھتے ہیں:

حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے اور کہا اے ابراہیم (علیہ السلام)!

آپ علیہ السلام کی کوئی حاجت ہے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

مجھے تم سے کوئی کام نہیں ہے۔

(زادالمسیر: ج:5،ص:367 مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)

آپ اپنے رب عزوجل سے سوال کیجئے

حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ اپنے رب عزوجل سے سوال کیجئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اس کو جو میرے حال کا علم وہی کافی ہے۔

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

آپ علیہ السلام اپنے رب عزوجل سے سوال کیجئے۔

آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا

اس کو جو میرے حال کا علم ہے وہی کافی ہے (یعنی الگ سے دعا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔)

(زادالمسیر ج:5،ص:367 مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)

پرندوں کا آگ کی تپش سے جل جانا

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ امام ابن جریر کے حوالے سے لکھتے ہیں اور اس حدیث کو حافظ ابو القاسم علی بن الحسن ابن العساکر المتوفی 571ھ نے بھی روایت کیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے ان کو ایک کمرے میں بند کر دیا اور ان کے لئے لکڑیوں کو جمع کیا۔حتیٰ کہ اگر کوئی عورت بیمار ہوتی تو وہ نذر مانتی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت دی تو میں ابراہیم (علیہ السلام) کو جلانے کے لئے لکڑیاں جمع کروں گی پھر انہوں نے اتنی زیادہ لکڑیاں جمع کر کے آگ جلائی کہ اگر اس کی سمت سے پرندے گزرتے تو آگ کی تپش سے جل جاتے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تو آسمانوں، زمینوں، پہاڑوں اور فرشتوں نے فریاد کی: اے خدا عزوجل! تیرے نام کی سربلندی کی پاداش میں ابراہیم علیہ السلام کو جلایا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مجھے اس کا علم ہے اگر وہ تم کو پکارے تو تم اس کی فریادرسی کرنا

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا

اے خدا عزوجل! تو آسمان میں واحد ہے اور میں زمین میں واحد ہوں اور میرے سوا زمین پر کوئی اور بندہ نہیں ہے جو تیری عبادت کرے۔مجھے اللہ عزوجل کافی ہے اور وہ سب سے اچھا کارساز ہے۔

تب اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا۔

یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ۝ (الانبیاء: 69)

اے آگ تو ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم پر سلامتی والی ہو جا۔

(الدر المنثور: ج: 7، ص: 90 دار احیاء التراث العربی بیروت) (تاریخ دمشق الکبیر: ج: 6، ص: 195، رقم الحدیث: 1650)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کیوں نہ کی

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دعا کے لئے کہا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو جو میرے حال کا علم ہے وہی کافی ہے۔

علامہ شہاب الدین خفاجی احمد بن محمد خفاجی متوفی 1069ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کا معنی یہ ہے کہ اس کو جو میرے حال کا علم ہے وہ کافی ہے اور وہ علم مجھے سوال کرنے سے غنی کر دیتا ہے اور یہ مقام انبیاء کرام علیہم السلام کے دعا کرنے کے منافی نہیں ہے۔ان کا دعا کرنا اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی احتیاج کو ظاہر کرنے کے لئے ہے اور گڑگڑا کر اپنی پیشانی کو ذلت کی مٹی پر رکھنے کے لئے ہے۔

کیونکہ حدیث مبارکہ میں ہے:

اللہ تعالیٰ گڑگڑا کر دعا کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور ہر مقام کی ایک توجیہ کافی ہوتی ہے۔

(عنایۃ القاضی ج:6،ص:456 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

میں کہتا ہوں کہ اس جملہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصیبتوں اور شدائد میں اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرنی چاہیے۔ ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جب انہوں نے ایسی شدائد مصیبت میں اللہ تعالیٰ سے نہ صرف یہ کہ دعا نہیں کی بلکہ دعا کرنے سے بھی منع کر دیا تو کیا ہم بھی مصیبتوں میں دعا نہ کیا کریں؟ حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں اور مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کا انکار کرنا ان کی شان کے لائق نہیں ہے۔ اسی لئے صحیح یہ ہے کہ اس قصہ میں یہ جملہ الحاقی ہے۔ اسی وجہ سے امام ابن جریر اور حافظ جلال الدین سیوطی نے اس قصہ میں اس جملہ کا ذکر نہیں کیا اور قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت زیادہ دعا کرنے والا فرمایا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیْبٌ (ھود: 75)

بے شک ابراہیم متحمل مزاج، بہت گڑگڑا کر دعا کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ متصور ہی نہیں ہے کہ جب ان سے یہ کہا جائے گا کہ آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تو وہ کہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کو میرے حال کا علم ہے تو وہ کافی ہے، دعا کی کیا ضرورت ہے۔ اس کی توجیہ میں کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان کا موقع تھا اس لئے اس موقع پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا نہیں کی کیونکہ اس موقع پر دعا کرنا اس امتحان سے بچنے کے مترادف ہوتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالتے وقت جو کچھ انہوں نے کہا: اس کا ذکر صحیح حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جا رہا تھا تو ان کا آخری قول یہ تھا۔

حَسْبِیَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ ۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 1811)

چھپکلی آگ کو پھونک مارتی تھی

سائبہ بیان کرتی ہیں کہ

وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں تو دیکھا کہ گھر میں ایک جگہ نیزہ رکھا ہوا ہے۔

انہوں نے کہا:

اے ام المومنین آپ رضی اللہ عنہا اس نیزہ کا کیا کرتی ہیں۔

انہوں نے فرمایا:

ہم اس نیزہ سے چھپکلیوں کو مارتے ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ خبر دی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو روئے زمین کا ہر جانور اس آگ کو بجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ماسوا چھپکلی کے وہ آگ میں پھونک مار رہی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مارنے کا حکم دیا۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 3231)

چھپکلی کا آگ بھڑکانا

فاکہہ بن مغیرہ کی باندی بیان کرتی ہیں کہ

میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی تو میں نے ان کے گھر میں ایک نیزہ رکھا ہوا دیکھا۔

میں نے پوچھا:

اے ام المومنین رضی اللہ عنہا! آپ رضی اللہ عنہا اس نیزہ کا کیا کرتی ہیں۔

انہوں نے فرمایا:

ہم اس سے چھپکلیوں کو مارتی ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ حدیث بیان کی کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو چھپکلی کے سوا زمین کا ہر جانور ان کی آگ کو بجھانے کی کوشش کر رہا تھا اور چھپکلی پھونک مار کر اس آگ کو بھڑکا رہی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس کے قتل کا حکم دیا۔

(سنن نسائی: رقم الحدیث: 2885)

چھپکلی کو مارنے پر اجر عظیم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے چھپکلی کو مار دیا اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اس کے دس گناہ مٹا دیئے جائیں گے اور اس کے دس درجات بلند کئے جائیں گے۔

عرض کیا گیا

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کی کیا وجہ ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیونکہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ جلائی گئی تو اس نے آگ جلانے میں مدد کی تھی۔

(تاریخ دمشق الکبیر: ج:6، ص:192 دار احیاء التراث العربی بیروت)

چھپکلی کو پہلی ضرب سے مارنے پر اجر

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
جس شخص نے پہلی ضرب میں چھپکلی کو مار دیا۔ اس کو اتنی اور اتنی نیکیوں کا اجر ملے گا اور جس نے دوسری ضرب میں مارا اس کو اتنی اور اتنی نیکیوں کا اجر ملے گا اور یہ اجر پہلی ضرب سے کم ہو گا اور جس نے اس کو تیسری ضرب میں مارا اس کو اتنا اور اتنا اجر ملے گا اور یہ دوسری بار کے اجر سے کم ہو گا۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2240)

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ
چھپکلی نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آگ کو بھڑکانے کی کوشش کی تاکہ آگ زیادہ بڑھے۔ اس لئے چھپکلی کو مارنے کا حکم فرمایا گیا اور مارنے پر اجر عظیم بھی فرمایا گیا۔

آگ کا سلامتی والی ہو جانا

جب کفار نابکار نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا: اے آگ ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈک اور سلامتی والی ہو جا۔

قرآن مجید میں ہے:
قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ ۝ (الانبیاء: 69)
ہم نے فرمایا۔ اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈک اور سلامتی والی ہو جا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ کے ضرر سے محفوظ

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔
حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے یانار کونی بردا وسلاما علی ابراہیم کی تفسیر میں فرمایا۔
وہ آگ اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی ہوئی کہ ان کو اس سے کوئی ضرر نہیں پہنچا۔
(جامع البیان: رقم الحدیث: 18622)

سلاماً کا مطلب

ابو العالیہ بیان کرتے ہیں کہ
سلاماً کا مطلب یہ ہے کہ
اس کی ٹھنڈک نقصان نہیں دے گی اور اگر اللہ تعالیٰ ''وسلاما'' نہ فرماتا تو اس کی ٹھنڈک آگ کی گرمی سے زیادہ نقصان دہ

ہوتی۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 18629)

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ نعمتیں کس دن تھیں؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ نعمتیں اس دن تھیں جس دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا۔

منہال بن عمرو بیان کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا:

مجھ پر اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ نعمتیں ان دنوں تھیں جب مجھے آگ میں ڈالا گیا تھا۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 18623)

اگر آگ سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی نہ ہوتی تو کیا ہوتا؟

اگر آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی نہ ہوتی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی ٹھنڈک سے فوت ہو جاتے اور دنیا میں جس جگہ بھی آگ تھی وہ بجھ جاتی۔

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

مجاہد نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

اگر وہ آگ سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی نہ ہوتی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی ٹھنڈک سے فوت ہو جاتے اور دنیا میں جس جگہ بھی آگ تھی وہ بجھ جاتی۔

(تفسیر کبیر: 158 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

فرشتوں کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بغلوں سے پکڑ کر اٹھانا

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بغلوں سے پکڑ کر اٹھایا۔

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

سدی نے کہا:

فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بغلوں سے پکڑ کر اٹھایا۔

(تفسیر کبیر: 158 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

آگ میں میٹھے پانی کا چشمہ اور انواع واقسام کے پھول

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آگ سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو گئی اور وہاں میٹھے پانی کا چشمہ تھا اور

انواع واقسام کے پھول تھے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ 606ھ لکھتے ہیں:

وہاں (آگ میں) میٹھے پانی کا چشمہ تھا اور انواع واقسام کے پھول تھے۔

(تفسیر کبیر: ص:58 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

آگ کا صرف زنجیروں اور بیڑیوں کو جلانا

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آگ نے صرف بیڑیوں اور زنجیروں کو جلایا تھا۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

اس آگ نے صرف بیڑیوں اور زنجیروں کو جلایا تھا۔

(تفسیر کبیر: ص:158 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں چالیس یا پچاس دن رہے

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آگ میں آپ علیہ السلام چالیس یا پچاس دن رہے تھے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

منہال بن عمرو نے بیان کیا ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام اس آگ میں چالیس یا پچاس دن رہے تھے؟

(تفسیر کبیر: ص:158 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

سب سے اچھے ایام

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میری زندگی کے سب سے اچھے ایام وہ تھے جو اس آگ میں گزرے تھے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

میری زندگی کے سب سے اچھے ایام وہ تھے جو اس آگ میں گزرے تھے۔

(تفسیر کبیر: ص:158 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

فرشتے کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آکر دل بہلانا

جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے سائے کے فرشتے کو آپ علیہ السلام کے پاس بھیجا تاکہ وہ آپ علیہ السلام کا دل بہلاتا رہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے سائے کے فرشتے کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور آپ علیہ السلام کا دل بہلاتا رہا۔

(تفسیر کبیر: ص: 158 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا جنت سے ریشم کی قمیص لے کر آنا

حضرت جبرائیل علیہ السلام جنت سے ریشم کی قمیص لے کر آپ علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا اے ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آگ میرے محبوب بندوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ علیہ السلام کے پاس جنت سے ریشم کی قمیص لے کر آئے۔

اور کہا

اے ابراہیم علیہ السلام! آپ علیہ السلام کا رب عزوجل فرماتا ہے
کیا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ آگ میرے محبوب بندوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

(تفسیر کبیر: ص: 158 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

نمرود کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو باغ میں بیٹھے ہوئے دیکھنا اور گالیوں کو ذبح کرنا

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ہوتے ہوئے باغ میں بیٹھے تھے تو نمرود نے اپنے قلعہ پر چڑھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ علیہ السلام باغ میں بیٹھے ہوئے ہیں اور اردگرد لکڑیاں جل رہی ہیں تو اس نے چلا کر کہا اے ابراہیم (علیہ السلام)! تم اس آگ سے نکل سکتے ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہاں میں نکل سکتا ہوں تو اس بدبخت نے کہا: پھر آپ علیہ السلام نکل آئیں۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

نمرود نے اپنے قلعہ سے جھانک کر دیکھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام باغ میں بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے اردگرد لکڑیاں جل رہی تھیں۔

پھر نمرود نے چلا کر کہا

اے ابراہیم علیہ السلام! کیا تم اس آگ سے نکل سکتے ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

ہاں

اس نے کہا:

پھر نکل آئیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام چل پڑے حتیٰ کہ اس آگ سے نکل آئے۔

نمرود نے پوچھا:

میں نے آپ علیہ السلام کی صورت میں جو ایک شخص کو آپ علیہ السلام کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا تھا وہ کون تھا؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

وہ سائے کا فرشتہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے میرا دل بہلانے کے لئے بھیجا تھا۔

نمرود نے کہا:

میں نے آپ علیہ السلام کے رب عزوجل کے نزدیک آپ علیہ السلام کی عزت اور وجاہت دیکھی ہے تو میں اس کا تقرب حاصل کرنے کے لئے چار ہزار گایوں کو ذبح کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

جب تک تم اپنے دین پر قائم ہو اللہ تعالیٰ تمہاری قربانی قبول نہیں فرمائے گا۔

نمرود نے کہا:

میں اپنے دین کو چھوڑنا نہیں چاہتا لیکن میں عنقریب گایوں کو ذبح کروں گا پھر اس نے گایوں کو ذبح کیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تعرض کرنا چھوڑ دیا۔

(تفسیر کبیر: ص: 159، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

گڑھا کھودنا اور سات دن آگ جلانا

بعض روایات میں ہے کہ نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے گڑھا کھودا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈال کر سات دن آگ جلائی۔

امام فخر الدین رازی رحمت اللہ علیہ متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

بعض روایات میں ہے کہ

انہوں نے (نمرود) نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے بہت بڑا گڑھا کھودا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس میں ڈال دیا پھر ان پر سات دن تک آگ جلتی رہی پھر اس گڑھے کو پاٹ دیا پھر اگلے دن اس گڑھے کو کھولا تو اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے اور آپ علیہ السلام پر آگ کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ پھر ان سے حضرت لوط علیہ السلام کے باپ ہاران نے کہا: ان پر آگ کا کوئی اثر نہیں ہوگا کیونکہ انہوں نے آگ پر جادو کر دیا ہے لیکن ان کو کسی چیز پر بٹھا کر اس کے نیچے آگ جلاؤ

تو یہ اس کے دھوئیں سے مر جائیں گے تو انہوں نے ایک کنویں کے اندر آگ لگا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کے اوپر بٹھا دیا اس آگ کی ایک چنگاری حضرت لوط علیہ السلام کے باپ ہاران کی داڑھی میں جا گری اور وہ خود جل کر مر گیا۔

(تفسیر کبیر: ص: 159 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

آگ کے ٹھنڈی ہونے کی کیفیت

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کس کیفیت سے ٹھنڈی ہوئی اس میں حسب ذیل اقوال ہیں۔

(1) اللہ تعالیٰ مجھے اس آگ سے جلانے اور تپش کے فعل کو زائل کر دیا تھا اور اس کی روشنی اور چمک کو باقی رکھا تھا۔

(2) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آگ کے درمیان ایک چیز حائل کر دی جس کی وجہ سے آگ کا اثر آپ علیہ السلام تک نہیں پہنچا۔

اللہ تعالیٰ نے آگ سے فرمایا

تو ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی ہو جا

اس کا معنی یہ ہے کہ

خود وہ آگ ٹھنڈی ہو گئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تک اس کا اثر نہیں پہنچا اور وہ آگ اپنی حالت پر باقی نہیں رہی۔

پھر فرمایا

سلاماً

اس کا معنی یہ ہے کہ

جب کوئی چیز بہت زیادہ ٹھنڈی ہو تو وہ آگ کی طرح ہلاک کر دیتی ہے اس لئے فرمایا: وہ اعتدال کے ساتھ ٹھنڈی ہو۔

(3) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جسم میں ایسی کیفیت پیدا کر دی تھی جس کی وجہ سے آگ کی اذیت آپ علیہ السلام کو نہیں پہنچ سکتی تھی۔ جس طرح جہنم کے فرشتوں کو آگ ضرر نہیں پہنچاتی اور جس طرح سمندل ایک کیڑا ہے جو صرف آگ میں زندہ رہتا ہے۔

(تفسیر کبیر ص: 160، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

نمرود و قوم کی ناکامی

نمرود اور قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانا چاہا مگر وہ اس میں ناکام ہو گئے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۝ (الانبیاء: 70)

انہوں نے ابراہیم کے ساتھ ایک چال چلی سو ہم نے ان کو ناکام کر دیا۔

فخرالدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:
انہوں نے ابراہیم کے ساتھ ایک چال چلی سو ہم نے ان کو ناکام کر دیا۔
اس کا معنی یہ ہے کہ
انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام مباحثہ اور مناظرہ کیا اور اس میں وہ مبہوت اور لاجواب ہو گئے پھر انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلانا چاہا لیکن وہ اس میں ناکام ہو گئے۔
(تفسیر کبیر: ص:160، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

آگ کے گلزار ہونے کے معجزہ پر ایمان لانے والے اصحاب مقدس

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ گلزار ہو گئی تو حضرت لوط علیہ السلام اور سارہ رضی اللہ عنہا اس معجزہ کو دیکھ کر آپ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔
تفسیر امام ابن ابی حاتم میں ہے۔
حضرت لوط علیہ السلام کا نام ہے لوط بن ہاران بن آزر، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ گلزار ہو گئی تو ان کا یہ معجزہ دیکھ کر حضرت لوط علیہ السلام ان کی نبوت پر ایمان لے آئے اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا ان کی عم زاد تھیں۔ وہ بھی اس معجزہ کو دیکھ کر آپ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نکاح بھی کر لیا۔
(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:9، ص:3050)

آگ میں ڈالنے کی آزمائش میں مبتلا کرنے کی حکمتیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا اور پھر اللہ تعالیٰ سے اس آگ کو ٹھنڈی اور سلامتی والی بنا دیا گیا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ ابتداً آپ علیہ السلام کے مخالف کفار کو اس پر قدرت نہ دیتا کہ وہ آپ علیہ السلام کو آگ میں ڈالتے یا آگ میں ڈالے جانے سے پہلے کوئی ایسی تدبیر فرما دیتا کہ آپ علیہ السلام اس شہر سے نکل جاتے اور آپ علیہ السلام کے مخالف بت پرستوں کو آپ علیہ السلام پر غلبہ حاصل نہ ہوتا اور وہ آپ علیہ السلام کو گرفتار کر کے اس مکان میں بند نہ کرتے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا اور بت پرستوں کے لئے موقع مہیا کیا کہ وہ آپ علیہ السلام کو اس بہت بڑی آگ میں ڈال دیں۔
اس کی حسب ذیل وجوہات ہیں۔
(1) لوگوں کے سامنے یہ مثال اور نمونہ مہیا کرنا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے مخلص اور مقرب بندے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینے سے نہیں گھبراتے اور توحید کی سربلندی کے لئے ہر امتحان سے سرخرو ہو کر نکلتے ہیں۔
(2) ان کی قوم سورج، چاند ستاروں کی پرستش کرتی تھی اور بعض لوگ آگ کی پرستش کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دکھا دیا

کہ آگ اپنی ذات میں کوئی طاقت نہیں رکھتی نہ اس میں فی نفسہ کوئی تاثیر ہے۔ اس کا جلانا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے وہ چاہے تو اس میں جلانے کی تاثیر ہو گی اور وہ نہ چاہے تو اس میں یہ تاثیر نہیں ہو گی۔ وہ اپنی ذات میں ٹھنڈی نہ گرم ہے وہ جب چاہے اس میں گرمی پیدا کر دے اور جب چاہے اس میں ٹھنڈک پیدا کر دے۔

(3) جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پشت میں موجود تھے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پشت میں موجود تھے تو آگ ان کو کیسے جلا سکتی تھی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک سے واپسی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں جو اشعار پڑھے ان میں یہ اشعار بھی تھا۔

وردت نار الخلیل مستتراً فی صلبه انت کیف یحترق

حضرت خلیل علیہ السلام کی آگ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پوشیدہ طور پر موجود تھے اور جس کی پشت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوں اس کو آگ کیسے جلا سکتی ہے۔

☆ حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ان اشعار کو المستدرک اور دلائل النبوۃ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

(المستدرک ج:3، ص:347، دلائل النبوہ ج:5، ص:268)

اس میں ان اشعار کا ذکر ہے لیکن ان میں مذکور الصدر شعر ذکر نہیں ہے۔ حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جو ان کتابوں کا نسخہ ہو گا ان میں یہ شعر بھی مذکور ہو گا اور ان کتابوں کے ناشر کو جو مخطوطہ ملا ہو گا ان میں یہ شعر مذکور نہیں ہو گا یا کسی وجہ سے طباعت سے رہ گیا ہو گا۔ بہر حال حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے درج ذیل اشعار میں اس شعر کا بھی ذکر ہے۔

(الخصائص الکبریٰ: ج:1، ص:67 دار الکتب العلمیہ بیروت)

(4) حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے تو یہ بھی ظاہر ہوا کہ آگ بھی ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتی ہے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی پشت میں موجود تھے تو آگ آپ علیہ السلام کو کیسے جلا سکتی تھی۔

ہر چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتی ہے اس پر دلیل یہ حدیث مبارکہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر چیز کا علم ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں سوا فاسق جنات اور انسانوں کے۔

(المعجم الکبیر: ج:22، ص:262، رقم الحدیث:672)

(5) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے اور آگ کے آپ علیہ السلام کو ضرر نہ پہنچانے سے یہ ظاہر ہو گیا کہ جس

شخص کا اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان ہو وہ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور کائنات کی کسی چیز سے نہیں ڈرتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس پر ایمان تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ان کو کوئی چیز ضرر نہیں پہنچا سکتی اور موت اپنے وقت مقررہ سے پہلے نہیں آسکتی۔ اس لئے جب آپ علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: ان کو آگ میں ڈال دو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ذرا بھی نہیں گھبرائے اور کسی قسم کے خوف اور پریشانی کا اظہار نہیں کیا۔ اسی طرح حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر زہر کھالیا تھا اور آپ رضی اللہ عنہ کو اس سے کوئی ضرر نہیں پہنچا تھا۔

(الواقیت والجواہر ج:2،ص:488 داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نمرود کا مباحثہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نمرود بدبخت نے مناظرہ کیا۔

جس کو قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۚ (بقرہ: 258)

(اے محبوب) کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے ان کے رب کے متعلق جھگڑا کیا اللہ نے ان کو سلطنت دی تھی۔ جب ابراہیم نے کہا: میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اس نے کہا: میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا: بے شک اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال لے آ تو کافر حیران اور لاجواب ہو گیا اور اللہ ظلم کرنے والے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

زمین پر سب سے پہلا بادشاہ نمرود

زمین پر سب سے پہلا بادشاہ نمرود تھا۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت قتادہ بیان کرتے ہیں کہ

جس شخص کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے رب عزوجل ہونے پر دلیل پیش کی تھی۔ اس کا نام نمرود بن کنعان تھا۔ یہ زمین پر پہلا بادشاہ تھا۔ اس نے بابل میں قلعہ بنایا تھا اور یہ پہلا شخص تھا جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر دلیل قائم ہونے کے بعد زمین پر لاجواب اور حیران ہوا۔

(جامع البیان: ج:3،ص:16 مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت)

نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو طعام دیئے بغیر واپس کر دیا

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ

زمین پر سب سے پہلا بادشاہ نمرود تھا۔لوگ اس کے پاس خوراک طلب کرنے کے لئے جاتے تھے۔ایک دن لوگوں کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اس کے پاس گئے وہ لوگوں سے پوچھتا تھا تمہارا رب کون ہے؟ لوگ کہتے کہ آپ ہیں، حتیٰ کہ جب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو پوچھا تمہارا رب کون ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

جو لوگوں کو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔

اس نے کہا:

میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال، تو وہ کافر حیران اور لاجواب ہو گیا پھر اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو طعام اور خوراک دیئے بغیر واپس کر دیا۔

(جامع البیان: ج:3، ص:16، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

ریت کا طعام بن جانا

زین بن اسلم بیان کرتے ہیں۔

(نمرود سے) واپسی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک ریت کے ٹیلہ سے گزر ہوا۔انہوں نے سوچا کیوں نہ میں کچھ ریت کپڑے میں باندھ کر لے جاؤں تا کہ گھر والوں کو کوئی بندھی ہوئی چیز دیکھ کر تسکین ہو گھر جا کر انہوں نے گٹھڑی کو رکھ دیا۔ اہلیہ نے کھول کر دیکھا تو وہ بہترین طعام تھا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جان لیا کہ یہ طعام انہیں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔

(جامع البیان: ج:3، ص:17، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

نمرود کے خون کو مچھر کا پینا

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس (نمرود) بادشاہ کی طرف فرشتہ بھیجا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے۔اللہ تعالیٰ اسے اس ملک پر (بادشاہ) برقرار رکھے گا۔

نمرود نے کہا: میرے سوا اور کون رب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے پاس تین بار فرشتے کو بھیجا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے لیکن اس نے ہر بار انکار کیا۔

پھر فرشتے نے اس سے کہا۔
تم تین دن کے اندر اپنے سب لوگوں کو جمع کر لو۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر مچھر چھوڑ دیئے۔
مچھروں نے ان لوگوں کا گوشت کھالیا اور خون پی لیا اور وہ لوگ صرف ہڈیوں کا پنجرہ رہ گئے۔
(جامع البیان: ج:3،ص:17 مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

چار سو سال تک نمرود کے سر کو ہتھوڑوں سے کوٹنا اور ہلاک ہونا

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے ایک مچھر اس کے نتھنے کے ذریعے اس کے دماغ میں بھیج دیا چار سو سال تک نمرود کے سر کو ہتھوڑوں سے کوٹا جاتا تھا۔ چار سو سال تک وہ اس عذاب میں مبتلا رہا بالآخر وہ مر گیا۔
(جامع البیان: ج:3،ص:17 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

نمرود نے آسمان کی طرف قلعہ بنایا تھا

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ
(نمرود) یہ وہی پہلا شخص ہے جس نے آسمان کی جانب ایک قلعہ بنایا تھا۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔
"بے شک ان سے پہلے لوگوں نے فریب کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی عمارت بنیادوں سے اکھاڑ دی سو ان پر ان کے اوپر سے چھت گر پڑی اور ان پر وہاں سے عذاب آیا جہاں سے انہیں وہم و گمان بھی نہیں تھا۔"
(جامع البیان: ج:3،ص:18 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

نمرود کا دو آدمی بلا کر ایک کو چھوڑنا اور دوسرے کو مارنا

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:
میرا رب عزوجل وہ ہے جو زندہ کرتا ہے تو نمرود نے اپنی بے وقوفی اس طرح ظاہر کی کہ دو آدمیوں کو بلا کر ایک کو چھوڑ دیا اور دوسرے کو مار دیا۔ اس سے وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ میں بھی مار سکتا ہوں اور زندہ بھی کر سکتا ہوں۔
ربیع بیان کرتے ہیں کہ
جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میرا رب عزوجل وہ ہے جو زندہ کرتا ہے تو نمرود نے دو آدمیوں کو بلایا ایک کو چھوڑ دیا اور دوسرے کو مار دیا۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:
بے شک اللہ عزوجل سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال تو پھر وہ کافر حیران اور لاجواب رہ گیا۔
(جامع البیان: ج:3،ص:18 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

نمرود کی انوکھی چال

نمرود نے جب یہ دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سچے ہیں اور میں جھوٹا ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اپنی قوم کے سامنے رسوا ہو جاؤں، تو اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نکالنے کا حکم دیا۔

ایک طویل روایت میں ہے۔

سعیدی بیان کرتے ہیں کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے نکال کر بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس سے پہلے وہ بادشاہ کے سامنے پیش نہیں ہوئے تھے۔ بادشاہ نے ان سے بات کی۔

اور پوچھا

تمہارا رب کون ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

میرا رب عزوجل وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔

نمرود نے کہا:

میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔

اس نے چار آدمیوں کو بلایا۔ ان کا کھانا پینا بند کر دیا جب وہ بھوک سے مرنے گئے تو اس نے ان میں سے دو آدمیوں کو کھلایا اور پلایا وہ زندہ رہے اور باقی دو کو بدستور بھوکا رکھا وہ مر گئے۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جانا اس کو اپنی سلطنت میں اقتدار حاصل ہے اور وہ اس طرح کے کام کر سکتا ہے۔

تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

میرا رب عزوجل سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال دے۔ یہ سن کر وہ حیران اور لاجواب ہو گیا۔

اس نے کہا:

یہ شخص مجنون ہے۔ اس کو لے جاؤ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اس نے تمہارے خداؤں پر جرأت کی اور انہیں توڑ دیا اور آگ اس کو جلا نہیں سکی اور نمرود کو یہ ڈر تھا کہ وہ اپنی قوم کے سامنے رسوا ہو جائے گا پھر اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نکالنے کا حکم دیا۔

(جامع البیان: ج:3، ص:18، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

نمرود اور قوم کی ہلاکت

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ اور امام ابن جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

زید بن اسلم نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے اس ظالم بادشاہ (نمرود) کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جو اس کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا حکم دیتا تھا۔ نمرود نے اس کی دعوت کا انکار کیا۔ پھر دوسری بار بھیجا پھر انکار کیا پھر تیسری بار بھیجا پھر انکار کیا۔

پھر اس فرشتہ نے کہا:

تم اپنا لشکر جمع کرو میں اپنا لشکر جمع کرتا ہوں۔

سو نمرود نے اپنے حواریوں اور سپاہیوں کا لشکر جمع کیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف مچھر بھیجے جن کی دھوپ کی وجہ سے انہوں نے نہیں دیکھا پھر اللہ تعالیٰ نے وہ مچھر ان پر مسلط کر دیے۔ مچھروں نے ان کا خون پی لیا اور ان کا گوشت کھا گئے اور جنگل میں صرف ان کی ہڈیاں پڑی رہ گئیں۔ ایک مچھر نمرود کے نتھنے کے راستہ سے اس کے دماغ میں داخل ہو گیا اور چار سو سال تک وہ اس عذاب میں مبتلا رہا۔ اس عرصہ میں اس کے سر پر ہتھوڑے مارے جاتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہلاک کر دیا۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:244 مطبوعہ دار الفکر بیروت)
(المنتظم لابن الجوزی ج:1، ص:179 دار الفکر بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سلامتی کے ساتھ آگ سے باہر تشریف لے آئے تو حضرت لوط علیہ السلام آپ علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور پھر آپ علیہ السلام نے ہجرت کی۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ (العنکبوت: 26)

سو لوط ان پر ایمان لے آئے اور ابراہیم نے کہا: میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں بے شک وہی بہت غلبے والا ہے۔ حکمت والا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

میں اپنے رب عزوجل کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔

اس کا معنی ہے۔

میں اپنے رب عزوجل کے حکم سے ہجرت کر رہا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کے وقت عمر

علامہ قرطبی وغیرہما نے لکھا ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پچھتر (75) سال کی عمر میں ہجرت کی تھی۔

(الجامع لاحکام القرآن، ص:255، ج:7 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کیوں کی

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے وطن کے لوگوں کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو پھر آپ علیہ السلام نے ہجرت فرمائی۔ آپ علیہ السلام کا وطن کوفہ کے مضافات میں تھا اس کا نام کوثی تھا۔ وہاں سے آپ علیہ السلام نے حران کی طرف ہجرت کی پھر شام کی طرف ہجرت کی۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

آپ علیہ السلام نے کوثی سے حران کی طرف ہجرت کی پھر شام کی طرف ہجرت کی۔

(الجامع لاحکام القرآن، ص:255، ج:7 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حران سے فلسطین کی طرف ہجرت

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے حران کی طرف ہجرت کی پھر فلسطین کی طرف ہجرت کی۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

کلبی نے کہا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حران سے فلسطین کی طرف ہجرت فرمائی اور آپ علیہ السلام کفر کی زمین سے سب سے پہلے ہجرت کرنے والے ہیں۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:7، ص:255 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کرنے والے

امام ابن اسحاق نے بیان کیا کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب ہجرت کی تو ان کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام بھی تھے اور ان کی عمرزاد حضرت سارہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں جس سے انہوں نے نکاح کر لیا تھا۔ وہ پہلے حران میں گئے پھر وہاں سے ہجرت کر کے مصر میں پہنچے وہاں فراعنہ مصر میں ایک فرعون تھا اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا آپ علیہ السلام کی حکم عدولی نہیں کرتی تھیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو عزت دی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 17251)

راستے میں ظالم بادشاہ کا حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں پوچھنا

ایک طویل حدیث میں یہ واقعہ ذکر ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو لے کر سفر کر رہے

تھے تو راستے میں ظالم بادشاہ کے ملک سے گزر ہوا تو کسی نے اس ظالم بادشاہ کو کہا کہ یہاں ایک شخص آیا ہے اس کی بیوی بہت خوبصورت ہے۔ اس ظالم بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلا کر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں پوچھا۔ اس واقعہ کا ذکر اس طویل حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوائے تین باتوں کے کوئی ایسی بات نہیں کی جس کو لوگوں نے جھوٹ سمجھا ہو۔

ان تین میں سے دو کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔

ایک ان کا قول یہ ہے۔

میں بیمار ہونے والا ہوں۔ (الصفت:89)

دوسرا آپ علیہ السلام کا یہ قول ہے۔

بلکہ یہ کام ان کے اس بڑے نے کیا ہے۔ (الانبیاء:63)

ایک دن آپ علیہ السلام اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سفر کر رہے تھے وہ ایک ظالم بادشاہ کے ملک میں گئے۔

اس بادشاہ کو بتایا گیا کہ

یہاں ایک شخص آیا ہے اس کی بیوی تمام لوگوں سے زیادہ حسین ہے۔

اس بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلوا کر پوچھا۔

یہ عورت کون ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

یہ عورت میری (دینی) بہن ہے۔

پھر آپ علیہ السلام حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔

اور ان سے فرمایا

اے سارہ (رضی اللہ عنہا)! اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا اور کوئی مومن نہیں ہے اور اس بادشاہ نے مجھ سے تمہارے متعلق سوال کیا تھا تو میں نے اس کو بتایا کہ تم میری (دینی) بہن ہو۔ سو تم میرے بیان کی تکذیب نہ کرنا۔

اس بادشاہ نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو بلوایا۔

جب اس نے بری نیت سے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا پر ہاتھ ڈالنا چاہتا تو اس کا ہاتھ مفلوج ہو گیا۔

اس نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے کہا

تم اللہ تعالیٰ سے میرے لئے دعا کرو۔ میں تم کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے دعا کی تو اس کا ہاتھ ٹھیک ہوگیا۔ اس نے دوسری بار بری نیت سے ہاتھ بڑھایا تو پھر اس کا ہاتھ مفلوج ہوگیا۔

اس نے کہا:

تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو میں تم کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے دعا کی تو اس کا ہاتھ ٹھیک ہوگیا۔ پھر اس نے بعض پہرے داروں کو بلایا اور ان سے کہا: تم میرے پاس کسی انسان کو نہیں لائے بلکہ جنیہ عورت کو لے آئے ہو۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3358) (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2371)

ظالم بادشاہ کا حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بطور خدمت دینا

جب ظالم بادشاہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو بری نیت سے ہاتھ لگاتا تو اس کا ہاتھ مفلوج ہوجاتا پھر وہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے عرض کرتا کہ آپ (رضی اللہ عنہا) میرے لئے دعا کریں کہ میرا ہاتھ ٹھیک ہوجائے تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے اس کے لئے دعا کی اور ہاتھ ٹھیک ہوگیا پھر اس نے اپنے بعض پہرہ داروں کو بلایا اور کہا کہ تم کسی انسان کو میرے پاس نہیں لے آئے بلکہ تم جنیہ کو لے آئے ہو پھر اس نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بطور خدمت دے دی۔

حدیث مبارکہ کے آخر میں ہے۔

پھر اس نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بطور خدمت دے دی۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں وہ اس وقت کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔

انہوں نے ہاتھ کے اشارہ سے فرمایا۔

کیا ہوا؟

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے بتایا۔

اللہ تعالیٰ نے کافر کی سازش کو خود اس پر الٹ دیا۔

اس نے ہاجر بطور خادمہ ہدیہ کردی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

اے زمزم کے بیٹو! وہ تمہاری ماں ہیں۔

(صحیح بخاری: رقم الحدیث: 3358، صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2371، سنن الترمذی: رقم الحدیث: 3166)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد دینی بہن تھی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی 855ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

انہوں (حضرت ابراہیم علیہ السلام) نے اپنی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو جو فرمایا تھا یہ میری بہن ہے اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ یہ میری دینی بہن ہے۔

(عمدۃ القاری: ج:15، ص:342 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ظالم بادشاہ کا زمین میں دھنس جانا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:

یہ ظالم بادشاہ مصر کے فراعنہ میں سے پہلا فرعون تھا اور بہت عرصہ تک زندہ رہا۔

بعض احادیث مبارکہ میں ہے کہ

جب اس نے بری نیت سے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ زمین میں دھنس گیا۔

اور بعض روایات میں ہے کہ

اس کا پورا ہاتھ سینہ تک سوکھ گیا تھا۔

(عمدۃ القاری: ج:15، ص:345 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

سب سے اول مہاجر

حضرت ابراہیم علیہ السلام سب سے اول مہاجر ہیں جن کی تصریح اس آیت کی تشریح میں ملتی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ○ (الصفت: 99)

اور ابراہیم نے کہا: میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ

جس جگہ اسلام کے دشمن لوگ زیادہ ہوں اور ایمان واسلام پر قائم رہنے کی وجہ سے انسان کی جان، انسان کی عزت اور اس کا مال خطرہ میں اس پر وہاں ہجرت کرنا واجب ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے وطن کے لوگوں سے شدید عداوت اور خطرہ محسوس کیا تو آپ علیہ السلام نے عراق سے شام کی طرف ہجرت کرنے کا قصد فرمالیا۔

قرآن مجید کی یہ آیت ہجرت اور ایام فتنہ کی عزت نشینی کی اصل ہے اور جس شخص نے اس پر سب سے پہلے عمل کیا وہ حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں جب اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو نمرود کی جلائی ہوئی آگ سے نجات دی۔

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

میں اپنے رب عزوجل کی طرف جانے والا ہوں۔

یعنی اپنی قوم اور اپنے وطن سے ہجرت کر کے اس جگہ جانے والا ہوں جہاں میں آسانی کے ساتھ اپنے رب عزوجل کی

عبادت کرسکوں، عنقریب میرا رب عزوجل میری اس چیز کی طرف رہنمائی فرمائے گا جس کا میں نے نیک نیتی سے قصد کیا ہے
مقاتل نے کہا:
حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت سارہ
رضی اللہ عنہا کے ساتھ عراق سے ارض مقدسہ یعنی شام اور فلسطین کی طرف ہجرت کا قصد کیا۔
ایک قول یہ ہے:
انہوں نے حران کی طرف ہجرت کی تھی اور ایک مدت تک وہاں رہے تھے۔
(الجامع الاحکام القرآن جز:15،ص:89)

عزلت نشینی کے فضائل

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
ایک اعرابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔
اور اس نے عرض کی۔
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
لوگوں میں سب سے اچھا شخص کون سا ہے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
وہ شخص جو اپنی جان اور مال سے جہاد کرتے اور وہ شخص جو پہاڑ کی گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں چلا جائے۔ وہاں اپنے
رب عزوجل کی عبادت کرے اور لوگوں کو شر کی وجہ سے ان کو چھوڑ دے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث:2786)
اور ایک حدیث مبارکہ میں ہے:
حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ مسلمان شخص کا سب سے بہترین مال ایک بکری ہوگی جس کے ساتھ وہ پہاڑ کی چوٹیوں اور
بارش نازل ہونے کی جگہوں پر جائے گا۔ اپنے دین کو بچانے کے لئے فتنوں کے شر سے بھاگے گا۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث:19)
ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اے لوگو! تم کو فتنے اس طرح ڈھانپ لیں گے جس طرح اندھیری رات میں اوپر تلے اندھیرے آتے ہیں۔ اس زمانہ میں سب سے زیادہ نجات یافتہ وہ شخص ہوگا جو (جنگل میں) اپنی بکریوں کے دودھ پر گزارہ کرے یا وہ شخص دروازہ سے باہر اپنے گھوڑے کی لگام پکڑ کر جائے اور اپنی تلوار سے کھائے۔

(مصنف عبدالرزاق: رقم الحدیث: 20928 دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت کرز بن علقمہ الخزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے پوچھا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اسلام (کے درجات) کی کوئی انتہا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہاں عرب یا عجم کے جس گھر والوں کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتا ہے ان کے اوپر اسلام کو داخل فرما دیتا ہے پھر اس طرح فتنے برپا ہوں گے گویا کہ وہ سائبان ہیں۔

اور ارشاد فرمایا

کیوں نہیں! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم ان فتنوں میں لوٹ جاؤ گے کہ سانپ ڈسنے کے لئے پھن اٹھائے کھڑا ہو تم میں سے بعض، بعض کی گردنوں پر وار کریں گے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ

تم میں سے سب سے افضل وہ مومن ہوگا جو پہاڑوں کی گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں عزلت نشین ہوگا وہ اپنے رب عزوجل سے ڈرتا ہوگا اور لوگوں کو ان کے شر کی وجہ سے چھوڑ دے گا۔

(مسند احمد: ج:3، ص:377)

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی 544ھ لکھتے ہیں:

ان احادیث میں لوگوں سے الگ اور علیحدہ ہو کر گوشہ نشینی کی فضیلت ہے اور ان احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ آپ کے بعد فتنے رونما ہوں گے تو اس وقت لوگوں سے میل جول رکھنے کی بہ نسبت ان سے علیحدہ ہو کر گوشہ نشینی میں فضیلت ہے۔ خصوصاً جو لوگ جہاد کرنے پر قدرت نہ رکھتے ہوں یا وہ زمانہ جہاد کا نہ ہو یا مسلمان کو اس کے علوم سے استفادہ کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ ان احادیث مبارکہ میں پہاڑوں کی گھاٹیوں کا ذکر کیا ہے اور خصوصاً ان جگہوں پر جانا مراد نہیں ہے ان کا ذکر اس لئے فرمایا ہے کہ عام طور پر عزلت نشینی کے لئے لوگ ایسی جگہوں پر جاتے ہیں کیونکہ عموماً ایسے مقامات پر

لوگوں کا اجتماع نہیں ہوتا۔ایک اور حدیث مبارکہ میں گھر میں گوشہ نشینی رہنے کی ہدایت فرمائی ہے۔
(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج: ص:310 دار الوفاء بیروت)
حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نے عرض کی
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نجات کس طرح ہوگی۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اپنی زبان پر قابو رکھو اور اپنے گھر میں رہو اور اپنی خطاؤں پر روؤ۔
(سنن الترمذی، رقم الحدیث:2406)

علامہ شرف الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ شرف الدین نووی متوفی 676ھ لکھتے ہیں:
ان احادیث مبارکہ میں ان علماء کی دلیل ہے جو لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے پر عزلت نشینی کو ترجیح دیتے ہیں اور اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف مشہور ہے۔
امام شافعی اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ
اگر فتنہ سے سلامتی کی توقع ہو تو گوشہ نشین رہنے کی بہ نسبت لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا افضل ہے۔
اور بعض علماء کا نظریہ یہ ہے کہ
عزلت نشینی افضل ہے۔
اور جمہور علماء کرام نے ان احادیث کا یہ جواب دیا ہے کہ فتنہ کے زمانہ میں عزلت نشینی افضل ہے اور ان احادیث مبارکہ کا یہی محمل ہے یا یہ احادیث مبارکہ ان لوگوں کے لئے ہیں جو لوگوں کے ضرر سے محفوظ نہ رہ سکیں یا جو لوگ فتنہ بازوں کے ضرر پر صبر نہ کرسکیں۔
انبیاء کرام علیہم السلام جمہور صحابہ کرام وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین، علماء کرام اور زہاد وغیرہم لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتے تھے اور اجتماعی منافع کو حاصل کرتے تھے، پانچوں نمازیں باجماعت پڑھتے تھے اور جمعہ، نماز جنازہ اور عیدین پڑھتے تھے۔مریضوں کی عیادت کرتے تھے۔وعظ ونصیحت کرتے اور ذکر کی مجالس میں شریک ہوتے تھے۔
(صحیح مسلم بشرح النواوی ج:8، ص:5230 مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ نقل کرتے ہیں کہ

علامہ کرمانی متوفی 786ھ نے کہا:

ہمارے زمانہ میں مختار یہ ہے کہ انسان گوشہ تنہائی میں رہے کیونکہ بہت کم مجلسیں گناہوں سے خالی ہوتی ہیں۔ (علامہ عینی فرماتے ہیں) میں بھی اس قول کے موافق ہوں کیونکہ اس زمانہ میں لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا صرف برائیوں میں مبتلا ہونے کا سبب ہے۔

ان احادیث مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ

فتنوں سے احتراز کرنا چاہئے اور متقدمین کی ایک جماعت فتنوں کے خوف سے اپنے وطن سے نکل گئی، حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنہ کے زمانہ میں مدینہ سے نکل کر ربذہ میں چلے گئے تھے اور ان احادیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی کہ آخر زمانہ میں لوگوں میں فتنہ وفساد ہوگا اور ایسا ہی ہوا۔

(عمدۃ القاری: ج: 1، ص: 264 دار الکتب العلمیہ بیروت)

اے مسلمانو!

اس دور میں سوچئے کہ کس قدر فتنوں کا عروج ہے اور عورت اس زمانہ میں سب سے بڑا فتنہ ہے، بازاروں میں روڈوں پر نہ جانے کس کس قسم کا لباس پہن کر عجیب قسم کی شکل وصورت بنا کر ہماری نوجوان مرد نسل کو تباہ وبرباد کر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں جملہ فتنوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین

سرزمین شام برکت والی

اللہ تعالیٰ نے سرزمین شام کو برکت کی زمین فرمایا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ۝ (الانبیاء: 71)

اور ہم نے ابراہیم کو اور لوط کو نجات دے کر اس سرزمین کی طرف لے گئے جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لئے برکت فرمائی تھی۔

سرزمین شام برکت والی کس طرح؟

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے:

حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام دونوں سرزمین شام میں تھے، اسی سرزمین کو ارض محشر بھی کہا جاتا ہے۔ قیامت کے دن تمام لوگ یہیں پر جمع ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام بھی یہیں پر آسمان سے اتریں گے اور دجال کذاب بھی یہیں پر ہلاک ہوگا۔

ہمیں قلابہ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نے خواب میں دیکھا کہ فرشتے کتابوں کا ڈھیر اٹھا کر لائے اور اس کو شام میں لاکر رکھ دیا۔ میں نے اس کی یہ تعبیر لی کہ جب فتنے پھیل جائیں گے تو ایمان شام میں ہوگا۔

اور ہم سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا۔

ایک جماعت شام میں ہوگی اور ایک جماعت عراق میں ہوگی اور ایک جماعت یمن میں ہوگی۔

ایک شخص نے عرض کیا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لئے ان میں سے کسی جگہ کو منتخب کردیجئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم شام میں رہنا کیونکہ اللہ تعالیٰ میرے لئے شام کا اور وہاں کے رہنے والوں کا ضامن ہوگیا ہے۔

اور ہم کو بیان کیا گیا ہے کہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

اے کعب رضی اللہ عنہ! تم مدینہ سے کیوں منتقل ہورہے ہو، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی جگہ ہے۔ یہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار مبارک ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا:

اے امیر المومنین! میں نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب (تورات) میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سرزمین میں شام کا خزانہ ہے اور اس کے پسندیدہ بندے بھی وہیں ہیں۔

(جامع البیان: رقم الحدیث:18635)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے رب عزوجل کی طرف ہجرت

امام ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل کی طرف ہجرت کی اور ان کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام بھی گئے اور آپ علیہ السلام نے اپنی عم زاد حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا وہ اپنے دین، اپنے رب عزوجل کی عبادت اور اپنی جان اور عزت کی حفاظت کرتے ہوئے نکلے۔ حتیٰ کہ حران میں ٹھہرے اور جب تک اللہ عزوجل نے چاہا وہاں رہے پھر آپ علیہ السلام ہجرت کر کے مصر چلے گئے پھر مصر سے شام واپس چلے گئے اور فلسطین میں ٹھہرے اور حضرت لوط علیہ السلام المؤتفکہ

میں ٹھہرے جو وہاں سے ایک دن رات کی مسافت پر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی بنا کر بھیجا۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 18638)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زمینوں اور آسمانوں کی بادشاہی دکھانا

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زمینوں اور آسمانوں کی بادشاہی دکھائی اس لئے کہ آپ علیہ السلام کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ○ (الانعام: 75)

اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی دکھائی اور اس لئے کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔

سات زمین و آسمان کا دیکھنا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ

حضرت ابراہیم کے لئے سات آسمان کھل گئے حتیٰ کہ عرش بھی۔ پھر انہوں نے ان کو دیکھ لیا اور ان کے لئے سات زمینیں کھل گئیں اور انہوں نے ان کو بھی دیکھ لیا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج:4،ص:1326)

بندے کو زنا کرتے ہوئے دیکھنا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

عطاء بیان کرتے ہیں کہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمان کے ملک کے اوپر اٹھایا گیا تو انہوں نے ایک بندے کو زنا کرتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے اس کے خلاف دعا کی وہ ہلاک ہو گیا۔ انہیں دوبارہ اٹھایا گیا۔ انہوں نے پھر ایک بندے کو زنا کرتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے اس کے خلاف دعا کی وہ ہلاک ہو گیا۔ انہیں پھر اٹھایا گیا، انہوں نے پھر ایک بندے کو زنا کرتے ہوئے دیکھا انہوں نے پھر اس کے خلاف دعا کی تو ان کو ندا کی گئی۔

اے ابراہیم علیہ السلام!

ٹھہرو! تم مستجاب بندے ہو اور میرے اپنے بندہ کے ساتھ تین معاملات ہیں۔

(1) یا تو وہ مجھ سے توبہ کرے تو میں اس کی توبہ کو قبول فرماؤں گا۔
(2) یا میں اس سے نیک اولاد پیدا کروں گا۔
(3) یا بدکاری میں اس کو ڈھیل دوں گا پھر میں اس کو دیکھ لوں گا۔
(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:4،ص:1326)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رزق اپنی انگلی میں کیسے رکھا گیا؟

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔
حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے:
ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک ظالم بادشاہ سے بھاگ کر ایک سرنگ میں چھپ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رزق ان کی انگلیوں کے پوروں میں رکھ دیا۔ جب بھی وہ اپنی انگلی کو چوستے تو ان کو رزق مل جاتا۔ جب وہ اس سرنگ سے باہر آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمانوں کی حکومت دکھائی۔ ان کو سورج اور چاند اور ستارے اور بادل اور ایک عظیم مخلوق دکھائی اور ان کو زمین کی ایک حکومت دکھائی تو ان کو پہاڑ، سمندر، دریا، درخت اور ہر قسم کے جانور اور ایک عظیم مخلوق دکھائی۔
(تفسیر ابن ابی حاتم: ج:4،ص:1327)

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر تمام امور کے ظاہر و باطن منکشف ہونا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔
ملکوت کی زیادہ بہتر تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان اور زمین کا ملک دکھایا اور جو چیزیں ان میں پیدا کی گئی ہیں مثلاً سورج، چاند، ستارے اور جانور وغیرہ اور ان کے لئے تمام امور کے ظاہر اور باطن منکشف کر دیئے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا۔
اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے تمام امور کے ظاہر و باطن منکشف کر دیئے اور مخلوق کے اعمال میں سے کوئی عمل ان سے مخفی نہیں رہا اور جب وہ گناہ کرنے والوں پر لعنت کرنے لگے۔
تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
تم اس کی طاقت نہیں رکھتے اور ان کو پہلی کیفیت پر لوٹا دیا۔
(تفسیر ابن ابی حاتم: ج:4،ص:1327)

اے رب عزوجل! مجھے دکھا تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ
اے خالق باری تعالیٰ مجھے دکھا تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کیا آپ کو یقین نہیں، عرض کیا

کیوں نہیں۔

مگر تا کہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ چار پرندے لو اور ان کو خود سے مانوس کر لیں پھر ان کو ذبح کر کے ان کے جسم کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دیجئے پھر انہیں بلایئے وہ آپ کے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے۔

قرآن مجید میں یوں ذکر فرمایا گیا ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ۠ (البقرہ: 260)

اور (یاد کیجئے) جب ابراہیم نے کہا: اے میرے رب! مجھے دکھا تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا۔ اللہ نے فرمایا کیا آپ کو یقین نہیں، عرض کیا کیوں نہیں! مگر تا کہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔ فرمایا چار پرندے لیں اور ان کو خود سے مانوس کر لیں۔ (پھر ان کو ذبح کر کے) ان کے جسم کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دیجئے پھر انہیں بلایئے وہ آپ کے پاس دوڑتے ہوئے آ جائیں گے اور یقین رکھئے اللہ بہت غالب، بڑی حکمت والا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مردہ گدھا پڑا ہوا دیکھنا

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام راستہ سے گزر رہے تھے۔

انہوں نے دیکھا کہ

راستہ میں ایک مردہ گدھا پڑا ہوا ہے جس کا گوشت نوچ نوچ کر کے درندے اور پرندے کھا رہے ہیں۔ جب درندے چلے گئے اور پرندے اڑ گئے اور اس مردہ گدھا کی صرف ہڈیاں بچ گئیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تعجب ہوا۔

آپ علیہ السلام کہنے لگے۔

اے میرے رب عزوجل! مجھے یقین ہے کہ تو اس گدھے کو درندوں اور پرندوں کے پیٹوں سے جمع کرے گا۔

اے میرے رب عزوجل! تو مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

کیا آپ کو اس پر کامل یقین نہیں ہے۔

کہا

کیوں نہیں! لیکن خبر معائنہ کی طرح نہیں ہے۔

(جامع البیان: ج:3، ص:33 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

پرندوں کو زندہ فرمانا

تفسیر قرطبی میں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فرمائش پر فرمان باری تعالیٰ ہوا کہ آپ چار پرندے لے لو اور انہیں اپنے ساتھ خوب مانوس کرلو پھر انہیں ذبح کر کے ان کا قیمہ آپس میں ملا کر مختلف پہاڑوں پر رکھ دو اور پھر انہیں آواز دو۔ ان میں ہر ایک اپنی پہلی والی صورت میں بن کر تمہارے پاس آجائے گا چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار پرندے لئے۔

ایک قول یہ ہے:

وہ مور، مرغ، کبوتر اور کوا تھے۔

آپ علیہ السلام نے انہیں بحکم الٰہی عزوجل ذبح فرمایا، ان کے پیر اکھاڑے اور قیمہ کر کے ان کے اجزاء باہم ملا دیئے اور اس مجموعہ کے کئی حصے کر کے ایک ایک حصہ ایک ایک پہاڑ پر رکھ دیا اور سب کے سر اپنے پاس محفوظ رکھ دیئے۔ پھر آپ علیہ السلام نے ان پرندوں کو آواز دیکر اپنی طرف بلایا۔ آپ علیہ السلام کے بلاتے ہی حکم الٰہی سے وہ اجزاء اڑے اور ہر ہر جانور کے اجزاء علیحدہ علیحدہ ہو کر اپنی ترتیب سے جمع ہوئے اور پرندوں کی شکلیں بن کر اپنے پاؤں سے دوڑتے ہوئے آپ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور اپنے اپنے سروں سے مل کر ویسے ہی پہلے کی طرح مکمل ہو گئے۔

(تفسیر قرطبی سورہ بقرہ، تحت الایہ 260، ص:228، ج:2 جزء ثالث)

کن چار پرندوں کو زندہ فرمایا

جن پرندوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کر کے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور پھر ان کو زندہ کیا اس کی تفسیر میں امام ابن جریر نے روایت کیا ہے کہ وہ چار پرندے مرغ، مور، کوا اور کبوتر تھے۔

چنانچہ امام ابن جریر روایت کرتے ہیں کہ

مجاہد نے بیان کیا ہے کہ

یہ چار پرندے مرغ، مور، کوا اور کبوتر تھے۔

(جامع البیان: ج:3، ص:35 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مردہ آدمی کو دیکھنا

تفسیر خازن میں ہے:

سمندر کے کنارے ایک آدمی مرا ہوا پڑا تھا۔ سمندر کا پانی چونکہ چڑھتا اترتا رہتا چنانچہ جب پانی چڑھا تو مچھلیوں نے اس

لاش کو کھایا اور جب پانی اترا تو جنگل کے درندوں نے کھایا اور جب درندے چلے گئے تو پرندوں نے کھایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ ملاحظہ فرمایا تو آپ علیہ السلام کو شوق ہوا کہ آپ علیہ السلام ملاحظہ فرمائیں کہ مردے کس طرح زندہ کئے جائیں گے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا۔

اے اللہ عزوجل! مجھے یقین ہے کہ تو مردوں کو زندہ فرمائے گا اور ان کے اجزاء دریائی جانوروں اور درندوں کے پیٹ اور پرندوں کے پیٹوں سے جمع فرمائے گا لیکن میں یہ منظر دیکھنے کی آرزو رکھتا ہوں۔

مفسرین کرام کا ایک قول یہ بھی ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا تو حضرت ملک الموت علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے اذن و اجازت سے آپ علیہ السلام کو یہ بشارت سنانے آئے۔ آپ علیہ السلام نے بشارت سن کر اللہ تعالیٰ کی حمد کی۔

اور ملک الموت علیہ السلام سے فرمایا:

اس خلت یعنی خلیل بنائے جانے کی نشانی کیا ہے۔

انہوں نے عرض کیا

دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کی دعا کو قبول فرمائے گا اور آپ علیہ السلام کے سوال پر مردے زندہ کرے گا۔

تب آپ علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ

اے اللہ عزوجل! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

کیا تمہیں اس پر یقین نہیں۔ اللہ عزوجل عالم الغیب والشہادۃ اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کمال ایمان و یقین کا علم ہے۔ اس کے باوجود یہ سوال فرمایا:

کیا تجھے یقین نہیں۔

اس لئے ہے کہ سامعین کو سوال کا مقصد معلوم ہو جائے اور وہ جان لیں کہ یہ سوال کسی شک و شبہ کی بناء پر نہ تھا۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی۔

یقین کیوں نہیں! لیکن میں چاہتا ہوں کہ یہ چیزیں آنکھوں سے دیکھوں تا کہ میرے دل کو قرار آجائے اور خلیل بنائے جانے والی صورت پر معنی یہ ہوں گے کہ اس علامت سے میرے دل کو تسکین ہو جائے کہ تو نے مجھے اپنا خلیل بنایا۔

(خازن، تحت الآیۃ کریمہ، ج:1، ص:304)

پرندوں کو زندہ کرنے میں نصیحت آموز مدنی پھول

علامہ بیضاوی نے لکھا ہے کہ

بعض روایات میں کبوتر کی جگہ گدھ کا ذکر ہے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ نفس انسانی کو حیات ابدیہ اس وقت حاصل ہوگی جب وہ اپنی شہوات اور حسن وزیبائش کو ذبح کردے جو مور کی صفت ہے اور دوسروں پر حملہ کرنے کے جذبہ کو فنا کردے جو مرغ کی صفت ہے اور نفس کی خساست اور گھٹیاپن کو دور کردے جو کوے کی صفت ہے اور اپنی خواہشات کو جلدی پورا کرنے کی عادت دور کردے جو کبوتر کی صفت ہے۔

روایت ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ ان پرندوں کو ذبح کردیں۔ ان کے پر نوچ لیں اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے ان کو خلط ملط کردیں۔ پھر ان منتشر اجزاء کو مختلف پہاڑوں پر ڈال دیں پھر ان کو بلائیں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو بلایا تو وہ اجزاء متمیز ہوئے اور ہر جسم کے اجزاء آپس میں مل گئے اور اخیر میں ان کے ساتھ ان کا سر جڑ گیا۔

اس میں یہ اشارہ ہے کہ

اگر انسان حیات ابدیہ چاہتا ہے تو وہ اپنے بدن کی طاقت کو ٹکڑے ٹکڑے کردے۔ (غالباً اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے روگردانی اور سرکشی کی طاقت کو ٹکڑے ٹکڑے کردے) پھر جب وہ اپنے بدن کو احکام شرعیہ پر عمل کرنے کے لئے بلائے گا تو وہ اس کی اطاعت کرے گا اور اس کو دائمی حیات حاصل ہوجائے گی۔

(انوار التنزیل: ص:60 مطبوعہ دار فراس للنشر والتوازیع مصر)

فرشتوں کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت سنانا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتوں نے بشارت سنائی۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۝

(ہود:69)

اور بے شک ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے۔ انہوں نے کہا: سلام، ابراہیم نے کہا: پھر تھوڑی دیر بعد وہ گائے کا بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔

جب اللہ تعالیٰ نے قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کے لئے فرشتوں کو بھیجا تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے گزرے اور ان کے مہمان ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جو بھی مہمان ہوتا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی بہت اچھے طریقہ سے ضیافت کرتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنے والے فرشتوں کی تعداد

امام جمال الدین عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی الحنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

(1) حضرت ابن عباس اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہمانے فرمایا۔
یہ حضرت جبرائیل، میکائیل اور حضرت اسرافیل علیہم السلام تھے۔
(2) مقاتل نے کہا:
یہ حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل اور حضرت عزرائیل علیہم السلام تھے۔
(3) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا دوسرا قول یہ ہے:
کہ یہ بارہ فرشتے تھے۔
(4) محمد بن کعب نے کہا:
یہ آٹھ فرشتے تھے۔
(5) ضحاک نے کہا:
یہ نو فرشتے تھے۔
(6) ماوردی نے کہا:
یہ چار فرشتے تھے۔
(زادالمسیر: ج:5،ص:127 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

فرشتے کون سی بشارت دینے آئے تھے

فرشتے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دینے آئے تھے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔
امام ابن الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:
(1) حسن نے کہا:
وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت دینے آئے تھے۔
(2) قتادہ نے کہا:
وہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کی خوشخبری دینے آئے تھے۔
(3) عکرمہ نے کہا:
وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوت کی بشارت دینے آئے تھے۔
(4) الماوردی نے کہا:
وہ بشارت دینے آئے کہ سیدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی پشت سے خروج ہوگا۔
(زادالمسیر: ج:5،ص:127 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرشتوں کی مہمان نوازی کرنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جب فرشتوں نے آ کر سلام کیا اور آپ علیہ السلام نے جواب دیا تو ان فرشتوں کے بیٹھنے کے تھوڑی دیر بعد آپ علیہ السلام نے ان کو گائے کا بھنا گوشت پیش کیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ۝ (هود: 69)

پھر تھوڑی دیر بعد وہ (حضرت ابراہیم علیہ السلام) گائے کا بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔

☆

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے بیان کیا کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام گائے کا بچھڑا اس لیے لائے کہ ان کے اموال میں زیادہ تر گائیں تھیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرشتوں کو اجنبی سمجھنا

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں کو گائے کا بھنا ہوا گوشت پیش کیا تو فرشتوں نے اس گوشت کی طرف ہاتھ نہیں بڑھائے۔ آپ علیہ السلام نے ان کو اجنبی سمجھا اور اپنے دل میں ان سے ڈرنے لگے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَ اَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ (هود: 70)

پھر جب ابراہیم نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے تک نہیں بڑھ رہے تو ابراہیم نے ان کو اجنبی سمجھا اور اپنے دل میں ان سے ڈرنے لگے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرشتوں سے خوفزدہ ہونے کی وجہ

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ

جب عربوں کے پاس کوئی مہمان جاتا وہ ان کے ساتھ کھانا نہ کھاتا تو وہ یہ گمان کرتے تھے کہ وہ شخص کسی نیک ارادہ سے نہیں آیا اور وہ اپنے دل میں کوئی برا منصوبہ لے کر آیا ہے۔ اس وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے خوف زدہ ہوئے۔

جندب بن سفیان نے کہا:

ان کے ہاتھوں میں تیر تھے اور وہ تیروں سے اس بھنے ہوئے بچھڑے کو کریدنے لگے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ بات عجیب لگی۔ اس وجہ سے آپ علیہ السلام خوف زدہ ہوئے۔

(جامع البیان، ج: 12، رقم الحدیث: 14136 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فرشتوں کا جواب

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ان فرشتوں سے ڈرنے لگے تو فرشتوں نے کہا: آپ مت ڈریں بے شک ہمیں قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿هود: 70﴾

فرشتوں نے کہا: آپ مت ڈریں بے شک ہمیں قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرشتوں سے مباحثہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرشتوں سے خوف دور ہو گیا تو آپ علیہ السلام نے ان سے پوچھا تم کس کام سے آئے ہو تو انہوں نے کہا: ہم قوم لوط پر عذاب نازل کرنے آئے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام فرشتوں سے مباحثہ فرمانے لگے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿هود: 74﴾

پھر جب ابراہیم کا خوف دور ہو گیا اور ان کے پاس بشارت پہنچ گئی تو وہ ہم سے قوم لوط کے متعلق بحث کرنے لگے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرشتوں سے سوالات

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور فرشتوں کے درمیان نزول عذاب پر جو بحث ہوئی اور جو سوالات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے کئے وہ درج ذیل ہیں:

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا:

تم کس کام آئے ہو؟

انہوں نے کہا:

ہمیں قوم لوط پر عذاب کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

یہ بتاؤ اگر بستی میں ایک سو مسلمان ہوئے تو کیا تم اس بستی کو ہلاک کر دو گے۔

انہوں نے کہا:

نہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

اگر پچاس مسلمان ہوں۔

انہوں نے کہا:

نہیں

پھر کم کرتے کرتے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

اگر دس مسلمان ہوں؟

انہوں نے کہا:

اگر اس بستی میں دس مسلمان ہوں تب بھی ہم ان کو ہلاک نہیں کریں گے۔

پھر فرشتوں نے کہا:

اے ابراہیم علیہ السلام اس بحث کو چھوڑیں۔اس بستی میں مسلمانوں کا صرف ایک گھر ہے اور وہ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والے ہیں۔

پھر کہا

اے ابراہیم علیہ السلام! اس بات کو چھوڑیں ان پر عذاب آنے والا ہے جو ٹلنے والا نہیں ہے اور یہ آپ علیہ السلام کے رب عزوجل کا حکم ہے۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 14162 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فرشتوں سے مسلمانوں کی تعداد پر بحث

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا:

یہ بتاؤ اگر سو مومن ہوں تو تم ان کو ہلاک کردو گے۔

انہوں نے کہا:

نہیں

پھر کہا

اگر نوے مومن ہوں تو تم ان کو ہلاک کردو گے۔

انہوں نے کہا:

نہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

اگر اسی (80) ہوں۔
انہوں نے کہا:
نہیں
فرمایا
اگر ستر (70) ہوں۔
توانہوں نے کہا:
نہیں
فرمایا
اگر ساٹھ ہوں۔
توانہوں نے کہا:
نہیں
فرمایا
اگر پچاس ہوں
توانہوں نے کہا:
نہیں
فرمایا
اگر ان میں ایک مسلمان ہوتو
انہوں نے کہا:
نہیں
جب انہوں نے حضرت ابراہیم کو یہ نہیں بتایا تھا کہ ان میں صرف ایک مسلمان ہے۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:
اس بستی میں لوط علیہ السلام ہیں۔
فرشتوں نے کہا:
ان سے عذاب دور کر دیا جائے گا۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا

قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِیْهَا لَنُنَجِّیَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ۝(العنکبوت: 32)

فرشتوں نے کہا: ہم ان لوگوں کوخوب جانتے ہیں جوان میں ہیں ہم لوط کواوران کے گھروالوں کوضرورنجات دیں گے ماسواان کی ایک عورت کے وہ باقی رہ جانے والوں میں سے ہے۔

(جامع البیان: رقم الحدیث:14162 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

تمہارامدعا کیا ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا کہ تمہارامدعا کیا ہے تو فرشتوں نے کہا: ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم ان پرمٹی کے پتھر برسائیں۔ جن پرحد سے تجاوز کرنے والوں کے لئے آپ علیہ السلام کے رب عزوجل کے پاس سے نشان لگے ہوئے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَیُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ۝ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِیْنَ۝ لِنُرْسِلَ عَلَیْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِیْنٍ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِیْنَ۝(الذاریات: 31 تا 33)

ابراہیم نے کہا: اے بھیجے ہوئے فرشتو! تمہاراکیامدعا ہے۔ انہوں نے کہا: ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ان پرمٹی کے پتھر برسائیں جن پرحد سے تجاوز کرنے والوں کے لئے آپ کے رب کے پاس سے نشان لگے ہوئے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب فرشتوں نے بیٹے کی بشارت دی تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان فرشتوں سے پوچھا: اے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتو! تمہارا یہاں آنے کا مقصد کیا ہے تو فرشتوں نے کہا: ہم قوم لوط کی طرف اس لئے بھیجے گئے ہیں کہ ان پرپتھر برسائیں۔

ایک قول یہ ہے:

وہ پتھر سیاہ اور سفید دھاری دار تھے۔

ایک قول یہ ہے:

وہ سیاہ اور سرخ دھاری دار تھے۔

ایک قول یہ ہے:

وہ پتھر عذاب نازل کرنے کے لئے معروف تھے۔

ایک قول یہ ہے:

ہر پتھر پراس شخص کانام لکھاہوا تھا جس شخص کو جاکر وہ پتھر لگنا تھا۔

وہ بظاہر دیکھنے میں پتھر لگتے تھے لیکن درحقیقت وہ مٹی سے بنے ہوئے تھے۔

(الجامع الاحکام القرآن، ج:9،ص:37 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس بستی کو ہلاک کرنے والے ہیں

جب فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوبصورت بیٹے کی بشارت سنائی تو آپ علیہ السلام کو یہ بھی بتایا کہ ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں کیونکہ اس بستی میں ظلم کرنے والے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اس بستی میں تو لوط علیہ السلام بھی ہیں تو فرشتوں نے کہا: ہم ان کو خوب جانتے ہیں جو اس بستی میں ہیں۔ ہم حضرت لوط علیہ السلام کو اور ان کے گھر والوں کو ضرور نجات دیں گے سوا ان کی بیوی کے وہ عذاب میں باقی رہنے والوں میں سے ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ڬ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۡ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ (العنکبوت: 31، 32)

اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے تو انہوں نے کہا: ہم بے شک اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں یقیناً اس بستی والے ظلم کرنے والے ہیں۔ ابراہیم نے کہا: بے شک اس بستی میں لوط (بھی) ہیں۔ فرشتوں نے کہا: ہم ان کو خوب جانتے ہیں جو اس بستی میں ہیں، ہم لوط کو اور ان کے گھر والوں کو ضرور بچالیں گے سوائے ان کی بیوی کے وہ (عذاب میں) باقی رہ جانے والوں میں سے ہے۔

فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے حضرت اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت لے کر آئے تھے۔

اثناء گفتگو میں انہوں نے حضرت ابراہیم سے کہا ہم اس بستی کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ اس بستی کا نام سدوم تھا۔

(تفسیر خازن: ج:3،ص:450، صدیقیہ کتب خانہ اڈہ بازار اکوڑہ خٹک)

اور یہ قوم لوط کی بستیوں میں سے سب سے بڑی بستی تھی اور مردم پرستی اور مردوں کے ساتھ بے حیائی کا سب سے پہلے اس بستی میں ظہور ہوا تھا۔ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس بستی کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا کہ ہم اس بستی کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بستی اس بستی کے نزدیک تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

اس بستی لوط بھی ہیں یہ ان کی حضرت لوط علیہ السلام پر کمال شفقت تھی۔

(تفسیر خازن: ج:3،ص:450 مطبوعہ صدیقیہ کتب خانہ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ جاننا چاہتے تھے کہ نزول عذاب کے وقت حضرت لوط علیہ السلام اس بستی میں ہوں گے یا ان کو اس بستی سے پہلے نکال لیا جائے گا پھر اس بستی پر عذاب نازل کیا جائے گا۔ اس بستی سے مراد وہ لوگ تھے جو اس بستی میں پیدا ہوئے تھے اور حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والے دوسرے علاقہ سے آکر اس بستی میں رہائش پذیر ہوئے تھے اور جو حضرت لوط علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے وہ بھی آپ علیہ السلام کے اہل اور گھر والوں میں شامل تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نیک بیٹا طلب کرنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوئی اولاد نہ تھی تو آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نیک بیٹے کی طلب کی دعا کی:
اے میرے رب عزوجل مجھے نیک بیٹا عطا فرما۔

قرآن مجید میں ہے:

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (100:)

اے میرے رب! مجھے نیک بیٹا عطا فرما۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کی: اے میرے رب عزوجل مجھے نیک بیٹا عطا فرما جو ان لوگوں میں سے ہو جو تیری اطاعت کرتے ہیں اور تیری نافرمانی نہیں کرتے اور زمین میں اصلاح کرتے ہیں اور فساد نہیں کرتے۔

(تفسیر طبری: ج:23، 24، ص:91 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی)

سدی نے کہا:

رب ہب لی من الصالحین سے مراد یہ ہے کہ

صالح بیٹا

(تفسیر طبری: ج:23، 24، ص:91 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی)

بیٹے کی بشارت

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت دی۔

قرآن مجید میں ہے:

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ○ (صفت: 101)

سو ہم نے ان کو بردبار لڑکے کی بشارت دی۔

بچے کی عمر کی حالتیں

بعض اہل لغت نے کہا ہے

(جب بچہ پالنے میں ہوتو اس کو طفل کہتے ہیں) اور جب اس کی عمر دس سال سے کم ہو تو اس کو صبی کہتے ہیں اور جب اس کی عمر دس سے زیادہ ہو تو اس کو غلام کہتے ہیں۔

(تفسیر روح البیان: ج:7، ص:473 مطبوعہ عثمانیہ کانسی روڈ کوئٹہ)

حلیم کی تعریف

تفسیر روح البیان میں ہے۔

بعض اہل لغت نے کہا ہے:

حلیم اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے کام سکون اور اطمینان سے کرے جلد بازی نہ کرے اور جب اس پر کوئی مصیبت آئے تو اضطراب اور گھبراہٹ کا اظہار نہ کرے اور اگر کوئی کام اس کے مزاج اور مرضی کے خلاف ہو جائے تو غصہ اور غضب میں نہ آئے۔

(تفسیر روح البیان: ج:7، ص:473 مطبوعہ عثمانیہ کانسی روڈ کوئٹہ)

حلم والے کی تین بشارتیں

تفسیر روح البیان میں ہے۔

اس آیت کریمہ میں تین بشارتیں جمع ہیں۔

(1) ایک یہ کہ ان کے ہاں بیٹا ہوگا (یعنی مذکر ہوگا)

(2) دوسری یہ کہ وہ بلوغت کی عمر کو پہنچے گا کیونکہ بچہ کو حلم اور بردباری سے متصف نہیں کیا جاتا۔

(3) تیسری بشارت یہ ہے کہ وہ حلیم اور بردبار ہوگا۔

(تفسیر روح البیان: ج:7، ص:473 مطبوعہ عثمانیہ کانسی روڈ کوئٹہ)

کون سے بیٹے کی خوشخبری دی؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کس بیٹے کی بشارت دی گئی، اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

امام ابی جعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

عکرمہ نے کہا:

اس سے مراد حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔

اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا:

اس سے مراد حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔

(جامع البیان المعروف تفسیر طبری: 7: 23، 24، ص:91، دار احیاء التراث العربی)

لیکن جو صحیح اور اغلب قول ہے وہ یہ ہے کہ
اس سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔
اور یہی قول صحیح ہے۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔
سعید بن میتب، شعبی، حسن بصری، مجاہد الربیع بن انس محمد بن کعب القرظی اور کلبی کا بھی یہی قول ہے۔
عن عطاء بن ریاح و یوسف بن مالک عن عباس کے سلسلہ سے مروی ہے کہ
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا
جن کا فدیہ دیا گیا تھا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔
(تفسیر بغوی: ج:4،ص:28 مطبوعہ دار الفکر العلمیہ بیروت)
سدی نے کہا:
جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے صالح بیٹے کی دعا کی تو اسی (یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام) کی بشارت دی گئی۔
وہی اللہ تعالیٰ کے اذن سے ذبیح ہیں۔
(تفسیر بغوی: ج:4،ص:28،مطبوعہ دار الفکر العلمیہ بیروت)

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت باسعادت

واقدی اور ابن عساکر نے عامر بن سعید عن ابیہ کے طریق سے اس طرح روایت کی ہے کہ
حضرت سارہ رضی اللہ عنہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عقد میں تھیں۔ عرصہ طویل گزر گیا مگر بچہ پیدا نہ ہوا تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے بے اولاد ہونے کی کیفیت دی تو اپنی لونڈی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہبہ کر دی۔
حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔
(تاریخ ابن العساکر: ج:69،ص:187، 188 دار الفکر بیروت)

کان چھیدنے کا رواج کب سے

تاریخ ابن العساکر میں ہے۔
جب حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو اس سے غیرت آ گئی اور نفس میں غصہ محسوس کیا اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا تعاقب کیا اور قسم اٹھائی کہ میں ان کے تین

اعضاء کاٹوں گی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

کیا تم اپنی قسم پورا کرنا چاہتی ہے۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا:

میں اسے کیسے پورا کروں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

ان کے کان چھید دو اور اس کا ختنہ کردو۔

تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اپنے کانوں میں بالیاں ڈالیں تو اس سے ان کے حسن میں مزید اضافہ ہو گیا تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے یہ دیکھ کر کہا میں نے تو اس کے جمال میں مزید اضافہ کر دیا ہے......

(تاریخ ابن العساکر: ج:69، ص:187 تا 188 دار الفکر بیروت)

حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ○ (الصفت: 112)

اور ہم نے ان کو اسحاق نبی کی بشارت دی جو صالحین میں سے ہیں۔

☆

اس آیت کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی واضح بشارت دی گئی۔

حضرت ابراہیم و اسحاق علیہما السلام پر برکتوں کا نزول

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم و حضرت اسحاق علیہما السلام پر برکتیں نازل فرمائیں۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ؕ (الصفت: 113)

اور ہم نے ابراہیم اور اسحاق پر برکتیں نازل فرمائیں۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے آئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو گائے کا بھنا ہوا بچھڑا پیش کیا

اوران فرشتوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے دل میں ان سے ڈرنے لگے تو فرشتوں نے کہا: آپ علیہ السلام مت ڈریئے ہم قوم لوط کی طرف نازل کرنے کے لئے آئے ہیں۔ تب حضرت سارہ رضی اللہ عنہا ہنس پڑیں، اس پر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت سنائی گئی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ (:71)

ابراہیم کی بیوی جو کھڑی ہوئی تھی وہ ہنس پڑی تو ہم نے اس کو اسحاق کی پیدائش کی خوشخبری سنائی۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کیوں ہنس پڑیں؟

امام رازی نے لکھا ہے کہ

سارہ آزر بن باحوراء کی بیٹی تھیں اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عم زاد تھیں۔ یہ پردے کے پیچھے کھڑی ہوئی تھیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام فرشتوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے ہنسنے کی مختلف وجوہات بیان کی گئی ہیں۔

(1) جب فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا۔

آپ علیہ السلام مت ڈریئے ہمیں قوم لوط کے پاس بھیجا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خوف زائل ہو گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خوش ہونے سے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا بھی خوش ہو گئیں اور ایسے موقع پر آدمی ہنس پڑتا ہے۔

(2) حضرت سارہ رضی اللہ عنہا قوم لوط کے عمل سے سخت ناراض اور متنفر تھیں اور جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ فرشتے ان پر عذاب نازل کرنے کے لئے جارہے ہیں تو وہ ہنس پڑیں۔

(3) جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

اس کھانے کی قیمت اس کے اول میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور آخر میں اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرنا ہے۔

اور فرشتوں نے کہا:

ایسے شخص کا یہ حق ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کا خلیل بنایا جائے تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا یہ سن کر خوشی سے ہنس پڑیں۔

(4) حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا تھا کہ آپ علیہ السلام اپنے بھانجے (حضرت لوط علیہ السلام) کو اپنے پاس بلالیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسا کام کرنے والوں کو ضرور عذاب دیتا ہے۔

اور جب فرشتوں نے یہ بتایا کہ

وہ قوم لوط کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں تو انہیں یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ان کا مشورہ فرشتوں کی خبر کے موافق تھا۔ اس لئے آپ رضی اللہ عنہا ہنس پڑیں۔

(5) جب فرشتوں نے یہ کہا کہ
وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے اس پر دلیل طلب کی۔ فرشتوں نے دعا کی اور وہ بھنا ہوا بچھڑا زندہ ہو گیا اور اچھل کر کھڑا ہو گیا یہ دیکھ کر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا ہنس پڑیں۔
(6) انہیں اس پر تعجب ہوا کہ
ایک قوم کو عذاب آنے والا ہے اور وہ غفلت میں مبتلا ہیں۔
اس لئے ان کو ہنسی آگئی۔
(7) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتوں نے ان کو پہلے مطلقاً بچے کی بشارت دی ہو اس پر ان کو بطور تعجب کے ہنسی آگئی کیونکہ اس وقت ان کی عمر اسی سال سے اوپر تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال تھی۔
اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ
ان کو خوشی سے ہنسی آئی ہو اور جب وہ ہنس پڑیں تو اللہ تعالیٰ نے خوش خبری دی کہ وہ بیٹا اسحاق علیہ السلام ہے اور اس کے بعد یعقوب علیہ السلام پیدا ہوں گے۔
(8) انہیں اس پر تعجب ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس قدر رعب اور دبدبہ کے باوجود صرف تین آدمیوں سے کیسے ڈر گئے۔
اس لئے ان کو ہنسی آگئی۔
ان میں سے بعض وجوہ کا ذکر امام ابن جریر طبری نے کیا ہے۔
(جامع البیان: ج: 9 ص: 95 تا 96)

حضرت اسحاق علیہ السلام کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت

اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت سنانے کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت سنائی۔
قرآن مجید میں ہے:
وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ ○ (ھود: 71)
اور اسحاق کے بعد یعقوب کی (بشارت سنائی)

☆

فرمایا: اے سارہ رضی اللہ عنہا تم کو یعقوب کی بشارت ہو۔
یعنی اے سارہ رضی اللہ عنہا صرف یہی بشارت نہیں کہ تم اپنے بیٹے کو پاؤ گی بلکہ اپنے بیٹے کی بہاریں بھی دیکھو گی کہ اپنے پوتے یعقوب علیہ السلام کو بھی کھلاؤ گی۔

کیا میں بڑھاپے میں بچہ جنوں گی

جب فرشتوں نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت سنائی تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَتْ یٰوَیْلَتٰٓی ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ ○ (ھود: 72)

کہا ارے دیکھو! کیا میرے بچہ ہوگا اور میں بوڑھی ہوں اور یہ ہیں میرے شوہر بوڑھے بے شک یہ عجیب بات ہے۔

لفظ وی کی تحقیق

علامہ حسن بن محمد راغب اصفہانی متوفی 502ھ نے لکھا ہے

وی ایسا کلمہ ہے جس کو حسرت، ندامت اور تعجب کے اظہار کے طور پر بولا جاتا ہے اور ویل برائی کے اظہار کے لئے بولا جاتا ہے اور کبھی حسرت کے اظہار کے لئے بولا جاتا ہے اور جہنم کی ایک وادی کا نام بھی ویل ہے۔

(المفردات: ج:2، ص:695 مطبوعہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

امام خلیل بن احمد فراہیدی متوفی 175ھ نے لکھا ہے

وی تعجب کے اظہار کے لئے بولا جاتا ہے۔

ویح کسی مصیبت زدہ پر اظہار ترحم کے لئے بولا جاتا ہے اور ویل کسی برائی یا خرابی کے نزول کے لئے بولا جاتا ہے۔

(کتاب العین: ج:3، ص:1990 مطبوعہ ایران)

لفظ ویل کی تحقیق

علامہ جار اللہ محمود بن زمخشری متوفی 583ھ نے لکھا ہے۔

ویل اظہار تعجب کے لئے آتا ہے۔

(الفائق: ج:3، ص:384 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ السبارک بن محمد بن الاثیر الجزری المتوفی 606ھ نے لکھا ہے۔

ویل غم مصیبت، ہلاکت، عذاب اور ندامت کے اظہار کے لئے بولا جاتا ہے اور کبھی اظہار تعجب کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔

(النہایہ: ج:5، ص:204، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا پر رشک

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی شافعی متوفی 774ھ روایت نقل کرتے ہیں۔

اہل کتاب نے بیان کیا ہے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت المقدس کے شہروں میں رہتے ہوئے بیس سال ہو گئے تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا بے شک مجھے میرے رب عزوجل نے اولاد سے محروم رکھا ہے۔ آپ علیہ السلام میری باندی سے عمل توحید کیجئے شاید اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مجھے اولاد عطا فرمائے۔ جب حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا ہبہ کر دی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے ساتھ شب بسری کی تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا ان سے حاملہ ہو گئیں۔ جب سے ان کو حمل ہوا تھا وہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا پر فخر کرنے لگی تھیں۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو ان پر رشک آتا تھا۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کی شکایت کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

تم اس کے ساتھ جو چاہو سلوک کرو۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا، حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے ڈر کر وہاں سے فرار ہو گئیں وہ ایک چشمہ کے پاس پہنچیں۔

تو ایک فرشتہ نے کہا:

تم مت ڈرو، اللہ تعالیٰ تم سے جو بچہ پیدا کرنے والا ہے اس میں بہت خیر ہے اور ان کو واپس جانے کا حکم دیا اور ان کو یہ بشارت دی کہ ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا اور تم ان کا نام اسماعیل علیہ السلام رکھنا۔ وہ لوگوں سے فتنہ دور کریں گے۔ ان کا تمام لوگوں پر ہاتھ ہوگا اور تمام لوگ ان کی مدد کریں گے۔ وہ اپنے تمام بھائیوں کے ملکوں کے مالک ہوں گے۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اس پر شکر ادا کیا اور یہ بشارت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری ہوئی کیونکہ آپ ہی تمام بلاد عرب کے سردار تھے اور شرف اور غرب کے تمام ممالک میں آپ کا دین پھیل گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس قدر زیادہ علوم اور اعمال صالحہ عطا نہیں کئے تھے اور یہ صرف اسی وجہ سے ہے کہ آپ کو تمام رسولوں پر فضیلت حاصل ہے اور آپ کی رسالت میں کمال اور برکت ہے اور آپ کی نبوت تمام روئے زمین کے لئے ہے۔

(الطبقات الکبریٰ: ج:1،ص:41)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی شافعی متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا واپس گئیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہو گئے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیالیس سال تھی۔ اور وہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش سے تیرہ سال پہلے پیدا ہوئے۔

امام ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ

اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر نوے (90) سال تھی اور اس کے تیس (30) سال بعد حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔

(الطبقات الکبریٰ: ج:1، ص:41)

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کا حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو دور چھوڑنے کا مطالبہ

البدایہ والنہایہ میں ہے۔

جب حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہو گئے تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا پر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی غیرت بہت زیادہ ہوگئی اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ وہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو ان کی نگاہ سے دور کر دیں۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:228 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ کو لے کر روانہ ہونا

انہوں (سارہ رضی اللہ عنہا) نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو ان کی نگاہ سے دور کر دیں پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر روانہ ہوئے۔ اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام دودھ پیتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو لے جا کر اس جگہ چھوڑ دیا جس کو آج کل مکہ مکرمہ کہا جاتا ہے۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:229 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا عورتوں میں سب سے پہلے اپنی کمر پر پٹکا باندھنے والی

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ

عورتوں میں سے جس نے سب سے پہلے اپنی کمر پر پٹکا باندھا، وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ تھیں۔ انہوں نے یہ پٹکا اس لئے باندھا تھا کہ ان کے قدموں کے نشان مٹ جائیں اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو پتہ نہ چلے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3364)

حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو درخت کے پاس چھوڑنا

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں (حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا) اور ان کے دودھ پیتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو

لے کر روانہ ہوئے اور جس جگہ بیت اللہ ہے وہاں ایک درخت کے پاس چھوڑ دیا اور ان کے پاس ایک تھیلا رکھ دیا جس میں کھجوریں، ستو اور پانی تھا۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3364)

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑنے کی وجہ پوچھنا

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس جانے لگے۔ (یعنی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ کر) تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ محترمہ ان کے پیچھے گئیں۔

اور کہا

اے ابراہیم علیہ السلام! آپ کہاں جا رہے ہیں؟

اور آپ علیہ السلام ہم کو اس غیر آباد اور بے آب و گیاہ وادی میں کیوں چھوڑ رہے ہیں؟

وہ بار بار یہی جملے دہراتی رہی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی طرف مڑ کر نہیں دیکھا۔

پھر انہوں نے پوچھا:

کیا اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو ایسے کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

ہاں

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

پھر اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں کرے گا اور وہ (مطمئن ہو کر) لوٹ آئیں۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3364)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ اور بیٹے کو چھوڑتے وقت دعا

امام بخاری متوفی 256ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا:

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس روانہ ہوئے۔ (یعنی حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چھوڑ کر) حتیٰ کہ جب آپ علیہ السلام مقام ثنیہ پر پہنچے جہاں انہیں کوئی نہیں دیکھ رہا تھا تو انہوں نے اپنا منہ اس طرف کیا جس طرف اب بیت اللہ ہے پھر انہوں نے دونوں ہاتھ بلند اٹھا کر ان کلمات کے ساتھ دعا کی۔

"اے ہمارے رب عزوجل! میں نے اپنی بعض اولاد کو بے آب و گیاہ وادی میں ٹھہرا دیا ہے تیرے حرمت والے

گھر کے نزدیک

اے ہمارے رب عزوجل! تا کہ وہ نماز قائم کریں تو کچھ لوگوں کو ایسا کر دے کہ وہ ان کی طرف مائل رہیں اور ان کو پھلوں سے روزی دے تا کہ وہ شکر کریں۔"

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3364) (ابراہیم: 37)

آیت یہ ہے۔

رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ وَارۡزُقۡہُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ ۝

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا پانی تلاش کرنا

امام محمد بن اسحاق بخاری متوفی 256ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلاتی تھیں اور اس پانی سے پیتی تھیں حتیٰ کہ جب مشکیزہ کا پانی ختم ہو گیا تو وہ اور ان کا بیٹا دونوں پیاسے تھے وہ اپنے بیٹے کی طرف دیکھتیں جو پیاس سے تڑپ رہے تھے۔ جب وہ ان کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکیں تو وہاں سے چل پڑیں۔

انہوں نے دیکھا۔

اس زمین کے قریب صفا پہاڑ تھا، وہ اس پہاڑ پر کھڑی ہو گئیں کہ کوئی آتا ہوا دکھائی دے۔ انہیں کوئی نظر نہیں آیا پھر وہ صفا سے اتریں اور وادی میں پہنچ گئیں۔ انہوں نے اپنی قمیص کا دامن اٹھایا اور بہت تیز دوڑ کر اس وادی کے پار گئیں پھر وہ مروہ پر گئیں۔

اور دیکھا کہ

کوئی شخص دکھائی دے انہیں کوئی نظر نہیں آیا۔ انہوں نے صفا و مروہ کے درمیان اس طرح سات مرتبہ دوڑ لگائی۔ پھر انہوں نے اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہا اب ٹھہر جاؤ۔ پھر انہوں نے کان لگا کر سنا تو انہیں ایک آواز سنائی دی۔

اور اس نے کہا:

اگر تمہارے پاس کوئی فریاد رس ہے تو تم نے اس کو اپنی آواز پہنچا دی ہے۔ اچانک دیکھا تو زمزم کے قریب ایک فرشتہ کھڑا تھا۔ اس فرشتے نے اس جگہ اپنی ایڑی یا اپنے پر مارے حتیٰ کہ پانی نکلنے لگا۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھوں سے اس طرح اس پانی کو حوض کی طرح اکٹھا کرنے لگیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ماں پر رحم فرمائے، کاش! وہ زمزم کو بہتا ہوا چھوڑ دیتیں۔

یا ارشاد فرمایا۔

کاش وہ اس میں سے چلو نہ بھرتیں۔ تو زمزم ایک بہتا ہوا چشمہ بن جاتا۔ پھر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے خود پانی پیا اور اپنے بیٹے کو پلایا۔

فرشتہ نے ان سے کہا:

تم اپنے بچے کے متعلق فکر نہ کرو۔ اس جگہ بیت اللہ ہے جس کو یہ لڑکا اور اس کا باپ تعمیر کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس کے اہل کو ضائع نہیں کرے گا اور بیت اللہ کی جگہ زمین سے بلند تھی۔ اس کے دائیں اور بائیں جانب سے سیلاب گزر جاتے تھے۔

(صحیح بخاری: رقم الحدیث: 3364)

جرہم قبیلہ کی آمد

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ

اسی طرح وقت گزرتا رہا حتیٰ کہ جرہم کے کچھ لوگ وہاں سے گزرے یا جرہم کے گھرانوں میں سے کچھ لوگ وہاں سے گزرے وہ مکہ مکرمہ کے نشیب میں اترے۔ انہوں نے وہاں پرندوں کو منڈلاتے ہوئے دیکھا۔

انہوں نے آپس میں کہا

یہ پرندے پانی پر جا رہے ہیں ہم اس وادی اور اس میں جو پانی ہے اس کا ارادہ کرتے ہیں۔ انہوں نے ایک یا دو آدمیوں کو بھیجا تو وہ پانی تک پہنچ گئے۔ انہوں نے واپس جا کر ان کو خبر دی تو وہ سب وہاں پہنچ گئے۔ وہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ محترمہ تھیں۔

انہوں نے کہا:

کیا آپ رضی اللہ عنہا ہم کو اس بات کی اجازت دیتی ہیں کہ ہم آپ رضی اللہ عنہا کے پاس قیام کریں۔

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔

ہاں لیکن پانی پر تمہارا کوئی حق نہیں ہوگا۔

انہوں نے کہا:

ٹھیک ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3364)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا نکاح مبارک

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انس چیز سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ماں کی ڈھارس بندھی اور وہ انس چاہتی تھیں وہ لوگ وہاں ٹھہر گئے اور انہوں نے اپنے گھر والوں کو بھی بلالیا حتیٰ کہ جب وہاں بہت سے گھر بن گئے اور ان کا بیٹا یعنی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا بیٹا حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہوگیا اور اس نے ان سے عربی زبان سیکھ لی۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو آپ علیہ السلام جرہم کے کچھ لوگوں کو اچھے لگے تو انہوں نے اپنی ایک عورت کا ان سے نکاح کردیا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3364)

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی وفات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(نکاح کے بعد حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا فوت ہوگئیں) جب حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو وہ جرہم کے کچھ لوگوں کو اچھے لگے اور انہوں نے اپنی ایک عورت کا ان سے نکاح کردیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ فوت ہوگئیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3364)

شادی کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مکہ مکرمہ میں تشریف آوری

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی ہوجانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اہل وعیال کے احوال معلوم کرنے کیلئے آئے۔ انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو موجود نہ پایا تو آپ علیہ السلام کی بیوی سے آپ علیہ السلام کے متعلق معلوم کیا۔

اس نے کہا:

وہ ہمارے لئے کچھ لینے گئے ہیں۔

(دوسری روایت میں ہے کہ وہ شکار کرنے گئے ہیں)

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے حالات اور گزر اوقات کے متعلق ان سے پوچھا:

اس نے کہا:

ہم بہت برے حالات میں ہیں اور ہم بہت تنگی اور سختی میں ہیں اور ان سے شکایت کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

جب تمہارا خاوند آئے تو تم اس سے میرا سلام کہنا اور اس سے کہنا کہ وہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ تبدیل کردے۔

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام تشریف لائے تو ان کو کچھ تغیر محسوس ہوا۔

انہوں نے پوچھا:
کیا تمہارے پاس کوئی آیا تھا؟
بیوی نے کہا:
ہاں! اس اس شکل کا بوڑھا آیا تھا۔ اس نے تمہارے متعلق پوچھا تو میں نے اس کو بتایا۔ اس نے مجھ سے پوچھا تمہارے حالات کیسے ہیں؟ تو میں نے اس کو سب کچھ بتایا کہ ہم بہت جفاکشی اور سختی کے ایام سے گزر رہے ہیں۔
حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا:
کیا انہوں نے کسی چیز کی وصیت کی تھی؟
اس نے کہا:
ہاں انہوں نے مجھے یہ حکم دیا کہ میں آپ علیہ السلام کو ان کا سلام کہوں
اور وہ یہ کہتے تھے کہ
تم اپنے دروازہ کی چوکھٹ کو تبدیل کرلو۔
حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا:
وہ میرے والد محترم تھے اور انہوں نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تم سے علیحدہ ہو جاؤں تم اپنے والدین کے گھر چلی جاؤ۔ انہوں نے اس کو طلاق دے دی اور ان لوگوں میں دوسری شادی کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا حضرت ابراہیم علیہ السلام ٹھہرے رہے پھر کچھ عرصہ بعد آئے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نہیں ملے۔ وہ آپ علیہ السلام کی بیوی کے پاس گئے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق سوال کیا۔
آپ علیہ السلام کی بیوی نے کہا:
وہ ہمارے واسطے کچھ لینے گئے ہیں۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا:
تمہارا کیا حال ہے؟ اور آپ علیہ السلام کی گزر اوقات کے متعلق سوال کیا۔
آپ علیہ السلام کی بیوی نے کہا:
ہم خیریت سے ہیں اور بہت خوش حال ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا:
تم لوگ کیا کھاتے ہو؟
انہوں نے کہا:

ہم پانی پیتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی۔

ان کے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس وقت ان لوگوں کے پاس اناج نہیں تھا ورنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے لئے اس میں بھی برکت کی دعا کرتے۔

پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا:

صرف ان دو چیزوں (گوشت اور پانی) پر مکہ مکرمہ کے سوا اور کسی جگہ گزارہ نہیں ہوسکتا۔ صرف یہ دو چیزیں اور جگہوں پر مزاج کے موافق نہیں ہوں گی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

جب تمہارا شوہر آئے تو اس کو میرا سلام کہنا۔

اور اس سے کہنا کہ

وہ اپنے دروازے کی چوکھٹ کو قائم رکھے۔

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام آئے تو پوچھا!

کیا کوئی شخص تمہارے پاس آیا تھا۔

آپ علیہ السلام کی بیوی نے کہا:

ہاں! ہمارے پاس اچھی شکل وصورت کا ایک بوڑھا شخص آیا تھا اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف کی۔ انہوں نے مجھ سے ہماری گزراوقات اور حالات کے متعلق پوچھا۔ میں نے ان کو بتایا کہ میں خیریت سے ہوں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا:

کیا انہوں نے تمہیں کوئی وصیت بھی کی تھی۔

انہوں نے کہا:

ہاں! انہوں نے آپ علیہ السلام کو سلام کہا اور آپ علیہ السلام کے متعلق یہ حکم دیا کہ آپ علیہ السلام اپنے دروازے کی چوکھٹ کو قائم رکھیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا:

یہ میرے والد محترم تھے اور تم چوکھٹ ہو۔ انہوں نے مجھے یہ حکم دیا کہ میں تمہیں اپنے پاس برقرار رکھوں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3364)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ملاقات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ

جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا حضرت ابراہیم علیہ السلام ٹھہرے رہے۔

پھر اس کے بعد آئے اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام زمزم کے قریب ایک بڑے درخت کے نیچے بیٹھے اپنا تیر درست کر رہے تھے۔ جب آپ علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور دونوں ایک دوسرے سے اس طرح ملے جیسے بیٹا باپ سے اور باپ بیٹے سے ملتا ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3364)

حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ؎ (النساء: 125)

اور اللہ نے ابراہیم کو خلیل بنایا۔

خلیل کا معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:

خلیل کا لفظ خلل سے بنا ہے۔

خلل کا معنی ہے۔

کسی چیز کو دو چیزوں کے درمیان رکھنا۔

خلہ (بالکسر) کے معنی ہیں۔

تلوار کی میان یا غلاف کیونکہ تلوار اس کے درمیان ہوتی ہے۔

خلہ (بالفتح) کا معنی ہے۔

اختلال اور پریشانی

اور اس کی تفسیر احتیاج کے ساتھ کی گئی ہے۔

اور خلہ (بالضم) کے معنی ہیں۔

محبت کیونکہ محبت نفس میں سرایت کر جاتی ہے اور اس کے وسط میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل فرمایا ہے کیونکہ وہ ہر حال میں صرف اللہ تعالیٰ کے محتاج تھے یا اس سے خلیل فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے

شدید محبت کرتے تھے یا اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام سے محبت کرتا تھا۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے محبت کا معنی ہے۔
اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہر کام اور ہر بات کرنا اور ہر حال میں اس سے راضی رہنا۔
اور اللہ تعالیٰ کی آپ علیہ السلام سے محبت کا معنی ہے۔
آپ علیہ السلام پر اکرام اور احسان کرنا اور دنیا و آخرت میں آپ علیہ السلام کی ثناء جمیل کرنا۔
(المفردات:ص:155 تا 156 مطبوعہ المکتبہ المرتضویہ ایران)

خلیل اور حبیب میں فرق

حضرت قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے خلیل اور حبیب کا فرق بیان کرتے ہوئے امام ابوبکر بن فورک کے حوالے سے لکھا ہے۔
خلیل، اللہ تعالیٰ تک بالواسطہ پہنچے۔
قرآن مجید میں ہے:
وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (الانعام: 75)
اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمینوں کی ساری بادشاہی دکھائی۔
اور حبیب، اللہ تعالیٰ تک بلا واسطہ پہنچے۔
قرآن مجید میں ہے:
ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰیo فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰیo (النجم: 8 تا 9)
پھر (اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے قریب ہوا پھر زیادہ قریب ہوا پھر دو کمانوں کی مقدار کے برابر اللہ کے قریب ہوئے یا اس سے بھی زیادہ قریب ہوئے۔
خلیل کی مغفرت کا بیان طمع میں ہے۔
وَ الَّذِیْۤ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِo (الشعراء: 82)
اور جس سے میری امید وابستہ ہے وہ قیامت کے دن میری خطا معاف فرمادے گا
اور حبیب کی مغفرت کا بیان مرتبہ یقین ہے۔
اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًاo لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ (الفتح: 1 تا 2)
بے شک ہم نے آپ کو روشن فتح عطا فرمائی تا کہ اللہ آپ کے لئے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ سب کام معاف فرمادے۔
خلیل نے دعا کی کہ اللہ انہیں روز حشر شرمندہ نہ کرے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ (الشعراء: 87)

اور مجھے روز حشر شرمندہ نہ کرنا۔

اور حبیب کو بن مانگے یہ مقام عطا فرمانا۔

یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ ج (التحریم: 8)

جس دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو نہ شرمندہ کرے گا نہ ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو۔

امتحان کے موقع پر خلیل نے کہا:

حَسْبِیَ اللّٰہُ

ترجمہ: مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے۔

اور حبیب کے لئے اللہ تعالیٰ نے ازخود ارشاد فرمایا۔

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (الانفال: 64)

خلیل نے دعا کی۔

وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ○ (الشعراء: 84)

اور بعد کے آنے والوں میں میرا ذکر جمیل جاری کر دے۔

اور حبیب کے لئے ازخود فرمایا۔

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ (الانشراح: 4)

اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا۔

سو قیامت تک کلمہ، اذان، نماز اور خطبہ میں مسلمانوں کی زبان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بلند ہوتا رہے گا۔

خلیل نے دعا کی۔

وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (ابراھیم: 35)

اور مجھے اور میرے (خاص) بیٹوں کو بتوں کی عبادت سے اجتناب پر برقرار رکھ۔

اور حبیب کے لئے بلا طلب ازخود فرمایا۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ○ (الاحزاب: 33)

اے اہل بیت رسول! اللہ یہی ارادہ فرماتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی ناپاکی دور کر کے تم کو خوب پاکیزہ کر دے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ہم نے جو یہ چند آیات ذکر کی ہیں ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامات کی افضلیت کی ایک جھلک معلوم ہو جاتی ہے اور ان آیات سے ہر شخص اپنے ذوق کے مطابق مفہوم اخذ کرتا ہے اور تمہارا رب عزوجل ہی بہتر جانتا ہے کہ کون احسن طریقہ پر ہے۔

(شفاء، ج:1،ص:133 تا 134 مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان)

خلیل پر حبیب کو فضیلت کیسے؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نجی بنایا

اور مجھے حبیب بنایا

پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! میں اپنے حبیب کو اپنے خلیل اور اپنے نجی پر فضیلت دوں گا۔

(شعب الایمان، رقم الحدیث: 1494)

صحابہ کرام علیہم الرضوان کا خلیل اور کلیم کا ذکر کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام علیہم الرضوان بیٹھے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے۔

ان میں سے بعض نے کہا:

کس قدر حیرت کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔

دوسرے نے کہا:

اس سے بھی حیرت اس پر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلیم بنایا۔

ایک اور نے کہا:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں۔

اور دوسرے نے کہا:

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے صفی اللہ بنایا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور ان کو سلام کیا

اور ارشاد فرمایا

میں نے تمہارا کلام سنا اور تمہارے تعجب کرنے پر مطلع ہوا۔

بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں اور وہ اسی طرح ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نجی (جن سے اللہ تعالیٰ نے سرگوشی میں بات کی) اور وہ اسی طرح ہیں۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں اور وہ اسی طرح ہیں اور حضرت آدم اللہ تعالیٰ کے صفی ہیں اور وہ اسی طرح ہیں۔

سنو!

میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اور فخر نہیں اور میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں گا اور فخر نہیں ہے اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میری شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی اور فخر نہیں اور میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ میرے لئے جنت کو کھولے گا اور میرے ساتھ فقراء مومنین داخل ہوں گے اور فخر نہیں اور میں تمام اولین و آخرین میں سب سے زیادہ عزت والا ہوں اور فخر نہیں۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث: 3636)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب میں قربانی کرتے دیکھنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں جیسا کہ قرآن مجید میں صریح آیت موجود ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ○ (صفت: 102)

پس جب وہ لڑکا ان کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچا تو ابراہیم نے کہا: اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ اب تم سوچ کر بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے۔ بیٹے نے کہا: اے ابا جان! آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ آپ ان شاء اللہ مجھے عنقریب صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

کام کاج کی عمر کے وقت ذبح کا حکم

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

امام ابو اسحاق اپنی سند کے ساتھ بیان فرماتے ہیں کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کے لئے جاتے تو صبح کے وقت براق پر سوار ہو کر

شام سے روانہ ہوتے اور دو پہر کو مکہ مکرمہ پہنچ کر آرام کرتے اور شام کے وقت مکہ مکرمہ سے روانہ ہوتے اور رات کے وقت شام میں اپنی بیوی حضرت سارہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس پہنچ جاتے حتیٰ کہ ان کے بیٹے (حضرت اسماعیل علیہ السلام) جب کام کاج کرنے کی عمر کو پہنچ گئے اور انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ وہ ان کے ساتھ مل کر اپنے رب عزوجل کی عبادت کریں گے اور اس کے حرم کی تعظیم کریں گے تو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔

(تاریخ الامم والملوک: ج:1، ص:195)

شیطان کی ناکامی

امام ابواسحاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دیں تو انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا یہ رسی اور چھری لو اور ہمارے ساتھ چلو تاکہ ہم گھر والوں کے لئے لکڑیاں چن کر لائیں۔ انہوں نے اپنے بیٹے سے یہ ذکر نہیں کیا تھا کہ وہ کس لئے اس گھاٹی میں جا رہے ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ کا دشمن ابلیس ایک آدمی کی صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے آکر ملا تاکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے کی قربانی سے باز رکھے۔

اور آکر کہا

اے بزرگ آپ علیہ السلام کہاں جا رہے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

میں اپنے کام سے ایک گھاٹی میں جا رہا ہوں۔

شیطان نے کہا:

میرا گمان ہے کہ آپ علیہ السلام کے پاس خواب میں شیطان آیا اور اس نے آپ علیہ السلام کو اس بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا اور ارشاد فرمایا۔

اے اللہ تعالیٰ کے دشمن! میرے پاس سے دفع ہو جا پس اللہ تعالیٰ کی قسم میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر ضرور عمل کروں گا۔ جب اللہ تعالیٰ کا دشمن ابلیس حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مایوس ہو گیا تو پھر وہ ان کے بیٹے کے پاس پہنچا وہ اپنے والد کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔

ان سے اس نے کہا:

کیا تم کو معلوم ہے کہ تمہارے والد تمہیں کہاں لے جا رہے ہیں۔

انہوں نے کہا:

ہم اس گھاٹی سے لکڑیاں چننے جا رہے ہیں۔

شیطان نے کہا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! وہ تم کو صرف ذبح کرنے کے لئے لے جا رہے ہیں۔

انہوں نے پوچھا:

کیوں؟

شیطانوں نے کہا:

ان کا گمان ہے کہ ان کے رب عزوجل نے انہیں یہ حکم دیا ہے۔

انہوں نے کہا:

پھر ان کو چاہئے کہ وہ اپنے رب عزوجل کی اطاعت کریں۔

پھر وہ ایک آدمی کے بھیس میں اس بیٹے کی ماں کے پاس گیا

اور ان سے کہا:

کیا تم کو معلوم ہے کہ ابراہیم علیہ السلام تمہارے بیٹے کو لے کر کہاں گئے ہیں۔

انہوں نے کہا:

وہ اس گھاٹی میں لکڑیاں چننے گئے ہیں

شیطان نے کہا:

نہیں! اللہ تعالیٰ کی قسم! وہ صرف اس کو ذبح کرنے کے لئے ساتھ لے کر گئے ہیں۔

ان کی والدہ نے کہا:

نہیں وہ اپنے بیٹے پر شفقت کرتے ہیں اور اس سے بہت محبت کرتے ہیں۔

شیطان نے کہا:

ان کا یہ گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دیں۔

ان کی والدہ نے کہا:

اگر ان کے رب عزوجل نے ان کو یہ حکم دیا ہے تو انہوں نے بہت اچھا کیا کہ اپنے رب عزوجل کے حکم کی اطاعت کی اور اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اللہ تعالیٰ کا دشمن ابلیس ناکام اور نامراد ہو کر غیظ و غضب میں مبتلا ہو کر واپس لوٹ گیا اور اس لعین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل کو بہکانے کا جو ارادہ کیا تھا اس میں وہ خائب و خاسر رہا۔

(تفسیر ثعلبی: ج:8،ص:154)(الکامل فی التاریخ: ج:2،ص:63)

گھاٹی میں اپنے بیٹے سے مشورہ

امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ
جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر گھاٹی میں پہنچے اور وہ ثبیر نامی پہاڑ کی گھاٹی تھی۔
تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا۔
اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں، اب تم سوچ کر بتاؤ کہ تمہارا کیا فیصلہ ہے۔
ان کے بیٹے نے کہا:
اے ابا جان! آپ وہی کیجئے جن کا آپ علیہ السلام کو حکم دیا گیا ہے۔ آپ علیہ السلام ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ (تاریخ الامم والملوک: ج:1، ص:195)

ذبح سے پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عرض

امام محمد بن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ
حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا
اے ابا جان! اگر آپ علیہ السلام نے مجھے ذبح کرنے کا ارادہ کر لیا ہے تو مجھے مضبوطی کے ساتھ رسیوں سے باندھ دیں تاکہ میرے خون کے چھینٹے آپ علیہ السلام پر نہ پڑیں اور میرا اجر کم نہ ہو کیونکہ موت بہت سخت ہوتی ہے اور میں ذبح کے وقت اپنے تڑپنے اور پھڑکنے سے مامون نہیں ہوں اور اپنی چھری کو اچھی طرح تیز کر لیں تاکہ وہ مجھ پر آسانی سے گزر جائے اور جب آپ علیہ السلام مجھے کرنے کے لئے لٹائیں تو مجھے منہ کے بل لٹائیں اور مجھے پہلو کے بل نہ لٹائیں کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ اگر آپ علیہ السلام کی نظر میرے چہرے پر پڑے گی تو آپ علیہ السلام کے دل میں رقت پیدا ہو گی اور وہ رقت آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے سے مانع ہو گی اور اگر آپ علیہ السلام مناسب سمجھیں تو میری قمیص میری ماں کو لے جا کر دے دیں۔ اس سے ان کو تسلی ہو گی اور ان کو مجھ پر صبر آ جائے گا۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:
اے میرے بیٹے تم اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے میں میرے لئے عمدہ مددگار ثابت ہو رہے ہیں۔
(تفسیر معالم التنزیل: ج:4، ص:36)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لٹا کر چھری چلانا

امام محمد بن اسحاق اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ
پھر جس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا تھا ان کو اچھی طرح باندھ دیا پھر اپنی چھری کو تیز کیا اور پھر ان کو پیشانی کے بل گرا دیا اور ان کے چہرے کی طرف سے اپنی نظر ہٹالی پھر ان کے حلقوم پر چھری چلائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ میں اس

چھری کو پلٹ دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس چھری کو پھر اپنی طرف کھینچا تا کہ اپنے اس عمل سے فارغ ہوں۔

تو ایک ندا کی گئی:

اے ابراہیم علیہ السلام! تم نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔ یہ ذبیحہ تمہارے بیٹے کی طرف سے فدیہ ہے۔ اپنے بیٹے کے بدلے میں اس کو ذبح کر دو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

جب ان دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا حالانکہ ذبیحہ کو چہرے پر گرایا جاتا ہے اور یہ اس کے مطابق ہے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو مشورہ دیا تھا۔

(تفسیر معالم التنزیل: ج:4،ص:36)

ذبح کا تذکرہ

قرآن مجید میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کا تذکرہ موجود ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۝ (الصفت: 103 تا 106)

سو جب دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا اور ہم نے ابراہیم کو ندا کی: اے ابراہیم بے شک آپ نے خواب سچ کر دکھایا اور بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی دیتے ہیں بے شک یہ ضرور کھلی ہوئی آزمائش ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بدلہ میں ذبیحہ عطا کرنا

اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح ہونے کے بدلے میں ذبیحہ عطا فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ (الصفت: 107)

اور ہم نے اس کے بدلہ میں ایک بہت بڑا ذبیحہ دے دیا۔

مینڈھا جنت میں چالیس سال سے چر رہا تھا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا:

جنت سے ایک مینڈھا باہر لایا گیا جو چالیس سال سے جنت میں چر رہا تھا۔

(تاریخ الامم والملوک: ج:1،ص:192 مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کنکریاں مارنا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو بھیج دیا پھر جمرہ اولیٰ پر گئے اور وہاں سات کنکریاں ماریں پھر جمرہ وسطیٰ پر گئے اور وہاں سات کنکریاں ماریں پھر جمرہ کبریٰ پر گئے اور وہاں سات کنکریاں ماریں پھر منیٰ میں قربانی کی جگہ گئے اور وہاں اس مینڈھے کو ذبح کر دیا۔

(تاریخ الامم والملوک: ج:1،ص:193 مطبوعہ مؤسستہ الاعلمی بیروت)

مینڈھے کے سینگ خانہ کعبہ کے ساتھ لٹکے ہونا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ بے شک اوائل میں اس مینڈھے کا سر اس کے دو سینگوں کے ساتھ میزاب کے ساتھ لٹکا ہوا تھا اور اس کا سر سوکھ کر خشک ہو چکا تھا۔

(تاریخ الامم والملوک: ج:1،ص:193 مطبوعہ مؤسستہ الاعلمی بیروت)

مجھے اپنی قمیص میں کفن دینا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حج کے افعال ادا کرنے کا حکم دیا گیا تو شیطان آپ علیہ السلام کے پاس آیا۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ علیہ السلام کو جمرۃ العقبہ پر لے گئے۔ آپ علیہ السلام کے پاس پھر شیطان آیا آپ علیہ السلام نے اس کو سات کنکریاں ماریں تو وہ چلا گیا۔ پھر آپ علیہ السلام چلے گئے تو جمرہ وسطیٰ کے پاس شیطان آیا۔ آپ علیہ السلام نے پھر اس کو سات کنکریاں ماریں تو وہ چلا گیا۔ تو وہ چلا گیا پھر آپ علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو پیشانی کے بل گرا دیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پر سفید قمیص تھی۔

انہوں نے کہا:

اے ابا جان! میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی قمیص نہیں ہے جس میں آپ علیہ السلام مجھے کفن دیں۔ آپ علیہ السلام اس کو اتار کر رکھ لیں اور اسی میں مجھ کو کفن دیں پھر اچانک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مڑ کر دیکھا تو ایک بڑی آنکھوں والا اور سفید سینگوں والا مینڈھا کھڑا ہوا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو ذبح کر دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

ہم اسی وجہ سے اسی طرح کا مینڈھا قربانی کے لئے تلاش کرتے ہیں۔

(تاریخ الامم والملوک: ج:1،ص:194 مطبوعہ مؤسستہ الاعلمی بیروت)

حضرت آدم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذبیحے ایک قسم کے تھے

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ
جس مینڈھے کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کیا تھا۔ وہ اسی کی نسل سے تھا جس کی حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے نے قربانی کی تھی اور ان کی قربانی قبول کر لی گئی تھی اور وہ مینڈھا سرمگیں تھا اور اس کا اون سرخ رنگ کا تھا۔
(تاریخ الامم والملوک ج:1، ص:145 مطبوعہ مؤسستہ الاعلمی بیروت)

دونوں سینگوں کو آگ گئی

صفیہ بنت شیبہ بیان کرتی ہیں کہ
مجھے بنو سلیم کی ایک عورت نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلایا۔
میں نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ
تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں بلوایا تھا۔
انہوں نے کہا:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب میں بیت اللہ میں داخل ہوا تو میں نے وہاں پر ایک مینڈھے کے دو سینگ دیکھے۔ میں تم سے یہ کہنا بھول گیا کہ تم ان سینگوں کو ڈھانپ دو سو اب تم ان کو ڈھانپ دو کیونکہ بیت اللہ میں کوئی ایسی چیز نہیں ہونی چاہئے جو نمازی کو مشغول کرالے۔
سفیان نے کہا:
وہ دونوں سینگ بیت اللہ میں رکھے رہے حتیٰ کہ جب بیت اللہ کو آگ لگی تو وہ سینگ بھی جل گئے۔
(مسند احمد: ج:4، ص:69 طبع قدیم)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے وقت عمر

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:
بعض علماء نے کہا:
اس وقت میں (یعنی ذبح کے وقت) حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر 13 سال تھی۔
(تفسیر کبیر: ج:26، ص:12)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح میں اختلاف

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیحہ ہونے میں اختلاف ہے۔
علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کون سے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔
اکثر علماء کا یہ مسلک ہے کہ
ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔
(1) حضرت عباس بن عبدالمطلب (ایک روایت کے مطابق)
(2) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ
(3) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
(4) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
(5) حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ
(6) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ
(7) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ
ان سات صحابہ کرام علیہم الرضوان کا یہ نظریہ تھا کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں اور تابعین وغیرہم میں سے
(1) علقمہ رضی اللہ عنہ
(2) سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ
(3) کعب الاحبار رضی اللہ عنہ
(4) عکرمہ رضی اللہ عنہ
(5) القاسم بن ابی بزہ رضی اللہ عنہ
(6) عطاء رضی اللہ عنہ
(7) مقاتل رضی اللہ عنہ
(8) عبدالرحمان بن سابط رضی اللہ عنہ
(9) زہری رضی اللہ عنہ
(10) سیدی رضی اللہ عنہ
(12) عبداللہ بن الہذیل رضی اللہ عنہ
(13) مالک بن انس رضی اللہ عنہ
انہوں نے کہا: حضرت اسحاق علیہ ذبیح ہیں۔
دوسرے علماء کا یہ مختار ہے کہ

ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔
(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ
(2) حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ
(3) حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ
(4) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ
(5) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ
اور تابعین میں سے
(1) سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ
(2) الشعبی رضی اللہ عنہ
(3) یوسف بن مہران رضی اللہ عنہ
(4) حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ
(5) الربیع بن انس رضی اللہ عنہ
(6) محمد بن کعب القرظی رضی اللہ عنہ
(7) الکلبی رضی اللہ عنہ
(8) اور علقمہ رضی اللہ عنہ
وغیرہم کا یہی قول مختار ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح ہیں۔
(الجامع الاحکام القرآن: مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی کا قول

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث بیان کی جس کا بیان عورتوں میں سے جس نے سب سے پہلے پٹکا اپنی کمر پر باندھا کے عنوان سے شروع ہوتی ہے اور اس آخر میں یہ فرمایا گیا کہ

اے ہمارے رب عزوجل! تو ہم سے قبول فرما بے شک تو بہت سننے والا بہت جاننے والا ہے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3364)

اس حدیث کو گزشتہ صفحات جہاں عورتوں میں سب سے پہلے جس نے اپنی کمر پر پٹکا باندھا، کے حوالہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس حدیث کے تحت لکھا جاتا ہے کہ حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن التین نے کہا:

اس حدیث مبارکہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں کیونکہ جن کو ذبح کرنے کا حکم دیا تھا وہ اس

وقت چلنے پھرنے اور دوڑنے کی عمر کو پہنچے تھے اور اس حدیث مبارکہ میں یہ مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پیتا چھوڑ کر گئے تھے اور جب وہ ان کے پاس لوٹے تو وہ شادی شدہ تھے اگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم ہوتا تو اس حدیث مبارکہ میں یہ مذکور ہوتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے دودھ پینے کے زمانہ اور شادی سے پہلے بھی ان کے پاس آئے تھے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ اس حدیث مبارکہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بچپن کے زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آنے کی نفی ہے۔

اس لئے ہوسکتا ہے کہ

درمیانی زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے ہوں اور اس وقت آپ علیہ السلام کو حکم ہوا ہو کہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں اور اس کا اس حدیث مبارکہ میں ذکر نہیں ہے۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ

بلکہ میں کہتا ہوں کہ ایک اور حدیث میں ان دو زمانوں کے درمیان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آنے کا ذکر ہے۔

کیونکہ ابوجہم کی حدیث مبارکہ میں ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ سے ملنے کے لئے ہر ماہ صبح کو براق پر سوار ہو کر آتے تھے اور دو پہر کو واپس شام پہنچ جاتے تھے۔

امام فاکہی نے بھی سند صحیح کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام براق پر سوار ہو کر حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ سے ملنے کے لئے جاتے تھے۔

اور اس حدیث مبارکہ میں یہ جو مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام کے شادی شدہ ہونے کے بعد آئے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ

پہلے ان سے متعدد بار ملاقات کرنے کے بعد اس وقت آئے جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی ہو چکی تھی۔

(فتح الباری: ج:6، ص:404 مطبوعہ لاہور)

ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں

تورات کی آیات سے ثابت ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔

چنانچہ تورات میں ہے۔

اور ابرام کی بیوی ساری کے کوئی اولاد نہ ہوئی اس کی ایک مصری لونڈی تھی۔ جس کا نام ہاجرہ تھا اور ساری نے ابرام سے کہا کہ دیکھ خداوند نے مجھے تو اولاد سے محروم رکھا ہے تو میری لونڈی کے پاس جا۔ شاید اس گھر سے میرا گھر آباد ہو اور ابرام نے

ساری کی ساری بات مان لی اور ابرام کو ملک کنعان میں رہتے دس برس ہو گئے تھے جب اس کی بیوی ساری نے اپنی مصری لونڈی اسے دی کہ اس کی بیوی بنے اور وہ ہاجرہ کے پاس گیا اور وہ حاملہ ہوئی اور جب اسے معلوم ہوا کہ وہ حاملہ ہوئی تو اپنی بی بی کو حقیر جاننے لگی۔

(تورات ص:16، بائبل سوسائٹی لاہور)

اور خداوند کے فرشتے نے اس سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور تیرے بیٹا ہوگا اس کا نام اسماعیل رکھنا اس لئے کہ خداوند نے تیرا دکھ سن لیا۔

(تورات ص:16، بائبل سوسائٹی لاہور)

اور ابرام سے ہاجرہ کے ایک بیٹا ہوا اور ابرام نے اپنے اس بیٹے کا نام جو ہاجرہ سے پیدا ہوا اسماعیل رکھا اور جب ابرام سے ہاجرہ کے اسماعیل پیدا ہوا تب ابرام چھیاسی برس کا تھا۔

(پیدائش باب:16، آیت:15،16، ص:16 بائبل سوسائٹی لاہور)

ان آیات میں یہ تصریح ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے بیٹے ہیں اور اب جو آیات ہم ذکر کر رہے ہیں۔ان میں یہ تصریح ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پیدا ہونے کے بعد حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔

''اور خدا نے ابرہام سے کہا کہ ساری جو تیری بیوی ہے سو اس کو ساری نہ پکارنا اس کا نام سارہ ہوگا اور میں اسے برکت دوں گا اور اس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشوں گا یقیناً میں اسے برکت دوں گا کہ قومیں اس کی نسل سے ہوں گی اور عالم کے بادشاہ اس سے پیدا ہوں گے۔تب ابرہام سرنگوں ہوا اور ہنس کر دل میں کہنے لگا کہ کیا سو برس کے بڈھے سے کوئی بچہ ہوگا اور کیا سارہ کے جو نوے (90) برس کی ہے اولاد ہوگی اور ابرہام نے خدا سے کہا کہ کاش اسماعیل ہی تیرے حضور جیتا رہے۔تب خدا نے فرمایا بے شک تیری بیوی سارہ کے تجھ سے بیٹا ہوگا تو ان کا نام اضحاق رکھنا اور میں اس سے اور پھر اس کی اولاد سے اپنا عہد جو ابدی ہے باندھوں گا۔

(تورات:ص:16،17، پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

حسب ذیل آیات میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے اکلوتے بیٹے کی قربانی کرنے کا حکم دیا گیا۔

اُن باتوں کے بعد یوں ہوا کہ خدا نے ابرہام کو آزمایا اور اسے کہا اے ابرہام اس نے کہا: میں حاضر ہوں۔تب اس نے کہا: تو اپنے بیٹے اضحاق کو جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیار کرتا ہے۔ساتھ لے کر موریاہ کے ملک میں جا اور وہاں اسے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا۔

سوختنی قربانی کے طور پر چڑھا۔

(تورات ص:21، بائبل سوسائٹی لاہور)

ان آیات میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے اکلوتے بیٹے کی قربانی حکم دیا گیا تھا اور حضرت اسحاق علیہ السلام ان کے اکلوتے بیٹے نہ تھے کیونکہ اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی تھے جو ان سے چودہ سال پہلے پیدا ہوئے تھے اور وہی اکلوتے تھے۔ یہودیوں نے تورات کی اس آیت میں تحریف کر کے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ حضرت اسحاق علیہ السلام کا نام ڈال دیا لیکن اس آیت میں اکلوتے کا لفظ ان کی تحریف کی چغلی کھا رہا ہے۔

حضرت اصمعی کی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر زبردست دلیل

حضرت اصمعی بیان کرتے ہیں کہ

میں نے ابوعمرو بن العلاء سے پوچھا کہ ذبیح کون ہے۔

تو انہوں نے کہا:

اے صمعی! تمہاری عقل کہاں چلی گئی ہے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام مکہ مکرمہ میں کب آئے تھے؟ مکہ مکرمہ میں تو صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ انہوں نے ہی اپنے والد گرامی کے ساتھ مل کر کعبہ کی تعمیر کی تھی اور قربان گاہ بھی مکہ مکرمہ میں ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ

ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ صابرین میں سے ہیں نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی۔

ارشاد فرمایا

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (الانبیاء: 85)

اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل یہ سب صابر تھے۔

اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا یہ صبر تھا کہ انہوں نے اپنے ذبح کئے جانے پر صبر کیا تھا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ صادق الوعد تھے۔

ارشاد فرمایا

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ (مریم: 54)

اور اس کتاب میں اسماعیل کا ذکر کریں وہ وعدہ کے بہت سچے تھے اور وہ رسول اور نبی تھے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو صادق الوعد اس لئے فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنے والد سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ذبح کے وقت صبر کریں گے سو انہوں نے اپنا وعدہ کو سچا کر دکھایا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ (الصفت: 112)

اور ہم نے ان کو اسحاق نبی کی بشارت دی جو صالحین میں سے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ حضرت اسحٰق علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم کیوں کر دیتا جب کہ وہ ان کی پیدائش سے پہلے ہی ان کو نبی بنانے کی بشارت دے چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ○ (هود: 71)

سو ہم نے (ابراہیم کی زوجہ سارہ) اسحاق کی بشارت دی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت دی۔

تو حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبح کرنے کا کیسے حکم دیا جا سکتا تھا جب کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی فرما چکا تھا کہ اسحاق (علیہ السلام) کی پشت اور ان کی نسل سے یعقوب پیدا ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ اس بشارت کے پورا ہونے سے پہلے ان کو ذبح کرنے کا حکم نہیں دیا جا سکتا تھا۔

نیز احادیث مبارکہ اور تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کے فدیہ میں جو مینڈھا ذبح ہوا تھا۔ اس کے سینگ کعبہ میں رکھے ہوئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اگر حضرت اسحاق علیہ السلام ذبیح ہوتے تو اس مینڈھے کے سینگ بیت المقدس میں رکھے ہوئے ہوتے۔

(الجامع الاحکام القرآن ج:15، ص:91، 92 دار الفکر بیروت)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر قول

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی المتوفی 774ھ لکھتے ہیں:

الصّٰفّٰت: 101 میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جس بردبار بیٹے کی بشارت دی ہے وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں کیونکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے بیٹے ہیں اور تمام مسلمانوں کا اور تمام اہل کتاب کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام عمر میں حضرت اسحاق علیہ السلام سے بڑے ہیں بلکہ اہل کتاب کی کتابوں میں (مثلاً تورات میں) یہ تصریح ہے کہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک (86) چھیاسی سال تھی اور جس وقت حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک ننانوے (99) سال تھی اور ان کے نزدیک یہ بات مقرر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کریں۔ اس کے باوجود انہوں نے کذب اور بہتان سے کام لیتے ہوئے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح کیا۔

اوران کا یہ قول اس لئے صحیح نہیں ہے کہ

یہ خود تورات کی تصریحات کے خلاف ہے اور انہوں نے حضرت اسحاق کو ذبیح اس لئے کہا ہے: وہ اسرائیلیوں کے والد ہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام عربوں کے والد تھے۔ اس لئے انہوں نے عربوں سے حسد رکھنے کی بناء پر تحریف کی اور انہوں نے اکلوتے بیٹے کا یہ معنی کیا کہ اس وقت وہ بیٹا باپ کے پاس نہ ہو کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام مکہ مکرمہ میں اپنی ماں حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے حالانکہ اکلوتے کا معنی یہ ہے کہ اس وقت باپ کا صرف ایک بیٹا ہو اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کے اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت آپ علیہ السلام کے صرف ایک بیٹے ہی تھے اور وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ نیز پہلوٹھی کا بیٹا دوسرے بیٹوں کی بہ نسبت زیادہ پیارا اور عزیز ہوتا ہے۔ اس لئے اگر بیٹے کو ذبح کرانے سے باپ کی آزمائش اور امتحان مقصود ہے تو آزمائش کے زیادہ قریب یہ ہے کہ پہلوٹھی کے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا جائے اور چونکہ پہلوٹھی کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اس لئے ذبیح بھی وہی ہیں۔

اہل علم کی ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ

ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں حتیٰ کہ یہ قول بعض صحابہ کرام اور تابعین کرام علیہم الرضوان سے بھی منقول ہے۔ اس کا ذکر نہ قرآن میں ہے نہ سنت میں ہے۔

اور میرا گمان یہ ہے کہ

یہ قول اسرائیلیات سے منقول ہے۔

اور بعض مسلمانوں نے بغیر دلیل کے اس قول کو اختیار کر لیا اور یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اس طرح رہنمائی کر رہی ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں کیونکہ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک بردبار بیٹے کی بشارت دی ہے اور پھر ان کے ذبح ہونے کا واقعہ ذکر کیا ہے اور اس کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت دی ہے اور جب فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت دی تو کہا ہم آپ کو علم والے بیٹے کی بشارت دیتے ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر، ج:4، ص:16، دار الفکر بیروت)

امام الحسین بن مسعود کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر قول

امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی 516ھ لکھتے ہیں:

القرظی بیان کرتے ہیں کہ

علماء یہود میں سے ایک عالم مسلمان ہو گیا اور اس نے اسلام میں بہت نیک کام کئے۔

اس نے عمر بن عبد العزیز سے پوچھا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹوں میں سے کون سے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا؟

اس نے کہا:

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو

پھر اس نے کہا:

اے امیر المومنین! یہود کو بھی اس حقیقت کا علم ہے لیکن وہ عرب لوگوں سے حسد کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کے باپ کو ذبح کا حکم دیا گیا ہو اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ

ذبیح حضرت اسحاق بن ابراہیم علیہا السلام ہیں۔

اور اس پر یہ دلیل ہے کہ

جس مینڈھے کو بطور فدیہ ذبح کیا گیا اس کے سینگ خانہ کعبہ میں بنو اسماعیل کے ہاتھوں میں رہے تھے اور حضرت ابن الزبیر اور حجاج کی جنگ میں وہ سینگ جل گئے۔

شعبی نے کہا:

میں نے اس مینڈھے کے دونوں سینگوں کو کعبہ میں لٹکا ہوا دیکھا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

میں نے اس مینڈھے کے سر کو سینگوں سمیت کعبہ کے پرنالہ کے ساتھ لٹکا ہوا دیکھا ہے وہ سر خشک ہو چکا تھا۔

اصمعی کہتے ہیں۔

میں نے ابو عمرو بن العلاء سے سوال کیا کہ

ذبیح کون ہے؟ حضرت اسحاق یا حضرت اسماعیل علیہا السلام؟

تو انہوں نے کہا:

اے اصمعی! تمہاری عقل کہاں ہے؟ حضرت اسحاق علیہ السلام مکہ مکرمہ کب آئے تھے! مکہ میں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام آئے تھے اور انہوں نے ہی اپنے والد کے ساتھ مل کر کعبہ کی تعمیر کی تھی۔

(معالم التنزیل ج:4،ص:36 دار احیاء التراث العربی بیروت)

مصنف کا قول

فقیر کہتا ہے کہ

حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح ہیں۔ اس میں چند اقوال عرض کرتا ہوں۔

اول: یہ ہے کہ اگر حضرت اسحاق علیہ السلام بڑے ہوتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مکہ مکرمہ کی تعمیر کراتے

جبکہ ایسا ہرگز نہیں کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی بڑے تھے اور مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ کی تعمیر کروائی۔

دوم: یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام بڑے تھے اور حضرت اسحاق علیہ السلام چھوٹے تھے جب حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے تو اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر مبارک 13 سال تھی۔

سوم: یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے وعدہ یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی پیش کر دی اور اللہ تعالیٰ نے جنت سے مینڈھا بھیجا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس مینڈھے کو ذبح کر چکے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ بشارت سنائی کہ ہم نے آپ کو اسحاق نبی کی بشارت دی جو صالحین میں سے ہیں۔ معلوم ہوا جب اللہ تعالیٰ کے وعدے کو پورا کر دیا تو پھر حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت سنائی گئی اور حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔

لہٰذا حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح ہیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اولاد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اولاد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو منتخب کر لیا اور کنانہ کی اولاد میں سے قریش کو منتخب کر لیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو منتخب کر لیا اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو چن لیا۔

(صحیح مسلم: کتاب الفضائل، باب فضل نسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم: رقم الحدیث: 2276)

امام ترمذی کی روایت اس طرح ہے۔

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چن لیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو چن لیا اور بنو کنانہ میں سے قریش کو چن لیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو چن لیا اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو چن لیا۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 3605)

میں ذبیحوں کا بیٹا ہوں

امام ابوالقاسم الحسن بن علی ابن العساکر المتوفی 571ھ لکھتے ہیں:

ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کریں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انا ابن الذبیحین

میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج:6،ص:205،رقم الحدیث:1669 دار حیاء التراث العربی بیروت)

دو ذبیحے کیسے؟

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دو ذبیحوں کی اولاد ہیں۔

(1) حضرت اسماعیل علیہ السلام

(2) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

اس سلسلے میں ایک طویل روایت موجود ہے۔

امام عبداللہ بن محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ روایت کرتے ہیں کہ

عبداللہ بن سعید الصنابحی بیان کرتے ہیں کہ

ہم حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔

بعض لوگوں نے کہا:

ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں

اور بعض لوگوں نے کہا:

ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا

تم لوگوں نے اس شخص کے سامنے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے جس کو اس کی خبر ہے۔

انہوں نے کہا:

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک اعرابی آیا

اور کہنے لگا

میرے پیچھے شہر خشک ہو چکے ہیں۔ اُن کا پانی سوکھ گیا ہے اور بچے ضائع اور ہلاک ہو چکے ہیں تو ''یا ابن الذبیحین'' (اے دو ذبیحوں کے بیٹے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا۔ اس میں سے ہم کو کچھ عنایت فرمائیے تو رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فداک امی وابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسکراہٹ پر لاکھوں سلام ہوں)

اور اس پر انکار نہیں فرمایا

پھر ہم نے کہا:

اے امیر المومنین! دو ذبیح کون ہیں؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا

جب حضرت عبدالمطلب نے زمزم کھودنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے یہ نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے زمین کی کھدائی کو آسان کر دیا تو وہ اپنے کسی بیٹے کو ذبح کر دیں گے۔ جب انہوں نے اپنے بیٹوں کے ناموں کی قرعہ اندازی کی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا نام نکل آیا تو انہوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو بنو مخزوم میں جوان کے ماموں تھے انہوں نے اس سے منع کیا۔

اور کہا کہ

آپ کے رب عزوجل کی زمین بہت وسیع ہے۔ آپ اپنے بیٹے کا فدیہ دے دیجئے تو حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے فدیے میں سو اونٹ ذبح کر دیئے۔

تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

دو ذبیحوں میں سے ایک ذبیح حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

اور دوسرے ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

(المستدرک ج:2،ص:254 طبع قدیم)

علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ متوفی 538ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انا ابن الذبیحین

ترجمہ: میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔

(الکشاف ج:4،ص:58)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی ذبیح ہیں

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی ذبیح ہیں۔

اس سلسلے میں روایت موجود ہے۔

امام عبدالملک بن ہشام متوفی 213ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے کہا ہے:

جب زمزم کی کھدائی کے وقت حضرت عبدالمطلب کی قریش سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو دس بیٹے عطا کئے اور وہ سب جوان اور صحت مند ہو کر ان کی مہمات میں ان کے معاون ہوئے تو وہ ان میں سے کسی ایک بیٹے کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ذبح کر دیں گے۔ سب سے چھوٹے اور محبوب بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تھے جب آپ رضی اللہ عنہ جوانی کی عمر کو پہنچ گئے تو حضرت عبدالمطلب نے ان کے سامنے اپنی نذر کا تذکرہ کیا ان سب نے سعادت مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ

آپ ہم میں سے جس کو بھی حکم دیں گے وہ اپنے آپ قربانی کے لئے پیش کر دے گا۔ سب مل کر بیت اللہ میں جمع ہوئے اور فال نکالنے والے کو بلایا گیا۔ ہر بیٹے کا نام تیر پر لکھ دیا گیا جب فال نکالی گئی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے نام والا تیر نکل آیا۔ حضرت عبدالمطلب ان کو ذبح کرنے کے لئے اور عبداللہ رضی اللہ عنہ ذبح ہونے کے لئے تیار تھے مگر قریش کے سرداروں نے مزاحمت کی۔

اور کہا

اگر بیٹوں کو ذبح کرنے کی یہ رسم چل پڑی تو پھر کسی شخص کا بیٹا سلامت نہیں رہے گا۔ غرض حجاز کے ایک کاہنہ سے فیصلہ کرایا گیا۔

اس نے کہا:

دس اونٹوں اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے نام میں قرعہ اندازی کرو اگر دس اونٹ نکل آئیں تو ان کو ذبح کر دینا اور اگر پھر بھی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا نام نکلے تو دس اونٹ اور بڑھا دینا اور پھر دوبارہ قرعہ اندازی کرنا اور اسی طرح دس دس اونٹ بڑھاتے رہنا حتیٰ کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بجائے سو اونٹوں کے نام قرعہ فال نکل آئے۔ غرض جب سو اونٹوں اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے نام کا قرعہ نکالا گیا تو سو اونٹ نکل آئے اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی جگہ سو اونٹوں کو ذبح کر دیا گیا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام: ج:1 ص:188 تا 192 دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ذبیح کے نام سے مشہور

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی متوفی 450ھ اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے فدیہ میں سو اونٹ ذبح کر دیئے گئے تو عرب میں یہ رسم مقرر ہو گئی کہ انسان کی دیت سو

اونٹ ہو گئی۔ سو اونٹ ذبح کرنے کے بعد حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو لے کر خوشی خوشی گھر لوٹ گئے اور اس وقت سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ذبیح کے نام سے مشہور ہو گئے۔

اس وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انا ابن الذبیحین

ترجمہ: میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔

ایک ذبیح حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام ہیں۔

اور دوسرے ذبیح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر خصوصی فضل و انعام ہے۔

(اعلام النبوہ: ص: 232 دار احیاء العلوم بیروت)

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا شاہی خاندان سے تھیں

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں مگر آپ رضی اللہ عنہا کو ظلماً قید کر لیا گیا تھا۔ اس لئے لونڈی کہا جاتا ہے۔

حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کسی شاہی خاندان سے تھیں اور شاہ مصر کے یہاں قید تھیں۔ جن روایتوں میں ان کو لونڈی یا خادمہ بتایا گیا وہ اس لحاظ سے ہے کہ اس کو شاہ مصر نے ظلماً لونڈی بنا کر رکھا تھا کیونکہ پہلے قیدیوں کو لونڈی ہی بنا لیا کرتے تھے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 1، ص: 709 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹوں کی سوانح

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ آپ علیہ السلام کی ماں حضرت ہاجر قبطیہ تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ علیہ السلام کو شیر خوارگی میں مکہ مکرمہ لے آئے۔ یہ اپنے بھائی حضرت اسحاق علیہ السلام سے چودہ سال بڑے تھے جس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفات ہوئی تو آپ علیہ السلام کی عمر مبارک ایک سو سینتیس (137) سال تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ علیہ السلام کی عمر نواسی (89) سال تھی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح اللہ ہیں۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

ایک قول یہ ہے:

وہ ذبیح اللہ ہیں۔ ان کی اولاد نبی اسرائیل ہیں۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی عمر 180 سال تھی۔ یہ ارض مقدسہ میں فوت

ہوئے اور اپنے باپ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے پاس دفن کیے گئے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا فوت ہو گئیں تو انہوں نے قطورا بنت یقطن لعنانیہ سے شادی کر لی اور ان سے مدین، ہداین، نہشان، زمران، نشیق اور شیوخ پیدا ہوئے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام فوت ہو گئے۔ آپ علیہ السلام کی وفات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے درمیان تقریباً تین ہزار سال کا عرصہ ہے۔ یہود اس مدت سے چار سو سال کم کرتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا ذکر ان شاء اللہ سورہ یوسف میں آئے گا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے بعد پیدا ہوئے اور جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام بھی اسی طرح اپنے بیٹوں کو وصیت کی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام ایک سو سینتالیس سال زندہ رہے اور مصر میں فوت ہوئے۔ آپ علیہ السلام نے وصیت کی تھی کہ آپ علیہ السلام کو ارض مقدسہ میں لے جایا جائے اور وہاں آپ علیہ السلام کے باپ حضرت اسحاق علیہ السلام کے پاس دفن کیا جائے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کو ان کے پاس دفن کیا۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:2،ص:135 تا136 مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

تعمیر کعبہ کی تاریخ

خانہ کعبہ کی تعمیر چند مراحل سے ہوتی رہی لیکن حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے خانہ کعبہ کو تعمیر فرمایا اور اس کی اول بنیاد رکھی۔

حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے خانہ کعبہ تعمیر فرمایا

حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے خانہ کعبہ تعمیر فرمایا۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:

امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کے پاس بھیجا۔

اور ان سے فرمایا:

میرے لئے ایک بیت بناؤ۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کے لئے نشان ڈالے حضرت آدم علیہ السلام زمین کھودتے تھے اور حضرت حوا علیہا السلام مٹی نکالتی تھیں۔ انہوں نے اس قدر گہری بنیاد کھودی کہ زمین کے نیچے سے پانی نکل آیا۔

پھر یہ ندا کی گئی:

اے آدم علیہ السلام! یہ کافی ہے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے یہ بیت بنالیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اس کے گرد طواف کریں۔

اور آپ علیہ السلام سے کہا گیا:

. آپ علیہ السلام پہلے انسان ہیں اور یہ پہلا بیت ہے پھر صدیاں گزرتی گئیں حتی کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اس کا حج کیا۔

(عمدۃ القاری: ج:9،ص:216 تا 217 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر)

حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے طواف کیا

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ

ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ بیت اللہ کو زمین پر اتارا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

میں تمہارے ساتھ ایک بیت کو نیچے اتار رہا ہوں۔ اس کے گرد طواف کیا جائے گا جس طرح میرے عرش کے گرد طواف کیا جاتا ہے پھر اس کے گرد حضرت آدم علیہ السلام نے طواف کیا اور آپ علیہ السلام کے بعد مومنین نے طواف کیا۔

(جامع البیان: ج:4،ص:6 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام کا بیت اللہ بنانا بہت مشہور ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ہشام نے کتاب التحیان میں لکھا ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام نے جب کعبہ معظمہ کو بنالیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بیت المقدس کی طرف جانے کا حکم دیا اور یہ حکم دیا کہ وہاں پر ایک مسجد بنائیں اور اس میں عبادت کریں اور حضرت آدم علیہ السلام کا بیت اللہ کو بنانا بہت مشہور ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

طوفان نوح کے زمانہ میں بیت اللہ کو اٹھالیا گیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے لئے اس کو مہیا کیا۔

اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی بیت کو بنایا تھا اور جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تو ان کو فرشتوں کی آوازیں اور ان کی تسبیحات سنائی نہیں دیتی تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا

اے آدم (علیہ السلام)! میں نے ایک بیت کو زمین پر اتارا ہے اس کے گرد بھی اسی طرح طواف کیا جائے گا جس طرح میرے عرش کے گرد طواف کیا جاتا ہے۔

آپ علیہ السلام اس بیت کی طرف چلے جائیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو ہند میں اتارا گیا تھا پھر آپ علیہ السلام مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور بیت اللہ پہنچے اور اس کا طواف کیا۔

اور ایک قول یہ ہے:

جب انہوں نے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لی تو انہیں بیت المقدس کی طرف جانے کا حکم دیا گیا اور انہوں نے وہاں ایک مسجد بنائی اور وہاں نماز پڑھی تا کہ آپ علیہ السلام کی بعض اولاد کے لئے وہ قبلہ ہو جائے۔

(فتح الباری: ج:6،ص:408 تا 409 مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ)

حضرت آدم علیہ السلام کا مختلف پہاڑوں سے مٹی لے کر بیت اللہ بنانا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

عطاء بیان کرتے ہیں کہ

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

اے میرے رب عزوجل! میں فرشتوں کی آواز نہیں سنتا۔

ارشاد فرمایا

اس کی وجہ تمہاری (ظاہری) خطا ہے لیکن تم زمین پر اتر جاؤ اور میرے لئے ایک گھر بناؤ پھر اس کے گرد طواف کرو جس طرح تم نے آسمان میں میرے بیت کے گرد فرشتوں کو طواف کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام نے حرا، طور زیتا، طور سینا، جبل لبنان اور جودی پانچ پہاڑوں سے مٹی لے کر بیت اللہ کو بنایا۔

(جامع البیان: ج:1،ص:428 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

حافظ ابن کثیر کا قول

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

سب سے پہلے آدم علیہ السلام نے کعبہ کو بنایا۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1،ص:127، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے کہا:

سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے کعبہ کو بنایا۔

(عمدۃ القاری: ج:16،ص:288 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ)

علامہ احمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ احمد قسطلانی متوفی 911 لکھتے ہیں:

پہلی بار کعبہ کو فرشتوں نے بنایا

دوسری بار حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا۔ (ارشاد الساری: ج:3،ص:143 مطبوعہ مطبعہ ممنہ مصر)

مفتی احمد یار نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ 1363ھ لکھتے ہیں:

تاریخ ابن العساکر اور تاریخ ارزقی سے تفسیر عزیزی وغیرہ نے نقل کیا کہ

جب حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے زمین پر تشریف لائے تو بارگاہ الٰہی عزوجل میں عرض کیا کہ خدایا میں یہاں نہ تو ملائکہ کی تسبیح و تکبیر سنتا ہوں اور نہ کوئی عبادت کا، دیکھتا ہوں جیسے کہ آسمان میں بیت المعمور دیکھتا تھا جس کے اردگرد ملائکہ طواف کرتے تھے۔

جواب الٰہی عزوجل آیا کہ:

جاؤ جہاں ہم نشان بتائیں وہاں کعبہ بنا کر اس کے اردگرد طواف بھی کرلو اور اس کی طرف نماز بھی ادا کرو۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ علیہ السلام کی رہبری کے لئے ساتھ چلے اور انہیں وہاں لائے جہاں سے زمین بنی تھی یعنی جس جگہ پانی پر جھاگ پیدا ہوا تھا اور پھر وہی جھاگ پھیل کر زمین بنی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے وہاں اپنا پر مار کر ساتوں زمین تک بنیاد ڈال دی جس کو ملائکہ نے پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے بھرا۔

(1) کوہ لبنان

(2) کوہ طور

(3) کوہ جودی

(4) کوہ حرا

(5) طور زیتا

بنیاد بھر کر نشان کے لئے چاروں طرف کی دیواریں اٹھادیں۔ اس طرح حضرت آدم علیہ السلام نماز پڑھتے رہے اور اس کا طواف بھی کرتے رہے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ

خود بیت المعمور اتار کر اس بنیاد پر رکھ دیا گیا تو گویا بنیاد دنیوی پتھروں کی رہی اور عمارت بیت المعمور کی۔ طوفان نوحی تک کعبہ اسی حال میں رہا۔ اس طوفان کے وقت وہ عمارت تو آسمان پر اٹھائی گئی اور یہ کعبہ کی جگہ اونچے ٹیلے کی طرح رہ گئی مگر لوگ برابر برکت کے لئے یہاں آتے تھے اور آکر دعائیں مانگتے تھے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:1،ص:710 تا 711 نعیمی کتب خانہ لاہور)

تفسیر نعیمی پارہ چہارم میں مفتی احمد یار خان نعیمی 1363ھ لکھتے ہیں:

زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے پانی تھا۔ قدرت نے جھاگ پیدا کئے وہ جھاگ چالیس سال تک ایک جگہ محفوظ رہے۔ پھر وہی جھاگ پھیلا دیئے گئے۔ اسی پھیلے ہوئے جھاگ کا نام زمین ہے۔ اس جھاگ کی پیدائش، آسمانوں کی پیدائش سے پہلے ہے اور ان کا پھیلاؤ اس کے بعد۔

رب تعالیٰ نے فرمایا

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا

جہاں وہ جھاگ محفوظ رہے تھے وہیں کعبہ معظمہ ہے۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے بیت المعمور کے بالکل مقابل فرشتوں نے کعبہ شریف کی عمارت بنائی۔ پیمائش میں بیت المعمور کے برابر تاکہ آسمان کے فرشتے تو بیت المعمور کا طواف کیا کریں اور زمینی فرشتے کعبے کا اس عرصہ میں کعبہ کا طواف تو صرف زمینی فرشتے کرتے رہے مگر اس کا حج زمین و آسمان کے سارے فرشتے۔ مگر اس عمارت کا سامان آسمانی سرخ یاقوت تھے۔ زمین کے پتھر وغیرہ نہ تھے پھر حضرت آدم علیہ السلام نے اس تعمیر میں کچھ زیادتی کی اور آپ علیہ السلام بھی اس کا طواف اور اسی کی طرف نماز پڑھتے رہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:4، ص:29، 30 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

تعمیر کعبہ میں اختلاف

تعمیر کعبہ میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کس نے تعمیر کعبہ کی۔

کیا سب سے پہلے تعمیر کعبہ کرنے والے فرشتے تھے؟

کیا سب سے پہلے تعمیر کعبہ کرنے والے حضرت آدم علیہ السلام تھے؟

کیا سب سے پہلے تعمیر کعبہ کرنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے؟

کیا سب سے پہلے تعمیر کعبہ کرنے والے حضرت شیث علیہ السلام تھے؟

بہر حال ان سوالوں کا جواب علماء کرام نے دیا ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کعبہ کو کس نے تعمیر کیا۔

ایک قول یہ ہے:

اس کو سب سے پہلے فرشتوں نے بنایا۔

امام ابن اسحاق نے کہا:

اس کو سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا۔

اور ایک قول یہ ہے:

اس کو سب سے پہلے حضرت شیث بن آدم علیہ السلام نے بنایا۔

(عمدۃ القاری: ج:16،ص:288 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ معیر)

علامہ احمد قسطلانی نے ان تمام اقوال اور روایات کو جمع کر کے یہ فرمایا: کعبہ کو دس مرتبہ تعمیر کیا گیا۔

(1) پہلی بار کعبہ معظمہ کو فرشتوں نے بنایا

(2) دوسری بار حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا

(3) تیسری بار حضرت شیث علیہ السلام نے بنایا۔

(4) چوتھی بار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا

(5) پانچویں بار قوم عمالقہ نے بنایا

(6) چھٹی بار جرہم نے بنایا

(7) ساتویں بار قصی بن کلاب نے بنایا

(8) آٹھویں بار قریش نے بنایا

(9) نویں بار حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب منشا کعبہ کو بنایا۔ اس میں دو دروازے رکھے۔ ایک داخل ہونے کا اور ایک خارج ہونے کا اور حطیم کو کعبہ میں داخل کیا اور یہی بناء ابراہیم تھی۔ قریش اپنے وسائل میں کمی کی وجہ سے اس کو مکمل بناء ابراہیم پر نہیں بنا سکتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ اس کو بناء ابراہیم بنا دیا جائے لیکن فتنہ کے خدشہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بنایا تھا۔

(10) دسویں بار عبدالملک بن مروان کے حکم سے حجاج بن یوسف نے اس کو پھر منہدم کر کے قریش کی بناء کے مطابق بنا دیا۔

(ارشاد الساری: ج:3،ص:143، 144 مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

جب ہارون رشید کو یہ حدیث مبارکہ پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کو اس طرح بنانا چاہتے تھے تو اس نے چاہا کہ کعبہ معظمہ کو پھر حضرت ابن الزبیر کی بناء کے مطابق بنا دے لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو منع کر دیا۔

اور فرمایا

میں تم کو قسم دیتا ہوں اب کعبہ کو اس طرح رہنے دو۔ بار بار منہدم کرنے اور بنانے سے اس کی ہیبت اور جلال میں کمی آئے گی۔ اسعد حمیری نے سب سے پہلے کعبہ کو غلاف چڑھایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے اور

حجاج بن یوسف نے سب سے پہلے اس پر ریشم کا غلاف چڑھایا تھا۔

(الجامع الاحکام القرآن ج:2،ص:125،مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کعبہ کرنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کیا اور تعمیر کعبہ کرنے کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝

(البقرہ:127)

اور (یاد کیجئے) جب ابراہیم اور اسماعیل کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔اے ہمارے رب ہم سے قبول فرما بے شک تو ہی سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کعبہ کی جگہ پر مطلع فرمانا

امام جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے اتارا تو ارشاد فرمایا میں تمہارے ساتھ ایک بیت (بھی) اتاروں گا جس کے گرد اس طرح طواف کیا جائے گا جس طرح میرے عرش کے گرد طواف کیا جاتا ہے اور اس کے پاس ایسے نماز پڑھی جائے گی جیسے میرے عرش کے پاس نماز پڑھی جاتی ہے۔طوفان کے زمانہ میں اس بیت کو اٹھالیا گیا۔انبیاء کرام علیہم السلام اس کا حج کرتے تھے اور انہیں اس کی جگہ کا علم نہیں تھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کی جگہ سے مطلع کیا۔

(جامع البیان:ج:1،ص:428مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسری بار خانہ کعبہ کی تعمیر فرمائی

علامہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ سہیلی متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

کعبہ معظمہ کو پانچ بار بنایا گیا ہے۔

(1) پہلی بار حضرت شیث بن آدم علیہما السلام نے بنایا۔

(2) دوسری بار ان ہی بنیادوں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا۔

(3) تیسری بار ظہور اسلام سے پانچ سال پہلے قریش نے بنایا۔

(4) چوتھی بار حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ نے بنایا اور حطیم کو کعبہ میں شامل کرلیا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا تھا۔

(5) پانچویں بار عبدالملک بن مروان نے بنایا اور حطیم کو پھر باہر کر دیا۔

ایک قول یہ ہے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جب ایک یا دو بار سیلاب آیا تو اس کو قوم جرہم نے بنایا۔

(الروض الانف ج: 1، ص: 127، مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ ملتان)

سب سے پہلے تعمیر کعبہ کرنے والے

علامہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ سہیلی متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ

سب سے پہلے کعبہ معظمہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا تھا۔

(الروض الانف ج: 1، ص: 128، مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ ملتان)

حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

قوی قول یہ ہے: سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ معظمہ کو بنایا۔

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

پھر کعبہ معظمہ منہدم ہو گیا پھر اس کو عمالقہ نے بنایا پھر منہدم ہو گیا پھر اس کو جرہم نے بنایا پھر منہدم ہو گیا پھر اس کو قریش نے بنایا اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے۔

ایک قول یہ ہے:

پندرہ سال پہلے کا واقعہ ہے۔

اور زہری سے روایت ہے کہ

اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلوغت کے قریب تھے۔

(البدایہ والنہایہ ج: 1، ص: 127، 128 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

علامہ احمد قسطلانی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چوتھی بار تعمیر کعبہ کیا۔

(ارشاد الساری: ج: 3، ص: 143، 144 مطبوعہ مطبع میمنہ مصر)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کعبہ بناتے وقت طول

حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:

کتاب التیجان میں لکھا ہے کہ

جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم گمراہ ہو گئی اور انہوں نے کعبہ معظمہ کو منہدم کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اب تم ان کی ہلاکت کا انتظار کرو حتیٰ کہ تنور جوش مارنے لگا۔

امام ازرقی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ
جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ معظّمہ کو بنایا تو بلندی میں اس کا طول نو ہاتھ تھا۔ زمین میں اس کا طول تیس ہاتھ اور عرض بائیس ہاتھ تھا اور اس پر چھت نہیں تھی اور جب قریش نے اس کو بنایا تو بلندی میں اس کا طول اٹھارہ ہاتھ رکھا اور زمین میں اس کے طول کو چھ ہاتھ اور ایک بالشت کم کر دیا اور حطیم کو چھوڑ دیا اور جب حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ نے اس کو بنایا تو بلندی میں اس کا طول بیس ہاتھ رکھا اور جب حجاج نے اس کو منہدم کر کے بنایا تو اس میں تغیر نہیں کیا اور یہ اب تک اسی طرح بنا ہوا ہے۔
جرہم کے ایام میں کعبہ معظّمہ کو ایک یا دو مرتبہ بنایا گیا کیونکہ سیلاب سے کعبہ معظّمہ کی دیوار منہدم ہو گئی تھی۔
اور ایک قول یہ ہے:
اس کو بنایا نہیں گیا تھا۔ صرف اس کی مرمت کی گئی تھی۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ معظّمہ بنایا اور کافی زمانہ گزر گیا تو یہ بوسیدہ ہو کر منہدم ہو گیا پھر اس کو جرہم نے بنایا اور کافی زمانہ کے بعد یہ پھر منہدم ہو گیا تو اس کو قریش نے بنایا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جوان تھے۔
امام محمد بن اسحاق نے السیرۃ میں بیان کیا ہے کہ
جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پینتیس سال (35) تھی تو قریش کعبہ کو بنانے کے لئے جمع ہوئے وہ اس کی چھت بھی ڈالنا چاہتے تھے اور اس کو منہدم کرنے سے خوف کھاتے تھے پھر قریش کے تمام قبائل جمع ہوئے اور انہوں نے پتھر جمع کئے اور اس کی بنیاد میں ہر قبیلہ نے پتھر ڈالے حتیٰ کہ حجر اسود کو نصب کرنے کی جگہ آ گئی اور اس کو نصب کرنے میں اختلاف ہوا۔ ہر قبیلہ والا اس کو نصب کرنا چاہتا تھا حتیٰ کہ قریش کے سب سے بوڑھے شخص ابو امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمران بن مخزوم نے یہ فیصلہ کیا کہ کل جو شخص اس مسجد کے دروازہ میں سب سے پہلے داخل ہو گا وہی تمہارے درمیان اس کا فیصلہ کرے گا اور اس دن سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے۔
لوگوں نے کہا:
یہ امین ہیں ہم ان پر راضی ہیں یہ محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک چادر لاؤ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے حجر اسود کو اس چادر میں رکھ دیا۔
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ہر قبیلہ والا اس چادر کو پکڑ کر اوپر اٹھائے جب انہوں نے اس چادر کو حجر اسود کو نصب کرنے کی جگہ تک اوپر اٹھا لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے حجر اسود کو نصب کر دیا۔
(عمدۃ القاری: ج:9، ص:216 تا 217 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پرانی بنیادوں پر تعمیر کعبہ کیا

امام جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:
حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ بیت اللہ کو زمین پر اتارا گیا۔
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
میں تمہارے ساتھ ایک بیت کو نیچے اتار رہا ہوں۔ اس کے گرد اس طرح طواف کیا جائے گا جس طرح میرے عرش کے گرد طواف کیا جاتا ہے۔ پھر اس کے گرد حضرت آدم علیہ السلام نے طواف کیا اور آپ علیہ السلام کے بعد مومنین نے طواف کیا۔ پھر جب طوفان نوح کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کو غرق کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے بیت کو اوپر اٹھالیا اور اس کو زمین والوں کے عذاب سے دور رکھا پھر بیت اللہ آسمان میں معمور رہا۔ اس کے بعد جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کے آثار تلاش کر رہے تھے تو انہوں نے اس کو پہلے کی پرانی بنیادوں پر تعمیر کیا۔
(جامع البیان: ج:4،ص:6،7 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا! زمین پر کون سی مسجد سب سے پہلے بنائی گئی تھی؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
مسجد حرام
میں نے عرض کیا
پھر کون سی مسجد بنائی گئی تھی؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
مسجد اقصیٰ
میں نے عرض کیا
ان کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
چالیس سال
(صحیح بخاری: ج:1،ص:477)

کعبہ معظمہ کو کس نے بنایا

یہی حدیث مبارکہ جو نقل کی ہے اس حدیث پر اشکال ہے کہ کعبہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا اور مسجد اقصیٰ کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنایا اور ان کے درمیان چالیس سال نہیں بلکہ ایک ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ ہے۔ حافظ شہاب احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث مبارکہ پر یہ اشکال ہے کہ

کعبہ معظمہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا اور مسجد اقصیٰ کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنایا اور ان کے درمیان چالیس سال نہیں بلکہ ایک ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

یہاں ان دونوں مسجدوں کے ابتداء بنانے اور اس کی بنیادیں رکھنے کا ذکر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہ ابتداء کعبہ کو بنایا تھا اور نہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ابتداء مسجد اقصیٰ کو بنایا تھا کیونکہ پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے کعبہ بنایا تھا پھر آپ علیہ السلام کی اولاد زمین میں پھیل گئی تو ہو سکتا ہے کہ اس کے چالیس سال بعد آپ علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی نے مسجد اقصیٰ کو بنایا ہو اور اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہی بنیادوں پر کعبہ کو اٹھایا ہو جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

اس حدیث مبارکہ کی اس پر دلالت نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان مسجدوں کو ابتداء بنایا بلکہ انہوں نے ان کی بنیادوں پر کعبہ اور مسجد اقصیٰ کی عمارت کی تجدید کی۔

علامہ خطابی نے کہا ہے:

مسجد اقصیٰ کو بعض اولیاء اللہ نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام سے پہلے بنایا تھا پھر انہوں نے اس کی عمارت میں زیادتی اور توسیع کی۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ

سب سے پہلے مسجد اقصیٰ کو حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا تھا

ایک قول ہے کہ

فرشتوں نے بنایا تھا

ایک قول ہے کہ

سام بن نوح علیہ السلام نے بنایا تھا

ایک قول یہ ہے:

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بنایا تھا۔

جن کا یہ قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ کو بنایا تھا ان کی تائید اس سے ہوتی ہے۔

امام ابن ہشام نے کتاب التیجان میں لکھا ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام نے جب کعبہ بنایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بیت المقدس کی طرف جانے کا حکم دیا۔

اور یہ حکم دیا کہ

وہاں پر ایک مسجد بنائیں اور اس میں عبادت کریں اور حضرت آدم علیہ السلام کا بیت اللہ کو اٹھالیا گیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے اس کو مہیا کیا۔

امام ابن ابی حاتم نے قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی بیت کو بنایا تھا اور جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تو ان کو فرشتوں کی آوازیں اور ان کی تسبیحات سنائی نہیں دیتی تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا

اے آدم (علیہ السلام)! میں نے ایک بیت کو زمین پر اتارا ہے۔ اس کے گرد بھی اسی طرح طواف کیا جائے گا جس طرح میرے عرش کے گرد طواف کیا جاتا ہے۔ آپ علیہ السلام اس بیت کی طرف چلے جائیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو ہند میں اتارا گیا تھا پھر وہ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے اور بیت اللہ پہنچے اور اس کا طواف کیا۔

اور ایک قول یہ ہے:

جب انہوں نے کعبہ معظمہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لی تو انہیں بیت المقدس کی طرف جانے کا حکم دیا گیا اور انہوں نے وہاں ایک مسجد بنائی اور وہاں نماز پڑھی تا کہ آپ علیہ السلام کی بعض اولاد کے لئے وہ قبلہ ہو جائے۔

(فتح الباری ج:6،ص:408 تا409 مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ)

سب سے پہلے مکہ مکرمہ بنایا گیا

سب سے پہلے جس گھر کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے بنایا گیا وہ مکہ مکرمہ ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ (آل عمران: 96)

بے شک سب سے پہلا گھر جو (اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے) لوگوں کے واسطے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے۔

مقام ابراہیم کی تعیین

مقام ابراہیم کی تعیین میں کئی اقوال ہیں۔

عکرمہ اور عطاء نے کہا:
پورا حج مقام ابراہیم ہے۔
شعبی نے کہا:
عرفہ، مزدلفہ اور جمار مقام ابراہیم ہیں۔
نخعی نے کہا:
پورا حرم مقام ابراہیم ہے۔
اور سب سے صحیح قول یہ ہے:
وہ پتھر جس کو اب لوگ مقام ابراہیم کے عنوان سے پہچانتے تھے اور جس کے پاس طواف کی دو رکعت پڑھتے ہیں وہ مقام ابراہیم ہے اور یہ حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔
امام مسلم نے ایک طویل حدیث مبارکہ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بیت اللہ کو دیکھا تو حجر اسود کو تعظیم دی اور پہلے تین طوافوں میں رمل کیا اور اس کے بعد چار طواف معمول کے مطابق چل کر کئے پھر مقام ابراہیم کی طرف گئے اور طواف کی دو رکعتیں پڑھیں۔
اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ
مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس کو اس وقت بلند کر دیا گیا تھا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان پتھروں کے اٹھانے سے ضعف لاحق ہوا جوان کو حضرت اسماعیل لا کر دے رہے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان اس پتھر میں نقش ہو گئے تھے۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا
میں نے "مقام" میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی انگلیوں، ایڑیوں اور تلووں کے نشان ثبت دیکھے۔
سدی نے بیان کیا ہے کہ
مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زوجہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سر دھوتے وقت ان کے قدموں کے نیچے رکھا تھا۔
(تفسیر قرطبی: ج:2، ص:112 تا 113 مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو)
میں کہتا ہوں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔
حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر لاتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان پتھروں کو جوڑ کر لگاتے تھے۔ جب کعبہ معظمہ کی عمارت بلند ہو گئی تو وہ اس پتھر کو لائے اور اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے رکھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس پتھر

پر کھڑے ہو کر بنانے لگے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کو پتھر لا کر دے رہے تھے۔

(صحیح البخاری، ج:1، ص:476 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

مقام ابراہیم نماز پڑھنے کی جگہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

میں نے اپنے رب عزوجل کی تین چیزوں میں موافقت کی ہے۔

میں نے عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کاش ہم مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالیں تو یہ آیت نازل ہوگئی۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ط (البقرہ: 125)

اور آیت حجاب میں

میں نے عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کاش آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کو حکم دیں کہ وہ حجاب میں رہیں کیونکہ ان سے نیک اور بد (ہر قسم کا شخص) کلام کرتا ہے تو آیت حجاب نازل ہوگئی۔

اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج غیرت میں مجتمع ہوگئیں۔

تو میں نے کہا:

اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں تو بعید نہیں کہ ان کا رب عزوجل تمہارے بدلہ میں ان کو تم سے بہتر بیویاں دے دے تو یہ آیت نازل ہوگئی۔

عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ (التحریم: 5)

(صحیح بخاری، ج:1، ص:58 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعات نماز

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کے سات طواف کئے پھر مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعات نماز پڑھی اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی۔

(صحیح بخاری، ج:1، ص:57 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنانے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنانے کا حکم ارشاد فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ (البقرہ: 125)

اور مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو۔

☆ مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنانے کے حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام کی عظمت و مقام بہت بلند ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے آثار سے برکتیں اور رحمتیں حاصل ہوتی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کعبہ بنانے کی کیفیت

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر نعیمی میں لکھتے ہیں:

جب حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا و حضرت اسماعیل علیہ السلام اس میدان میں آکر ٹھہرے اور آپ علیہ السلام کی زوجہ سے یہاں کچھ آبادی ہوگئی تب حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ آپ علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر یہاں عمارت کعبہ بنائیں۔ اس کی نشانی اسی طرح قائم فرمائی کہ ایک بادل کا ٹکڑا بھیجا گیا تاکہ اس کے سایہ سے کعبہ کی حد مقرر کرلی جائے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اُس سایہ کی مقدار خط کھینچا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس خط پر یہاں تک زمین کھودی کہ بنیاد حضرت آدم علیہ السلام نمودار ہوئی اور اس بنیاد پر عمارت بنائی۔

اس کی مقدار یہ ہے کہ

اس کی بلندی نو ہاتھ اور رکن اسود سے رکن شامی تک کی دیوار (33) تینتیس ہاتھ اور رکن شامی سے رکن غربی تک کی دیوار (22) بائیس ہاتھ اور رکن غربی سے رکن یمانی تک (31) اکتیس ہاتھ اور رکن یمانی سے پھر رکن اسود تک (30) تیس ہاتھ۔ لہٰذا اس وقت یہ کعبہ مستطیل کی شکل تھا جس کا طول عرض سے زیادہ اور خود طول کی شرقی غربی دیواروں میں ایک غیر محسوس سا فرق۔ اس کا دروازہ زمین سے ملا ہوا جس میں کواڑ وغیرہ نہ تھا۔

کچھ دنوں بعد طبع حمیری نے اس دروازہ میں کواڑ زنجیر اور قفل لگائے۔

یہ بھی خیال رہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کے اندر داہنی جانب ایک تغار سا بنایا تھا جو مثل خزانہ کے تھا کعبہ کے لئے جو کچھ نذر تحفے آئیں۔ اس میں رکھے جائیں اس کے دروازے دو تھے ایک داخل ہونے دوسرا نکلنے کا اور کعبہ بنانے والے خلیل تھے اور ان کو گارا اور پتھر اٹھا کر دینے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور اس عمارت میں تین پہاڑوں کے پتھر لگائے گئے کوہ ابو قبیس، کوہ حرا اور کوہ درقان حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کسی نے یہاں عمارت نہ بنائی تھی مگر آپ علیہ السلام کے بعد کئی دفعہ اس کی تعمیر و مرمت ہوئی۔ (تفسیر نعیمی: پارہ:1، ص:710، 711 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد تعمیر کعبہ

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ایک دفعہ قبیلہ عمالقہ اور جرہم نے اسے بنایا پھر دوبارہ قصی ابن کلاب نے اس کی تعمیر کی جس میں چھت درخت مقفل کی لکڑی کی بنائی جس پر بجائے تختوں کے خرمے کی لکڑی ڈالی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف 25 سال کی تھی تو پھر قریش کو اس کی تعمیر کرنا پڑی وجہ اس کی یہ ہوئی کہ ایک عورت وہاں خوشبو سلگاتی تھی۔ ایک بار اچانک اس سے شعلہ اٹھا اور چھت جل گئی۔ اس سے پہلے سیلابوں وغیرہ سے کعبہ کی دیواریں بھی پھٹ چکی تھیں لہٰذا سرداران قریش نے جمع ہو کر ولید بن مغیرہ کو امیر عمارت مقرر کیا اور کعبہ کو منہدم کر کے دوبارہ بنایا مگر آپس میں یہ طے کیا کہ اس میں مال حلال ہی خرچ ہو چونکہ اس وقت اکثر مال دار سود خور تھے اس لئے مال حلال بہت کم جمع ہوا اس کی مال کی وجہ سے انہوں نے عمارت چھوٹی کر دی اور چند فرق بھی کر دیئے۔

اول: یہ کہ تعمیر ابراہیمی سے چند گز زمین چھوڑ کر اسے حطیم قرار دیا۔

دوم: یہ کہ بجائے دو کہ ایک ہی دروازہ رکھا اور وہ بھی زمین سے خوب اونچا تا کہ جسے چاہیں جانے دیں اور جسے چاہیں نہ جانے دیں۔

سوم: یہ کہ خانہ کعبہ کے اندر لکڑی کے ستونوں کی صفیں بنائیں، ہر صف میں تین تین ستون۔

چہارم: یہ کہ اس کی بلندی دگنی کر دی گئی یعنی پہلے نو ہاتھ تھی اب (18) اٹھارہ ہاتھ۔

پنجم: یہ کہ خانہ کعبہ کے اندر رکن شامی کے قریب ایک زینہ بنایا جس سے چھت پر چڑھ سکیں اور اب کعبہ کی شکل یہ ہوگئی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہین کہ

ایک بار مجھے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے متصل زمین میں بنیاد ابراہیمی کھول کر دکھائی۔ جس میں اونٹ کی کوہان کی شکل کے پتھر لگائے ہوئے تھے۔

اور ارشاد فرمایا:

اے عائشہ (رضی اللہ عنہا)! قریش نے روپیہ کی کمی کی وجہ سے بنیاد ابراہیمی کا کچھ حصہ چھوڑ دیا۔ ابھی لوگ نو مسلم ہیں اگر ان کے بھڑک جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم موجودہ کعبہ کو منہدم کر کے بنیاد ابراہیمی پر مکمل بناتے پھر اسلام میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی وجہ سے حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے کعبہ معظمہ دوبارہ بنایا جس کو بنیاد ابراہیمی پر مکمل کیا۔ قریش کے فرقوں کو دور کیا۔ حطیم کو خانہ کعبہ میں داخل کیا اور اس میں زمین سے متصل شرقاً غرباً دروازے رکھے۔ یمن سے خوشبودار مٹی منگوا کر جس کو ورس کہتے ہیں چونہ میں مخلوط کر کے بجائے گارے کے استعمال کی اور اس کے دروازوں پر اندر باہر مشک و عنبر سے کہگل کی دیواروں پر نہایت قیمتی ریشمی غلاف چڑھایا جسے غلاف کعبہ کہتے ہیں اور جس کا اب بھی رواج ہے۔ غلاف کعبہ سب سے پہلے پہنانے والے کا نام اسعد ہے جو شاہ یمن تھا جسے تبع کہتے ہیں۔ یہ ہی مدینہ منورہ کو آباد کرنے والا

ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق ملاقات میں اس نے یہاں ہی سکوت اختیار کرلی اس کی کچھ قوم والے حیرہ بھی یہاں رہ گئے یہ ہی مدینہ پاک کی پہلی آبادی ہے۔جیسے قوم جرہم نے مکہ معظمہ کو پہلے آباد کیا۔اس کا پورا واقعہ روح البیان پارہ 25،26 قوم تبع کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔ 27 رجب 46ھ کو اس کام سے فراغت حاصل ہوئی پھر 74ھ میں حجاج ابن یوسف نے جو کہ عبدالملک ابن مروان کا نائب تھا یہ عمارت گرا کر قریش کی طرح ہی بنادیا پھر ہارون الرشید نے چاہا کہ عبداللہ بن زبیر کے طریقہ پر بنائے مگر علماء نے منع کیا۔بار بار بنانا اور گرانا کھیل ہوجائے گا پھر اسلامی بادشاہ اس کی مرمت تو کرتے رہے مگر کسی نے دوبارہ نہ بنایا۔پھر 1040ھ میں سلطان مراد ابن احمد خان شاہ قسطنطنیہ نے جب دیکھا کہ اس کی عمارت بہت کہنہ ہوگئی ہے تو سوائے اس رکن کے (گوشہ یا کونہ) جس میں سنگ اسود لگا ہوا ہے۔سب کو گرا کر پھر نئے سرے سے بنیاد حجاج کے موافق کعبہ بنایا جس کے اندر سنگ مرمر کا فرش بچھایا اور اندر چھت پر نہایت نفیس مخملی چھت گیری لگائی اور باہر کی دیواریں سنگ خارا لے چونہ میں چنیں نہایت نفیس ریشمی سیاہ پردہ تمام خانہ کعبہ پر ڈالا جس پر کلمہ

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

بنا اور طول دیوار میں کئی بالشت سہرا چمکا لگایا جس میں کارچوبی حروف سے سلطان کا نام لکھا گیا اب موجودہ کعبہ سلطان مراد کا بنایا ہوا ہے اور مصر سے ہر سال غلاف کعبہ تیار ہو کر بڑے جشن اور دھوم دھام سے آتا رہا اور 1382ھ میں غلاف کعبہ لاہور سے تیار ہو کر گیا اور دستور یہ رہا کہ ہمیشہ حج کے موقع پر پرانا غلاف اتار کر خدام کعبہ کو دے دیا جاتا جس کو حاجی لوگ تبرکاً ٹکڑے ٹکڑے خرید لیتے۔نیا غلاف چڑھا دیا جاتا۔میں نے 1350ھ میں وہاں دیکھا کہ نجدیوں کی حکومت ہے۔ملک عبدالعزیز ابن سعود وہاں کا بادشاہ ہے۔اس کے ظلم وستم کی وجہ سے مصر سے غلاف آنا بند ہوگیا۔اب خود نجد میں ہی تیار ہوتا ہے جس کے اوپری حصہ میں ابن السعود کا نام لکھا جاتا ہے۔ہماری اس تحقیق سے معلوم ہوگیا کہ کعبہ معظّمہ کو عمارتی شکل میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا اور پھر پانچ بار کعبہ بنتا رہا اور کعبہ کی موجودہ عمارت 339ھ سال کی ہے کیونکہ 1040ھ میں بنی اور اب 1379ھ ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 1، ص: 711 تا 713 نعیمی کتب خانہ لاہور)

مقام ابراہیم وسنگ اسود پرنور بہاریں

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حدیث مبارکہ میں ہے کہ رکن اور مقام دو جنتی یاقوت ہیں۔

پہلے بہت نورانی تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کے نور کو محو کردیا اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ مشرق ومغرب کو چمکاتے مقام ایک پتھر ہے جس پر تین بار حضرت خلیل علیہ السلام کھڑے ہوئے اولاً تو جب کہ ان کی بہو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی نے ان سے عرض کیا کہ میں آپ علیہ السلام کا سر دھلا دوں۔تب آپ علیہ السلام نے گھوڑے سے اتر کر اس پتھر پر قدم رکھا اور ان سے یہ

خدمت لی۔ دوسرے یہ کہ جب کعبہ کی دیواریں اونچی ہوئیں۔ تب آپ علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کہا کہ ہمارے واسطے کوئی پتھر لاؤ جس پر ہم کھڑے ہو کر دیوار بنائیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر کی تلاش میں ابوقبیس پہاڑ پر تشریف لے گئے۔ راہ میں حضرت جبرائیل علیہ السلام ملے اور کہا کہ آیئے میں آپ علیہ السلام کو ایک پتھر بتاؤں جو حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ دنیا میں آیا اور اسے حضرت ادریس علیہ السلام نے طوفان نوحی کے خوف سے اس پہاڑ میں دفن کر دیا ہے۔ اس جگہ چھوٹے بڑے دو پتھر مدفون ہیں۔ چھوٹے کو تو کعبہ کی دیوار میں دروازے کے قریب لگا دو کہ ہر طواف کرنے والا اس کو چوما کرے یعنی سنگ اسود اور بڑے پر ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہو کر عمارت بنائیں۔ چنانچہ آپ علیہ السلام وہ دونوں پتھر لے آئے اور یہ پیغام الٰہی بھی پہنچایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکم الٰہی کے مطابق سنگ اسود کو تو ایک گوشہ میں لگا دیا اور بڑے پر کھڑے ہو کر تعمیر کا کام جاری کیا جس قدر عمارت بلند ہوتی جاتی یہ پتھر بھی اونچا ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ علیہ السلام تعمیر سے فارغ ہوئے اور پتھر کی ضرورت نہ پڑی۔

روایت میں ہے کہ

جب سنگ اسود دیوار کعبہ میں قائم کیا گیا اس کی روشنی چاروں طرف دور تک جاتی تھی۔ جہاں تک اس کی روشنی پہنچی وہاں تک حرم کے حدود مقرر ہوئے جس میں شکار کرنا منع ہے اور سنگ اسود کا رنگ بالکل سفید تھا۔ گناہ گاروں کے ہاتھوں سے سیاہ ہو گیا۔

تیسرے جب کہ آپ علیہ السلام تعمیر سے فارغ ہوئے تب بحکم الٰہی عزوجل کوہ ابوقبیس پر بھی مقام ابراہیم رکھا اور اس پر چڑھ کر چوطرفہ آواز دی: اے عزوجل کے بندو! حج کے لئے آؤ۔

جس کا ذکر خود قرآن مجید نے فرمایا۔

وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۝ (حج: 27)

یہ آواز قیامت تک پیدا ہونے والی روحوں نے سنی جو خاموش رہی اسے حج نصیب نہ ہوگا اور جس نے جتنی بار لبیک کہا اتنے بار ہی حج کرے گا۔ اس وقت حضرت خلیل علیہ السلام کی انگلیوں کا نشان نمودار ہو گیا۔ بہت عرصہ تک لوگوں نے یہ نشان دیکھا مگر چومنے والوں کی کثرت سے کچھ محو ہو گیا۔ اب کچھ خفیف سا نشان باقی ہے۔ پہلے یہ پتھر خانہ کعبہ کے متصل رکھا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک عظیم سیلاب آیا جس کا نام سیل ''ام نہشل'' ہے۔ اس سیلاب سے یہ پتھر اپنی جگہ سے ہٹ کر دور جا گرا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود تشریف لائے اور مطاف کے کنارے چاہ زمزم کے پاس اس کو رکھا اور اس پر ایک پتھر کی عمارت بنا دی۔ اب تک وہی عمارت ہے اور اسی جگہ یہ پتھر موجود ہے۔ اس کے سامنے کچھ تھوڑی جگہ اور پاٹ (اکھاڑ) دی گئی جس میں آگے پیچھے کل بارہ آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں۔

(تفسیر نعیمی، پارہ: 1، ص: 714 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا پتھر لانا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لگانا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ متوفی 256ھ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک طویل حدیث بیان کرتے ہیں جن کے آخر میں تعمیر کعبہ کا ذکر ہے اور وہ اس طرح ہے۔

پھر جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا حضرت ابراہیم علیہ السلام ٹھہرے رہے پھر اس کے بعد آئے اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام زمزم کے قریب ایک بڑے درخت کے نیچے بیٹھے اپنا تیر درست کر رہے تھے جب انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور دونوں ایک دوسرے سے اس طرح ملے جیسے بیٹا باپ سے اور باپ بیٹے سے ملتا ہے۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

اے اسماعیل علیہ السلام! مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک چیز کا حکم دیا ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا:

آپ علیہ السلام وہی کیجئے جس کا آپ کے رب عزوجل نے آپ علیہ السلام کو حکم دیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا:

آیا تم میری مدد کرو گے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا:

میں آپ علیہ السلام کی مدد کروں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں اس جگہ بیت اللہ تعمیر کروں اور انہوں نے اس ٹیلہ کی طرف اشارہ کیا جو اپنے اردگرد کی زمین سے کافی بلند تھا۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اس وقت ان دونوں نے بیت کی بنیادیں اٹھائیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان پتھروں کو جوڑ جوڑ کر لگاتے تھے حتیٰ کہ جب بنیادیں زیادہ بلند ہو گئیں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام اس پتھر کو لائے اور اس دیوار کے ساتھ رکھ دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر کرتے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر لاتے رہے اور وہ دونوں یہ دعا کرتے تھے۔

اے ہمارے رب عزوجل! ہم سے قبول فرما بے شک تو بہت سننے والا بہت جاننے والا ہے۔ وہ دونوں بیت اللہ کی تعمیر کرتے تھے اور بیت اللہ کے گرد طواف کرتے رہے اور یہ دعا کرتے رہتے تھے۔

اے ہمارے رب عزوجل! تو ہم سے قبول فرما بے شک تو بہت سننے والا اور بہت جاننے والا ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: 3364)

بیت اللہ کو پاک رکھنے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم فرمایا: میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں، رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک رکھو۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۝ (البقرہ: 125)

اور (یاد کیجئے) جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لئے معبد اور امن کی جگہ بنادیا اور مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے تاکیداً فرمایا: میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں، رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک رکھو۔

اس جگہ کو امن والا شہر بنادے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی: اے خالق باری تعالیٰ جس بیت اللہ کو میں نے بنایا ہے اس کو امن والا شہر بنادے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا (البقرہ: 126)

اور جب ابراہیم نے کہا: اے میرے رب! اس جگہ کو امن والا شہر بنادے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پھلوں سے رزق عطا فرمانے کی دعا کرنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی کہ یا خالق باری تعالیٰ مکہ مکرمہ میں رہنے والوں سے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لائیں ان کو پھلوں سے رزق عطا فرما۔

قرآن مجید میں ہے:

وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ (البقرہ: 126)

اور اس میں رہنے والوں میں سے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان لائیں ان کو پھلوں سے رزق عطا فرما۔

مکہ مکرمہ کب سے حرم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اس دن حرام کیا جس دن آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔ پس یہ شہر اللہ تعالیٰ کے حرام

کرنے سے قیامت تک کے لئے حرام ہے اور مجھ سے پہلے اس شہر میں کسی کے لئے بھی جنگ کرنا جائز نہ تھا اور میرے لئے صرف دن کی ایک ساعت میں یہ جنگ کرنا جائز ہوا اور اب یہ اللہ تعالیٰ کے حرام کرنے سے قیامت تک کے لئے حرام ہے۔

(صحیح بخاری: ج:1،ص:247 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا اور اہل مکہ کے لئے دعا کی اور میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا تھا اور میں مدینہ کے صاع اور مد میں اس سے دگنی برکت کی دعا کرتا ہوں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اہل مکہ کے لئے کی تھی۔

(صحیح مسلم: ج:1،ص:440،مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امت کے لئے دعا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کی: اے ہمارے رب عزوجل ہمیں خالص اپنی فرمانبرداری پر برقرار رکھ اور ہماری اولاد میں سے ایک امت کو خاص اپنا فرمانبردار اور ہمیں حج کی عبادت بتا اور ہماری توبہ کو قبول فرما۔

قرآن مجید میں ہے:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ○ (البقرہ: 128)

اے ہمارے رب عزوجل! ہمیں خالص اپنی فرمانبرداری پر برقرار رکھ اور ہماری اولاد میں سے ایک امت کو خاص اپنا فرمانبردار کر اور ہمیں حج کی عبادت بتا اور ہماری توبہ قبول فرما۔ بے شک تو ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

اعتراض

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لئے خصوصاً دعا کیوں کی عام لوگوں کے لئے دعا کیوں نہیں فرمائی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اولاد شفقت اور مصلحت کی زیادہ مستحق ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ۔ (التحریم: 6)

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ نیز جب انبیاء کرام علیہم السلام کی اولاد نیک ہوگی تو وہ دوسرے لوگوں کی نیکی اور خیر کا بھی ذریعہ بنے گی۔

اس دعا پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی ذریت میں سے کوئی عرب مسلمان نہیں تھا۔

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی 606ھ اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

قفال نے کہا:

حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کی ذریت میں ہمیشہ موحد رہے ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں زید بن عمرو بن نفیل اور قس بن ساعدہ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد حضرت عبد المطلب بن ہاشم بھی موحد تھے۔ اسی طرح عامر بن انظرب تھے۔ یہ سب موحد تھے۔ قیامت اور ثواب اور عقاب کے قائل تھے۔ مردار نہ کھاتے تھے نہ بتوں کی عبادت کرتے تھے۔

(تفسیر کبیر: ج:1، ص:481 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ حج کرنا

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

زبیر بن محمد سے روایت ہے کہ

جب حضرت ابراہیم کعبہ کو بنانے سے فارغ ہو گئے تو دعا کی۔

اے رب عزوجل! میں اس کو بنانے سے فارغ ہو گیا۔ اب ہم کو ہماری عبادت بتا تب اللہ تعالیٰ سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا اور انہوں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ حج کیا۔ حتیٰ کہ جب وہ میدان عرفات سے لوٹے اور یوم نحر (دس ذی الحجہ) آیا تو شیطان ظاہر ہوا۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

اس کو کنکریاں ماریئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو سات کنکریاں ماریں پھر دوسرے اور تیسرے روز پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام ثبیر (مکہ اور مدینہ کے درمیان پہاڑ) پر چڑھے

اور فرمایا

اے اللہ تعالیٰ کے بندو! جواب دو تو جس کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی ایمان تھا۔

اس نے کہا:

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ

اور روئے زمین پر ہمیشہ کم از کم سات آدمی مسلمان رہے ہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین و آسمان والے ہلاک ہو جاتے۔
حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تمام مناسک دکھائے، صنعا، مروہ، منیٰ اور مزدلفہ وغیرہ۔
(الجامع الاحکام القرآن ج:2،ص:128 تا 129 مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

ہوا کو سانپ کی صورت میں بھیجنا

سدی بیان کرتے ہیں کہ
جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام سے یہ عہد لیا کہ وہ طواف کرنے والوں کے لئے میرے بیت کو پاک کریں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام روانہ ہو کر مکہ گئے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کدال اور پھاوڑے لے کر کھڑے ہوئے اور ان کو یہ پتا نہیں چل رہا تھا کہ کعبہ کس جگہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے ہوا کو ایک سانپ کی صورت میں بھیجا۔ اس نے کعبہ کے اردگرد اور اس کی پہلی بنیادوں سے کوڑا کرکٹ صاف کر دیا پھر حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام نے ان بنیادوں سے کعبہ کی تعمیر شروع کی۔
(جامع البیان: رقم الحدیث:18928)

بیت اللہ کی تعمیر کے لئے ریح الخجوج بھیجنا

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:
کعبہ کو پانچ مرتبہ بنایا گیا ہے۔ پہلی بار کعبہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے فرشتوں نے بنایا اور اس وقت یہ سرخ یاقوت سے بنا ہوا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان میں اس کی بنیادیں اکھڑ گئیں اور اس کو دوسری بار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا۔

روایت ہے کہ
جب اللہ تعالیٰ نے انہیں بیت اللہ بنانے کا حکم دیا تو ان کو یہ پتا نہیں چل رہا تھا کہ وہ کس جگہ بیت اللہ کو بنائیں پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا بھیجی جس کا نام ریح الخجوج تھا۔ اس نے کعبہ کی بنیادوں سے کوڑا کرکٹ صاف کر دیا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کو اس کی قدیم بنیادوں پر تعمیر کیا۔
(روح المعانی جز:17،ص:211 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حج کے لئے اعلان فرمانا

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب کعبہ معظمہ کو تعمیر کر چکے تو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا: آپ اعلان حج کریں۔
قرآن مجید میں ہے:
وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ۝ (الحج:27)

اور لوگوں میں بلند آواز سے اعلان کیجئے وہ آپ کے پاس دور دراز راستوں سے پیدل اور ہر دبلے اونٹ پر سوار ہو کر آئیں گے۔

تم اعلان کرو آواز پہنچانا میرا کام ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب تعمیر کعبہ سے فارغ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے حج بیت اللہ کرنے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اعلان فرمائیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اے خالق باری تعالیٰ میری آواز ان تک کیسے پہنچے گی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تم اعلان کرو آواز پہنچانا میرا کام ہے۔

امام ابن جریر متوفی 310ھ نے یہ روایت ذکر کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ آپ لوگوں میں حج کا اعلان فرمایئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

اے میرے رب عزوجل! ان سب لوگوں تک میری آواز کیسے پہنچے گی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

تم اعلان کرو! آواز پہنچانا میرا کام ہے۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اعلان کیا! اے لوگو تم پر اس قدیم گھر کا حج فرض کر دیا گیا پس تم حج کرو آسمان اور زمین کی تمام مخلوق نے اس اعلان کو سنا کیا تم نہیں دیکھتے کہ زمین کے دور دراز علاقوں سے لوگ تلبیہ پڑھتے ہوئے حج کرنے کے لئے آتے تھے۔

(جامع البیان، رقم الحدیث:18935)

قیامت تک حج کرنے والوں نے لبیک کہا

مجاہد نے کہا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک پتھر پر کھڑے ہو کر ندا کی!

اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر حج فرض کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ندا ان سب کو سنا دی جو مردوں کی پشت اور عورتوں کے رحموں میں تھے اور ان سب نے اس ندا کا جواب دیا جو اللہ تعالیٰ کے علم میں قیامت تک حج کرنے والے تھے۔

انہوں نے کہا:

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ

(جامع البیان: رقم الحدیث: 18936)

قیامت تک وہی حج کر سکے گا جس نے لبیک کہا

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے اونچے پہاڑ پر کھڑے ہو کر حج کا اعلان کیا۔ اللہ تعالیٰ نے سات سمندروں کی گہرائی تک یہ اعلان سنوا دیا۔

لبیك اطعا، لبیك اجبنا

ہم حاضر ہیں۔ ہم نے اطاعت کی، ہم حاضر ہم نے قبول کیا اور قیامت تک وہی حج کر سکے گا جس نے اس ندا پر لبیک کہا تھا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 13882)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عظیم رسول بھیجنے کی دعا کی

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کی: اے ہمارے رب عزوجل! ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیج جو ان لوگوں پر تیری آیات کی تلاوت کرے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کے نفوس کی اصلاح کرے۔

قرآن مجید میں ہے:

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِكَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَ یُزَكِّیۡهِمۡ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ۝ (البقرہ: 129)

اے ہمارے رب عزوجل! ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیج دے جو ان لوگوں پر تیری آیات کی تلاوت کرے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کے نفوس کی اصلاح کرے۔ بے شک تو ہی بہت غالب ہے، بڑی حکمت والا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا کی تھی کہ مکہ میں اہل مکہ میں سے ایک عظیم رسول بھیج دے۔

اس سے مراد حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اس پر حسب ذیل دلائل ہیں۔

تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس رسول سے مراد حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ اجماع حجت

ہے۔

امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور اس وقت حضرت آدم علیہ السلام اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے اور میں تم کو اپنی ابتداء کی خبر دیتا ہوں۔ میں اپنے ابراہیم باپ کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور میں اپنی ماں کا وہ خواب ہوں جو انہوں نے میری پیدائش کے وقت دیکھا تھا۔ ان سے ایک ایسا نور نکلا تھا جس سے ان کے لئے شام کے محلات روشن ہو گئے تھے۔

(مسند احمد: ج:4،ص:128 مطبوعہ اسلامی مکتب اسلامی بیروت)

نماز میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صلوٰۃ کی تخصیص اور حکمتیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک بار دعا کی اور وہ بھی دو ہزار سات سو پچھتر سال بعد قبول ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا کا دیر سے قبول ہونا قبولیت کے منافی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں ہزار ہا حکمتیں پنہاں ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک بار دعا کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز میں تشہد کے بعد ان کے لئے دعا کی ہدایت کر دی ہے کہ جب مجھ پر صلوٰۃ پڑھو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی صلوٰۃ پڑھو اور جب میرے لئے برکت کی دعا کرو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے بھی برکت کی دعا کرو۔

باقی رہا یہ اعتراض کہ

اس دعا میں ہے، اے عزوجل! سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر صلوٰۃ نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور ان کی آل پر صلوٰۃ نازل فرمائی ہے۔ دعا میں سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مشبہ ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام مشبہ بہ ہیں اور مشبہ بہ، مشبہ سے اقوای ہوتا ہے۔ اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت لازم آئے گی حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل ہیں۔

اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں۔

(1) یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات مشبہ افضل ہوتا ہے۔

جیسے قرآن مجید میں ہے:

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ (النور: 35)

اللہ تعالیٰ کے نور کی مثال جیسے ایک طاق ہو۔

(2) تشبیہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اوران کی اولاد کے مجموعہ سے ہے اور آل ابراہیم میں دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں۔

(3) یہ تشبیہ نفس صلوٰۃ میں ہے۔اس کی کیفیت سے قطع نظر کے ساتھ

جس طرح قرآن مجید میں ہے:

اِنَّـآ اَوْحَیْنَـآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَـآ اِلٰی نُوْحٍ (النساء: 163)

ہم نے آپ کو ایسی وحی کی ہے جیسے نوح کی طرف کی تھی۔

حالانکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جو وحی ہے وہ قرآن ہے اور وہ بالا جماع افضل ہے۔

(4) اس دعا میں کاف تشبیہ کے لئے نہیں ہے بلکہ تصیل کے لئے ہے۔

جس طرح قرآن مجید میں ہے:

وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ (البقرہ: 185)

تا کہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تم کو ہدایت دی ہے۔

اس دعا کا معنی ہے اے اللہ عزوجل! سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر صلوٰۃ نازل فرما کیونکہ تو نے ابراہیم علیہ السلام پر اوران کی آل پر صلوٰۃ نازل کی ہے۔

ملت ابراہیمی سے انحراف بے وقوفی

ملت ابراہیمی سے انحراف کرنے والا سوائے بے وقوف کے اور کچھ نہیں ہوسکتا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰھٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ (البقرہ: 130)

اور ملت ابراہیم سے اس شخص کے سوا کون منحرف ہوگا جو بے وقوف ہو۔

ملت اور دین میں فرق

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

ملت ان احکام کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی زبانوں سے اپنے بندوں کے لئے مشروع فرمائے تا کہ بندوں کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو۔دین کا بھی یہی معنی ہے۔

لیکن دین اور ملت میں یہ فرق ہے کہ

دین کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ (النور: 2)

اورانبیاءکرام علیہم السلام کی طرف بھی دین کی اضافت ہوتی ہے۔

جیسے قرآن مجید میں ہے:

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ (یونس: 104)

اور مسلمانوں کی طرف بھی دین کی اضافت ہوتی ہے۔

جیسے قرآن مجید میں ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (المائدہ: 3)

اس کے برعکس ملت کی اضافت صرف انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف کی جاتی ہے۔

(المفردات ص: 471 مطبوعہ مکتبہ المرتضویہ ایران)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صالح کا لقب عطا فرمانا

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صالح کا لقب عطا فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

لَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ (البقرہ: 130)

بے شک ہم نے ان کو دنیا میں منتخب کرلیا اور بے شک وہ آخرت میں صالحین میں سے ہیں۔

اطاعت پر برقرار رہنے کا حکم

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا: میری اطاعت برقرار رکھو۔

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: میں تمام جہانوں کے رب کی اطاعت پر قائم ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (البقرہ: 131)

اور جب ان سے ان کے رب نے کہا: میری اطاعت پر (برقرار) رہو، انہوں نے کہا: میں تمام جہانوں کے رب کی اطاعت پر قائم ہوں۔

اسلم کا لفظ نبوت سے پہلے یا بعد کا تھا

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اسلم، اسلام لاؤ۔

امام رازی 606ھ لکھتے ہیں:

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ کس وقت فرمایا:

ایک قول یہ ہے:

یہ نبوت سے پہلے فرمایا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ستارے، چاند اور سورج کے ڈوبنے سے اللہ تعالیٰ کی واحدانیت پر استدلال کر رہے تھے اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لی۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اسلام لاؤ

انہوں نے کہا:

میں تمام جہانوں کے رب عزوجل پر اسلام لایا۔

امام رازی نے کہا:

اکثر علماء کی یہی رائے ہے۔

اور بعض علماء نے کہا:

یہ حکم نبوت کے بعد تھا

اور اس کا معنی ہے۔

اسلام پر مستقیم رہو اور توحید پر قائم رہو۔

(تفسیر کبیر: ج:1،ص:487 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے بیٹوں کو ملت ابراہیمی کی وصیت

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو ملت ابراہیمی کی وصیت کی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ وَصّٰی بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَ یَعْقُوْبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝(البقرة: 132)

اور اسی ملت کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی اور یعقوب نے اے میرے بیٹو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اس دین کو پسند کر لیا پس تم تادم مرگ مسلمان رہنا۔

ملت ابراہیمی کی پیروی کا حکم اور ملت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں موافقت

اللہ تعالیٰ نے ملت ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (آل عمران: 95)

تم ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو باطل کو چھوڑ کر حق کی طرف رجوع کرنے والے تھے اور وہ مشرکین میں سے تھے۔

☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام توحید کی دعوت دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے سواہر معبود کی عبادت کو ترک کرنے کا حکم دیتے تھے سو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی توحید کی دعوت دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے سواہر معبود کی عبادت کو ترک کرنے کا حکم دیتے تھے اور فروع میں موافقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں بھی اونٹ کا گوشت کھانا اور اونٹنیوں کا دودھ پینا جائز تھا۔ سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی کو جائز قرار دیا ہے۔ اس لئے یہود کو دعوت دی ہے تم ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی پیروی کرو۔

عظیم سانحہ

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

قرامطہ نے 8 ذوالحج کو مکہ پر حملہ کیا اور حجاج کے احوال لوٹ لئے اور ان کو تہ تیغ کر دیا۔ مکہ کے راستوں، گھاٹیوں، مسجد حرام اور خانہ کعبہ کے اندر بے شمار حجاج کو قتل کیا گیا اور قرامطہ کا امیر ابو طاہر لعنہ اللہ کعبہ کے دروازہ پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے گرد حجاج کی لاشیں گر رہی تھیں اور حرمت والے مہینہ میں مسجد حرام میں 8 ذی الحج کے معظم دن مسلمانوں پر تلواریں چل رہی تھیں اور ابو طاہر ملعون کہہ رہا تھا کہ میں اللہ ہوں (نعوذ باللہ) میں ہی مخلوق کو پیدا کرتا ہوں اور میں ہی مخلوق کو فنا کرتا ہوں۔ لوگ اس سے بھاگ کر کعبہ کے پردوں سے لپٹتے تھے اور انہیں اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ اسی حال میں قتل کئے جا رہے تھے اور حالت طواف میں قتل کئے جا رہے تھے۔ بعض محدثین بھی اسی دن اعتکاف کر رہے تھے ان کو بھی طواف کے بعد قتل کر دیا گیا۔

جب قرمطی ملعون حجاج کو قتل کرنے سے فارغ ہو گیا۔

تو اس لعین نے حکم دیا کہ

مقتولین کو زمزم کے کنویں میں دفن کر دیا جائے اور بہت سے حجاج کو حرم کی جگہوں میں دفن کر دیا جائے اور بہت کو مسجد حرام میں دفن کر دیا گیا۔ ان حجاج کو نہ غسل دیا گیا نہ کفن دیا گیا نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ وہ سب حالت احرام میں شہید ہوئے تھے۔ اس ملعون نے زمزم کا گنبد گرا دیا اور کعبہ کے دروازے کو اکھاڑنے کا حکم دیا اور اس کے پردے اکھاڑنے کا حکم دیا مگر وہ اس پر قادر نہ ہو سکا پھر اس نے ایک بھاری آلہ کے ذریعہ حجر اسود کو اکھاڑ کر کعبہ سے الگ کر لیا اور وہ چلا کر کہہ رہا تھا کہ وہ ابابیل نامی پرندے کہاں ہیں اور وہ نشان زدہ کنکریاں کہاں ہیں پھر وہ حجر اسود کو اپنے ساتھ اپنے ملک (الاحساء، خلیج فارس کے مغربی ساحل پر ایک شہر جو مکہ کی راہ پر ہے) میں لے گئے۔ بائیس سال تک ان کے پاس حجر اسود رہا اس کے بعد انہوں نے اس کو واپس کیا۔ جب قرمطی حجر اسود لے کر اپنے ملک میں پہنچا تو امیر مکہ اپنے اہل بیت اور لشکر کو لے کر اس کے پیچھے گیا اور اس کی

خوشامد کی کہ وہ حجر اسود کو واپس کر دے تا کہ وہ حجر اسود کو اس کے مقام پر رکھ دے اور اس کے عوض اس کے پاس جس قدر بھی مال تھا وہ اس کو پیش کر دیا لیکن قرمطی نہیں مانا پھر امیر مکہ نے اس سے جنگ کی۔ قرمطی نے اس کو اور اس کے اکثر اہل بیت کو قتل کر دیا اور حجر اسود اور حجاج کے دیگر اموال قرمطی کے قبضہ میں رہے۔ اس ملعون نے مسجد حرام میں اس قدر الحاد کیا جو پہلے کبھی نہ ہوا تھا نہ بعد میں ہوا اور عنقریب اللہ تعالیٰ اس کو ایسی سزا دے گا جیسی اس سے پہلے کسی کو نہ دی ہو گی۔ قرامطہ نے یہ کام اس لئے کیا تھا کہ وہ کفار اور زندیق تھے اور اس صدی میں افریقہ میں زمین کے مغرب میں جو فاطمیین نمودار ہوئے تھے انہوں نے ان کا بھیس بدل لیا تھا۔ ان کے امیر کا لقب مہدی تھا۔

ان کا نام

ابو محمد عبید اللہ بن میمون القداح تھا۔

یہ سلیمہ میں انگریز تھا۔ یہ اصل میں یہودی تھا پھر اس نے مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا پھر یہ افریقی ممالک میں داخل ہو گیا۔ اس نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ فاطمی سید ہے۔ بربر کی ایک جماعت اور دوسرے جاہلوں نے اس کی تصدیق کر دی اور اس نے حکومت قائم کر لی اور یہ سجلماسہ نامی شہر کا بادشاہ بن گیا پھر اس نے ایک شہر بسایا اور اس کا نام مہدیہ رکھا اور قرامطہ اس کے ساتھ پیغام رسانی رکھتے تھے۔ یہ سب ان کی سیاست تھی۔

(البدایہ والنہایہ: ج: 11، ص: 160 تا 161 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ہجرت سے ذبح تک کے واقعات

مفسر شہیر مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی 1363ھ لکھتے ہیں:

تفسیر عزیزی میں ہے کہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے ہاتھ سے نجات پائی اور بابل والوں کے ایمان سے مایوس ہوئے تو وہاں سے ہجرت کر کے اپنے چچا ہاران کے گھر مقام حران میں آگئے۔ ہاران کی ایک خوبصورت بیٹی تھی۔ سارہ رضی اللہ عنہا۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سعادت مندی دیکھ کر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کا ان سے نکاح کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کچھ روز یہاں تبلیغ فرماتے رہے مگر سوائے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا اور حضرت لوط علیہ السلام کے کوئی ایمان نہ لایا بلکہ ہاران نے غصے ہو کر اپنی بیٹی اور داماد کو اپنے گھر سے نکال دیا۔ آپ علیہ السلام نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے معاہدہ کیا کہ تم ہمیشہ میری فرمانبرداری کرنا اور میں تمہاری بات مانوں گا اور یہ تین حضرات حران سے مصر روانہ ہو گئے۔ مصر کا بادشاہ ظالم اور سرکش تھا۔ جب کسی خوبصورت عورت کو دیکھتا تو اس کے شوہر کو قتل کرا کر عورت پر قبضہ کر لیتا تھا جب یہ چھوٹا سا قافلہ مصر پہنچا تو شاہی پولیس نے بادشاہ کو خبر دی کہ مصر میں بے مثل حسینہ جمیلہ عورت آئی ہے۔

خیال رہے کہ

مردوں میں حضرت یوسف علیہ السلام اور عورتوں میں حضرت سارہ رضی اللہ عنہا بے مثل حسین ہوئے بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی میراث تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو سمجھا دیا کہ اگر تمہیں پولیس گرفتار کر کے بادشاہ کے پاس لے جائے تو یہ نہ کہنا کہ ابراہیم (علیہ السلام) میرے شوہر ہیں بلکہ یہ کہنا کہ وہ میرے (دینی) بھائی ہیں کیونکہ میں تمہارا دینی بھائی ہوں۔ حق تعالیٰ تمہیں اس ظالم سے محفوظ رکھے گا یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ان دونوں کو پولیس نے گھیر لیا اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو بادشاہ کے پاس لے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ حالت دیکھ کر نماز شروع کر دی اور دعا میں مشغول ہو گئے۔ بادشاہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو دیکھتے ہی ان پر عاشق ہو گیا چاہا کہ کچھ بے ادبی کرے۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

مجھے اتنی مہلت دے کہ میں غسل کر کے کچھ عبادت کر لوں۔ ظالم نے فوراً غسل کا انتظام کر دیا۔ آپ نے وضو کر کے نماز کی نیت باندھی اور بارگاہ قاضی الحاجات دعا میں مشغول ہوئیں۔

جب ظالم نے دیکھا کہ

دیر لگی وہ آپ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں داخل ہوا اور چاہا کہ عین نماز کی حالت میں دست درازی کرے۔ اچانک اس کے دونوں ہاتھ خشک ہو گئے اور بے ہوش ہو کر گر پڑا اور سانس پھول گیا اور منہ سے جھاگ ڈالنے لگا۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے دعا کی کہ

اے مولا عزوجل! اگر یہ مر گیا تو مجھ پر اس کے قتل کا الزام آئے گا تو پھر میری خیر نہیں یہ دعا کرنی تھی کہ اسے پھر ہوش آ گیا پھر وہی ارادہ کیا پھر ویسا ہی حال ہوا۔ غرضیکہ تین بار یہ معاملہ پیش آیا۔

تب وہ بولا کہ

یہ انسان نہیں یا جن ہے یا جادوگرنی۔

میرے پاس ایک عورت اور بھی ہے جس کو میں نے قبطیوں سے حاصل کیا تھا اور میں اس پر بھی قابو نہ پا سکا۔ (حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا) اسے بھی اس کے حوالے کر دو اور ان دونوں عورتوں کو مصر سے نکال دو۔ غرضیکہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں۔ آپ علیہ السلام اس وقت نماز میں ہی مشغول تھے۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

مھیم

یعنی کیا حال ہے۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔

خیر سے رب عزوجل نے ظالم کو ذلیل کیا اور مجھے خادمہ دی جس کا نام حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا ہے اور یہاں سے چاروں اصحاب روانہ ہو کر فلسطین پہنچے وہاں کے لوگوں نے ان بزرگوں کو غنیمت جانا اور بہت زمین نذر کی۔ رب تعالیٰ نے اس زمین میں اتنی برکت دی کہ کچھ دنوں میں آپ علیہ السلام کے پاس کھیتی باڑی جانور غلام وغیرہ بے شمار ہو گئے۔ آپ علیہ السلام نے مسافر خانے اور لنگر جاری کئے اور حضرت لوط علیہ السلام کو تبلیغ دین کے لئے روم کی طرف روانہ کیا۔

ایک دن حضرت سارہ رضی اللہ عنہا عرض کرنے لگیں کہ

ہمارے گھر میں اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا بہت کچھ ہے مگر فرزند نہیں۔ آپ علیہ السلام حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لو شاید ان ہی سے کوئی بچہ پیدا ہو۔ آپ علیہ السلام نے ان سے نکاح کر لیا۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے شکم سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا محبت سے انہیں پالتی تھیں اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا صرف انہیں دودھ پلاتی تھیں مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی تکلیف کے خیال سے فرزند کو گود بھی نہ لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ ایک دن حضرت اسماعیل علیہ السلام کو تنہا حجرے میں لیٹے ہوئے دیکھ کر محبت پدری سے گود میں لے لیا، ان کے رخسار اور پیشانی کو بوسہ دے رہے تھے کہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا آ گئیں اور ان پر غیرت نے اتنا غلبہ کیا کہ

اور ارشاد فرمایا

اسی وقت اس کو اور اس کی ماں کو میرے گھر سے نکال کے بے آب و دانہ جنگل میں چھوڑ آؤ۔ آپ علیہ السلام نے بہت کچھ سمجھایا مگر کچھ پیش نہ گئی ادھر تو آپ علیہ السلام حران والے معاہدے کے پابند تھے۔ ادھر وحی آئی کہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی بات مانو۔ اس میں ایک راز ہے۔

سچ ہے کہ بڑوں کی لڑائی میں بھی راز ہوتا ہے۔

مولانا فرماتے ہیں۔

ہر چہ گیرد علتی علت شود　　　　کفر گیرد کاملے ملت شود

ان دو مقبول بیویوں کی لڑائی کی برکت سے عرب کا ملک بنا مکہ شہر ہوا اور بیت اللہ آباد ہوا۔ برادران یوسف علیہ السلام کی برکت سے حضرت یوسف علیہ السلام مصر کی سلطنت پر جاگزیں ہوئے اور بنی اسرائیل کنعان گاؤں سے نکل کر مصر اور دیگر شہروں میں پھیلے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی آپس کی جنگوں کی برکت سے بہت سی قرآنی آیات کی تفسیر ہوئی۔ جن میں باغی گروہ سے جنگ کے احکام مذکور ہیں اور اہل بیت اطہار حجاز سے نکل کر عراق میں پہنچے جس سے تمام عراق متبرک و معظم ہو گیا۔ ان جنگوں میں اللہ تعالیٰ کے راز ہیں لہٰذا ہم کسی صحابی رسول کو ظالم نہیں کہہ سکتے جیسے کہ بی بی سارہ رضی اللہ عنہا کو ظالم نہیں کہہ سکتے۔

برادران یوسف علیہ السلام کی اہانت نہیں کر سکتے کہ وہ حضرات آسمانی ہدایت کے تارے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں تاروں کی شکل میں خواب دیکھا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو برا بھلا کہنے والے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو کیا کہیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان دونوں کو سواریوں پر لے کر روانہ ہوئے۔ وہ منزل بمنزل وہاں پہنچے جہاں آج خانہ کعبہ ہے۔

حکم الٰہی عزوجل پہنچا کہ

ان دونوں کو یہاں ہی چھوڑ و اور ہمارے سپرد کر جاؤ۔ زمزم کے مقام پر ایک درخت تھا اور باقی سب جنگل بیابان تھا نہ وہاں سایہ نہ وہاں دانہ نہ پانی نہ آدمی۔ آپ علیہ السلام ایک ٹوکری خرما اور کچھ روٹی کے ٹکڑے ایک مشکیزہ میں پانی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کر کے لوٹ آئے۔

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا پیچھے دوڑیں۔

اور کہنے لگیں کہ

مجھ کو اس بے آب ودانہ جنگل میں کہاں چھوڑے جاتے ہو جہاں نہ کوئی غم خوار ہے نہ کوئی مکان سایہ دار۔ آپ علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا۔

آخر کار حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بولیں کہ

کیا تمہیں خدا عزوجل نے حکم دیا ہے۔

سر کے اشارے سے فرمایا:

ہاں

تب آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا

مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ میرا رب عزوجل مجھے ضائع نہ کرے گا۔ واپس لوٹیں اور اپنے بچے کو گود میں لے کر اکیلی بیٹھ گئیں اور دودھ پلانے لگیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہاڑ کی آڑ میں آکر رکے اور کعبہ معظمہ کی طرف منہ کر کے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔

اور عرض کیا۔

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ ...... الخ (ابراھیم: 37)

''مولیٰ عزوجل! میں نے اپنے بال بچے بے آب ودانہ جنگل میں چھوڑ دیئے۔''

جب تک خرمہ اور پانی رہا حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اطمینان سے گزر کرتی اور فرزند کو دودھ پلاتی رہیں مگر پانی ختم ہونے پر پیاس نے ستایا۔ لخت جگر نے بے اختیار رونا شروع کر دیا تو اپنی تو اتنی فکر نہ ہوئی مگر نور نظر کی بے قراری دیکھی نہ گئی۔ اٹھیں اور

صنعا پر چڑھیں کہ شاید کہیں پانی کا نشان ملے مگر نہ ملا۔ مایوس ہو کر نیچے اتریں۔ مروہ پہاڑ کی طرف روانہ ہوئیں مگر نذر فرزند پر تھی۔ راہ کے کچھ حصہ میں فرزند سے آڑ ہوگئی تو آپ رضی اللہ عنہا اسے جلد طے کرنے کے لئے دوڑ کر چلیں۔ اس آڑ سے نکل جانے پر پھر آہستہ چلیں۔ یہاں تک کہ مروہ پر پہنچ گئیں۔ وہاں چڑھ کر بھی پانی کہیں نہ دیکھا پھر صنعا کی طرف روانہ ہوئی۔ اسی طرح سات چکر کیے ہر دفعہ درمیان میں دوڑتی تھیں۔ (صنعا و مروہ اسی جگہ کی یادگار ہے) اخیر بار مروہ پر چڑھیں تو ایک ہیبت ناک آواز کان میں پڑی۔ ڈر کر فرزند کے پاس آئیں دیکھا کہ وہ روتے ہوئے اپنی ایڑیاں زمین پر رگڑ رہے ہیں جس سے شیریں پانی کا چشمہ جاری ہے۔ بہت خوش ہوئیں اور اس کے گرد مٹی جمع کر کے فرمانے لگیں۔

مَآءَ زَمْ زَمْ

پانی میٹھا میٹھا ہے۔

بعض نے فرمایا

ماء زمزم

پانی بہت کافی ہے۔

بعض نے فرمایا:

زمزمة اور همهمة

گن گنا کر گانے کو کہتے ہیں چونکہ آپ خوش ہو کر کچھ گن گناتی جاتی تھیں۔ اس لئے اس کا نام زمزم ہوا۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

حدیث شریف میں آیا ہے کہ

(من بعض اساتذتنا) اگر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اس پانی کو گھیر نہ دیتیں تو یہ چشمہ بن جاتا۔ اور آخر کار آپ رضی اللہ عنہا وہ پانی خود پیتیں اور اپنے پسر کو بھی پلاتی تھیں۔ اس لئے بہت روز تو گزر اوقات کرتی رہیں کیونکہ اس پانی میں غذائیت بھی ہے۔ اتفاقاً یمن کی ایک قوم جرہم کسی طرح اس طرف آ پہنچی اور مقام کدا میں اتری۔

اس نے دیکھا کہ

کچھ فاصلے پر بہت پرندے اڑ رہے ہیں۔

کہنے لگے کہ

یہاں پانی ضرور ہے کیونکہ ہم یہاں بار بار آئے کبھی پرندے نہ دیکھے۔ انہوں نے تحقیق کے لئے اپنے میں سے ایک شخص بھیجا اس نے آکر خبر دی کہ یہاں پانی کا غیبی چشمہ ہے جس کے پاس ایک بی بی اپنے فرزند کو لئے بیٹھی ہے۔ یہ سن کر وہ سارے لوگ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

اور بولے کہ

اگر آپ رضی اللہ عنہا کی اجازت ہو تو ہم یہاں رہنے سہنے لگیں چونکہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بھی تنہائی میں گھبرا گئی تھیں۔ اس شرط پر اجازت دے دی کہ اس پانی پر کسی کا حق نہ ہو یعنی سب استعمال تو کریں مگر حق میرا ہو۔ ان سب نے یہ شرط قبول کر کے وہاں وہاں خود بھی رہائش اختیار کر لی اور اپنے دوسرے اہالی موالی کو بھی بلالیا جس سے کہ یہاں ایک اچھی خاصی بستی بس گئی۔ کچھ دنوں میں حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی سمجھ دار ہو گئے۔ آپ علیہ السلام نے اس قوم جرہم سے زبان عربی سیکھی۔ نہایت ذکی قابل اور ہونہار جوان ہوئے اور جماعت جرہم کے سردار نے آپ علیہ السلام سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔ ادھر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر 14 سال کی ہوئی تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے شکم سے بھی ایک فرزند پیدا ہوئے جن کا نام اسحاق رکھا گیا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا ان کی پرورش میں مشغول ہوئیں اور اتنے عرصے میں کچھ جوش غیرت بھی کم ہو گیا۔

تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا:

اگر آپ رضی اللہ عنہا اجازت دو تو میں اسماعیل (علیہ السلام) کو دیکھ آؤں۔ انہوں نے اس شرط پر اجازت دی کہ وہاں زمین پر قدم نہ رکھیں اور بہت نہ ٹھہریں۔ آپ علیہ السلام روانہ ہوئے۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ فرزند جوان اور خانہ دار ہے اور ان کی والدہ وفات پا چکی ہیں۔ تلاش کرتے کرتے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دروازے پر آئے۔ آپ علیہ السلام (حضرت اسماعیل علیہ السلام) شکار کے لئے جنگل گئے تھے کیونکہ آپ علیہ السلام کی گزر اوقات شکار کے گوشت اور زمزم کے پانی پر تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی بیوی کو دروازہ پر بلا کر ان کی زندگی کے حالات دریافت کئے۔

بیوی نے کہا:

ہم بہت غریب مسکین ہیں۔ بہت تنگی اور مشقت سے گزارا کرتے ہیں اور کچھ تواضع خاطر نہ کی۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

تم اپنے شوہر سے ہمارا سلام کہنا اور کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دو کہ ایسی چوکھٹ ایسے گھر کے لائق نہیں۔ شام کے وقت جب حضرت اسماعیل علیہ السلام لوٹے تو مکہ کی گلی کوچے میں نبوت کے برکات و انوار دیکھ کر سمجھ گئے کہ میرے والد ماجد تشریف لائے ہوں گے۔

اپنی بیوی سے پوچھا کہ

کیا کوئی آج آیا ہے۔

اس نے سارا واقعہ عرض کیا۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

وہ بزرگ میرے والد تھے اور تو میرے گھر کی چوکھٹ ہے۔ مجھے تجھ کو طلاق دینے کا حکم دے گئے ہیں۔ اسے طلاق دیکر اسے میکے پہنچا دیا اور قبیلہ جرہم کی دوسری لڑکی سے نکاح کرلیا۔

پھر ایک مدت بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارا رضی اللہ عنہا سے کہا کہ

میں نے پہلی بار حضرت اسماعیل علیہ السلام کو نہ دیکھا تھا۔ میری تسلی نہیں ہوئی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا نے پچھلی شرط پر دوبارہ جانے کی اجازت دی جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دروازہ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ شکار کے لئے گئے ہیں۔

ان کی بیوی نے آپ علیہ السلام (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کو دیکھ کر کہا۔

حضرت تشریف لائیے، ہمارے غریب خانہ میں کچھ قیام کیجئے۔ آپ علیہ السلام کے سر مبارک میں گرد وغبار ہے۔ مجھے اجازت دیں کہ میں دھو دوں۔

حضرت (ابراہیم علیہ السلام) نے فرمایا۔

مجھے اترنے کا حکم نہیں۔

وہ بی بی ایک بڑا اور اونچا پتھر اٹھا کر لائیں۔ (یہ وہی مقام ابراہیم تھا)

اور ان کی رکاب کے پاس رکھ کر عرض کیا کہ

اس پتھر پر قدم پاک رکھ کر اپنا سر مبارک کچھ جھکا دیجئے جس سے کہ آپ علیہ السلام اپنے معاہدہ پر بھی قائم رہیں اور مجھے خدمت کا موقع بھی مل جائے۔ حضرت (ابراہیم علیہ السلام) اس ذکاوت سے بہت خوش ہوئے اور ایسا ہی کیا۔ اس بی بی نے آپ علیہ السلام کا سر خوب دھو کر کنگھی کر دی۔ اس درمیان میں آپ علیہ السلام نے اپنی بہو سے گھر کے سارے حالات پوچھے۔

اس نیک بی بی نے عرض کیا۔

الحمدللہ! بہت آرام سے ہیں۔ حق تعالیٰ نے ہمیں کسی چیز کا محتاج نہیں کیا۔ ہمارے شوہر جنگل سے شکار لاتے ہیں اور آب زم زم ہمارے پاس ہے۔ اس گوشت اور اس پانی سے ہماری بخوبی گزر ہوتی ہے۔ آپ علیہ السلام نے ان کے حق میں دعائے خیر کی۔

اور ارشاد فرمایا

حق تعالیٰ تمہارے گوشت اور پانی میں برکت دے۔

اس دعا کا یہ اثر ہے کہ اب بھی وہاں گوشت بکثرت ہے۔

القصہ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اپنے شوہر کو ہمارا سلام کہنا اور کہہ دینا کہ تمہارے دروازے کی چوکھٹ بہت اچھی ہے۔ اسے غنیمت جانو اور بخوبی محفوظ رکھو۔

شام کو جب حضرت اسماعیل علیہ السلام آئے تو انہوں نے پھر وہی تجلیات وانوار دیکھے۔

بیوی سے پوچھا:

کیا آج کوئی بزرگ تشریف لائے تھے۔

اس نے کہا:

ہاں!اور سارا واقعہ بیان کیا۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

وہ میرے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔تمہارے متعلق سفارش فرما گئے کہ تمہیں اپنے ساتھ رکھوں اور تمہارے ساتھ اچھا برتاؤ کروں۔

پھر کچھ مدت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

میں دوبارہ فرزند کو دیکھنے گیا مگر نہ دیکھ سکا۔ اب تم اجازت دو کہ میں اسے دیکھوں اور اس کے پاس چند روز رہوں۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے بلا شرط بخوشی اجازت دے دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں پہنچے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دیکھا کہ زمزم کے پاس ایک درخت کے نیچے تیروں کو درست کر رہے ہیں۔ باپ بیٹے نے ایک دوسرے کو پہچانا۔ فرزند بے اختیار اٹھے پدر نے گلے سے لگالیا۔ پیشانی پر بوسے دیئے اور اس قدر روئے کہ پرندے ہوا میں رونے لگے اور وہاں کچھ قیام فرمایا۔

ایک دن ارشاد فرمایا:

اے اسماعیل (علیہ السلام)!رب تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس جگہ خانہ کعبہ کی تعمیر کرنا چاہتا ہوں کہ کام صرف اپنے ہاتھ سے کروں اور تم اس میں میری مدد کرو۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

بسروچشم

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلی ذی قعدہ کو تعمیر شروع فرمائی اور اسی مہینہ کی پچیسویں تاریخ کو ختم فرمادی۔ پھر آٹھویں ذی الحجہ کو آپ علیہ السلام کو خواب میں فرزند کے ذبح کا حکم ہوا اور دسویں کو ذبح اسماعیل علیہ السلام کا واقعہ پیش آیا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس سال یا اس کے بعد روح البیان نے 23ویں سپارے میں فرمایا:

ذبح کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک تیرہ (13) سال تھی۔

مگر تفسیر عزیزی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ

اس وقت عمر کہیں زیادہ تھی کیونکہ ان کی چودہ سال کی عمر میں حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے اور اس کے بعد کچھ

فاصلے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تین بار مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ تیسری بار حضرت اسماعیل علیہ السلام سے آپ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی۔

نیز یہ مشہور ہے کہ

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں ذبح کا واقعہ درپیش آیا۔

اس روایت کی رو سے غلط ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ آپ علیہ السلام حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں مکہ شریف تشریف لائے ہی نہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ذبح کا واقعہ تعمیر کعبہ کے بعد ہوا کیونکہ پہلی ملاقات میں 25 ذی قعدہ تک تعمیر ہوئی اور دس ذی الحجہ کو واقعہ ذبح ہوا۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

(تفسیر نعیمی: پارہ: 1، ص: 725 تا 729 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیویوں اور اولاد کی تعداد اور جائے سکونت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویاں تھیں اور آٹھ بیٹے تھے۔

مفسر شہیر مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی 1363ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویوں سے آٹھ بیٹے تھے۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے شکم سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے جو سب سے بڑے تھے اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے شکم سے حضرت اسحاق علیہ السلام جو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے چودہ سال عمر میں چھوٹے تھے اور قنطورا بنت یقطن کنعانیہ کے شکم سے چھ بیٹے مدین، مدائن، زمران، بقشان، یشبق اور نوح۔

خیال رہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنے چچا ہاران کی بیٹی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ پھر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد قنطورا سے۔

آپ علیہ السلام (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کے دو بیٹے یعنی حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہ السلام تو پیغمبر ہوئے باقی چھ متقین مسلمان حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ مکرمہ میں بسایا اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو اپنے ساتھ کنعان رکھا اور مدین کو وہاں رکھا جہاں انہی کے نام سے شہر مدین بسا۔ حضرت شعیب علیہ السلام انہی کی اولاد سے تھے۔ مدائن وغیرہ کو شام و روم وغیرہ میں بحکم الٰہی عزوجل آباد کیا پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہوئے جن میں سے منجھلے بیٹے (چھوٹے سے بڑے) قیدار تھے جس کی نسل سے ہمارے نبی مکرم شفیع اعظم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 1، ص: 750 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن سب سے پہلے لباس پہننے والے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔
اے لوگو! تم روز محشر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں حاضر کئے جاؤ گے کہ برہنہ پا، ننگے جسم اور بغیر کے ہوں گے۔
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔
جس طرح ہم نے (کائنات کو) پہلی بار پیدا کیا تھا ہم اسا عیل تخلیق کو دہرائیں گے۔
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ساری مخلوق میں سب سے پہلے لباس جنہیں پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں گے۔
(صحیح بخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب وکنت علیہم شہیدا مادمت فیہم)(ج:4،ص:1691،رقم الحدیث:4349)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لقب خیر البریة

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔
اور عرض کیا
یا خیر البریة
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔
(صحیح بخاری: کتاب الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ، وَ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا)
(ج:3،ص:1226،رقم الحدیث:3180)

یا خیر الناس کا لقب

ابن عساکر کی روایت میں ہے۔
ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔
يَا خَيْرُ النَّاسِ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔
پھر اس آدمی نے عرض کیا۔
یا اعبد الناس

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ حضرت داؤد علیہ السلام ہیں۔

(تاریخ دمشق الکبیر: ج:6،ص:220)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوست حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک ہر نبی کے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے دوست ہوتے ہیں اور بے شک میرے دوست، میرے والد اور میرے رب عزوجل کے دوست ہیں۔

(اور حاکم کی روایت میں ہے)

(اور بے شک میرے دوست اور میرے خلیل میرے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔

(بے شک سب لوگوں سے بڑھ کر ابراہیم کے قریب (اور حقدار) تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی ہے اور یہی نبی اور ایمان لانے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مددگار ہے۔

(ترمذی: کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! باب ومن سورۃ آل عمران)

(ج:5،ص:223،ص:320،رقم الحدیث:3151)

حضرت ابراہیم علیہ السلام آزمائش پر مکمل اترنے والے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اسلام کے تیس حصے ہیں اور کوئی شخص ایسا نہیں جسے اس دین کے ذریعے آزمایا گیا اور وہ آزمائش پر پورا اترا ہو سوائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اور ابراہیم (علیہ السلام) جنہوں نے (اللہ تعالیٰ کے ہر امر کو) بتمام وکمال پورا کیا۔

پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے آگ سے برأت مقدر کردی۔

(مستدرک: ج:2،ص:602،رقم الحدیث:4027)

لوگوں کا روز محشر اللہ تعالیٰ کا دوست کہنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
(روز محشر) لوگ کہیں گے! اے حضرت ابراہیم علیہ السلام! آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں اور آپ علیہ السلام کی دوستی کا آسمان والوں اور زمین والوں نے بھی خوب سن رکھا ہے۔
(مستدرک: ج:2،ص:599، رقم الحدیث:4017)

حضرت ابراہیم علیہ السلام روز محشر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
بے شک انبیاء کرام علیہم السلام میں سے ہر دو نبی دوسرے تمام لوگوں کے علاوہ روز قیامت آپس میں دوست ہوں گے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
پس اس دن ان میں سے میرا دوست وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کا دوست ہوگا یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام۔
(معجم الکبیر: ج:7،ص:258، رقم الحدیث:7052)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے جنت میں موتیوں کا محل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
بے شک جنت میں موتیوں سے بنا ہوا ایک محل ہے جس میں نہ تو کوئی شگاف ہے اور نہ ہی کسی قسم کی کمزوری۔ اس گھر کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دوست حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے تیار کیا ہے۔
(معجم الاوسط: ج:6،ص:329، رقم الحدیث:6543)

حضرت ابراہیم علیہ السلام دین یہودیت اور عیسائیت پر نہ تھے

یہود کہتے تھے: حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں حضرت اسحاق اسماعیل اور یعقوب علیہم السلام یہودی تھے اور عیسائی ان کو عیسائی کہتے تھے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں ارشاد فرمایا: اے محبوب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے یا تم زیادہ جانتے ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل نہ یہودیت پر تھے اور نہ عیسائیت پر تھے۔

قرآن مجید میں ہے:
اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○
(البقرہ:140)

کیا تم کہتے ہو کہ بے شک ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے۔ آپ فرما دیجئے!
کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟ اور اس سے زیادہ کون ظالم ہو گا جس نے اس شہادت کو چھپایا جو اس کے پاس
اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام مسلمانوں کے باپ کیسے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام امت کے باپ ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام امت کے لئے بہ منزلہ باپ ہیں کیونکہ باپ اولاد کی حیات کا سبب ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی حیات ابدیہ کا سبب ہیں اور اخروی حیات کا سبب ہیں اور وہی حیات قابل شمار اور قابل ذکر ہے۔

یا اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں سو عرب کے لوگوں کو باقی امت پر غلبہ دے کر فرمادہ تمہارے باپ ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

مِلَّةَ اَبِيۡكُمۡ اِبۡرٰهِيۡمَ‌ؕ هُوَ سَمّٰٮكُمُ الۡمُسۡلِمِيۡنَ مِنۡ قَبۡلُ وَفِىۡ هٰذَا لِيَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ شَهِيۡدًا عَلَيۡكُمۡ وَتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (الحج: 78)

(یہ) تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے۔ اس نے اس سے پہلے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اور اس (قرآن) میں تا کہ رسول تم پر گواہ ہوں اور تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ۔

امت کا نام مسلمان کس نے رکھا

سابقہ آیت میں فرمایا! اس نے اس سے پہلے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔
اس آیت کے دو محمل ہیں:
(1) ایک یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمہارا نام مسلمان رکھا کیونکہ ہر نبی کی دعا مقبول ہوتی ہے۔
اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی۔

رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَيۡنِ لَكَ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسۡلِمَةً لَّكَ (البقرۃ: 128)

اے ہمارے رب! ہمیں اپنے لئے مسلمان رکھ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک امت کو مسلمان رکھ۔
اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کو قبول فرمایا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم امت کو امت مسلمہ بنا دیا۔
اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ
یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام امت مسلمہ رکھا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت قتادہ، مجاہد اور ضحاک کا قول یہ ہے:
اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے۔
(جامع البیان: ج: 17، ص: 271 مطبوعہ دار الفکر بیروت)
ابن زید نے یہ کہا ہے:
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے۔
امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ
ابن زید کا قول بلا دلیل ہے کیونکہ یہ معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا نام قرآن مجید میں مسلمین نہیں رکھا کیونکہ قرآن مجید حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بہت عرصہ بعد نازل ہوا ہے۔
(جامع البیان: ج: 17، ص: 271 تا 272 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

وضو کے بعد دعائے ابراہیمی پڑھنے کا ثواب

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب بندہ فرض نماز کے لئے وضو کرے اور پورا پورا وضو کرے پھر اپنے گھر سے نماز پڑھنے کے ارادہ کے لئے نکلے۔
اور نکلتے وقت یہ دعا پڑھے۔
بِسْمِ اللهِ الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنَ
ترجمہ: (اللہ تعالیٰ کے نام سے جس نے مجھے پیدا کیا سو وہی ہدایت دیتا ہے)
تو اللہ تعالیٰ اس کو صحیح بات کی ہدایت دے گا۔
امام ابن مردویہ کی روایت میں ہے۔
اس کو صحیح کاموں کی ہدایت دے گا۔
پھر پڑھے:
وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَ یَسْقِیْنَ
(جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے)
تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے طعام سے کھلائے گا اور جنت کے مشروب سے پلائے گا۔
پھر پڑھے:

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنَ

(اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے)

تو اللہ تعالیٰ اس کو شفا دیتا ہے اور اس کی بیماری کو اس کے لئے کفارہ بنا دیتا ہے۔

پھر پڑھے:

وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنَ

(جو میری روح قبض کرے گا پھر مجھ کو زندہ کرے گا)

تو اللہ تعالیٰ اس کو نیک بختوں کی حیات کے ساتھ زندہ کرے گا اور اس کو شہداء کی موت کے ساتھ موت دے گا۔

پھر پڑھے:

وَالَّذِيْ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَلِيْ خَطِيْئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنَ

(اور جس سے مجھے یہ امید ہے کہ وہ قیامت کے دن میری خطاؤں کو بخش دے گا)

تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام خطاؤں کو بخش دے گا۔ خواہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔

پھر پڑھے:

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ

(اے میرے رب عزوجل مجھے حکم فیصلہ عطا فرما اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔)

تو اللہ تعالیٰ اس کو صحیح فیصلہ کی قوت عطا فرماتا ہے اور اس کو گزرے ہوئے یا موجودہ نیک لوگوں کے ساتھ ملا دیتا ہے۔

پھر پڑھے:

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۔

(اور بعد میں آنے والے لوگوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ)

تو ایک سفید ورق میں یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ فلاں بن فلاں صادقین میں سے ہے۔

پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو سچ بولنے کی توفیق دیتا ہے۔

اس کے بعد پڑھے:

وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ

(اور مجھے نعمت والی جنتوں کے وارثوں میں سے بنا دے)

تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں محلات بنا دیتا ہے۔

- اور حسن بصری اس کے بعد یہ دعا بھی پڑھتے تھے:

وَاغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ کَمَا رَبَّیَانِیْ صَغِیْرًا ۔

(میرے ماں باپ کو بخش دے جیسا کہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی)

(الدر المنثور: ج:6،ص:276 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک امت

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک امت کا لقب عطا فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًا ؕ وَلَمْ یَكُ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۙ (النحل: 120)

بے شک ابراہیم (اپنی ذات میں) ایک امت تھے۔ اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار باطل سے مجتنب اور مشرکین میں سے نہ تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امت کیوں فرمایا

(1) حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جو امت کا اطلاق کیا گیا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ ایک قوم یا ایک امت مل کر جتنے نیکی کے کام کرتی یا جتنی عبادت کرتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تنہا اتنی عبادت کرتے تھے اور اتنے نیکی کے کام کرتے تھے۔

(2) مجاہد نے کہا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے ابتدائی دور میں صرف ایک مومن تھے اور باقی تمام لوگ کافر تھے۔ اس لئے وہ اپنی ذات میں امت تھے۔

جیسے آپ نے زید بن عمرو بن نفیل کے متعلق فرمایا:

وہ قیامت کے دن ایک امت کے طور پر اٹھایا جائے گا۔

(زاد المسیر: ج:4،ص:503)

(3) شہر بن جوشب بیان کرتے ہیں۔

روئے زمین کبھی ایسے چودہ آدمیوں سے خالی نہیں رہی جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اہل زمین سے عذاب دور کرتا ہے اور ان کی برکت کو ظاہر کرتا ہے۔ سوائے ابراہیم علیہ السلام کے وہ اپنے زمانہ میں صرف ایک مومن تھے۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 16588)

(4) امت کا معنی یہاں پر یہ ہے کہ جس کی اقتداء کی جائے اور وہ امام ہو یہ مصدر مفعول کے معنی میں ہے جیسے خلق مخلوق کے معنی میں ہے۔ سو امت ماموم کے معنی میں ہے یعنی امام

قرآن مجید میں ہے:

اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (البقرہ: 124)

(5) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سبب سے ان کی امت توحید اور دین حق میں دوسری امتوں سے ممتاز ہوئی اور چونکہ وہ امت کے امتیاز کا سبب تھے۔اس وجہ سے ان کو کہا گیا۔

(6) امت کا ایک معنی ہے نیکی اور خیر کی تعلیم دینے والا۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

فروہ بن نوافل اشجعی بیان کرتے ہیں کہ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا:

حضرت معاذ ایک امت تھے۔اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار باطل سے مجتنب، میں نے دل میں کہا، ابوعبدالرحمٰن نے غلط کہا۔اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے فرمایا ہے:

اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا:

تم جانتے ہو کہ امت کا کیا معنی ہے اور قانت کا کیا معنی ہے۔

میں نے کہا:

اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جاننے والا ہے۔

انہوں نے کہا:

امت وہ شخص ہے جو نیکی اور خیر کی تعلیم دے اور قانت وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والا ہو اور حضرت معاذ نیکی اور خیر کی تعلیم دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 16585)

حضرت ابراہیم علیہ السلام چند امور کو پہلے ادا کرنے والے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چند امور سب سے پہلے ادا فرمائے۔

مفسر شہیر مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(1) سب سے پہلے آپ علیہ السلام ہی نے اپنا اور اپنی اولاد کا ختنہ کیا۔

آپ علیہ السلام سے پہلے پیغمبر ختنہ شدہ پیدا ہوتے تھے۔

ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔

(2) پہلے آپ علیہ السلام ہی کے بال سفید ہوئے۔

(3) پہلے آپ علیہ السلام نے ناخن اور مونچھ کٹوائے اور زیر ناف کے بال دور کرنے کو رواج دیا کہ آپ علیہ السلام کے دین میں یہ باتیں فرض تھیں اور ہمارے ہاں سنت۔

(4) پہلے آپ علیہ السلام نے ہی سلا ہوا پاجامہ پہنا۔

(5) پہلے آپ علیہ السلام ہی نے بالوں میں خضاب لگایا۔

(6) سب سے پہلے آپ علیہ السلام ہی نے منبر بنایا اور اس پر خطبہ پڑھا۔

(7) سب سے پہلے آپ علیہ السلام ہی نے ہاتھوں میں عصا لیا۔

(8) پہلے آپ علیہ السلام ہی نے راہ خدا عزوجل میں جہاد کیا جبکہ رومی کافر آپ علیہ السلام کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو قید کر کے لے گئے۔ آپ علیہ السلام نے ان سے جہاد کر کے انہیں چھڑایا۔

(9) پہلے آپ علیہ السلام ہی نے مہمان نوازی کی کہ بغیر مہمان کبھی ناشتہ بھی نہ کیا اور مہمان کی تلاش میں چار چار کوس نکل جاتے تھے۔

(10) پہلے آپ علیہ السلام ہی نے شیرمال یا پراٹھے پکوا کر مہمانوں کو کھلائے۔

(11) پہلے آپ علیہ السلام ہی نے معانقہ کیا (گلے ملنا) آپ علیہ السلام سے پہلے سجدہ تحیت کا رواج تھا۔

(12) آپ علیہ السلام ہی کو بہت مال اور خدام دیئے گئے۔

(13) پہلے آپ علیہ السلام ہی نے ثرید پکایا۔ (شوربے میں پکی ہوئی روٹی)

(تفسیر نعیمی: پارہ:1، ص:702 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فضائل کثیرہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بہت سارے فضائل ہیں جن میں سے چند یہ بھی ہیں۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(1) آپ علیہ السلام ہی اپنے مابعد سارے پیغمبروں کے والد ہیں۔

(2) ہر آسمانی دین میں آپ علیہ السلام ہی کی پیروی اور اطاعت ہے۔

(3) آپ علیہ السلام ہی خانہ کعبہ کی پہلی تعمیر کرنے والے ہیں یعنی اسے گھر کی شکل بنانے والے۔

(4) آپ علیہ السلام ہی کی یادقربانی ہے۔

(5) آپ علیہ السلام ہی کی یادگار حج کے ارکان ہیں۔

(6) جس پتھر پر کھڑے ہو کر آپ علیہ السلام نے خانہ کعبہ بنایا اس کی طرف قیام اور سجدے ہونے لگے۔ یعنی مقام ابراہیم۔

(7) قیامت میں آپ علیہ السلام ہی کولباس فاخرہ عطا ہوگا اس کے فوراً بعد ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو۔

(8) ایک دفعہ آپ علیہ السلام کے زمانہ میں قحط سالی ہوئی غلہ کہیں میسر نہ ہوتا تھا۔ آپ علیہ السلام نے بوریوں میں سرخ ریت بھروا کر منگوالیا جب کھولا گیا تو شربتی گیہوں تھے جب اسے بویا گیا تو اس کے درختوں میں جڑ سے اوپر تک بالیاں لگیں۔

(9) ہر دین والے آپ علیہ السلام کی تعظیم کرتے ہیں۔

(10) ایک دفعہ کفار نے آپ علیہ السلام پر شیر چھوڑے۔ شیروں نے آپ علیہ السلام کو سجدہ کیا اور آپ علیہ السلام کے قدم چاٹنے لگے۔

(11) امام احمد نے اپنی سند میں حاکم اور بیہقی وغیرہ محدثین نے نقل کیا کہ

مسلمانوں کے مردہ بچوں کی آپ علیہ السلام اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا عالم برزخ میں پرورش کرتے ہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:1، ص:703 نعیمی کتب خانہ لاہور)

ابراہیمی سنتوں کے فائدے اور احکام

مفسر شہیر مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

بعض مفسرین نے فرمایا:

کلمات سے دس چیزیں مراد ہیں جو ان پر واجب تھیں اور ہمارے لئے سنت۔

(1) کلی کرنا

(2) ناک میں پانی ڈالنا

(3) سر میں مانگ نکالنا

(4) مونچھیں کٹوانا

(5) مسواک کرنا

(6) ختنہ کرنا

(7) ناف کے نیچے کے بال صاف کرنا

(8) بغل کے بال اکھیڑنا

(9) ناخن کٹوانا

(10) پانی سے استنجا کرنا

کلی کرنا

کلی کھانے سے پہلے اور اس کے بعد اور اس کے علاوہ بھی کلی کرنا نہایت مفید ثابت ہوا ہے اگر کھانے میں دانت کا میل

شامل ہو جائے تو تندرستی کو مضر ہے نیز اس میل سے منہ میں بدبو آتی ہے جس سے لوگ نفرت کرتے ہیں ان سب کا علاج کلی ہے۔

مسواک کرنا

مسواک سے دانتوں کی ریخوں میں میل جمع ہو کر زہریلا مادہ بن جاتا ہے اگر وہ دور نہ کیا جائے تو مسوڑھوں سے خون یا پیپ بہنے لگتا ہے۔ اس لئے مسواک بڑی مفید ہے۔ مسواک بہت سی بیماریوں کو مفید ہے۔ اس سے ہاضمہ درست رہتا ہے۔ آنکھیں خراب نہیں ہوتیں، گندہ دہنی اور منہ کے امراض کو دور کرتی ہے۔ جان کنی میں آسانی ہوتی ہے وغیرہ مگر چاہئے کہ مسواک پیلو یا کسی کڑوے درخت کی ہو۔ پھل پھول والے درخت کی نہ ہو ایک بالش سے زیادہ نہ ہو۔

ناک میں پانی لینا

ناک میں پانی لینا دماغ کو صاف کرتا ہے۔ اسی لئے وضو کرنے والے دیوانے کم ہوتے ہیں مگر چاہئے کہ اگر روزہ نہ ہو تو بانسہ تک پانی چڑھائے۔

مونچھ کٹوانا

اس قدر مونچھ کٹوانا سنت ہے جس سے ہونٹ کا پورا کنارہ کھل جائے کہ کھانے اور پینے میں اس کے بال نہ ڈوبیں۔ ان بالوں میں زہریلا اثر ہوتا ہے۔ اگر کھانا یا پانی اس سے لگ کر جائے تو بیماری پیدا ہوگی۔ مونچھ منڈوانا منع ہے کیونکہ اس سے ضعف باہ پیدا ہوتا ہے۔ مونچھوں کے کنارے کاٹنے کی ضرورت نہیں کیونکہ نہ تو اس سے منہ ڈھکتا ہے اور نہ کھانے میں ڈوبتی ہیں۔ لمبی مونچھوں والوں کو ناک صاف کرنا کچھ کھانا پینا وبال ہوتا ہے۔

داڑھی ایک مشت رکھنا

داڑھی ایک مشت رکھنا سنت ہے اور مشت سے زیادہ کاٹنا بہتر ہے۔ مرد کی داڑھی عورت کے سر کے بالوں کی طرح زینت ہے۔ داڑھی مقوی باہ بھی ہے چھوٹے بچوں اور عورتوں اور خصی انسانوں کی داڑھی نہیں ہوتی۔ اچھے بھلے آدمی کے خصیے نکال لئے جائیں تو داڑھی جھڑ جاتی ہے۔ داڑھی والوں کی اولاد بمقابلہ داڑھی منڈوں کے زیادہ ہوتی ہے اور قوی بھی۔

ناخن کٹوانا

ناخن کٹوانا بھی سنت ہے کیونکہ ناخن کا میل بھی زہریلا اثر رکھتا ہے۔

اگر کھانے میں مل کر جائے گا بیمار کر دے گا۔

جو شخص جمعرات کے دن عصر کے بعد ناخن اس طرح کاٹے کہ داہنے ہاتھ کی شہادت انگلی سے شروع کر کے چھنگلیا پر ختم کرے پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے شروع کر کے انگوٹھے پر ختم کرے پھر داہنے انگوٹھے کا ناخن بھی کاٹ لے۔ اس کے بعد

داہنے پاؤں کی چھنگلیاں سے شروع کر کے ترتیب وار بائیں پاؤں کی چھنگلیاں پر ختم کردے تو انشاء اللہ تنگ دستی دنیوی پریشانی اور آنکھ کی خرابی سے محفوظ رہے گا۔

ختنہ

یہ بھی پیشاب وغیرہ کی بہت سی بیماریوں کا علاج ہے قوت باہ کے لئے مفید ہے۔ مختون کی اولاد قوی اور اس کی بیوی پاک دامن رہے گی۔

روح البیان وغیرہ میں ہے کہ

بہتر یہ ہے کہ پیدائش سے ساتویں روز عقیقہ کے ساتھ ختنہ بھی کرادیا جائے اور سات اور دس سال کی درمیانی عمر میں تو ضروری کروایا جائے۔

امام حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

بڈھے نومسلم کا ختنہ ضروری نہیں۔

دیگر علماء کرام نے فرمایا

بہتر یہ ہے کہ اس کا نکاح کسی ایسی عورت سے کروایا جائے جو ختنہ کرسکے اور بعد نکاح وہ اس کا ختنہ کردے۔

تفسیر عزیزی نے فرمایا ہے کہ

بیہقی میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسحاق علیہ السلام کا ختنہ پیدائش سے ساتویں دن اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ختنہ تیرہویں سال کرایا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما کا ختنہ ساتویں روز کرایا۔

موئے زیرناف کا صاف کرنا

موئے زیرناف کا صاف کرنا آٹھویں روز یا پندرہویں دن یا زیادہ سے زیادہ چالیسویں دن ضروری ہے۔ یہ بال رہنے سے خارش پیدا ہوتی ہے اور باہ کمزور پڑتی ہے۔

مانگ نکالنا

یا ہر دسر کے بال رکھوائے یا کل کٹوائے۔ بعض کا کٹوانا اور بعض کا رکھنا منع ہے جیسے انگریزی بال اور پان تھجے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال شریف اکثر تا بگوش اور کبھی تا بدوش ہوتے تھے۔ جس کے بال ہوں وہ انہیں پراگندہ نہ رکھے کہ اس سے نیستی ہوتی ہے۔ بلکہ ان کو درست رکھے اور بیچ سر کے مانگ نکالنا سنت ہے۔ بعض عورتیں جو دائیں بائیں مانگ نکالتی ہیں وہ سنت کے خلاف ہے۔

بغل کے بال مونڈھنا

بغل کے بال مونڈھنا بھی جائز ہے مگر اکھیڑنا سنت ہے اور ناک کے بالوں کا کٹوانا بہتر اور اکھیڑنا منع ہے کیونکہ اس سے بیماری پیدا ہوتی ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 1، ص: 703 تا 704 نعیمی کتب خانہ لاہور)

یہودیوں اور نصرانیوں کے عقائد کا باطل ہونا

یہودی کہتے تھے: حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور نصرانی کہتے تھے: حضرت ابراہیم علیہ السلام نصرانی تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کی کہ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ ہی نصرانی تھے بلکہ وہ ایک خالص مسلمان تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○

(آل عمران: 67)

ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی لیکن وہ ہر باطل نظریہ سے الگ رہنے والے خالص مسلمان تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔

☆ یہود و نصاریٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات میں بحث کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے یا نصرانی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دعوؤں کی تکذیب کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام ادیان باطلہ سے اعراض کرنے والے اور خالص مسلمان تھے۔

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

عامر بیان کرتے ہیں کہ یہود نے کہا: ابراہیم علیہ السلام ہمارے دین پر ہیں اور نصاریٰ نے کہا: وہ ہمارے دین پر ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی لیکن وہ ہر باطل نظریہ سے الگ رہنے والے خالص مسلمان تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔

(جامع البیان: ج: 3، ص: 217، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب ملت

یہود و نصاریٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی طرف منسوب کیا کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کرنے والے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب فرمائی کہ بے شک تمام لوگوں میں ابراہیم سے نزدیک تر وہی لوگ تھے جنہوں نے ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کی۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ○

(آل عمران:67)

بے شک تمام لوگوں میں ابراہیم سے نزدیک تر وہی لوگ تھے جنہوں نے ان کی اتباع کی اور یہ نبی اور جو (ان پر) ایمان لائے اور اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور نصرانیوں کی تکذیب فرمائی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کرنے کے دعویٰ کا حق ان ہی لوگوں کو ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین، ان کی شریعت اور ان کے طریقہ کی پیروی کرتے ہیں اور وہ نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے ہیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر نبی کے نبیوں میں سے کچھ مددگار ہوتے ہیں اور ان نبیوں میں سے میرے مددگار میرے باپ اور میرے رب عزوجل کے خلیل ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت (اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ......) کی تلاوت فرمائی۔

(جامع البیان: ج:3، ص:218، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت) (جامع ترمذی: ص:426 مطبوعہ کراچی)

تورات اور انجیل کا نزول حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ہوا

یہود یہ دعویٰ کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے دین پر ہیں اور نصاریٰ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے دین پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا: تم دونوں یہ دعویٰ کس طرح کر رہے ہو حالانکہ تورات اور انجیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کافی بعد نازل ہوئی ہیں۔

ایک قول یہ ہے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان سات سو سال کا عرصہ ہے اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا عرصہ ہے، نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام، یہود کے دین پر کس طرح ہو سکتے ہیں؟ جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام موحد تھے اور یہود عزیز کی عبادت کرتے ہیں اور عیسائیوں کے دین پر کس طرح ہو سکتے ہیں؟ جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام موحد تھے اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں تورات وانجیل کے نزول کاذکر یوں فرمایا گیا:

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

(آل عمران: 65)

اے اہل کتاب تم ابراہیم کے متعلق کیوں بحث میں پڑتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل ان کے بعد ہی نازل ہوئی ہیں۔کیا تم نہیں سمجھتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بردبار

حضرت ابراہیم علیہ السلام بردبار اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آہ زاری کرنے اور اس کی طرف رجوع کرنے والے پیغمبر تھے۔اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی مدح سرائی قرآن مجید میں ذکر فرمائی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ (هود: 75)

بے شک ابراہیم بردبار،اللہ سے آہ وزاری کرنے والے اور اس کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر جمیل کا جاری رہنا

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر جمیل کو اتنا بلند فرمایا: آج تک بلکہ قیامت تک آپ علیہ السلام کا ذکر جمیل ہوتا رہے گا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی:اے خالق باری تعالیٰ بعد میں آنے والے میرا ذکر جمیل جاری رکھ۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۔ (الشعراء: 84)

اور بعد میں آنے والے لوگوں میں میرا ذکر جمیل جاری رکھ۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر جمیل بلند کیا اور قیامت تک ذکر جمیل ہوتا رہے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝ (مریم: 50)

اور ہم نے ان کو اپنی رحمت عطا کی اور ہم نے (دنیا میں) ان کا ذکر جمیل بلند کیا۔

آج تک اگر ملاحظہ کریں تو تمام قوموں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا مقتدا اور پیشوا مانا اور آپ علیہ السلام کی طرف منسوب ہونے میں فخر کرتے تھے۔پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر جمیل اتنا بلند اور جاری وساری کیا کہ ملت ابراہیم کی پیروی کا حکم دیا۔آج تک یا قیامت تک قربانی ہوگی تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنّت ہے۔حج میں آپ علیہ السلام کا ذکر جمیل ہے۔نماز میں آپ علیہ السلام کا ذکر جمیل ہے اور قیامت تک ہوتا رہے گا۔

قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:
یہ قربانیاں کیسی ہیں؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہیں۔
مسلمانوں نے پوچھا:
ان میں ہمارے لئے کیا اجر ہے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اس کے خون کے ہر قطرہ کے بدلہ میں ایک نیکی ہے۔
(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 3127)

حضرت ابراہیم علیہ السلام جھوٹ سے منزہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام جھوٹ سے منزہ ہیں افسوس اس بات کی ہے کہ بعض لوگ جہالت کی وجہ سے انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف جھوٹ کی نسبت کر دیتے ہیں۔

حسب ذیل حدیث مبارکہ کے تحت بعض جاہل لوگوں نے کہا: دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (نعوذ باللہ) تین جھوٹ بولے اور آپ کہتے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جھوٹ نہیں بولا۔

دراصل یہ لوگ حدیث مبارکہ کے معانی ومطالب پر غور کرتے اور علماء کرام کے اقوال کو پڑھتے تو ان کو خوب سمجھ آ جاتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوائے تین باتوں کے کوئی ایسی بات نہیں کی جس کو لوگوں نے جھوٹ سمجھا ہو۔ ان تین میں سے دو کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سے ہے۔
انہوں نے کہا:
اِنِّیْ سَقِیْمٌ (الصفت: 89)
میں بیمار ہونے والا ہوں۔
اور انہوں نے کہا:

بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ (الانبياء: 63)

بلکہ یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہوگا۔

اور ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی بیوی سارہ رضی اللہ عنہا سفر کر رہے تھے۔ان کا گزر ایک ظالم بادشاہ کے ملک میں ہوا۔اس بادشاہ کو بتایا گیا کہ ایک شخص آ رہا ہے اور اس کی بیوی سب سے زیادہ حسین ہے۔

اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلوا کر پوچھا۔

یہ عورت کون ہے؟

انہوں نے فرمایا:

یہ عورت میری (دینی) بہن ہے۔

اور (واپس آ کر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا) کو کہا: اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں ہے۔ اس بادشاہ نے تمہارے متعلق پوچھا تو میں نے اس کو بتایا کہ تم میری (دینی) بہن ہو۔سو تم مجھ کو جھٹلانا نہیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3358) (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2371)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جھوٹا کہنے سے بہتر راویوں کو جھوٹا کہا جائے

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین بن عمر رازی رحمۃ اللہ علیہ 606ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جھوٹا قرار دینے سے بہتر یہ ہے کہ ان راویوں کو جھوٹا کہا جائے جنہوں نے یہ حدیث روایت کی ہے کیونکہ اس پر دلیل قطعی یہ ہے کہ اگر کسی مصلحت کی وجہ سے انبیاء کرام علیہم السلام کا جھوٹ بولنا جائز ہو تو یہ احتمال ان کی ہر حدیث میں جاری ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی خبر دیں گے اس میں یہ احتمال ہوگا کہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے کسی مصلحت کی وجہ سے جھوٹ بولا ہو اور اس سے شریعت پر اعتماد ختم ہو جائے گا اور ہر بات پر جھوٹ کی تہمت ہو گی اور اگر بالفرض یہ حدیث صحیح ہو تو معاریض پر محمول ہے۔

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

معاریض میں جھوٹ سے بچنے کی گنجائش ہے۔

(تفسیر کبیر: ج:8، ص:156 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

معاریض کا معنی

معاریض کا معنی ہے۔

تعریض کے ساتھ کلام کرنا۔

کلام میں صراحت کے ساتھ ایک شخص کی طرف نسبت ہو اور مراد دوسرا شخص ہو۔ایک لفظ کے دو معنی ہوں ایک قریب اور ایک بعید۔متکلم قریب کے معنی کا ارادہ کرے اور مخاطب کے ذہن میں بعید معنی کا وہم ڈالے۔

جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے متعلق فرمایا:
یہ میری بہن ہے۔ خود ایمانی بہن کا ارادہ کیا اور سننے والے نسبی بہن سمجھے
یا جیسے آپ علیہ السلام نے فرمایا:
میں بیمار ہوں۔
آپ علیہ السلام نے روحانی بیماری کا ارادہ کیا اور سننے والے جسمانی بیماری سمجھے۔ اس کو صفت الہام کہتے ہیں۔
اور تعریض کی مثال یہ ہے کہ
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت توڑنے کی صراحت کے ساتھ بڑے بت کی طرف نسبت کی اور ارادہ اپنی ذات کا کیا۔

حافظ شہاب الدین عسقلانی کا قول

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:
ان فی معاریض الکلام مندوحة عن الکذب
اس اثر کو امام بخاری نے الادب المفرد میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔
اور امام طبری نے التہذیب میں اور امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ امام ابن عبدی نے اس کو ایک اور سند کے ساتھ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے یعنی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔
(الکامل فی ضعفا الرجال: ج:3، ص:567 طبع جدید)
اسی طرح امام بیہقی نے بھی مرفوعاً روایت کیا ہے۔
(سنن کبریٰ: ج:10، ص:199)
جوہری نے کہا:
تعریض اس کلام کو کہتے ہیں جو تصریح کے خلاف ہو اور کلام میں معاریض کا معنی یہ ہے ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ توریہ کیا جائے۔
(الصحاح: ج:3، ص:1087 دار العلم بیروت)
اور الراغب نے کہا ہے:
تعریض اس کلام کو کہتے ہیں جس کے صدق اور کذب کے دو محمل ہوں یا ظاہر اور باطن کے دو محمل ہوں۔
قرآن مجید میں ہے:

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ (البقرہ: 235)

یعنی اگر تم عدت میں بیٹھی ہوئی عورت کو تعریض کے ساتھ نکاح کا پیغام دو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

مثلاً کہو تم بہت خوبصورت ہو یا تم میں تو بہت مرد رغبت کرتے ہوں گے۔

(المفردات: ج:2، ص:430 مکہ مکرمہ)

لیکن اولیٰ یہ ہے کہ

ایک کلام کے دو محمل ہوں۔ ایک کو مطلق کہا جائے اور دوسرا اس کو لازم ہو اور وہی مراد ہو اور تعریض اور کنایہ میں فرق کا بہت سوال کیا جاتا ہے۔

(فتح الباری: ج:12، ص:239 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث مبارکہ میں کوئی قول جھوٹ نہیں ہے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث مبارکہ میں جن اقوال پر جھوٹ کا اطلاق فرمایا ہے وہ محض صوری اور ظاہری ہے۔ حقیقت میں ان میں سے کوئی قول جھوٹ نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ فرمایا تھا میں بیمار ہونے والا ہوں اس کا محمل یہ ہے کہ میں عنقریب بیمار ہوں گا کیونکہ ہر انسان پر کبھی نہ کبھی بیماری آتی ہے اور انہوں نے بتوں کو توڑنے کی نسبت بڑے بت کی طرف کی تھی تو یہ سبب کی طرف نسبت ہے کیونکہ انہوں نے اس کی خدائی کو باطل کرنے کے سبب سے چھوٹے بتوں کو توڑا تھا تا کہ یہ ظاہر ہو کہ اس کے سامنے ان تمام بتوں کو توڑ دیا گیا اور یہ ان کا دفاع نہیں کر سکا اور انہوں نے جو اپنی بیوی سارہ رضی اللہ عنہا کو جو فرمایا تھا یہ میری بہن ہے۔

اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ یہ میری دینی بہن ہے۔

(عمدۃ القاری: ج:15، ص:342 تا 243 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس تمام بحث سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جھوٹ سے منزہ ہیں۔

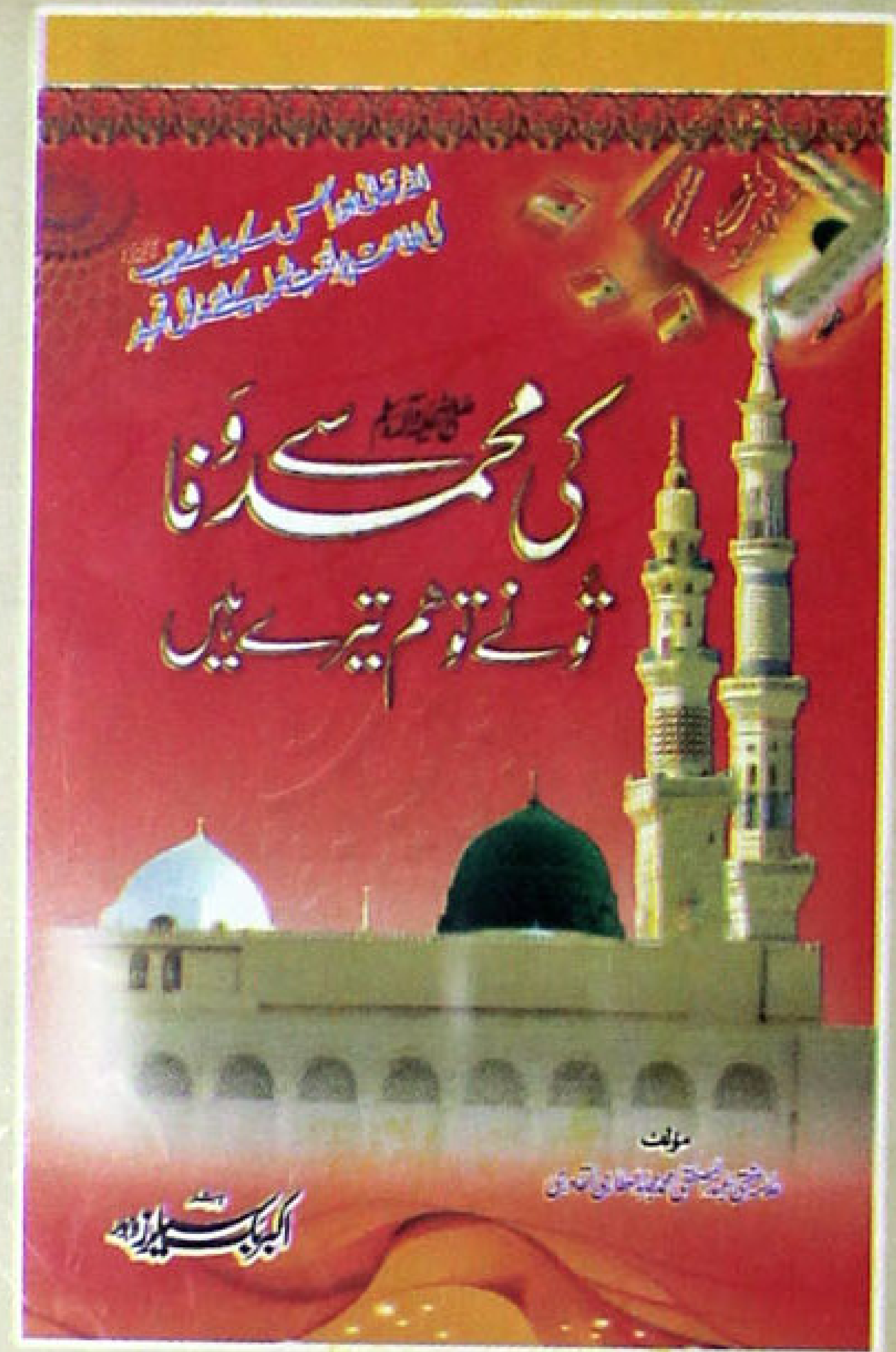
الحمد للہ عزوجل بندۂ ناچیز گناہ گار و بدکار نے جلد اول کو مکمل کیا اگر اس میں کوئی غلطی و کوتاہی ہوگئی ہو تو اللہ تعالیٰ کی مقدس بارگاہ میں بواسطہ و بوسیلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاف فرمائے اور ہم تمام کی مغفرت فرما کر ایمان پر خاتمہ، قبر میں زیارت مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قیامت میں شفاعت عظمیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور جنت میں نبی رحمت شفیع امت، قاسم جنت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمین شریفین میں جگہ عطا فرمائے۔

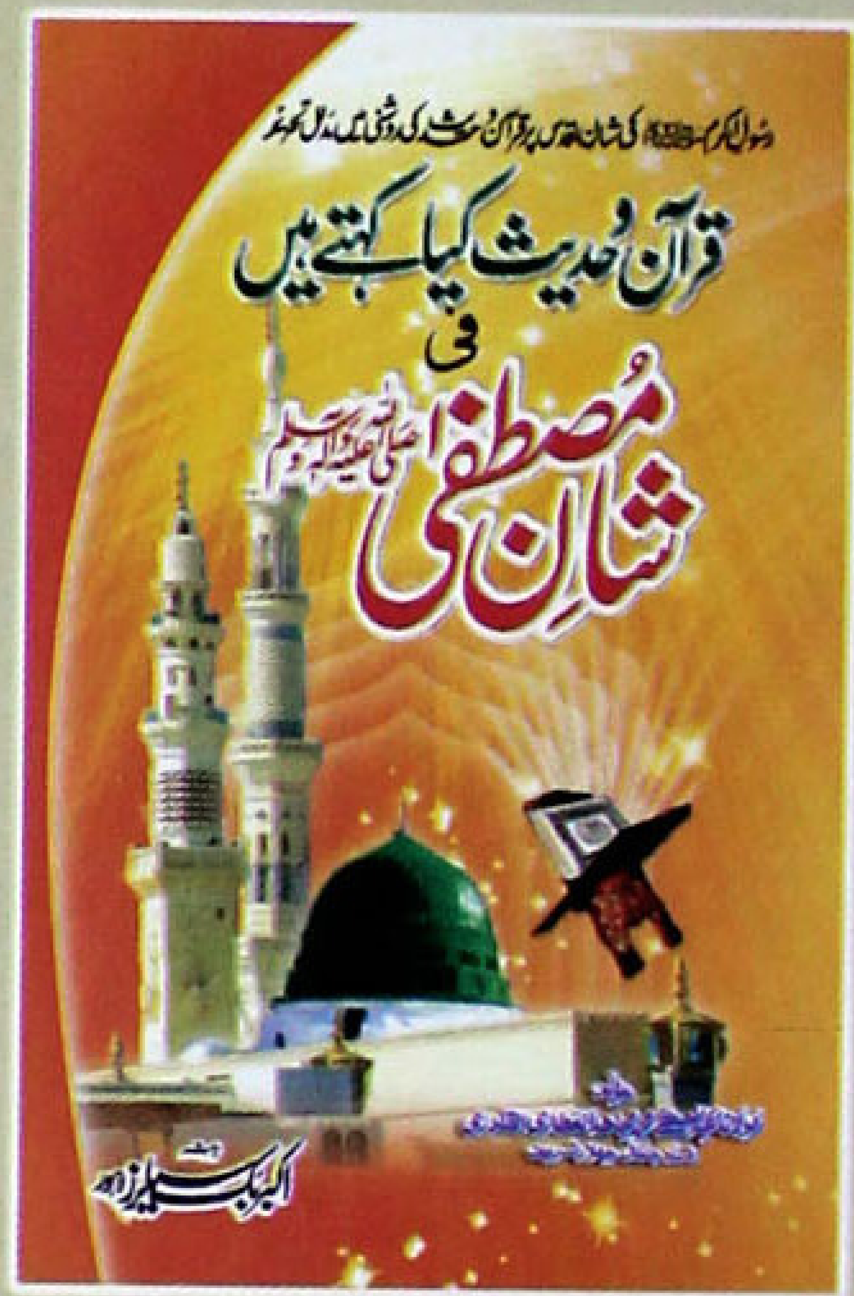
آمین بجاہ النبی الامین و صلی اللہ علیہ وسلم!

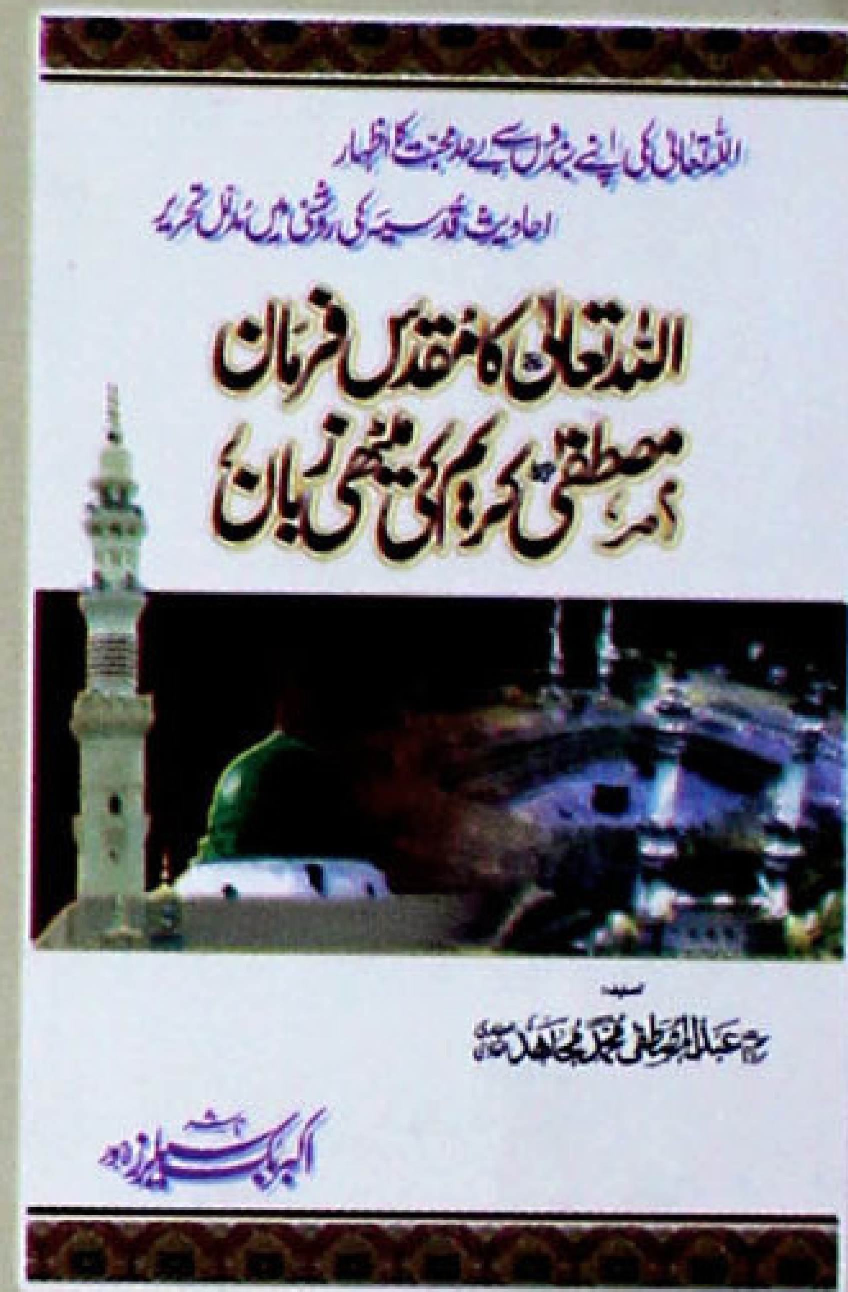
عبد المصطفیٰ محمد مجاہد المدنی العطاری القادری عفی عنہ
آستانہ عالیہ چشتیہ جھلار شریف شاہ جمال مظفر گڑھ

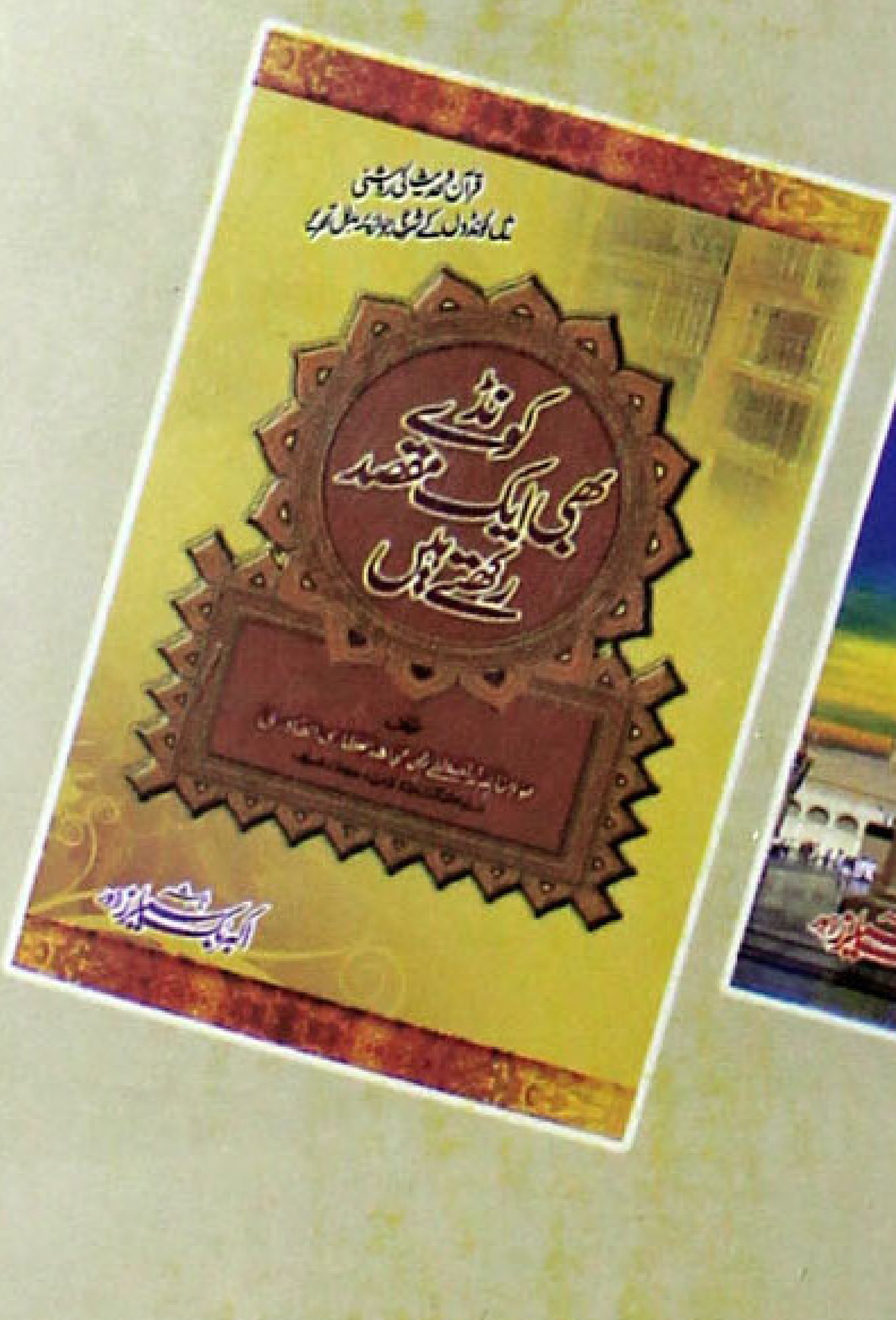
مولانا عبد المصطفیٰ محمد مجاهد العطاری القادری
شاہ جمال آستانہ عالیہ جھلار شریف

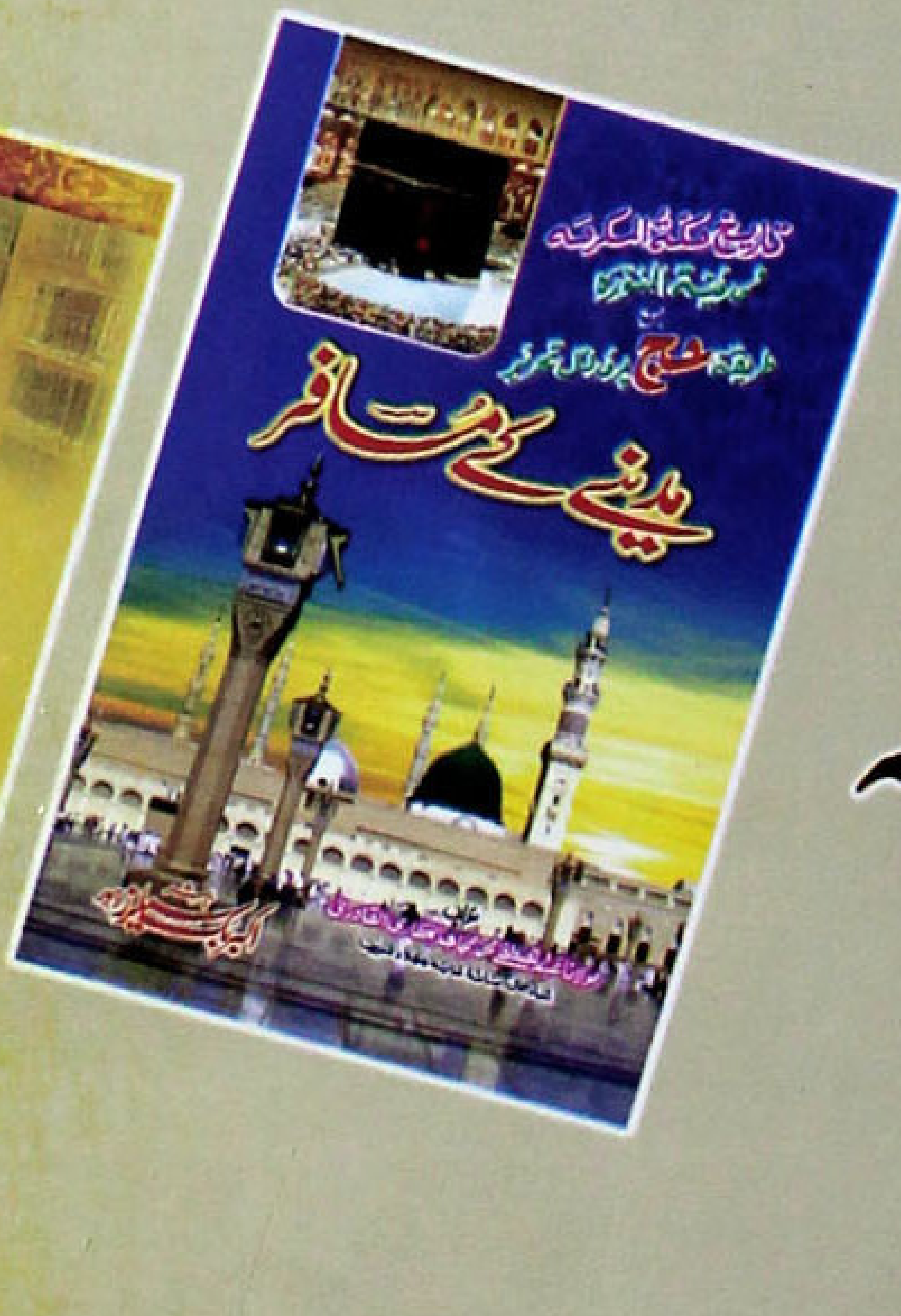
کی دیگر تصانیف وتراجم











جدید تخریج شدہ

الصوائق المحرقہ

(مترجم)

ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور Ph: 37352022